یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ

پر الزامات کا تحقیقی جائزہ

تقدیم: فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ



تالیف: فضیلۃ الشیخ ابوفوزان کفایت اللہ سنابلی حفظہ اللہ

دار السنة
للتحقيق والطباعة والنشر

اس کتاب کی چند خصوصیات حسب ذیل ہیں

١ یہ ایک تفصیلی جائزہ ہے، اس سے قبل اس موضوع پر اردو میں اتنی تفصیلی کتاب شاید نہیں ہے۔

٢ افراط وتفریط سے پاک، صحیح حقائق پر مبنی ہے۔

٣ جن روایات سے اس عہدِ سعادت میمون کو مسخ اور اس کی پاک باز شخصیات کو داغ دار کیا جاتا ہے، نقد و جرح کے مسلمہ اصولوں کی روشنی میں ان روایات کا بے اصل اور بے ثبوت ہونا ثابت کیا گیا ہے۔

٤ اس بابرکت دور اور اس کی محترم شخصیات پر بے گانوں ہی نے ظلم نہیں ڈھایا ہے، بلکہ بعض ''اپنوں'' نے بھی مشقِ ستم کی ہے۔ اس کتاب میں ان اپنوں کی ستم رانیوں کو بھی میزانِ نقد و تحقیق میں تول کر کھرے کھوٹے کو واضح کر دیا گیا ہے۔ الحمد للہ

بہرحال فاضل مصنف کی یہ علمی کاوش اس لحاظ سے نہایت قابلِ قدر ہے کہ تاریخِ اسلام کی مظلوم شخصیات کا اس میں مدلل دفاع کیا گیا ہے اور ان کی آڑ میں جو بعض جلیل القدر صحابہ کو طعن و تشنیع کا ہدف بنایا جاتا ہے، اس کا بھی سدِ باب کر کے دفاعِ صحابہ کا حق ادا کیا ہے۔

فجزاه الله عن الإسلام والمسلمين خير الجزاء.

حافظ صلاح الدین یوسف

لاہور۔ پاکستان

دار السنة
للتحقيق والطباعة والنشر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى﴾

اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے، عدل کیا کرو جو تقوی کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے (۵/ المائدۃ:۸)

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللهِ عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ، عَنْ يَمِينِ الرَّحْمَنِ عَزَّ وَجَلَّ، وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ، الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا“

”عدل وانصاف کرنے والوں کا اللہ کے یہاں مقام یہ ہوگا کہ وہ رحمٰن عز وجل کے دائیں جانب نور کے منبروں پر ہوں گے اور اللہ کا دونوں ہاتھ دایاں ہے۔ یہ وہی لوگ ہوں گے جو اپنے فیصلوں، اپنے اہل وعیال، اور جن کے یہ ذمہ دار ہیں ان کے معاملے میں عدل وانصاف کرتے ہیں“۔ (صحیح مسلم: رقم ۱۸۲۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ پرالزامات

کا

تحقیقی جائزہ

از

ابو الفوزان کفایت اللہ السنابلی

ناشر

دار السنہ للتحقیق والطباعۃ والنشر

نام کتاب	:	**یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ**
مؤلف	:	**ابو الفوزان کفایت اللہ السنابلی**
ناشر	:	دار السنہ للتحقیق والطباعۃ والنشر
طابع	:	ندیم احمد خان
قیمت	:	۳۹۹/روپے
اشاعت	:	۲۰۱۵ء

ملنے کے پتے :-

☆ مکتبہ الفہیم مئوناتھ بھنجن، یوپی

☆ مکتبہ دارالسلام، گاؤکدل، سری نگر، کشمیر

☆ عمری بک ڈپو، نزد مدرسہ تعلیم القرآن، اشوک نگر، کرلا ممبئی

☆ مدرسہ تنویرالاسلام، سعد اللہ پور، پوسٹ کسمہی، سدھارتھ نگر، (یو، پی)

☆ مرکز مکتبہ الاسلام، ایوان ہمدرد، مسلم چوک، گلبرگہ، کرناٹک، انڈیا۔

کتاب منگانے کے لئے رابطہ نمبر:

+919930099793　　**+919165917095**

فہرست موضوعات (مختصر)

فہرست موضوعات (مفصل)

تقریظ

فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

زیرِ نظر کتاب ایک ایسے موضوع پر ہے جس کا تعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس عہد سے ہے، جس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کا سانحہ الیمہ رونما ہوا۔

- یہ دردناک سانحہ کیوں اور کیسے پیش آیا؟
- اس کے اصل کردار کون تھے؟
- کیا اس وقت برسرِ اقتدار خلیفہ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کا اس میں کوئی ہاتھ تھا؟
- اگر نہیں تھا تو اس کا ردِعمل کیا تھا؟
- خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خاندان کے افراد (زین العابدین اور خواتین) کا ردِعمل کیا تھا؟
- کیا اس کے پسِ پردہ یزید کی بدکرداری کا کوئی دخل تھا؟
- اور کیا یزید واقعی بدکردار تھا، جیسا کہ مشہور کر دیا گیا ہے؟
- یزید کے عہدِ حکومت میں واقعہ حرّہ کی کیا حقیقت ہے؟
- یزید کی بدکرداری کے مفروضہ واقعات کی بنیاد پر کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ وغیرہ جلیل القدر صحابہ کو موردِ الزام بنایا جا سکتا ہے؟
- نیز سانحہ کربلا کا پسِ منظر، پیش منظر اور تہ منظر کیا ہے؟

ان سارے سوالات پر غور وفکر اس حقیقت کو جاننے کے لیے ضروری ہے، جس کو جانے بغیر مذکورہ واقعات کی صحیح توجیہ ممکن نہیں۔

لیکن بدقسمتی سے اصل حقیقت کذاب راویوں کی روایات کے انبار میں اور جھوٹے پروپیگنڈے کی دبیز تہوں میں دب کر رہ گئی ہے یا افراط وتفریط کی پگڈنڈیوں میں گم ہوگئی ہے۔

اس کتاب کے فاضل مصنف کفایت اللہ سنابلی حفظہ اللہ نے پہلی مرتبہ اس حقیقت کا سراغ لگانے

کے لیے حقائق و واقعات کا بے لاگ اور تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔

اس کتاب کی چند خصوصیات حسبِ ذیل ہیں:

① یہ ایک تفصیلی جائزہ ہے، اس سے قبل اس موضوع پر اردو میں اتنی تفصیلی کتاب شاید نہیں ہے۔

② افراط وتفریط سے پاک، صحیح حقائق پر مبنی ہے۔

③ جن روایات سے اس عہدِ سعادت میمون کو مسخ اور اس کی پاک باز شخصیات کو داغ دار کیا جاتا ہے، نقد و جرح کے مسلمہ اصولوں کی روشنی میں ان روایات کا بے اصل اور بے ثبوت ہونا ثابت کیا گیا ہے۔

④ اس بابرکت دور اور اس کی محترم شخصیات پر بے گانوں ہی نے ظلم نہیں ڈھایا ہے، بلکہ بعض ''اپنوں'' نے بھی مشقِ ستم کی ہے۔ اس کتاب میں ان اپنوں کی ستم رانیوں کو بھی میزانِ نقد و تحقیق میں تول کر کھرے کھوٹے کو واضح کر دیا گیا ہے۔ الحمد للّٰہ

بہرحال فاضل مصنف کی یہ علمی کاوش اس لحاظ سے نہایت قابلِ قدر ہے کہ تاریخِ اسلام کی مظلوم شخصیات کا اس میں مدلل دفاع کیا گیا ہے اور ان کی آڑ میں جو بعض جلیل القدر صحابہ کو طعن و تشنیع کا ہدف بنایا جاتا ہے، اس کا بھی سدِ باب کر کے دفاعِ صحابہ کا حق ادا کیا ہے۔

فجزاه الله عن الإسلام والمسلمين خير الجزاء.

(حافظ) صلاح الدین یوسف

لاہور۔ پاکستان

رجب المرجب ۱۴۳۶ھ ۔ اپریل ۲۰۱۵ء

عرض مؤلف

اللہ رب العالمین نے انصاف کا حکم دیا ہے اور ہر طرح کی ظلم وزیادتی سے روکا ہے کسی کے بارے میں کوئی تبصرہ کرنا ہو کوئی بات کہنی ہو تو یہاں بھی عدل وانصاف کے ساتھ بات کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَى أَنْ تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾

اے ایمان والو! عدل وانصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور خوشنودی مولا کے لئے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ کے یا رشتہ دار عزیزوں کے، وہ شخص اگر امیر ہو تو اور فقیر ہو تو دونوں کے ساتھ اللہ کو زیادہ تعلق ہے، اس لئے تم خواہش نفس کے پیچھے پڑ کر انصاف نہ چھوڑ دینا اور اگر تم نے کج بیانی یا پہلو تہی کی تو جان لو کہ جو کچھ تم کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے (۴/النساء:۱۳۵)

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى﴾

اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کردے، عدل کیا کرو جو پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے (۵/المائدۃ:۸)

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللهِ عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ، عَنْ يَمِينِ الرَّحْمَنِ عَزَّ وَجَلَّ، وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ، الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا

عدل وانصاف کرنے والوں کا اللہ کے یہاں مقام یہ ہوگا کہ وہ رحمٰن عزوجل کے دائیں جانب نور کے منبروں پر ہوں گے اوراللہ کا دونوں ہاتھ دایاں ہے ۔یہ وہی لوگ ہوں گے جو اپنے فیصلوں ،اپنے اہل وعیال ، اورجن کے یہ ذمہ دار ہیں ان کے معاملے میں یہ عدل وانصاف کرتے ہیں۔(صحیح مسلم: رقم ۱۸۲۷)

قرآن وحدیث میں عدل وانصاف کے حکم کو سامنے رکھتے ہوئے یزید سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ خالص حقائق پیش کئے جائیں اور بے بنیاد اتہامات اور جھوٹے الزامات کی کلی طور پر تردید کردی جائے ،ہماری نظر میں یزید سے متعلق یہی مبنی برانصاف اور معتدل موقف ہے۔

❁ معتدل موقف:- بعض حضرات کی نظر میں یزید سے متعلق معتدل موقف وہ ہوگا جس میں یزید پر لگائے گئے بعض الزامات کا اعتراف ہو اور بعض الزامات کی تردید ہو ۔عرض ہے کہ یہ اصول ہی غلط ہے کہ معتدل موقف تبھی ہوگا جب الزامات کی تردید کے ساتھ ساتھ بعض الزامات کی تصدیق بھی شامل ہو۔

اوراگر یہ اصول صحیح ہے تو کیا ہر شخصیت پر اسی اصول کو اپلائی کیا جائے گا؟ یا پھر بے چارے یزید ہی کے لئے یہ اصول وضع کیا گیا ہے؟ مثلا عثمان رضی اللہ عنہ پر بھی بہت سارے الزامات لگائے گئے ہیں تو کیا عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق معتدل موقف یہی ہوگا کہ ان پر لگائے گئے بعض الزامات تسلیم کرلئے جائیں اور بعض کی تردید کردی جائے؟ نیز

ابوبکرصدیق اورعمرفاروق رضی اللہ عنہما پربھی الزامات لگائے گئے ہیں تو کیا ان سے متعلق بھی اسی طرح کا معتدل موقف اپنایا جائے؟

ہماری نظرمیں یہ اصول ہی باطل ہے کہ معتدل موقف وہی ہوگا جس میں بعض الزامات کی تصدیق ہو اوربعض الزامات کی تردید۔صحیح معنوں میں معتدل موقف کا مفہوم یہ ہے کہ حقائق بیان کئے جائیں اور اس کے برخلاف ہربات رد کردی جائے۔اب اگر برخلاف باتیں بے بنیاد الزامات ہوں تو انہیں رد کیا جائے،غلوآمیز ہوں توانہیں بھی رد کیا جائے ، دونوں طرح کی ہوں تو دونوں کو رد کیا جائے۔لیکن اگرکسی کے خلاف الزامات تو ہوں لیکن غلو کا نام ونشان نہ ہوتویہاں الزامات کی تردید کردینا ہی معتدل موقف پیش کردیناہے۔یہاں اس بات کی قطعا حاجت نہیں ہے کہ ردغلو کی کمی بعض الزامات کی تصدیق سے پوری کی جائے۔

یزید کی شخصیت سے متعلق اہلسنت والجماعت سے خارج گمراہ فرقوں نے بے شک غلوکیا ہے اوراس کی تردیدمعتدل موقف کا تقاضا بھی ہے لیکن اہل سنت والجماعت میں یزید کی شخصیت سے متعلق جواختلاف ہے وہاں غلو کا دور دور تک کوئی نام ونشان نہیں ہے۔بلکہ یہاں بات صرف الزامات کے اثبات یانفی کی ہے۔

اب اگرحقائق کی روشنی میں سارے الزامات باطل قرار پاتے ہیں تو سارے الزامات کی تردید کرنا ہی معتدل موقف ہے۔یہاں اس بات کی قطعا حاجت نہیں ہے کہ اعتدال کا ثبوت دیتے ہوئے بعض الزامات کی تصدیق کردی جائے۔یاجوش اعتدال میں خواہ مخواہ کچھ خوبیوں پرہی ہاتھ صاف کردیا جائے۔

❁ **حسین رضی اللہ عنہ ویزید:**-حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کا تذکرہ بعض لوگ اس طرح کرتے ہیں گویا یہ دونوں ایک دوسرے کے مخالف ہوں۔حالانکہ سچائی یہ ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے مخالف نہ تھے بلکہ دونوں ایک ساتھ تھے، اوران دونوں کے مخالف اہل کوفہ وسبائی زادے تھے۔اہل کوفہ نے یزید کے خلاف بغاوت کی سازش رچی اس طرح یزید کے مخالف یہی ہوئے، پھرانہوں نے اپنی سازش میں حسین رضی اللہ عنہ کوبھی شریک کرنا چاہا ،حسین رضی اللہ عنہ نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی اوراس فتنہ کو روکنا چاہا اوراسی غرض سے مکہ سے کوفہ کا سفربھی کیا۔لیکن یہ کوشش کامیاب نہ ہوئی پھرحسین رضی اللہ عنہ نے ان سے الگ ہوکر یزید کے پاس جانے کی ٹھان لی تاکہ یزید کے پاس پہنچ کر براہ راست ان کی بیعت بھی کرلیں اور اس فتنہ کے حالات سے انہیں باخبربھی کردیں۔حسین رضی اللہ عنہ کا یہ ارادہ دیکھ کراہل کوفہ حسین رضی اللہ عنہ کے شدید دشمن بن گئے اورانہیں شہید کرڈالا۔غرض یہ کہ حسین رضی اللہ عنہ اور یزید آپس میں ایک دوسرے کے مخالف نہ تھے بلکہ یہ دونوں ایک طرف تھے اوران دونوں کے مخالف اہل کوفہ وسبائی اوباش تھے۔

❁ **حسن اورحسین رضی اللہ عنہما:**-بعض بداندیش دفاع یزید اور ناصبیت کولازم ملزوم سمجھتے ہیں جبکہ ایسانہیں ہے، ہم نے اس معاملہ میں کہیں بھی اہل بیت کے کسی فرد کی تنقیص نہیں کی ہے۔البتہ یزید کے مخالفین ضرورسبائیت کے شکارہوتے ہیں کیونکہ یزید کے خلاف سارا موادسبائیوں ہی کا وضع کردہ ہے۔بلکہ سبائیت کے ساتھ ساتھ یہ ناصبیت کے مرض میں بھی مبتلا ہوتے ہیں کیونکہ ان کا سارا رونا دھونا صرف حسین رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ ہے۔اورجوں ہی کسی نے حسن رضی اللہ عنہ کا نام لے لیا، ان کے چہرہ کا رنگ بدل جاتاہے اور پھر زبان وقلم سے جوبھی صادرہوتاہے اس میں بغض حسن رضی اللہ عنہ کی بوصاف محسوس ہوتی ہے۔سوال یہ ہے کہ کیا حسن رضی اللہ عنہ اہل بیت میں سے نہیں ہیں؟

کتاب کا منہج:-اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾ اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچا دو پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ (۴۹/الحجرات:۶)

اس آیت کے پیش نظر اس کتاب میں روایات کے قبول ورد کے لئے اصول حدیث کا ضابطہ اپنایا گیا ہے اورامیر یزید کے دفاع میں انہیں روایات کو ذکر کیا گیا ہے جو باسند ہوں اوراصول حدیث کے معیار پر صحیح یا حسن درجے تک پہنچتی ہوں، بعض ضعیف تاریخی روایات جن کے مفہوم کی تائید دیگر صحیح روایات سے ہوتی ہے انہیں بھی اس کتاب میں بطور استدلال ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ ان کی طرف اشارہ پر اکتفاء کیا گیا، یاوضاحت ذکر کیا گیا تو اس کا درجہ بھی واضح کردیا گیا ہے، اوراس طرح کے بعض مقامات پر تفصیل کے لئے ہماری دوسری کتاب ''حادثہ کربلا اورسبائی سازش'' کا حوالہ دیا گیا ہے۔ دوسری طرف امیر یزید کی مذمت میں ملنے والی روایات کی حقیقت کو پوری تفصیل اور دلائل کے ساتھ واضح کیا گیا ہے یہ امتیاز اس موضوع پر لکھی گئی شاید ہی کسی اورکتاب میں قارئین کونظر آئے۔

واضح رہے کہ ہماراموضوع الزامات پر بات کرنا ہے اس لئے اس باب میں تاریخی روایات میں تساہل درست نہیں ہے بلکہ ایسے معاملات میں تو حدیث سے زیادہ تاریخی روایات میں چھان بین کی ضرورت ہے۔

فقیہ اسماء الرجال ، علامہ معلّمی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۸۶) فرماتے ہیں:

أن حاجة التاريخ إلى معرفة أحوال ناقلي الوقائع التاريخية ، أشد من حاجة الحديث إلى ذلک ؛ فإن الكذب والتساهل في التاريخ أكثر

تاریخ کو حدیث سے کہیں زیادہ اس بات کی ضرورت ہے کہ تاریخی واقعات نقل کرنے والے راویوں کی معرفت حاصل کی جائے کیونکہ جھوٹ اورتساہل کا وجود تاریخ ہی میں زیادہ ہے۔(علم الرجال وأهميته للمعلمی ص: ۲۵۷)

آیات واحادیث کے ترجمہ کو ہم نے معروف تراجم سے نقل کردیا ہے البتہ جہاں ہم نے ضرورت محسوس کی ہے وہاں ترمیم کردی ہے۔بعض احباب کے مشورہ پر کتاب کے اخیر میں ہم نے اپنی دوسری کتاب ''حادثہ کربلا اور سبائی سازش'' سے حادثہ کربلا کی روداد کو بطورضمیمہ شائع کردیا ہے یہ حصہ ہماری اس اصل کتاب میں شامل نہیں ہے اس حصہ میں روایات کے قبول ورد میں جومنہج اپنایا گیا ہے وہ اسی حصہ کے شروع میں درج ہے۔

کتاب کا خلاصہ:-یزید کے خلاف جوباتیں پیش کی جاتی ہیں ہماری نظر میں ان کی دس قسمیں بنتی ہیں، امیر یزید کے خلاف ہر بات کاتعلق انہیں دس قسموں میں سے کسی نہ کسی ایک سے ہوتاہے۔ہم نے ہرقسم کوایک باب کی شکل دی ہے اوراس سے تعلق رکھنے والی تمام باتوں کواسی باب کے تحت جمع کرکے اس کامفصل جائزہ پیش کیا ہے۔

پہلے باب میں یزید سے متعلق پیش کی جانے والی مرفوع روایات پر بحث ہے اس میں دوفصلیں ہیں **پہلی فصل** میں ان تمام روایات کا موضوع ومن گھڑت ہونا ثابت کیا گیا ہے جن میں یزید کے نام کی صراحت کے ساتھ یا بنوامیہ کی صراحت کے ساتھ مذمت وارد ہے۔**دوسری فصل** میں ان صحیح احادیث کا ذکر ہے جن سے یزید کا کوئی تعلق نہیں ہے پھربھی زورزبردستی ان احادیث کو یزید پرفٹ کیا جاتا ہے۔

دوسرے باب میں بعض صحابہ کے وہ آثار ہیں جن سے یزید کی مذمت کشید کی جاتی ہے ۔اس باب میں پوری تفصیل کے ساتھ واضح کیا گیا ہے کہ ان آثار میں یزید کی مذمت کا کوئی پہلونہیں ہے بلکہ ان میں سے

بعض آثار سے یزید کی فضیلت ہی ثابت ہوتی ہے۔

۞ تیسرے باب میں یزید کے لئے بیعت ولیعہدی سے متعلق صحابہ کا موقف پیش کیا گیا ہے اور بتلایا گیا ہے کہ یہ فیصلہ صحابہ کی جماعت ہی کا تھا اور اس فیصلہ سے صرف دو صغار صحابہ کے علاوہ کسی اور صحابی کا اختلاف ثابت نہیں اور ان دو صحابہ کا اختلاف بھی فی نفسہ یزید کی شخصیت سے نہیں تھا بلکہ ان کے پیش نظر یہ اندیشہ تھا کہ کہیں یہ اصول نہ بن جائے کہ اب ہر خلیفہ کے بعد اگلا خلیفہ اس کا بیٹا بنے۔ نیز اس باب میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ بیعت یزید کے سلسلے میں کسی پر بھی کوئی جبر قطعاً نہیں کیا گیا۔

۞ چوتھے باب میں شہادت حسین رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہے اور بتلایا گیا ہے کہ یزید کا ان کی شہادت کے پیچھے کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ نیز صحابہ، اولاد حسین رضی اللہ عنہ بلکہ خود حسین رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق اس خون کے ذمہ دار اہل کوفہ کے شر پسند تھے۔

۞ پانچویں باب میں قاتلین حسین رضی اللہ عنہ سے قصاص کے مسئلہ پر بحث کی گئی ہے اور بتلایا گیا ہے پوری امت میں کسی نے بھی اس حادثہ کے بعد یزید سے قصاص کا مطالبہ نہیں کیا اور نہ ہی کوئی شکوہ کیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قصاص لیا جا چکا تھا جیسا کہ بعض روایات میں اس کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اور بالفرض قصاص نہیں لیا گیا تو حالات اس کے لئے سازگار نہیں تھے اسی لئے یزید سے اس بابت مطالبہ اور شکوہ کی بات بھی نہیں ملتی ہے۔

بعض لوگ عبید اللہ بن زیاد پر حسین رضی اللہ عنہ کے قتل اور ان کے سر کی بے حرمتی کا الزام لگا کر سوال اٹھاتے ہیں کہ یزید نے اسے کوئی سزا نہیں دی بلکہ اسے معزول بھی نہیں کیا گیا۔ اس سلسلے میں مکمل تفصیلی تحقیق پیش کی گئی ہے کہ قتل حسین رضی اللہ عنہ میں عبیداللہ بن زیاد کا کوئی کردار تھا ہی نہیں، اس لئے اسے سزا دینے یا اسے معزول کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ نیز یہ بات بھی بے بنیاد ہے کہ ابن زیاد نے حسین رضی اللہ عنہ کے سر کی بے حرمتی کی اس سلسلے میں صحیح بخاری کی جو روایت پیش کی جاتی ہے اس میں ایسی کسی گستاخی کی صراحت نہیں ہے اور جن روایات میں صراحت ہے وہ من گھڑت اور جھوٹی ہیں۔ اسی ضمن میں ان تمام روایات کی استنادی حالت بھی واضح کردی گئی ہے جن میں یہ مذکور ہے کہ رأس حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کے پاس لایا گیا اور یزید نے بھی اس کی بے حرمتی کی۔

۞ چھٹے باب میں واقعہ حرہ کا پس منظر اور اس کی اصل حقیقت پیش کی گئی ہے اور بتلایا گیا ہے کہ اس موقع پر اصل مخالفین سبائی ہی تھے انہوں نے ہی یہ پورا فتنہ برپا کیا اور بعد میں ان لوگوں نے جھوٹی اور من گھڑت کہانی بنا کر اس پورے فتنہ کی ذمہ داری اہل مدینہ کے مسلمانوں پر ڈال دی۔ بالکل اسی طرح جس طرح ان کے آباء واجداد نے اسی مدینہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف فتنہ برپا کیا حتی کہ انہیں قتل بھی کردیا اور بعد میں جھوٹی کہانیاں بنا بنا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس فتنہ کا ذمہ دار ٹھہرایا اور صحابہ ہی کو عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل قرار دے دیا۔

اس موقع سے شامی فوج پر لگائے گئے تمام اتہامات کی مدلل تردید کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ انہوں نے مدینہ میں قتل عام نہیں کیا، صحابہ میں کسی ایک صحابی کو بھی قتل نہیں کیا گیا، اور نہ ہی اہل مدینہ کو لوٹا گیا اور نہ ہی ان کی خواتین کی عصمت دری کی گئی، مسجد نبوی میں اذان واقامت کے بند ہونے کی بات بھی من گھڑت ہے۔ نیز

اس موقع پر صحابہ واکابرین امت نے یزید کے مخالفین کا بالکل ساتھ نہ دیا بلکہ ان کی بھرپور مذمت کی ۔

۞ ساتویں باب میں حصار مکہ کا پس منظر اوراس کی اصل حقیقت پیش کرتے ہوئے بتلایا گیا ہے کہ صحیح روایات کی رو سے اس موقع پر فریقین کا ٹکراؤ ہوا ہی نہیں تھا بلکہ معاملہ صرف محاصرہ پرختم ہوگیا ۔ نیز اس موقع پر خانہ کعبہ میں جو آگ لگی اس کے ذمہ دار اہل شام نہیں بلکہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا گروہ ہی ہے اسی گروہ کے بعض افراد آگ جلارہے تھے ان کی لاپرواہی سے یہی آگ ہوا کے جھونکے سے خانۂ کعبہ تک پہنچ گئی ۔ نیزاس پوری کارروائی میں بھی اصل کردارسبائی ذریت ہی کا تھا انہوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی معمولی مخالفت کو ایک سرگرم تحریک میں بدل دیا ۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اس سازش کو بھانپ نہ سکے اور مخالفین کا ساتھ دے دیا جس پر دیگرصحابہ کرام نے ان کی سخت مذمت کی ۔

بعد میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بھی احساس ہوگیا کہ وہ سبائیوں کی سازش کے شکار ہوچکے ہیں پھروہ اس پورے معاملہ سے نکلنا چاہتے تھے لیکن سبائیوں نے انہیں اپنے نرغے میں لے رکھا تھا ۔جس پرعبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تمنا کررہے تھے کہ کاش امیر معاویہ رضی اللہ عنہ باحیات ہوتے تو وہ اس فتنہ سے انہیں نجات دلا دیتے ۔

۞ آٹھویں باب میں یزید کے اخلاق وکردار پر بحث کی گئی ہے اور صحیح احادیث ، اورصحابہ وتابعین کے ثابت شدہ اقوال کی روشنی میں یزید کا حقیقی تعارف پیش کیا گیا ہے اس ضمن میں ناقابل انکاردلائل سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یزید ہی نے سب سے پہلے قسطنطنیہ پرحملہ کیا تھا لہٰذا زبان رسالت سے اس لشکر کے لئے مغفرت کی بشارت میں وہ شامل ہے۔بعض حضرات جیش مغفور میں یزید کی شمولیت کا انکار کرنے کے لئے جن جھوٹی اورمن گھڑت روایات کا سہارا لیتے ہیں ان سب کی حیثیت بیان کردی گئی ہے۔کتاب کا یہ حصہ الگ سے ’’قسطنطنیہ پر پہلاحملہ‘‘ کے نام سے بھی مکتبہ الفہیم سے شائع ہوچکا ہے۔اس باب کے اخیر میں ان تمام روایات کا مردود وغیرمستند ہونا ثابت کیا گیا ہے جن کی رو سے یزید پرترک صلاۃ ،شراب نوشی اور دیگر بداخلاقیوں کی تہمت لگائی جاتی ہے۔

۞ نویں باب میں جرح وتعدیل کے اصولوں کی روشنی میں یزیدکی شخصیت پر بات کی گئی ہے اورواضح کیا گیا ہے کہ اس معاملہ میں یزید کی مثال اویس القرنی رحمہ اللہ کی طرح ہے ۔ یہ دونوں حضرات گرچہ احادیث کا علم رکھتے تھے لیکن انہوں نے احادیث بیان کرنے میں حصہ نہیں لیا ہے اور چونکہ جرح وتعدیل میں راوی کی روایات دیکھ کرہی فیصلہ ہوتا ہے اس لئے اس لحاظ سے ان دونوں کو ثقہ یا ضعیف کہنے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ان دونوں سے دو دو روایات منقول بھی ہیں لیکن ان کے نیچے کا سلسلہ سند ثابت نہیں ہے۔بالفرض یہ روایات ثابت مان لیں تو اس اعتبار سے یزید ثقہ ثابت ہوں گے کیونکہ یزید سے مروی احادیث کے صحیح متابع وشواہد موجود ہیں۔

رہی دیگر شہادتیں تو اس بارے میں بھی یزید کا معاملہ اویس القرنی رحمہ اللہ ہی کی طرح ہے اگراویس القرنی سے متعلق صحیح مسلم میں اللہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بشارت موجود ہے تو یزید سے متعلق صحیح بخاری میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت موجود ہے۔اگراویس القرنی کے بعض معاصرین سے ان کی تعدیل ملتی ہے تو یزید کی تعدیل بھی یزید کے معاصر صحابہ وتابعین سے ثابت ہے ۔

رہی امام احمد رحمہ اللہ کی جرح تو امام احمد رحمہ اللہ نے جس بنیاد پر یزید پر جرح کی ہے وہ یزید کے حکم سے مدینہ میں لوٹ مار ہے اور یزید کا یہ کردار ثابت ہی نہیں ہے۔لہٰذا اصل بنیاد منہدم ہونے کے سبب یہ جرح بھی منہدم ہے۔نیز خود امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بھی بعد میں یزید پر جرح سے رجوع کرلیا تھا۔

۞ دسویں باب میں یزید سے متعلق اہل علم کے تبصروں پر گفتگو ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ تبصرے فی نفسہ دلیل کی حیثیت نہیں رکھتے ہیں بلکہ ان کے ساتھ دلیل کا ہونا ضروری ہے خواہ یہ تبصرے یزید کی مخالفت میں ہوں یا یزید کے حق میں ۔بعض لوگ بے بنیاد تبصروں اور محدثین کے اقوال جرح کو خلط ملط کرکے جو مغالطہ دیتے ہیں اس کی بھی توضیح کردی گئی ہے۔

یزید کے خلاف ابن الجوزی کے موقف کے بارے میں واضح کیا گیا ہے کہ ان کا موقف اہل سنت والجماعت کا موقف نہیں ہے بلکہ اہل سنت سے خارج گمراہ فرقے رافضہ کا موقف ہے۔امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے یزید کی مذمت میں ایک کتاب لکھی ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے یہ کتاب امام عبدالمغیث رحمہ اللہ کے جواب میں لکھی ہے جنہوں نے یزید کے دفاع میں کتاب لکھی تھی ۔لیکن ہم کہتے ہیں کہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے یہ کتاب عبدالمغیث رحمہ اللہ کے جواب میں نہیں بلکہ جواب الجواب میں لکھی ہے، دراصل سب سے پہلے ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اپنی ایک تقریر میں یزید کی مذمت کی ان کی یہ باتیں عبدالمغیث رحمہ اللہ تک پہنچی تو انہوں نے امام ابن الجوزی رحمہ اللہ کا رد کرتے ہوئے اور یزید کا دفاع کرتے ہوئے کتاب لکھی ۔ عبدالمغث رحمہ اللہ کے جواب پر ابن الجوزی رحمہ اللہ غضبناک ہوگئے اورانہوں نے امام عبدالمغیث رحمہ اللہ کی کتاب کا جواب الجواب لکھا ، اورحقیقت میں یہ جواب الجواب نہیں بلکہ عبدالمغیث رحمہ اللہ پر طعن وتشنیع اور یزید سے متعلق اکاذیب کا مجموعہ ہے بلکہ ایسے ایسے کذابین کی روایات بھی ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اپنی اس کتاب میں درج کردی ہیں جن کو خود ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اپنی دیگر کتابوں میں کذاب کہا ہے۔ابن الجوزی رحمہ اللہ کی اس کتاب سے متعلق تفصیلی بحث اس باب میں موجود ہے۔

یزید سے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے موقف کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جاتا ہے ہم نے اس باب میں ان کے اصل موقف کو واضح کیا ہے۔ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یزید سے متعلق اہل علم واہل عقل واہل سنت کا تین گروہ پیش کیا ہے جن میں ایک گروہ کے بارے میں کہا:’’ وفرقة أحبته‘‘ یعنی اہل علم واہل عقل واہل سنت کا ایک گروہ یزید سے محبت کا قائل ہے پھر آگے چل کر اس گروہ میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے امام غزالی رحمہ اللہ اور علامہ دستی رحمہ اللہ کا نام پیش کیا ہے۔اس کے باوجود بھی کچھ لوگ نہ جانے کس مدہوشی میں کہہ دیتے ہیں کہ یزید سے محبت نہ کرنے پر تمام اہل سنت کا اتفاق ہے،ھداھم اللہ ۔اس آخری باب پر ہماری اصل کتاب ختم ہوجاتی ہے۔

ہم نے اپنی استطاعت کے لحاظ سے اس کتاب میں حق اوردرست باتیں ہی پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگرہم اپنی اس کوشش میں کامیاب ہیں تو اللہ رب العالمین کا فضل وکرم ہے اورہم اللہ رب العالمین سے مزید فضل وکرم کے طالب ہیں ۔اوراگرہم سے غلطیاں وکوتاہیاں سرزدہوئی ہیں تو یہ شیطان کی طرف ہیں اورہم شیطان کے شرسے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں اور اللہ سے عفو ومغفرت کی امید رکھتے ہیں۔ ۔۔۔کفایت اللہ سنابلی

امیر یزید بن معاویہ کا دفاع کیوں؟

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ أَخِيهِ رَدَّ اللَّهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ يَوْمَ القِيَامَةِ»[1]

صحابی رسول ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے بھائی کی عزت سے اس چیز کو دور کرے گا، جو اسے عیب دار کرتی ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے چہرے سے جہنم کی آگ کو دور کر دے گا۔

اس حدیث میں اس بات کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے کہ کسی مسلمان بھائی کی عزت کا دفاع کیا جائے، بلکہ اس حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقدس عمل کو جہنم سے نجات کا ذریعہ بتایا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کی عزت کا دفاع کرنا ایک مستحب اور بے حد پسندیدہ کام ہے، اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے اگر ایسی شخصیات کی عزتوں کا دفاع کیا جائے، جو صاحبِ فضیلت ہوں تو اس عمل کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے، مثلاً اگر کسی صحابی کی شان میں گستاخی کی جاتی ہے اور ان پر غلط اور جھوٹے الزامات لگائے جاتے ہیں تو ایسے صحابی کی عزت کا دفاع کرنا بہت بڑی عبادت اور بہت بڑے اجر وثواب کا باعث ہے۔ اسی طرح صحابہ کے بعد تابعین کی جماعت امتِ مسلمہ کی افضل ترین جماعت ہے، اگر اس جماعت کے کسی فرد کی عزت پر حملہ کیا جائے اور اس پر جھوٹے الزامات لگائے جائیں تو ان کا دفاع کرنا بھی بہت بڑے ثواب کا کام اور جہنم سے نجات کا ذریعہ ہے۔

امیر یزید بن معاویہ تابعین میں سے ہیں، بلکہ صحابیِ رسول امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں اور ان پر بھی جھوٹے، مکار اور سبائی درندوں نے بہت سارے الزامات لگائے ہیں اور ان کی عزت پر

[1] سنن الترمذي، بتحقيق أحمد شاكر (٤/ ٣٢٧) رقم الحديث (١٩٣١) والحديث صحيح باتفاق العلماء.

بہت حملہ کیاہے اس لئے ان کا دفاع کرنا بھی پیش کردہ حدیث پرعمل کرنے میں شامل ہے۔ایک حدیث سے امیر یزید بن معاویہ سے متعلق جنت ومغفرت کی بشارت معلوم ہوتی ہے۔①

❁ صحابہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں نیک اور صالح شخص کہا ہے ۔②

❁ اسی طرح حسین رضی اللہ عنہ نے انہیں ''امیر المؤمنین'' کہاہے۔③

❁ تابعین میں سے محمد بن الحنفیہ رحمہ اللہ نے انہیں عبادت گذار،خیر کا متلاشی ،سنت کا پاسدار اورعلم دین کا شیدائی کہاہے۔④

اس کے برخلاف یزید کی مذمت میں جو باتیں کہی جاتی ہیں ،ان میں سے ایک بھی خیرالقرون کے حوالے سے ثابت نہیں ہیں،اورصدیوں بعد پیداہونے والے بعض اہل علم کی شاذ آراء اور غیرتحقیقی تبصرے بے دلیل ہونے کے سبب غیر مسموع ہیں ۔اسی کتاب کا صفحہ (۱۷۷تا۱۸۳)دیکھیں۔

معلوم ہوا کہ امیر یزیدبن معاویہ کی صرف خوبیاں ہی ثابت ہیں،اس لئے ان پر لگائے گئے بے دلیل الزامات کاردکرنا اوران کی شخصیت کادفاع کرنامذکورہ بالاحدیث کی روشنی میں بہت بڑے ثواب کا کام اورجہنم سے نجات کا ذریعہ ہے۔اس کے ساتھ ساتھ جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ امیریزید کے بہانے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک پہنچ جاتے ہیں اوران کی کردارکشی کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو دفاع یزید کی ذمے داری اور بڑھ جاتی ہے۔

یادرہے کہ ایک طبقہ امیریزید کی شخصیت کوصحابہ کرام کی کردارکشی کے لئے زینہ بناتاہے اورہمارے بھولے بھالے لوگ اس سازش کو بھانپ نہیں پاتے۔غورکرنے کی بات ہے کہ جو طبقہ عظیم المرتبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حتی کہ خلیفہ اول ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ تک کی کھلے عام توہین کرتاہے،

---

① صحیح بخاری رقم الحدیث (٢٩٢٤) نیزاسی کتاب کا صفحہ (۵۶۰تا۶۲۵) دیکھیں۔

② أنساب الأشراف للبلاذری (٥/ ٣٠٢ طبع دارالفکر) واسنادہ حسن لذاتہ، نیزاسی کتاب کا صفحہ (۶۲۷تا۶۸۶) دیکھیں۔

③ تاریخ الطبری (٣/ ٢٩٩) واسنادہ صحیح۔ نیزاسی کتاب کا صفحہ (۶۸۷تا۷۰۲) دیکھیں۔

④ البدایة والنهایة (٨/ ٢٣٣) ،تاریخ الاسلام للذهبی ت تدمیری (٥/ ٢٧٤) نقلا عن المدائنی واسنادہ صحیح۔ نیزاسی کتاب کا صفحہ (۷۰۴تا۷۳۰) دیکھیں۔

اس کی نظر میں ایک غیر صحابی یزید بن معاویہ کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے؟ لیکن اس کے باوجود بھی آپ دیکھیں گے کہ یہ لوگ امیر یزید کی مذمت کا ازحد اہتمام کرتے ہیں اوراس پر بہت زیادہ توانائی صرف کرتے ہیں ، جس کے پیچھے ان کا واحد مقصد یہی ہے کہ اس راہ سے اہلِ سنت بھی ان کے ہم سفر ہوجائیں۔ ورنہ اگر امیر یزید کو بیچ سے الگ کرکے براہِ راست صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کردارکشی کی جائے تو کوئی بھی سنی مسلمان ان کا ساتھ نہیں دے گا۔

ایسی صورت میں ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اس سازش کو بے نقاب کرنے کے ساتھ ساتھ امیر یزید بن معاویہ کی اصل سیرت سے بھی لوگوں کو باخبر کریں۔

نیزامیر یزید جس دور سے تعلق رکھتے ہیں اس دورکو اللہ کے نبی ﷺ نے ''خیر القرون''[1] قرار دیاہے نیز یہ دورصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی دور ہے جن کا علم وفقہ فہمِ نصوص میں ہمارے لئے مرجع ہے، اب غورکریں یہ کتنی خوفناک بات ہے کہ جس دورکو خیرالقرون قراردیا گیا،جن کی فہم وفقاہت ہمارے لئے مرجع کی حیثیت رکھتی ہے، ایسے دورکو یزید کے بہانے شرالقرون ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، بلکہ حدہوگئی کہ مسلمانوں کے خلیفہ اور اسلامی فوج کوکفار سے بھی زیادہ ظالم اور بدکردار بتلایا جاتاہے۔سوال یہ پیداہوتا ہے کہ یہ کردار اس دور کے مسلمانوں کا ہوسکتاہے، جس کے خیریت کی شہادت زبانِ رسالت نے دی ہو؟ نیز کیا یہ دور ہمارے لئے فقہی مرجع کا دور ہوسکتاہے؟ صاف ظاہر ہے کہ قرون مشہودلہا بالخیر کے خلاف یہ سب ایک سازش ہے اور یزید کے بہانے ایک طبقہ ہمیں ہمارے اسلاف ہی سے بدظن کرکے ان کی فہم وفقاہت سے ہمیں محروم کرنا چاہتاہے ۔

ایسی صورت میں ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اصل حقائق سے لوگوں کوآگاہ کریں ، اورقرون مشہود لہا بالخیر کی صحیح تاریخ پیش کریں ۔

---

[1] اس سلسلے میں وارد عام احادیث میں ''خیرالقرون'' کے الفاظ نہیں ہیں البتہ ابن عساکر کی ایک حدیث میں ''**خیر القرون قرنی**'' کے الفاظ مرفوعا مروی ہیں دیکھئے: تاریخ دمشق لابن عساکر۶۷/۳۷ ۔مگر اس کی سند ضعیف ہے ۔ لیکن معنوی طور پر یہ بات صحیح ہے ، چونکہ اہل علم اس حدیث کے حوالے سے معنوی طور پر مختصرا ''خیرالقرون'' استعمال کرتے آئے ہیں اورمعنوی طور پراس میں کوئی قباحت نہیں ہے ۔اس لئے ہماری نظر میں اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں واللہ اعلم۔

1 باب

موضوع اور من گھڑت روایات اور صحیح احادیث سے غلط استدلال

فصل اول: موضوع اور من گھڑت روایات

- صحابیِ رسول ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب روایت۔
- صحابیِ رسول ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب روایت۔
- صحابیِ رسول ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت۔
- صحابیِ رسول ابو ذر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت۔
- بنو اُمیہ کی مذمت میں دو ضعیف روایات۔

فصل دوم: صحیح احادیث سے غلط استدلال

- صبیانِ قریش سے متعلق حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ۔
- ٦٠ سال بعد فتنے سے متعلق حدیث ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ۔
- سنہ ٧٠ سے پناہ مانگنے کا حکم اور امارتِ یزید۔

پہلی فصل

موضوع اور من گھڑت روایات

بعض جھوٹی روایات میں امیر یزید بن معاویہ کو سنت تبدیل کرنے والا بتلایا گیا ہے۔ درج ذیل سطور میں اس طرح کی تمام روایات کی حقیقت ملاحظہ ہو۔

صحابی رسول ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب روایت:

اس سلسلے کی ایک حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کی گئی ہے، لیکن اس حدیث کی کوئی سند دستیاب نہیں ہے۔ علاء الدین متقی ہندی (المتوفی: ۹۷۵ھ) نے اسے مسند ابی یعلی اور نعیم بن حماد کی کتاب الفتن کے حوالے سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے:

«لا يزال أمر أمتي قائما بالقسط حتى يكون أول من يثلمه رجل من بني أمية يقال له: يزيد» (ع و نعيم بن حماد في الفتن عن ابن عمر، وفيه: سعيد بن سنان واه)[1]

''میری امت کا معاملہ درست رہے گا، یہاں تک کہ سب سے پہلے جو شخص اسے بگاڑے گا، وہ بنواُمیہ کا ایک آدمی ہوگا، اسے ''یزید'' کہا جائے گا۔''

یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔ مسند ابی یعلی یا امام نعیم کی کتاب الفتن میں یہ روایت موجود نہیں ہے، لیکن علامہ متقی ہندی نے اس کی سند میں ایک راوی کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا ہے: ''وفيه سعيد بن سنان واه''[2] اس کی سند میں سعید بن سنان ہے، جو سخت ضعیف راوی ہے۔

عرض ہے کہ یہ سعید بن سنان کے نام سے سخت ضعیف راوی سعید بن سنان حنفی ہے اور یہ سخت ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ متہم بھی ہے، یعنی اس پر حدیث گھڑنے کی تہمت لگائی گئی ہے، چنانچہ:

---

[1] كنز العمال (١١/ ١٦٨) رقم الحديث (٣١٠٧٠)

[2] كنز العمال (١١/ ١٦٨) رقم الحديث (٣١٠٧٠)

❁ امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵ھ) نے کہا:

"كان يتهم بوضع الحديث"[1]

"یہ حدیث وضع کرنے کے ساتھ متہم ہے۔"

❁ ابن الجوزی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۹۷ھ) نے کہا:

"قال الدارقطني: سعيد بن سنان كان يتهم بوضع الحديث"[2]

"دارقطنی نے کہا کہ سعید بن سنان حدیث وضع کرنے کے ساتھ متہم ہے۔"

❁ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) نے کہا:

"سعيد متهم به"[3] "سعید اس روایت کو گھڑنے میں متہم ہے۔"

اس کے علاوہ اور بھی بہت سارے محدثین نے اس پر جرح کی ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔

صحابی رسول ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب روایت:

ابن الجوزی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۹۷ھ) نے کہا ہے:

"أنبأنا زاهر بن طاهر قال: أنبأنا أبو بكر البيهقي قال: أنبأنا أبو عبد الله محمد بن عبد الله الحاكم قال: أنبأنا أبو سعيد ابن أبي بكر بن أبي عثمان قال: حدثنا زكريا بن يحيىٰ بن حويثرة قال: حدثنا محمد بن نوح السعدي قال: حدثنا م مرو بن الأزهر العتكي عن ابن جريج عن عطاء عن ابن عباس قال: دعا رسول اللهﷺ فقال: اللهم اعطف علىٰ ابن عمي علي. قال: فأتاه جبريل فقال: أو ليس قد فعل بك ربك؟ قد عضدك بابن عمك علي، وهو سيف الله علىٰ أعدائه، وأبي بكر الصديق، وهو رحمة الله في عباده، و عمر الفاروق فأعدهم، فاعددهم وزراء، وشاورهم في أمرك، قاتل بهم عدوك، ولا يزال دينك قائما حتى

---

[1] العلل للدارقطني (٥/ ٥١)

[2] العلل المتناهية (٢/ ٨٤١)

[3] المستدرك للحاكم مع تلخيص الذهبي (٤/ ٥٦٩)

يثلبه رجل من بني أمية"[1]

"...تمھارا دین ٹھیک ٹھاک ہوگا، یہاں تک کہ سب سے پہلے جو شخص اسے بگاڑے گا، وہ بنو اُمیہ کا ایک آدمی ہوگا۔"

اس روایت میں یزید کا نام نہیں ہے، لیکن اس کے علاوہ باقی الفاظ تقریباً وہی ہیں، جو ماقبل والی روایت میں ہیں۔ یہ روایت بھی موضوع اور من گھڑت ہے۔ ابن الجوزی رحمہ اللہ جو یزید کے مخالف تھے، انھوں نے بھی اس روایت کو اپنی موضوعات میں نقل کر کے اسے موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے۔[2]

نیز اس کی سند میں "عمر بن الازہر" ہے اور یہ معروف کذاب راوی ہے۔

- امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴ھ) نے کہا:

"كان ممن يضع الحديث"[3] "یہ حدیث گھڑنے والوں میں سے تھا۔"

- امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵ھ) نے کہا:

"كذاب"[4] "یہ بہت بڑا جھوٹا ہے۔"

- امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) نے کہا:

"كذاب"[5] "یہ بہت بڑا جھوٹا شخص ہے۔"

اس کے علاوہ اس سند میں اور بھی خرابیاں ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ روایت بھی جھوٹی اور من گھڑت ہے۔

صحابی رسول ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت:

اس حدیث کو "مکحول عن ابی عبیدہ" کے طریق سے درج ذیل لوگوں نے روایت کیا ہے:

- امام اوزاعی کی روایت:

---

[1] الموضوعات لابن الجوزي (١/ ٣٣٦)

[2] دیکھیں: الموضوعات لابن الجوزي (١/ ٣٣٦)

[3] المجروحين لابن حبان (٢/ ٧٨)

[4] كتاب الضعفاء والمتروكين للدارقطني (ص: ١٧)

[5] المغني في الضعفاء للذهبي (ص: ١٠١)

امام ابو یعلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۰۷ھ) نے کہا:

"حدثنا الحكم بن موسى، حدثنا الوليد بن مسلم، عن الأوزاعي، عن مكحول، عن أبي عبيدة قال: قال رسول اللهﷺ: لا يزال أمر أمتي قائما بالقسط حتى يكون أول من يثلمه رجل من بني أمية، يقال له: يزيد"[1]

"میری امت کا معاملہ ٹھیک ٹھاک ہوگا، یہاں تک کہ سب سے پہلے جو شخص اسے بگاڑے گا، وہ بنواُمیہ کا ایک آدمی ہوگا، اسے "یزید" کہا جائے گا۔"

یہ روایت باطل اور مردود ہے، اس میں درج ذیل دو علتیں ہیں:

1 انقطاع:

مکحول کی ابوعبیدہ سے نہ ملاقات ثابت ہے اور نہ سماع، چنانچہ:

- امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴ھ) نے مکحول عن ابی عبیدہ والے طریق کے بارے میں کہا ہے:

"وهذا منقطع بين مكحول و أبي عبيدة"[2]

"یہ روایت مکحول اور ابوعبیدہ کے درمیان منقطع ہے۔"

- امام ہیثمی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۰۷ھ) نے کہا:

"إن مكحولًا لم يدرك أبا عبيدة"[3]

"مکحول کی ملاقات ابوعبیدہ سے نہیں ہوئی۔"

- امام بوصیری رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۴۰ھ) نے کہا:

"رَوَاهُ أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ وَالْحَارِثُ بْنُ أَبِي أُسَامَةَ وَأَبُو يَعْلىٰ بِسَنَدٍ مُنْقَطِعٍ"[4]

"اسے احمد بن منیع، حارث بن ابی اسامہ اور ابویعلی نے منقطع سند سے روایت کیا ہے۔"

- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) نے بھی مکحول عن ابی عبیدہ والے طریق کے بارے میں

---

[1] مسند أبي يعلىٰ الموصلي (٢/ ١٧٦) وأخرجه أيضاً الحارث بن أبي أسامة في مسنده (رقم: ٦١٦بغية الباحث) من طريق الحكم به.

[2] البداية والنهاية (٨/ ٢٣١)

[3] مجمع الزوائد للهيثمي (٥/ ٢٩٢)

[4] إتحاف الخيرة المهرة للبوصيري (٨/ ٨٥)

کہا ہے: ”رجاله ثقات إلا أنه منقطع“[1] اس کے رجال ثقہ ہیں، لیکن یہ منقطع ہے۔

2 ولید بن مسلم کا عنعنہ:

اس روایت میں ولید بن مسلم ہیں، جو تدلیس تسویہ کرنے والے راوی ہیں۔[2] اور تدلیس تسویہ کرنے والے روات جب تک اپنے سے اوپر سند کے تمام طبقات میں سماع یا تحدیث کی صراحت نہ کریں، تب تک وہ روایت ضعیف ہوتی ہے۔[3]

ان دو علتوں کی بنا پر یہ روایت مردود اور باطل ہے۔

ہشام بن الغاز کی روایت:

امام ابو یعلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۰۷ھ) نے کہا:

”حدثنا الحكم بن موسى، حدثنا يحيىٰ بن حمزة، عن هشام بن الغاز، عن مكحول، عن أبي عبيدة، أن النبيﷺ قال: لا يزال هذا الأمر قائما بالقسط حتى يثلمه رجل من بني أمية“[4]

”یہ معاملہ ٹھیک ٹھاک رہے گا، یہاں تک کہ سب سے پہلے بنو اُمیہ کا ایک آدمی اُسے بگاڑے گا۔“

اس سند میں بھی مکحول اور ابو عبیدہ کے درمیان انقطاع ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴ھ) نے اسی روایت کے بارے میں کہا ہے:

”وهذا منقطع بين مكحول و أبي عبيدة“[5]

”یہ روایت مکحول اور ابو عبیدہ کے درمیان منقطع ہے۔“

---

[1] المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية (٤/ ٤٥٧)

[2] تفصیل کے لیے دیکھیں: ہماری کتاب: ”تحفة الزاهد بتكرار الجماعة في المسجد الواحد“ نیز اسی کتاب کا صفحہ (۵۷۲) دیکھیں۔

[3] اسی کتاب کا صفحہ (۵۹۹) دیکھیں۔

[4] مسند أبي يعلىٰ الموصلي (٢/ ١٧٥) وأخرجه أيضاً أحمد بن منيع من طريق يحيىٰ بن حمزه به، كما في المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية (١٨/ ٢٨٤) وأخرجه أيضاً نعيم بن حماد في الفتن (١/ ٢٨٠) عن أبي المغيرة (١/ ٢٨٢) عن عبدالقدوس، كلاهما من طريق هشام به.

[5] البداية والنهاية (٨/ ٢٣١)

۞ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) نے بھی اسی روایت کے بارے میں کہا ہے:

"رجاله ثقات إلا أنه منقطع"[1] "اس کے رجال ثقہ ہیں، لیکن یہ منقطع ہے۔"

مزید اقوال اس سے قبل پیش کیے جا چکے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ روایت بھی منقطع اور باطل ہے۔

تنبیہ:

اسی روایت کو محمد بن سلیمان نے اپنے استادوں کے واسطے سے ہشام بن الغاز کے طریق سے روایت کیا تو اس نے ابو عبیدہ اور مکحول کے بیچ ایک راوی ابو ثعلبہ کا اضافہ کر دیا، لیکن یہ اضافہ باطل ہے، کیوں کہ ہشام کے ثقہ شاگردوں نے یہ اضافہ نہیں کیا ہے، نیز اضافہ والی روایت کی سند بھی صحیح نہیں ہے، چنانچہ ملاحظہ ہو:

محمد بن سلیمان کی اپنے باپ سلیمان (سخت ضعیف ومتروک) سے روایت:

امام بزار رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۹۲ھ) نے کہا:

"حدثنا سليمان بن سيف الحراني، قال: حدثنا محمد بن سليمان بن أبي داود، قال: حدثني أبي، عن مكحول، عن أبي ثعلبة الخشني، عن أبي عبيدة بن الجراح، قال: قال رسول الله ﷺ: لا يزال هذا الأمر قائما حتى يثلمه رجل من بني أمية"[2]

"یہ معاملہ ٹھیک ٹھاک رہے گا، یہاں تک کہ سب سے پہلے بنو اُمیہ کا ایک آدمی اسے بگاڑے گا۔"

یہ روایت بھی باطل ومردود ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس روایت سے متعلق فرماتے ہیں:

"سليمان بن أبي داود ضعفه النسائي، والصواب منقطع، كما في رواية أبي يعلى"[3]

"سلیمان بن ابی داود کو امام نسائی نے ضعیف کہا ہے اور درست بات یہ ہے کہ یہ روایت منقطع ہے، جیسا کہ ابو یعلیٰ کی روایت میں ہے۔"

---

(1) المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية (٤/ ٤٥٧)

(2) مسند البزار (٤/ ١٠٩)

(3) مختصر زوائد مسند البزار (١/ ٦٨٥)

عرض ہے کہ سلیمان بن ابی داود سخت ضعیف و متروک راوی ہے۔

- امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶ھ) نے کہا:

"منكر الحديث"[1] "یہ منکر حدیث بیان کرنے والا ہے۔"

- امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷ھ) نے کہا:

"ضعيف الحديث جدا"[2] "یہ سخت ضعیف حدیث والا ہے۔"

- امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴ھ) نے کہا:

"منكر الحديث جدا"[3] "یہ سخت منکر الحدیث ہے۔"

- امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) نے کہا:

"واه"[4] "یہ سخت ضعیف راوی ہے۔"

- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) نے کہا:

"متروك"[5] "یہ متروک ہے۔"

اس کے علاوہ اس سند میں انقطاع ہے، کیوں کہ مکحول کا سماع ابو ثعلبہ سے بھی ثابت نہیں، چناں چہ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) نے کہا:

"لم يلق مكحول أبا ثعلبة، وقد أدركه"[6]

"مکحول کی ابو ثعلبہ سے ملاقات نہیں ہے، اگر چہ انھوں نے ان کا دور پایا ہے۔"

الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

محمد بن سلیمان کی ابن غنیم (مجہول) سے روایت:

امام یعقوب بن سفیان فسوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷ھ) نے کہا:

"حدثنا عبد الرحمن بن عمرو الحراني حدثنا محمد بن سليمان عن

[1] التاريخ الكبير للبخاري (٤/ ١١)
[2] الجرح و التعديل لابن أبي حاتم (٤/ ١١٥)
[3] المجروحين لابن حبان (١/ ٣٣٥)
[4] المقتنىٰ في سرد الكنى للذهبي (١/ ١٠٠)
[5] التلخيص الحبير لابن حجر (١/ ٢٦٨)
[6] تاريخ الإسلام للذهبي، تاليف: تدمرى (٥/ ٢٧٣)

ابن غنيم البعلبكي عن هشام بن الغاز عن مكحول عن أبي ثعلبة الخشني عن أبي عبيدة بن الجراح قال: قال رسول اللهﷺ: لا يزال هذا الأمر معتدلا قائما بالقسط حتى يثلمه رجل من بني أمية"[1]

''یہ معاملہ ٹھیک ٹھاک اور معتدل رہے گا، یہاں تک کہ سب سے پہلے بنو اُمیہ کا ایک آدمی اسے بگاڑے گا۔''

اس روایت میں انقطاع کی علت ہے۔مکحول ابوثعلبہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں اور ابوثعلبہ سے ان کی ملاقات نہیں ہے۔ کما مضی۔ اس کے علاوہ اس سند میں محمد بن سلیمان کے شیخ ابن غنیم البعلبکی کی توثیق کہیں نہیں ملتی، اس لیے یہ روایت بھی سخت ضعیف ہے۔

محمد بن سلیمان کی صدقہ بن عبداللہ (سخت ضعیف) سے روایت:

امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی:۵۷۱ھ) نے کہا:

"أخبرنا أبو القاسم زاهر بن طاهر وأبو بكر وجيه بن طاهر وأبو الفتوح عبد الوهاب ابن الشاه بن أحمد قالوا: أخبرنا أبو حامد الأزهرى أخبرنا الحسن بن محمد المخلدي أخبرنا أبو بكر الإسفرائيني عبد الله بن محمد بن مسلم حدثنا محمد بن غالب الأنطاكي حدثنا محمد بن سليمان بن أبي داود حدثنا صدقة عن هشام بن الغاز عن مكحول عن أبي ثعلبة الخشنى عن أبي عبيدة بن الجراح عن النبىﷺ قال: لا يزال هذا الأمر قائما بالقسط حتى يثلمه رجل من بني أمية"[2]

''یہ معاملہ ٹھیک ٹھاک رہے گا، یہاں تک کہ سب سے پہلے بنو اُمیہ کا ایک آدمی اسے بگاڑے گا۔''

اس روایت پر جرح کرتے ہوئے امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لم يلق مكحول أبا ثعلبة، وقد أدركه، وصدقة السمين ضعيف"[3]

---

[1] المعرفة والتاريخ (١/ ٢٩٥) ومن طريقه أخرجه البيهقي في دلائل النبوة للبيهقي (٤٦٧٦) و ابن عساكر في تاريخ دمشق (٦٨/ ٤١)

[2] تاريخ دمشق لابن عساكر (٦٣/ ٣٣٦)

[3] تاريخ الإسلام للذهبي ت تدمرى (٥/ ٢٧٣)

’’مکحول کی ابو ثعلبہ سے ملاقات نہیں ہے، اگر چہ انھوں نے ان کا دور پایا ہے اور صدقہ سمین یہ ضعیف ہے۔‘‘

صدقہ بن عبداللہ السمین پر دیگر محدثین نے سخت جرح کی ہے، چناں چہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱ھ) نے کہا:

”ليس بشيئ، هو ضعيف الحديث، أحاديثه مناكير، ليس يسوي حديثه شيئا“[1]

’’یہ کسی قابل نہیں، یہ ضعیف الحدیث ہے، اس کی احادیث منکر ہیں، ان کی کوئی حیثیت نہیں۔‘‘

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶ھ) نے کہا: ”ضعيف جدا“[2] ’’صدقہ سخت ضعیف ہے۔‘‘

واضح رہے ابن عساکر والی یہی روایت ”التدوين في أخبار قزوين“ میں بھی مروی ہے، لیکن اس کی سند میں تصحیف یا راوی سے غلطی ہوئی ہے، جس کے نتیجے میں ابتداے سند کے بعض رواۃ کے نام تبدیل ہوگئے ہیں۔ چناں چہ محمد بن الحسین الحاجی البزاز نے کہا:

”أنبأنا أبو الحسين محمد بن عمار البزاز ثنا علي بن إبراهيم بن سلمة ثنا أحمد بن علي بن الفضل الخزاز ثنا عبيد بن صدقة النصيبى ثنا محمد بن سليمان حدثني صدقة بن عبد الله عن هشام بن عروة عن أبيه عن جابر عن أبي عبيدة قال: قال رسول اللهﷺ: لا يزال هذا الأمر قائما بالقسط حتى ثلمه رجل من بني أمية“[3]

’’یہ معاملہ ٹھیک ٹھاک رہے گا، یہاں تک کہ سب سے پہلے بنو اُمیہ کا ایک آدمی اسے بگاڑے گا۔‘‘

لیکن یہ کسی راوی کی غلطی ہے یا تصحیف ہے اور حقیقت میں یہ محمد بن سلیمان عن صدقہ والی وہی روایت ہے، جسے ابن عساکر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔ بہرحال یہ روایت بھی مردود ہے، کیوں کہ

[1] العلل و معرفة الرجال لأحمد (١/ ٥٥١)

[2] التاريخ الكبير للبخاري (٤/ ٢٩٦)

[3] التدوين في أخبار قزوين (١/ ٤٧٥)

اس کی سند کے کئی رواۃ کی توثیق نہیں ملتی۔ نیز اس میں بھی صدقہ بن عبداللہ موجود ہے، جس کی حقیقت اوپر بیان کی جا چکی ہے۔

صحابیِ رسول ابو ذر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت:

صحابیِ رسول ابو ذر رضی اللہ عنہ سے امیر یزید کی مذمت میں ایک روایت نقل کی جاتی ہے۔ اس روایت میں امیر یزید کے ساتھ ساتھ ایک جلیل القدر صحابی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی بھی توہین ہے، لیکن کچھ لوگوں نے محض یزید کو برا ثابت کرنے کے لیے اس عظیم صحابی کی آبرو کو بھی داؤ پر لگا دیا!!

اس روایت کے سارے طرق میں انقطاع ہے، لیکن صرف اور صرف ایک سند میں ایک ثقہ متکلم فیہ راوی کی غلطی سے انقطاع کی جگہ ایک راوی کا اضافہ ہوگیا اور اسے بنیاد بنا کر کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ ثقہ کی زیادتی ہے، اس لیے قابلِ قبول ہے، حالاں کہ ثقہ کی زیادتی کے ساتھ ساتھ اس سند کے ساتھ اور بھی کئی علتیں جڑی ہوئی ہیں، جسے قارئین آیندہ سطور میں ملاحظہ کریں گے، لیکن سرِ دست ہم بطور مثال ایک روایت پیش کرنا چاہیں گے اور زیادتِ ثقہ کو علی الاطلاق قبول کرنے والوں سے سوال کرنا چاہیں گے کہ کیا یہ روایت بھی قابلِ قبول ہے، جس میں صحابیِ رسول عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی یزید سے بھی زیادہ مذمت وارد ہے؟!

امام ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن احمد بن ابی ثابت رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۳۸ھ) نے کہا:

"ثنا أحمد بن بكر، قال: ثنا إسماعيل بن أبان، قال: ثنا يعقوب، عن جعفر بن أبي المغيرة، عن ابن أبزى، قال: قال عبد الله بن الزبير، حيث حوصر عثمان بن عفان رضي الله عنه: إن عندي نجائب قد أعددتها، فهل لك أن تحول إلى مكة فيأتيك من أراد أن يأتيك؟ قال: لا، إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: **يلحد بمكة كبش من قريش اسمه عبد الله، عليه مثل أوزار الناس ولا أراك إلا إياه أو عبد الله بن عمر**"[1]

"خلیفہ سوم عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا جب محاصرہ کیا گیا تو ان سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے

---

[1] الجزء الأول والثاني من حديث ابن أبي ثابت، رقم الحديث (٤٦) ترقيم جوامع الكلم، رجاله ثقات، وإسناده ظاهره الصحة. أحمد بن بكر: قال الذهبي: "ثقة يخطئ" ووثقه ابن حبان، والحاكم و أبو عوانة وغيرهم، ولم يثبت تضعيفه عن الأزدي و ابن عدي، وبقية الرجال ثقات معروفون. ابن ابزى هنا يروي عن عبدالله بن الزبير، و من طريقه أخرجه ابن عساكر (٢٨/ ٢١٩) ←

کہا: میرے پاس عمدہ اونٹ ہیں، جنھیں میں نے آپ کے لیے تیار کیا ہے تو کیا آپ ان پر سوار ہوکر مکے جانا پسند کریں گے، تاکہ جو آپ کے پاس آنا چاہے، وہیں آجائیں؟ تو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نہیں! میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ **قریش کا عبداللہ نامی ایک شخص مکے میں الحاد پھیلائے گا، اس پر لوگوں کے گناہوں کا آدھا بوجھ ہوگا اور میرے خیال سے اس ''عبداللہ'' سے مراد اے عبداللہ بن زبیر! تم ہی ہو یا پھر عبداللہ بن عمر ہیں۔''**

یہ حدیث مخالفین کے لیے بہت بڑی آزمایش ہے، کیوں کہ اس میں ''عبداللہ'' نامی شخص کے لیے اس سے بھی زیادہ خطرناک بات ہے، جو یزید سے متعلق زیر بحث حدیث میں ہے اور صرف یہی نہیں، بلکہ اس حدیث میں ''عبداللہ'' نامی شخص کے لیے بہت بڑے گناہ کی بھی بات ہے اور عبداللہ سے کون مراد ہیں؟ اس سلسلے میں خلیفہ سوم عثمان رضی اللہ عنہ کی تفسیر بھی اسی حدیث میں موجود ہے کہ اس سے مراد یا تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں یا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہیں۔

بعد کے واقعات بتلاتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایسا کوئی کام سرے سے سرزد ہوا ہی نہیں، البتہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بنا پر مکے کی حرمت پامال ہوئی، اس لیے یہ طے ہو جاتا ہے کہ اس حدیث سے مراد ''عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ'' ہی ہیں، جیسا کہ خلیفہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے کہا۔

اب دیکھنا ہے کہ مخالفین کی تحقیق کیا رنگ لاتی ہے؟ کیا جس طرح زیادتِ ثقہ کے علی الاطلاق قبول کرنے والے مرجوح ومتروک اصول کو اپنا کر امیر یزید کو مطعون کرنے والی حدیث کو بڑی فراخ دلی سے قبول کرلیا گیا ہے، کیا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے متعلق وارد ہونے والی اس حدیث پر ایمان لایا جائے گا؟

ہمارے نزدیک یہ بات تو ثابت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے کسی شخص سے متعلق یہ پیشین گوئی کی ہے کہ وہ مکے کو حلال کرے گا اور اس کے سبب مکے کو حلال کیا جائے گا، لیکن یہ کون شخص ہوگا؟ اس کی صراحت کسی بھی حدیث میں منقول نہیں ہے اور یہاں پر ہم نے جو روایت پیش کی ہے، اس میں اگرچہ ''عبداللہ'' نام کی صراحت ہے اور عثمان رضی اللہ عنہ نے اس ''عبداللہ'' کی بھی

← به، وله شاهد عند البزار (٦/ ٣٤٨) رجاله ثقات ماعدا محمد بن كثير، وهو صدوق كثير الغلط، وأخرجه ابن عساكر في تاريخ دمشق (٢٨/ ٢٢٠) وحسنه الألباني في الصحيحة تحت رقم (٢٤٦٢)، ثم تراجع عنه في الصحيحة (٧/ ٢٩٧)

تفسیر کر دی ہے اور اس کے سارے رجال ثقہ بھی ہیں اور سند میں بھی انقطاع نہیں، لیکن اس کے باوجود بھی ہماری نظر میں یہ روایت مردود ہے، کیوں کہ یہ روایت اصلاً منقطع ہے اور یہاں پر اگرچہ اسے ثقہ نے موصول بیان کیا ہے، یعنی ثقہ نے وصل کی زیادتی کی ہے، لیکن ثقہ کی یہ زیادتی قرائن کی رو سے مردود ہے اور قرینہ یہی ہے کہ دیگر مضبوط طرق میں یہ روایت منقطعاً آئی ہے۔[1]

واضح رہے کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ سے منقول جو روایت جن الفاظ کے ساتھ ہم آگے پیش کر رہے ہیں، اسے پوری تاریخِ اسلام کے چودہ سو سالہ دور میں کسی ایک بھی محدث نے ہماری مطالعہ کی حد تک نہ تو صحیح یا حسن کہا ہے اور نہ یزید کی مذمت میں اس سے استدلال کیا ہے، بلکہ اس کے برعکس کئی محدثین نے اس روایت کو من گھڑت یا ضعیف و منکر یا مردود قرار دیا ہے یا اس کے مردود ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

لیکن عصرِ حاضر میں زبیر علی زئی صاحب نے اس کی ایک خاص سند و متن کو حسن قرار دے کر ایک ایسی نئی بات پیش کی ہے، جس میں ان کا کوئی سلف نہیں ہے۔ ہماری نظر اس پر پڑی تو ہم نے فوراً اس کی مدلل تضعیف ثابت کی، لیکن زبیر علی زئی صاحب نے اسے قبول نہیں کیا اور اس کا جواب دیا۔ اس کے بعد ہم نے ان کے رد میں دوسری تحریر پیش کی، لیکن زبیر علی زئی صاحب نے اسے بھی قبول نہ کرتے ہوئے اس کا بھی جواب دیا۔ اس کے بعد ہم نے ان کے رد میں تیسری تحریر پیش کی تو موصوف اس تحریر کے اصل حصے کا جواب نہیں دے سکے، البتہ ہم نے اس حدیث کو مردود قرار دینے والوں یا اس کے مردود ہونے کی طرف اشارہ کرنے والے اہلِ علم کی جو فہرست پیش کی تھی، محض اسی حصے پر آں جناب نے اپنے غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہوئے اسے جھوٹ قرار دیا اور ناچیز کو خوب مطعون کیا، حالاں کہ بالفرض اگر یہ تسلیم کر لیں کہ ان اہلِ علم نے اس روایت کو مردود نہیں قرار دیا ہے یا اس کی طرف اشارہ نہیں کیا تو بھی اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ یہ روایت صحیح ہے؟ اس لیے اگر موصوف کو جواب ہی دینا تھا تو آں جناب کو ہمارے ان دلائل کا جواب دینا چاہیے تھا جن کی بنیاد پر ہم نے اس روایت کو مردود قرار دیا تھا، لیکن موصوف نے ان دلائل کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اب ہم اگلی سطور میں اس حدیث سے متعلق اپنی ساری تحریریں پیش کرتے ہیں۔

---

[1] أخرجه أحمد في مسنده (١/ ٦٤) من طريق إسماعيل برواية ابن أبزى عن عثمان. قلت: رجاله ثقات، لكن قال أبو زرعة: ابن أبزىٰ عن عثمان مرسل، ومن طريق أحمد أخرجه ابن عساكر في تاريخ دمشق (٢٨/ ٢١٨)

حافظ زبیرعلی زئی صاحب کے تعاقب میں ہماری پہلی تحریر

① کیا یزید بن معاویہ سنت کو بدلنے والے تھے؟

امام ابن عساکر رحمہ اللہ نے کہا:

"أخبرنا أبو سهل محمد بن إبراهيم أنا أبو الفضل الرازي أنا جعفر بن عبد الله نا محمد بن هارون نا محمد بن بشار نا عبدالوهاب نا عوف ثنا مهاجر أبو مخلد حدثني أبو العالية حدثني أبو مسلم قال: غزا يزيد بن أبي سفيان بالناس فغنموا فوقعت جارية نفيسة في سهم رجل فاغتصبها يزيد فأتىٰ الرجل أبا ذر فاستعان به عليه فقال له: رد علىٰ الرجل جاريته. فتلكأ عليه ثلاثا فقال: إني فعلت ذاك (ولفظ أبي يعلى: لئن فعلت) لقد سمعت رسول اللهﷺ يقول: أول من يبدل سنتي رجل من بني أمية يقال له: يزيد. فقال له يزيد بن أبي سفيان: نشدتك بالله أنا منهم؟ قال: لا، قال: فرد على الرجل جاريته"[1]

ابومسلم کہتے ہیں کہ صحابیِ رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے اپنی امارت میں لوگوں کے ساتھ جہاد کیا تو انھیں مالِ غنیمت حاصل ہوا تو ایک مجاہد کے حصے میں ایک خوبصورت لونڈی آئی تو صحابیِ رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (جو فوج کے کمانڈر تھے، انھوں) نے اس لونڈی کو غصب کر لیا، اس کے بعد یہ مجاہد ابو ذر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور یزید بن ابی

[1] تاريخ دمشق لابن عساكر (٦٥/ ٢٤٩-٢٥٠) و أخرجه أيضاً أبو يعلى كما في إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة (٨/ ٨٥) رقم الحديث (٧٥٣٥) و المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية (١٨/ ٢٧٨) من طريق عبدالوهاب به نحوه، وأخرجه غير واحد من طريق عوف منقطعاً بين أبي العالية و أبي ذر.

سفیان رضی اللہ عنہ کے خلاف ان سے مدد مانگی تو ابو ذر رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس مجاہد کو اس کی لونڈی واپس کر دو، لیکن یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے ٹال دیا۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ نے تین بار ان سے یہی کہا اور تینوں بار یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے ٹال دیا تو ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا: بہتر ہے جیسا کہا جا رہا ہے، ویسا کرو، کیوں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: میری سنت کو سب سے پہلے جو شخص بدلے گا، وہ بنو اُمیہ کا شخص ہوگا، جسے یزید کہا جائے گا تو یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمھیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں: کیا میں ان میں سے ہوں؟ ابو ذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں۔ اس کے بعد یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے اس مجاہد کو وہ لونڈی واپس کر دی۔''

یہ روایت باطل ہے۔ کسی سبائی درندے نے اسے گھڑا ہے۔ اس روایت میں صرف یزید بن معاویہ ہی نہیں، بلکہ یزید نامی صحابی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ پر بھی انتہائی گھناؤنا الزام لگایا گیا ہے اور وہ یہ کہ صحابی رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے۔ معاذ اللہ۔ کسی اور کی لونڈی کو زبردستی چھین لیا اور جب انھیں یزید سے متعلق حدیث رسول سنائی گئی تو انھوں نے غصب کردہ لونڈی واپس کی۔

غور کریں کتنا گھناؤنا کردار صحابی رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے کہ انھوں نے کسی اور کے حصے میں خوبصورت لڑکی دیکھی تو اسے غصب کر لیا؟ یاد رہے کہ اصل متن کے الفاظ ہیں: ''فاغتصبها یزید'' یعنی ''صحابی رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے اس خوبصورت لڑکی کو غصب کر لیا۔'' یہی ترجمہ درست ہے۔

لیکن مجلّہ ''الحدیث'' (نمبر: ۱۰۳، ص: ۱۹) پر جو یہ ترجمہ کیا گیا ہے کہ ''لونڈی قبضے میں لے لی۔'' تو یہ ترجمہ کسی بھی صورت میں درست نہیں اور شاید مترجم کو بھی معلوم تھا کہ یہ درست ترجمہ نہیں ہے، لیکن چوں کہ صحیح ترجمہ کرنے کی صورت میں ایک صحابیِ رسول کا بڑا گھناؤنا کردار سامنے آ رہا تھا، اس لیے مترجم اس کی جرأت نہیں کر سکے، حالاں کہ یہ غلط ترجمہ سیاق و سباق سے بالکل کٹ جاتا ہے۔

حد ہو گئی کہ یزید دشمنی میں یزید نامی صحابیِ رسول رضی اللہ عنہ پر بھی گھناؤنا الزام لگانے سے لوگ نہیں ہچکچاتے۔ واللہ المستعان.

روایت مذکورہ کی استنادی حالت:

کسی بھی روایت کی محض ظاہری سند دیکھ کر یا اس کے دیگر طرق سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف ایک ہی طریق کو سامنے رکھ کر حکم لگانا ائمہ متقدمین کے منہج کے سراسر خلاف ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے، جیسے آج کوئی شخص صرف ایک حدیث کو سامنے رکھ کر فتویٰ دینے لگ جائے!!

جب ہم روایتِ مذکورہ کی تمام اسانید کو سامنے رکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ابو العالیہ اور ابو ذر کے درمیان سے ایک راوی ساقط ہے عبدالوہاب کے علاوہ دیگر رواۃ ہوذہ بن خلیفہ، معاذ عنبری، سفیان بن عیینہ، سعید بن عبد الکریم اور نضر بن شمیل نے اس سند کو انقطاع کے ساتھ ہی بیان کیا ہے۔ ان تمام رواۃ کی مکمل روایات اور اس کے متعلق تفصیل آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔[1]

اس طرح کی غلطی کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴ھ) نے کہا:

وَقَالَ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ (؟) عَنْ سَعِيدِ بْنِ مِينَا عَنْ جَابِرٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَا: وُلِدَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَامَ الْفِيلِ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ الثَّانِيَ عَشَرَ مِنْ رَبِيعٍ الْأَوَّلِ. وَفِيهِ بُعِثَ، وَفِيهِ عُرِجَ بِهِ إِلَى السَّمَاءِ، وَفِيهِ هَاجَرَ، وَفِيهِ مَاتَ. فِيهِ انْقِطَاعٌ"[2]

"جابر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بارہ ربیع الاول ہی کو اللہ کے نبی ﷺ کی پیدائش ہوئی اور بارہ ربیع الاول ہی کو اللہ کے نبی ﷺ کی وفات ہوئی اور بارہ ربیع الاول ہی کو آپ کی بعثت ہوئی اور بارہ ربیع الاول ہی کو آپ ﷺ کو معراج کرائی گئی اور بارہ ربیع الاول ہی کو آپ ﷺ نے ہجرت کی۔"

امام ابن کثیر رحمہ اللہ یہ روایت نقل کرنے کے بعد ہی فرماتے ہیں:

"فِيهِ انْقِطَاعٌ" یعنی اس کی سند میں انقطاع ہے۔

اس روایت سے اہلِ بدعت استدلال کرتے ہیں اور یہی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی تاریخ پیدائش بارہ ربیع الاول ہے۔ لیکن اس کا جواب یہی دیا جاتا ہے کہ ابن کثیر اور ابن تیمیہ وغیرہ نے

---

[1] تفصیل کے لیے اسی کتاب کا صفحہ (۱۳۴ تا ۱۴۵) دیکھیں۔

[2] البداية والنهاية (۳/ ۱۳۵) طبع إحياء التراث.

اس حدیث کو منقطع قرار دیا ہے، مگر امام جورقانی نے اپنی سند سے ابن ابی شیبہ کے طریق سے یہی راویت نقل کی ہے اور ان کی نقل کردہ سند میں انقطاع نہیں ہے، بلکہ عفان اور سعید بن مینا کے درمیان ''سلیم بن حیان'' نامی ثقہ راوی کا ذکر ہے۔ یہ مکمل روایت ملاحظہ ہو:

"أَخْبَرَنَا أَبُو الْفَضْلِ مُحَمَّدُ بْنُ طَاهِرِ بْنِ عَلِيٍّ الْحَافِظُ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَحْمَدَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ عَلِيِّ بْنِ عَلِيِّ بْنِ عِيسَى، إِمْلَاءً، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْقَاسِمِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْبَغَوِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَفَّانُ، عَنْ سَلِيمِ بْنِ حَيَّانَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ مِينَا، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيِّ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُمَا قَالَا: وُلِدَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ الْفِيلِ، يَوْمَ الِاثْنَيْنِ، الثَّانِيَ عَشَرَ مِنْ شَهْرِ رَبِيعٍ الْأَوَّلِ، وَفِيهِ بُعِثَ، وَفِيهِ عُرِجَ إِلَى السَّمَاءِ، وَفِيهِ هَاجَرَ، وَفِيهِ مَاتَ ﷺ"[1]

''جابر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بارہ ربیع الاول کو اللہ کے نبی ﷺ کی پیدایش ہوئی اور بارہ ربیع الاول ہی کو اللہ کے نبی ﷺ کی بعثت ہوئی اور بارہ ربیع الاول ہی کو آپ ﷺ کو معراج کرائی گئی اور بارہ ربیع الاول ہی کو آپ ﷺ نے ہجرت کی اور بارہ ربیع الاول ہی کو آپ ﷺ کی وفات ہوئی۔''

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ انقطاع کا ازالہ ہوگیا اور مذکورہ روایت صحیح ہوگئی، کیوں کہ موصول روایت کرنے والے محمد بن طاہر اگرچہ ثقہ ہیں، لیکن متکلم فیہ ہیں، لہٰذا ثقہ کے خلاف ان کا موصول بیان کرنا غیر مقبول ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں ہمارا مضمون: ''رسول اکرم ﷺ کی تاریخ پیدایش سے متعلق ایک روایت کا جائزہ'' (مجلّہ ''اہل السنہ'' جنوری ۲۰۱۳ء)

میرے خیال سے جو لوگ یزید سے متعلق ابن عساکر کی مذکورہ روایت کو صحیح یا حسن کہتے ہیں، انھیں رسول اکرم ﷺ کی پیدایش سے متعلق بھی محولہ روایت کو صحیح کہنا چاہیے، بلکہ بدرجہ اولیٰ صحیح کہنا چاہیے، کیوں کہ یہاں صرف ایک ثقہ روای کی مخالفت ہے اور زیرِ بحث روایت میں تو متعدد ثقات کی مخالفت ہے!!

بہرحال یہ ائمہ متقدمین کا منہج نہیں ہے کہ ثقہ یا حسن الحدیث کی زیادتی مطلقاً قبول کرلی

---

[1] الأباطيل والمناكير للجورقاني (١/ ٢٦٧)

جائے اور حقیقت یہ ہے کہ زیادتِ ثقہ کے قبول و رد کے لیے متقدمین کے یہاں کوئی ضابطہ ہے ہی نہیں، بلکہ متقدمین قرائن کو دیکھ کر فیصلہ کرتے تھے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲ھ) نے کہا:

"والذي يجري علىٰ قواعد المحدثين أنهم لا يحكمون عليه بحكم مستقل من القبول والرد، بل يرجحون بالقرائن كما قدمناه في مسألة تعارض الوصل والإرسال"[1]

"زیادتِ ثقہ سے متعلق محدثین کے قواعد پر جو بات جاری ہے، وہ یہ کہ محدثین زیادتِ ثقہ پر قبول ورد کے اعتبار سے کوئی مستقل حکم نہیں لگاتے، بلکہ قرائن کی روشنی میں ترجیح دیتے ہیں، جیسا کہ موصول اور مرسل کے تعارض کے مسئلے میں ہم بیان کر چکے ہیں۔"

اسی لیے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے تاریخِ پیدایش والی روایات کو منقطع کہا ہے، حالاں کہ حسن الحدیث راوی نے اسے موصول بیان کیا ہے، لیکن چونکہ موصول سند میں کمزور حافظہ والا راوی ہے اور یہ وصل مصنف کی اصل کتاب کے خلاف بھی ہے، لہٰذا ان قرائن کی بنیاد پر حسن الحدیث راوی کے وصل کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور یہی حال زیرِ بحث یزید سے متعلق روایت کا بھی ہے کہ تمام رواۃ نے اسے منقطع بیان کیا ہے، صرف عبدالوہاب نے وصل کیا ہے اور یہ اگرچہ ثقہ ہیں، لیکن ان کے حافظہ پر جرح ہوئی ہے، چنانچہ ملاحظہ ہو:

❀ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰ھ) نے کہا:

"عبد الوهاب بن عبد المجيد الثقفي -ويكنى أبا محمد- وكان ثقة، وفيه ضعف"[2]

"عبدالوہاب بن عبدالمجید ثقفی اس کی کنیت ابومحمد ہے۔ یہ ثقہ تھے اور اس میں ضعف ہے۔"

نیز اخیر عمر میں ان کا حافظہ اس حد تک خراب ہوگیا تھا کہ یہ اختلاط کا شکار ہوگئے تھے۔

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) نے کہا:

"عبد الوهاب بن عبد المجيد بن الصلت الثقفي أبو محمد البصري، ثقة، تغير قبل موته بثلاث سنين"[3]

---

[1] النكت على كتاب ابن الصلاح لابن حجر (٢/ ٦٨٧)

[2] الطبقات لابن سعد (٧/ ٢١٢)

[3] تقريب التهذيب، رقم الحديث (٤٢٦١)

''عبد الوہاب بن عبد المجید بن الصلت ثقفی ابو محمد بصری۔ ثقہ ہیں۔ یہ اپنی موت سے تین سال قبل تغیرِ حفظ کا شکار ہوگئے تھے۔''

معلوم ہوا کہ عبدالوہاب ثقہ ہونے کے باوجود متکلم فیہ تھے۔ نیز ان کے وصل والی روایت کے ہوتے ہوئے بھی بہت سارے محدثین نے ان کی زیرِ بحث روایت کو منقطع قرار دیا ہے۔ چناں چہ خود ابن عساکر رحمہ اللہ نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے، چناں چہ ایک مقام پر اسی روایت کو منقطع روایت کرنے کے بعد کہا:

"رواه عبد الوهاب الثقفي عن عوف عن أبي مهاجر عن أبي العالية عن أبي مسلم عن أبي ذر زاد فيه: أبا مسلم"[1]

''اسے عبدالوہاب ثقفی نے عوف عن ابی مہاجر عن ابی العالیہ عن ابی مسلم عن ابی ذر کے طریق سے روایت کیا ہے اور عبدالوہاب نے اس میں ''ابومسلم'' کا اضافہ کر دیا ہے۔''

امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اس سند میں ابومسلم کی زیادتی پر تنبیہ کرتے ہوئے کہا:

"أخرجه الروياني في مسنده عن بندار، وروي من وجه آخر، عن عوف، وليس فيه: أبو مسلم"[2]

''امام رویانی نے اسے اپنی مسند میں بندار سے روایت کیا ہے اور ایک اور طریق سے عوف سے یہی روایت مروی ہے اور اس میں ابومسلم نہیں ہے۔''

امام بیہقی رحمہ اللہ بھی اس سند کو منقطع قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"و في هذا الإسناد إرسال بين أبي العالية و أبي ذر"[3]

''اس سند میں ابو العالیہ اور ابو ذر کے درمیان ارسال ہے۔''

نیز امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ چناں چہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا روایت اور اس جیسی روایات کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

---

[1] تاريخ دمشق لابن عساكر (١٨/ ١٦٠)
[2] تاريخ الإسلام للذهبي. ت: تدمري (٥/ ٢٧٣)
[3] دلائل النبوة للبيهقي (٦/ ٤٦٧)

”وقد أورد ابن عساكر أحاديث في ذم يزيد بن معاوية، كلها موضوعة، لا يصح شيئ منها، و أجود ما ورد ما ذكرناه علىٰ ضعف أسانيده وانقطاع بعضه“[1]

”ابن عساکر نے یزید بن معاویہ کی مذمت میں چند احادیث نقل کی ہیں، جو سب کی سب موضوع اور من گھڑت ہیں، ان میں کچھ بھی صحیح نہیں ہے۔ اس سلسلے میں وارد سب سے بہتر وہ روایات ہیں، جنھیں ہم نے ذکر کیا ہے، لیکن ان کی سندیں بھی ضعیف ہیں اور بعض منقطع ہیں۔“

یعنی ابن کثیر رحمہ اللہ نے تاریخ ابن عساکر میں موجود یزید کی مذمت کرنے والی تمام روایات کو مردود قرار دیا ہے، جن میں زیرِ بحث روایت بھی شامل ہے۔ نیز امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے زیرِ بحث روایت کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ سے تضعیف کا قول نقل کیا ہے، چناں چہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وكذا رواه البخاري في التاريخ وأبو يعلى عن محمد بن المثنى عن عبد الوهاب، ثم قال البخاري: والحديث معلول“[2]

”اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے (اپنی کتاب) تاریخ میں روایت کیا اور ابو یعلی نے عن محمد بن مثنی عن عبدالوہاب کے طریق سے روایت کیا ہے، پھر اسے روایت کرنے کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا: یہ حدیث معلول ہے۔“

اسی طرح ابن طولون نے بھی ابن کثیر کے حوالے سے امام بخاری کی تضعیف نقل کرتے ہوئے کہا: ”قال البخاري: و الحديث معلول“[3] ”امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا: یہ حدیث معلول ہے۔“

نیز امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶ھ) فرماتے ہیں:

”حدثني محمد، قال: حَدَّثَنَا عَبد الوهاب قال: حدثنا عوف عن المهاجر بن مخلد: قال: حَدَّثَنَا أبو العالية، قال: وحدثني أبو مسلم قال: كان أبو ذر

---

[1] البداية والنهاية (٨/ ٢٣١)

[2] البداية والنهاية (٨/ ٢٣١ و نقله ابن كثير من كتاب البخاري)

[3] قيد الشريد لابن طولون (ص: ٣٨)

بالشام، وعليها يزيد بن أبي سفيان فغزا الناس فغنموا... والمعروف أن أبا ذر كان بالشام زمن عثمان، وعليها معاوية، ومات يزيد في زمن عُمَر، ولا يعرف لأبي ذر قدوم الشام زمن عُمَر رضي الله عنه"[1]

''ابومسلم کہتے ہیں کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ شام میں تھے اور اس وقت وہاں کے امیر صحابیِ رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ تھے تو اُن لوگوں نے جہاد کیا اور مالِ غنیمت حاصل کیا... (امام بخاری رحمہ اللہ زیرِ بحث روایت کو مختصر ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ) معروف (معلوم وثابت شدہ) بات یہ ہے کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ شام میں عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں تھے اور اس وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے امیر تھے اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی کے دور میں وفات پا گئے اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ابو ذر رضی اللہ عنہ کا شام آنا نامعلوم ہے۔''

یعنی امام بخاری رحمہ اللہ کے بقول صحابیِ رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں شام کے امیر تھے اور عہدِ فاروقی ہی میں وفات پا گئے اور عہدِ فاروقی میں ابو ذر رضی اللہ عنہ کا شام آنا ثابت ہی نہیں ہے۔[2] زیرِ بحث روایت میں اسی دور میں ابو ذر رضی اللہ عنہ کو شام میں بتلایا جا رہا ہے اور یہ کہا جا رہا ہے کہ انھوں نے شام میں صحابیِ رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو زیرِ بحث حدیث سنائی۔

یہ زبردست دلیل ہے کہ زیرِ بحث روایت موضوع (من گھڑت) ہے اور جس نے بھی اسے گھڑا ہے، وہ تاریخ سے نابلد تھا، کیوں کہ اس نے یہ حدیث تو وضع کر دی کہ شام میں ابو ذر رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو حدیث سنائی، لیکن اس بدنصیب کو یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ جس دور میں صحابیِ رسول یزید بن ابی سفیان شام میں تھے، اس دور میں ابو ذر رضی اللہ عنہ شام ہی نہیں گئے تھے، بلکہ اس کے بہت بعد عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں شام گئے تھے اور اس سے پہلے ہی صحابیِ رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ فوت ہو چکے تھے، لہٰذا ایک فوت شدہ شخص کو ابو ذر رضی اللہ عنہ کوئی حدیث کیسے سنا سکتے ہیں؟!

امام بخاری رحمہ اللہ کی اس تحقیق سے اس روایت کا موضوع اور من گھڑت ہونا ثابت ہو گیا۔

اب یا تو یہ بات مان لی جائے کہ عبدالوہاب سے روایت کو موصول بیان کرنے میں غلطی

---

[1] التاريخ الأوسط للبخاري (١/ ٣٩٧)

[2] بعد میں ہمیں امام بخاری رحمہ اللہ کے اس موقف پر ایک صحیح روایت بھی مل گئی۔ اسی کتاب کا صفحہ (١٩٠) دیکھیں۔

ہوئی اور حقیقت میں سند سے ایک راوی ساقط ہے، جیسا کہ امام ابن کثیر وغیرہ نے کہا ہے یا اعلان کیا جائے کہ ابومسلم کذاب ہے، کیوں کہ وہ دو صحابہ کی ملاقات ایسی جگہ بتلا رہا ہے، جہاں ان دونوں صحابہ کا ملنا ممکن ہی نہیں اور ان دونوں میں کوئی بھی بات مانی جائے، روایت مردود ہی ثابت ہوگی۔

امام بخاری ہی کی طرح امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی یہ اشکال پیش کیا ہے کہ صحابی رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ جن دنوں شام کے امیر تھے، ان دنوں ابو ذر رضی اللہ عنہ شام میں تھے ہی نہیں، کیوں کہ یہ تو عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں شام آئے اور صحابی رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ شام میں صرف ابوبکر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور تک زندہ تھے، چناں چہ امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

"قُلْتُ: يَزِيدُ بْنُ أَبِى سُفْيَانَ كَانَ مِنْ أُمَرَاءِ الْأَجْنَادِ بِالشَّامِ فِيْ أَيَّامِ أَبِى بَكْرٍ وَعُمَرَ۔ لَكِنَّ سَمِيَّهُ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ يُشْبِهُ أَنْ يَكُونَ هُوَ۔وَاللّٰهُ أَعْلَم۔وَ فِيْ هَذَا الْإِسْنَادِ إِرْسَالٌ بَيْنَ أَبِي الْعَالِيَةِ وَ أَبِيْ ذَرٍّ"[1]

یعنی صحابی رسول یزید بن ابی سفیان تو ابوبکر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں لشکرِ شام کے امیر ہوا کرتے تھے (اور اس دور میں ابو ذر رضی اللہ عنہ شام آئے ہی نہیں) لہٰذا یزید بن ابی سفیان کے ہم نام یزید بن معاویہ مراد ہوسکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ اور اس سند میں ابو العالیہ اور ابو ذر کے درمیان انقطاع ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے جو یہ کہا ہے:

"لَكِنَّ سَمِيَّهُ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ يُشْبِهُ أَنْ يَّكُونَ هُوَ۔وَاللّٰهُ أَعْلَمُ"[2]

"البتہ یزید بن سفیان رضی اللہ عنہ کے ہم نام یزید بن معاویہ مراد ہوسکتے ہیں۔ واللہ اعلم"

تو عرض ہے کہ یہ ناممکن ہے، کیوں کہ تمام تر روایات میں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ہی کی صراحت ہے، نیز اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس حدیث میں لونڈی غصب کرنے کا جو واقعہ ہے، وہ یزید بن معاویہ رحمہ اللہ کا واقعہ ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یزید نے جب ایک لونڈی غصب کی تو ابو ذر رضی اللہ عنہ نے انھیں حدیث سنا دی، لیکن جب انھوں نے مسندِ خلافت غصب کی۔ کما یقال۔ تو اس وقت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث لوگوں کو کیوں نہ سنائی گئی؟ کیوں کہ ظاہر ہے یہ واقعہ پیش

---

[1] دلائل النبوة للبيهقي (٦/ ٤٦٧)

[2] دلائل النبوة للبيهقي (٦/ ٤٦٧)

آنے کے بعد یہ حدیث لوگوں کے علم میں آ چکی ہوگی!

نیز اسی حدیث میں ہے کہ یزید نے جب ابو ذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا وہ میں ہوں؟ تو ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں... لہٰذا اگر یہ واقعہ یزید بن معاویہ کا ہے، تب تو بتصریح ابو ذر رضی اللہ عنہ یزید بن معاویہ اس کے مصداق ہیں ہی نہیں۔

الغرض امام بخاری اور امام بیہقی رحمہما اللہ کی تحقیق کے مطابق شام میں ابو ذر رضی اللہ عنہ صحابی رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے ملے ہی نہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ کی اسی تحقیق کو امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی بہ رضا و رغبت نقل کیا ہے۔

امام بخاری کی تحقیق کے علاوہ اور بھی ایسے قرائن ہیں، جو بتلاتے ہیں کہ یہ روایت مکذوب ہے۔ مثلاً جب یزید بن معاویہ کو ولی عہدی کے لیے نامزد کیا گیا تو اس وقت بعض لوگوں نے اس آئین کی مخالفت کی، لیکن اس موقع پر کسی نے بھی اس حدیث کو پیش نہیں کیا، جبکہ مذکورہ واقعہ پیش آنے کے بعد اس حدیث کا عام ہوجانا ظاہر ہے۔ غور کیا جائے کہ زیرِ بحث روایت کے مطابق ایک جلیل القدر صحابی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ایک لونڈی غصب کرتے ہیں اور اس ایک غلطی پر انھیں یہ حدیث فوراً سنادی گئی، جبکہ آپ صحابی رسول تھے تو پھر یزید بن معاویہ تو تابعی تھے، انھوں نے ایک لونڈی ہی نہیں، بلکہ مخالفین کے بقول مسندِ خلافت ہی کو غصب کر لیا، آخر انھیں کسی نے یہ حدیث کیوں نہ سنائی؟!

لطیفہ:

مخالفینِ یزید کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جن فتنہ پر داز امیروں کا نام لوگوں سے چھپایا، اس سے یزید ہی مراد ہے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جان کے خوف سے یزید بن معاویہ کا نام نہیں بتایا۔ عرض ہے کہ مذکورہ بالا روایت کے مطابق تو ابو ذر رضی اللہ عنہ نے یزید کا نام بتا دیا، وہ بھی خاندانِ بنو اُمیہ کے ایک فرد یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے سامنے، آخر ان کی گردن کیوں نہیں ماری گئی؟

خلاصہ کلام یہ کہ مذکورہ روایت کی سند کا منقطع ہونا ہی راجح ہے، قرائن اسی پر دال ہیں اور چونکہ اس روایت میں شدید نکارت بلکہ محال و ناممکن باتوں کا ذکر ہے، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے تحقیق پیش کی ہے، اس لیے متن کی نکارت کو دیکھتے ہوئے اس روایت کے موضوع من گھڑت

ہونے میں کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا ہے اور قطعی یقین ہو جاتا ہے کہ یہ روایت کسی سبائی ذہن کی کارستانی ہے۔ یاد رہے کہ شدید نکارت والے متن پر مشتمل روایت کے اندر اگرچہ کوئی کذاب راوی نہ ہو، پھر بھی متن کی نکارت کو دیکھتے ہوئے اہلِ علم اسے موضوع قرار دیتے ہیں، چناں چہ سنن ترمذی کی ایک روایت کو ابن الجوزی، حافظ ابن حجر اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے موضوع قرار دیا، حالاں کہ اس کے سارے رجال صحیح بخاری ومسلم کے ہیں، بس سند میں بخاری ومسلم کے راوی ولید بن مسلم کا عنعنہ ہے۔[1]

(بلکہ نیز ابن الجوزی کے اقوال یزید کے خلاف بہت زور شور سے پیش کئے جاتے ہیں وہ بھی کہتے ہیں:

وقد يكون الإسناد كله ثقات ويكون الحديث موضوعا ...[2]

کبھی کبھی کسی سند کے سارے رجال ثقہ ہوتے ہیں پھر بھی حدیث موضوع ہوتی ہے۔۔۔)

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: الموضوعات لابن الجوزي (٢/ ١٤٠) لسان الميزان (٥/ ٢٠) السلسلة الضعيفة (٧/ ٣٨٧)

[2] الموضوعات لابن الجوزی: (١/ ١٩٩)۔ یہ حوالہ بعد میں شامل کیا گیا ہے۔

حافظ زبیر علی زئی صاحب کے تعاقب میں ہماری دوسری تحریر

② کیا یزید بن معاویہ سنت کو بدلنے والے تھے؟

الحمدللہ ہم حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کا بہت احترام کرتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اگر حافظ موصوف کے کسی فیصلے میں ہمیں دلائل کا وزن بالکل ہی محسوس نہ ہو تو ہم اسے رد کرنے پر خود کو مجبور پاتے ہیں۔ الحمدللہ زیرِ بحث روایت کے موضوع اور من گھڑت ہونے پر ہمیں اسی طرح یقین ہے، جس طرح نصف نہار میں چمکتے سورج پر یقین ہوتا ہے۔ میرے دلائل کے جو جوابات پیش کیے گئے ہیں، انھیں پڑھ کر مجھے اپنے موقف پر اللہ کے فضل و کرم سے مزید اطمینان حاصل ہوگیا، کیوں کہ میرے سامنے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس موضوع روایت کو صحیح ثابت کرنے کے لیے کوئی مضبوط اساس ہے ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ متقدمین میں سے سب نے بالاتفاق اسے مردود قرار دیا ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ متقدمین میں سے کسی ایک بھی مستند محدث نے اس روایت کو صحیح یا حسن قرار دیا ہو۔

① حافظ زبیر علی زئی کے حوالے سے کہا گیا:[1]

---

[1] ایک بھائی نے حافظ زبیر علی زئی کا یہ جواب ان سے بذریعہ فون نقل کیا ہے، اس بھائی کی وضاحت ملاحظہ ہو:
مذکورہ روایت پر شیخ کفایت اللہ حفظہ اللہ کے تحقیقی اعتراضات کی توضیح کے لیے ہم نے شیخ زبیر رحمہ اللہ کو فون کیا اور ان سے کی گئی ۳۔۴ منٹ کی گفتگو میں، جو اہم نکات سامنے آئے، انھیں جواب کی شکل میں یہاں پیش کر دیا گیا۔ سو اس جواب کو مکمل طور پر شیخ زبیر رحمہ اللہ کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا، گو ہماری ذکر کردہ اکثر باتوں سے شیخ صاحب کا اتفاق ہے۔ (محدث فورم)
ہم نے اس دوسری تحریر میں ان باتوں کو حافظ زبیر علی زئی کی باتیں ہی سمجھ کر اور آں جناب ہی کو مخاطب کرکے جواب دیا، لیکن آں جناب نے اس کے بعد اپنی تحریروں میں ان باتوں میں کسی سے بھی براءت ظاہر نہیں کی، جو اس بات کی دلیل ہے کہ موصوف زبیر علی زئی میری طرف سے ذکر کردہ تمام باتوں سے متفق ہیں۔

"فاغتصبها" کا جو ترجمہ کیا گیا ہے، وہ لغت کے اعتبار سے غلط نہیں ہے۔"[1]

عرض ہے کہ یہاں لغت کی کسی مستند کتاب کا حوالہ نہیں دیا گیا اور بغیر حوالے کے ہم اس ترجمے کو صحیح ماننے سے معذور ہیں۔

② حافظ زبیر علی زئی کے حوالے سے کہا گیا:

"یہ ترجمہ بالکل ویسا ہی ہے جیسے بعض صحابہ کا ایک دوسرے کے بارے میں کذب کے الفاظ کہنا اور مترجمین کا کذب کا ترجمہ جھوٹ کی بجائے غلط کرنا۔"[2]

عرض ہے کہ خطا پر کذب کا اطلاق عربی زبان میں معروف ہے۔ "لسان العرب" میں ہے:

"وَ فِيُ حَدِيثِ صَلَاةِ الوِتُرِ: كَذَبَ أَبو مُحَمَّدٍ. أَي أَخُطَأَ؛ سَمَّاهُ كَذِباً، لِأَنَّهُ يُشُبِهُهُ فِى كَوُنِهِ ضِدَّ الصَّوَابِ، كَمَا أَن الكَذِبَ ضدُّ الصِّدُقِ، وإِن افُتَرَقا مِنُ حَيُثُ النِّيةِ والقصدِ، لَأن الكاذبَ يَعُلَمُ أَن مَا يَقُولُهُ كَذِبٌ، والمُخُطِئُ لَا يَعُلَمُ، وَهَذَا الرَّجُلُ لَيُسَ بِمُخُبِرٍ، وَإِنَّمَا قَالَهُ بِاجُتِهَادٍ أَدَّاه إِلىٰ أَنَّ الُوِتُرَ وَاجِبٌ، وَالِاجُتِهَادُ لَا يَدُخُلُهُ الُكَذِبُ، وإِنما يدخُله الُخَطَأُ؛ وأَبو مُحَمَّدٍ صَحَابِيٌّ، وَاسُمُهُ مَسُعُودُ بُنُ زَيُدٍ؛ وَقَدِ اسُتَعُمَلَتِ العربُ الكذِبَ فِى مَوُضِعِ الخطإِ؛ وأَنشد بَيُتَ الُأَخطل: كَذَبَتُكَ عينُكَ أَم رأَيت بواسِطٍ، وَقَالَ ذُو الرُّمَّةِ: وَمَا فِى سَمُعِهِ كَذِبُ، وَ فِيُ حَدِيثِ عُرُوَةَ، قِيلَ لَهُ: إِنَّ ابُنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ: إن النَّبِيَّ ﷺ، لَبِثَ بِمَكَّةَ بِضُعَ عَشُرَةَ سَنَةً، فَقَالَ: كَذَبَ، أَى أَخُطَأَ۔ وَمِنُهُ قَوُلُ عِمُرانَ لِسَمُرَةَ حِينَ قَالَ: المُغُمَى عَلَيُهِ يُصَلِّيُ مَعَ كُلِّ صلاةٍ صَلَاةً حَتَّى يَقُضِيَها، فَقَالَ: كَذَبُتَ وَلَكِنَّهُ يُصَلِّيُهِنَّ مَعًا، أَي أَخُطَأُتَ"[3]

"وتر والی حدیث (سنن النسائي، رقم الحديث: ٤٦١) میں ہے: "كذب أبو محمد"، یعنی ابو محمد نے غلطی کی۔ اسے کذب (جھوٹ) اس لیے کہا، کیوں کہ درست

[1] محدث فورم (مراسلہ نمبر: ۴)

[2] محدث فورم (مراسلہ نمبر: ۴)

[3] لسان العرب (۱/ ۷۰۹)

بات کے خلاف ہونے میں یہ جھوٹ کی طرح ہے، جس طرح جھوٹ سچ کے خلاف ہوتا ہے، اگرچہ نیت اور ارادے کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہے، کیوں کہ جھوٹا شخص جانتا ہے کہ وہ جو کہہ رہا ہے، وہ جھوٹ ہے اور غلطی کرنے والا لاعلم ہوتا ہے اور حدیث میں مذکور شخص کوئی خبر دینے والا نہیں تھا، بلکہ اس نے یہ بات اجتہاد کرتے ہوئے کہی اور اس کا اجتہاد اس نتیجے پر پہنچا کہ وتر واجب ہے اور اجتہاد میں کذب کا کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ اس میں غلطی کا دخل ہوتا ہے اور ابو محمد صحابی ہیں ان کا نام مسعود بن زید ہے۔

''اہلِ عرب نے بھی غلطی کی جگہ ''کذب'' استعمال کیا ہے، چناں چہ اخطل (غیاث بن غوث) نے کہا: ''کَذَبَتْكَ عَيْنُكَ أَمْ رَأَيْتَ بواسِطٍ'' اسی طرح ذو الرمۃ (غیلان بن عقبہ) نے کہا: ''وَمَا فِي سَمْعِهِ كَذِبٌ'' نیز عروۃ کی حدیث میں ہے کہ ان سے کہا گیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مکے میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً دس سال ٹھہرے تو اُنھوں نے کہا کہ موصوف نے کذب کہا، یعنی غلط بات بیان کی۔ اسی قبیل سے یہ بھی ہے کہ عمران نے سمرہ سے کہا: بے ہوش آدمی ہر نماز کے ساتھ ایک نماز پڑھے گا، یہاں تک اپنی فوت شدہ نمازیں مکمل کرلے تو انھوں نے کہا: تم نے کذب کہا، یعنی غلط کہا، وہ ساری نمازیں ایک ساتھ پڑھے گا۔''

لیکن کیا عربی زبان میں ''غصب کرنا'' قبضے میں لینے کے معنی میں مستعمل ہے؟ اگر ایسا ہے تو:

اولاً: اہلِ لغت و اہلِ عرب کی عبارات اور صحابہ کے استعمال سے متعلق صحیح احادیث سے اس کا ثبوت پیش کیا جائے۔

ثانیاً: زیرِ بحث روایت کے سیاق وسباق سے ثابت کیا جائے کہ یہاں ''غصب'' اپنے عام معنی میں نہیں ہے۔

ہم نے لکھا تھا: ''یہ غلط ترجمہ سیاق وسباق سے بالکل کٹ جاتا ہے۔''[1] ہم اب بھی کہتے ہیں کہ سیاق وسباق سے ایسے ترجمے کی کوئی گنجایش نہیں نکلتی، کیوں کہ سیاق وسباق کے لحاظ سے صورتِ حال یہ ہے:

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۵۰) دیکھیں۔

- لڑکی خوبصورت تھی۔
- پھر نعوذ باللہ صحابی رسول رضی اللہ عنہ پر ایک گھناؤنا الزام ہے۔
- پھر مظلوم شخص کسی اور کے پاس جا کر مدد طلب کرتا ہے۔
- اس کے بعد ایک دوسرے صحابی انھیں سمجھاتے ہیں اور ایک خوفناک حدیث سناتے ہیں۔
- حدیث سن کر صحابی رسول رضی اللہ عنہ لڑکی واپس کر دیتے ہیں۔

یہ پورا سیاق پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ معاملہ قبضے میں لینے کا نہیں، بلکہ غصب کرنے کا ہے، ورنہ روایت میں:

- ایک لڑکی کی خوبصورتی کا حوالہ کیوں؟
- بات صرف قبضے میں لینے کی تھی تو اس کی وجہ جو خوبصورتی بتائی گئی ہے، اس کا قبضے سے کیا تعلق؟
- پھر مظلوم شخص نے ابو ذر رضی اللہ عنہ سے فریاد کیوں کی؟
- پھر ابو ذر رضی اللہ عنہ نے ایک خوفناک حدیث کیوں سنائی؟ ظاہر ہے کہ سامنے کوئی خوفناک بات ہوئی تھی تبھی تو سنائی تھی۔

یہ سارا سیاق صاف طور سے بتلا رہا ہے کہ "اغتصبها" مذکورہ روایت میں کس معنی میں مستعمل ہے؟ قطع نظر اس سے کہ اس لفظ کا قبضے کے معنی میں مستعمل ہونا ثابت ہے یا نہیں؟ اس کے برخلاف احادیث میں جہاں ''کذب'' خطا کے معنی میں مستعمل ہے، وہاں سیاق و سباق میں اس کی دلیل موجود ہوتی ہے، مثلاً "لسان العرب" میں جس حدیث کو پیش کیا گیا ہے، اسے ہی دیکھتے ہیں۔ مکمل حدیث یہ ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الصُّنَابِحِيِّ، قَالَ: زَعَمَ أَبُو مُحَمَّدٍ أَنَّ الْوِتْرَ وَاجِبٌ، فَقَالَ عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ: كَذَبَ أَبُو مُحَمَّدٍ، أَشْهَدُ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: خَمْسُ صَلَوَاتٍ، افْتَرَضَهُنَّ اللَّهُ تَعَالَى، مَنْ أَحْسَنَ وُضُوءَهُنَّ وَصَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ، وَأَتَمَّ رُكُوعَهُنَّ وَخُشُوعَهُنَّ، كَانَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ، وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ، إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ"[1]

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٢٥)

''جناب عبداللہ بن صنابحی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ابو محمد (انصاری صحابی) کا خیال ہے کہ وتر واجب ہے۔ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے (سنا تو) کہا: ابو محمد نے غلط کہا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: پانچ نمازیں اللہ نے فرض کی ہیں، جو ان کا وضوعمدہ بنائے اور انھیں ان کے اوقات پر ادا کرے، ان کے رکوع اور خشوع کامل رکھے تو ایسے شخص کے لیے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے بخش دے گا اور جو یہ نہ کرے تو اس کے لیے اللہ کا کوئی وعدہ نہیں ہے، اگر چاہے تو معاف کر دے اور اگر چاہے تو عذاب دے۔''

اب لسان العرب کے الفاظ ہیں:

"حَدِيثُ صَلاةِ الوِتْرِ: كَذَبَ أَبو مُحَمَّدٍ أَى أَخْطأَ؛ سَمَّاهُ كَذِباً، لأَنه يُشْبِهُهُ فِي كَوْنِهِ ضِدَّ الصَّوَابِ، كَمَا أَن الكَذِبَ ضدُّ الصِّدْقِ، وإِن افْتَرَقا مِنْ حَيْثُ النيةِ والقصدِ، لِأَنَّ الْكَاذِبَ يَعْلَمُ أَن مَا يَقُولُهُ كَذِبٌ، والمُخْطِئُ لَا يَعْلَمُ..."[1]

''وتر والی حدیث (سنن أبي داود، رقم الحديث ٤٢٥) میں ہے: "كَذَبَ أَبُو مُحَمَّدٍ" یعنی ابو محمد نے غلطی کی۔ اسے کذب اس لیے کہا، کیوں کہ درست بات کے خلاف ہونے میں یہ کذب کی طرح ہے، جس طرح جھوٹ سچ کے خلاف ہوتا ہے، اگر چہ نیت اور ارادے کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہے، کیوں کہ جھوٹا شخص جانتا ہے کہ وہ جو کہہ رہا ہے، وہ جھوٹ ہے اور غلطی کرنے والا لاعلم ہوتا ہے...۔''

اس کے بعد لسان العرب دیکھیں کہ کس طرح سیاق و سباق سے دلیل لی جا رہی ہے کہ متعلقہ روایت میں ''کذب'' خطا کے معنی میں مستعمل ہے۔ لسان العرب کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

وَهَذَا الرَّجُلُ لَيْسَ بمُخْبِرٍ، وَإِنَّمَا قَالَهُ بِاجْتِهَادٍ أَدَّاه إِلى أَن الْوِتْرَ وَاجِبٌ، وَالِاجْتِهَادُ لَا يَدْخُلُهُ الْكَذِبُ، وإِنما يدخُله الْخَطَأُ."[2]

''حدیث میں مذکور شخص کوئی خبر دینے والا نہیں تھا، بلکہ اس نے یہ بات اجتہاد کرتے

---

[1] لسان العرب (١/ ٧٠٩)

[2] لسان العرب (١/ ٧٠٩)

ہوئے کہی اور اس کا اجتہاد اس نتیجے پر پہنچا کہ وتر واجب ہے اور اجتہاد میں کذب کا کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ اس میں غلطی کا دخل ہوتا ہے۔''

ہم کہتے ہیں کہ کیا اسی طرح کا معاملہ زیرِ بحث روایت میں بھی ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ یہاں معاملہ برعکس ہے، یعنی سیاق اس بات پر دال ہے کہ ''غصب'' اپنے حقیقی و عام معنی میں مستعمل ہے۔

③ حافظ زبیر علی زئی کے حوالے سے کہا گیا:

''نیز کیا ایسی تمام صحیح روایات صرف اس وجہ سے ردّ کر دینے کے قابل ہیں کہ ان سے کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا غلط کام سامنے آتا ہے؟ مثلاً حضرت ماعز المزنی رضی اللہ عنہ کا زنا کا واقعہ، صحابی کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زنا کی اجازت طلب کرنا، حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کا شراب کی خرید وفروخت کو جائز سمجھنا وغیرہ۔ لیکن ہمارا مقصد چوں کہ صحابہ کی تنقیص کرنا ہرگز نہیں، سو یہ چند اشارے صرف مسئلے کی وضاحت کے لیے لکھے گئے ہیں۔''[1]

واللہ! ہم نے صرف اس وجہ سے صحیح روایات رد کرنے کی بات نہیں کی ہے کہ ان سے کسی صحابی کا غلط کام سامنے آتا ہے، بلکہ ہم نے زیرِ بحث روایت میں موجود سند کے عیب کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ بات کہی ہے۔ ہمارا مقصود تو یہ ہے کہ سند میں مذکورہ عیب ہے اور اس کے ساتھ ایک جلیل القدر صحابی پر بڑا گھناؤنا الزام ہے، اس دوسری بات کو ہم نے پہلی بات کی تائید میں پیش کیا ہے۔

یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے حافظ زبیر علی زئی نے اعمش کی تدلیس سے متعلق کہا:

''اگر اعمش کی ابو وائل شقیق سے معنعن روایت کو مطلقاً سماع پر محمول کیا جائے تو ایک جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ کی عدالت ساقط ہو جاتی ہے۔[2] جو مسلمین (اہل السنہ والجماعہ) کے صحیح عقیدے کے لحاظ سے باطل ہے، لہٰذا حافظ ذہبی کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔''[3]

---

[1] محدث فورم (مراسلہ نمبر: ۴)

[2] دیکھیں: المعرفة والتاريخ للإمام يعقوب الفاسي (٤/ ٧٧١) و سير أعلام النبلاء (٢/ ٣٩٣۔ ٣٩٤)

[3] ہفت روزہ ''الاعتصام'' (اگست ۱۹۹۹ء ص: ۱۸) بحوالہ مقالات راشدیہ (۱/ ۳۳۹)

قارئین نوٹ فرمائیں: ''صحابی کی عدالت ساقط ہوتی ہے، لہٰذا حافظ ذہبی کا دعوی صحیح نہیں۔'' یعنی زبیر علی زئی صاحب امام ذہبی کی تردید میں اس بات کو بطورِ دلیل پیش کر رہے ہیں اور صاف کہہ رہے ہیں کہ ''لہٰذا حافظ ذہبی کا دعوی صحیح نہیں۔'' لیکن جب ہم نے یہ آئینہ دکھایا تو زبیر علی زئی صاحب نے بڑی معصومیت سے کہا: ←

اب کیا حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کے ان الفاظ سے ہم نتیجہ نکالتے ہوئے یہی الفاظ دہرا دیں کہ کیا ایسی تمام صحیح روایات صرف اس وجہ سے ردّ کر دینے کے قابل ہیں کہ ان سے کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا غلط کام سامنے آتا ہے؟!

ہم تو حافظ موصوف کے ساتھ حسنِ ظن رکھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ آں موصوف نے (نفاق والی روایت کی) سند کے اصل عیب اعمش کے عنعنہ کو سامنے رکھا ہے اور اس کے ساتھ ایک جلیل القدر صحابی پر جو ایک خطرناک الزام ہے، اس دوسری بات کو پہلی بات کی تائید میں پیش کیا ہے، یہ ہے ہمارا حسنِ ظن اور ہم درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں بھی حسنِ ظن کا مستحق سمجھا جائے!!

فائدہ:- ہمیں جواب دیتے ہوئے ''کذب'' کے خطا کے معنی میں مستعمل ہونے کی مثال پیش کی گئی ہے، جس کا جواب ہم اوپر دے چکے ہیں، لیکن بطور فائدہ عرض کر دیں کہ حافظ موصوف نے بھی ایک روایت پر بحث کرتے ہوئے نفاق والی بات کو دلیل بنایا[1] تو آں موصوف کو علامہ راشدی رحمہ اللہ کی طرف سے یہ جواب دیا گیا: [2]

''مجھے نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے دوست کو اپنے مدعا کے اثبات کے لیے اس قسم کی سطحی باتیں کرنا قطعی مناسب نہ تھا۔ یہ ان کی علمی شان سے بمراحل بعید ہے۔ خیر جب کہ انھوں نے یہ سب کچھ لکھا ہے تو ہمیں بھی کچھ عرض کرنا پڑتا ہے۔

''سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حق میں جو کچھ فرمایا، یہ غیظ و غضب کی حالت میں فرمایا۔ چناں چہ حافظ ذہبی (۲/۳۹۴) اسی روایت کے بعد اعمش کا یہ قول نقل فرماتے ہیں:

"ثم يقول الأعمش: حدثناهم بغضب أصحاب محمد ﷺ فاتخذوه دينا"

''لوگوں کو ہم نے تو نبی کریم ﷺ کے اصحاب کے غضب کا قصہ سنایا اور انھوں نے اس کو دین بنا لیا۔''

← ''یہ دوسرے نمبر پر بطورِ الزام پیش کیا گیا ہے۔'' (رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا، ص ۳۱ مقالات ۶/ ۳۸۵، ۳۸۶)

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۶۵) دیکھیں اور حاشیہ نمبر (۳) میں موجود وضاحت۔

[2] یہاں سے لیکر صفحہ (۷۴) تک علامہ راشدی رحمہ اللہ ہی کے کلام کا طویل اقتباس ہے۔

’’پھر کتاب کے محقق اس پر حاشیے میں لکھتے ہیں:

”علی أن قول الأعمش الذي سيورده المصنف يفهم منه أن حذيفة إنما قال ذلك في حالة الغضب التي يقول فيها الإنسان كلاما لا يعتقد حقيته إذا رجع حين يسكت عنه الغضب“

’’علاوہ ازیں اعمش کے قول، جو عن قریب مصنف لا رہا ہے، سے سمجھا جاتا ہے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ قول غضب کی حالت ہی میں کہا تھا، وہ غضب کی حالت جس میں انسان واہیات بھی کہہ دیتا ہے، جس کی حقیقت کا خود بھی اعتقاد نہیں رکھتا۔ جب اس کا غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے اور (سنجیدگی سے) اپنی طرف رجوع کرتا ہے۔‘‘

’’یہ بات بالکلیہ صحیح ہے۔ غصے کی حالت میں اپنے اوپر کنٹرول کرنا۔ ہر ایک کا کام نہیں ہے۔ غضب کی حالت میں بھی کلمۃ الحق کہنا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصا ہے۔ حدیث میں مروی ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب احادیث لکھتے جاتے تھے۔ لوگوں نے انھیں کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انسان ہیں، غضب و رضا دونوں حالتوں میں کلام کرتے ہیں، لہٰذا تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب باتیں نہ لکھا کرو۔ جب سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا تو فرمایا کہ تم سب کچھ لکھتے رہو، کیوں کہ (اپنے منہ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) اس سے کسی حالت میں بھی (غضب خواہ رضا) حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا تو یہ سید ولدِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا خاصا تھا۔ دوسرے اس مرتبہ و مقام پر فائز نہیں تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کتنے ہی بلند و بالا مقام پر فائز تھے، تاہم وہ معصوم نہ تھے۔ لہٰذا اگر غصے کی حالت میں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اس قسم کے الفاظ نکل گئے تو اس میں کونسی اچنبھے کی بات ہوگئی؟

’’صحیح بخاری میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: مجھے کچھ وصیت فرمایئے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ((لَا تَغْضَبْ)) ’’غصہ نہ کرو۔‘‘ انھوں نے اس بات کو چند بار دہرایا، لیکن بارگاہِ رسالت سے یہی جواب تھا: ((لَا تَغْضَبْ)) ’’غصہ نہ کرو۔‘‘ غضب کی اس کیفیت کی وجہ سے حافظ ابن قیم رحمہ اللہ وغیرہ

نے غضبان (غصے میں کھڑے ہوئے) کی طلاق کا کوئی اعتبار نہیں کیا۔

''یہ چند سطور ایک منصف مزاج کے لیے کافی ہونی چاہییں، لیکن میں اس بات کو صرف یہیں تک چھوڑنا نہیں چاہتا، بلکہ چند مثالیں بھی اس جگہ پیش کرنا چاہتا ہوں:

① صحیح بخاری میں حضرت عتبان بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے... اس میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے، پھر عتبان رضی اللہ عنہ کی بتائی ہوئی جگہ پر نفلی نماز کی امامت فرمائی، پھر حضرت عتبان رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر سنی تو وہاں آکر جمع ہوگئے۔ ان میں سے ایک آدمی نے پوچھا کہ مالک کو میں دیکھ نہیں رہا۔ (وہ کہاں ہے؟) تو ان میں سے ایک نے کہا:

"ذَاكَ مُنَافِقٌ لَا يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: "لَا تَقُلْ ذَاكَ أَلَا تَرَاهُ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، يَبْتَغِي بِذَلِكَ وَجْهَ اللَّهِ. فَقَالَ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، أَمَّا نَحْنُ، فَوَ اللَّهِ لَا نَرَى وُدَّهُ وَلَا حَدِيثَهُ إِلَّا إِلَى الْمُنَافِقِينَ. قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: "فَإِنَّ اللَّهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، يَبْتَغِي بِذَلِكَ وَجْهَ اللَّهِ"[1]

''یہ تو منافق ہے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے محبت نہیں کرتا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا نہ کہو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ "لا إلهٰ إلا اللّٰہ" کہتا ہے اور اس کہنے سے وہ خالصتاً اللہ کی رضا چاہتا ہے؟ تو اس آدمی نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، باقی ہم تو اللہ کی قسم! ان کی دوستی اور بات چیت منافقین ہی سے دیکھتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اللہ نے اس آدمی کو جو "لا إلهٰ إلا اللّٰہ" اخلاص کے ساتھ اور اللہ کی رضا جوئی سے کہتا ہے، جہنم کی آگ پر حرام کر دیا ہے۔''

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کے متعلق کسی ظاہری بات کی وجہ سے منافق کا لفظ استعمال کرتا ہے، حالاں کہ وہ منافق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ مالک کے حق میں ایسا نہ کہو۔ پھر ان کی نفاق سے براءت بیان فرمائی اور یہ ظاہر ہے کہ جس کسی نے مالک کے بارے میں کہا، وہ محض

---

[1] صحيح البخاري (٢/ ١١٨٦)

غصے کی وجہ سے تھا۔

﴿۴﴾ صحیح بخاری میں ''افک'' والی حدیث میں خود اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر بیٹھ کر مسلمانوں سے فرمایا کہ جس نے میرے اہل کے بارے میں مجھے ایذا پہنچائی ہے، اس سلسلے میں میری معاونت کون کرے گا؟ تو سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ (قبیلہ اُوس سے) کھڑے ہوئے اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں آپ کی اعانت کروں گا، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے والا ہمارے قبیلۂ اوس سے ہے تو میں اس کی گردن ماروں گا اور اگر وہ ہمارے بھائیوں، یعنی قبیلہ خزرج سے ہوگا تو جو آپ امر فرمائیں گے، ہم اس کے مطابق آپ کی امر کی تعمیل کریں گے...! اس پر قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اُٹھے اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ بولا، تم اس کو قتل نہیں کرو گے اور نہ اس کے قتل پر تمھیں قدرت حاصل ہوگی۔ اگر وہ تمھاری قوم سے ہوتا تو تم اس کا قتل کیا جانا پسند نہ کرتے؟ تو اس پر سیدنا ابن حضیر رضی اللہ عنہ، جو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی تھے، وہ اُٹھے اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"كذبت لعمر الله لنقتلنه فإنك منافق تجادل عن المنافقين. قالت: فثار الحيان الأوس والخزرج حتى هموا أن يقتتلوا، و رسول الله صلى الله عليه وسلم قائم علىٰ المنبر"

''اللہ کی قسم! تونے جھوٹ بولا، ہم ضرور اسے قتل کریں گے تو تو منافق ہے، منافقوں کی جانب سے لڑ رہے ہو۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس پر اوس وخزرج دونوں قبیلے ہیجان میں آ گئے، حتیٰ کہ آپس میں لڑنے کا ارادہ کر لیا، اس حال میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے تھے۔'' الحدیث

''اب ہمارے محترم دوست تدبر فرمائیں اور بتائیں کہ جو الفاظ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حق میں کہے تھے، زیادہ سنگین ہیں یا وہ الفاظ جو سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے حق میں کہے؟ **للہ آپ از راہِ انصاف فرمایئے کہ سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ "فإنك منافق تجادل عن المنافقين"**

"بے شک تم تو منافق ہو اور منافقین کی جانب سے لڑ رہے ہو۔" اپنے اندر کتنی سنگینی رکھتے ہیں؟ تو کیا محترم کے موقف کے مطابق نبی کریم ﷺ کے سامنے سیدنا اسید رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ کی وجہ سے سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عدالت ساقط ہوگئی؟

یہ بھی ظاہر ہے کہ سیدنا اسید رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ محض غیظ وغضب کی وجہ سے زبان سے نکل گئے، اس لیے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی جانب سے مدافعت فرما رہے تھے، لہٰذا سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے مذکورہ الفاظ کی وجہ سے انھیں ہیجان آ گیا اور ان کو شدید غصہ لاحق ہو گیا اور اسی شدتِ غصہ کی وجہ سے ان کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے۔ یہی وجہ ہے کہ خود سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان کے اس رویے پر یہ فرماتی ہیں:

"وكان (أي سعد بن عبادة) قبل ذلك رجلا صالحا، لكن احتملته الحمية فقال..."

"سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اس واقعے سے پیشتر ایک صالح مرد تھا، لیکن اس معاملے میں قومی حمیت نے انھیں اور برانگیختہ کیا اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا..."

بات بالکل واضح ہے کہ یہ بات سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے خطا اور لغزش اور غلطی سے صدور میں آئی، ورنہ وہ (معاذ اللہ) منافق نہ تھے، بلکہ ایک نیک و صالح آدمی تھے۔ کیا غیظ وغضب، غم و غصے کی حالت میں انسان سے جو کچھ لاشعوری طور پر صدور میں آتا ہے یا آ سکتا ہے اس کی اس سے بہتر کوئی مثال ہوسکتی ہے؟

۳ صحیح بخاری "باب غزوة الفتح" میں سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے کہ انھوں نے خط کے ذریعے سے قریشِ مکہ کو نبی کریم ﷺ کے مکہ مکرمہ کے فتح کرنے کے ارادے کی اطلاع دینی چاہی۔ یہ خط ایک عورت لے جا رہی تھی تو نبی کریم ﷺ کے حکم سے چند صحابہ رضی اللہ عنہم گئے اور اس عورت سے وہ خط لے کر آ گئے۔ جب خط پڑھا گیا تو حاطب رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے ساری بات بیان کر دی تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: «أما إنه قد صدقكم» "انھوں نے آپ کو سچی بات بتا دی۔" اس پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ!

"دعنی أضربُ عنق هٰذا المنافق!" "مجھے چھوڑو کہ میں اس منافق کی گردن مار دوں۔" تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"إنه قد شهد بدرا، وما يدريك لعل اللّٰه اطلع علیٰ من شهد بدرا قال: اعملوا ما شئتم، فقد غفرت لكم"

"بے شک یہ (حاطب رضی اللہ عنہ) بدر میں حاضر تھا اور تجھے کیا پتا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جو بدر کے غزوے میں حاضر تھے، ان کی طرف دیکھا اور فرمایا: تم جو بھی عمل کرو، میں تمھیں بخش دوں گا۔"

"اس جگہ بھی وہی بات ہے، یعنی سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ حاطب رضی اللہ عنہ کے اس فعل اور دینی حمیت و غیرت کی وجہ سے بے حد غصے میں آ گئے اور حاطب رضی اللہ عنہ کو منافق کہا اور نبی کریم ﷺ سے ان کی گردن مارنے کی اجازت مانگی تو محمد ﷺ نے انھیں سمجھایا کہ واقعتاً یہ منافق نہیں، البتہ ان سے ایک بڑا جرم ہوگیا ہے، لیکن چوں کہ وہ بدری ہے، لہٰذا وہ مغفور ہے، اس لیے تو اللہ نے اہلِ بدر پر رحمت ڈالی اور فرمایا: تمھارے سب گناہ معاف کیے جائیں گے۔

"محترم دوست غور فرمائیں! مذکورہ تینوں واقعات سید المرسلین ﷺ کی موجودگی میں اور آپ کے سامنے پیش آئے، تاہم نہ تو ان کی عدالت ساقط ہوئی، جن کے حق میں مذکورہ الفاظ کہے گئے اور نہ ان لوگوں کی، جنھوں نے یہ الفاظ کہے تھے، برا بھلا کہا گیا، اس لیے کہ سید الاولین والمرسلین ﷺ جانتے تھے کہ یہ الفاظ غیظ وغضب کی حالت میں ان کی زبانوں سے نکلے تھے اور وہ بھی اسلامی غیرت اور دینی حمیت کی وجہ سے، لہٰذا ایسی صورتِ حال میں اپنے آپ پر کنٹرول کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، البتہ جن کے حق میں یہ الفاظ کہے گئے تھے، ان کی براءت واضح فرما دی۔

"اب محترم دوست سوچیں کہ جب اللہ کے رسول کے سامنے بھی غصے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبان سے دوسرے صحابی کے حق میں ایسے الفاظ نکل جاتے تھے تو نبی کریم ﷺ کی عدم موجودگی میں ایک صحابی کی زبان سے دوسرے صحابی کے بارے میں

اس قسم کے الفاظ کا غصے کی حالت میں نکل جانا کیوں بعید معلوم ہو رہا ہے؟

''لو! ایک مثال غیر صحابی کی بھی سن لیجیے۔ محمد بن اسحاق کے متعلق امام مالک رحمہ اللہ نے ''دجال'' وغیرہ کے الفاظ کہے، حالاں کہ بڑے بڑے محدثین مثلاً: امام المحدثین وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے۔ حنفیہ میں سے امام ابن ہمام نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔ محققین علما نے امام مالک کے ان الفاظ کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ ابن اسحاق نے موطا امام مالک رحمہ اللہ کے بارے میں کہا کہ وہ میرے پاس لاؤ، کیوں کہ ''أنا بیطارہ''، ''میں اس کا معالج یا مرض کی تشخیص کرنے والا ہوں۔'' اس پر امام مالک رحمہ اللہ غضب ناک ہو گئے اور یہ الفاظ ابن اسحاق کے بارے میں فرمائے۔ پھر محدثین نے یہ بھی نقل فرمایا ہے کہ بالآخر امام مالک اور ابن اسحاق میں صلح و صفائی ہو گئی۔

معلوم ہوا کہ یہ الفاظ امام صاحب موصوف سے غصے کی حالت میں نکل گئے تھے، ورنہ اگر یہ الفاظ امام صاحب نے جرح کے طور پر فرمائے ہوتے تو صلح و صفائی کے کیا معنیٰ؟

''ایک مثال ہمارے اس عصر کی بھی پیشِ خدمت ہے۔ ہماری جماعت کے بعض ثقہ لوگوں نے بتایا کہ ہمارے جد امجد سید ارشد اللہ رحمہ اللہ کا یہ معمول تھا کہ وہ نمازِ عصر کے بعد مسجد ہی میں بیٹھے رہتے اور نمازِ مغرب تک علما و صلحا سے صحبت رہتی، علمی گفتگو ہوتی، کئی مسائل زیرِ بحث آتے۔ ایک مرتبہ حسبِ معمول جد امجد رحمہ اللہ کسی مسئلے پر مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ سے بحث فرما رہے تھے۔ بحث کے دوران میں جد امجد کو کسی بات پر غصہ آ گیا اور مولانا عبید اللہ رحمہ اللہ کو کہا: ''مولوی صاحب! آپ جیسے سکھ تھے، ویسے ہی سکھ رہے!''

''اس پر مولانا نے اور تو کچھ نہیں کہا، صرف یہ الفاظ پڑھ دیے: ﴿بِئْسَ الاِسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ﴾ اسی وقت جد امجد کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اسی وقت مغرب کی نماز کی اقامت ہوئی۔ نماز سے فراغت کے بعد جد امجد نے اسی وقت جماعت سے فرمایا: ہم سے مولانا کے حق میں بڑی غلطی ہو گئی ہے۔ آپ سب میرے ساتھ مولوی صاحب کی خدمت میں چلیں، تاکہ ہم ان سے معافی مانگ لیں۔ پھر وہ جماعت کی معیت میں مولانا کے پاس گئے اور ان سے معافی مانگی اور انھوں نے معاف فرما دیا۔

''اس قدر طوالت اور سمع خراشی کا مقصد یہ ہے کہ آدمی کتنے ہی علم وفضل کی اعلیٰ سطح پر فائز ہو، لیکن ہے وہ بہر حال انسان ہی، وہ فرشتہ نہیں ہے، جس سے کوئی غلطی یا گناہ صدور میں نہ آئے۔ بشر بشر ہی رہتا ہے، اگرچہ وہ ولایت کے اونچے مقام پر کیوں نہ ہو۔ لہٰذا اگر سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بتقاضائے بشری غصے کی حالت میں سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ نا مناسب الفاظ نکل گئے ہوں تو اس سے کون سا ایسا محذور لازم آتا ہے کہ اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے محترم بلاوجہ بیچارے اعمش کی تدلیس کا سہارا لینے پر مجبور ہوگئے ہیں؟

''سیدنا علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین مخالفت کی آگ بھڑک اُٹھی تھی۔ اس وجہ سے طرفین میں اس ناچاقی کی بنا پر اتنی کدورتیں بڑھ گئیں کہ ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے رہتے تھے۔ صحیح بخاری میں موجود ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو کہا کہ تم کیوں علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا نہیں کہتے؟ بہر کیف غیظ وغضب کسی حد تک ایک محمود قوت ہونے کے باوصف انسان کی بڑی کمزوری ہے اور اس کی شدت میں انسان اپنے اوپر کنٹرول کرنے سے معذور ہوجاتا ہے اور ایسے حالات میں کوئی بھی منصف مزاج اس غصے کے عواقب واثرات کو اپنے کسی موقف پر دلیل کے طور پر پیش کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ واللہ اعلم۔ امید ہے کہ محترم دوست اس مسئلے پر غور فرمائیں گے۔ اللهم اهدنا إلى سواء الصراط.

''پھر اسی صفحہ (۱۸) کالم نمبر (۱) پر تحریر فرماتے ہیں:

''لہٰذا معلوم ہوا کہ کھڑے ہوکر جوتے پہننے کی ممانعت والی روایات سنداً غیر صحیح ہیں اور ان سے استدلال نامناسب ہے۔'' واللہ اعلم

''لیکن میرے محترم! آپ نے جو کچھ ارقام فرمایا، وہ قارئین اہلِ علم کی نظروں سے گزر چکا اور اب راقم الحروف نے جو گزارشات پیش کی ہیں، وہ بھی علما وفضلا کے سامنے ان شاء اللہ آئیں گی۔ لہٰذا فیصلہ وہی کریں گے کہ آیا محترم کی نگارشات صحیح ہیں یا میری گزارشات اور کیا ممانعت والی روایتیں سنداً صحیح ہیں یا ضعیف؟ ﴿فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ﴾

''اسی (۱۸) کالم نمبر (۱) کے آخر میں طبقات ابن سعد سے ایک روایت نقل فرمائی ہے، لیکن خود ہی فرماتے ہیں کہ اس کی سند بھی ضعیف ہے، جب اس کی سند مسلّم طور پر ضعیف ہے تو اس کے پیش فرمانے سے فائدہ؟

''اسی (۱۸) کالم نمبر (۲) پر تحریر فرماتے ہیں: مختصر یہ کہ اس سلسلے میں تشدد نہیں کرنا چاہیے۔ هذا ما عندي والله أعلم بالصواب.

''تشدد ہم نے نہ پہلے کیا نہ اس وقت کر رہے ہیں اور نہ ہی آیندہ ان شاء اللہ کرنے کا کوئی ارادہ ہی ہے۔ میرا موقف! ممانعت والی حدیث میری تحقیق کے مطابق سنداً صحیح ہے اور میری نظر سے اس وقت تک کوئی ایسی سنداً صحیح حدیث نہیں گزری، جو اس کی معارض بن سکے۔ [1]

میرے خیال سے خود حافظ موصوف کو علامہ راشدی رحمہ اللہ نے جس انداز میں جواب دیا ہے، اسی انداز میں ہمیں بھی جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے [2]، اب ہم مزید کیا عرض کریں؟

واضح رہے کہ کذب والی مثال کا جواب ہم دے چکے ہیں۔

۴ حافظ زبیر علی زئی کے حوالے سے کہا گیا:

''عبدالوہاب بن عبدالمجید بن الصلت الثقفی صحیح بخاری و صحیح مسلم کے راوی ہیں، نیز ان پر جو مختلط [3] ہونے کی جرح کی گئی ہے، وہ چنداں مضر نہیں، کیوں کہ انھوں نے اختلاط کے بعد کچھ روایت نہیں کیا، جیسا کہ حافظ ذہبی اور دیگر محدثین نے صراحت کی ہے۔

ملاحظہ ہو: معجم المختلطین (ص: ۱۰)۔'' [4]

اس غیر متعلق جواب پر کچھ عرض کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس تعلق سے ہم اپنے الفاظ یہاں ذکر دیں تو ہم نے لکھا تھا:

''یہی حال زیر بحث یزید سے متعلق روایت کا بھی ہے کہ تمام رواۃ نے اسے منقطع بیان

---

[1] دیکھیں: مقالاتِ راشدیہ (ص: ۳۴۰ تا ۳۴۵)

[2] اور ہمیں اس طرح کا جواب دینے کی گنجائش بھی نہیں ہے کیونکہ ہماری پیش نظر بات {فاغتصبها يزيد (یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے وہ لونڈی غصب کرلی)} قول نہیں بلکہ فعل کی حکایت ہے، نیز الفاظ بھی ناقل و راوی کے ہیں۔ لہٰذا یہاں غیض وغضب اور قولی مبالغہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

[3] قارئین نوٹ فرمائیں کہ اختلاط کی جرح کا جواب دیا جا رہا ہے، جب کہ ہم نے اختلاط کی جرح کو بنیاد ہرگز نہیں بنایا تھا۔ دیکھیں اگلے صفحے پر ہماری وضاحت۔

[4] محدث فورم (مراسلہ نمبر ۴)

کیا ہے، صرف عبدالوہاب نے وصل کیا ہے اور یہ اگرچہ ثقہ ہیں، لیکن ان کے حافظے پر جرح ہوئی ہے، چنانچہ:

❁ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰ھ) نے کہا:

"عبد الوهاب بن عبد المجيد الثقفي -ويكنى أبا محمد- وكان ثقة، وفيه ضعف"[1]

"عبدالوہاب بن عبدالمجید الثقفی اس کی کنیت ابومحمد ہے۔ یہ ثقہ تھے اور اس میں ضعف ہے۔"

اخیر عمر میں ان کا حافظہ اس حد تک خراب ہوگیا تھا کہ یہ اختلاط کے شکار ہوگئے تھے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) نے کہا:

"عبد الوهاب بن عبد المجيد بن الصلت الثقفي أبو محمد البصري، ثقة، تغير قبل موته بثلاث سنين"[2]

"عبدالوہاب بن عبدالمجید بن الصلت الثقفی ابومحمد بصری۔ ثقہ ہیں۔ یہ اپنی موت سے تین سال قبل تغیرِ حفظ کا شکار ہوگئے تھے۔"

"معلوم ہوا کہ عبدالوہاب ثقہ ہونے کے باوجود متکلم فیہ تھے، نیز ان کے وصل والی روایت کے ہوتے ہوئے بھی بہت سارے محدثین نے اس زیر بحث روایت کو منقطع قرار دیا ہے۔"[3]

ہمارے ان الفاظ کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارا جواب ملاحظہ فرمائیں:

اولاً: ہم نے اختلاط کی جرح کو بنیاد نہیں بنایا ہے، بلکہ ہمارے الفاظ پر غور کیا جائے، ہم نے ابن سعد کی جرح کو بنیاد بنایا ہے اور ابن سعد رحمہ اللہ کی جرح اختلاط سے متعلق نہیں، بلکہ "فيه ضعف" کی مطلق جرح ہے۔ اسے پیش کرنے کے بعد بطورِ تائید ہم نے اختلاط کی بات نقل کی ہے اور یہ کہنا چاہا ہے کہ ابن سعد نے جو ضعف کی جرح کی ہے، اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اخیر عمر میں ان کا حافظہ اختلاطِ فاحش کی حد تک خراب ہوگیا، یعنی بنیادی طور

---

[1] الطبقات لابن سعد (۷/ ۲۱۲)

[2] تقريب التهذيب (٤٢٦١)

[3] اسی کتاب کا صفحہ (۵۳-۵۴) دیکھیں۔

پر ہم نے عبدالوہاب کے اختلاط کو دلیل نہیں بنایا، بلکہ ابن سعد رحمہ اللہ کی جرح کو دلیل بنایا ہے۔

عبدالوہاب بے شک صحیح بخاری و مسلم کے راوی ہیں، لیکن زیرِ بحث روایت بخاری و مسلم کی نہیں ہے اور ان پر جرح ہوئی ہے، لہٰذا جب ان کے طریق سے آنے والی سند کی کیفیت اس کیفیت سے بدل جاتی ہے، جسے دیگر رواۃ نے بیان کیا ہے تو ان پر کی گئی جرح کو سامنے رکھتے ہوئے ہم یہی کہیں گے کہ اس روایت کو بیان کرنے میں عبدالوہاب کے حافظہ نے کوتاہی کی ہے۔ بطور مثال عرض ہے کہ **"یزید بن عبد اللہ بن خصیفہ بن عبد اللہ بن یزید الکندی المدنی"** بھی صحیح بخاری و مسلم بلکہ کتبِ ستہ کا راوی ہے، لیکن تراویح والی حدیث میں اس نے بیس رکعات بیان کی اور یہ بیان دیگر رواۃ کے خلاف تھا، اس لیے بخاری و مسلم کے راوی ہونے کے باوجود بھی اس کی روایت کو رد کر دیا جاتا ہے اور اس سلسلے میں اس پر کی گئی جروح کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

ثانیاً: عبدالوہاب کے بارے میں:

❁ امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳ھ) نے کہا:

"كان عبد الوهاب الثقفي قد اختلط بآخرة"[1]

"عبدالوہاب ثقفی آخر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔"

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) نے کہا:

"عبد الوهاب بن عبد المجيد بن الصلت الثقفي أبو محمد البصري ثقة تغير قبل موته بثلاث سنين"[2]

"عبد الوہاب بن عبد المجید بن الصلت ثقفی ابو محمد بصری۔ ثقہ ہیں۔ یہ اپنی موت سے تین سال قبل تغیرِ حفظ کا شکار ہو گئے تھے۔"

یعنی امام ابن معین اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صرف اختلاط کی جرح کی، لیکن یہ نہیں کہا کہ انھوں نے اختلاط کے بعد کچھ روایت نہیں کیا۔

جواب میں امام ذہبی رحمہ اللہ اور دیگر محدثین کے حوالے سے جو یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ انھوں نے اختلاط کے بعد کچھ روایت نہیں کیا تو امام ذہبی رحمہ اللہ اور دیگر محدثین کی صراحت انھیں کے الفاظ

---

[1] تاريخ ابن معين (٤/ ١٠٦)

[2] تقريب التهذيب (٤٢٦١)

میں انھیں کی کتاب سے پیش کریں یا دیگر کتب سے بسند صحیح پیش کریں۔ بارك الله فيكم.

رہا ''معجم المختلطين'' کا حوالہ تو یہ بے سند ہونے کی بنا پر مردود ہے، کیوں کہ عصرِ حاضر کی کتاب ہے، نیز اسی کتاب کے صفحہ (۲۲۰) پر ہے:[1]

''وَيَخْدِشُ فِيهِ قَوْلُ الْفَلَّاس: إِنَّهُ اخْتَلَطَ حَتَّى كَانَ لَا يَعْقِلُ، وَسَمِعْتُهُ وَهُوَ مُخْتَلِطٌ يَقُولُ: ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ ثَوْبَانَ بِاخْتِلَاطٍ شَدِيدٍ، وَلَعَلَّ هَذَا كَانَ قَبْلَ حَجْبِهِ''[2]

''امام فلاس کا قول اس بات کی تردید کرتا ہے کہ عبدالوہاب نے اختلاط کے بعد کچھ روایت نہیں کیا، کیوں کہ امام فلاس نے کہا: یہ اختلاط کا شکار ہوگئے تھے، یہاں تک کہ وہ تمیز بھی نہیں کرپاتے تھے اور میں نے ان سے حالتِ اختلاط میں کہتے ہوئے سنا: ہم سے محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان نے بیان کیا، شدید اختلاط کے ساتھ اور یہ بات شاید اس وقت کی ہے جب ان کو روکا نہیں گیا تھا۔

اس سے تو پتا چلتا ہے کہ اختلاط کے بعد بھی انھوں نے روایت کیا ہے، بہرحال یہ بے سند اور عصرِ حاضر کے ایک مولف کی کتاب ہے، لہٰذا مردود ہے۔

۵ حافظ زبیر علی زئی کے حوالے سے کہا گیا:

''امام بیہقی نے جس روایت کو منقطع قرار دیا ہے، اس میں عبدالوہاب نہیں ہے۔''[3]

اس روایت میں عبدالوہاب نہیں ہے، لیکن عبدالوہاب کا استاذ ''عوف'' تو ہے۔ اب اگر بیہقی

---

[1] قارئین نوٹ فرمائیں کہ ہم نے یہاں ''معجم المختلطين'' سے ایک الزامی حوالہ دیا ہے، یعنی زبیر علی زئی مجھے ''معجم المختلطين'' کے حوالے سے جواب دے رہے ہیں تو میں نے اول تو اس کتاب کو غیر مستند کہا اور دوم اسی کتاب سے ایک الزامی حوالہ پیش کیا۔ یعنی میری طرف سے اس کتاب سے پیش گئی عبارت بطورِ الزام تھی۔ لیکن زبیر علی زئی نے جواب دیتے ہوئے کہا:

''اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں یہ قول باسند نہیں ملا۔'' (رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا، ص: ۳۲، مقالات: ۶/ ۳۸۷)

اب دیکھیں کہ کتنا لغو طرزِ عمل ہے کہ پہلے زبیر علی زئی ہم پر اس کتاب سے حجت قائم کریں اور جب ہم بطورِ الزام اسی کتاب سے حوالہ پیش کریں تو بڑی معصومیت سے کہا جا رہا ہے کہ ہمیں یہ قول باسند نہیں ملا!!

[2] معجم المختلطين (ص: ۲۲۰)

[3] محدث فورم (مراسلہ نمبر ۴)

کی سند کے مطابق ''عوف'' کے شاگرد ''ہوذة بن خلیفہ'' نے اس روایت کو منقطع بیان کیا ہے، اسی طرح ان کے دیگر شاگردوں نے بھی اس سند کو منقطع بیان کیا ہے تو انھیں ''عوف'' کے ایک شاگرد ''عبدالوہاب'' کو یہ روایت موصول کہاں سے مل گئی؟ معلوم ہوا کہ اصل روایت منقطع ہی ہے اور امام بیہقی رحمہ اللہ کا یہی فیصلہ ہے۔[1]

٦ حافظ زبیر علی زئی کے حوالہ سے کہا گیا:

''عبد الوہاب بن عبد المجید بن الصلت الثقفی والی روایت منقطع وضعیف نہیں ہے، جیسا کہ دلائل سے ثابت ہے۔''[2]

عبد الوہاب بن عبدالمجید بن الصلت الثقفی والی روایت ابن عساکر میں موجود ہے اور یہ منقطع ومردود ہے، جیسا کہ دلائل سے ثابت ہے۔

٧ حافظ زبیر علی زئی کے حوالے سے کہا گیا:

''امام بخاری کا یہ قول بلا سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔''[3]

عرض ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ اپنا قول ہے نہ کہ کسی اور کا، اس لیے سند کا مطالبہ ہی مردود ہے۔ یاد رہے کہ ائمہ نقاد کا یہ کہنا: فلاں نے فلاں سے سنا نہیں۔فلاں کی فلاں سے ملاقات نہیں یا اس طرح کے فیصلے دینا حجت ودلیل کی حیثیت رکھتا ہے، چناں چہ جب ہم کسی سند کو منقطع بتلاتے ہیں تو کسی امام سے محض یہ قول نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں کہ انھوں نے کہا ہے کہ اس راوی نے فلاں راوی سے نہیں سنا، وغیرہ وغیرہ۔

یہاں پر یہ مطالبہ نہیں کیا جاتا کہ ناقد کے اس فیصلے کی سند پیش کرو، یعنی اس نے جو یہ کہا ہے کہ فلاں نے فلاں سے نہیں سنا تو اس کی سند پیش کرو، کیوں کہ یہ فیصلہ ایک ناقد کا ہے اور ائمہ نقاد کے اس طرح کے فیصلے بجائے خود دلیل ہوتے ہیں۔ خود حافظ موصوف کی تحقیقی کتب سے ایسی مثالیں پیش کی جاسکتی ہے، جہاں سند میں انقطاع کا حکم لگایا گیا ہے اور دلیل میں کسی ناقد امام کا اپنا

---

[1] امام بیہقی نے متن پر بھی تنقید کی ہے اور اس روایت میں بھی یہی متن ہے۔ اسی کتاب کا صفحہ (۲۰۳) دیکھیں۔

[2] محدث فورم (مراسلہ نمبر۴)

[3] محدث فورم (مراسلہ نمبر۴)

قول ہی پیش کیا گیا ہے۔[1]

بلکہ عدمِ لقا سے زیادہ نازک مسئلہ تدلیس کا ہے، یعنی کسی راوی سے متعلق ناقد کا یہ فیصلہ کرنا کہ وہ اپنے اساتذہ سے سنے بغیر روایت کر دیتا ہے، یہاں بھی ناقد کے قول کی سند نہیں مانگی جاتی، کیوں کہ ناقد کا فیصلہ بجائے خود دلیل ہوتا ہے۔ مثلاً امام ثوری رحمہ اللہ کے بارے میں حافظ موصوف نے نقل کیا:

❁ وقال أبو زرعة العراقي: مشهور بالتدليس.

''ابو زرعہ عراقی نے کہا: یہ تدلیس سے مشہور ہیں۔''[2]

عرض ہے کہ رواۃ کی کسی خوبی کو مشہور کہا جائے یا معروف کہا جائے، ایک ہی بات ہے اور اگر یہ بات کوئی ناقد کہے تو اس بات کی سند کا مطالبہ بجائے خود مردود ہے۔ بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ ہی کا ایک قول حافظ موصوف ''الفتح المبین'' میں یوں نقل کرتے ہیں:

❁ ''وَلَا أَعْرِفُ لِسُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، وَلَا عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، وَلَا عَنْ مَنْصُورٍ۔ وَذَكَرَ مَشَايِخَ كَثِيرَةً ۔لَا أَعْرِفُ لِسُفْيَانَ عَنْ هَؤُلَاءِ تَدْلِيسًا، مَا أَقَلَّ تَدْلِيسَه!''[3]

''میں حبیب بن ابی ثابت، سلمہ بن کہیل اور منصور سے... یہاں پر اور بھی بہت سے مشائخ کا تذکرہ کیا اور کہا: ان سے میں سفیان ثوری کی تدلیس نہیں جانتا، ان کی تدلیس بہت کم ہے۔''

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ کا ''ولا أعرف'' کہنا اور التاریخ میں ''المعروف'' کہنا ایک ہی معنی میں ہے، تو کیا یہاں بھی کہہ دیا جائے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا قول بے سند ہے؟

امام بخاری رحمہ اللہ کے اقوال کی مزید مثالیں:

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ بہت سے رواۃ کو منکر الحدیث اور بہت سے رواۃ کو معروف الحدیث کہتے ہیں، مثلاً:

[1] بعد میں ہمیں امام بخاری رحمہ اللہ کے اس موقف پر ایک صحیح روایت مل گئی۔ اسی کتاب کا صفحہ (۱۹۰) دیکھیں۔

[2] كتاب المدلسين (ص: ٢١) الفتح المبين في تحقيق طبقات المدلسين (ص: ٤٠)

[3] التمهيد (١/ ١٨) العلل الكبير للترمذي (٢/ ٢٢٦) الفتح المبين في تحقيق طبقات المدلسين (ص: ٤٠)

❀ "اَلْوَلِيْدُ بْن عُتبَةَ الدِّمَشقِيُّ: روى عَنْ مُعاوِيَةَ بْن صالح، مَعروفُ الحديثِ"[1]
''ولید بن عتبہ دمشقی، اس نے معاویہ بن صالح سے روایت کیا۔ یہ معروف الحدیث ہے۔''

❀ "إبراهيم أبو إسحاق: عن ابن جريج، سمع منه وكيع، معروف الحديث"[2]
''ابراہیم ابو اسحاق یہ ابن جریج سے روایت کرتے ہیں، ان سے وکیع نے سنا ہے۔ یہ معروف الحدیث ہیں۔''

تو کیا یہ کہہ دیا جائے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ قول بے سند ہے؟!

❀ اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو بردہ کے نام کی وضاحت کرتے ہوئے کہا:
"الحارث بن عمرو، و يقال له: أبو بردة خال البراء، و يقال: عم البراء بن عازب، وخال أصح، و المعروف اسم أبي بردة: هانئ بن نيار"[3]
''حارث بن عمرو، انھیں ابو بردہ کہا جاتا ہے۔ یہ براء کے ماموں ہیں اور کہا جاتا ہے کہ براء بن عازب کے چچا ہیں اور ماموں والی بات زیادہ صحیح ہے۔ ابو بردہ کا نام ''ہانی بن نیار'' معروف ہے۔''

تو کیا یہ کہہ دیا جائے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ قول بے سند ہے؟

❀ اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ عبدالعزیز سے یزید کے عدمِ سماع کے بارے میں کہتے ہیں:
"ويزيد هذا غير معروف سماعه من عبد العزيز"[4]
''اس یزید کا عبدالعزیز سے سماع معروف نہیں ہے۔''

تو کیا یہ کہہ دیا جائے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ قول بے سند ہے؟ یاد رہے کہ اسی طرح کے اقوال دیگر ائمہ سے بھی ملتے ہیں۔ **الغرض امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک خاص مقام پر دو صحابہ کی عدمِ ملاقات کی جو بات کہی ہے تو اس بات کا تعلق محدثین و ناقدین کے فن سے ہے۔ محدثین و ناقدین کو یہ اتھارٹی حاصل ہے کہ وہ دو رواۃ کے مابین عدمِ سماع یا عدمِ معاصرت یا عدمِ لقا کی صراحت**

[1] التاريخ الكبير للبخاري (٨/ ١٥٠)
[2] التاريخ الكبير للبخاري (١/ ٢٧٣)
[3] التاريخ الكبير للبخاري (٢/ ٢٥٩)
[4] التاريخ الصغير للبخاري (٢/ ٦٥)

کریں اور محدثین کے اس طرح کے اقوال کی بنیاد محدثین کی فنی مہارت ہوتی ہے، لہٰذا محدثین اپنے فن کی بات کہیں تو یہ حجت ہے۔ یہاں محدثین سے سند کا مطالبہ مردود ہے۔

اسی طرح ناقدین جب اپنے دور سے قبل کے رواۃ کی تاریخِ پیدایش یا تاریخِ وفات بتلائیں، یعنی یہ بتلائیں کہ یہ فلاں شخص کی موت کے بعد پیدا ہوا، یہ فلاں کے پیدا ہونے سے پہلے فوت ہوگیا یا طبقہ بتلائیں تو یہ حجت ہے، کیوں کہ ناقدین کا یہ فیصلہ ان کے فن کا ہے۔ ایسے اقوال میں یہ مطالبہ کہ فلاں راوی کی تاریخِ وفات یا تاریخِ پیدایش یا طبقے کی سندِ صحیح بھی بتلائیں تو یہ مطالبہ ہی مردود ہے، ورنہ ہم بھی حافظ موصوف سے مطالبہ کرتے ہیں کہ **آں جناب نے جہاں جہاں بھی سند کے انقطاع پر ناقدین کے حوالے سے تاریخِ وفات یا تاریخِ پیدایش کے اقوال پیش کیے ہیں، ان اقوال کی سندِ صحیح پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ان اقوال میں جو بات ہے، اس کی بھی سندِ صحیح پیش کریں!!**

اگر اس طرح کے اقوال میں براہِ راست ناقدین سے سند کا مطالبہ درست ہے تو ہمارا دعویٰ ہے کہ عام کتبِ احادیث تو دور کی بات؛ سنن اربعہ کی کوئی ایک حدیث بھی صحیح یا ضعیف ثابت نہیں کی جاسکتی، کیوں کہ رواۃ کے تعارف میں ناقدین کے جو اقوال پیش کیے جائیں گے تو یہاں دو طرح کی سند کا مطالبہ کیا جائے گا:

اول: ناقد کا جو فیصلہ ہے، وہ اس کی کتاب سے یا کسی اور کتاب سے بسندِ صحیح پیش کیا جائے۔

دوم: ناقد کے اپنے فیصلے میں جو بات ہے، مثلاً یہ کہ فلاں کذاب ہے یا فلاں کی فلاں سے ملاقات نہیں اور یہ فلاں ناقد کے زمانے کا نہ ہو یا ہو بھی تو کذاب کہنے کی بھی دلیل، اسی طرح عدمِ لقا یا عدمِ سماع کی بھی دلیل وغیرہ وغیرہ جیسی تمام باتوں کی بھی سندِ صحیح بھی پیش کرنی ہوگی۔

میرے خیال سے <u>اس اصول کے تحت</u> دیگر کتب تو دور کی بات سنن اربعہ ہی سے کسی ایک بھی حدیث کو صحیح یا ضعیف ثابت کرنا ناممکن ہے اور اگر ممکن ہے تو ہمیں صرف ایک حدیث کی تحقیق ناقدین سے بسندِ صحیح ثابت اقوال نیز ناقدین کے اقوال میں جو بات ہے، اس کی بھی سندِ صحیح پیش کرکے دکھلایا جائے۔ بارك الله فيكم.[1]

---

[1] ہمارا یہ مطالبہ پورا کرنے سے زبیر علی زئی صاحب بالکل عاجز و ساکت ہیں۔ واضح رہے کہ بعد میں ہمیں امام بخاری رحمہ اللہ کے موقف پر ایک صحیح روایت بھی مل گئی۔ اسی کتاب کا صفحہ (۱۹۰) دیکھیں۔

⑧ حافظ زبیر علی زئی کے حوالے سے کہا گیا:

''زیرِ بحث روایت کا کوئی راوی ضعیف و کذاب نہیں ہے۔''[1]

ہم نے کب کہا کہ زیرِ بحث روایت کا کوئی راوی ضعیف یا کذاب ہے؟ لیکن کیا سند کے تمام رواۃ کا ثقہ ہونا سند کی صحت کے لیے کافی ہے؟ اگر کافی ہے تو خود حافظ موصوف نے یزید بن خصیفہ کے طریق سے مروی بیس رکعات تراویح والی روایت کو ضعیف کیوں کہا؟ کیا اس سند میں کوئی ضعیف یا کذاب راوی موجود ہے؟[2]

اسی طرح رفع الیدین کے مسئلے میں ''معاني الآثار للطحاوي'' کی حصین عن مجاہد والی روایت جو ابن عمر رضی اللہ عنہما کے صرف ایک بار رفع الیدین کرنے سے متعلق ہے، اسے ضعیف کیوں کہا گیا؟ کیا اس میں کوئی ضعیف یا کذاب راوی ہے؟

ایک لازمی مطالبہ:

''أَخْبَرَنَا أَبُو الْفَضْلِ مُحَمَّدُ بْنُ طَاهِرِ بْنِ عَلِيٍّ الْحَافِظُ، أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَحْمَدَ، قَال: حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ عَلِيِّ بْنِ عَلِيِّ بْنِ عِيسَى، إِمْلَاءً، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْقَاسِمِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْبَغَوِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَال: حَدَّثَنَا عَفَّانُ، عَنْ سَلِيمِ بْنِ حَيَّانَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ مِينَا، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيِّ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُمَا قَالَا: وُلِدَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ الْفِيلِ، يَوْمَ الِاثْنَيْنِ، الثَّانِي عَشَرَ مِنْ شَهْرِ رَبِيعٍ الْأَوَّلِ، وَفِيهِ بُعِثَ، وَفِيهِ عُرِجَ إِلَى السَّمَاءِ، وَفِيهِ هَاجَرَ، وَفِيهِ مَاتَ ﷺ''[3]

اس روایت میں ہے کہ بارہ ربیع الاول ہی کو اللہ کے نبی ﷺ کی پیدائش ہوئی اور بارہ ربیع الاول ہی کو اللہ کے نبی ﷺ کی وفات ہوئی اور بارہ ربیع الاول ہی کو آپ کی

---

[1] محدث فورم (مراسلہ نمبر ۴)

[2] اس سوال کا بھی زبیر علی زئی صاحب نے اب تک کوئی جواب نہیں دیا!!

[3] الأباطيل و المناكير للجورقاني (١/ ٢٦٧)

بعثت ہوئی اور بارہ ربیع الاول ہی کو آپ ﷺ کو معراج کرائی گئی اور بارہ ربیع الاول ہی کو آپ ﷺ نے ہجرت کی۔

اس روایت کی استنادی حالت واضح کردیں اور بتائیں کہ اس میں کوئی ضعیف یا کذاب راوی موجود ہے کیا؟ جزاکم اللہ خیراً۔ [1]

<u>ہم نے زیر بحث روایت کو مردود قرار دیا تو اس لیے نہیں کہ اس کی سند میں کوئی ضعیف یا کذاب راوی ہے،</u> بلکہ اس لیے کہ اس کی سند منقطع ہے اور عبدالوہاب والی سند منکر ہے، کیوں کہ عبدالوہاب پر جرح ہوئی ہے اور اس نے دیگر ثقہ رواۃ کے خلاف اس حدیث کو موصول بیان کر دیا، اسی طرح ہم نے امام بخاری رحمہ اللہ کے قول کو بھی بنیاد بنایا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کا کیا مقام ہے؟ یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔

فائدہ:

<u>ہم نے زیر بحث حدیث کے کسی راوی کو ضعیف یا کذاب تو نہیں کہا،</u> بلکہ عبدالوہاب کے بارے میں یہ کہا ہے کہ اس سے حدیث کو موصول بیان کرنے میں غلطی ہوئی، لیکن اگر کوئی اس بات کو تسلیم نہ کرے تو اس کے اصول سے اس روایت کی سند میں موجود ابومسلم کا کذاب ہونا ثابت ہوتا ہے، کیوں کہ یہ روایت ابومسلم ہی کی بیان کردہ ہے اور یہ بے چارہ جس جگہ دو صحابہ کی ملاقات دکھلا رہا ہے، وہاں پر امام بخاری رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق ان دونوں صحابہ کی ملاقات قطعاً نہیں ہوسکتی، لہٰذا عبدالوہاب کے بیان کو درست مان لیا جائے تو امام بخاری رحمہ اللہ کی تصریح [2] کی روشنی میں ابومسلم کا کذاب و دجال ہونا ثابت ہوتا ہے۔

ہمارے نزدیک راجح بات یہی ہے کہ زیرِ بحث روایت کی سند سے ایک راوی ساقط ہے اور

---

[1] زبیر علی زئی صاحب نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے امام جورقانی رحمہ اللہ پر ہی ہاتھ صاف کر دیا (دیکھئے اسی کتاب کا صفحہ ۲۳۱) اور سند کے ایک راوی سے متعلق اپنی لاعلمی کا اعتراف کیا ہے، (دیکھئے اسی کتاب کا صفحہ ۲۳۲) جب کہ ایک دوسرے راوی سے متعلق دوغلی پالیسی اپنائی ہے۔ (دیکھئے اسی کتاب کا صفحہ ۲۳۰)۔
زیادتی ثقہ کی تفصیلی وضاحت کے لیے اسی کتاب کا صفحہ (۲۳۰۔ ۲۳۵) دیکھیں۔

[2] بعد میں ہمیں امام بخاری کی اس تصریح پر صحیح روایت بھی مل گئی۔ اسی کتاب کا صفحہ (۱۹۰) دیکھیں۔

یہ نامعلوم ہے، اس نے امام بخاری رحمہ اللہ کے قول کی روشنی میں ناممکن بات بیان کی ہے، لہٰذا یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔ اسے کسی دجال اور کذاب سبائی نے گھڑا ہے۔[1]

یاد رہے کہ عدمِ سماع و عدمِ لقا کی صراحت کرنے میں نقاد محدثین کو اتھارٹی حاصل ہوتی ہے اور اُن کا قول حجت ہوتا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کا نقد و علل میں کیا مقام تھا؟ یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔

⑨ حافظ زبیر علی زئی کے حوالے سے کہا گیا:

نیز شیخ البانی نے بھی **اس متن** کی ایک روایت کو صحیح قرار دیا ہے:

١:"أول من يغير سنتي رجل من بني أمية. (أخرجه ابن أبي عاصم في الأوائل: ٧/ ٢) حدثنا عبيد الله بن معاذ حدثنا أبي حدثنا عوف عن المهاجر أبي مخلد عن أبي العالية[2] عن أبي ذر أنه قال ليزيد بن أبي سفيان: سمعت رسول الله ﷺ، فذكره. قلت: وهذا إسناد حسن، رجاله ثقات، رجال الشيخين غير المهاجر، وهو ابن مخلد أبو مخلد. قال ابن معين: "صالح" وذكره ابن حبان في "الثقات" وقال الساجي: "صدوق" وقال أبو حاتم: "لين الحديث ليس بذاك، وليس بالمتقن، يكتب حديثه" قلت: فمثله لا ينزل حديثه عن مرتبة الحسن ـ والله أعلم۔ ولعل المراد بالحديث تغيير نظام اختيار الخليفة، وجعله وراثة ـ والله أعلم۔ (سلسلة الأحاديث الصحيحة: ح١٧٤٩)

٢:"أول من يبدل سنتى رجل من بني أمية. حسن. "ع" عن أبي ذر،الصحيحة : ١٧٤٩ ابن أبى عاصم۔(صحيح الجامع:٢٥٢٨)[3]

---

[1] اس صفحہ کے خط کشید الفاظ پر دھیان دیں، ہم نے پوری صراحت کے ساتھ واضح کیا ہے کہ ہم اس سند کے کسی راوی کو کذاب نہیں کہتے، بلکہ اس سند سے جو راوی ساقط ہے، اسے کذاب کہتے ہیں، لیکن افسوس کہ ہمارے اس واضح بیان کے باوجود بھی زبیر علی زئی صاحب نے مجھ پر یہ بہتان باندھا کہ میں نے اس سند کے کسی راوی کو کذاب اور سبائی درندہ کہا ہے۔ اس بہتان کی تفصیلی تردید کے لیے اسی کتاب کا صفحہ (١٦١) دیکھیں۔

[2] علامہ البانی رحمہ اللہ کی پیش کردہ سند میں ابو ذر رضی اللہ عنہ سے نیچے ابو العالیہ ہے اور ابو العالیہ کا سماع ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں، لیکن آگے چل کر یہی بات لکھتے ہوئے ہم سے سبقتِ قلم سے ابو العالیہ کی جگہ ابومسلم تحریر ہوگیا، حالاں کہ اس سند میں ابو ذر رضی اللہ عنہ سے نیچے ابومسلم ہے ہی نہیں۔ بعد میں اس غلطی کی اصلاح کر لی گئی۔

[3] محدث فورم (مراسله نمبر ٤)

اولاً: شیخ البانی رحمہ اللہ عصرِ حاضر کے محدث ہیں اور ان کے فیصلے کے برخلاف متقدمین محدثین نے بالاتفاق اس روایت کو مردود قرار دیا ہے۔ متقدمین کے متفقہ فیصلے کے ہوتے ہوئے متاخرین کی بات کون سنے گا؟

ثانیاً: شیخ البانی رحمہ اللہ نے جس روایت کو صحیح کہا ہے، اس کا متن زیر بحث روایت سے بہت مختلف ہے:

- شیخ البانی کی تصحیح کردہ روایت میں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ پر گھناؤنا الزام نہیں ہے۔
- شیخ البانی رحمہ اللہ کی تصحیح کردہ روایت میں سنت بدلنے والے شخص کا نام مذکور ہی نہیں ہے۔

اتنے فرق ہونے کے باوجود یہ کہنا محلِ نظر ہے:

''نیز شیخ البانی نے بھی اس متن کی ایک روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔''

ثالثاً: شیخ البانی رحمہ اللہ کی تصحیح کردہ سند عبدالوہاب والی نہیں ہے۔ یہ سند صریحاً منقطع ہے، کیوں کہ اس میں ابو العالیہ اور ابو ذر رضی اللہ عنہ کے مابین کسی واسطے کا ذکر نہیں اور ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ابو العالیہ[1] کے سماع کا کوئی ثبوت قطعاً نہیں۔ ناقدین محدثین نے واضح طور پر یہاں انقطاع کی صراحت کی ہے۔

رابعاً: یہ روایت ابن ابی عاصم میں مختصر ہے اور ابن عساکر میں مفصل ہے، جس کی روشنی میں یہ روایت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے اسی جگہ بیان کی ہے، جہاں امام بخاری کے بقول ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان ہی نہیں کر سکتے، لہٰذا یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔

(۱۰) حافظ زبیر علی زئی کے حوالے سے کہا گیا:

''اس کے علاوہ کیا یہ اصولِ حدیث کا مسئلہ ہے کہ متن کی نکارت کی بنا پر بھی روایت موضوع ہو جاتی ہے، جبکہ اس میں کوئی کذاب راوی نہ ہو؟''[2]

ہم بھی سوال کر سکتے ہیں کہ کیا یہ اصولِ حدیث کا مسئلہ ہے کہ کسی روایت کی سند میں کذاب راوی ہو تو اس روایت کو موضوع کہتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو ہمیں اصولِ حدیث کی کتب میں یہ مسئلہ دکھایا جائے اور بتایا جائے کہ کس کس محدث نے موضوع حدیث کی یہ تعریف کی ہے کہ جس حدیث

---

[1] پہلے اس تحریر میں یہاں پر ہم سے سبقتِ قلم کی غلطی سے ''ابو العالیہ'' کی جگہ ''ابو مسلم'' تحریر ہو گیا تھا، حالاں کہ اس سند میں ابو ذر رضی اللہ عنہ سے نیچے ''ابو مسلم'' ہے ہی نہیں، بلکہ ''ابو لعالیہ'' ہے۔ اسی کتاب کا صفحہ (۱۷۴۔ ۱۸۱) دیکھیں۔

[2] محدث فورم (مراسلہ نمبر: ۴)

میں کذاب راوی ہو، اسے موضوع کہتے ہیں؟[1]

ہمارے علم کی حد تک تو اصولِ حدیث کی کسی بھی کتاب میں موضوع حدیث کی یہ تعریف نہیں ملتی کہ موضوع حدیث وہ ہے جس کی سند میں کوئی کذاب راوی ہو۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ محدثین کا یہ طرزِ عمل ہے کہ وہ ایسی احادیث کو موضوع قرار دیتے ہیں، جن کی اسناد میں کذاب راوی ہو اور ٹھیک اسی طرح محدثین ایسی روایات کو بھی موضوع و باطل قرار دیتے ہیں، جس کی سند ضعیف ہو اور متن میں ناممکن بات ہو اور اس کے لیے میں نے پہلے ہی ابن الجوزی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا حوالہ دیا ہے کہ ان حضرات نے ترمذی کی ایک ایسی حدیث کو موضوع کہا ہے جس کے سارے راوی نہ صرف ثقہ ہیں، بلکہ صحیح بخاری و مسلم کے راوی ہیں اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے موضوع ہی قرار دیا ہے۔[2]

اسی طرح ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی متعدد ضعیف السند احادیث کے متن کو دیکھتے ہوئے اسے موضوع کہا ہے۔ الغرض محدثین کا جس طرح یہ طرزِ عمل ملتا ہے کہ وہ کذاب راوی سے مروی روایت کو موضوع کہتے ہیں، اسی طرح محدثین کا یہ بھی طرزِ عمل رہا ہے کہ وہ ضعیف رواۃ کے ذریعے سے منقول شدید نکارت یا ناممکن باتوں پر مشتمل روایت کو بھی موضوع قرار دیتے ہیں۔

خلاصہ:

ہم اب بھی اپنے موقف پر اللہ کے فضل وکرم سے پوری طرح مطمئن ہیں، بلکہ اپنے دلائل کا معقول جواب نہ پاکر ہمیں اپنے موقف کی صحت پر پہلے سے بھی زیادہ یقینِ کامل ہو گیا ہے۔ والحمد للہ.

ہم زیرِ بحث روایت کو مردود و باطل اور موضوع و من گھڑت سمجھتے ہیں۔ تمام طرق سامنے رکھنے کے بعد زیر بحث روایت کی سند کا ضعف واضح ہو جاتا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق اس روایت کا جس جگہ بیان ہونا بتایا گیا ہے، اس جگہ اس روایت کا بیان کیا جانا ناممکن ہے، اس لیے یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے، اس کے ساتھ جب ہم اس من گھڑت روایت کے مشمولات کو دیکھتے ہیں تو جلیل القدر صحابیِ رسول یزید ابی سفیان رضی اللہ عنہ پر حسن پرستی اور اس کی خاطر کسی

[1] اس سوال کا بھی زبیر علی زئی صاحب نے اب تک کوئی جواب نہیں دیا۔

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۵۹) دیکھیں۔

اور کے حصے کی لونڈی غصب کرنے کا جھوٹا الزام لگایا گیا ہے اور ساتھ میں امیر یزید بن معاویہ کو بھی مطعون کیا گیا ہے، اس لیے یہ روایت کسی سبائی ذہن کی تراشیدہ معلوم ہوتی ہے اور سبائی درندوں کا کام ہی امت مسلمہ کے بیچ فتنے برپا کرنا اور انھیں ایک دوسرے سے لڑانا اور صحابہ کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کرنا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو سبائی سازش سے بچائے۔ آمین یا رب العالمین

واضح رہے کہ ہم حافظ زبیر علی زئی کی طرف سے اس روایت کی تحسین کو آں موصوف کی اجتہادی خطا سمجھتے اور اس معاملے میں ان سے اختلاف کے باوجود ان کا احترام کرتے ہیں، لیکن اس روایت کے اندر جو باتیں ہیں، ہم ان کا احترام کسی بھی صورت میں نہیں کر سکتے، کیوں کہ ہمارے نزدیک روزِ روشن کی طرح اس روایت کا کذب و دجل واضح ہے اور ہمیں پورا یقین ہے کہ اس مکذوب روایت میں جس چیز کو فرمانِ رسول کہا گیا ہے، وہ فرمانِ رسول نہیں، بلکہ کسی سبائی شیطان کی من گھڑت خرافات ہے۔

اس کے برخلاف حافظ موصوف چوں کہ اسے صحیح حدیث باور کرتے ہیں، اس لیے آں موصوف اور ان کے موافقین اس روایت کا احترام کریں اور اس میں جس بات کو اللہ کے نبی ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے، اسے حدیثِ رسول سمجھیں تو ہمیں اس سے کوئی شکوہ نہیں۔

حافظ زبیر علی زئی صاحب کے تعاقب میں ہماری تیسری تحریر

③ رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا یزید[1]

تمہید:

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے اپنے مجلّہ ''الحدیث'' (نمبر۱۰۳، ص ۱۹) میں ابن عساکر کی ایک ایسی روایت کو حسن قرار دیا، جس میں صحابیِ رسول یزید بن سفیان رضی اللہ عنہ پر حسن پرستی اور اسی کی خاطر کسی اور کی لونڈی غصب کرنے کی تہمت لگائی گئی ہے، نیز اسی روایت میں یزید کو سنت بدلنے والا قرار دیا گیا ہے اور اسے اللہ کے رسول ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا۔

ہماری نظر اس روایت پر پڑی تو ہم نے ایک مفصل مضمون لکھ کر اس روایت کا موضوع اور من گھڑت ہونا ثابت کیا۔ ہمارے اس مضمون کو لے کر ایک بھائی نے حافظ زبیر علی زئی اور حافظ ندیم صاحب سے فون پر گفتگو کی، اس کے بعد ہماری تحریر کا یہ کہتے ہوئے جواب دیا:

''شیخ کفایت اللہ حفظہ اللہ کے اس مدلل مضمون کی توضیح کے لیے ہم نے شیخ زبیر رحمہ اللہ اور شیخ ندیم ظہیر حفظہ اللہ (نائب مدیر ماہنامہ اشاعۃ الحدیث) سے بات کی، تا کہ ان کا موقف معلوم کیا جاسکے، کیوں کہ مضمون نگار پر جان بوجھ کر ترجمہ غلط کرنے اور من گھڑت روایت کو صحیح باور کروانے جیسے سنگین الزامات لگائے گئے تھے۔ ذیل میں ان سے کی گئی گفتگو کی روشنی میں شیخ کفایت اللہ کے مضمون پر تبصرہ پیشِ خدمت ہے۔''[2]

ایک دوسری جگہ اسی بھائی نے لکھا:

''مذکورہ روایت پر شیخ کفایت اللہ حفظہ اللہ کے تحقیقی اعتراضات کی توضیح کے لیے ہم نے شیخ

---

[1] یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔

[2] محدث فورم

زبیر رحمہ اللہ کو فون کیا اور ان سے کی گئی ۳۔۴ منٹ کی **گفتگو میں جو اہم نکات سامنے آئے،** انھیں جواب کی شکل میں یہاں پیش کر دیا گیا۔ سو اس جواب کو مکمل طور پر شیخ زبیر رحمہ اللہ کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا، **گو ہماری ذکر کردہ اکثر باتوں سے شیخ صاحب کا اتفاق ہے۔** دونوں شیوخ کے نام ذکر کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ ہمارے پیش کردہ جواب کی بنیاد ان سے کی گئی گفتگو پر ہی تھی اور یہ وضاحت ہماری پہلی پوسٹ میں بھی موجود تھی۔"[1]

ہم نے اس کا جواب الجواب پیش کیا تو اس کے بعد حافظ زبیر علی زئی نے ہماری دونوں تحریروں کا مفصل جواب دیا۔ ذیل میں ہماری طرف سے یہ تیسری تحریر پیشِ خدمت ہے، جس میں ہم حافظ موصوف کے مفصل جواب کا تفصیلی رد پیش کریں گے اور یہ ثابت کریں گے کہ زیر بحث روایت موضوع اور من گھڑت ہی ہے، اسے حسن قرار دینا کسی بھی صورت میں درست نہیں ہے۔

اصل جواب شروع کرنے سے قبل ہم واضح کر دیں کہ حافظ موصوف کا جواب پڑھ کر ہمیں سخت حیرانی ہوئی کہ ہمیں ایسی باتوں کا جواب کیوں دیا جا رہا ہے جو ہمیں پہلے سے تسلیم ہیں اور ہم نے کبھی ان کا انکار ہی نہیں کیا؟!

مثلاً زیرِ بحث حدیث کے تمام رواۃ کی توثیق میں حافظ موصوف نے بڑی طویل گفتگو کی ہے، جبکہ ہماری گذشتہ پوری تحریر موجود ہے کہ ہم نے کہیں بھی اس سند کے رواۃ کی تضعیف نہیں کی، ہاں صرف ایک راوی کو متکلم فیہ بتلایا ہے، لیکن اس کے باوجود بھی اسے ثقہ ہی تسلیم کیا ہے اور کسی راوی کو متکلم فیہ کہنے اور ضعیف کہنے میں بڑا فرق ہے۔[2] مثلاً بیس رکعاتِ تراویح والی حدیث پر بحث کرتے ہوئے بہت سارے محدثین صحیح بخاری و مسلم کے راوی یزید بن خصیفہ کو متکلم فیہ بتلاتے ہیں، لیکن انھیں ضعیف کوئی نہیں کہتا، بلکہ خود شیخ محترم نے بھی صحیح بخاری کے متعدد رواۃ پر کلام نقل کیا، لیکن کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ شیخ کی نظر میں یہ راوی ضعیف ہے؟!

الغرض رواۃ کی توثیق سے متعلق جو تفصیلات دی گئی ہیں، الحمدللہ ہم نے ان کا انکار ہی نہیں

[1] محدث فورم

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۲۳۷) دیکھیں۔

کیا، اس لیے ہماری تحریر سے اس پوری تفصیل کا کوئی تعلق ہی نہیں۔ نیز ثقہ کی زیادتی سے متعلق جو مفصل معلومات پیش کی گئی ہیں، اس کی بھی ضرورت نہ تھی، کیوں کہ علی الاطلاق ہم نے اس کا انکار نہیں کیا، بلکہ قرائن کی روشنی میں زیادتِ ثقہ کو قبول و رد کرنے کی بات کہی ہے، اس لیے بحث اسی نکتے پر ہونی چاہیے کہ زیرِنظر روایت میں زیادتِ ثقہ سے متعلق قرائن کیا کہتے ہیں: آیا اس روایت میں زیادتِ ثقہ قابلِ قبول ہے یا قابلِ رد؟ اس سے ہٹ کر یہ کہنا کہ دس مقامات یا اس سے زائد مقامات پر ثقہ کی زیادتی قبول کی گئی ہے، غیر ضروری ہے، ورنہ ہم بیس مقامات بلکہ اس سے بھی زائد مقامات دکھا سکتے ہیں، جہاں ثقہ کی زیادتی مردود قرار دی گئی ہے، لہٰذا یہ پوری تفصیل ہمارے اصل نکتے سے غیر متعلق ہے۔

محترم حافظ زبیر علی زئی کا ہماری تنقید کے جواب میں غیر متعلق چیزوں کو پیش کرکے خواہ مخواہ مضمون کو طول دینا اس بات کا غماز ہے کہ موصوف کے پاس ہمارے نقد کا کوئی جواب ہے ہی نہیں، اسی لیے موصوف غیر ضروری تفصیل پیش کرنے پر مجبور ہوئے اور ایسا کرکے غالبًا موصوف یہ سمجھتے ہیں کہ غیر ضروری ہی سہی، لیکن یہ تفصیل دیکھ کر قارئین مرعوب ہوجائیں گے اور موصوف کی باتوں کو وزن دار سمجھ لیں گے، حالاں کہ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ قارئین اتنے بھولے نہیں ہیں کہ کمیت پر کیفیت کو قیاس کرنے لگ جائیں!!

الغرض حافظ موصوف کے جواب کا اکثر حصہ ایسی باتوں پر مشتمل ہے، جس کے ہم منکر ہی نہیں اور جو ہماری بحث سے غیر متعلق ہے۔ بہرحال ذیل میں ہم حافظ موصوف کے اس جواب کا مفصل رد پیش کر رہے ہیں۔

روایت کے ثبوت پر بحث:

امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۷۱ھ) نے کہا:

"أخبرنا أبو سهل محمد بن إبراهيم أنا أبو الفضل الرازي أنا جعفر بن عبدالله نا محمد بن هارون نا محمد بن بشار نا عبدالوهاب نا عوف ثنا مهاجر أبو مخلد حدثني أبو العالية حدثني أبو مسلم قال: غزا يزيد بن أبي سفيان بالناس فغنموا **فوقعت جارية نفيسة في سهم رجل فاغتصبها يزيد** فأتىٰ الرجل أبا ذر فاستعان به عليه فقال له: رد على الرجل

جاريته، فتلكأ عليه ثلاثا، فقال: إني فعلت ذاك (ولفظ أبي يعلى: لئن فعلت) لقد سمعت رسول اللّٰهﷺ يقول: أول من يبدل سنتي رجل من بني أمية، يقال له: يزيد. فقال له يزيد بن أبي سفيان: نشدتك باللّٰه أنا منهم؟ قال: لا. قال: فرد علىٰ الرجل جاريته"[1]

''ابومسلم کہتے ہیں کہ صحابیِ رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے اپنی امارت میں لوگوں کے ساتھ جہاد کیا تو انھیں مالِ غنیمت حاصل ہوا تو **ایک مجاہد کے حصے میں ایک خوبصورت لونڈی آئی تو صحابیِ رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (جو فوج کے کمانڈر تھے، انھوں) نے اس لونڈی کو غصب کر لیا،** اس کے بعد یہ مجاہد ابو ذر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے خلاف ان سے مدد مانگی تو ابو ذر رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس مجاہد کو اس کی لونڈی واپس کردو۔ لیکن یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے ٹال دیا۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ نے تین بار ان سے یہی کہا اور تینوں بار یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے ٹال دیا تو ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا: بہتر ہے، جیسا کہا جا رہا ہے، ویسا کرو، کیوں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: میری سنت کو سب سے پہلے جو شخص بدلے گا وہ بنو اُمیہ کا شخص ہوگا، جسے یزید کہا جائے گا تو یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمھیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں: کیا میں ان میں سے ہوں؟ ابو ذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں۔ اس کے بعد یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے اس مجاہد کو وہ لونڈی واپس کر دی۔''

یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔ عہدِ رسالت سے لے کر عصرِ حاضر تک چودہ سو سالہ دور میں دنیا کے کسی بھی معتبر محدث یا امام نے اس روایت کو صحیح یا حسن نہیں کہا ہے، بلکہ اس کے برعکس متقدمین و متاخرین و معاصرین میں سے متعدد اہلِ علم نے اس روایت کو موضوع، منقطع یا مردود قرار دیا ہے یا اس کے مردود ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

[1] تاريخ دمشق لابن عساكر (٦٥/ ٢٤٩۔ ٢٥٠) وأخرجه أيضاً أبو يعلىٰ كما في إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة (٨/ ٨٥) رقم الحديث (٧٥٣٥) و المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية (١٨/ ٢٧٨) رقم الحديث (٤٤٦٣) من طريق عبدالوهاب به نحوه، **وأخرجه غير واحد من طريق عوف منقطعاً بين أبي العالية و أبي ذر.**

1. امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶ھ) امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے معلول بھی کہا ہے۔[1]
2. امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۵ھ) نے اس روایت کو منکر روایات میں شمار کیا ہے۔[2]

واضح رہے کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے ضعفا میں اس روایت کو نقل کرکے یہ بھی فرمایا ہے:

''وفي بعض الأخبار مفسرا زاد: يقال له: يزيد''[3]

یعنی بعض روایات میں رجل کی اس وضاحت کے ساتھ اضافہ ہے کہ اس آدمی کو یزید کہا جائے گا۔ عرض ہے کہ یہ اضافہ زیر بحث روایت ہی میں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ کے سامنے ہر طرح کی روایات تھیں، اس کے باوجود بھی امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اس روایت کو منکر روایات میں شمار کیا ہے، جیسا کہ امام ابن القیسرانی رحمہ اللہ نے وضاحت کی ہے۔[4]

3. امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۸ھ) نے اسے منقطع قرار دیا ہے اور اس کے متن کو بھی منکر بتلایا ہے۔[5] واضح رہے کہ امام بیہقی رحمہ اللہ حدیث پر حکم لگاتے وقت حدیث کے دیگر طرق کو بھی پیشِ نظر رکھتے تھے، لیکن یہاں پر امام بیہقی رحمہ اللہ نے بغیر کسی اور طریق کی پروا کیے اسے منقطع قرار دیا، گویا امام بیہقی رحمہ اللہ کی نظر میں یہ روایت اصلاً ہی منقطع ہے۔
4. امام ابن القیسرانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۰۷ھ) نے ابن عدی کے حوالے سے اسی روایت کو نقل کرنے کے بعد کہا:

''لم يذكر عليه كلاما۔ و أورده في ذكر أبي العالية۔ وكأنه استنكره، فذكره''[6]

''امام ابن عدی نے اس پر کوئی کلام ذکر نہیں کیا ہے اور ابو العالیہ کے تذکرے میں اسے ذکر کیا ہے، گویا آپ نے اسے منکر مان کر ذکر کیا ہے۔''

5. امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴ھ) نے اسے موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے۔[7]

---

[1] التاريخ الأوسط للبخاري (١/ ٣٩٧) البداية والنهاية (٨/ ٢٣١)
[2] الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي (٤/ ٩٧)
[3] الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي (٤/ ٩٧)
[4] الذخيرة في الأحاديث الضعيفة والموضوعة (١/ ٥٤٠)
[5] دلائل النبوة للبيهقي (٦/ ٤٦٧)
[6] الذخيرة في الأحاديث الضعيفة والموضوعة (١/ ٥٤٠)
[7] البداية والنهاية (٨/ ٢٣١)

٦ امام سیوطی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۱۱ھ) نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔[1]

واضح رہے کہ امام سیوطی رحمہ اللہ شواہد اور دیگر اسانید کے پیش نظر روایات کو حسن قرار دینے میں معروف ہیں، لیکن اس کے باجود بھی یہاں امام سیوطی رحمہ اللہ نے بغیر کسی اور طریق کی پروا کیے اسے ضعیف قرار دیا، گویا امام سیوطی رحمہ اللہ کی نظر میں یہ روایت ثابت نہیں، بلکہ مردود ہے۔

٧ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) نے زیرِ بحث روایت کو نقل کرنے کے بعد سند میں ابو مسلم کی زیادتی پر تنبیہ کرتے ہوئے کہا:

”رواه معاوية بن هشام، عن سفيان، عن عوف، فلم يذكر بين أبي العالية و أبي ذر أحدا“[2]

”اس روایت کو معاویہ بن ہشام نے سفیان عن عوف کے طریق سے روایت کیا ہے اور ابو العالیہ اور ابو ذر رضی اللہ عنہ کے بیچ کسی کو ذکر نہیں کیا۔“

٨ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) نے بھی زیر بحث روایت کی سند میں ابو مسلم کی زیادتی پر تنبیہ کرتے ہوئے کہا:

”أخرجه الروياني في مسنده عن بندار، وروي من وجه آخر، عن عوف، وليس فيه أبو مسلم“[3]

”اسے امام رویانی نے مسند میں روایت کیا ہے اور یہ حدیث دوسری سند سے مروی ہے، اس میں ابو مسلم کا ذکر نہیں ہے۔“

٩ امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۷۱ھ) نے بھی ایک مقام پر اسی روایت کو منقطع روایت کرنے کے بعد کہا:

”رواه عبد الوهاب الثقفي عن عوف عن أبي مهاجر عن أبي العالية عن أبي مسلم عن أبي ذر. زاد فيه: أبا مسلم“[4]

---

[1] الجامع الصغير من حديث البشير النذير (١/ ٢٤٤)

[2] إتحاف المهرة لابن حجر (١٤/ ٢٢٤)

[3] تاريخ الإسلام للذهبي ت تدمري (٥/ ٢٧٣)

[4] تاريخ دمشق لابن عساكر (١٨/ ١٦٠)

”اسی روایت کو عبدالوہاب ثقفی نے بھی عوف عن ابی مہاجر عن ابی العالیۃ عن ابی مسلم عن ابی ذر کے طریق سے روایت کیا، اس میں اس نے ابو مسلم کا اضافہ کر دیا ہے۔“

حافظ ابن حجر، امام ذہبی اور امام ابن عساکر رحمہ اللہ نے صرف ایک طریق میں جو زیادتی پر تنبیہ کی ہے، اس سے مقصود یہی ہے کہ یہاں پر یہ زیادتی شاذ ہے، یعنی مردود ہے، کیوں کہ ایسے موقع پر اہلِ فن صرف یہی نہیں کہتے کہ فلاں نے زیادتی کی ہے، بلکہ ساتھ میں اس اصول کا بھی حوالہ دیتے ہیں کہ زیادتِ ثقہ مقبول ہے اور یہاں پر محض زیادتی پر تنبیہ ہے اور زیادتِ ثقہ کی قبولیت کی صراحت نہیں ہے، نیز قبولیت کے قرائن بھی مفقود ہیں، بلکہ رد کے قرائن موجود ہیں۔ ایسی صورت میں ان ائمہ کا اشارہ اس زیادتی کے شذوذ ہی کی طرف ہے، یعنی یہ زیادتی مردود ہے۔ ناقدین کے اس طرح کے اشاروں کو اہلِ علم نے بیانِ علت ہی سمجھا ہے۔

❁ **چناں چہ امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵ھ) قتادہ کے طریق سے مروی ﴿وإذا قرأ فأنصتوا﴾ کے اضافے کے ساتھ منقول حدیث کی بابت فرماتے ہیں:**

”ورواه هشام الدستوائي وسعيد وشعبة وهمام وأبو عوانة وأبان وعدي بن أبي عمارة كلهم عن قتادة فلم يقل أحد منهم: وإذا قرأ فأنصتوا، وهم أصحاب قتادة الحفاظ عنه“[1]

”اسی حدیث کو ہشام دستوائی، سعید، شعبہ، ہمام، ابوعوانہ، ابان اور عدی بن ابی عمارہ نے بھی روایت کیا ہے، ان سب نے اس حدیث کو قتادہ ہی سے نقل کیا ہے، لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی ﴿وإذا قرأ فأنصتوا﴾ نہیں کہا، حالاں کہ یہ سب کے سب قتادہ کے حفاظ شاگرد ہیں۔“

یہاں امام دارقطنی رحمہ اللہ نے صراحتاً حدیث کو ضعیف نہیں کہا ہے، بلکہ اس میں موجود علت کی طرف اشارہ کیا ہے اور تمام اہلِ علم نے امام دارقطنی رحمہ اللہ کے اس اشارے سے یہی سمجھا ہے کہ وہ ﴿وإذا قرأ فأنصتوا﴾ کے اضافے کو مردود قرار دے رہے ہیں۔

❁ **اسی طرح ایک روایت کو نقل کرنے کے بعد امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:**

[1] سنن الدارقطني (۱/ ۳۳۰)

”لا نعلم أن أحدا تابع ابن عجلان علىٰ قوله: وإذا قرأ فأنصتوا“[1]

””ہمیں نہیں معلوم کہ کسی ایک نے بھی ﴿وإذا قرأ فأنصتوا﴾ کے الفاظ بیان کرنے میں ابن عجلان کی متابعت کی ہو۔“

امام نسائی رحمہ اللہ نے یہاں پر صراحتاً جرح نہیں کی ہے، بلکہ اشارتاً جرح کی ہے، لیکن حدیث کا کوئی ادنیٰ طالب علم بھی امام نسائی کی اس جرح سے انکار نہیں کر سکتا۔

❀ محترم شیخ خبیب احمد حفظہ اللہ بڑی عمدہ وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

””ممکن ہے کہ کوئی معترض کہے کہ امام نسائی نے اس زیادتی کو صراحتاً تو شاذ قرار نہیں دیا تو اس حوالے سے عرض ہے کہ متقدمین اکثر طور پر احادیث میں مخفی علل کی نشان دہی فرمایا کرتے تھے۔ متاخرین کی طرح حدیث پر صحت اور ضعف کا صراحتاً حکم بہت کم ذکر کرتے تھے، جیسا کہ ”علل الأحاديث“ پر مشتمل کتب سے معلوم ہوتا ہے۔“[2]

١٠ مورخ ابن طولون نے بھی امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی بات بہ رضا و رغبت نقل کی ہے۔[3]

واضح رہے کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس روایت کو موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے اور ابن طولون نے بھی یہ بات بہ رضا و رغبت نقل کی ہے۔

ان دس اہلِ علم کے برعکس پورے چودہ سو سالہ اسلامی دور میں کسی ایک بھی محدث نے اس روایت کو صحیح یا حسن قطعاً نہیں کہا ہے۔ اس کے برعکس حافظ زبیر علی زئی پوری دنیا میں پہلے شخص ہیں، جنھوں نے اس روایت کو پیش کردہ سند و متن کے ساتھ حسن قرار دیا۔ حافظ موصوف کا یہ فیصلہ انھیں کے لہجے میں ”باطل“ اور یکسر ”مردود“ ہے۔

تنبیہ اول:

علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسی سلسلے کی ایک منقطع روایت کو حسن قرار دیا ہے، لیکن اس کا متن زیر بحث روایت کے متن سے بہت مختصر ہے،[4] اس میں صحابیِ رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ پر حسن

---

[1] سنن النسائي الكبرى (١/ ٣٢٠)

[2] مقالاتِ اثریہ (ص: ٤٠٣)

[3] قيد الشريد لابن طولون (ص: ٣٨)

[4] یاد رہے کہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس متن کی تشریح میں کہا ہے: ”شاید اس سے مراد خلافت کے نظام کو بدلنا ہے ←

پرستی کا الزام اور اس کی خاطر لونڈی غصب کرنے کی تہمت نہیں ہے، اسی طرح یزید کے نام کی بھی صراحت نہیں ہے اور سب سے اہم بات یہ کہ یہ سارا معاملہ شام میں صحابیِ رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی زیرِ امارت ہوا، اس کا بھی ذکر نہیں، جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ کی جرح کی بنیاد یہی بات ہے، مزید برآں اس کی سند واضح طور پر منقطع ہے۔ ان تمام باتوں سے لاعلمی کی بنا پر علامہ البانی رحمہ اللہ سے تسامح ہوا اور انھوں نے اس مختصر متن کو حسن کہہ دیا۔

ہم معترف ہیں کہ علامہ البانی رحمہ اللہ بھی تمام طرق اور تمام علل کو سامنے رکھنے کے بعد ہی حدیث پر حکم لگاتے تھے، لیکن اس روایت پر حکم لگاتے وقت وہ تمام طرق اور تمام علل سے واقف نہ تھے، اس کی دلیل یہ ہے کہ علامہ موصوف نے سند پر بحث کرتے ہوئے ان باتوں کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا ہے، حالاں کہ سلسلتین میں علامہ البانی رحمہ اللہ کا طرزِ عمل یہی ہے کہ وہ پیش کردہ روایت کے تمام گوشوں پر بات کرتے ہیں۔ دریں صورت یہ قطعاً نہیں کہا جا سکتا کہ علامہ البانی رحمہ اللہ بھی زیرِ بحث روایت کی سند و متن کی تحسین میں حافظ موصوف کے ساتھ ہیں، بلکہ سچائی یہی ہے کہ اس سند و متن کے ساتھ اس روایت کو حسن کہنے والے محترم زبیر علی زئی رحمہ اللہ پوری دنیا میں پہلے شخص ہیں۔

مزید یہ کہ اس روایت کی تحسین خود علامہ البانی رحمہ اللہ کے اصول کے خلاف ہے، کیوں کہ اس کی سند منقطع ہے اور علامہ البانی رحمہ اللہ غالباً انقطاعِ سند پر مطلع نہ ہوسکے، کیوں کہ انھوں نے اس پر کوئی بحث نہیں کی ہے، حالاں کہ اہلِ فن نے انقطاع کی صراحت کی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود علامہ البانی رحمہ اللہ کے اصول کی روشنی میں بھی یہ روایت مردود ہے۔

تنبیہ ثانی:

زیرِ بحث روایت میں جو یہ منقول ہے کہ بنو اُمیہ کا ایک شخص یزید سنت کو بدلنے والا ہوگا، اسی مضمون کی ایک دوسری روایت کو علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے موضوع اور من گھڑت قرار دیتے ہوئے اپنی کتاب موضوعات میں نقل کیا ہے۔[1] واضح رہے کہ ابن الجوزی نے یزید کی مذمت میں ایک کتاب لکھی ہے، لیکن انھوں نے بھی یزید کے خلاف اس روایت کو پیش نہیں کیا۔

← اور اسے وراثت بنانا ہے۔" (السلسلة الصحيحة: ٤/ ٣٠٣) اس سے پتا چلتا ہے کہ علامہ البانی رحمہ اللہ کی نظر میں اس سے مراد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

[1] الموضوعات لابن الجوزي (١/ ٣٣٦)

روایت مذکورہ کے مردود ہونے کی وجوہات:

پیش کردہ روایت موضوع اور من گھڑت ہی ہے، جیسا کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے۔ اس روایت کے مردود ہونے کی وجوہات بالاختصار درج ذیل ہیں:

1. **امام العلل امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو معلول قرار دیا ہے۔**
2. **امام العلل امام بخاری رحمہ اللہ کی بیان کردہ علت۔**
3. **ثقہ کی ایسی زیادتی جو قرائن کی روشنی میں مردود ہے۔**

اب اس کی تفصیل ملاحظہ ہو:

زیر بحث حدیث کے مردود ہونے کی پہلی وجہ:

1 امام العلل امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو معلول قرار دیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶ھ) نے زیر بحث حدیث کو واضح طور پر معلول قرار دیا ہے، چناں چہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴ھ) **امام بخاری کی کتاب** تاریخ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وكذا رواه البخاري **في التاريخ** وأبو يعلى عن محمد بن المثنى عن عبدالوهاب **ثم قال البخاري:** والحديث معلول"[1]

"اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے (اپنی کتاب) تاریخ میں روایت کیا اور ابو یعلی نے عن محمد بن مثنی عن عبدالوہاب کے طریق سے روایت کیا ہے، پھر اسے روایت کرنے کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا: یہ حدیث معلول ہے۔"

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام بخاری کے اس قول کو ان کی کتاب تاریخ سے نقل کیا ہے، لہٰذا امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ قول ثابت شدہ ہے، کیوں کہ کتاب سے نقل کی گئی بات معتبر ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ امام العلل امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو معلول قرار دیا ہے۔ اس حقیقت کی وضاحت کے بعد عرض ہے کہ جب کوئی ماہر امام ناقد کسی حدیث کو معلول کہہ دے اور کوئی دوسرا امام ناقد اس کی مخالفت نہ کرے تو وہ حدیث معلول و مردود ہی رہے گی اور امام بخاری رحمہ اللہ کے اس قول کی مخالفت پوری دنیا کے کسی بھی مستند عالم نے نہیں کی ہے، بلکہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسے بہ رضا

---

[1] البداية والنهاية (٨/ ٢٣١) و ابن كثير نقله من كتاب البخاري.

و رغبت نقل کیا ہے۔ یہ ایک اصولی بات ہے، جس سے علمِ حدیث کا ادنیٰ طالب علم بھی واقف ہے اور زیر بحث روایت کے مردود ہونے کے لیے بس یہی ایک بات کافی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

”وهذا الفن أغمض أنواع الحديث، وأدقها مسلكا، ولا يقوم به إلا من منحه الله تعالىٰ فهما غايصا وإطلاعا حاويا، وإدراكا لمراتب الرواة ومعرفة ثاقبة، ولهٰذا لم يتكلم فيه إلا أفراد أئمة هذا الشأن وحذاقهم، وإليهم المرجع في ذلك لما جعل الله فيهم من معرفة ذلك، والإطلاع على غوامضه دون غيرهم ممن لم يمارس ذلك. وقد تقصر عبارة المعلّل منهم، فلا يفصح بما استقر في نفسه من ترجيح إحدىٰ الروايتين علىٰ الأخرىٰ كما في نقد الصيرفي سواء، فمتى وجدنا حديثا قد حكم إمام من الأئمة المرجوع إليهم -بتعليله- فالأولى اتباعه في ذلك كما نتبعه في تصحيح الحديث إذا صححه“[1]

”عللِ حدیث کا فن، علومِ حدیث کا سب سے پیچیدہ فن اور سب سے دقیق کام ہے۔ یہ کام اسی شخصیت سے ہو سکتا ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے تبحر فہم، وسیع اطلاع، رواۃ کے مراتب کا ادراک اور پختہ معرفت سے نوازا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس بارے میں اس فن کی مخصوص اور ماہر شخصیات ہی نے کلام کیا ہے اور اس معاملے میں وہی ہمارے لیے مرجع ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ہی اس کی معرفت اور اس کے خفیہ امور پر آگاہی سے نوازا ہے، ان کے علاوہ دوسرے لوگ جنھوں نے یہ کام نہیں کیا، وہ اس سے محروم ہیں اور کبھی کبھی حدیث کو معلول کہنے والے ائمہ اپنی بات واضح کرنے سے قاصر ہوتے ہیں اور دو روایات میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کی جو وجہ ان کے دل میں بیٹھتی ہے، اسے بیان نہیں کر پاتے، جیسا کہ ہو بہو یہ معاملہ جوہری کا ہوتا ہے۔ تو جب ہمیں کوئی ایسی حدیث ملے، جسے کسی مستند امام نے معلول قرار دیا ہے تو اس معاملے میں اس کی اتباع ہی بہتر ہے، جیسا کہ جب وہ کسی حدیث کو صحیح کہہ دے تو ہم

[1] النكت علىٰ كتاب ابن الصلاح لابن حجر (٢/ ٧١١)

اس کی اتباع کرتے ہیں۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی وضاحت سے معلوم ہوا کہ کوئی ماہر ناقد امام جب کسی حدیث کو معلول کہہ دے تو اس کا فیصلہ ہی حجت ہے اور زیرِ بحث روایت کو صرف ماہر ناقد ہی نہیں، بلکہ ناقدوں کے امیر و رئیس، علل کے عظیم الشان امام، جبل الحفظ امام بخاری رحمہ اللہ نے معلول قرار دیا ہے اور پوری دنیا کے کسی بھی امام نے ان کی مخالفت نہیں کی ہے، لہٰذا امام بخاری کے ہزاروں سال بعد پیدا ہونے والے لوگ دن رات ایسی حدیث کو صحیح یا حسن قرار دیں، پھر بھی امام بخاری رحمہ اللہ کے فیصلے پر کوئی فرق پڑنے والا نہیں ہے اور یہ حدیث بہر صورت مردود و باطل ہی رہے گی۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے قول پر محترم زبیر علی زئی کا اعتراض اور اس کا ردّ:

محترم زبیر علی زئی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''والحدیث معلول کے الفاظ امام بخاری سے با سند صحیح ثابت نہیں۔''[1]

عرض ہے کہ ہم سخت حیران ہیں کہ آں محترم یہ کیا فرما رہے ہیں؟ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ قول ان کی کتاب تاریخ سے نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہوں امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے الفاظ:

''وكذا رواه البخاري **في التاريخ** وأبو يعلى عن محمد بن المثنى عن عبد الوهاب، ثم قال البخاري: والحديث معلول''[2]

''اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے **(اپنی کتاب) تاریخ** میں روایت کیا اور ابو یعلی نے عن محمد بن مثنی عن عبدالوہاب کے طریق سے روایت کیا ہے، **پھر اسے روایت کرنے کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا: یہ حدیث معلول ہے۔**''

غور کریں! امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا: ''رواه البخاري في التاريخ'' (امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے تاریخ میں روایت کیا ہے) اس کے چند لفظوں کے بعد ہی کہا: ''ثم قال البخاري: والحديث معلول'' (روایت کرنے کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ حدیث معلول ہے)

معلوم ہوا کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ قول ان کی کتاب التاریخ سے نقل کیا ہے اور کتاب سے نقل کردہ بات ثابت شدہ ہوتی ہے۔ عام طلبا بھی یہ بات جانتے ہیں کہ کتاب

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۳۰) مقالات (۶/ ۳۸۵)

[2] البداية والنهاية (٨/ ٢٣١) وابن كثير نقله من كتاب البخاري.

سے نقل کرنے والے کے لیے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ نقل کرنے والا شخص اپنی سند کتاب کے مولف تک پیش کرے، ورنہ آج کوئی شخص کوئی ایک بھی صحیح حدیث پیش نہیں کر سکتا، کیوں کہ جوں ہی وہ کسی کتاب سے اسے نقل کرے گا، اس پر یہ سوال اُٹھے گا کہ تم اپنی صحیح سند صاحبِ کتاب تک پیش کرو!

حیرت کی بات یہ بھی ہے کہ اسی تحریر میں خود محترم زبیر علی زئی ایک جگہ لکھتے ہیں کہ یحیٰ بن مندہ نے اپنی **تاریخ میں** فرمایا:

"ثقة ورع متدين عارف بالقراءات و الروايات عالم بالأدب والنحو، وهو مع هذا أكبر من أن يدل عليه مثلي، وهو أشهر من الشمس، و أضوأ من القمر، ذو الفنون من العلم۔ رحمه الله۔ وكان شيخًا مهيبًا منظورًا فصيح اللسان حسن الطريقة كبير الوزن" (التقييد لابن نقطة: ۲/ ۸٤ ت۴۰۳)[1]

آیئے! ہم پورے الفاظ نقل کرتے ہیں، چناں چہ ابن نقطہ حنبلی بغدادی (المتوفی: ۶۲۹ھ) نے کہا:

"قال يحيىٰ بن منده في تاريخه: قدم أصبهان مرارا، ثم خرج من أصبهان إلىٰ كرمان فحدث بها، وقرأ عليه القرآن جماعة، ومات بها في بلد أوشير سنة أربع وخمسين و أربعمائة في جمادىٰ الأولى، وبلغني أنه ولد في سنة إحدىٰ و سبعين وثلاث مائة. ثقة ورع متدين عارف بالقراءات والروايات، عالم بالأدب والنحو، وهو مع هذا أكبر من ظان يدل عليه مثلي، وهو أشهر من الشمس، وأضوأ من القمر ذو فنون من العلم ۔رحمه الله۔ وكان شيخا مهيبا منظورا فصيح اللسان حسن الطريقة كبير الوزن"[2]

اگر کسی کی کتاب سے نقل کرنا ثبوت کے لیے کافی نہیں ہے تو کیا ہم محترم زبیر علی زئی سے پوچھ سکتے ہیں کہ آں جناب نے یہاں امام یحیٰ بن مندہ کا قول ابن نقطہ کی کتاب سے کیوں نقل کیا؟ کیا ابن نقطہ نے امام یحیٰ بن مندہ کا یہ قول صحیح سند سے نقل کیا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں، بلکہ بات صرف اتنی ہے کہ ابن نقطہ نے یحیٰ بن مندہ کی کتاب تاریخ سے نقل کیا ہے تو یہی معاملہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص:۲) مقالات (۶/ ۳۵۷)

[2] التقييد لمعرفة رواة السنن والمسانيد (ص: ٣٣٤)

نقل میں بھی ہے کہ انھوں نے بھی امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب تاریخ سے ان کا قول نقل کیا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا نقل کردہ قول امام بخاری کی "التاريخ الأوسط" میں ہے، لیکن اصل کتاب میں "والحديث معلول" کے الفاظ نہیں ہیں۔ تو عرض ہے کہ اس کا زیادہ سے زیادہ مطلب یہ ہوا کہ "التاريخ الأوسط" کے بعض نسخوں میں یہ عبارت ناقص ہے اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے سامنے تاریخ الاوسط کا جو نسخہ تھا، اس میں یہ عبارت مکمل تھی اور نسخوں کا اختلاف عام بات ہے۔ آج بھی مخطوطات کی تحقیق کے وقت کتاب کے دیگر نسخوں سے ناقص عبارت کو مکمل کیا جاتا ہے، بلکہ دیگر اہلِ علم کے منقولات سے بھی نسخوں کی ناقص عبارتیں درست کی جاتی ہے، لہٰذا امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے سامنے جو نسخہ تھا، اس نسخے میں یہ قول مکمل تھا اور بعض دیگر نسخوں میں یہ قول ناقص ہے، لہٰذا تمام نسخوں کو دیکھتے ہوئے یہ عبارت مکمل ہوگی اور حجت ہوگی۔

بطورِ فائدہ عرض ہے کہ محترم زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے سُترہ سے متعلق مسند بزار کی ایک روایت کو حسن قرار دیا ہے، وہ روایت یہ ہے کہ امام بزار رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۹۲ھ) نے کہا:

"حَدَّثنا بِشُر بن آدم، قَال: حَدَّثنا أَبُو عَاصِم، عَن ابن جُرَيج، قال: أَخُبَرنا عَبد الكريم، أنَّ مجاهدًا أخبره، عَنِ ابُنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قال: أَتيتُ أنا والفضل علىٰ أتان، فمررنا بين يدي رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بعرفة، وهُو يصلي المكتوبة، لَيُسَ شَيُئٌ يَسُتُره، يحُولُ بيُننَا وَبيُنَهُ"[1]

اس سند میں ایک راوی عبد الکریم ہے۔ یہ کون ہے؟ اس کا تعین ایک مشکل کام ہے، کیوں کہ اسی نام کا ایک اور ضعیف راوی ہے اور یہ بھی اتفاق سے مجاہد کا شاگرد اور ابن جریج کا استاذ ہے، اس لیے یہ پریشان کن بات ہے کہ یہ راوی کون ہے؟ لیکن محترم زبیر علی زئی نے غالبًا اس کا تعین ''عبد الکریم الجزری'' سے کیا ہے۔ اسی وجہ سے موصوف نے اس سند کو حسن کہا ہے اور تعین کے لیے آں محترم نے غالبًا اس بات کو دلیل بنایا ہے کہ امام ابن بطال نے بزار کی اسی روایت کو سند کے ساتھ نقل کیا اور ان کی نقل میں سند کے اندر ''عبدالکریم'' کی ''الجزری'' سے تعیین موجود ہے۔[2]

---

[1] مسند البزار (۱۱/ ۲۰۱) رقم الحديث (٤٩٥١)

[2] موطا امام مالک مترجم از زبیر علی زئی (ص: ۲٦٦)

چناں چہ امام ابن بطال (المتوفی: ۴۴۹ھ) نے کہا:

"ذكر البزار، قال: حدثنا بشر بن آدم، قال: حدثنا أبو عاصم، عن ابن جريج قال: حدثني عبد الكريم الجزري أن مجاهدًا أخبره عن ابن عباس قال: أتيتُ أنا والفضل على أتانٍ، فمررنا بين يدي رسول الله ﷺ بعرفة، وهو يصلي المكتوبة، ليس بشيئٍ يَستُره، يحول بيننا وبينه"[1]

عرض ہے کہ "عبد الکریم" کی تعیین کرنے والا یہ لفظ "الجزری" اصل کتاب مسند بزار میں یا اس وقت اس کے کسی بھی دستیاب مخطوطے میں موجود نہیں ہے تو کیا یہ کہہ دیا جائے کہ امام ابن بطال کی نقل کردہ سند غیر معتبر ہے؟

ہرگز نہیں، بلکہ یہاں پر یہی کہا جائے گا کہ یہ نسخوں کا اختلاف ہے اور امام ابن بطال کے سامنے مسند بزار کا جو نسخہ تھا، اس میں یہ سند اس تعیین والے لفظ کے ساتھ مرقوم تھی اور موجودہ نسخے میں یہ لفظ موجود نہیں ہے، لیکن اس کا بھی اعتبار ہوگا، کیوں کہ ابن بطال نے اسے کتاب سے نقل کیا ہے۔ ٹھیک اسی طرح یہاں بھی ابن کثیر رحمہ اللہ کے نقل کردہ الفاظ کا اعتبار ہوگا، کیوں کہ انھوں نے امام بخاری کی کتاب "تاریخ" سے نقل کیا ہے اور وہ بھی قدیم نسخے سے۔ والحمد للہ

واضح رہے کہ ہم یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ رہے کہ محترم زبیر علی زئی نے عبدالکریم کی تعیین میں ابن بطال کی نقل کردہ سند ہی کو بنیاد بنایا ہے، لیکن آں موصوف کی تحریر سے ہمیں یہی لگتا ہے۔[2] والله أعلم.

بہرحال ہمارا مقصود یہ ہے کہ ابن بطال کی نقل کردہ سند کا اعتبار کیا جائے گا، اسے رد نہیں کیا جاسکتا۔

زیر بحث روایت کے مردود ہونے کی دوسری وجہ:

2 امام العلل امام بخاری رحمہ اللہ کی بیان کردہ علت۔

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶ھ) فرماتے ہیں:

"حدثني محمد، قال: حَدَّثَنَا عَبد الوهاب قال: حدثنا عوف عن المهاجر

---

[1] شرح صحيح البخاري لابن بطال (٢/ ١٢٩)

[2] اپنی اگلی تحریر میں زبیر علی زئی صاحب نے ہمارے اس خیال کی تردید نہیں کی۔ نیز اسی کتاب کا صفحہ (۲۰۰) دیکھیں۔

بن مخلد: قال: حَدَّثَنَا أبو العالية، قال: وحدثني أبو مسلم قال: كان أبو ذر بالشام، وعليها يزيد بن أبي سفيان فغزا الناس فغنموا والمعروف أن أبا ذر كان بالشام زمن عثمان، وعليها معاوية، ومات يزيد في زمن عُمَر، **ولا يعرف لأبي ذر قدوم الشام زمن عُمَر رضي الله عنه**"[1]

امام بخاری رحمہ اللہ زیر بحث روایت کو ذکر کر کے فرما رہے ہیں کہ معروف (معلوم و ثابت شدہ) بات یہ ہے کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ شام میں عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں تھے اور اس وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے امیر تھے اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی کے دور میں وفات پا گئے اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ابو ذر رضی اللہ عنہ کا شام آنا نا معلوم ہے۔"

یعنی امام بخاری رحمہ اللہ کے بقول صحابی رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں شام کے امیر تھے اور عہدِ فاروقی ہی میں وفات پا گئے اور عہدِ فاروقی میں ابو ذر رضی اللہ عنہ کا شام آنا ثابت ہی نہیں ہے۔ زیر بحث روایت میں اسی دور میں ابو ذر رضی اللہ عنہ کو شام میں بتلایا جا رہا ہے اور یہ کہا جا رہا ہے کہ انھوں نے شام میں صحابی رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو زیر بحث حدیث سنائی۔

یہ زبردست دلیل ہے کہ زیر بحث روایت موضوع اور من گھڑت ہے اور جس نے بھی اسے گھڑا ہے، وہ تاریخ سے نابلد تھا، اس نے یہ حدیث تو وضع کر دی کہ شام میں ابو ذر رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو حدیث سنائی، لیکن اس بدنصیب کو یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ جس دور میں صحابیِ رسول یزید بن ابی سفیان شام میں تھے، اس دور میں ابو ذر رضی اللہ عنہ شام گئے ہی نہیں تھے، بلکہ اس کے بہت بعد عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں شام گئے تھے اور اس سے پہلے ہی صحابی رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ فوت ہو چکے تھے، لہٰذا ایک فوت شدہ شخص کو ابو ذر رضی اللہ عنہ کوئی حدیث کیسے سنا سکتے ہیں؟!

امام بخاری رحمہ اللہ کی تحقیق سے اس روایت کا موضوع اور من گھڑت ہونا ثابت ہوگیا۔ و الحمد لله.

تنبیہ بلیغ:

امام بخاری رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا قول میں دو پہلو ہیں: ایک اثبات کا اور ایک انکار کا۔

---

[1] التاريخ الأوسط للبخاري (١/ ٣٩٧)

چناں چہ اثبات کا پہلو یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں صحابی رسول ابو ذر رضی اللہ عنہ کا شام میں آنا بتایا ہے اور اسے ''معروف'' (معلوم و ثابت شدہ) کے لفظ سے پیش کیا ہے اور انکار کا پہلو یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے بقول عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ابو ذر رضی اللہ عنہ کا شام آنا نامعلوم ہے اور اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے "لا یعرف" کہہ کر پیش کیا ہے اور "لا یعرف" کا ترجمہ خود محترم زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے ایک جگہ ''معلوم نہیں'' سے کیا ہے۔ كما سيأتي.[1]

- امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے زیر بحث حدیث کی جو علت بیان کی ہے، اسے امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی بہ رضا و رغبت نقل کیا ہے اور اسے بنیاد بنا کر زیر بحث روایت کو مردود قرار دیا ہے۔[2]
- امام بیہقی رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے اشارتاً یہی بات کہی ہے۔ آپ زیر بحث روایت کی نکارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قلت: يزيد بن أبي سفيان كان من أمراء الأجناد بالشام في أيام أبي بكر و عمر لكن سميه يزيد بن معاوية يشبه أن يكون هو، والله أعلم"[3]

یعنی صحابی رسول یزید بن سفیان رضی اللہ عنہ تو ابوبکر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں لشکرِ شام کے امیر ہوا کرتے تھے (اور اس دور میں ابو ذر رضی اللہ عنہ شام آئے ہی نہیں) لہٰذا یزید بن سفیان رضی اللہ عنہ کے ہم نام یزید بن معاویہ مراد ہوسکتے ہیں۔

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۱۰۷) دیکھیں۔ واضح رہے کہ "لایعرف" ہی کے الفاظ میں امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے ابوقلابہ کی تدلیس کا انکار کیا ہے اور حافظ زبیر علی زئی صاحب امام ابو حاتم کے انھیں الفاظ سے حجت پکڑتے ہوئے لکھتے ہیں:
حافظ ذہبی سے زیادہ بڑے امام اور متقدم محدث ابو حاتم الرازی نے ابو قلابہ کے بارے میں فرمایا: "لايعرف له تدليس" اور اُن کا تدلیس کرنا معروف (معلوم) نہیں ہے۔ (كتاب الجرح والتعديل: ٥/ ٥٨) [دیکھیں: علمی مقالات: ۳/ ۴۹۶، ۴۹۷۔ معروف کے بعد بریکٹ میں (معلوم) حافظ زبیر علی زئی صاحب ہی کی طرف سے ہے]
غور کیا جائے کہ "لا یعرف" کے الفاظ سے ابوحاتم رحمہ اللہ نے ایک چیز کا انکار کیا تو نہ صرف یہ کہ اس سے حجت پکڑی جا رہی ہے، بلکہ اسے امام ذہبی رحمہ اللہ کے قول کے خلاف پیش کیا جا رہا ہے۔ لیکن انھیں الفاظ میں امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی ایک چیز کا انکار کیا ہے، مگر امام بخاری رحمہ اللہ کے اس فیصلے کو ناقابلِ قبول بتلایا جا رہا ہے۔

[2] البداية والنهاية لابن كثير (٨/ ٢٣١)

[3] دلائل النبوة للبيهقي (٤٦٧)

امام بخاری کی بیان کردہ علت سے متعلق محترم حافظ زبیر علی زئی کے اشکالات اوران کا ازالہ:

محترم زبیر علی زئی رحمہ اللہ کے اشکالات کے ازالے سے قبل ایک بار پھر یہ وضاحت کردی جائے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے قول میں دو پہلو ہیں ایک اثبات کا اور ایک انکار کا۔لیکن محترم زبیر علی زئی نے جواب دیتے ہوئے یہ تاثر قائم کیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ بس ایک بات کومعروف کہہ رہے ہیں اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ثابت نہیں، یعنی محترم نے ثبوت کی ذمے داری امام بخاری کے سرڈال دی ہے، حالاں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے قول میں انکار کا پہلو بھی ہے، یعنی امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک بات کا انکار بھی کیا ہے اور اسے معروف نہیں، بلکہ ''لا یعرف'' سے پیش کیا ہے اور اس معاملے میں ثبوت کی ذمے داری امام بخاری رحمہ اللہ پرنہیں ہے، بلکہ ثبوت کی ذمے داری اس پر ہے جوامام بخاری رحمہ اللہ کے انکارکوتسلیم نہ کرے۔

محترم زبیر علی زئی نے امام بخاری رحمہ اللہ کے قول میں اثبات والے پہلو کا جواب دیتے ہوئے لفظ معروف پر ساری توانائی صرف کر دی ہے اور لوگوں کوصرف یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے محض ایک مشہور بات نقل کی ہے جو ثابت نہیں، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کے قول میں جو انکار کا دوسرا پہلو تھا، جس کے جواب میں آں جناب کو ثبوت پیش کرنا چاہیے تھا، لیکن اس معاملے میں آں جناب سے کچھ بھی نہیں بن پڑا، چناں چہ موصوف ثبوت میں ایک حرف بھی پیش کرنے سے یکسر قاصر و عاجز رہے ہیں۔ اب آیئے ہم پوری تفصیل کے ساتھ محترم کے اشکالات کا ازالہ پیش کرتے ہیں۔

حافظ زبیر علی زئی نے کہا ہے:

''اگر کوئی شخص یہ کہے کہ امام بخاری نے یہ بھی لکھا ہے:

<u>''والمعروف أن أبا ذر كان بالشام زمن عثمان، و عليها معاوية، و مات يزيد في زمن عمر، ولا يعرف لأبي ذر قدوم الشام زمن عمر''</u> (التاريخ الأوسط: ١/ ٣٩٨، رقم الحديث: ١٣٧، دوسرا نسخہ: ١ / ٧٠)

''اور معروف (مشہور) یہ ہے کہ عثمان (رضی اللہ عنہ) کے زمانے اور معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے دورِ امارت میں ابو ذر (رضی اللہ عنہ) شام میں تھے اور یزید (بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ) عمر (رضی اللہ عنہ) کے

زمانے میں فوت ہو گئے تھے اور عمر (رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں ابو ذر (رضی اللہ عنہ) کا شام آنا معروف (مشہور) نہیں۔"

"اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے اس دعوے کی کوئی دلیل بیان نہیں کی[1] اور کسی بات کا معروف (مشہور) ہونا یا نہ ہونا اس کے صحیح یا ضعیف ہونے کی دلیل نہیں ہوتا، بلکہ صحیح سند والی روایت صحیح ہوتی ہے، چاہے مشہور ہو یا نہ ہو۔ اصولِ حدیث کی کتابوں میں بھی یہ بتایا گیا ہے کہ مشہور حدیث صحیح بھی ہوتی ہے، حسن بھی ہوتی ہے، ایسی بھی ہوتی ہے کہ جس کی کوئی اصل نہیں ہوتی اور کلیتًا موضوع بھی ہوتی ہے۔ (اختصار علوم الحدیث اردو مترجم ص ۲۰۸، نوع: ۳۰۰) اصل مسئلہ یہ نہیں کہ فلاں بات معروف ہے یا معروف نہیں ہے، بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ فلاں بات باسند صحیح ثابت ہے یا ثابت نہیں۔ کتنے ہی مشہور قصے ہیں، جو بلحاظِ سند ضعیف، مردود اور باطل ہوتے ہیں۔مثلاً دیکھیں: مشہور واقعات کی حقیقت (مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ لاہور فیصل آباد) صحیح حدیث کے مقابلے میں امام بخاری رحمہ اللہ کی مبہم جرح کون سنتا ہے؟"[2]

سب سے پہلے اس اقتباس کی پہلی سطر دیکھیں۔محترم فرماتے ہیں کہ "اگر کوئی کہے..." اس سے بعض قارئین جو پورے پسِ منظر سے واقف نہیں، وہ سمجھیں گے کہ موصوف پیشگی ایک نقد کا جواب دے رہے ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ پہلے اس نقد کو لے کر آں محترم پر تعاقب کیا گیا، اس کے بعد موصوف اس کا جواب عنایت فرما رہے ہیں۔

اس کے بعد اس اقتباس کی آخری سطر دیکھیں کہ محترم زبیر علی زئی امام بخاری کے اس کلام کو جرح تسلیم کرتے ہیں، لیکن "مبہم جرح" کہتے ہیں، حالاں کہ اصولِ حدیث کا ادنیٰ طالب علم بھی سمجھ سکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی یہ جرح بہت ہی مفسر اور واضح ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی اس جرح کے کس حصے میں ابہام ہے؟ یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔

اس کے بعد عرض ہے کہ محترم زبیر علی زئی رحمہ اللہ کا امام بخاری کے کلام میں مستعمل معروف کا

---

(1) بعد میں ہمیں اس دعوے کی صحیح دلیل بھی مل گئی۔ اسی کتاب کا صفحہ (۱۹۰۔ ۱۹۸) دیکھیں۔

(2) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۲۵) مقالات (۶/ ۳۸۰)

ترجمہ مشہور (بمعنی زبان زد عام) سے کرنا یکسر غلط و مردود ہے۔

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ کچھ لوگ مشہور کے معنی میں بھی معروف بولتے ہیں، لیکن کیا امام بخاری رحمہ اللہ کے کلام میں لفظ معروف ''مشہور'' کے معنی میں مستعمل ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے کلام میں معروف کا لفظ معلوم کے معنی میں مستعمل ہے، یعنی امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بات معلوم اور ثابت شدہ ہے نہ کہ صرف مشہور، جیسا کہ محترم زبیر علی زئی باور کرانا چاہتے ہیں۔ افسوس کہ موصوف امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہاں سمجھ نہیں پارہے ہیں یا تجاہلِ عارفانہ سے کام لے رہے ہیں، کیوں کہ خود موصوف کا ترجمہ ایک دوسرے مقام پر دیکھیں۔ ایک جگہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا:

''وَلَا يُعْرَفُ هَذَا مِنْ صَحِيحِ حَدِيثِ ابْنِ خَالِدٍ الْأَحْمَرِ''[1]

اس کا ترجمہ کرتے ہوئے آں جناب لکھتے ہیں:

''اور یہ معلوم نہیں کہ یہ روایت ابو خالد الاحمر کی صحیح حدیثوں میں سے ہے۔''[2]

عرض ہے کہ جس طرح ''لا یعرف'' کا ترجمہ معلوم نہیں سے کیا گیا ہے، اسی طرح ''والمعروف'' کا ترجمہ معلوم اور ثابت شدہ سے ہونا چاہیے۔

محترم زبیر علی زئی آگے فرماتے ہیں:

''صحیح سند والی روایت صحیح ہوتی ہے، چاہے مشہور ہو یا نہ ہو۔ اصولِ حدیث کی کتابوں میں بھی یہ بتایا گیا ہے کہ مشہور حدیث صحیح بھی ہوتی ہے، حسن بھی ہوتی ہے، ایسی بھی ہوتی ہے کہ جس کی کوئی اصل نہیں ہوتی اور کلیتاً موضوع بھی ہوتی ہے۔ اصل مسئلہ یہ نہیں کہ فلاں بات معروف ہے یا معروف نہیں ہے، بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ فلاں بات باسند صحیح ثابت ہے یا ثابت نہیں۔''[3]

ہم اوپر واضح کر چکے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ معروف کا لفظ مشہور کے معنی میں نہیں استعمال کر رہے ہیں، بلکہ معلوم اور ثابت شدہ کے معنی میں استعمال کر رہے ہیں، لیکن بفرض محال تھوڑی دیر

---

[1] القراءة خلف الإمام للبخاري (ص: ٦٤)

[2] نصر الباري (ص: ٢٨٧)

[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ٢٥) مقالات (٦/ ٣٨٠)

کے لیے تسلیم کرلیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے معروف کا لفظ مشہور کے معنی میں استعمال کیا ہے تو امام بخاری رحمہ اللہ کے اسے مشہور کہنے سے یہ لازم تو نہیں آتا کہ یہ بات ثابت ہی نہیں، کیوں کہ آں جناب خود کہہ رہے ہیں کہ ''مشہور حدیث صحیح بھی ہوتی ہے، حسن بھی ہوتی ہے'' تو امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں جو مشہور کہا ہے، اس سے مراد وہ مشہور بات ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک ثابت شدہ ہے، کیوں کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس سے استدلال کر رہے ہیں اور اسی کی بنیاد پر ایک روایت پر جرح کر رہے ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ فقط ایسی مشہور بات کی بنیاد پر جرح کریں، جو اُن کے نزدیک ثابت شدہ نہ ہو، بلکہ فضائلِ اعمال کے قصوں کی طرح فقط مشہور ہو۔[1]

ہم محترم زبیر علی زئی رحمہ اللہ سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ کسی روایت پر جرح کرتے ہوئے اپنے نزدیک ثابت شدہ چیزوں کو بنیاد بتاتے ہیں یا فضائلِ اعمال کے مشہور قصوں جیسی بے اصل باتوں کی بنیاد پر بھی جرح کرتے رہتے ہیں؟ اگر آپ نفی میں جواب دیتے ہیں اور اپنی شان یہ بتلاتے ہیں کہ آپ صرف ثابت شدہ چیزوں ہی کی بنیاد پر جرح کرتے ہیں تو کیا امام بخاری رحمہ اللہ آپ سے بھی گئے گزرے ہیں کہ وہ بے اصل قصوں اور کہانیوں کی بنیاد پر ایک حدیث پر ذمے دارانہ کلام کریں؟ آپ کی بات مان لینے کی صورت میں معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ جرح و تعدیل اور عللِ حدیث سے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ کے تمام تر اقوال محلِ نظر ٹھہرتے ہیں اور ان کے ہر قول کے ثبوت کی دلیل فراہم ہونا ضروری قرار پاتا ہے، کیوں کہ احتمال ہے کہ کسی اور حدیث کو معلول کہنے یا کسی راوی کو ضعیف و مجروح کہنے میں بھی اسی طرح کی بے بنیاد باتوں کا سہارا امام بخاری رحمہ اللہ نے لیا ہو! یاد رہے کہ محدثین جب کسی حدیث کو معلول کہتے ہیں یا کسی راوی کو ضعیف یا مجروح کہتے ہیں تو اس کی بنیاد دیگر روایات ہی ہوتی ہیں۔

پھر یہ خطرہ صرف امام بخاری رحمہ اللہ ہی کے اقوال سے متعلق نہیں ہوگا، بلکہ جرح و تعدیل کے تمام ائمہ کے اقوالِ تعلیل و تضعیف محترم زبیر علی زئی کے یہاں ان کی ذاتی تصدیق کے محتاج ہوں گے، کیوں کہ جب امام بخاری رحمہ اللہ جیسے سلطان المحدثین بے اصل قصوں اور کہانیوں کی بنیاد پر جرح کر رہے ہیں تو دیگر ائمہ فن سے بھی یہ چنداں مستبعد نہیں۔ واللہ المستعان.

[1] بعد میں ہمیں امام بخاری رحمہ اللہ کے اس موقف پر ایک صحیح روایت بھی مل گئی۔ اسی کتاب کا صفحہ (۱۹۰۔ ۱۹۸) دیکھیں۔

اور حد ہو گئی کہ آں محترم نے امام بخاری رحمہ اللہ کی جرح کو رد کرتے ہوئے یہاں تک کہہ ڈالا: ''کتنے ہی مشہور قصے ہیں، جو بلحاظِ سند ضعیف، مردود اور باطل ہوتے ہیں۔ دیکھیں: مشہور واقعات کی حقیقت (مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ لاہور فیصل آباد)۔''[1]

آں جناب کی خدمت میں مودبانہ عرض ہے کہ یہاں کسی قصہ گو یا تبلیغی جماعت کے مبلغ کے بارے میں بات نہیں چل رہی ہے، بلکہ امام العلل امام بخاری رحمہ اللہ کے ایک ذمے دارانہ فیصلے کی بات ہو رہی ہے، جو انھوں نے ایک روایت سے متعلق فنی حیثیت سے صادر فرمایا ہے۔ کیا امام بخاری رحمہ اللہ جیسے سلطان المحدثین کے بارے میں یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ فنِ حدیث میں ایک ذمے دارانہ کلام کرتے ہوئے فضائلِ اعمال جیسے بے اصل واقعات اور کہانیوں کو بنیاد بنائیں؟

جس چوٹی کے محدث نے اپنی کتابِ صحیح میں صحتِ حدیث کا ایسا اونچا معیار قائم کیا کہ یہ کتاب قرآن کے بعد سب سے بہتر کتاب قرار پائی، کیا ایسے عظیم المرتبت محدث آں جناب کی نظر میں اسی لائق رہ گئے ہیں کہ مشہور واقعات اور کہانیوں کی بنا پر جرح و تعدیل کے احکام صادر کرنے لگیں؟ امام بخاری کے ہزاروں سال بعد پیدا ہونے والوں کو تحقیق کا یہ معیار بہ خوبی معلوم ہے، لیکن امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ کسی بات کا مشہور ہونا الگ بات ہے اور اس کا صحیح ہونا الگ بات ہے۔ إنا للّٰه وإنا إليه راجعون۔ واللہ یہ چھوٹا منہ بڑی بات اور امام بخاری رحمہ اللہ کے ساتھ بے ادبی ہے۔ واللہ المستعان.

حافظ زبیر علی زئی نے کہا:

> ''اس میں کوئی شک نہیں کہ ''والمعروف'' والے الفاظ امام بخاری کا قول ہے اور اس قول کا صرف یہی مطلب ہے کہ امام بخاری کے نزدیک مشہور بات یہ ہے کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شام میں تھے اور عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان کا شام جانا مشہور نہیں۔ یہ واقعہ چوں کہ امام بخاری کی پیدائش سے پہلے ہوا ہے، لہٰذا یہ ضروری ہے کہ امام بخاری سے ابو ذر رضی اللہ عنہ تک صحیح سند پیش کی جائے[2] کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۲۵) مقالات (۶/ ۳۸۰)

[2] بعد میں ہمیں یہ بات صحیح سند سے مل گئی اور اسے مختصراً امام بخاری نے بھی صحیح بخاری میں نقل کیا ہے، جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ مکمل روایت امام بخاری تک صحیح سند سے موجود تھی۔ اسی کتاب کا صفحہ (۱۹۰۔ ۱۹۸) دیکھیں۔

شام نہیں گئے تھے۔'' [1]

ہم اوپر واضح کر چکے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے کلام میں معروف کا لفظ معلوم کے معنی میں ہے نہ کہ مشہور کے، اس کے بعد عرض ہے کہ یہی اعتراض ہماری پہلی تحریر کے وقت بھی کیا گیا تھا اور ہم نے اس کا جو جواب دیا تھا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے دوبارہ نقل کر دیں، تاکہ قارئین کو اندازہ ہوسکے کہ اس پر موصوف نے جو کچھ کہا ہے، اس میں کتنا وزن ہے؟ ملاحظہ ہو ہماری دوسری تحریر میں موجود اس اعتراض کا جواب:

''امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ اپنا قول ہے نہ کہ کسی اور کا، اس لیے سند کا مطالبہ ہی مردود ہے۔
یاد رہے کہ ائمہ نقاد کا یہ کہنا کہ فلاں نے فلاں سے سنا نہیں۔ فلاں کی فلاں سے ملاقات نہیں یا اس طرح کے فیصلے دینا حجت و دلیل کی حیثیت رکھتا ہے، چناں چہ جب ہم کسی سند کو منقطع بتلاتے ہیں تو کسی امام سے محض یہ قول نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں کہ انھوں نے کہا ہے کہ اس راوی نے فلاں راوی سے نہیں سنا، وغیرہ وغیرہ۔

''یہاں پر یہ مطالبہ نہیں کیا جاتا کہ ناقد کے اس فیصلے کی سند پیش کرو، یعنی اس نے جو یہ کہا ہے کہ فلاں نے فلاں سے نہیں سنا، اس کی سند پیش کرو۔ کیوں کہ یہ فیصلہ ایک ناقد کا ہے اور ائمہ نقد کے اس طرح کے فیصلے بجائے خود دلیل ہوتے ہیں۔ خود حافظ موصوف کی تحقیقی کتب سے ایسی مثالیں پیش کی جاسکتی ہے، جہاں سند میں انقطاع کا حکم لگایا گیا ہے اور دلیل میں کسی ناقد امام کا اپنا قول ہی پیش کیا گیا ہے۔

''بلکہ عدمِ لقا سے زیادہ نازک مسئلہ تدلیس کا ہے، یعنی کسی راوی سے متعلق ناقد کا یہ فیصلہ کرنا کہ وہ اپنے اساتذہ سے سنے بغیر روایت کر دیتا ہے۔ یہاں بھی ناقد کے قول کی سند نہیں مانگی جاتی، کیوں کہ ناقد کا فیصلہ بجائے خود دلیل ہوتا ہے۔'' [2]

الغرض ہم نے پہلے ہی دوسری تحریر میں پوری طرح واضح کیا تھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے پیش کردہ قول کی نوعیت کیا ہے، یعنی یہ قول ایک ناقد امام کا فنی نقد ہے اور ائمہ نقد کا فیصلہ حجت ہوتا ہے، لیکن ہماری اس خاص وضاحت کا موصوف نے کوئی جواب نہیں دیا، بلکہ وہی بے سند والی بات دہرادی ہے۔

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۳۳) مقالات (۶/ ۵۸۷)

[2] کیا یزید بن معاویہ سنت کو بدلنے والے تھے؟ دوسری تحریر (ص: ۲۴، ۲۵)، اسی کتاب کا صفحہ (۷۸، ۷۹) دیکھیں۔

ہماری پیش کردہ نقد کی مثالوں پر محترم زبیر علی زئی کے تبصروں کا جائزہ:

نیز ہم نے اس طرح کے نقد کی متعدد مثالیں بھی پیش کی تھیں اور حافظ زبیر علی زئی نے ان مثالوں کا بھی اصل جواب سرے سے دیا ہی نہیں، بلکہ انتہائی نامعقول تبصرے کیے ہیں، جس کی وضاحت ملاحظہ ہو۔

❁ ہم نے لکھا تھا:

''مثلاً امام ثوری رحمہ اللہ کے بارے میں حافظ زبیر علی زئی نے نقل کیا: "وقال أبو زرعه العراقي: مشهور بالتدليس"[1]

عرض ہے کہ رواۃ کی کسی خوبی کو مشہور کہا جائے یا معروف کہا جائے ایک ہی بات ہے اور اگر یہ بات کوئی ناقد کہے تو اس بات کی سند کا مطالبہ بجائے خود مردود ہے۔''[2]

یہاں پر ہماری قید ''رواۃ کی کسی خوبی'' پیشِ نظر رہے، کیوں کہ ہم یہ بات ناقدین کی طرف رواۃ کے طرزِ عمل کی ترجمانی سے متعلق کہہ رہے ہیں، یعنی ایسے موقع پر جب محدثین ''مشہور'' کا لفظ بولیں تو وہ زبان زدعام کے معنی میں نہیں ہوگا، بلکہ راوی کا ثابت شدہ طرزِ عمل بتلانا مقصود ہوگا نہ کہ یہ مطلب ہوگا کہ یہ چیز فقط مشہور یعنی زبان زد عام ہے۔ آیئے اسی چیز کو مثال سے واضح کریں اور بتلائیں کہ محدثین جب رواۃ کے طرزِ عمل کی ترجمانی کرتے ہوئے معروف یا مشہور کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے معلوم و ثابت شدہ امر مراد ہوتا ہے، چناں چہ امام مسلم رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۱ھ) نے کہا:

"إِذَا كَانَ الرَّاوِي مِمَّنْ عُرِفَ بِالتَّدْلِيسِ فِي الْحَدِيثِ، وَشُهِرَ بِهِ"[3]

''جب راوی تدلیس سے معروف ہو جائے اور اسی سے مشہور ہو جائے۔''

اس عبارت میں امام مسلم رحمہ اللہ نے معروف اور مشہور معلوم اور ثابت شدہ کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ یہاں یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ کسی راوی کے بارے میں محض یہ بات زبان زدِ عام ہو جائے کہ وہ تدلیس کرتا ہے، قطع نظر اس سے کہ فی الواقع اس سے تدلیس کا صدرو ہوا ہو یا نہیں۔ معلوم ہوا کہ محدثین جب کسی راوی کا طرزِ عمل بتلانے کے لیے معروف یا مشہور کا لفظ

[1] كتاب المدلسين (ص: ۲۱) الفتح المبين في تحقيق طبقات المدلسين (ص: ٤٠)

[2] اسی کتاب کا صفحہ نمبر (۷۸، ۷۹) دیکھیں۔

[3] صحيح مسلم (۱/ ۳۳)

استعمال کریں تو اس کا مطلب ان کے نزدیک اس بات کا ثابت شدہ ہونا ہی ہوتا ہے، بلکہ عام بول چال میں بھی بہت سارے مقامات پر معروف اور مشہور معلوم اور ثابت شدہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، بلکہ خود محترم زبیر علی زئی اپنی اسی تحریر میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

''الحارث بن عمرو تو مشہور صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہ''[1]

مودبانہ عرض ہے کہ ہم آپ کے اس جملے میں مستعمل لفظ ''مشہور'' کا کیا مطلب لیں؟ کیا یہ سمجھ لیں کہ حارث بن عمر رضی اللہ عنہما کا صحابی ہونا فضائلِ اعمال کے قصوں اور کہانیوں کی طرح مشہور بات ہے یا یہاں آپ ''مشہور'' حد درجہ معلوم اور ثابت شدہ کے معنی میں استعمال کر رہے ہیں؟ یقیناً دوسرا مطلب ہی آپ کی مراد ہے۔

الغرض معروف اور مشہور جیسے الفاظ حددرجہ معلوم اور ثابت شدہ چیز کو بیان کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں اور ناقدین محدثین جب کسی راوی کے طرزِ عمل سے متعلق اس طرح کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو ان کا مقصود قصہ و کہانی سنانا نہیں ہوتا، بلکہ ایک تحقیقی بات پیش کرنا ہوتا ہے۔ اسی تناظر میں ہم نے سفیان ثوری سے متعلق امام ابو زرعہ کا قول پیش کیا اور اس قول کے معتبر ہونے کے بارے میں سوال اٹھایا تو موصوف نے درج ذیل جواب دیا:

''سفیان ثوری کے بارے میں ابو زرعہ ابن العراقی کا قول ''مشہور بالتدلیس'' کئی وجہ سے صحیح ہے۔ مثلاً: سفیان ثوری کا مدلس ہونا ثابت ہے اور غیر مدلس ہونا ثابت نہیں۔ سفیان ثوری کے شاگردوں سے بھی ان کا مدلس ہونا ثابت ہے۔ یہ قول کسی حدیث یا کسی دلیل کے خلاف نہیں۔''[2]

عرض ہے کہ حافظ زبیر علی زئی نے ہمارے اصل نکتے کا جواب دیا ہی نہیں۔ ہمارا اصل نکتہ یہ ہے کہ امام ابو زرعہ رحمہ اللہ نے سفیان ثوری کے بارے میں جو یہ کہا ہے کہ "مشہور بالتدلیس" (سفیان ثوری تدلیس میں مشہور ہیں) تو کیا امام ابو زرعہ کا یہ نقد قابلِ قبول ہے کہ نہیں؟

حافظ زبیر علی زئی سفیان ثوری کی تدلیس پر مزید دلائل دے رہے ہیں۔ ہمیں یہ دلائل مطلوب

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۳۴) مقالات (۶/ ۵۸۸)

[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۳۴) مقالات (۶/ ۵۸۸)

نہیں ہیں، بلکہ ہمیں یہ بتلایا جائے کہ امام ابو زرعہ رحمہ اللہ کا فیصلہ بذات خود قابلِ قبول ہے یا نہیں اور حافظ زبیر علی زئی نے سفیان ثوری رحمہ اللہ کی تدلیس کے جو دیگر دلائل دیے ہیں، بالفرض اگر یہ دلائل نہ ہوتے تو کیا امام ابو زرعہ رحمہ اللہ کا فیصلہ رد کر دیا جاتا؟ ہماری اس اصل بات کا جواب دیا جائے۔

تنبیہ بلیغ:

محترم زبیر علی زئی یہاں پر لفظ ''مشہور'' کو نظرانداز کر کے سفیان ثوری کی تدلیس پر دوسرے دلائل دے رہے ہیں، لیکن شاید موصوف یہ بھول گئے کہ انھوں نے بعض مقامات پر سفیان ثوری سے متعلق کہے گئے، اسی لفظ ''مشہور'' سے استدلال بھی کیا ہے، چناں چہ موصوف اپنی ایک تحریر میں سفیان ثوری رحمہ اللہ کی تدلیس کی کثرت کو بتانے کے لیے امام ابو زرعہ کے اسی قول ''مشہور'' کو پیش کر رہے ہیں۔[1]

کیا ہم آں جناب سے پوچھ سکتے ہیں کہ جب مشہور میں عام قصے اور کہانیاں بھی ہوتی ہیں تو آپ نے اسی لفظ مشہور سے تدلیس کی کثرت پر کیسے استدلال کر لیا؟

❁ ہم نے ایک اور مثال پیش کرتے ہوئے کہا تھا:

''بلکہ امام بخاری ہی کا ایک قول حافظ موصوف "الفتح المبین" میں یوں نقل کرتے ہیں:

"وَلَا أَعْرِفُ لِسُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، وَلَا عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، وَلَا عَنْ مَنْصُورٍ، وَذَكَرَ مَشَايِخَ كَثِيرَةً لَا أَعْرِفُ لِسُفْيَانَ عَنْ هَؤُلَاءِ تَدْلِيسًا، مَا أَقَلَّ تَدْلِيسَهُ" (التمهيد: ١/ ١٨، العلل الكبير للترمذي: ٢/ ٢٦٦، الفتح المبين في تحقيق طبقات المدلسين، ص: ٤٠)

''یہاں امام بخاری رحمہ اللہ کا "ولا أعرف" کہنا اور التاریخ میں "المعروف" کہنا ایک ہی معنی میں ہے، تو کیا یہاں بھی یہ کہہ دیا جائے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا قول بے سند ہے؟''[2]

اس کے جواب میں حافظ زبیر علی زئی نے کہا:

''تنبیہ: امام بخاری کی طرف منسوب یہ قول کہ "ولا أعرف لسفیان ... تدلیساً،

---

[1] دیکھیں: علمی مقالات (٣/٣٢٣)

[2] اسی کتاب کا صفحہ نمبر (٧٩) دیکھیں۔

ما أقلَّ تدليسَه'' باسند صحیح ثابت نہیں، جیسا کہ ''الفتح المبین'' کے جدید نسخے میں اصلاح کر دی گئی ہے اور یہ نسخہ چھپنے کے لیے مکتبہ اسلامیہ پہنچ چکا ہے۔ العلل الکبیر کا بنیادی راوی ابو حامد التاجر مجہول الحال ہے۔ لہٰذا یہ کتاب ہی ثابت نہیں۔''[1]

یہاں بھی مسئلہ اس قول کے ثابت ہونے یا نہ ہونے کا نہیں ہے، بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جس اسلوب میں اپنا فیصلہ پیش کیا ہے، کیا اس اسلوب میں امام بخاری رحمہ اللہ کا فیصلہ قابلِ قبول ہے یا نہیں؟[2]

حافظ زبیر علی زئی حالیہ دنوں میں اس قول کو غیر ثابت مان رہے ہیں، لیکن جن دنوں موصوف کی نظر میں یہ قول ثابت تھا، ان دنوں مذکورہ اسلوب میں امام بخاری رحمہ اللہ کا فیصلہ آں جناب نے کیسے قبول کر لیا؟ کیا اس وقت یہ قول موصوف کی نظر میں باسند تھا اور آج بے سند ہوگیا ہے؟ یہ اصل مسئلہ ہے، اس کا جواب عنایت فرمائیں۔

واضح رہے کہ ہماری نظر میں امام ترمذی رحمہ اللہ کی یہ کتاب ثابت ہے، ہمارے ناقص علم کے مطابق اہلِ علم میں سے کسی نے بھی اس کتاب کا انکار نہیں کیا، نیز ابو حامد التاجر کو مجہول کہنا بھی غلط ہے اور کتاب کے ثبوت و عدمِ ثبوت سے متعلق علامہ البانی رحمہ اللہ نے جو اُصول پیش کیا ہے، وہی راجح ہے۔ لیکن ان سب باتوں کا ہمارے موضوع سے کوئی تعلق نہیں، اس لیے ہم ان سے صَرفِ نظر کرتے ہیں۔[3]

❁ ہم نے ایک اور مثال پیش کرتے ہوئے کہا تھا:

''اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ بہت سے رواۃ کو منکرالحدیث اور بہت سے رواۃ کو معروف الحدیث کہتے ہیں، مثلاً:

---

[1] ''الحدیث'' (ص: ۳۱ شمارہ: ۱۰۲، ص: ۲۷) رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۳۴) مقالات (۶/ ۵۸۸)

[2] یہاں پر موصوف نے تو اپنے مستدل قول کو غیر ثابت کہہ کر جان چھڑا لی، لیکن موصوف نے ایک دوسرے مقام پر ابو قلابہ کی تدلیس کا دفاع کرتے ہوئے کہا: ''امام ابو حاتم الزاری نے انھیں ثقہ کہا اور فرمایا: ''لا یعرف له تدلیس'' اس کا تدلیس کرنا معروف نہیں ہے۔ (الجرح والتعدیل: ۵/ ۵۸) معلوم ہوا کہ آپ ہرگز مدلس نہیں تھے۔'' (مسئلہ فاتحة خلف الإمام، ص: ۴۵) اب کیا اپنے اس مستدل قول کو بھی غیر ثابت کہہ کر رد کر دیا جائے گا؟

[3] اسی کتاب کا صفحہ (۳۶۳) دیکھیں۔

"اَلْوَلِيُدُ بُن عُتبَةَ الدِّمَشقِيُّ: روىٰ عَنُ مُعاوية بُن صالح، مَعروفُ الحديثِ"
(التاريخ الكبير للبخاري: ٨/ ١٥٠)

''تو کیا یہ کہہ دیا جائے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ قول بے سند ہے؟''[1]

اس کے جواب میں حافظ زبیر علی زئی نے کہا:

''ولید بن عتبہ الدمشقی مشہور ثقہ راوی ہیں۔ ان سے ابو داود، بقی بن مخلد، یعقوب بن سفیان الفارسی اور ابو زرعہ الرازی نے روایت بیان کی اور یہ سب اپنے نزدیک صرف ثقہ سے ہی روایت بیان کرتے تھے۔ ابن حبان اور ابن حجر نے توثیق کی اور ذہبی نے فرمایا: ص: دوق۔ لہٰذا یہ واقعی معروف الحدیث اور ثقہ وصدوق ہیں۔''[2]

عرض ہے کہ یہاں بھی حافظ زبیر علی زئی ہمارے اصل نکتے کا جواب نہیں دے رہے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ولید بن عتبہ کو ''معروف الحدیث'' کہا تو ان کا یہ کہنا معتبر قول ہے کہ نہیں؟ حافظ موصوف ولید بن عتبہ کی ثقاہت پیش کر رہے ہیں، جو ہمیں سرے سے مطلوب ہی نہیں، بلکہ ہمیں واضح طور پر اور صراحت کے ساتھ یہ بتلایا جائے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا اپنا قول قابلِ قبول ہے یا نہیں؟

❁ ہم نے ایک اور مثال پیش کرتے ہوئے کہا تھا:

"إبراهيم أبو إسحاق: عن ابن جريج سمع منه وكيع، معروف الحديث"[3]

''تو کیا یہ کہہ دیا جائے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ قول بے سند ہے؟''[4]

حافظ زبیر علی زئی نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا!

❁ ہم نے ایک اور مثال پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو بردہ کے نام کی وضاحت کرتے ہوئے کہا:

"الحارث بن عمرو، ويقال له: أبو بردة خال البراء، و يقال: عم البراء بن

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ نمبر (۸۰) دیکھیں۔

[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۳۴) مقالات (۶/ ۵۸۸)

[3] التاريخ الكبير للبخاري (١/ ٢٧٣)

[4] اسی کتاب کا صفحہ (۸۰) دیکھیں۔

عازب، وخال أصح، **والمعروف اسم أبي بردة: هاني بن نيار**"[1]

''تو کیا یہ کہہ دیا جائے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ قول بے سند ہے؟''[2]

اس کے جواب میں حافظ زبیر علی زئی نے کہا:

''الحارث بن عمرو تو مشہور صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہ''[3]

قارئین غور کریں کہ ہم کس وادی میں ہیں اور حافظ موصوف کس وادی میں پہنچ گئے؟ ہم ''الحارث بن عمرو'' کی نہیں، بلکہ ''ابو بردہ'' کی بات کر رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ''ابو بردہ'' کے نام کی وضاحت کرتے ہوئے، ان کا نام ''ہانی بن نیار'' بتلایا ہے اور اسے ''معروف'' کے لفظ سے پیش کیا ہے۔ قارئین خط کشید الفاظ پر دھیان دیں، اسی پر ہمارا سوال ہے کہ کیا امام بخاری رحمہ اللہ کی یہ وضاحت قابلِ قبول ہے یا نہیں؟

❁ ہم نے ایک اور مثال پیش کرتے ہوئے کہا تھا:

''اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ عبدالعزیز سے یزید کے عدمِ سماع کے بارے میں کہتے ہیں:

"و يزيد هذا غير معروف سماعه من عبد العزيز"[4]

''تو کیا یہ کہہ دیا جائے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ قول بے سند ہے؟''[5]

اس کے جواب میں حافظ زبیر علی زئی نے کہا:

''یزید بن عمرو الاسلمی (مجہول الحال) عن عبد العزیز بن عقبہ بن سلمہ (مجہول الحال) کے بارے میں اگر امام بخاری نے غیر معروف سماع فرمایا تو دوسری جگہ اس کے برعکس بھی فرمایا: یزید بن عمرو الاسلمی (سمع عبد العزیز) بن عقبہ بن سلمہ۔''[6]

''ان دونوں باتوں میں سے کون سی بات صحیح ہے؟ ہمارے نزدیک تو "التاريخ الكبير"

---

[1] التاريخ الكبير للبخاري (٢/ ٢٥٩)

[2] اسی کتاب کا صفحہ نمبر (٨٠) دیکھیں۔

[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ٣٣) مقالات (٦/ ٥٨٨)

[4] التاريخ الصغير للبخاري (٢/ ٦٥)

[5] اسی کتاب کا صفحہ نمبر (٨٠) دیکھیں۔

[6] التاريخ الكبير (٨ / ٣٥٠) رقم الحديث (٣٢٨٧)

والی یہ روایت یزید بن عمرو اور عبد العزیز دونوں مجہولوں یا مجروحوں کی وجہ سے ضعیف و مردود ہے۔''[1]

یہاں بھی حافظ زبیر علی زئی نے ہماری اصل بات کا جواب نہیں دیا۔ ہم یہاں رواۃ کی عدالت و ثقاہت یا روایت کی صحت وضعف پر بات نہیں کر رہے ہیں، بلکہ یہ سوال اُٹھا رہے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے عبدالعزیز سے یزید کے عدمِ سماع کے بارے میں جس اسلوب میں اپنا قول پیش کیا ہے، اس اسلوب میں امام بخاری رحمہ اللہ کا قول قابلِ قبول ہے یا نہیں؟

رہی بات دونوں کے مجہول الحال ہونے کی تو ہماری نظر میں یہ دونوں مجہول الحال نہیں، بلکہ دونوں کے دونوں ضعیف ہیں، لیکن ان دونوں کے ضعیف ہونے سے ہمارے اصل سوال پر کیا فرق پڑتا ہے؟ ہم تو صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جو نفیِ سماع کی بات کہی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ نفیِ سماع والا قول باسند ہے یا بے سند ہے؟ یہ مقبول ہے یا غیر مقبول ہے؟ قطع نظر اس کے کہ متعلقہ راوی ضعیف ہو یا ثقہ۔ رہی یہ بات کہ تاریخ کبیر میں امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا:

''يزيد بن عمرو الأسلمی (سمع عبد العزيز) بن عقبة بن سلمة''[2]

تو اس سے اگر حافظ موصوف یہ سمجھ رہے ہیں کہ امام بخاری نے یہاں سماع کا اثبات کیا ہے تو آپ کی سمجھ ہے، جو صرف آپ ہی کے لیے حجت ہے۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ تاریخ کبیر میں امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ بھی منہج ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کسی راوی کی کسی روایت کی بنیاد پر سماع کا تذکرہ کرتے ہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ بعض روایات میں فلاں راوی سے فلاں راوی کے سماع کا ذکر ملتا ہے، لیکن یہ واقعتاً ثابت ہے یا نہیں؟ یہ الگ مسئلہ ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ الگ سے کبھی اس کی وضاحت کرتے ہیں اور کبھی وضاحت نہیں کرتے۔

چناں چہ ایک مقام پر امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا:

''ثَعْلَبَةُ بْنُ يَزِيدَ الحِمّاني: سَمِعَ عَلِيًّا، رَوى عَنْهُ حَبِيبُ بْنُ أَبی ثَابِتٍ. يُعَدُّ فِی الْكُوفِيِّينَ. فِيهِ نَظَرٌ''[3]

[1] رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۳۴، ۳۵) مقالات (۶/ ۵۸۸، ۵۸۹)

[2] التاريخ الكبير (۸/ ۳۵۰) رقم الحديث (۳۲۸۷)

[3] التاريخ الكبير للبخاري (۲/ ۱۷٤)

”ثعلبہ بن یزید الحمانی نے علی رضی اللہ عنہ سے سنا، اس سے حبیب بن ابی ثابت نے روایت کیا، اس کا شمار کوفیوں میں سے ہوتا ہے۔ **یہ بات محلِ نظر ہے۔**“

غور کریں کہ یہاں پر امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلے سماع کا ذکر کیا، پھر اس پر تنقید بھی کی۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وأما سماعه من علي ففيه نظر، كما قال البخاري“[1]

جہاں تک ثعلبۃ بن یزید الحمانی کے علی رضی اللہ عنہ سے سننے کی بات ہے تو یہ بات محلِ نظر ہے، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے۔“

یہاں ابن عدی رحمہ اللہ امام بخاری رحمہ اللہ کے قول کی تفسیر کر رہے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے قول ”یہ بات محلِ نظر ہے“ سے مراد ثعلبۃ بن یزید الحمانی کا علی رضی اللہ عنہ سے سننے والی بات ہے اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ ثعلبۃ بن یزید الحمانی کا علی رضی اللہ عنہ سے سماع کا اثبات نہیں کر رہے ہیں، بلکہ امام بخاری اپنے قول ”انھوں نے علی رضی اللہ عنہ سے سنا“ سے یہ مراد لے رہے ہیں کہ کسی سند میں یہ بات مذکور ہے۔

علامہ عبدالرحمٰن معلّمی رحمہ اللہ کو علمِ رجال میں جو رسوخ و تبحر حاصل تھا، اس کی شہادت علمی دنیا نے متفقہ طور پر دی ہے، بلکہ انھیں ”ذہبی عصر“ کا کماحقہ خطاب دیا ہے۔ یہی علامہ و محدث معلّمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”قول البخاري في التراجم: سمع فلانا. ليس حكما منه بالسماع، وإنما هو إخبار بأن الراوي ذُكِر أنه سمع“[2]

کسی راوی کے ترجمہ میں امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ اس نے فلاں سے سنا ہے، اس سے امام بخاری رحمہ اللہ سماع کا فیصلہ نہیں کرتے ہیں، بلکہ صرف یہ خبر دیتے ہیں کہ اس راوی نے سماع کا ذکر کیا ہے۔“

علامہ عمرو عبدالمنعم سلیم فرماتے ہیں:

”علىٰ أن ما ذكره البخاري -رحمه الله- في تراجم الرواة من تاريخه من

---

[1] الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي (٢/ ٣٢٣)

[2] تعليق علىٰ الموضح للخطيب (١/ ١٢٨)

سماعهم من بعض من رووا عنهم، أو مجرد رواياتهم عنهم دون إثبات سماع، إنما هو مجرد حكاية سند الرواية، وليس كما يظن البعض أنه إذا قال في تاريخه: فلان سمع من فلان، أنه يثبت له السماع"[1]

یاد رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں رواۃ کے ترجمہ میں جو بعض رواۃ سے بعض ان رواۃ کا سماع ذکر کیا ہے، جنھوں نے ان سے روایت کی ہے یا محض بعض رواۃ کی بعض رواۃ سے مرویات کا تذکرہ کیا ہے بغیر سماع کے اثبات کے ساتھ تو یہ محض سند کی کیفیت کا بیان ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے، جیسا کہ کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ جب اپنی تاریخ میں کہیں کہ فلاں نے فلاں سے سنا ہے تو یہ کہہ کرامام بخاری رحمہ اللہ اس راوی کے لیے سماع کا اثبات کر رہے ہیں۔''

اس کے علاوہ اور بھی اہلِ علم نے اس بات کی صراحت کی ہے، لیکن زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ اصل بات سے اس چیز کا تعلق ہی نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جس اسلوب میں عدمِ سماع کی بات کہی ہے، اس اسلوب میں امام بخاری رحمہ اللہ کا قول بے سند ہے یا با سند؟ نیز یہ مقبول ہے یا غیر مقبول؟ حافظ موصوف سے گزارش ہے کہ اِدھر اُدھر کی باتوں کو چھوڑ کر ہمارے اس اصل نکتے کا جواب دیں۔

اگر ان مثالوں کے ذریعے سے حافظ موصوف ہماری اصل مراد اور اصل سوال کو سمجھنے سے قاصر ہیں تو دوٹوک لفظوں میں صرف یہی بتلا دیں کہ اگر معروف کے لفظ کے ساتھ کوئی بھی ناقد امام اپنے دور سے قبل کے کسی راوی کے بارے میں صدق و کذب یا سماع و عدمِ سماع یا اس کے طبقے یا تاریخِ پیدایش و وفات سے متعلق کوئی فیصلہ دے تو وہ قابلِ قبول ہے یا نہیں؟

نیز اس ضمن میں ہماری درج ذیل باتوں کا جواب حافظ موصوف نے بالکل نہیں دیا ہے۔

ہم نے لکھا تھا:

''الغرض امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک خاص مقام پر دوصحابہ کی عدمِ ملاقات کی جو بات کہی ہے تو اس بات کا تعلق محدثین وناقدین کے فن سے ہے، محدثین وناقدین کو یہ اتھارٹی

---

[1] حاشية علىٰ نزهة النظر (ص: ٥٧)

حاصل ہے کہ وہ دو رواۃ کے مابین عدمِ سماع یا عدمِ معاصرت یا عدمِ لقا کی صراحت کریں اور محدثین کے اس طرح کے اقوال کی بنیاد محدثین کی فنی مہارت ہوتی ہے، لہٰذا محدثین اپنے فن کی بات کہیں تو یہ حجت ہے۔ یہاں محدثین سے سند کا مطالبہ مردود ہے۔

''اسی طرح ناقدین جب اپنے دور سے قبل کے رواۃ کی تاریخِ پیدائش یا تاریخِ وفات بتلائیں، یعنی یہ بتلائیں کہ یہ فلاں شخص کی موت کے بعد پیدا ہوا، یہ فلاں کے پیدا ہونے سے پہلے فوت ہوگیا، یا طبقہ بتلائیں تو یہ حجت ہے، کیوں کہ ناقدین کا یہ فیصلہ ان کے فن کا ہے۔ ایسے اقوال میں یہ مطالبہ کہ فلاں راوی کی تاریخِ وفات یا تاریخِ پیدائش یا طبقے کی سند صحیح بھی بتلائیں تو یہ مطالبہ ہی مردود ہے۔ ورنہ ہم بھی حافظ موصوف سے مطالبہ کرتے ہیں کہ **آں جناب نے جہاں جہاں بھی سند کے انقطاع پر ناقدین کے حوالے سے تاریخِ وفات یا تاریخِ پیدائش کے اقوال پیش کیے ہیں، ان اقوال کی سند صحیح پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اقوال میں جو بات ہے، اس کی بھی سند صحیح پیش کریں!**

''اگر اس طرح کے اقوال میں براہِ راست ناقدین سے سند کا مطالبہ درست ہے تو ہمارا دعویٰ ہے کہ عام کتبِ احادیث تو دور کی بات سنن اربعہ کی کوئی ایک حدیث بھی صحیح یا ضعیف ثابت نہیں کی جاسکتی۔ کیوں کہ رواۃ کے تعارف میں ناقدین کے جو اقوال پیش کیے جائیں گے تو یہاں دو طرح کی سند کا مطالبہ کیا جائے گا:

اول: ناقد کا جو فیصلہ ہے، وہ اس کی کتاب سے یا کسی اور کتاب سے بسند صحیح پیش کیا جائے۔

دوم: ناقد کے اپنے فیصلے میں جو بات ہے، مثلاً یہ کہ فلاں کذاب ہے یا فلاں کی فلاں سے ملاقات نہیں اور یہ فلاں ناقد کے زمانے کا نہ ہو یا ہو بھی تو کذاب کہنے کی بھی دلیل، اسی طرح عدمِ لقا یا عدمِ سماع کی بھی دلیل وغیرہ وغیرہ جیسی تمام باتوں کی بھی سند صحیح پیش کرنی ہوگی۔

''میرے خیال سے اس <u>اصول کے تحت</u> دیگر کتب تو دور کی بات سنن اربعہ ہی سے کسی ایک بھی حدیث کو صحیح یا ضعیف ثابت کرنا ناممکن ہے اور اگر ممکن ہے تو ہمیں صرف ایک حدیث کی تحقیق ناقدین سے بسند صحیح ثابت اقوال نیز ناقدین کے اقوال میں جو بات

ہے، اس کی بھی سند صحیح پیش کر کے دکھلایا جائے.... بارك الله فيكم"[1]

ان تمام باتوں کا محترم زبیر علی زئی نے کوئی جواب نہیں دیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی تعلیل کا انتہائی غیر معقول جواب:

گذشتہ سطور میں ہم نے واضح کر دیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا نقد اور ان کی تعلیل مسلم ہے، انھوں نے کوئی قصہ کہانی نہیں سنائی ہے، بلکہ اپنے فن میں ایک ذمے دارانہ کلام کیا ہے جو حجت ہے، اس پر کسی طرح کے اعتراض کی کوئی گنجایش نہیں، نیز ان تمام باتوں کا تعلق امام بخاری رحمہ اللہ کے قول میں موجود صرف اثبات کے پہلو سے ہے اور جیسا کہ ہم ماقبل میں یہ بھی واضح کر چکے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے قول میں اثبات کا پہلو ہونے کے ساتھ ساتھ انکار کا بھی پہلو ہے اور اس انکار والے پہلو کا جواب دینے والے کے لیے لازم ہے کہ کوئی پختہ ثبوت پیش کرے، ورنہ امام بخاری رحمہ اللہ کا انکار حجت ومعتبر ہوگا۔

افسوس کہ محترم زبیر علی زئی امام بخاری کے قول کے اس دوسرے پہلو کو گول کر گئے اور قارئین کو صرف یہ تاثر دیا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی بات ثابت شدہ نہیں ہے اور پھر امام بخاری رحمہ اللہ کے قول کو غیر ثابت شدہ کہنے کے ساتھ ساتھ اسی کا جواب بھی دیا ہے، جس سے یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ یہ جواب غیر ثابت شدہ چیز کا ہے، اس لیے یہ ثانوی حیثیت کا حامل ہے اور اصلاً اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ حالاں کہ یہ جواب ثانوی حیثیت کا نہیں، بلکہ یہ مستقلاً مطلوب ہے، کیوں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے قول میں اثبات کے ساتھ ساتھ انکار کا بھی پہلو ہے اور انکار والے پہلو کو غیر ثابت شدہ، مشہور، بے سند وغیرہ کہنے کی سرے سے کوئی گنجایش ہی نہیں، بلکہ اس کا جواب مستقلاً مطلوب ولازم ہے اور محترم زبیر علی زئی کے پاس اس انکار والے پہلو کا کوئی جواب سرے سے ہے ہی نہیں، اسی لیے موصوف نے اس انکار والے پہلو کو بھی اثبات والے پہلو میں چھپا کر ایک سانس میں سب کو بے سند کہہ دیا اور اس کے جواب کو ثانوی حیثیت بنا دیا، تاکہ قارئین کو لگے کہ یہ اصل جواب نہیں ہے، اس لیے اس میں بے سند بات بھی پیش کر دی جائے تو مضائقہ نہیں۔ چناں چہ موصوف نے اس جواب میں امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی کتاب سے بے سند بات پیش کر کے اپنی بے بسی کا

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ نمبر (۸۰، ۸۱) دیکھیں۔

ثبوت دیا اور دوسرا کام یہ کیا کہ یہی روایت جو زیر بحث ہے جس پر امام بخاری رحمہ اللہ کا نقد ہے، عین اسی روایت کو دوسری کتاب سے پیش کرکے اسے امام بخاری رحمہ اللہ کے نقد کا جواب بنانے کی انتہائی نامعقول کوشش کی ہے، جو عام طلبہ کے لیے بھی بالکل مضحکہ خیز ہے۔

اب آیئے ہم حافظ موصوف کے اس جواب کا جائزہ لیتے ہیں، جسے حافظ موصوف نے امام بخاری رحمہ اللہ کے نقد اور ان کی تعلیل کے خلاف پیش کیا ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ محترم زبیر علی زئی اس پوزیشن میں ہیں ہی نہیں کہ وہ امام بخاری رحمہ اللہ کی بیان کردہ علت کو چیلنج کرسکیں، بلکہ علت کو چیلنج کرنا تو بہت دور کی بات؛ محترم زبیر علی زئی اس بات کے بھی مجاز نہیں کہ امام بخاری کے قول ''والحدیث معلول'' کے خلاف ایک حرف بھی کہنے کی جسارت کریں، کیوں کہ امام بخاری رحمہ اللہ ان عظیم المرتبت ائمہ حدیث میں سے ہیں جن کی بابت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی صراحت گزر چکی ہے کہ یہ ائمہ اگرکسی حدیث کو معلول کہہ دیں تو ان کا معلول کہنا ہی کافی ہوتا ہے، خواہ وہ معلول کہنے کی وجہ بیان کریں یا نہ کریں اور بسا اوقات یہ ائمہ معلول کہنے کی وجہ نہیں بیان کر پاتے، جس طرح جوہری کا معاملہ ہے کہ وہ کسی سونے جیسی چیز سے متعلق یہ فیصلہ کر دیتا ہے کہ یہ کھوٹا ہے، لیکن اس کی وجہ نہیں بیان کرسکتا۔ یہی معاملہ ماہرینِ فن ائمہ نقد کا بھی ہے اور بہرصورت ان کا فیصلہ حجت ہے۔

اس وضاحت کے بعد ملاحظہ فرمائیں کہ محترم زبیر علی زئی کس بات کی کوشش کر رہے ہیں؟ جی ہاں موصوف امام بخاری رحمہ اللہ کی بیان کردہ علت کا جواب دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔

مودبانہ عرض ہے کہ محترم یہ آپ کا کام سرے سے ہے ہی نہیں، اللہ کے واسطے آپ خود کو اتنے بڑے کام کے لیے تکلیف نہ دیں۔ یہ چیز آپ کے دائرہ کار سے باہر ہے۔ آپ اس بات کے قطعاً اہل نہیں کہ کوئی امامِ فن کسی حدیث کو معلول کہہ دے اور اس کی علت بیان کرے تو آپ اس کی بیان کردہ علت کو غلط ثابت کرنے بیٹھ جائیں۔ یہ بالکل لایعنی اور بے سود کام ہے، کیوں کہ آپ ثابت بھی کرلے جائیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کو معلول کہنے کی کوئی صحیح وجہ بیان نہیں کی ہے تو بھی اس سے امام بخاری رحمہ اللہ کے فیصلے پر کوئی فرق پڑنے والا نہیں ہے، کیوں کہ محدثین کہہ چکے ہیں کہ ماہرفن امام کبھی کبھی حدیث کو معلول تو کہہ دیتا ہے، مگر اس کی صحیح وجہ بیان نہیں کرسکتا۔

اس اصولی بات کی وضاحت کے بعد آیئے یہ بھی دیکھتے چلیں کہ محترم زبیر علی زئی نے امام بخاری رحمہ اللہ کی بیان کردہ علت کا جو جواب دیا ہے، اس میں کتنا وزن ہے؟

تو عرض ہے کہ آں محترم نے امام بخاری رحمہ اللہ کے نقد کے خلاف دو جواب پیش کیے ہیں۔

امام بخاری کے نقد پر محترم زبیر علی زئی کا پہلا جواب اور اس کا جائزہ:

محترم زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

''امام بخاری کے مذکورہ قول کی تردید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام ابویعلیٰ نے فرمایا:

حدثنا محمد بن إسماعيل بن أبي سمينة ثنا عبد الوهاب عن عوف عن المهاجر أبي مخلد عن أبي العالية ثنا أبو مسلم قال: كان أبو ذر بالشام زمن يزيد بن أبي سفيان فغزا المسلمون فعنموا و أصابوا جارية نفيسة فصارت لرجل من المسلمين في سهمه ... فذكر نحوه"

(المطالب العالية: ٨/ ٦٤٥، ٢/ ٤٤٥٩)

''محمد بن اسماعیل بن ابی سمینہ صحیح بخاری وغیرہ کے راوی اور ثقہ ہیں۔ (دیکھیں: تقریب التہذیب: ۵۷۳۳) لہٰذا یہ سند بھی حسن لذاتہ ہے۔اس روایت سے صاف ثابت ہوا کہ یزید بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں ابو ذر (رضی اللہ عنہ) شام میں موجود تھے، لہٰذا ہر قسم کے معروف اور غیر معروف کا اعتراض سرے سے ہی ختم ہو گیا۔''[1]

موصوف نے مزید لکھا:

''اگر صحیح سند موجود نہیں تو پھر امام بخاری کا یہ قول اس صحیح (حسن لذاتہ) حدیث کے خلاف ہے، جس میں آیا ہے کہ "كان أبو ذر بالشام زمن يزيد بن أبي سفيان" یعنی ابو ذر رضی اللہ عنہ یزید بن ابی سفیان کے زمانے میں شام میں تھے۔ ظاہر ہے کہ صحیح حدیث کے مقابلے میں امام بخاری ہوں یا کوئی اور امام، ان کا قول حجت نہیں رہتا اور صحیح حدیث حجت رہتی ہے۔''[2]

---

[1] رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۲۵، ۲۶) مقالات (۶/ ۳۸۰، ۳۸۱)

[2] رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۳۳، ۳۴) مقالات (۶/ ۵۸۷، ۵۸۸)

ان الفاظ میں حافظ موصوف نے امام بخاری رحمہ اللہ کی جرح کا جواب دینے کی کوشش کی ہے اور وہ اس طرح کہ موصوف امام بخاری کے فیصلے کے خلاف بزعم خویش ایک صحیح (حسن لذاتہ) روایت پیش کر رہے ہیں، جس میں مروی ہے کہ ''كان أبو ذر بالشام زمن يزيد بن أبي سفيان'' یعنی ابو ذر رضی اللہ عنہ یزید بن ابی سفیان کے زمانے میں شام میں تھے۔

سب سے پہلے تو یہ وضاحت کر دی جائے کہ موخر الذکر اقتباس میں خط کشیدہ مقام پر حافظ موصوف نے جو ''صحیح حدیث'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں، اس سے کوئی یہ قطعاً نہ سمجھے کہ حافظ صاحب کسی حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کر رہے ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کوئی حدیثِ رسول نہیں، بلکہ ایک عام (تاریخی) روایت ہے، جسے حافظ موصوف صحیح حدیث کے نام سے پیش کر رہے ہیں اور عام صحیح روایات پر بھی صحیح حدیث کا اطلاق ہوتا ہے، ہمیں اس سے انکار نہیں، لیکن عام قارئین کو مغالطے میں پڑنے سے بچانے کے لیے ہم یہ وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ حدیث رسول نہیں، بلکہ ایک (تاریخی) روایت ہے۔[1]

اس کے بعد عرض ہے کہ یہ روایت بھی کوئی دوسری روایت نہیں ہے، بلکہ عین وہی روایت ہے جو معرضِ تنقید ہے اور جس پر امام بخاری رحمہ اللہ نقد فرما رہے ہیں اور جس پر بحث کر رہے ہیں، افسوس کہ حافظ موصوف نے محض ادھوری روایت پیش کر کے قارئین کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ یہ کوئی علاحدہ صحیح حدیث ہے، جو امام بخاری کے فیصلے کے خلاف ثبوت فراہم کرتی ہے، حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کوئی علاحدہ صحیح حدیث ہرگز نہیں، بلکہ عین وہی روایت ہے، جس پر امام بخاری رحمہ اللہ نے نقد کیا ہے۔ آیئے ہم حافظ موصوف کی پیش کردہ روایت کو مکمل الفاظ میں دیکھتے ہیں:

امام بوصیری رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۴۰ھ) نے کہا:

''رَوَاهُ أَبُو يَعْلَىٰ الْمَوْصِلِيُّ: ثَنَا (مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى) ثنا عَبْدُ الْوَهَّابِ، ثنا عَوْفٌ، عَنِ الْمُهاجر أبي مخلد، ثنا أبو العالية، ثنا أبو مسلم قال: كان أبو ذر بالشام زمن يزيد بن أبي سفيان، فغزا الْمُسْلِمُونَ فَغَنِمُوا وَأَصَابُوا جَارِيَةً نَفِيسَةً فَصَارَتْ لِرَجُلٍ من المسلمين في سهمه...'' فذكره بتمامه

[1] البتہ امام بخاری رحمہ اللہ کے موقف پر صحیح حدیثِ رسول پیش کی جاسکتی ہے۔ اسی کتاب کا صفحہ (۱۹۳۔۱۹۴) دیکھیں۔

نوٹ:

امام بوصیری رحمہ اللہ نے سند تو مکمل نقل کی ہے، لیکن سند کے ساتھ جو متن تھا، اسے مکمل نقل نہیں کیا، بلکہ مکمل متن کے لیے امام بوصیری رحمہ اللہ نے اسی کتاب میں اس سے پہلے ذکر کردہ حدیث کے متن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "فذکرہ بتمامه" یعنی اس کے بعد راوی نے آگے گذشتہ روایت کے پورے الفاظ ذکر کیے ہیں۔ اب ہم گذشتہ روایت کو مکمل دیکھتے ہیں کہ گذشتہ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"(لَمَّا كان يَزِيدَ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ أَمِيرًا بِالشَّامِ قَالَ: غزا المسلمون فسلموا وغنموا، فَكَانَ فِي غَنِيمَتِهِمْ جَارِيَةٌ نَفِيسَةٌ، فَصَارَتْ لِرَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ) فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ يَزِيدُ فَانْتَزَعَهَا مِنْهُ، وأبو ذَرٍّ يَوْمَئِذٍ بِالشَّامِ قَالَ: فَاسْتَعَانَ الرَّجُلُ بِأَبِي ذَرٍّ عَلَى يَزِيدَ فَانْطَلَقَ مَعَهُ، فَقَالَ لِيَزِيدَ: رُدَّ عَلَيْهِ جَارِيَتَهُ فتلكأ ثلاث مرار، فَقَالَ أَبُو ذَرٍّ: أَمَا وَاللَّهِ لَئِنْ فَعَلْتَ لَقَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: أَوَّلُ مَنْ يَتْرُكُ سُنَّتِي رَجُلٌ مِنْ بَنِي أُمَيَّةَ. قَالَ: ثُمَّ وَلَّى عَنْهُ، فَلَحِقَهُ يَزِيدُ فَقَالَ: أُذَكِّرُكَ بِاللَّهِ أَنَا هُوَ؟ قَالَ: اللَّهُمَّ لَا، وَرَدَّ عَلَى الرَّجُلِ جَارِيَته" [1]

ابومسلم کہتے ہیں کہ صحابیِ رسول ابو ذر رضی اللہ عنہ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے عہد (عہدِ امارت) میں شام میں تھے تو مسلمانوں نے جہاد کیا، پس انھیں مال غنیمت حاصل ہوا اور انھیں ایک خوبصورت لونڈی ملی جو مجاہدین میں سے ایک مجاہد کے حصے میں آ گئی تو صحابیِ رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (جو فوج کے کمانڈر تھے، انھوں) نے ایک آدمی کو اس مجاہد کے پاس بھیجا اور اس سے اس خوبصورت لونڈی کو چھین لیا۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ ان دنوں شام میں تھے تو یہ مجاہد ابو ذر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے خلاف ان سے مدد مانگی تو ابو ذر رضی اللہ عنہ اس مجاہد کے ساتھ گئے اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس مجاہد کو اس کی لونڈی واپس کر دو، لیکن یزید بن سفیان رضی اللہ عنہ نے ٹال دیا۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ نے تین بار ان سے یہی کہا اور تینوں بار یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے ٹال دیا تو ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا:

[1] إتحاف الخيرة المهرة للبوصيري (٨/ ٨٥) أيضا (٥/ ١٨٨۔ ١٨٩)

بہتر ہے جیسا کہا جا رہا ہے، ویسا کرو، کیوں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: میری سنت کو سب سے پہلے جو شخص بدلے گا، وہ بنو اُمیہ کا شخص ہوگا اور یہ کہہ کر ابو ذر رضی اللہ عنہ وہاں سے جانے لگے، پھر صحابیِ رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ان سے جا ملے اور کہا: میں تمھیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں: کیا وہ شخص میں ہی ہوں؟ تو ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں۔ اس کے بعد یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے اس مجاہد کو اس کی لونڈی واپس کر دی۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) نے کہا:

"وَقَالَ أَبُو يَعْلىٰ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي سَمِينَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، عَنْ عَوْفٍ، عَنِ الْمُهَاجِرِ أَبِي مَخْلَدٍ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، حَدَّثَنَا أَبُو مُسْلِمٍ، قَالَ: كَانَ أَبُو ذَرٍّ رضی اللہ عنہ بِالشَّامِ زَمَنَ يَزِيدَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ، فَغَزَا الْمُسْلِمُونَ، فَغَنِمُوا وَأَصَابُوا جَارِيَةً نَفِيسَةً، فَصَارَتْ لِرَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فِي سَهْمٍ..." فَذَكَرَ نَحْوَه

نوٹ:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے سند تو مکمل نقل کی ہے، لیکن سند کے ساتھ جو متن تھا اسے مکمل نقل نہیں کیا، بلکہ مکمل متن کے لیے "فَذَكَرَ نَحْوَهُ" کہہ کر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی کتاب میں اس سے پہلے ذکر کردہ حدیث کے متن کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس سے پہلے والی روایت کا متن یہ ہے:

(لما كان يزيد بن أبي سفيان أميرا بالشام، غزا المسلمون، فسلموا وغنموا، وكان في غنيمتهم جارية نفيسة، فصارت لرجل من المسلمين)، فأرسل إليه يزيد، فانتزعها منه، وأبو ذر رضی اللہ عنہ يومئذ بالشام، فاستعان الرجل بأبي ذر رضی اللہ عنہ علىٰ يزيد، فانطلق معه، فقال ليزيد: رد عليه جاريته، فتلكأ ثلاث مرات، فقال أبو ذر رضی اللہ عنہ: أما والله لئن فعلت، لقد سمعت رسول الله ﷺ، يقول: إن أول من يبدل سنتي لرجل من بني أمية، ثم ولىّٰ عنه، فلحقه يزيد، فقال: أذكرك بالله تعالىٰ: أنا هو؟ قال: اللهم لا، ورد علىٰ الرجل جاريته"[1]

[1] المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية (٤/ ٤٥٦-٤٥٧)

ابومسلم کہتے ہیں کہ صحابی رسول ابو ذر رضی اللہ عنہ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے عہد (عہدِ امارت) میں شام میں تھے تو مسلمانوں نے جہاد کیا، پس انھیں مالِ غنیمت حاصل ہوا اور انھیں ایک خوبصورت لونڈی ملی، جو مجاہدین میں سے ایک مجاہد کے حصے میں آ گئی تو صحابی رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (جو فوج کے کمانڈر تھے، انھوں) نے ایک آدمی کو اس مجاہد کے پاس بھیجا اور اس سے اس خوبصورت لونڈی کو چھین لیا۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ ان دنوں شام میں تھے تو یہ مجاہد ابو ذر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے خلاف ان سے مدد مانگی تو ابو ذر رضی اللہ عنہ اس مجاہد کے ساتھ گئے اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس مجاہد کو اس کی لونڈی واپس کر دو، لیکن یزید بن سفیان رضی اللہ عنہ نے ٹال دیا۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ نے تین بار ان سے یہی کہا اور تینوں بار یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے ٹال دیا تو ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا: بہتر ہے جیسا کہا جا رہا ہے، ویسا کرو، کیوں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: میری سنت کو سب سے پہلے جو شخص بدلے گا، وہ بنو اُمیہ کا شخص ہوگا اور یہ کہہ کر ابو ذر رضی اللہ عنہ وہاں سے جانے لگے، پھر صحابی رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ان سے جا ملے اور کہا: میں تمھیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں: کیا وہ شخص میں ہی ہوں؟ تو ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں۔ اس کے بعد یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے اس مجاہد کو اس کی لونڈی واپس کر دی۔"

غور کریں کہ محترم زبیر علی زئی نے امام بخاری کے فیصلے کے خلاف جس روایت کو پیش کیا ہے، وہ بالکل وہی روایت ہے جس پر امام بخاری رحمہ اللہ نقد کر رہے ہیں اور جس پر ہم بحث کر رہے ہیں، اس کی سند بھی وہی ہے اور مضمون بھی وہی ہے۔ حافظ موصوف نے بس اتنا کیا کہ اسی روایت کو ایک دوسری کتاب سے پیش کر دیا اور قارئین کو یہ تاثر دیا کہ یہ کوئی علاحدہ روایت ہے، جس سے ابو ذر رضی اللہ عنہ کا صحابیِ رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے دور میں شام میں ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اب قارئین خود فیصلہ کریں کہ کیا یہ انتہائی عجیب و غریب بات نہیں ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ جس روایت پر نقد کر رہے ہیں، عین اسی روایت کو دوسری کتاب سے پیش کر کے یہ باور کرایا جائے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے دعوے کے خلاف ثبوت مل رہا ہے؟

یہ تو بالکل وہی مثال ہوئی کہ بریلویوں کی کتاب ''فیضانِ سنت'' میں جو یہ لکھا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے خواب میں اس کتاب کو پسند فرمایا ہے۔ اب کوئی اہلِ حدیث اس بات کا انکار کرے تو اس انکار پر کوئی بریلوی اسی کتاب کا دوسرا اڈیشن لاکر یہ کہے: دیکھو اس میں تمھارے دعوے کے خلاف ثبوت موجود ہے!!

محترم زبیر علی زئی سے درخواست ہے کہ زیرِ بحث روایت کو پہلے صحیح تو ثابت کریں، اس کے بعد اسے بطورِ دلیل پیش کریں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے خاص اس روایت پر جرح کی ہے، لہٰذا جب تک آپ اس جرح کا ازالہ دیگر ائمہ نقد کے حوالوں سے پیش نہ کر دیں، تب تک یہ روایت جرح کی زد سے باہر نہیں نکل سکتی اور جب تک یہ روایت جرح کی زد سے باہر نہیں نکل سکتی، تب تک یہ صحیح بھی نہیں ہوسکتی۔ اس لیے آں جناب پہلے اس روایت کو جرح کی زد سے نکالیں اور اس پر کی گئی جرح کا ازالہ پیش کریں، ورنہ یہ روایت صحیح ثابت نہیں ہوسکے گی، بلکہ ضعیف ہی رہے گی اور ضعیف روایت کو صحیح ثابت کرنے سے پہلے ہی بطورِ دلیل پیش کرنا، بلکہ اس پر کی گئی جرح ہی کے جواب میں پیش کر دینا انتہائی نامعقول بات ہونے کے ساتھ ساتھ حد درجہ مضحکہ خیز بھی ہے۔ اس طرح کے طرزِ عمل کی امید تو عام طلبا سے بھی نہیں ہے، پھر معلوم نہیں محترم زبیر علی زئی کیوں کر اس طرح کے جواب پر مجبور ہوئے؟!

امام بخاری کے نقد پر محترم زبیر علی زئی کا دوسرا جواب اور اس کا جائزہ:

حافظ زبیر علی زئی نے کہا ہے:

''حافظ ابن عبدالبر نے بھی لکھا ہے: "ثم خرج بعد وفاة أبي بكر رضي الله عنه إلیٰ الشام، فلم يزل بها حتى ولي عثمان رضي الله عنه" (الإستيعاب: ١/ ١٥٥، جندب بن جنادہ) پھر آپ (ابو ذر رضی اللہ عنہ) ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد شام تشریف لے گئے تو عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بننے تک وہیں رہے۔''[1]

اولاً: بے سند بات:

محترم زبیر علی زئی ہر جگہ تو صحیح سند کا مطالبہ کرتے ہیں، لیکن یہاں آں جناب کی بے بسی کا

[1] رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ٢٦) مقالات (٦/ ٣٨١)

حال یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک ثابت شدہ بات کے خلاف ایسی بات پیش کر رہے ہیں، جس کا ثابت ہونا یا باسند صحیح ہونا تو دور کی بات؛ اس کی سرے سے کوئی سند ہی نہیں ہے۔

پھر موصوف نے اس بات کو بھی نظر انداز کر دیا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے نزدیک ایک ثابت شدہ چیز پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ایک چیز کا انکار بھی کیا ہے اور جب کوئی محدث کسی چیز کا انکار کرے تو اس کے جواب میں بے سند بات پیش کرنا بہت بڑا عجوبہ ہے۔ محترم اگر آپ کو امام بخاری رحمہ اللہ کا انکار قابلِ قبول نہیں تو اس کے جواب میں کوئی باسند اور ثابت شدہ بات پیش کریں۔ ایک بے سند اور بے اصل بات کو لے کر امام العلل امام بخاری رحمہ اللہ کے نقد و انکار کو چیلنج کرنا بہت بڑی جسارت اور غیر محمود طرز عمل ہے۔

ثانیاً: قدیم حوالے میں اس کے برعکس بات:

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۶۳ھ) کی وفات سے ایک سو چھیالیس سال قبل وفات پانے والے امام ابو القاسم بغوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۷ھ) نے کہا:

”بلغني أن أبا ذر كان ينزل المدينة فلما قتل عمر رضي الله عنه تحول إلى الشام ثم قدم المدينة علىٰ عهد عثمان رضي الله عنه“[1]

”مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ مدینے میں قیام کیا کرتے تھے، لیکن جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو ابو ذر رضی اللہ عنہ شام منتقل ہوگئے، پھر عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے دور میں دوبارہ مدینہ آئے۔“

امام بغوی رحمہ اللہ کے اس قدیم قول سے معلوم ہوا کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ کی شام منتقلی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد نہیں، بلکہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہوئی، اس قدیم حوالے کے بہت عرصہ بعد پیدا ہونے والے امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا حوالہ قطعاً غیر مسموع ہے۔

ثالثاً: استیعاب ہی سے دوسرا حوالہ:

خود حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بھی اسی کتاب میں یہ بھی کہا ہے:

”له حديث واحد، أنه سمع النبي صلی اللہ علیہ وسلم يقول: « الجائر من الولاة تلتهب

[1] معجم الصحابة للبغوي (١/ ٥٣٣)

به النار التهابًا» في حديث ذكره، اختصرته، رواه عنه أبو هلال مُحَمَّد بن سليم الراسبي، ذكره ابن أبي شيبة وغيره"[1]

''بشر بن عاصم کی ایک روایت ہے، جس میں اس نے اللہ کے نبی ﷺ سے سنا ہے۔ یہ روایت کرتا ہے کہ والیوں میں سے جو ظالم ہوگا، وہ آگ میں بری طرح جلے گا۔ یہ اس کی روایت کردہ حدیث کا ایک ٹکڑا ہے، جسے میں نے مختصر ذکر کیا ہے۔ اس سے اس روایت کو ابو ہلال محمد بن سلیم راسبی نے بیان کیا ہے، اسے امام ابن ابی شیبہ وغیرہ نے نقل کیا ہے۔''

عرض ہے کہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ابن ابی شیبہ وغیرہ کی جس روایت کو مختصراً نقل کیا ہے، اس میں اس بات کا ذکر ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ابو ذر رضی اللہ عنہ مدینے ہی میں تھے نہ کہ شام میں۔ ابن ابی شیبہ کی یہ روایت "مسند ابن أبي شيبة" (٢/ ٨٧) میں ہے۔

- نیز اسی روایت کو عبد بن حمید نے دوسری سند سے روایت کیا ہے۔[2]
- نیز امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسے ایک تیسری سند سے روایت کیا ہے۔[3]
- نیز امام طبرانی رحمہ اللہ نے اسے ایک چوتھی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔[4]

اس کے علاوہ اس کی اور بھی سندیں اور طرق ہیں، بلکہ یہ مسند رویانی میں بھی ہے، جیسا کہ ابن مبرد حنبلی (المتوفی: ۹۰۹ھ) نے محض الصواب فی فضائل امیر المومنین عمر بن الخطاب میں ذکر کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ سے متعلق امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے دو متضاد باتیں ذکر کی ہیں۔ ایک جگہ بغیر کسی حوالے کے یہ ذکر کیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد یہ شام چلے گئے اور پھر عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے دور میں واپس آئے، جب کہ دوسری جگہ ایسی روایت کا حوالہ دیا، جس میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ابو ذر رضی اللہ عنہ کو مدینے ہی میں بتلایا گیا ہے۔

رابعاً: بے سند کے خلاف باسند روایات:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ہی ابو ذر رضی اللہ عنہ کے شام جانے سے متعلق حافظ ابن

[1] الإستيعاب لابن عبد البر (١/ ١٧٢)
[2] دیکھیں: المنتخب من مسند عبد بن حميد. ت: صبحي السامرائي (ص: ١٦٠) رقم الحديث (٤٣٠)
[3] دیکھیں: شعب الإيمان (٩/ ٤٨٧)
[4] المعجم الكبير للطبراني (٢/ ٣٨ ـ ٣٩) رقم الحديث (١٢١٩)

عبدالبر رحمہ اللہ نے جو بات کہی ہے، وہ بے سند و بے حوالہ ہے، جبکہ دیگر باسند روایات میں یہ ملتا ہے کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں مدینے ہی میں تھے۔ اس سلسلے کی ایک روایت کا حوالہ اوپر گزر چکا ہے، اس کے علاوہ ملاحظہ کریں:

❁ **امام ابوبکر محمد بن الحسین الآجری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۰ھ) نے کہا:**

”حدثنا أبو بكر عبد الله بن محمد بن عبد الحميد الواسطي قال: حدثنا هارون بن عبد الله البزاز قال: حدثنا سيار بن حاتم قال: حدثنا جعفر بن سليمان قال: حدثنا المعلى بن زياد، عن الحسن قال: بينما عمر بن الخطاب رضي الله عنه آخذا بيد أبي ذر رحمه الله إذ غمزها، فقال له أبو ذر: مه يا قفل الإسلام أوجعتنى فقال: ما هذا يا أبا ذر؟ فقال: يا أمير المؤمنين، تذكر يوم كذا وكذا؟ يذكره إذ أقبلت فأشرفت علىٰ الوادى؛ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لن تصيبكم فتنة ما كان هذا بين أظهركم. فأنت قفل الإسلام يا عمر“[1]

❁ **امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۷۱ھ) نے کہا:**

”أخبرنا أبو غالب وأبو عبدالله ابنا البنا قالا: أنا أبو الحسين بن الآبنوسي أنا أبو الطيب عثمان بن عمرو بن المنتاب نا يحيىٰ بن محمد بن صاعد نا الحسين بن الحسن بن حرب نا ابن المبارك أنا رشدين بن سعد عن عبدالله بن الوليد عن وائل المدني أنه حدث عن نجدة، وكان مولى لعمر بن الخطاب عن عمر أنه كان في سوق المدينة يوما فطأطأ رأسه فأخذ شق تمرة فمسحها من التراب، ثم مر أسود، عليه قربة، فمشى إليه عمر، وقال: اطرح هذه في فيك. فقال له أبو ذر: ما هذه يا أمير المؤمنين؟ قال: هذه أثقل أو ذرة؟ قال: بل هذه أثقل من ذرة. قال: فهل فهمت ما أنزل الله في سورة النساء: ﴿**إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَ إِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَ يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا**﴾ كان بدء الأمر مثقال ذرة، وكان عاقبته أجرا عظيما“[2]

---

[1] الشريعة للآجري (٤/ ١٩١١) رقم الحديث (١٣٨٨)

[2] تاريخ دمشق لابن عساكر (٤٤/ ٣١٤)

ان دونوں روایات میں ابو ذر رضی اللہ عنہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہہ رہے ہیں کہ اے امیر المومنین! اس سے پتا چلا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ابو ذر رضی اللہ عنہ مدینے ہی میں تھے۔

❁ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰ھ) نے کہا:

"أخبرنا يزيد بن هارون قال: أخبرنا أبو أمية بن يعلىٰ عن سالم أبي النضر قال: لما كثر المسلمون في عهد عمر، ضاق بهم المسجد فاشترىٰ عمر ما حول المسجد من الدور ... فجاء يقوده حتى أدخله المسجد فأوقفه علىٰ حلقة من أصحاب رسول اللهﷺ، فيهم أبو ذر، فقال: إني نشدت الله رجلا سمع رسول اللهﷺ يذكر حديث بيت المقدس حين أمر الله داود أن يبنيه إلا ذكره. فقال أبو ذر: أنا سمعته من رسول اللهﷺ"[1]

ان تمام روایات میں اس بات کا ذکر ہے کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں مدینے ہی میں تھے۔ یہ تمام روایات اگرچہ ضعیف ہیں، لیکن باسند ہیں، جبکہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی ذکر کردہ بات بے سند و بے اصل ہے، لہٰذا یہ باسند روایات ابن عبدالبر کی ذکر کردہ بے سند بات سے زیادہ قوی ہیں اور زیادہ قوی ضعیف روایات کو بے اصل یا کم قوی روایات کے خلاف پیش کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے کہا ہے اور ایک مقام پر ایسا کیا بھی ہے۔[2]

خامساً: بے سند کے خلاف بسند صحیح روایت:

صرف باسند ہی نہیں، بلکہ بعض صحیح سندوں سے بھی پتا چلتا ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ابو ذر رضی اللہ عنہ مدینے میں تھے۔ چناں چہ امام حمیدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۱۹ھ) نے کہا:

"ثنا سُفْيَانُ قَالَ: ثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ مَوْلَى آلِ طَلْحَةَ، وَحَكِيمُ بْنُ جُبَيْرٍ، سَمِعَاهُ مِنْ مُوسَى بْنِ طَلْحَةَ أَنَّهُ سَمِعَ رَجُلًا مِنْ أَخْوَالِهِ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ يُقَالَ لَهُ: ابْنُ الْحَوْتَكِيَّةِ قَالَ: قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: مَنْ

[1] الطبقات لابن سعد (٤/ ١٥)

[2] دیکھیں: سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيئ في الأمة (١/ ٥٨٠)

حَاضَرَنَا يَوْمَ الْقَاحَةِ إِذْ أُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِأَرْنَبٍ؟ فَقَالَ أَبُو ذَرٍّ: أَنَا...''[1]

''ابن حوتکیہ کہتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یوم قاحہ کے موقع پر تم میں سے کون موجود تھا، جب اللہ کے نبی ﷺ کے سامنے ایک خرگوش لایا گیا؟ تو ابو ذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں...''

اس حدیث میں مذکور ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چند صحابہ کے درمیان یہ سوال پیش کیا اور اس سے بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ خلافت ہی میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی کسی مجلس میں یہ سوال کیا اور ابو ذر رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب دیا۔[2]

سادساً: امام بخاری رحمہ اللہ کے موقف کی دیگر ائمہ سے تائید:

امام بخاری رحمہ اللہ نے جو بات کہی ہے، وہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک ثابت شدہ ہونے کے ساتھ ساتھ ان کا موقف بھی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ امام بیہقی رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اس سے اتفاق کیا ہے، کما مضی، اس کے برعکس امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی کتاب ''الاستیعاب'' سے جو بات پیش کی گئی ہے، اس سے دوسروں کا اتفاق تو دور کی بات خود ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا بھی اس سے اتفاق ثابت نہیں، کیوں کہ تاریخی طور پر کوئی بات ذکر کرنے کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ ذکر کرنے والے کا موقف بھی یہی ہے اور خصوصاً جب استیعاب ہی میں دوسری بات کا ذکر بھی موجود ہے۔

سابعاً: استیعاب سے پیش کردہ حوالے کو کسی نے صحیح نہیں کہا:

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے جو بات پیش کی ہے، وہ اس کی صحت کے قطعاً قائل نہیں، بلکہ انھوں نے محض اسے بیان کیا ہے، نہ اسے صحیح کہا ہے اور نہ اس سے کوئی استدلال کیا ہے، جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی بات کو بالجزم پیش کیا اور اس سے استدلال بھی کیا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی نظر میں ان کی پیش کردہ بات صحیح ہے۔

یاد رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے ہزاروں سال بعد پیدا ہونے والے اس بات کا لحاظ کرتے

---

[1] مسند الحميدي (١/ ٢٢٧) إسناده صحيح، و ابن الحوتكية ثقة علىٰ الراجح، و صححه ابن خزيمة، رقم الحديث (٢١٢٧) و الضياء في الأحاديث المختارة (١/ ٤٢١)

[2] بعد میں ہمیں اس سلسلے میں ایک صحیح اور مکمل صریح روایت مل گئی۔ اسی کتاب کا صفحہ (١٩٠۔ ١٩٨) دیکھیں۔

ہیں کہ حدیث پر کلام کرتے ہوئے جن باتوں کو بنیاد بنایا جائے، وہ ثابت شدہ ہونا چاہیے تو کیا امام العلل امام بخاری رحمہ اللہ کو اتنی موٹی اور معمولی بات بھی معلوم نہ تھی؟ کیا امام بخاری رحمہ اللہ سے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ فضائلِ اعمال جیسے قصوں اور کہانیوں کو بنیاد بنا کر فنّ حدیث میں کوئی حکم صادر کریں گے؟

ثامناً: فنی حیثیت اور تاریخی حیثیت سے ذکر کرنے کا فرق:

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے جو ذکر کیا ہے، اسے محض تاریخی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔ جرح وتعدیل کا حکم صادر کرتے ہوئے فنِ حدیث کے طور پر یہ بات نہیں کہی ہے، جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے فنِ حدیث کے اعتبار سے اپنی بات کہی ہے نہ کہ تاریخی لحاظ سے کوئی قصہ کہانی سنائی ہے۔

تاسعاً: جمہور کا موقف:

محترم زبیرعلی زئی ہرجگہ جمہور کے فیصلے کو ترجیح دیتے ہیں، لیکن یہاں پر موصوف امام بخاری رحمہ اللہ کے فیصلے کے خلاف ایسی بات کو ترجیح دے رہے ہیں، جو جمہور تو دور کی بات، چودہ سوسالہ دور میں کسی ایک کا بھی موقف نہیں ہے۔

یاد رہے کہ استیعاب والی بے سند بات کو اگر ہم حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا موقف مان بھی لیں (جو قطعاً ثابت نہیں) تو بھی یہ موقف امام العلل امام بخاری، امام بیہقی اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے موقف کے خلاف ہونے کے سبب مردود ہے۔

زیرِ بحث روایت کے مردود ہونے کی تیسری وجہ:

3 ثقہ کی ایسی زیادتی جو قرائن کی روشنی میں مردود ہے۔ کسی بھی روایت کی محض ظاہری سند دیکھ کر یا اس کے دیگر طرق سے صَرفِ نظر کرتے ہوئے صرف ایک ہی طریق کو سامنے رکھ کر حکم لگانا ائمہ متقدمین کے منہج کے سراسر خلاف ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے آج کوئی شخص صرف ایک حدیث کو سامنے رکھ کر فتویٰ دینے لگ جائے۔

جب ہم روایت مذکورہ کی تمام اسانید کو سامنے رکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ابو العالیہ اور ابو ذر کے درمیان ایک راوی ساقط ہے اور عبدالوہاب کے علاوہ تمام رواۃ نے اس سند کو انقطاع کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

❀ **هوذة بن خليفة الثقفي:**

امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۸ھ) نے کہا:

”أخبرنا أبو الحسن علي بن أحمد بن عبدان، أخبرنا أحمد بن عبيد الصفار، حدثنا محمد بن العباس المؤدب، حدثنا **هوذة بن خليفة** حدثنا عوف عن أبي خلدة عن أبي العالية قال: لما كان يزيد بن أبي سفيان أميرا بالشام غزا الناس فغنموا وسلموا فكان في غنيمتهم جارية نفيسة فصارت لرجل من المسلمين في سهمه فأرسل إليه يزيد فانتزعها منه، و أبو ذر يومئذ بالشام. قال: فاستغاث الرجل بأبي ذر على يزيد فانطلق معه فقال ليزيد: رد على الرجل جاريته ـثلاث مراتـ قال أبو ذر: أما والله لئن فعلتَ، لقد سمعتُ رسول اللهﷺ يقول: إن أول من يبدل سنتي رجل من بني أمية. ثم ولىّ عنه فلحقه يزيد فقال: أذكرك بالله: أنا هو؟ قال: اللهم لا، ورد علىٰ الرجل جاريته“ [1]

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۵ھ) نے کہا:

”حَدَّثَنَا **هَوْذَةُ بْنُ خَلِيفَةَ،** عَنْ عَوْفٍ، عَنْ أَبِي خَلْدَةَ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِﷺ يَقُولُ: أَوَّلُ مَنْ يُبَدِّلُ سُنَّتِي رَجُلٌ مِنْ بَنِي أُمَيَّةَ“ [2]

❁ معاذ بن معاذ العنبري:

امام ابن ابی عاصم (المتوفی: ۲۸۷ھ) نے کہا:

”حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ **مُعَاذٍ،** ثنا أَبِي، ثنا **عَوْفٌ،** عَنِ الْمُهَاجِرِ بْنِ مَخْلَدٍ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، أَنَّهُ قَالَ لِيَزِيدَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِﷺ يَقُولُ: أَوَّلُ مَنْ يُغَيِّرُ سُنَّتِي رَجُلٌ مِنْ بَنِي أُمَيَّةَ“ [3]

❁ سفيان بن عيينة الهلالي:

امام ابونعیم رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۳۰ھ) نے کہا:

---

[1] دلائل النبوة للبيهقي (٦/ ٤٦٧)

[2] مصنف بن أبي شيبة. ت: عوامة (١٩/ ٥٥٤) دلائل النبوة للبيهقي (٦/ ٤٦٧)

[3] الأوائل لابن أبي عاصم (ص: ٧٧)

"أَخْبَرَنِي الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ النَّيْسَابُورِيُّ فِيْ كِتَابِهِ إِلَيَّ، ثنا عَلِيُّ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ سَلْمٍ، ثنا أَحْمَدُ بْنُ أَبَانَ الْأَصْبَهَانِيُّ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ، ثنا **سُفْيَانُ**، عَنْ **عَوْفٍ**، عَنْ خَالِدٍ أَبِى الْمُهَاجِرِ، عَنْ أَبِى الْعَالِيَةِ، قَالَ: كُنَّا بِالشَّامِ مَعَ أَبِى ذَرٍّ، فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: أَوَّلُ رَجُلٍ يُغَيِّرُ سُنَّتِي رَجُلٌ مِنْ بَنِي فُلَانٍ فَقَالَ يَزِيدُ: أَنَا هُوَ؟ قَالَ: لَا"[1]

❁ **سعید بن عبدالکریم بن سلیط:**

امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۷۱ھ) نے کہا:

"أخبرنا أبو الفضل أحمد بن منصور بن بكر بن محمد أنا جدي أنبأ أبو بكر أحمد بن محمد بن عبدوس الحيري إملاء أنا أبو الحسين عبد الصمد بن علي بن مكرم البزاز ببغداد نا أحمد بن محمد بن نصر ثنا سري بن يحيىٰ نا **سعيد بن عبد الكريم بن سليط** أنه سمع عوف بن أبي جميلة يحدث عن المهاجر أنه حدث أبو العالية قال: لما كان زمن يزيد بن أبي سفيان بالشام غزا الناس فغنموا، وكانت في غنائمهم جارية نفيسة فصارت لرجل في قسمه فأرسل إليه يزيد فانتزعها، وأبو ذر يومئذ بالشام فاستعان الرجل بأبي ذر فانطلق معه فقال: رد علىٰ الرجل جاريته فتلكأ يزيد فقال: أما والله لئن فعلتَ، لقد سمعتُ رسول الله ﷺ يقول: إن أول من يبدل سنتي رجل من بني أمية، ثم ولّى فلحقه فقال: أذكرك الله: أهو أنا؟ قال: اللهم لا، فرد علىٰ الرجل جاريته"[2]

❁ **النضر بن شميل المازني:**

"أخبرني أحمد بن شعيب قال: أنبأ سليمان بن سلم قال: أنبأ **النضر بن شميل** قال: أنبأ عوف، عن أبي المهاجر، عن أبي خالد، عن رفيع أبي العالية قال: قال أبو ذر: سمعت رسول الله ﷺ يقول: إن أول من يبدل

---

[1] تاريخ أصبهان أخبار أصبهان (١/ ١٣٢)

[2] تاريخ دمشق لابن عساكر (٦٥/ ٢٥٠)

سنتي رجل من بني أمية"[1]

موخر الذکر تین رواۃ تک سند کمزور ہے، لیکن اوپر کے دو رواۃ[2] سے ثابت ہے کہ انھوں نے روایت مذکورہ کو منقطع بیان کیا ہے، پھر ان دونوں کے ساتھ مل کر بقیہ رواۃ کا بیان بھی درست ثابت ہوتا ہے اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ابن عساکر کی زیرِ نظر روایت میں رویانی کے شیخ عبدالوہاب سے سند بیان کرنے میں غلطی ہوئی ہے اور انھوں نے منقطع روایت کو موصول بیان کر دیا ہے۔

حدیث کے تمام طریق کو یکجا کرنے کے بعد یہ حقیقت سامنے آئی کہ اسی روایت کو ابو العالیہ سے عبدالوہاب کے ساتھ ساتھ ابو العالیہ کے دیگر شاگردوں نے بھی بیان کیا ہے اور عبدالوہاب کے علاوہ کسی بھی شاگرد نے اپنے استاذ کے حوالے سے اس روایت کو متصل بیان نہیں کیا، بلکہ سارے شاگردوں نے اپنے استاذ ابوالعالیہ سے اس روایت کو منقطع ہی بیان کیا ہے۔

اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس روایت کی اصلی شکل کیا ہے اور واقعی معنوں میں ابو العالیہ نے اس روایت کو کس طرح بیان کیا ہے: منقطع یا متصل؟ عبدالوہاب اگرچہ ثقہ ہیں، لیکن موصوف نے متصل بیان کر کے سند میں جو زیادتی کی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

تو اس طرح کی صورتِ حال میں محدثین قرائن دیکھتے ہیں۔ اگر قرائن اس بات کی تائید کریں کہ روایت کی اصلی شکل وصل ہی کی ہے تو روایت کے متصل وموصول ہونے کو راجح قرار دیا جاتا ہے اور اگر قرائن سے اس بات کی تائید ہو کہ روایت کی اصلی شکل منقطع ہے تو روایت کے منقطع ہونے ہی کو راجح قرار دیا جاتا ہے۔ تمام متقدمین محدثین کا یہی اصول ہے، بلکہ متاخرین اور معاصرین میں بھی سب کا یہی موقف ہے۔ ہمیں ابن حزم اور بعض فقہا کے علاوہ محدثین کی جماعت میں بالخصوص متقدمین میں کوئی ایک بھی ایسا نام نہیں ملا جس کا یہ صریح موقف ہو کہ ثقہ کی زیادتی علی الاطلاق مقبول ہوگی۔ بعض لوگ امام ابن حبان، خطیب بغدادی اور ایک دو نام پیش کرتے ہیں، لیکن ان ائمہ کی تمام عبارتیں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بھی علی الاطلاق زیادتِ ثقہ کی قبولیت کے

---

[1] الكنى والأسماء للدولابي (٣/ ٣٦٣)

[2] مزید مطالعے کی روشنی میں معلوم ہوا کہ دو رواۃ نہیں، بلکہ تین رواۃ سے یہی بات ثابت ہے۔ تیسری روایت سفیان بن عیینہ کی ہے، اس کی سند بھی سفیان تک صحیح ہے اور ان کا عنعنہ مقبول ہے، نیز یہاں پر ان کی متابعت بھی موجود ہے۔

قائل نہیں ہیں۔اس بابت ہم پوری تفصیل پیش کریں گے، قارئین منتظر رہیں۔

الغرض زیادتِ ثقہ کے قبول و رد کے لیے قرائن کا اعتبار ہوگا۔ اگرقرائن زیادتِ ثقہ کی قبولیت کے حق میں ہوں تو زیادتِ ثقہ مقبول ہوگی، ورنہ اگر قرائن زیادتِ ثقہ کے مردود ہونے پر دلالت کریں تو زیادتِ ثقہ کو رد کر دیا جائے گا۔

اب محدثین کے اس اصول کو سامنے رکھتے ہوئے جب ہم زیر بحث روایت سے متعلق قرائن دیکھتے ہیں تو یہاں پر زیادتِ ثقہ کے مردود ہونے پر ہی قرائن دلالت کرتے ہیں۔

ذیل میں ان قرائن کی تفصیل پیشِ خدمت ہے۔

پہلا قرینہ: ثقہ متکلم فیہ کا ثقہ غیر متکلم فیہ کے خلاف بیان کرنا:

ابو العالیہ کے شاگردوں میں صرف ایک شاگرد عبدالوہاب نے اپنے انھیں استاذ سے اس روایت کو موصول بیان کیا اور یہ اگرچہ ثقہ ہیں، لیکن ان پر جرح ہوئی ہے، یعنی یہ متکلم فیہ ہیں اور ان کے برعکس ابو العالیہ ہی سے ان کے جن دیگر شاگردوں نے اس روایت کو منقطع بیان کیا ہے، ان میں بخاری ومسلم اورسنن اربعہ کے راوی ”معاذ بن معاذ العنبري“ بھی ہیں اور زبردست ثقہ اور متقن ہیں۔

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان سے متعلق ناقدین کے اقوال کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے کہا:

”معاذ بن معاذ بن نصر بن حسان العنبري أبو المثنى البصري القاضي <u>ثقة متقن من كبار التاسعة</u>“[1]

معاذ بن معاذ نصر بن حسان عنبری ابوثنی بصری قاضی <u>یہ ثقہ اور متقن ہیں اور نویں طبقہ کے کبار</u> لوگوں میں سے ہیں۔“

❁ جبکہ عبدالوہاب ثقفی کے بارے میں ناقدین کے اقوال کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا:

”عبد الوهاب بن عبد المجيد بن الصلت الثقفي أبو محمد البصري <u>ثقة تغير قبل موته بثلاث سنين من الثامنة</u>“[2]

<u>”عبدالوہاب بن عبدالمجید بن صلت ثقفی ابومحمد بصری۔ یہ ثقہ ہیں۔ وفات سے تین سال</u>

[1] تقریب التهذیب لابن حجر (٦٧٤٠)

[2] تقریب لابن حجر (٤٢٦١)

قبل ان کے حافظے میں تغیر واقع ہوگیا تھا۔ یہ آٹھویں طبقے کے ہیں۔“

معلوم ہوا کہ کتبِ ستہ کے راوی ”عبدالوهاب ثقة متكلم فيه“ نے کتبِ ستہ کے راوی ”معاذبن معاذ عنبري ثقه متقن بالاتفاق“ کے خلاف روایت کیا ہے، لہٰذا زیادتِ ثقہ کے مسئلے میں یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ عبدالوہاب کی روایت رد ہونی چاہیے۔

دوسرا قرینہ: اکثر کی مخالفت:

ابو العالیہ کے شاگردوں میں سب کے سب نے اس روایت کو اپنے شیخ کے حوالے سے منقطع ہی بیان ہے اور اس کے برعکس صرف اور صرف ایک ہی شاگرد عبدالوہاب نے اسے موصول یعنی متصل بیان کرکے سند میں اضافہ کیا ہے اور اس اضافے میں ان کا تنہا ہونا اور ابو العالیہ کے اکثر شاگردوں کا اپنے استاذ کے حوالے سے اسے بالاتفاق منقطع بیان کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ اس روایت کی اصلی شکل منقطع ہی ہے، کیوں کہ اکثریت کے متفقہ بیان میں غلطی کا احتمال نہیں رہتا، جب کہ ایک اکیلا شخص بیان میں غلطی کرسکتا ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) نے کہا:

”فإن كان الثَّبْتُ أرسَلَه مثلًا، والواهي وصَلَه، فلا عبرة بوصلِه لأمرين: لضعفِ راويه، ولأنه معلولٌ بإرسال الثَّبْت له. ثم أعلمُ أنَّ أكثَرَ المتكلَّمِ فيهم ما ضعَّفهم الحُفَّاظُ إلا لمخالفتهم للأثبات، وإن كان الحديثُ قد رَوَاه الثَّبْتُ بإسنادٍ، أو وَقَفَه، أو أَرسَلَه، ورفقاؤه الأثباتُ يُخالفونه: فالعِبرةُ بما اجتَمَع عليه الثقاتُ، فإنَّ الواحد قد يَغلَط، وهنا قد ترجَّح ظهورُ غَلَطِه، فلا تعليل، والعِبرةُ بالجماع“[1]

”اگر ثقہ وثبت کسی حدیث کو مرسل بیان کرے اور ضعیف راوی اسے موصول بیان کرے تو دو اسباب کی بنا پر موصول کا اعتبار نہیں ہوگا۔ ایک یہ کہ موصول بیان کرنے والا راوی ضعیف ہے اور دوسرے یہ کہ ثقہ وثبت کے مرسل بیان کرنے کی وجہ سے موصول والا بیان معلول ہے اور یہ بات جان لیں کہ اکثر وہ رواۃ جن پر کلام کیا گیا ہے تو حفاظ نے

[1] الموقظة في علم مصطلح الحديث (ص: ٥٢)

انھیں اسی لیے ضعیف کہا ہے، کیوں کہ انھوں نے ثقات و اَثبات کی مخالفت کی اور اگر کسی حدیث کو ثقہ وثبت نے مسند یا موقوف یا مرسل بیان کیا، لیکن اس کے دیگر ثقہ و ثبت ساتھی اس کی مخالفت کریں تو اعتبار اس سند کا ہوگا، جس پر ایک جماعت متفق ہے، کیوں کہ ایک شخص سے غلطی بھی ہوسکتی ہے اور یہاں غلطی کا ظاہر ہونا ہی راجح ہے، لہٰذا یہاں تعلیل کی ضرورت نہیں، بلکہ یہاں جماعت (کے بیان) کا اعتبار ہوگا۔"

تیسرا قرینہ: متن میں نکارت:

کسی روایت میں نکارت کا ہونا بھی ایک قرینہ ہے کہ اس کے پیشِ نظر متعلقہ روایت کی اس سند کو ترجیح دی جائے، جس سے روایت مردود ثابت ہو اور جس سند سے روایت صحت تک پہنچ رہی ہے، اس سند کو منکر قرار دیا جائے۔ آیئے اس کی ایک مثال امام ترمذی رحمہ اللہ کی زبانی دیکھتے ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۹ھ) نے کہا:

"حدثنا قتيبة قال: حدثنا نوح بن قيس الحداني، عن عمرو بن مالك، عن أبي الجوزاء، عن ابن عباس، قال: كانت امرأة تصلي خلف رسول الله ﷺ حسناء من أحسن الناس، فكان بعض القوم يتقدم حتى يكون في الصف الأول لئلا يراها، ويستأخر بعضهم حتى يكون في الصف المؤخر، فإذا ركع نظر من تحت إبطيه، فأنزل الله تعالىٰ: ﴿وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِيْنَ﴾ [الحجر: ٢٤] وروى جعفر بن سليمان هذا الحديث عن عمرو بن مالك، عن أبي الجوزا، نحوه، ولم يذكر فيه: عن ابن عباس، وهذا أشبه أن يكون أصح من حديث نوح"[1]

"ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھا کرتی تھی، جو بہت حسین بلکہ حسین ترین لوگوں میں سے تھی۔ بعض لوگ پہلی صف میں نماز پڑھنے کے لیے جاتے، تاکہ اس پر نظر نہ پڑے، جب کہ بعض لوگ پچھلی صفوں کی طرف آتے، تاکہ اسے دیکھ سکیں۔ چناں چہ وہ جب رکوع کرتے تو اپنی بغلوں کے نیچے

[1] سنن الترمذي بتحقيق أحمد شاكر (٥/ ٢٩٦)

سے دیکھتے، جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ﴾ ''اور ہمیں تم میں سے اگلے اور پچھلے سب معلوم ہیں۔ جعفر بن سلیمان یہ حدیث عمرو بن مالک سے وہ ابو جوزا سے اسی طرح نقل کرتے ہیں، لیکن اس میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ذکر نہیں اور یہ روایت زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے کہ نوح کی روایت سے زیادہ درست ہو۔''

اس حدیث کو عمرو بن مالک النکری سے دو لوگوں نے روایت کیا ہے:

① نوح بن قیس۔ ② جعفر بن سلیمان۔

ان دونوں میں نوح بن قیس نے اس روایت کو موصول بیان کیا ہے، لیکن جعفر بن سلیمان نے اس روایت کو مرسل بیان کیا ہے، جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے نقل کیا۔ یہاں پر یہ دونوں رواۃ ایک ہی حدیث کو دو طرح بیان کر رہے ہیں، ایک مرسل بیان کر رہا ہے اور ایک موصول۔ لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ یہاں پر مرسل روایت ہی کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وروى جعفر بن سليمان، هذا الحديث عن عمرو بن مالك، عن أبي الجوزاء، نحوه، ولم يذكر فيه: عن ابن عباس، وهذا أشبه أن يكون أصح من حديث نوح“[1]

یعنی جعفر بن سلیمان نے اس حدیث کو عمرو بن مالک النکری عن ابی الجوزاء کے طریق سے انھیں الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے، لیکن اس نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا واسطہ ذکر نہیں کیا ہے اور یہ روایت زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے کہ نوح کی روایت سے زیادہ درست ہو۔''

غور کریں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ یہاں پر فرما رہے ہیں: ”هذا أشبه أن يكون“ یہ روایت زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ جعفر بن سلیمان کی مرسل روایت کیوں زیادہ مناسب اور صحیح معلوم ہوتی ہے؟ کون سا قرینہ ہے جس کی بنیاد پر امام ترمذی رحمہ اللہ جعفر بن سلیمان کی ارسال والی روایت کو مناسب اور صحیح تر قرار دے رہے ہیں؟

---

[1] سنن الترمذي بتحقيق أحمد شاكر (٥/ ٢٩٦)

اس روایت کو مرسل بیان کرنے والا جعفر بن سلیمان ثقاہت میں بھی، موصول بیان کرنے والے نوح بن قیس سے بڑھ کر نہیں، بلکہ حفظ و ضبط و ثقاہت میں اس سے کم تر ہی ہے، اس کے باوجود بھی امام ترمذی رحمہ اللہ نے موصول بیان کرنے والے اوثق راوی کے بالمقابل مرسل بیان کرنے والے ثقہ کی روایت کیوں رد کی؟

صاف ظاہر ہے کہ اس متن کی شدید نکارت ہی پیشِ نظر ہے، جس کی بنیاد پر اس متن سے جڑی مرسل سند کو امام ترمذی رحمہ اللہ درست بتلارہے ہیں، کیوں کہ مرسل ضعیف ہوتی ہے اور اس روایت کے اندر موجود شدید نکارت کو دیکھتے ہوئے اس کا مرسل یعنی ضعیف ہونا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴ھ) نے کہا:

”وهذا الحديث فيه نكارة شديدة، وقد رواه عبد الرزاق، عن جعفر بن سليمان، عن عمرو بن مالك، وهو النكرى، أنه سمع أبا الجوزاء يقول في قوله: ﴿وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ﴾ في الصفوف في الصلاة ﴿وَالْمُسْتَاْخِرِيْنَ﴾ فالظاهر أنه من كلام أبي الجوزاء فقط، ليس فيه لابن عباس ذكر، وقد قال الترمذي: هذا أشبه من رواية نوح بن قيس“[1]

”اس حدیث میں شدید نکارت ہے۔ عبدالرزاق نے اسے جعفر بن سلیمان عن عمرو بن مالک النکری کے طریق سے روایت کیا کہ اس نے ابو الجوزاء کو یہ تفسیر کرتے ہوئے سنا ہے۔ پس ظاہر یہی ہے کہ یہ صرف ابو الجوزاء کا کلام ہے اور اس میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ذکر نہیں ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا: یہ روایت زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے کہ نوح کی روایت سے زیادہ درست ہو۔“

اس مثال کے بعد عرض ہے کہ زیر بحث روایت میں بھی شدید بلکہ شدید سے شدید تر نکارت ہے اور وہ یہ کہ ایک جلیل القدر صحابیِ رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ جو اسلامی فوج کے کمانڈر تھے، ان پر حسن پرستی اور اسی کی خاطر کسی اور کی لونڈی غصب کرنے کا بے ہودہ الزام اور انتہائی گھٹیا تہمت لگائی گئی ہے۔ یہ کوئی معمولی تہمت نہیں، کیوں کہ یہ تہمت ایک جلیل القدر صحابی پر اس وقت لگ رہی ہے، جب وہ جہاد جیسے مقدس فریضے کو ادا کرنے میں مشغول تھے، نیز ایک عام مجاہد نہیں، بلکہ مجاہدین

[1] تفسير ابن كثير (٤/ ٥٣٢) دار طيبة.

کے امیر اور کمانڈر تھے۔

غور کریں کہ کیا رسولِ اکرم ﷺ کی زیرِ تربیت رہنے والے جلیل القدر صحابی اور جنھیں عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے گوہر شناس نے فوج کا کمانڈر منتخب کیا ہو، کیا ایسے معتمد اور ذمے دار صحابی سفرِ جہاد جیسے مقدس فریضے کی راہ میں نہ صرف یہ کہ حسن پرستی پر آمادہ ہوں، بلکہ اس کی خاطر دوسرے کی لونڈی بھی ہڑپ کر لینے میں کوئی عار محسوس نہ کریں، بلکہ مظلوم کے گرگڑانے پر بھی یہ ہوش میں نہ آئیں، حتیٰ کہ ایک دوسرے صحابی انھیں تین تین بار سمجھائیں، پھر بھی ان کی آنکھ نہ کھلے اور معاملہ اس وقت قابو میں آئے، جب انھیں کے ہم نام یزید سے متعلق ایک خوفناک حدیث پیش کی جائے؟! سبحان الله.

یہ پورا سیاق چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ یہ من گھڑت کہانی ہے۔ کسی سبائی درندے اور اسلام کے دشمن نے اسے اسلامی فوج اور بالخصوص بنو اُمیہ کو بدنام کرنے کے لیے گھڑا ہے اور اپنی عاقبت برباد کی ہے۔

الغرض متن کی یہ نکارت بھی اس بات کا قرینہ ہے کہ اس کی اس سند کو ترجیح دی جائے، جس سے اس روایت کا مردود ہونا ثابت ہوتا ہے۔ غور کریں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے محض نماز میں جھانکنے والی بات میں نکارت دیکھ کر مردود ثابت کرنے والی سند کو ترجیح دی تو یہاں تو معاملہ صرف جھانکنے کا نہیں، بلکہ چھیننے اور غصب کرنے کا بھی ہے اور وہ اسلامی فوج کے کمانڈر کا۔ لہٰذا یہاں تو بدرجہ اولیٰ زیرِ بحث روایت کو مردود بنانے والی سند کو ترجیح ملنی چاہیے۔

تنبیہ:

محترم زبیر علی زئی نے اس روایت کے اندر موجود اس شدید نکارت اور گھٹیا بات پر پردہ ڈالنے کے لیے یہ کیا کہ ''اِغْتَصَبَ'' کا ترجمہ جان بوجھ کر قبضے میں لینے سے کیا۔ ہم نے پہلی بار گرفت کی تو ہمیں یہ جواب ملا کہ لغت کے اعتبار سے یہ ترجمہ درست ہے اور مثال میں لفظ کذب کو پیش کیا کہ یہ خطا کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔

اس پر ہم نے کذب سے متعلق اہلِ لغت کی تصریح پیش کی اور بتلایا کہ کذب کے بارے میں تو اہلِ لغت کی تصریحات موجود ہیں اور اس کی مثالیں بھی موجود ہیں، لیکن ''اِغْتَصَبَ'' قبضے

میں لینے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے، یہ عجوبہ لغت کی کون سی کتاب میں ہے؟ ہمارے اس مطالبے کا جواب دینے سے موصوف عاجز وساکت رہے، اس لیے اپنی بات بدل دی اور یہ کہا کہ صحابی کے احترام میں موصوف نے ترجمہ میں یہ تبدیلی کی، حالاں کہ اس عذر کا بے تکا ہونا بالکل واضح ہے، پھر بھی معلوم نہیں موصوف کس مشکل میں ہیں کہ اس طرح کے بے تکی اور واضح طور پر مہمل بات کہنے پر بھی خود کو مجبور پاتے ہیں؟ اس کی مزید وضاحت ہم آگے کریں گے۔

چوتھا قرینہ: امام بخاری کی تعلیل:

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت پر تنقید کی ہے اور اسے مردود قرار دیا ہے، اس کا بھی تقاضا ہے کہ اس کی اس سند کو ترجیح دی جائے، جس سے یہ روایت مردود ثابت ہوتی ہے۔

پانچواں قرینہ: تلقی بالرد:

اس روایت کو تلقی بالرد حاصل ہے، کیوں کہ عصرِ حاضر سے قبل کسی بھی دور میں اس روایت کو کسی نے صحیح یا حسن نہیں کہا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر تنقید کی اور اس کے خلاف پوری دنیاے علم میں سے کسی نے ایک حرف بھی نہیں کہا، بلکہ متعدد محدثین اسے مردود ہی قرار دیتے رہے اور متاخرین میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی امام بخاری رحمہ اللہ کی جرح کو دہرایا اور اس روایت کو موضوع اور من گھڑت قرار دیا، اس پر بھی پوری دنیاے علم خاموش رہی، کسی نے اس کے خلاف ایک لفظ نہیں کہا، بلکہ ایک دوسرے مورخ ابن طولون نے امام بخاری وابن کثیر رحمہ اللہ کی بات کو بھی ''قید الشرید'' میں نقل کیا تو اس پر بھی کسی جانب سے کوئی تنقید نہ ہوئی۔

لطف کی بات یہ ہے کہ متاخرین میں سے کئی ایک نے یزید بن معاویہ کے خلاف منفی باتیں نقل کی ہیں، بلکہ بعض مخالفین نے تو کافی زہر اگلا ہے، لیکن کسی ایک نے اس روایت کو صحیح یا حسن ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی اور نہ اس پر جرح کرنے والوں کا جواب دیا۔

یہ صورتِ حال اس بات کی متقاضی ہے کہ اس روایت کی وہی سند راجح ہے جس سے یہ مردود قرار پائے۔ واضح رہے کہ بعض محدثین کسی روایت کے مردود ہونے کے لیے یہ قرینہ بھی پیش کرتے ہیں کہ مشہور کتبِ احادیث کے مولفین نے اسے روایت ہی نہیں کیا، چناں چہ ایک روایت میں علی رضی اللہ عنہ کے لیے سورج کو لوٹانے کی بات ہے، اس روایت کو مردود ثابت کرنے کے لیے شیخ الاسلام

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہ بھی کہا:

”وَهَذَا الْحَدِيثُ لَيْسَ فِي شَيْئٍ مِنْ كُتُبِ الْحَدِيثِ الْمُعْتَمَدَةِ: لَا رَوَاهُ أَهْلُ الصَّحِيحِ وَلَا أَهْلُ السُّنَنِ وَلَا الْمَسَانِيدِ أَصْلًا، بَلِ اتَّفَقُوا عَلَى تَرْكِهِ وَالْإِعْرَاضِ عَنْهُ، فَكَيْفَ يَكُونُ مِثْلُ هَذِهِ الْوَاقِعَةِ الْعَظِيمَةِ، الَّتِي هِيَ لَوْ كَانَتْ حَقًّا مِنْ أَعْظَمِ الْمُعْجِزَاتِ الْمَشْهُورَةِ الظَّاهِرَةِ، وَلَمْ يَرْوِهَا أَهْلُ الصِّحَاحِ وَالْمَسَانِيدِ، وَلَا نَقَلَهَا أَحَدٌ مِنْ عُلَمَاءِ الْمُسْلِمِينَ وَحُفَّاظِ الْحَدِيثِ، وَلَا يُعْرَفُ فِي شَيْئٍ مِنْ كُتُبِ الْحَدِيثِ الْمُعْتَمَدَةِ“[1]

تیسری وجۂ رد سے متعلق محترم زبیر علی زئی کے اشکالات کا ازالہ:

روایت مذکورہ کے مردود ہونے کی جو تیسری وجہ پیش کی گئی ہے، اس سے متعلق محترم زبیر علی زئی نے جو اشکالات پیش کیے ہیں، ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

- ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔
- متن میں کوئی نکارت نہیں ہے۔
- ابو العالیہ نے سماع کی صراحت کر دی ہے۔
- عبدالوہاب ثقفی کا متکلم فیہ ہونا مضر نہیں ہے۔

اب اگلی سطور میں ان تمام اشکالات کے جوابات ملاحظہ ہوں:

زیادتِ ثقہ:

زیادتِ ثقہ سے متعلق بحث کو محترم زبیر علی زئی نے بہت طول دیا ہے۔[2] جس سے موصوف کا مضمون کافی بوجھل ہوگیا ہے۔ عام طور پر یہ طرزِ عمل ان کا ہوتا ہے جن کے پاس دلائل نہیں ہوتے تو بلاوجہ غیر متعلق تفصیلات پیش کر کے اپنے مضمون کو بوجھل کر دیتے ہیں، تاکہ قارئین اتنی مفصل تحریر دیکھ کر مرعوب ہو جائیں، لیکن چوں کہ ہمارے پاس اللہ کے فضل وکرم سے دلائل کی کمی نہیں ہے، اس لیے ہم نے خواہ مخواہ اپنے اس مضمون کو بوجھل نہ کرتے ہوئے ثقہ کی زیادتی سے متعلق پوری

---

[1] منهاج السنة النبوية (٨/ ١٧٧)

[2] رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۹ تا ۲۳) مقالات (۶/ ۳۶۴۔ ۳۷۸)

تفصیل کو الگ بحث بعنوان **”زیادتِ ثقہ کے قبول ورد سے متعلق محدثین کا موقف“** میں پیش کیا ہے۔ قارئین اس بابت محترم زبیر علی زئی رحمہ اللہ کے اشکالات اور ان جوابات کے لیے ہماری اس بحث کی طرف رجوع فرمائیں۔[1]

متن کی نکارت:

حافظ زبیر علی زئی نے کہا ہے:

”۳) شدید نکارت والے متن پر مشتمل روایت کا موضوع ہونا۔ ایسی روایت کی سند صحیح نہیں، بلکہ مردود ہوتی ہے، نیز محدثین کرام اسے صحیح نہیں، بلکہ موضوع کہتے ہیں۔ جبکہ ((أول من يغير سنتي)) والی روایت کے متن میں کوئی نکارت نہیں۔ سند بھی حسن لذاتہ یعنی صحیح ہے اور کسی محدث نے اسے ہرگز موضوع قرار نہیں دیا۔ نبی اکرم ﷺ کا غیب کی خبریں بیان کرنا اللہ تعالیٰ کی وحی سے تھا اور اس بات میں کسی قسم کی نکارت نہیں۔“[2]

عرض ہے کہ زیر بحث روایت میں شدید نکارت بالکل واضح ہے اور وہ یہ کہ ایک جلیل القدر صحابی اور اسلامی فوج کے کمانڈر یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ پر حسن پرستی اور اسی کی خاطر دوسرے مجاہد کی لونڈی غصب کرنے کی بے ہودہ تہمت لگائی گئی ہے۔ یہ نکارت نہیں تو اور کیا ہے؟

واضح رہے کہ محترم زبیر علی زئی نے ”اِغْتَصَبَهَا“ کا ترجمہ جان بوجھ کر غلط کرکے نہ صرف یہ کہ اس نکارت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے، بلکہ یہاں آکر اس نکارت کا یک قلم انکار بھی کردیا۔ فیا للعجب!

پھر اس پر مستزاد یہ ہے کہ زیر بحث روایت میں یزید بن معاویہ سے متعلق جو غیبی خبر ہے، اس سے نکارت کی نفی کرنے بیٹھ گئے! حالاں کہ یہاں پر نکارت کی بات ہم نے سرے سے کی ہی نہیں، بلکہ ہم نے نکارت کی بات تو روایت کے اس حصے سے متعلق کی ہے، جس میں جلیل القدر صحابیِ رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ پر حسن پرستی اور اسی کی خاطر دوسرے مجاہد کی خوبصورت لونڈی غصب کرنے کی بے ہودہ تہمت ہے۔

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۲۰۸۔ ۲۴۹) دیکھیں۔

[2] رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۳۵) مقالات (۶/ ۵۸۹)

”اِغْتَصَبَهَا“ کے ترجمے پر بحث:

ہم نے اپنی پہلی تحریر میں کہا تھا:

”مجلّہ ”الحدیث“ کے محولہ صفحہ پر جو یہ ترجمہ کیا گیا ہے کہ لونڈی قبضے میں لے لی تو یہ ترجمہ کسی بھی صورت میں درست نہیں اور شاید مترجم کو بھی معلوم تھا کہ یہ درست ترجمہ نہیں ہے، لیکن چوں کہ صحیح ترجمہ کرنے کی صورت میں ایک صحابیِ رسول کا بڑا گھناؤنا کردار سامنے آ رہا تھا، اس لیے مترجم اس کی جرأت نہیں کر سکے، حالاں کہ یہ غلط ترجمہ سیاق وسباق سے بالکل کٹ جاتا ہے۔“[1]

ہمیں اس کا جواب دیتے ہوئے کہا گیا:

”فَاغْتَصَبَهَا“ کا جو ترجمہ کیا گیا ہے، وہ لغت کے اعتبار سے غلط نہیں ہے اور یہ ترجمہ بالکل ویسا ہی ہے، جیسے بعض صحابہ کا ایک دوسرے کے بارے میں کذب کے الفاظ کہنا اور مترجمین کا کذب کا ترجمہ جھوٹ کے بجائے غلط کرنا۔“[2]

اس کے جواب میں ہم نے جو کچھ بھی کہا تھا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے یہاں بھی نقل کر دیا جائے، چناں چہ ہم نے کہا تھا:

”یہاں لغت کی کسی مستند کتاب کا حوالہ نہیں دیا گیا اور بغیر حوالے کے ہم اس ترجمہ کو صحیح ماننے سے معذور ہیں... خطا پر کذب کا اطلاق عربی زبان میں معروف ہے۔ ”لسان العرب“ میں ہے:

”وفي حَدِيثِ صلاةِ الوِتْرِ: كَذَبَ أَبو مُحَمَّدٍ أَي أَخْطأَ؛ سَمَّاهُ كَذِباً، لِأَنَّهُ يُشْبِهُهُ فِيْ كَوْنِهِ ضِدَّ الصَّوَابِ، كَمَا أَن الكَذِبَ ضدُّ الصِّدْقِ، وإِنِ افْتَرَقا مِنْ حَيْثُ النيةِ والقصدِ، لِأَنَّ الْكَاذبَ يَعْلَمُ أَن مَا يَقُولُهُ كَذِبٌ، والمُخْطِئُ لَا يَعْلَمُ، وَهَذَا الرَّجُلُ لَيْسَ بمُخْبِرٍ، وإِنما قَالَهُ بِاجْتِهَادٍ أَدَّاه إِلىٰ أَنَّ الْوِتْرَ وَاجِبٌ، وَالِاجْتِهَادُ لَا يَدْخُلُهُ الكذبُ، وإِنما يدخله الخطأُ؛

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۵۰) دیکھیں۔

[2] محدث فورم۔

وأَبو مُحَمَّدٍ صَحَابِيٌّ، وَاسْمُهُ مَسْعُودُ بْنُ زَيْدٍ؛ وَقَدِ اسْتَعْمَلَتِ العربُ الكذِبَ فِي مَوْضِعِ الخطإِ؛ وأَنشد بَيْتَ الأَخطل: كَذَبَتْكَ عينُكَ أَم رأَيت بواسِطٍ، وَقَالَ ذُو الرُّمَّةِ: وَمَا فِي سَمْعِهِ كَذِبُ، وَ فِيُ حَدِيثِ عُرْوَةَ، قِيلَ لَهُ: إِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ: إِن النَّبِيَّ ﷺ لَبِثَ بِمَكَّةَ بِضْعَ عَشْرَةَ سَنَةً، فَقَالَ: كَذَبَ، أَي أَخْطأَ، وَمِنْه قَوْلُ عِمْرانَ لسَمُرَة حِينَ قَالَ: المُغْمَىٰ عَلَيْهِ يُصَلِّي مَعَ كُلِّ صلاةٍ صَلَاةً حَتَّى يَقْضِيَها، فَقَالَ: كَذَبْتَ، وَلَكِنَهُ يُصَلِّيهن مَعًا، أَي أَخْطَأْتَ"[1]

"وتر والی حدیث (سنن النسائی، رقم الحدیث: ٤٦١) میں ہے: "کذب أبو محمد" یعنی ابو محمد نے غلطی کی۔ اسے کذب (جھوٹ) اس لیے کہا، کیوں کہ درست بات کے خلاف ہونے میں یہ جھوٹ کی طرح ہے، جس طرح جھوٹ سچ کے خلاف ہوتا ہے، اگرچہ نیت اور ارادے کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہے، کیوں کہ جھوٹا شخص جانتا ہے کہ وہ جو کہہ رہا ہے، وہ جھوٹ ہے اور غلطی کرنے والا لاعلم ہوتا ہے اور حدیث میں مذکور شخص کوئی خبر دینے والا نہیں تھا، بلکہ اس نے یہ بات اجتہاد کرتے ہوئے کہی اور اس کا اجتہاد اس نتیجے پر پہنچا کہ وتر واجب ہے اور اجتہاد میں کذب کا کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ اس میں غلطی کا دخل ہوتا ہے اور ابو محمد صحابی ہیں، ان کا نام مسعود بن زید ہے۔

"اہلِ عرب نے بھی غلطی کی جگہ "کذب" استعمال کیا ہے، چناں چہ اخطل (غیاث بن غوث) نے کہا: "كَذَبَتْكَ عينُكَ أَم رأَيت بواسِطٍ" اسی طرح ذو الرمۃ (غیلان بن عقبہ) نے کہا: "وَمَا فِيُ سَمْعِهِ كَذِبٌ" اور عروۃ کی حدیث میں ہے کہ ان سے کہا گیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں اللہ کے نبی ﷺ تقریباً دس سال ٹھہرے تو انھوں نے کہا کہ موصوف نے جھوٹ کہا یعنی غلط بات بیان کی۔

"اسی قبیل سے یہ بھی ہے کہ عمران نے سمرہ سے کہا: بے ہوش آدمی ہر نماز کے ساتھ ایک نماز پڑھے گا، یہاں تک اپنی فوت شدہ نمازیں مکمل کرلے تو انھوں نے کہا: تم نے

---

[1] لسان العرب (١/ ٧٠٩)

جھوٹ کہا، یعنی غلط کہا، وہ ساری نمازیں ایک ساتھ پڑھے گا۔''

لیکن کیا عربی زبان میں ''غصب کرنا'' قبضے میں لینے کے معنی میں مستعمل ہے؟ اگر ایسا ہے تو:

اولاً: اہلِ لغت و اہلِ عرب کی عبارات اور صحابہ کے استعمال سے متعلق صحیح احادیث سے اس کا ثبوت پیش کیا جائے۔

ثانیاً: زیرِ بحث روایت کے سیاق وسباق سے ثابت کیا جائے کہ یہاں ''غصب'' اپنے عام معنی میں نہیں ہے۔ ہم نے لکھا تھا:

''یہ غلط ترجمہ سیاق وسباق سے بالکل کٹ جاتا ہے۔''[1]

ہم اب بھی کہتے ہیں کہ سیاق وسباق سے ایسے ترجمہ کی کوئی گنجایش نہیں نکلتی ہے، کیوں کہ سیاق وسباق کے لحاظ سے صورت حال یہ ہے:

- لڑکی خوبصورت تھی۔
- پھر نعوذ باللہ صحابی رسول رضی اللہ عنہ پر ایک گھناؤنا الزام ہے۔
- پھر مظلوم شخص کسی اور کے پاس جا کر مدد طلب کرتا ہے۔
- اس کے بعد ایک دوسرے صحابی انھیں سمجھاتے ہیں اور ایک خوفناک حدیث سناتے ہیں۔
- حدیث سن کر صحابی رسول رضی اللہ عنہ لڑکی واپس کر دیتے ہیں۔

یہ پورا سیاق پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ معاملہ قبضہ میں لینے کا نہیں، بلکہ غصب کرنے کا ہے، ورنہ روایت میں:

- ایک لڑکی کی خوبصورتی کا حوالہ کیوں؟
- بات صرف قبضہ میں لینے کی تھی تو اس کی وجہ جو خوبصورتی بتائی گئی ہے، اس کا قبضہ سے کیا تعلق؟
- پھر مظلوم شخص نے ابو ذر رضی اللہ عنہ سے فریاد کیوں کی؟
- پھر ابو ذر رضی اللہ عنہ نے ایک خوفناک حدیث کیوں سنائی؟ ظاہر ہے کہ سامنے کوئی خوفناک

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۵۰) دیکھیں۔

بات ہوئی تھی تبھی تو سنائی تھی!

یہ سارا سیاق صاف طور سے بتلا رہا ہے کہ ''اِغْتَصَبَهَا'' مذکورہ روایت میں کس معنی میں مستعمل ہے؟ قطع نظر اس کے کہ اس لفظ کا قبضے کے معنی میں مستعمل ہونا ثابت ہے یا نہیں۔ اس کے برخلاف احادیث میں جہاں ''کذب'' خطا کے معنی میں ہے، وہاں سیاق و سباق میں اس کی دلیل موجود ہوتی ہے، مثلاً ''لسان العرب'' میں جس حدیث کو پیش کیا گیا ہے، اسے ہی دیکھتے ہیں۔مکمل حدیث یہ ہے:

''عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الصُّنَابِحِيِّ، قَالَ: زَعَمَ أَبُو مُحَمَّدٍ أَنَّ الْوِتْرَ وَاجِبٌ، فَقَالَ عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ: كَذَبَ أَبُو مُحَمَّدٍ، أَشْهَدُ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: خَمْسُ صَلَوَاتٍ افْتَرَضَهُنَّ اللَّهُ تَعَالَى مَنْ أَحْسَنَ وُضُوءَهُنَّ وَصَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ وَأَتَمَّ رُكُوعَهُنَّ وَخُشُوعَهُنَّ كَانَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ أَنْ يَّغْفِرَ لَهُ، وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ، إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ''[1]

جناب عبداللہ بن صنابحی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ابو محمد (انصاری صحابی) کا خیال ہے کہ وتر واجب ہے۔ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے (سنا تو) کہا: ابو محمد نے غلط کہا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ فرماتے تھے: پانچ نمازیں اللہ نے فرض کی ہیں، جو ان کا وضو عمدہ بنائے اور انھیں ان کے اوقات پر ادا کرے، ان کے رکوع اور خشوع کامل رکھے تو ایسے شخص کے لیے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے بخش دے گا اور جو یہ نہ کرے تو اس کے لیے اللہ کا کوئی وعدہ نہیں ہے، اگر چاہے تو معاف کر دے اور اگر چاہے تو عذاب دے۔''

اب لسان العرب کے الفاظ ہیں:

''حَدِيْثُ صلاةِ الوِتْرِ: كَذَبَ أَبو مُحَمَّدٍ أَي أَخْطأَ؛ سَمَّاهُ كَذِباً، لِأَنَّهُ يُشْبِهُهُ فِي كَوْنِهِ ضِدَّ الصَّوَابِ، كَمَا أَنَّ الْكَذِبَ ضِدُّ الصِّدْقِ، وإِن افْتَرَقا مِنْ حَيْثُ النية والقصد، لِأَنَّ الْكاذِبَ يَعْلَمُ أَن مَا يَقُولُهُ كَذِبٌ، والمُخْطِئُ لَا يَعْلَمُ...''[2]

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٢٥)

[2] لسان العرب (١/ ٧٠٩)

''وتر والی حدیث (سنن النسائي، رقم الحدیث: ٤٦١) میں ہے: ''كذب أبو محمد'' یعنی ابو محمد نے غلطی کی۔ اسے کذب (جھوٹ) اس لیے کہا، کیوں کہ درست بات کے خلاف ہونے میں یہ جھوٹ کی طرح ہے، جس طرح جھوٹ سچ کے خلاف ہوتا ہے، اگرچہ نیت اور ارادے کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہے، کیوں کہ جھوٹا شخص جانتا ہے کہ وہ جو کہہ رہا ہے، وہ جھوٹ ہے اور غلطی کرنے والا لاعلم ہوتا ہے۔''

اس کے بعد لسان العرب دیکھیں کہ کس طرح سیاق وسباق سے دلیل لی جا رہی ہے کہ متعلقہ روایت میں ''کذب'' خطا کے معنی میں مستعمل ہے۔ لسان العرب کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

''وَهَذَا الرَّجُلُ لَيْسَ بِمُخْبِرٍ، وإنما قَالَهُ بِاجْتِهَادٍ، أَدَّاه إِلىٰ أَنَّ الْوِتْرَ وَاجِبٌ، وَالِاجْتِهَادُ لَا يَدْخُلُهُ الكذبُ، وإنما يدخله الخطَأُ''[1]

''حدیث میں مذکور شخص کوئی خبر دینے والا نہیں تھا، بلکہ اس نے یہ بات اجتہاد کرتے ہوئے کہی اور اس کا اجتہاد اس نتیجے پر پہنچا کہ وتر واجب ہے اور اجتہاد میں کذب کا کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ اس میں غلطی کا دخل ہوتا ہے۔''

ہم کہتے ہیں کہ کیا اسی طرح کا معاملہ زیر بحث روایت میں بھی ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ معاملہ برعکس ہے، یعنی سیاق اس بات پر دال ہے کہ ''غصب'' اپنے حقیقی و عام معنی میں مستعمل ہے۔''[2]

ہمارے اس جواب کے بعد الحمدللہ یہ دعویٰ غائب ہوگیا کہ لفظ ''اغتصبها'' کا ترجمہ لغت کے اعتبار سے غلط نہیں ہے، مگر اس کی جگہ پر یہ کہا گیا:

''اگر کوئی کہے کہ آپ نے ''فَاغْتَصَبَهَا يَزِيدُ'' کا ترجمہ ومفہوم قبضے میں لے لیا'' کیوں کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم تمام صحابہ سے عقیدت ومحبت رکھتے ہیں اور ہمارا یہ منہج ہے کہ ہر ممکن طریقے سے اپنے آپ کو صحابہ کی تنقیص یا اشارۃً تنقیص سے بھی

---

[1] لسان العرب (١/ ٧٠٩)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (٦١ ـ ٦٥) دیکھیں۔

بچایا جائے اور ان شاء اللہ اسی منہج میں خیر ہے۔''[1]

عرض ہے کہ اگر صحابہ کرام سے عقیدت و محبت کا ثبوت دینا ہے اور اپنے آپ کو صحابہ کی تنقیص یا اشارہ تنقیص سے بچانا ہے تو اس بکواس روایت کو موضوع اور من گھڑت کہیں، کیوں کہ اسے موضوع و من گھڑت کہنا ناممکن نہیں ہے، بالخصوص جب کہ امام بخاری رحمہ اللہ جیسے عظیم محدث نے اس پر جرح کی ہے اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسے موضوع اور من گھڑت کہا ہے۔

اس کے برعکس اگر اس روایت کو صحیح باور کیا جائے اور ترجمہ میں بکواس والے حصے پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی جائے تو یہ قطعاً بے سود ہے، کیوں کہ کوئی بھی ترجمہ کرنے کے لیے لغت نیز سیاق وسباق سے اس کی گنجایش ہونی چاہیے، لیکن آں جناب جو ترجمہ کر رہے ہیں، اس کی نہ تو لغت سے کوئی گنجایش ہے اور نہ سیاق و سباق ہی اس کی اجازت دیتا ہے، جیسا کہ ہم نے دوسری تحریر میں واضح کیا تھا، جسے اوپر نقل کیا گیا ہے۔

یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کسی صحابی سے متعلق لوٹ مار کی تہمت والی روایت مل جائے تو اسے صحیح قرار دے کر لوٹ مار والے الفاظ کا ترجمہ صدقہ و خیرات سے کر دیا جائے۔ محترم کچھ بھی ترجمہ کرنے کے لیے لغت اور سیاق وسباق کے اعتبار سے گنجایش نکلنی چاہیے، نیز آپ یہ کیوں بھول رہے ہیں کہ عربی جاننے والے دنیا میں بہت سے لوگ موجود ہیں۔ آپ کی طرح سب تو یہ غلط ترجمہ نہیں کریں گے، ان کا کیا بنے گا؟ بالخصوص وہ لوگ جو صحابہ کے خلاف زبان درازیاں کرتے ہیں۔ آپ انھیں جذباتی دلیل سے تو قائل نہیں کر سکتے، بلکہ وہ تو لغت اور سیاق وسباق سے دلائل طلب کریں گے، اس طرح کسی رافضی نے اگر بطور الزام آپ کے خلاف یہ روایت پیش کر دی تو آپ اسے کیسے قائل کریں گے؟ اس کے سامنے غلط ترجمہ کرنے کا کیا جواز پیش کریں گے: اپنے جذبات یا لغت و سیاق کے دلائل؟

علاوہ بریں پوری دنیا میں سب کے سب صرف ترجمہ ہی پر تھوڑی گزارا کرتے، بلکہ بہت سارے لوگوں کی مادری زبان ہی عربی ہے، ان سے جب کہا جائے گا کہ یہ روایت صحیح ہے تو وہ اس بکواس والے حصے کا کیا کریں گے؟

---

[1] رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۲۶) مقالات (۶/ ۳۸۱)

الغرض اس روایت میں شدید نکارت ہے، جسے غلط ترجمہ کرکے چھپایا نہیں جاسکتا، لہٰذا یہ نکارت بھی اس بات کا قرینہ ہے کہ اس روایت کی وہی سند راجح ہے جس سے یہ مردود ثابت ہوتی ہے۔

نیز محترم نے جو یہ کہا ہے:

''کسی محدث نے اسے ہرگز موضوع قرار نہیں دیا۔''[1]

عرض ہے کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے واضح طور پر اسے موضوع اور من گھڑت کہا ہے، چناں چہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴ھ) نے کہا:

''وقد أورد ابن عساكر أحاديث في ذم يزيد بن معاوية كلها موضوعة لا يصح شيئ منها''[2]

''ابن عساکر نے یزید بن معاویہ کی مذمت میں کئی احادیث نقل کی ہیں، یہ سب کی سب موضوع اور من گھڑت ہیں ان میں سے ایک بھی صحیح نہیں۔''

اور زیرِ بحث روایت ابن عساکر ہی کی ہے، جیسا کہ خود ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی محولہ مقام پر کہا ہے۔ آں جناب نے ابن کثیر رحمہ اللہ کی طرف سے موضوع اور من گھڑت کہے جانے والے اس قول سے متعلق کہا:

''یہ قول بھی اپنے عموم کے لحاظ سے اُسی طرح غلط ہے، جیسا کہ ابن حزم نے وضو کے دوران میں ڈاڑھی کے خلال کے بارے میں لکھا: ''و هذا كله لا يصح منه شيئ'' (المحلی: ۲/ ۳٦، مسئلہ: ۱۹۰)''[3]

عرض ہے کہ اس قول کے غلط ہونے سے صرف یہ ثابت ہوا کہ ابن حزم کی بات غلط ہے، لیکن یہ ثابت نہیں ہوا کہ ابن حزم نے ایسا کہا ہی نہیں۔ یہی معاملہ ابن کثیر رحمہ اللہ کے قول کا ہے۔ اگر بالفرض آپ ابن کثیر رحمہ اللہ کے قول کو غلط ثابت کر دیں تو اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہوگا کہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ایسا کہا ہی نہیں۔ آپ ابن کثیر رحمہ اللہ کے قول سے لاکھ اختلاف کریں اور اسے غلط قرار دیں، لیکن یہ سب کچھ صرف آپ ہی کا موقف رہے گا نہ کہ آپ کے اختلاف سے یہ

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۳۵) مقالات (٦/ ۵۸۹)

[2] البداية والنهاية (۸/ ۲۳۱)

[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۳۰) مقالات (٦/ ۳۵۸)

ابن کثیر رحمہ اللہ کا بھی موقف بن جائے گا۔

یہیں سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ شدید ترین نکارت کے سبب بھی روایت کو موضوع کہا جاتا ہے، اگرچہ اس میں کذاب راوی نہ ہو۔ ہم نے پہلی تحریر میں یہی بات کہی تھی، لیکن اس پر ان الفاظ میں اعتراض کیا گیا تھا:

''اس کے علاوہ کیا یہ اصولِ حدیث کا مسئلہ ہے کہ متن کی نکارت کی بنا پر بھی روایت موضوع ہو جاتی ہے، جبکہ اس میں کوئی کذاب راوی نہ ہو؟''[1]

اس پر ہم نے کہا تھا:

''ہم بھی سوال کر سکتے ہیں کہ کیا یہ اصولِ حدیث کا مسئلہ ہے کہ کسی روایت کی سند میں کذاب راوی ہو تو اس روایت کو موضوع کہتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو ہمیں اصولِ حدیث کی کتب میں یہ مسئلہ دکھایا جائے اور بتایا جائے کہ کس کس محدث نے موضوع حدیث کی یہ تعریف کی ہے کہ جس حدیث میں کذاب راوی ہو، اسے موضوع کہتے ہیں؟

''ہمارے علم کی حد تک تو اصولِ حدیث کی کسی بھی کتاب میں موضوع حدیث کی یہ تعریف نہیں ملتی کہ موضوع حدیث وہ ہے جس کی سند میں کوئی کذاب راوی ہو۔

''ہاں یہ بات ضرور ہے کہ محدثین کا یہ طرزِ عمل ہے کہ وہ ایسی احادیث کو موضوع قرار دیتے ہیں، جن کی اسناد میں کذاب راوی ہو اور ٹھیک اسی طرح محدثین ایسی روایات کو بھی موضوع و باطل قرار دیتے ہیں، جس کی سند ضعیف ہو اور متن میں ناممکن بات ہو اور اس کے لیے میں نے پہلے ہی ابن جوزی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا حوالہ دیا ہے کہ ان حضرات نے ترمذی کی ایک ایسی حدیث کو موضوع کہا ہے، جس کے سارے راوی نہ صرف ثقہ ہیں، صحیح بلکہ بخاری و مسلم کے راوی ہیں اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے موضوع قرار دیا ہے۔ اسی طرح ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی متعدد ضعیف السند احادیث کے متن کو دیکھتے ہوئے انھیں موضوع کہا ہے۔

الغرض محدثین کا جس طرح یہ طرزِ عمل ملتا ہے کہ وہ کذاب راوی سے مروی روایت کو

---

[1] محدث فورم۔

موضوع کہتے ہیں، اسی طرح محدثین کا یہ بھی طرزِ عمل رہا ہے کہ وہ ضعیف رواۃ کے ذریعے سے منقول شدید نکارت یا ناممکن باتوں پر مشتمل روایت کو بھی موضوع قرار دیتے ہیں۔"[1]

لیکن الحمدللہ یہاں جس اقتباس کا ہم جواب دے رہے ہیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بات تسلیم کرلی گئی ہے کہ شدید نکارت کے سبب بھی حدیث کو موضوع کہا جاتا ہے، اگرچہ سند میں کوئی کذاب نہ ہو۔ البتہ یہ اعتراف کرتے ہوئے یہ قید لگائی گئی ہے:

"ایسی روایت کی سند صحیح نہیں، بلکہ مردود ہوتی ہے۔"[2]

عرض ہے کہ ہم نے کب اس کا انکار کیا؟ یہاں بھی تو ہم یہی بات کہہ رہے ہیں کہ یہ روایت مردود ہے اور متن کے نکارت کے پیشِ نظر یہ موضوع اور من گھڑت ہے، جیسا کہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا۔ والحمد للہ.

ابو العالیہ کی طرف سے تصریحِ سماع:

محترم زبیر علی زئی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس حدیث میں ابو العالیہ نے **سماع کی تصریح کر دی ہے،** لہٰذا ارسال کا اعتراض بھی مردود ہے۔"[3]

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"اس حدیث کی سند ابومسلم الجذمی تک متصل سند اور **تصریحِ سماعات کے ساتھ ثابت ہے،** جیسا کہ اس مضمون کے شروع میں درج سند سے ظاہر ہے، ابومسلم الجذمی کا سماع سیدنا ابو ذر الغفاری رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے اور ان کا مدلس ہونا ثابت نہیں، لہٰذا یہ روایت شروع سے آخر تک متصل ہے اور کسی قسم کے انقطاع کا نام ونشان تک نہیں۔"[4]

آں جناب کہنا یہ چاہتے ہیں کہ ابو العالیہ نے اپنے استاذ ابومسلم سے سماع کی صراحت کر

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۸۵۔۸۶) دیکھیں۔

[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۳۵) مقالات (۶/ ۵۸۹)

[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۲۴) مقالات (۶/ ۳۷۹)

[4] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۲۷) مقالات (۶/ ۳۸۲)

دی ہے، یعنی یہ کہہ دیا ہے کہ میں نے یہ بات ابو مسلم سے سنی ہے تو جب انھوں نے یہ صراحت کر دی کہ یہ بات انھوں نے ابو مسلم سے سنی ہے تو پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس سند میں ابو العالیہ کے استاذ کا نام ساقط ہے، یعنی یہ سند منقطع ہے؟

جواباً عرض ہے کہ سند کا موصول بیان کرنا ہی سرے سے محل نظر ہے۔ قطع نظر اس کے کہ مقامِ انقطاع پر سماع کی صراحت ہے یا نہیں؟ جب یہ ثابت ہوگیا کہ سند میں ایک راوی کا اضافہ غلط ہے تو اب یہ اضافہ ''عن'' کے ساتھ ہو یا سماع کی تصریح کے ساتھ؛ بہر صورت مردود ہے، کیوں کہ مسئلہ سماع کی صراحت و عدمِ صراحت کا نہیں ہے، بلکہ مسئلہ اضافہ کیے گئے راوی کے وجود و عدمِ وجود کا ہے، یعنی یہ راوی سند میں واقعتاً تھا یا کسی کی غلطی سے اس کا اضافہ ہوگیا ہے؟

اب ظاہر ہے کہ جب غلطی سے کسی اور راوی کا اضافہ ہوگا تو یا تو ''عن'' کے صیغے سے ہوگا یا سماع کے صیغے سے، دونوں میں سے کوئی نہ کوئی صورت تو ہوگی، لہٰذا اس معاملے میں سماع کی صراحت قطعاً مفید نہیں۔ مزید تسلی کے لیے آیئے اس سلسلے میں محدثین کی تصریحات بھی دیکھتے چلیں:

❁ امام ابن عبد البر رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۶۳ھ) نے کہا:

''فجمهور أهل العلم على أن عن وأن سواء، <u>**وأن الاعتبار ليس بالحروف، و إنما هو باللقاء والمجالسة والسماع والمشاهدة،**</u> فإذا كان سماع بعضهم من بعض صحيحا، كان حديث بعضهم عن بعض أبدا بأي لفظ ورد محمولا على الاتصال حتى تتبين فيه علة الانقطاع''[1]

''جمہور اہلِ علم کا کہنا ہے کہ ''عن'' اور ''أن'' ایک ہی چیز ہے <u>**اور اعتبار حروف کا نہیں ہوگا، بلکہ لقا و مجالست اور مشاہدے کا ہوگا،**</u> پس جب بعض کا بعض سے سماع صحیح ہوگا تو ان سے ان کی روایات ہمیشہ صحیح ہوں گی اور یہاں پر کسی بھی لفظ سے روایت منقول ہو، اسے سماع پر محمول کیا جائے گا، الا یہ کہ اس میں انقطاع کی علت ثابت ہو جائے۔''

غور کریں کہ امام ابن عبد البر رحمہ اللہ جمہور کے حوالے سے کہہ رہے ہیں کہ اعتبار حروف اور صیغوں کا نہیں ہوگا، بلکہ اصلاً سماع کے ثبوت کا ہوگا، یعنی اگر دو راویوں کے مابین سماع ثابت ہے تو وہ کسی بھی صیغے سے روایت کریں سماع پر محمول کیا جائے گا۔ آگے چل کر امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے

[1] التمهيد لابن عبد البر (١/ ٢٦)

یہ بھی کہا ہے کہ اگر انقطاع کا ثبوت مل جائے تو سماع ثابت نہ ہوگا، یعنی اگرچہ راوی نے سماع کا لفظ استعمال کیا ہو، کیوں کہ اعتبار حروف اور صیغوں کا نہیں ہوگا۔

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے صرف یہ بات ہی نہیں کہی، بلکہ اس اصول پر عمل بھی کیا ہے، چناں چہ امام ابن عبد البر رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۶۳ھ) نے ایک مقام پر کہا:

"فأما حديث ثوبان **فإنه يرويه يحيیٰ بن أبي كثير قال: حدثنا أبو سلام** عن أبي أسماء الرحبي عن ثوبان، **ولم يسمعه يحيیٰ من أبي سلام، ولا يصح**"[1]

"رہی ثوبان کی حدیث تو اسے یحییٰ بن ابی کثیر روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "حَدَّثنا" (ہم سے ابو سلام نے بیان کیا) انھوں نے ابو اسماء الرحبی سے نقل کیا اور انھوں نے ثوبان سے۔**لیکن یحییٰ نے ابوسلام سے نہیں سنا اور یہ حدیث صحیح نہیں۔**"

امام ابن رجب رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۹۵ھ) فرماتے ہیں:

"ولا يعتبر بمجرد ذكر السماع والتحديث في الأسانيد، فقد ذكر ابن المديني أن شعبة وجدوا له غير شيئ يذكر فيه الإخبار عن شيوخه ويكون منقطعا، وذكر أحمد: أن ابن مهدي حدث بحديث عن هشيم أنا منصور بن زاذان قال أحمد ولم يسمعه هشيم من منصور"[2]

"سندوں میں محض سماع اور تحدیث کی صراحت کا اعتبار نہیں ہوگا، کیوں کہ ابن مدینی نے ذکر کیا کہ شعبہ سے محدثین کو بہت سی روایات ملیں، جن میں وہ اپنے مشائخ سے روایات اخباراً بیان کرتے ہیں، لیکن وہ منقطع ہوتی ہیں، نیز امام احمد رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ ابن مہدی نے ہشیم کی ایک روایت بیان کی کہ ہشیم نے کہا: "أنا منصور بن زاذان" (ہم کو منصور بن زاذان نے خبر دی) امام احمد رحمہ اللہ نے کہا کہ اس روایت کو ہشیم نے منصور سے نہیں سنا۔"

الغرض جب کسی سند میں انقطاع کا ثبوت مل جائے تو مقامِ انقطاع پر سماع و تحدیث کی صراحت سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

---

[1] التمهيد لابن عبد البر (١٦/ ١١٥)

[2] شرح علل الترمذي لابن رجب (ص: ٥٩)

عبدالوہاب ثقفی کا متکلم فیہ ہونا:

محترم زبیر علی نے محمد بن عبدالوہاب کی توثیق پر لمبی چوڑی تفصیل ''رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا: یزید...'' (ص: ۴ تا ۸) ''مقالات'' (۶/ ۳۵۹۔۳۶۳) میں پیش کی اور یہ ثابت کیا ہے کہ یہ ثقہ ہیں۔

عرض ہے کہ ہم نے ان کے ثقہ ہونے سے کب اختلاف کیا؟ ہم بھی انھیں ثقہ مانتے ہیں، لیکن چوں کہ یہ متکلم فیہ ہیں، ان پر ضعف اور اختلاط سے متعلق جرح ہوئی ہے، لہٰذا جب زیادتِ ثقہ کے معاملے میں قرائن دیکھنے کی بات آئے گی تو ان کے متکلم فیہ ہونے کو پیشِ نظر رکھا جائے گا۔

مثال کے طور پر ''یزید بن خصیفہ'' صحیح بخاری و مسلم کے راوی اور ثقہ ہیں، لیکن موصوف نے عہدِ فاروقی میں رکعاتِ تراویح کی تعداد روایت کرتے ہوئے ایک دوسرے ثقہ ''محمد بن یوسف'' کی مخالفت کی ہے تو ایسے موقع پر ان کی گئی جرح کا حوالہ دیا جاتا ہے اور اس کے پیشِ نظر ان کی روایت کو ایسے ثقہ راوی کے بالمقابل رد کر دیا جاتا ہے، جو متکلم فیہ نہیں ہیں، جیسا کہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے تحقیق پیش کی ہے۔ دیکھیں: ان کی کتاب ''صلاة التراويح''. بلکہ خود محترم زبیر علی زئی نے اپنی کتاب ''قیامِ رمضان'' کے صفحہ (۶۳) پر عہدِ فاروقی میں تراویح سے متعلق حکم فاروقی سے متعلق روایات کا جو جدول پیش کیا ہے، اس میں محمد بن یوسف کو ثقہ بالاجماع لکھا ہے اور یزید بن خصیفہ کو ثقہ مختلف فیہ لکھا ہے۔

کیا ہم پوچھ سکتے ہیں جب دونوں ثقہ ہیں تو یزید بن خصیفہ کے بارے میں اختلاف کو پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ظاہر ہے کہ اسی بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ ثقہ مختلف فیہ نے ایسے راوی کے خلاف روایت بیان کی ہے، جو بالاتفاق ثقہ ہے۔ نیز موصوف نے اسی کتاب کے صفحہ (۷۷) پر صحیح بخاری کے راوی ''علی بن جعد'' کو ثقہ علی الراجح کہنے کے باوجود بھی اس پر جرح نقل کی ہے۔

عرض ہے کہ ہم نے بھی عبدالوہاب ثقفی کو ثقہ ہی مانا ہے، لیکن ترجیح کے وقت ان کے متکلم فیہ ہونے کی بات کہی ہے، کیوں کہ انھوں نے جن لوگوں کے خلاف روایت بیان کی ہے، ان میں صحیح بخاری و مسلم اور سنن اربعہ کے راوی معاذ بن معاذ العنبری بھی ہیں، جو زبردست ثقہ اور متقن ہیں۔

✿ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان سے متعلق ناقدین کے اقوال کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے کہا:

"معاذ بن معاذ بن نصر بن حسان العنبرى أبو المثنى البصري القاضي **ثقة متقن من كبار التاسعة**"[1]

معاذ بن معاذ نصر بن حسان عنبری ابو مثنی بصری قاضی یہ ثقہ اور متقن ہیں اور نویں طبقے کے کبار لوگوں میں سے ہیں۔"

❁ جبکہ عبدالوہاب ثقفی کے بارے میں ناقدین کے اقوال کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا:

"عبد الوهاب بن عبد المجيد بن الصلت الثقفي أبو محمد البصري **ثقة تغير قبل موته بثلاث سنين من الثامنة**"[2]

"عبدالوہاب بن عبدالمجید بن صلت ثقفی ابو محمد بصری یہ ثقہ ہیں۔ وفات سے تین سال قبل ان کے حافظہ میں تغیر واقع ہوگیا تھا۔ یہ آٹھویں طبقے کے ہیں۔"

معلوم ہوا کہ کتبِ ستہ کے راوی "عبدالوهاب ثقه متكلم فيه" نے کتبِ ستہ کے راوی "معاذبن معاذ عنبرى ثقة متقن بالاتفاق" کے خلاف روایت کیا ہے، لہٰذا زیادتِ ثقہ کے مسئلے میں یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ عبدالوہاب کی روایت رد ہونی چاہیے۔

رہا ان کے ضعف و اختلاط سے متعلق اہلِ فن کا کلام اور اس سے متعلق موصوف کی بحث تو اگرچہ اس کے جواب کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیوں کہ ہم عبدالوہاب کی ثقاہت کے منکر نہیں اور ان کے ضعف و اختلاط کی بات محض ترجیح کے باب میں کر رہے ہیں، تاہم اس کا مفصل جواب ہم زیادتِ ثقہ والی بحث **"زیادتِ ثقہ کے قبول و رد سے متعلق محدثین کا موقف"** میں پیش کریں گے، کیوں کہ یہی وہ ثقہ ہیں جنھوں نے زیادتی کی ہے، نیز زیادتِ ثقہ سے متعلق محترم زبیر علی زئی کے دیگر ضمنی اشکالات کے جوابات بھی اسی مضمون میں پیش کیے جائیں گے۔[3]

معاصرین کے اعتراضات کے جوابات کا جائزہ:

حافظ زبیر علی زئی نے کہا ہے:

---

[1] تقريب التهذيب لابن حجر (٦٧٤٠)

[2] تقريب لابن حجر (٤٢٦١)

[3] اسی کتاب کا صفحہ (۲۰۸) دیکھیں۔

''جواب: اس حدیث کی سند ابومسلم الجذمی تک متصل سند اور تصریحِ سماعات کے ساتھ ثابت ہے، جیسا کہ اس مضمون کے شروع میں درج سند سے ظاہر ہے۔ ابومسلم الجذمی کا سماع سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے اور ان کا مدلس ہونا ثابت نہیں، لہٰذا یہ روایت شروع سے آخر تک متصل ہے اور کسی قسم کے انقطاع کا نام ونشان تک نہیں۔''[1]

اس کا جواب ''ابو العالیہ کی طرف سے تصریحِ سماع'' کے عنوان کے تحت دیا جا چکا ہے۔[2]

حافظ زبیر علی زئی نے کہا ہے:

'' کچھ رواۃ متکلم فیہ کا اگر یہ مطلب ہے کہ کچھ راوی ضعیف ہیں تو یہ بات غلط ہے، جیسا کہ اس مضمون میں راویوں کی مفصل تحقیق کر کے ثابت کر دیا گیا ہے۔ اگر مجرد کلام کا تذکرہ ہے تو عرض ہے کہ جمہور محدثین کی توثیق کے بعد متکلم فیہ ہونا چنداں مضر نہیں ہوتا۔ صحیحین (یا ان دونوں میں سے کسی ایک) کے کئی مرکزی راوی مثلاً فلیح بن سلیمان، یحییٰ بن سلیم الطائفی اور عکرمہ مولیٰ بن عباس وغیرہم بھی تو متکلم فیہ ہیں، لیکن جمہور کی توثیق کی وجہ سے اُن پر جرح مردود ہے اور اہلِ حدیث اُن کی بیان کردہ احادیث کو صحیح سمجھتے ہیں۔ تفصیل کے لیے "الأمر المبرم لإبطال الکلام المحکم" کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔''[3]

اس کا جواب بھی ''عبدالوہاب ثقفی کا متکلم فیہ ہونا'' کے تحت دیا جا چکا ہے۔[4]

حافظ زبیر علی زئی نے کہا ہے:

''اس حسن لذاتہ متصل روایت کو باطل یا موضوع قرار دینا ظلم ہے اور اس کے ثقہ و صدوق راویوں میں سے کسی کو سبائی درندہ قرار دینا تو ظلمِ عظیم ہے، جس کا حساب ایسے الفاظ کہنے والے کو اللہ کی عدالت میں دینا پڑے گا۔ ان شاء اللہ''[5]

الحمدللہ! ہمیں اللہ کے یہاں حساب دینے کی فکر آپ سے زیادہ ہے، اسی لیے تو ایک جلیل القدر

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۲۷) مقالات (۳۸۲/۶)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۱۵۵۔ ۱۵۷) دیکھیں۔

[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۲۷) مقالات (۳۸۲/۶)

[4] اسی کتاب کا صفحہ (۱۵۸۔ ۱۵۹) دیکھیں۔

[5] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۲۷) مقالات (۳۸۲/۶)

صحابی سے متعلق حسن پرستی اور اس کی خاطر کسی اور کی لونڈی زبردستی غصب کرنے کی بے ہودہ تہمت کی تصدیق نہیں کرتے، کیوں کہ ہمیں اللہ کے یہاں اس کا جواب دینا پڑے گا۔ رہی بات متصل روایت کو باطل کہنے کی تو ہم نے متصل روایت کو باطل نہیں کہا، کیوں کہ ہم اسے متصل مانتے ہی نہیں۔ متصل تو آپ مانتے ہیں اور آپ کیا مانتے ہیں؟ کیا نہیں مانتے ہیں؟ اس سے ہمیں کیا غرض؟ ہم تو اپنے موقف کے مطابق ہی فیصلہ کریں گے اور ہمارے نزدیک یہ روایت منقطع ہے، جیسا کہ تفصیل پیش کی گئی ہے۔

رہی بات کسی ثقہ وصدوق راوی کو سبائی درندہ قرار دے کر ظلمِ عظیم کرنا تو یہ ظلم مجھ غریب سے سرزد ہوا ہی نہیں، کیوں کہ ہم نے کسی بھی ثقہ یا صدوق راوی کو سبائی درندہ نہیں کہا، بلکہ ہم نے اس شخص کو سبائی درندہ کہا ہے جو زیرِ بحث روایت کی سند سے ساقط ہے اور اس کی جگہ غلط طور پر ابومسلم کا نام آ گیا ہے۔ یہاں پر ابومسلم راوی نہیں ہے، کیوں کہ اصل سند ابومسلم کے بغیر ہے، یعنی منقطع ہے اور مقامِ انقطاع پر راوی کون ہے؟ یہ معلوم نہیں۔ ہم نے اسی نامعلوم راوی کو سبائی درندہ کہا ہے۔ ظاہری سند میں مذکور رواۃ میں سے کسی کو سبائی قطعاً نہیں کہا، جیسا کہ موصوف باور کرا رہے ہیں!!

حیرت ہے کہ ہم نے دوسری تحریر میں پوری صراحت کر دی تھی کہ ہم سبائی درندہ و کذاب کس کو کہہ رہے ہیں، اس کے باوجود بھی موصوف نے ہم پر غلط الزام لگا دیا، چناں چہ ہم نے پوری وضاحت کرتے ہوئے کہا تھا:

> ''<u>ہم نے کب کہا کہ زیرِ بحث روایت کا کوئی راوی ضعیف یا کذاب ہے؟</u> لیکن کیا سند کے تمام رواۃ کا ثقہ ہونا سند کی صحت کے لیے کافی ہے؟ اگر کافی ہے تو خود حافظ موصوف نے یزید بن خصیفہ کے طریق سے مروی بیس رکعاتِ تراویح والی روایت کو ضعیف کیوں کہا؟ کیا اس سند میں کوئی ضعیف یا کذاب راوی ہے؟
>
> ''اسی طرح رفع الیدین کے مسئلے میں ''معاني الآثار للطحاوي'' کی حصین عن مجاہد والی روایت جو ابن عمر رضی اللہ عنہما کے صرف ایک بار رفع الیدین کرنے سے متعلق ہے، اسے ضعیف کیوں کہا گیا؟ کیا اس میں کوئی ضعیف یا کذاب راوی ہے؟''[1]

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۸۲) دیکھیں۔

نیز ہم نے کہا تھا:

’’ہم نے زیر بحث روایت کو مردود قرار دیا **تو اس لیے نہیں کہ اس کی سند میں کوئی ضعیف یا کذاب راوی ہے،** بلکہ اس لیے کہ اس کی سند منقطع ہے اور عبدالوہاب والی سند منکر ہے، کیوں کہ عبدالوہاب پر جرح ہوئی ہے اور اس نے دیگر ثقہ رواۃ کے خلاف اس حدیث کو موصول بیان کر دیا، اسی طرح ہم نے امام بخاری رحمہ اللہ کے قول کو بھی بنیاد بنایا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کا کیا مقام ہے؟ یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔‘‘[1]

ہم نے یہ بھی کہا تھا:

’’فائدہ: **ہم نے زیر بحث حدیث کے کسی راوی کو ضعیف یا کذاب تو نہیں کہا،** بلکہ عبدالوہاب کے بارے میں یہ کہا ہے کہ اس سے حدیث کو موصول بیان کرنے میں غلطی ہوئی، لیکن اگر کوئی اس بات کو تسلیم نہ کرے تو اس کے اصول سے اس روایت کی سند میں موجود ابو مسلم کا کذاب ہونا ثابت ہوتا ہے، کیوں کہ یہ روایت ابو مسلم ہی کی بیان کردہ ہے اور یہ بے چارہ جس جگہ دو صحابہ کی ملاقات دکھلا رہا ہے، وہاں پر امام بخاری رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق ان دونوں صحابہ کی ملاقات قطعاً نہیں ہوسکتی، لہٰذا عبدالوہاب کے بیان کو درست مان لیا جائے تو امام بخاری رحمہ اللہ کی تصریح کی روشنی میں ابو مسلم کا کذاب و دجال ہونا ثابت ہوتا ہے۔

’’ہمارے نزدیک راجح بات یہی ہے کہ **زیر بحث روایت کی سند سے ایک راوی ساقط ہے اور یہ نامعلوم ہے، اُسی نے امام بخاری رحمہ اللہ کے قول کی روشنی میں ناممکن بات بیان کی ہے، لہٰذا یہ روایت موضوع و من گھڑت ہے، اسے کسی دجال و کذاب سبائی نے گھڑا ہے۔** یاد رہے کہ عدمِ سماع و عدمِ لقا کی صراحت کرنے میں نقاد محدثین کو اتھارٹی حاصل ہوتی ہے اور ان کا قول حجت ہوتا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کا نقد و علل میں کیا مقام تھا؟ یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔‘‘[2]

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۸۳) دیکھیں۔

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۸۳۔۸۴) دیکھیں۔

ہم حیران ہیں کہ ہماری اس قدر وضاحتوں کے باوجود بھی محترم نے سبائی والی بات کو کہاں فٹ کر دیا اور اس کے بعد محاسبے کا خوف بھی دلا دیا!!

حافظ زبیر علی زئی نے کہا ہے:

''نیز یہ کہنا بھی بالکل باطل ہے کہ جس نے بھی اسے گھڑا ہے، وہ تاریخ سے نابلد تھا۔''[1]

عرض ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی جرح کی روشنی میں یہ کہنا بالکل حق ہے، جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

حافظ زبیر علی زئی نے کہا ہے:

''جب اس سند میں کوئی کذاب وضاع راوی نہیں، بلکہ تمام راوی ثقہ یا صدوق ہیں تو گھڑنے یا مکذوب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ یہ تو صحیح حدیث کی تکذیب ہے جو اہلِ حدیث کا منہج ہرگز نہیں۔''[2]

صحیح حدیث کی تعریف میں رواۃ کے ثقہ اور سند کے متصل ہونے کے ساتھ ساتھ عدمِ شذوذ اور نفیِ علت کی بھی شرط لگائی جاتی ہے۔ یہ اصولِ حدیث کا ہر طالب علم جانتا ہے۔ کیا ہم آں جناب سے پوچھ سکتے ہیں کہ اگر صحیح حدیث کے لیے رواۃ کی عدالت اور اتصال کی شرط لگا دی گئی تو مزید دو شرطوں کا کیوں اضافہ کیا گیا؟ جب اتصالِ سند اور رواۃ کی ثقاہت کے بعد گھڑنے یا مکذوب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو بلاوجہ شذوذ اور علت جیسی دو شرطوں کا کیوں اضافہ کیا گیا؟ کیا عدمِ شذوذ اور نفیِ علت کی شرط لگانا صحیح حدیث کی تکذیب ہے اور اہلِ حدیث کا منہج نہیں ہے؟

تدلیس کی تہمت:

حافظ زبیر علی زئی نے کہا ہے:

''ایک شخص نے امام عبد الوہاب ثقفی (ثقہ) کی روایت کو باطل یا موضوع ثابت کرنے کے لیے۔''[3]

---

[1] رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا: یزید...(ص: ۲۷) مقالات (۶/ ۳۸۲)

[2] رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا: یزید...(ص: ۲۷، ۲۸) مقالات (۶/ ۳۸۲۔۳۸۳)

[3] رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا: یزید...(ص: ۲۸) مقالات (۶/ ۳۸۳)

عرض ہے کہ عبدالوہاب نے سند میں جو ایک راوی کا اضافہ کیا ہے، اسے غلط ثابت کرنے کے لیے اور سند سے جو راوی ساقط ہے، اس کی روایت کو باطل ثابت کرنے کے لیے!

حافظ زبیر علی زئی نے آگے کہا ہے:

''پانچ روایات پیش کیں اور بعد میں لکھا: موخر الذکر تین رواۃ تک سند کمزور ہے، لیکن اوپر کے دو رواۃ سے ثابت ہے کہ انھوں نے روایت مذکورہ کو منقطع بیان کیا ہے۔ عرض ہے کہ جب تین روایتیں مردود ہیں تو انھیں پیش کرنے اور تدلیس سے کام لینے کی کیا ضرورت تھی؟''[1]

آپ ہماری پوری بات نقل کر دیتے تو تدلیس والی تہمت خود بخود باطل ثابت ہوجاتی۔ یہ لیں ہم اپنی پوری بات نقل کیے دیتے ہیں:

''موخر الذکر تین رواۃ تک سند کمزور ہے، لیکن اوپر کے دو رواۃ[2] سے ثابت ہے کہ انھوں نے روایت مذکورہ کو منقطع بیان کیا ہے، پھر ان دونوں کے ساتھ مل کر بقیہ رواۃ کا بیان بھی درست ثابت ہوتا ہے[3] اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ابن عساکر کی زیر نظر روایت میں رویانی کے شیخ عبدالوہاب سے سند بیان کرنے میں غلطی ہوئی ہے اور انھوں نے منقطع روایت کو موصول بیان کر دیا ہے۔''[4]

---

[1] رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۲۸) مقالات (۶/۳۸۳)

[2] مزید مطالعے کی روشنی میں معلوم ہوا کہ دو رواۃ نہیں، بلکہ تین رواۃ سے یہی بات ثابت ہے۔ تیسری روایت سفیان بن عیینہ کی ہے، اس کی سند بھی سفیان تک صحیح ہے اور ان کا عنعنہ مقبول ہے، نیز یہاں پر ان کی متابعت بھی موجود ہے۔

[3] زبیر علی زئی صاحب نے بھی بعض مقامات پر متابعت کی بنا پر ضعیف السند روایات کی تصحیح کی ہے۔ مثلا ایک ضعیف السند روایت کی تصحیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اس روایت پر دو اعتراض ممکن ہیں: ① ابن لہیعہ آخر عمر میں اختلاط کا شکار ہوگئے تھے۔ ② ابن لہیعہ مدلس تھے۔ لیکن مسند احمد (۲/ ۳۵۰، رقم الحدیث: ۸۶۰۴) میں ابن لہیعہ کے سماع کی تصریح موجود ہے۔
ان دونوں اعتراضوں کا جواب یہ ہے کہ عمرو بن الحارث (ثقہ راوی) نے ابن لہیعہ کی متابعت کر رکھی ہے۔ (دیکھیں: صحیح ابن حبان، الاحسان: ۶۲۷۶، الکامل لابن عدی: ۳/ ۱۰۱۳) اور یہ سند صحیح ہے، لہٰذا ابن لہیعہ کی مذکورہ روایت بھی اس متابعت کے ساتھ صحیح ہے۔ (شمائل ترمذی، ترجمہ زبیر علی زئی، ص: ۱۵۹)

[4] اسی کتاب کا صفحہ (۱۳۷) دیکھیں۔

ہم نے آگے چل کر وضاحت کر دی کہ موخر الذکر رواۃ کی تائید ثقہ رواۃ سے ثابت ہے، لہٰذا ان کا بیان بھی معتبر ہے۔ صحیح بخاری (رقم الحدیث: ۲۳۱۱) کی حدیث کے مطابق شیطان کذاب کی بات کو بھی سچ کہا گیا، کیوں کہ رسول اکرم ﷺ نے اس بات کی تصدیق کر دی تو جب تصدیق ملنے پر شیطان کی بات بھی معتبر ہو جاتی ہے تو انسان، وہ بھی مسلمان کتنا بھی برا ہو، شیطان سے تو بہتر ہے۔ نیز اگر اس طرزِ عمل کا نام ''تدلیس'' ہے تو آپ نے بھی تو اپنی کتاب ''نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام'' (ص: ۱۶) پر سینے پر ہاتھ باندھنے سے متعلق ابن خزیمہ کی روایت کو پیش کیا اور پھر خود ہی (ص: ۲۰) اسے ضعیف بھی کہا۔ کیا یہ بھی تدلیس ہے؟ فما کان جوابکم فھو جوابنا۔[1]

حافظ زبیر علی زئی نے کہا ہے:

''جب صرف دو روایات ہیں تو یہی ظاہر ہے کہ دو راوی ابو مسلم الجذمی کا واسطہ بیان نہیں کرتے اور ایک راوی بیان کرتے ہیں۔ زیادتِ ثقہ مقبولہ کے اصول کی رُو سے ابو مسلم کے اضافے والی بات مقبول ہے اور ہمارے اس مضمون میں صحیح بخاری میں امام بخاری کے عمل سے، نیز دوسرے دلائل سے بھی یہی ثابت کر دیا گیا ہے۔''[2]

زیادتِ ثقہ کے بارے میں الگ سے دوسرے مقام پر تفصیل پیش کی گئی ہے۔[3]

یاد رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ زیادتِ ثقہ کو علی الاطلاق قبول کرنے والے موقف سے بری ہیں۔ والحمد للّٰہ.

زیادتِ ثقہ کے مردود ہونے کی طرف اشارہ:

حافظ زبیر علی زئی نے کہا ہے:

''اعتراض: بہت سارے محدثین نے اس زیر بحث روایت کو منقطع قرار دیا ہے۔

جواب: معترض نے ابن عساکر، بیہقی، ابن کثیر اور کسی ابن طولون کے حوالے پیش کیے۔

---

[1] واضح رہے سینہ پر ہاتھ باندھنے سے متعلق صحیح ابن خزیمہ کی یہ حدیث بالکل صحیح و ثابت ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں ہماری کتاب: ''أنوار البدر في وضع الیدین علی الصدر'' (ص: ۱۴۳ تا ۱۹۰)

[2] رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۲۸) مقالات (۶/۳۸۳)

[3] اسی کتاب کا صفحہ (۲۰۸) دیکھیں۔

جس حدیث کو اس مضمون کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے، اُس پر ابن عساکر نے اس مقام پر کوئی جرح نہیں کی اور تاریخ دمشق (۱۸/ ۱۶۰) میں جب ابو العالیہ رحمہ اللہ کی روایت: "كنا بالشام مع أبي ذر" لکھی تو فرمایا کہ ثقفی نے اسے ابو العالیہ عن ابی مسلم عن ابی ذر کی زیادتی کے ساتھ بیان کیا ہے اور یہ حدیث یزید بن ابی سفیان کے تذکرے میں آ رہی ہے۔

"حافظ ابن عساکر نے ابو مسلم کی بیان کردہ حدیث کو ہرگز منقطع نہیں کہا، بلکہ "زَادَ" کے لفظ کے ساتھ زیادتِ مذکورہ کا اشارہ کیا اور یہ معلوم ہے کہ زیادتِ ثقہ مقبول ہوتی ہے۔

"حافظ ذہبی نے بھی تاریخ الاسلام (۵/ ۲۷۳) میں ابو مسلم کی اس حدیث کو منقطع یا ضعیف نہیں کہا، بلکہ یہ بتایا کہ دوسری سند میں ابو مسلم کا واسطہ موجود نہیں اور حافظ ذہبی کی اس بات سے کسے انکار ہے؟

"بیہقی نے "دلائل النبوة" (٥/ ٤٦٦- ٤٦٧) میں ابو مسلم الجذمی کی روایت بیان ہی نہیں کی، بلکہ ابو العالیہ کی ابو مسلم کے بغیر روایت بیان کی اور فرمایا: اس سند میں ابوالعالیہ اور ابو ذر کے درمیان ارسال ہے۔"[1]

مضمون کے شروع میں جہاں اس روایت کو مردود قرار دینے والوں کی فہرست پیش کی گئی ہے، وہاں وضاحت کر دی گئی ہے کہ محدثین کبھی کبھی صراحت کے ساتھ ضعیف نہیں کہتے، بلکہ اس کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔[2]

ابو العالیہ اور ابو ذر رضی اللہ عنہ کے درمیان واسطہ:

حافظ زبیر علی زئی نے کہا ہے:

"امام بیہقی سے پہلے امام یحییٰ بن معین نے اس سوال "کیا ابو العالیہ نے ابو ذر سے سنا؟" کا جواب دیا: "لا، إنما يروي أبو العالية عن أبي مسلم عن أبي ذر" (تاريخ ابن معين، رواية الدوري، ٣٤٦٧) "نہیں۔ ابو العالیہ تو صرف ابو مسلم عن ابی

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۲۸، ۲۹) مقالات (۶/ ۳۸۳-۳۸۴)
[2] اسی کتاب کا صفحہ (۹۴-۹۵) دیکھیں۔

ذر (کی سند) سے روایت کرتے ہیں۔‘‘ **اس ارشاد میں امام ابن معین نے سمجھا دیا کہ ابو العالیہ اور ابو ذر رضی اللہ عنہ کے درمیان ابو مسلم الجذمی کا واسطہ ہے۔‘‘**[1]

امام ابن معین رحمہ اللہ کی عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے لفظ ’’صرف‘‘ کا اضافہ باطل و غلط اور مردود ہے۔ یہ اضافہ کر کے محترم زبیر علی زئی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ابو العالیہ نے جو بھی روایت نقل کی ہے، وہ سب ’’ابو مسلم‘‘ کے واسطے سے ہے۔

حالاں کہ ابن معین رحمہ اللہ نے فقط یہ بتایا ہے کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ کی احادیث کو ابو العالیہ نے براہِ راست نہیں سنا ہے، بلکہ ابو مسلم کے واسطے سے سنا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب کہاں ہوا کہ ابو العالیہ کی ہر حدیث کا یہی معاملہ ہے؟ کیوں کہ امام ابن معین رحمہ اللہ کے کلام میں حصر کی دلیل نہیں، لہٰذا ’’صرف‘‘ کے ذریعے سے حصر کے معنی میں ترجمہ کرنا باطل ہے اور اس کے بطلان کی ایک زبردست دلیل یہ بھی ہے کہ صحیح مسلم میں ابو العالیہ نے ابو ذر رضی اللہ عنہ ہی سے ایک روایت کو نقل کیا، لیکن ’’ابو مسلم‘‘ کے واسطے سے نہیں، بلکہ ’’عَبد اللّٰه بن الصامت‘‘ کے حوالے سے، چناں چہ امام مسلم رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۱ھ) نے کہا:

حَدَّثَنِي يَحْيَىٰ بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ، حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ بُدَيْلٍ، قَالَ: سَمِعْتُ **أَبَا الْعَالِيَةِ**، يُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنُ الصَّامِتِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، وَضَرَبَ فَخِذِي: كَيْفَ أَنْتَ إِذَا بَقِيتَ فِي قَوْمٍ يُؤَخِّرُونَ الصَّلَاةَ عَنْ وَقْتِهَا؟ قَالَ: قَالَ: مَا تَأْمُرُ؟ قَالَ: صَلِّ الصَّلَاةَ لِوَقْتِهَا، ثُمَّ اذْهَبْ لِحَاجَتِكَ، فَإِنْ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ وَأَنْتَ فِي الْمَسْجِدِ فَصَلِّ‘‘[2]

محترم زبیر علی زئی امام ابن معین رحمہ اللہ کے کلام سے جو مطلب اخذ کر رہے ہیں، اس کے بطلان پر صحیح مسلم کی یہ روایت زبردست دلیل ہے، کیوں کہ اس میں ابو العالیہ رحمہ اللہ نے ’’عَبدِ اللّٰهِ بْنِ الصَّامِتِ‘‘ کے واسطے سے ابو ذر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے نہ کہ ’’ابو مسلم‘‘ کے واسطے سے!

اس لیے یہ کہنا کہ ابو العالیہ نے جہاں بھی ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی وہاں ’’ابو مسلم‘‘ کا

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۲۹) مقالات (۶/ ۳۸۴)

[2] صحیح مسلم (١/ ٤٤٨) رقم الحديث (٦٤٨)

واسطہ ہے، باطل و مردود ہے۔ واضح رہے کہ اس طرح کی اور بھی احادیث ہیں، جہاں ابو العالیہ نے ابومسلم کے علاوہ دیگر رواۃ کے واسطے سے ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے۔

ابو العالیہ کا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے سماع؟

حافظ زبیر علی زئی نے کہا ہے:

''دوسری طرف ابن عساکر نے ابو العالیہ کے بارے میں لکھا ہے: "وقدم الشام مجاهدًا، و سمع بها أبا ذر، و قيل: إنه وفد علٰى عمر بن عبد العزيز" ''وہ جہاد کرنے کے لیے شام آئے اور شام میں ابو ذر سے سنا اور یہ کہا گیا ہے کہ وہ عمر بن عبد العزیز کے پاس بطورِ وفد آتے تھے۔''[1] ابو حاتم الرازی نے فرمایا: "بصري أدرك الجاهلية"[2] ابو العالیہ نے فرمایا: "دخلت علٰى أبي بكر" میں ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے پاس گیا۔[3]

ابو العالیہ کبار تابعین (من الثانية) میں سے تھے اور ان کے استاد ابومسلم کو "من الثالثة" کہنا محلِ نظر ہے۔''[4]

یہاں پر موصوف نے ابو العالیہ کا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور اس ضمن میں دو باتیں پیش کی ہیں:

(۱) ابن عساکر رحمہ اللہ کا قول۔ (۲) ابو العالیہ کا ابو ذر رضی اللہ عنہ کا معاصر ہونا۔

اب ہم ان دونوں باتوں کی حقیت واضح کرتے ہیں۔

1 ابن عساکر رحمہ اللہ کا قول:

امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۷۱ھ) نے کہا:

"وقدم الشام مجاهدا وسمع بها أبا ذر وقيل إنه وفد على عمر بن عبد العزيز"[5]

---

[1] تاریخ دمشق (۱۸/ ۱۹۵)

[2] الجرح والتعديل (۳/ ۵۱۰) ت (۲۳۱۲)

[3] التاريخ الأوسط (۱/ ۳۶۹) رقم (۸۱۷) وسنده حسن، دوسرا نسخه (۳/ ۲۳) رقم (۵۲) الربيع بن أنس وثقه الجمهور.

[4] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۲۹) مقالات (۶/۳۸۴)

[5] تاريخ دمشق لابن عساكر (۱۸/ ۱۵۹)

''اور یہ جہاد کرنے کے لیے شام آئے اور وہاں ابو ذر رضی اللہ عنہ سے سنا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس آئے۔''

اولاً: قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ ابن عساکر رحمہ اللہ کی بے سند بات موصوف کی نظر میں حجت ہوگئی، حالاں کہ امام ابن عساکر رحمہ اللہ نے اس بات کو معروف بھی نہیں کہا اور اس کے برعکس ائمہ فن کی شہادتیں بھی موجود ہیں۔ مثلاً خود موصوف نے اس سے قبل ابن معین سے نقل کیا کہ وہ ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ابو العالیہ کے سماع کا انکار کر رہے ہیں۔

اب کتنی عجیب بات ہے کہ امام العلل امام بخاری رحمہ اللہ معروف کہہ کر کوئی بات کہیں تو اسے قصہ کہانی کے مشابہ قرار دے کر یکسر رد کر دیا جائے اور امام ابن عساکر رحمہ اللہ بے سند بات کہیں اور دیگر ائمہ فن اس کا انکار کریں، اس کے باوجود بھی ابن عساکر کا قول موصوف کی نظر میں حجت و برہان کی حیثیت رکھتا ہو! یہ معمہ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔

ثانیاً: جمہور اہلِ فن نے ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ابو العالیہ کے سماع کا انکار کیا ہے، اس لیے تنہا ابن عساکر کی بات غیر مسموع ہے۔ انکار کرنے والوں میں ابن معین کا حوالہ تو خود آں جناب نے پیش فرما دیا ہے۔ اس کے علاوہ امام بیہقی کا حوالہ بھی گذشتہ سطور میں گزر چکا ہے۔ نیز ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی یہی بات دہرائی ہے۔[1]

2 ابو العالیہ کا ابو ذر رضی اللہ عنہ کا معاصر ہونا:

معاصرت بلاشبہہ کافی ہے، لیکن جب متعدد اہلِ فن صراحت کے ساتھ سماع کا انکار کر دیں تو معاصرت کے ثبوت سے سماع پر استدلال کرنا باطل ہے، بلکہ معاصرت تو دور کی بات؛ اگر لقا ثابت ہو اور اس کے ساتھ محدثین صراحت کریں کہ سماع ثابت نہیں ہے تو محض لقا کو سماع کی دلیل کے لیے کافی نہیں سمجھا جائے گا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) نے کہا:

''وإذا روى عمن عاصره، ولم يثبت لقيه له شيئا بصيغة محتملة فهو الإرسال الخفي''[2]

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۵۵) دیکھیں۔

[2] طبقات المدلسين (ص: ١٦)

”جب کوئی راوی کسی معاصر سے محتمل صیغے سے روایت کرے اور اس سے اس کی ملاقات ثابت نہ ہو تو یہ ارسال خفی ہے۔“

لہٰذا صرف معاصرت سماع کے ثبوت کے لیے کافی نہیں ہے۔ بطور فائدہ عرض ہے کہ محترم زبیر علی زئی نے رمضان کی طاق راتوں کو بطور خاص پڑھی جانے والی دعا ”اَللّٰھُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّی“ کو ضعیف قرار دیا ہے اور وجہ یہ بتائی ہے:

”إسناده ضعيف. عبد الله بن بريدة لم يسمع من عائشة، كما قال الدارقطني (السنن: ٣/ ٢٣٣، رقم الحديث: ٣٥١٧) و (سنن البيهقي ٧/ ١١٨) ودفاع ابن التركماني باطل، لأن الخاص مقدم علىٰ العام، وللحديث شاهد ضعيف عند النسائي في الكبرى (١٠٧١٤) فيه سفيان الثوري مدلس و عنعن، وشاهد آخر موقوف عنده (١٠٧١٤) وسنده ضعيف، فيه... عبدالله بن جبير، وفيه نظر، ويقال: حنين، ويقال: حسن“[1]

حالاں کہ ابن بریدہ کو اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی معاصرت حاصل ہے۔ واضح رہے کہ مذکورہ دعا ہماری نظر میں ثابت ہے، کیوں کہ انکارِ سماع میں امام دارقطنی منفرد ہیں اور جمہور اُن کے برخلاف سماع کے قائل ہیں، لہٰذا جمہور کے فیصلے کی روشنی میں امام دارقطنی رحمہ اللہ کا قول غیر مسموع ہے، لیکن یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے، اس لیے ہمیں تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

نوٹ:

اس مقام پر مذکور موصوف کی بعض باتوں کا جواب پہلے گذشتہ سطور میں متعلقہ مواقع پر دیا جا چکا ہے، مثلا حافظ زبیر علی زئی نے کہا ہے:

”والحديث معلول“ کے الفاظ امام بخاری سے با سند صحیح ثابت نہیں۔“[2]

عرض ہے کہ یہ الفاظ امام بخاری رحمہ اللہ سے ثابت ہیں، اس بابت مکمل تفصیل پیش کی جا چکی ہے۔[3]

حافظ زبیر علی زئی نے کہا ہے:

[1] أنوار الصحيفة في الأحاديث الضعيفة من السنن الأربعه مع الأدلة (ص: ٢٩٧)
[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ٣٠) مقالات (٦/ ٣٨٥)
[3] اسی کتاب کا صفحہ (٩٩-١٠٢) دیکھیں۔

''ابو مسلم الجذمی نے سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے سماع کی تصریح کی ہے، جیسا کہ مسند احمد وغیرہ میں صراحت ہے، لہٰذا ابو مسلم کی روایت کو منقطع کہنا غلط ہے۔''[1]

عرض ہے کہ اسے کہتے ہیں: ''مارے گھٹنا پھوٹے سر۔''

حضرت بات سمجھنے کی کوشش کریں! انقطاع کا دعوی ابو مسلم اور ابو ذر کے درمیان نہیں، بلکہ ابوالعالیہ اور ابو ذر رضی اللہ عنہ کے درمیان ہے، یعنی اس سند میں ابو مسلم موجود ہی نہیں ،اصل سند منقطع ہے اور ابو مسلم کا اس سند میں ذکر کرنا غلط ہے۔ رہی بات تصریحِ سماع کی تو انقطاع ثابت ہونے کے بعد تصریحِ سماع بے معنی ہے، اس بابت مزید تفصیل پیش کی جا چکی ہے۔[2]

حافظ زبیر علی زئی نے کہا ہے:

''یہ قول بھی اپنے عموم کے لحاظ سے اُسی طرح غلط ہے، جیسا کہ ابن حزم نے وضو کے دوران میں ڈاڑھی کے خلال کے بارے میں لکھا: ''و هذا كله لا يصح منه شيئ'' (المحلی: ٢ / ٣٦ مسئلہ: ١٩٠)''[3]

عرض ہے کہ اس کا جواب بھی دیا جا چکا ہے۔[4]

الزامی جواب:

حافظ زبیر علی زئی نے کہا ہے:

''اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آپ نے خود اعمش کی ایک معنعن روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، جس سے ایک صحابی کا منافق ہونا ثابت ہوتا ہے، یعنی صحابی کی عدالت (صحابیت) ہی ساقط ہو جاتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت صرف اس وجہ سے ضعیف ہے کہ اعمش مدلس ہیں اور یہ روایت عن سے ہے۔ اگر کسی شخص کو اس روایت میں تصریحِ سماع مل گئی ہے تو حوالہ پیش کرے، ورنہ یہ روایت ضعیف و مردود ہی ہے۔

''رہا استاذ محترم محبّ اللہ شاہ رحمہ اللہ کو راقم الحروف کا جواب تو وہ دوسرے نمبر پر بطورِ

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ٣٠) مقالات (٦/ ٣٨٥)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (١٥٥۔ ١٥٧) دیکھیں۔

[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ٣٠) مقالات (٦/ ٣٨٥)

[4] اسی کتاب کا صفحہ (١٥٣) دیکھیں۔

الزام پیش کیا گیا ہے، کیوں کہ وہ ابو صالح سے اعمش کی روایت کو سماع پر محمول یعنی صحیح سمجھتے تھے۔''[1]

شاید تمام قارئین ان الفاظ کے پس منظر سے واقف نہیں ہیں۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ ہم نے آں جناب کی تحقیق کو مردود ثابت کرتے ہوئے اس روایت کی نکارت کا حوالہ دیا تھا، جس پر یہ کہا گیا:

''نیز کیا ایسی تمام صحیح روایات صرف اس وجہ سے ردّ کر دینے کے قابل ہیں کہ ان سے کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا غلط کام سامنے آتا ہے؟ مثلاً حضرت ماعز المزنی رضی اللہ عنہ کا زنا کا واقعہ، صحابی کا نبی ﷺ سے زنا کی اجازت طلب کرنا، حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کا شراب کی خرید و فروخت کو جائز سمجھنا وغیرہ۔ لیکن ہمارا مقصد چونکہ صحابہ کی تنقیص کرنا ہرگز نہیں، سو یہ چند اشارے صرف مسئلے کی وضاحت کے لیے لکھے گئے ہیں۔''[2]

تو ہم نے یہ جواب دیا:

''واللہ! ہم نے صرف اس وجہ سے صحیح روایات رد کرنے کی بات نہیں کی ہے کہ ان سے کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا غلط کام سامنے آتا ہے، بلکہ ہم نے زیر بحث روایت میں موجود سند کے عیب کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ بات کہی ہے۔ ہمارا مقصود تو یہ ہے کہ سند میں مذکورہ عیب ہے اور اس کے ساتھ ایک جلیل القدر صحابی پر بڑا گھناؤنا الزام ہے، اس دوسری بات کو ہم نے پہلی بات کی تائید میں پیش کیا ہے۔''

یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے حافظ زبیر علی زئی نے اعمش کی تدلیس سے متعلق کہا:

''اگر اعمش کی ابو وائل شقیق سے معنعن روایت کو مطلقاً سماع پر محمول کیا جائے تو ایک جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ کی عدالت ساقط ہو جاتی ہے۔ دیکھیں: كتاب المعرفة والتاريخ للإمام يعقوب الفاسي (٤/ ٧٧١) سير أعلام النبلاء (٢/ ٣٩٣، ٣٩٤) **جو مسلمین (اہل السنہ والجماعہ) کے صحیح عقیدے کے لحاظ سے باطل ہے، لہٰذا حافظ ذہبی کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔''[3]**

---

[1] رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۳۰) مقالات (۶/ ۳۸۵۔ ۳۸۶)

[2] محدث فورم۔

[3] الاعتصام (اگست: ۱۹۹۹ء ص: ۱۸) بحوالہ مقالات راشدیہ (۱/ ۳۳۹)

''اب کیا حافظ زبیر علی زئی کے ان الفاظ سے ہم نتیجہ نکالتے ہوئے یہی الفاظ دہرا دیں کہ کیا ایسی تمام صحیح روایات صرف اس وجہ سے ردّ کر دینے کے قابل ہیں کہ ان سے کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا غلط کام سامنے آتا ہے؟

''ہم تو حافظ موصوف کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ آں موصوف نے (نفاق والی روایت کی) سند کے اصل عیب اعمش کے عنعنہ کو سامنے رکھا ہے اور اس کے ساتھ ایک جلیل القدر صحابی پر جو ایک خطرناک الزام ہے، اس دوسری بات کو پہلی بات کی تائید میں پیش کیا ہے، یہ ہے ہمارا حسن ظن اور ہم درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں بھی حسنِ ظن کا مستحق سمجھا جائے۔''[1]

خلاصہ کلام یہ کہ محترم زبیر علی زئی نے اعمش کے عنعنہ کو غیر معتبر قرار دیتے ہوئے بطورِ تائید یہ بات بھی کہی ہے کہ ان کا عنعنہ معتبر ماننے کی صورت میں ایک جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ کی عدالت ساقط ہو جاتی ہے تو ہم نے سند کے ضعف کی تائید میں متن کی نکارت کو پیش کیا تھا، ورنہ متن کی نکارت مرکزی علت نہیں ہے۔ اسی لیے ہم نے اسے بطور قرینہ و تائید پیش کیا ہے نہ کہ مرکزی دلیل کے طور پر اور ہم نے اعمش کے عنعنہ سے متعلق بھی یہی سمجھا تھا کہ موصوف نفاق والی بات کو بطور تائید پیش کر رہے ہیں، کیوں کہ خاص محولہ الفاظ میں آں جناب علامہ راشدی رحمہ اللہ نہیں، بلکہ امام ذہبی پر رد کر رہے ہیں، لہٰذا ان کے اسلوب سے یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ موصوف اپنے موقف کی تائید میں پیش کر رہے ہیں۔

لیکن چلیں حالیہ وضاحت سے یہ بات صاف ہوگئی کہ تدلیس کے مسئلے میں نفاق والی بات موصوف کے حق میں یکسر غیر مفید ہے اور ان کے موقف کی غیر موید ہے اور موصوف اس کا حوالہ صرف بطور الزام پیش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ ہم بھی بطور الزام آپ سے کہتے ہیں کہ زیر بحث روایت کو صحیح مان لینے کی صورت میں ایک جلیل القدر صحابی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی عدالت ساقط ہوجاتی ہے، اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ یاد رہے کہ آپ کے ترجمہ بدل دینے سے کام نہیں چلے گا اور اگر ترجمہ ہی بدل کر کام چلانا تھا تو نفاق والی بات کا بھی ترجمہ بدل

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۶۵۔ ۶۶) دیکھیں۔

دیتے، اسے بطور الزام کیوں پیش کیا؟

حافظ زبیر علی زئی نے کہا ہے:

''اگر کوئی کہے کہ کیا سند کے تمام رواۃ کا ثقہ ہونا سند کی صحت کے لیے کافی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر سند متصل ہو، شاذ یا معلول نہ ہو تو اس سند کے راویوں کا ثقہ و صدوق ہونا صحت کے لیے کافی ہے اور اسی پر اہلِ حدیث کا عمل ہے۔ یاد رہے کہ ہماری روایتِ مذکورہ کا معلول (معلل) ہونا ثابت نہیں۔''[1]

عرض ہے کہ ہم نے اس مضمون میں ثابت کر دیا ہے کہ یہ روایت معلول ہے۔

سبقتِ قلم کی غلطی پر حافظ موصوف کی گرفت:

زبیر علی زئی صاحب نے سبقتِ قلم کی غلطی کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا:

''محترم کفایت اللہ سنابلی حفظہ اللہ نے لکھا ہے: ''اور ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ابو مسلم کے سماع کا کوئی ثبوت قطعاً نہیں۔'' عرض ہے کہ ثبوت تو حسن لذاتہ سند کے ساتھ مسند احمد (۵/ ۱۷۹) اور مختصر قیام اللیل للمروزی (ص۸۷) وغیرہما میں موجود ہے اور امام بخاری نے بھی فرمایا ہے کہ ابو مسلم نے ابو ذر (رضی اللہ عنہ) سے سنا ہے۔[2] لہٰذا سماع کے انکار کا دعویٰ باطل ہے اور امام بخاری کے ارشاد سے یہی ظاہر ہے کہ امام بخاری بھی اسے ثابت سمجھتے تھے۔''[3]

یہاں میں تمام حضرات خصوصا اسماء الرجال میں دلچسپی رکھنے والے حضرات کی خدمت میں ایک درخواست پیش کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ میری اس ادھوری عبارت سے آگے پیچھے پوری بات پڑھیں اور بتلائیں کہ کیا واقعی میرا یہی موقف و دعوی ہے کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ابو مسلم کے سماع کا کوئی ثبوت نہیں ہے؟ مذکورہ ٹکڑے سے آگے پیچھے کی پوری بات آگے دوبارہ نقل کرتا ہوں اور کچھ مقامات پر الفاظ کے نیچے خط کھینچتا ہوں، اسی طرح کچھ الفاظ کو ہائی لائٹ کرتا ہوں۔

قارئین سے گزارش ہے کہ خط کشیدہ الفاظ کو سامنے رکھ کر پورے سیاق سے اسے جوڑیں۔

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۳۱) مقالات (۶/ ۳۸۶)

[2] کتاب الکنیٰ (ص: ٦٨)

[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۳۱) مقالات (۶/ ۳۸۶)

اسی طرح ہائی لائٹ کردہ الفاظ کو ایک ساتھ سامنے رکھ کر پورے سیاق سے اسے جوڑیں اور پھر نتیجہ نکالیں کہ اصل معاملہ کیا ہے؟ ملاحظہ ہو نیچے کا اقتباس:

''حافظ زبیر علی زئی کے حوالے سے کہا گیا:

''نیز شیخ البانی نے بھی اس متن کی ایک روایت کو صحیح قرار دیا ہے: ''أول من يغير سنتي رجل من بني أمية'' (أخرجه ابن أبي عاصم في الأوائل: ٢/ ٧) حدثنا عبيد الله بن معاذ حدثنا أبي حدثنا عوف عن المهاجر أبي مخلد عن أبي العالية عن أبي ذر أنه قال ليزيد بن أبي سفيان: سمعت رسول اللهﷺ، فذكره. قلت: وهذا إسناد حسن، رجاله ثقات، رجال الشيخين غير المهاجر، وهو ابن مخلد أبو مخلد، قال ابن معين: ''صالح'' وذكره ابن حبان في ''الثقات'' وقال الساجي: ''صدوق'' وقال أبو حاتم: ''لين الحديث ليس بذاك وليس بالمتقن، يكتب حديثه'' قلت: فمثله لا ينزل حديثه عن مرتبة الحسن. والله أعلم، ولعل المراد بالحديث تغيير نظام اختيار الخليفة، وجعله وراثة. والله أعلم''[1]

راقم الحروف (کفایت اللہ) نے جواب دیا:

''اولاً: شیخ البانی رحمہ اللہ عصرِ حاضر کے محدث ہیں اور ان کے فیصلے کے برخلاف متقدمین محدثین نے بالاتفاق اس روایت کو مردود قرار دیا ہے۔ متقدمین کے متفقہ فیصلے کے ہوتے ہوئے متاخرین کی بات کون سنے گا؟

ثانیاً: شیخ البانی رحمہ اللہ نے جس روایت کو صحیح کہا ہے، اس کا متن زیر بحث روایت سے بہت مختلف ہے۔

- شیخ البانی کی تصحیح کردہ روایت میں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ پر گھناؤنا الزام نہیں ہے۔
- شیخ البانی رحمہ اللہ کی تصحیح کردہ روایت میں سنت بدلنے والے شخص کا نام مذکور نہیں۔

اتنے فرق کے باوجود بھی یہ کہنا محلِ نظر ہے کہ ''نیز شیخ البانی نے بھی اس متن کی ایک روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔''

---

[1] سلسلة الأحاديث الصحيحة، رقم الحديث (١٧٤٩) محدث فورم (مراسله نمبر٤)

ثالثاً: **شیخ البانی رحمہ اللہ کی تصحیح کردہ سند** عبدالوہاب والی نہیں ہے۔ یہ سند صریحاً منقطع ہے، کیوں کہ **اس میں** **ابومسلم** اور ابو ذر رضی اللہ عنہ کے مابین کسی واسطے کا ذکر نہیں اور ابو ذر رضی اللہ عنہ سے **ابومسلم** کے سماع کا کوئی ثبوت قطعاً نہیں۔ ناقدین محدثین نے واضح طور پر یہاں انقطاع کی صراحت کی ہے۔''[1]

میرے خیال سے کوئی بھی شخص مکمل توجہ سے ہماری پوری بات پڑھے گا تو وہ خود بخود سمجھ جائے گا کہ یہاں سبقتِ قلم کے نتیجے میں ''ابو العالیہ'' کی جگہ ''ابومسلم'' کا نام درج ہوگیا۔ یعنی صحیح عبارت یوں ہونی چاہیے: **''اور ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ابو العالیہ کے سماع کا کوئی ثبوت قطعاً نہیں۔''**

سبقتِ قلم کی یہ غلطی ایسے مقام پر نہیں ہے کہ قاری بغور پڑھنے کے باوجود بھی خود بخود نہ سمجھ سکے اور میری وضاحت کی ضرورت پڑے، کیوں کہ یہاں سیاق وسباق میں کئی ایسے دلائل موجود ہیں، جو اس سبقت قلمی پر دلالت کرتے ہیں۔ یوں تو سیاق وسباق کی بہت ساری دلیلیں ہیں، لیکن ہم پہلے ان دلائل کو ذکر کرتے ہیں جو میری تحریر سے لیے گئے اقتباس سے بالکل آگے پیچھے جڑے ہیں، چناں چہ دیکھیں میرے اقتباس شدہ الفاظ آگے پیچھے کی عبارت کے ساتھ:

''**شیخ البانی رحمہ اللہ کی تصحیح کردہ سند** عبدالوہاب والی نہیں ہے، یہ سند صریحا منقطع ہے، کیوں کہ اس میں **ابومسلم** اور ابو ذر رضی اللہ عنہ کے مابین کسی واسطے کا ذکر نہیں اور ابو ذر رضی اللہ عنہ سے **ابومسلم** کے سماع کا کوئی ثبوت قطعاً نہیں۔ ناقدین محدثین نے واضح طور پر یہاں انقطاع کی صراحت کی ہے۔''

سیاق کی پہلی دلیل:

میرے جن ادھورے الفاظ کا اقتباس لیا گیا ہے، اس سے متصل پہلے لکھا ہوا ہے:

''**شیخ البانی رحمہ اللہ کی تصحیح کردہ سند** عبدالوہاب والی نہیں ہے۔''

یعنی عدمِ سماع کی بات کا تعلق اسی سند سے ہے، جسے شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے اور اس سند میں ابومسلم ہے ہی نہیں، بلکہ اس جگہ ابو العالیہ ہیں جو ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کر رہے ہیں، غور کریں کہ جب میں نے یہ کہہ دیا کہ یہ سند عبدالوہاب والی نہیں ہے تو بھلا یہ سند ابومسلم والی میں کیسے مان سکتا ہوں؟

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۸۵) دیکھیں۔

سیاق کی دوسری دلیل:

میرے جن ادھورے الفاظ کا اقتباس لیا گیا ہے، اس سے متصل پہلے لکھا ہوا ہے:

''یہ سند صریحاً منقطع ہے۔''

اب ظاہر ہے کہ جس سند کو صراحتاً منقطع بتلایا جا رہا ہے، عدمِ سماع کا دعویٰ تعلق بھی ان ہی رواۃ سے متعلق ہوگا، جو اس سند میں موجود ہوں گے اور ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے کی جگہ پر ابو مسلم نہیں، بلکہ ابو العالیہ ہیں، لہٰذا عدمِ سماع کا دعوی ابو العالیہ اور ابو ذر رضی اللہ عنہ ہی کے مابین ہے۔

سیاق کی تیسری دلیل:

میرے جن ادھورے الفاظ کا اقتباس لیا گیا ہے، اس کے معاً بعد لکھا ہوا ہے:

''کیوں کہ اس میں ابو مسلم اور ابو ذر رضی اللہ عنہ کے مابین کسی واسطے کا ذکر نہیں۔''

صاف کہا جا رہا ہے کہ ''اس میں'' یعنی علامہ البانی رحمہ اللہ کی پیش کردہ سند میں اور اس سند میں ابو ذر رضی اللہ عنہ سے قبل ابو مسلم نہیں، بلکہ ابو العالیہ ہیں۔ یہ سیاق اس بات کی دلیل ہے کہ عدمِ سماع کا دعوی ابو ذر رضی اللہ عنہ اور ابو العالیہ ہی کے مابین ہے۔

سیاق کی چوتھی دلیل:

میرے جن ادھورے الفاظ کا اقتباس لیا گیا ہے، اس کے معاً بعد لکھا ہوا ہے:

''ناقدین محدثین نے واضح طور پر <u>یہاں</u> انقطاع کی صراحت کی ہے۔''

صاف کہا جا رہا ہے کہ ''یہاں انقطاع کی صراحت کی ہے۔'' یعنی اس سند میں جسے علامہ البانی رحمہ اللہ نے پیش کیا ہے اور یہاں پر محدثین کی صراحت ابو ذر رضی اللہ عنہ اور ابو العالیہ ہی کے مابین ہے نہ کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ اور ابو مسلم کے مابین۔

ویسے مجھے حیرت ہے کہ حافظ موصوف نے میرے ان الفاظ **''ناقدین محدثین نے واضح طور پر یہاں انقطاع کی صراحت کی ہے''** کو کیوں نظر انداز کر دیا؟ موصوف کو تو ان الفاظ کا بھی اقتباس لے کر پوچھنا چاہیے کہ کون کون سے محدثین ہیں، جنھوں نے یہاں انقطاع کی صراحت کی ہے؟

سیاق کی یہ چار دلیلیں تو لیے گئے اقتباس سے متصل آگے پیچھے ہی موجود ہیں، علاوہ ازیں ملاحظہ ہو۔

سیاق کی پانچویں دلیل:

متعلقہ مقام پر سب سے پہلے علامہ البانی رحمہ اللہ کی صحیح قرار دی گئی ایک سند کو پیش کیا گیا ہے، اس کے بعد اسی کا جواب دیا جارہا ہے اور اس پیش کردہ سند میں ابومسلم کا نام ونشان ہی نہیں ہے، بلکہ یہاں ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے ابو العالیہ ہیں۔ لہٰذا جواب دینے والا ایسی سند میں جب انقطاع کی بات کرے گا تو انھیں رواۃ کے مابین انقطاع بتلائے گا، جو اس سند میں موجود ہوں گے اور ابومسلم تو اس سند میں موجود ہی نہیں!!

سیاق کی چھٹی دلیل:

اگر ہم متعلقہ مقام پر ابومسلم ہٹا کر ابو العالیہ رکھ دیں اور اس کے بعد اسی تحریر کو کسی عالم کے سامنے پیش کریں تو وہ ہرگز یہ اعتراض نہیں کرے گا کہ یہاں ابو العالیہ کا ذکر بے محل ہے، اس کے برعکس اگر ہم یہ تحریر کسی عالم کو نظر ثانی کرنے کے لیے دیں (اعتراض کرنے کے لیے نہیں) تو وہ ضرور بتلائے گا کہ کتابت کی یہ غلطی صحیح کرلو۔

اگر ''ابو العالیہ'' کی جگہ ''ابومسلم'' لکھا جانا سبقتِ قلم والی غلطی نہ ہوتی تو تصحیح کرنے کے بعد یعنی ابومسلم کی جگہ ابو العالیہ رکھنے کے بعد یہ جملہ سیاق وسباق سے کٹ جاتا، لیکن تصحیح کے بعد ایسی کوئی بات ظاہر نہ ہونا بلکہ عین سیاق وسباق کے موافق معلوم ہونا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ یہاں سبقتِ قلم کی غلطی ہے۔

سیاق کی ساتویں اور زبردست دلیل:

سب سے اہم بات یہ ہے کہ حافظ موصوف پر رد کرتے ہوئے ہم نے جو پہلی تحریر پیش کی تھی، اس میں زیر بحث روایت کی سند میں جو کمزوری بتلائی تھی، وہاں ہم نے ابومسلم اور ابو ذر رضی اللہ عنہ کے مابین عدمِ سماع والی بات قطعاً نہیں کی ہے۔ اگر ہمارا یہ دعوی ہوتا کہ ابومسلم کا سماع ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں تو ہم اپنی پہلی تحریر ہی میں اسے پیش کرتے۔ ہمارا یہ طرزِ عمل بھی شاہد ہے کہ دکھایا گیا موقف ہمارا موقف قطعاً نہیں، بلکہ علامہ البانی رحمہ اللہ کی پیش کردہ سند پر بات کرتے ہوئے سبقتِ قلم سے ابو العالیہ کی جگہ ابومسلم تحریر ہوگیا۔

ان شاء اللہ جو کوئی بھی انصاف کی نظر اور پوری توجہ سے اور سیاق وسباق کو سامنے رکھتے ہوئے ہماری تحریر پڑھے گا، وہ خود بہ خود سمجھ جائے گا کہ یہاں سبقت قلم کی غلطی ہے اور مضمون نگار یہ کہنا چاہتا ہے اور سبقتِ قلم کی یہ غلطی مجھ سے کوئی پہلی بار نہیں ہوئی، بلکہ اس سے قبل بھی اس طرح کی چوک ہوچکی ہے، چناں چہ گذشتہ رمضان میں ہم نے اپنے رسالہ ''اہل السنہ'' میں لکھا:

یہ روایت منقطع ہے، کیوں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور نہیں پایا ہے۔''

دیکھیں: مجلّہ ''اہل السنہ'' خصوصی شمارہ، رمضان نمبر ۱۴۳۳ھ (ص: ۱۴)[1]

حالاں کہ متعلقہ سند میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ نہیں، بلکہ اس جگہ امام اعمش رحمہ اللہ ہیں اور انھوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا دور نہیں پایا۔ اب سیاق وسباق کو پیش نظر رکھنے والے از خود سمجھ جائیں گے کہ سبقتِ قلم کی غلطی ہے، لیکن کچھ لوگ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ دیکھو اس بے چارے کو، یہ دو ہم عصر صحابہ کی ملاقات کا انکار کر رہا ہے۔ واضح رہے کہ ہم نے مجلّہ ''اہل السنہ'' کے اگلے شمارے میں اعلان کر دیا تھا کہ رمضان کے خصوصی شمارے میں یہ غلطی سرزد ہوئی ہے۔

ایک اشکال:

ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ہم نے جب شیخ البانی رحمہ اللہ کی پیش کردہ ایسی سند جس میں ابو مسلم نہیں ہے، اس پر بات کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ''**اور ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ابو مسلم کے سماع کا کوئی ثبوت قطعاً نہیں۔**'' تو پھر حافظ موصوف نے ہماری اس بنیادی تحریر پر تنقید کیوں نہیں کی کہ جس سند پر بحث کرتے ہوئے ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ابو مسلم کے عدمِ سماع کا دعوی کیا گیا ہے، اس میں تو ابو مسلم موجود ہی نہیں؟

اصل تنقید تو اسی پر ہونی چاہیے تھی، کیوں کہ یہ اصل بنیاد ہے۔ اسی طرح یہ بھی سوال اُٹھانا چاہیے کہ اگر مضمون نگار کا یہ دعویٰ ہے کہ ''اور ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ابو مسلم کے سماع کا کوئی ثبوت قطعاً نہیں'' تو مضمون نگار نے جہاں ابن عساکر کی ابو مسلم والی سند پر بحث کی ہے، وہاں اس علت کو بنیاد بنا کر ابن عساکر کی سند پر جرح کیوں نہیں کی؟

[1] زبیر علی زئی صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں: نادانستہ تحریر و زبانی سہو اور کتابت و کمپوزنگ کی غلطیوں سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہے۔ (مقالات: ۳/ ۵۲۶)

کاش حافظ موصوف ہمارے ادھورے الفاظ کو کم از کم آگے پیچھے کے الفاظ کے ساتھ ہی نقل کر دیتے تو اگر چہ حافظ موصوف کچھ بھی سمجھیں، لیکن دنیا میں اور بھی اہلِ علم ہیں اور ہمیں سب سے یہ امید نہیں کہ وہ ہماری مراد کے خلاف ہماری سبقتِ قلم کی غلطی کو بنیاد بنا کر تنقید کریں گے اور ایسا جواب دیں گے، جو سرے سے ہمیں مطلوب ہی نہیں۔

ہم تمام قارئین بالخصوص اسماء الرجال سے دلچسپی رکھنے والے حضرات سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ بتلائیں کہ جو دعوی ہماری طرف منسوب کیا گیا ہے، کیا فی الحقیقت یہ دعوی ہماری مجموعی تحریر سے مطابقت رکھتا ہے؟ سبقتِ قلم کی غلطی سے ہمیں انکار نہیں ہے، لیکن کیا سیاق وسباق سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ مضمون نگار کا اصل مقصود کیا ہے؟

ان شاء اللہ ہم عام لوگوں کے ساتھ ساتھ مستند اہلِ علم کی عدالت میں بھی اپنا یہ مقدمہ پیش کریں گے اور پوچھیں گے کہ سیاق وسباق ہماری سبقتِ قلم کی غلطی پر دلالت کرتا ہے یا نہیں؟ اگر جمہور اہلِ علم یہ کہہ دیں کہ سیاق وسباق سبقتِ قلم کی غلطی کی طرف اشارہ نہیں کرتا تو میں اپنی تعبیر کی کوتاہی کا معترف ہوں گا۔ لیکن اگر جمہور اہلِ علم شہادت دیں کہ سیاق وسباق اور مجموعی تحریر اسی پر دلالت کرتی ہے کہ مضمون نگار ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ابو العالیہ کے سماع کا قائل نہیں، لیکن اس کی سبقتِ قلم سے ابو العالیہ کی جگہ ابو مسلم تحریر ہوگیا تو ایسی صورت میں بھی اگر کوئی غلط تحریر شدہ لفظ کی تصحیح کیے بغیر اسے تنقید کا نشانہ بنالے یا کسی بھی مضمون نگار کی تحریر کے ساتھ اس طرح کی ناانصافی کرے تو عام طور سے اس کی درج ذیل وجوہات ہوسکتی ہیں:

① ناقد نے تحریر پڑھنے میں تساہل سے کام لیا ہے۔
② ناقد کے پاس اتنی اہلیت وصلاحیت ہی نہیں کہ سیاق وسباق سے سبقتِ قلم کی غلطیاں پکڑ سکے۔
③ ناقد نے اصل بات سمجھ لی ہے کہ یہ سبقتِ قلم کی غلطی ہے، لیکن اس غلطی کو غنیمت جان کر عام قارئین کے سامنے بلاوجہ مضمون نگار کو مطعون کرنے کی کوشش کی ہے۔

موخر الذکر دو وجوہات عام طور سے ان لوگوں کے یہاں بہ کثرت ہوتی ہیں، جو صرف سبقتِ قلم ہی نہیں، بلکہ کمپوزنگ کی غلطیوں کو بھی تنقید کا نشانہ بنا لیتے ہیں، چوں کہ نقد شیخ زبیر علی زئی کا ہے، اس لیے ان کے بارے میں ہم حسنِ ظن ہی رکھیں گے کہ موصوف نے ہماری تحریر پڑھنے میں

تساہل سے کام لیا ہے اور سبقتِ قلم کی غلطی پر آگاہ نہیں ہو سکے۔

واضح رہے خود شیخ زبیر علی زئی سے بھی بعض مقامات پر سبقتِ قلم کی غلطیاں ہوئی ہیں اور بعد میں اس کی اصلاح بھی کی گئی ہے۔ بہرحال ہم سبقتِ قلم کی اس غلطی سے براءت کا اعلان کرتے ہیں اور اس غلطی کی تصحیح کرتے ہوئے یہ دعوی کرتے ہیں:

''اور ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ابو العالیہ کے سماع کا کوئی ثبوت قطعاً نہیں۔''

اسد بھائی سے گزارش ہے کہ ہماری طرف سے یہ اعلان براءت شیخ زبیر علی زئی تک پہنچا دیں اور ہمارا اصل دعوی کیا ہے؟ اس سے شیخ کو باخبر کریں، تاکہ ہمیں اپنی اصل بات کا جواب مل سکے۔ واضح رہے کہ بعض روافض نے ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ابو العالیہ کے سماع کے لیے امام ذہبی وغیرہ کے بعض حوالے دیے ہیں، ان پر ہماری نظر ہے، لیکن یہ سارے حوالے ہماری نظر میں محلِ نظر ہیں۔

زیر بحث روایت سے متعلق محدثین کا فیصلہ:

حافظ زبیر علی زئی نے کہا ہے:

''اگر کوئی کہے کہ ان کے فیصلے کے برخلاف متقدمین محدثین نے بالاتفاق اس روایت کو مردود قرار دیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے علم کے مطابق متقدمین محدثین میں سے کسی ایک نے بھی اس روایت کو مردود قرار نہیں دیا۔''[1]

بڑی عجیب بات ہے! کیا امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو مردود قرار نہیں دیا؟ قارئین امام بخاری رحمہ اللہ کے موقف کے لیے اسی کتاب کا صفحہ (۹۷-۱۰۴) دیکھیں۔

حافظ زبیر علی زئی نے کہا ہے:

''بلکہ متاخرین میں سے صرف حافظ ابن کثیر نے منقطع ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، جو مذکورہ سند متصل ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔''[2]

صرف اشارہ نہیں کیا ہے، بلکہ صراحتاً موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے، جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۳۱) مقالات (۶/ ۳۸۶)

[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۳۱) مقالات (۶/ ۳۸۶)

حافظ زبیر علی زئی نے کہا ہے:

''بعض علما نے صحیح مسلم کی بعض روایات کو منقطع قرار دیا ہے تو کیا ہم ان روایات کو مردود قرار دیں گے؟ ہرگز نہیں، بلکہ اصولِ حدیث و اصولِ محدثین کو ترجیح دیں گے اور اس طرح صحیح بخاری و صحیح مسلم کی کوئی حدیث ضعیف و مردود ثابت نہیں ہوتی، بلکہ صحیح یا حسن ہی رہتی ہے۔''[1]

جی! اصولِ حدیث اور اصولِ محدثین ہی کی روشنی میں ہم اس روایت کو باطل و من گھڑت کہتے ہیں اور اگر محدثین کے اصول سے کسی کا فیصلہ غلط ثابت ہو جائے تو ہم اس سے براءت ظاہر کریں گے، لیکن آپ زیر بحث روایت سے متعلق محدثین کا فیصلہ پہلے غلط تو ثابت کریں!!

رَمَتْنِي بِدَائِهَا وَانْسَلَّتْ (الزام ہمیں دیتے تھے، قصور اپنا نکل آیا):

حافظ زبیر علی زئی نے کہا ہے:

''ایک شخص نے ''معجم المختلطين'' کے حوالے سے امام فلاس کی طرف منسوب ایک قول: ''إنه اختلط حتىٰ كان لا يعقل، و سمعته، وهو مختلط، يقول: ثنا محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان باختلاط شديد'' پیش کر کے لکھا ہے:

''اس سے تو پتا چلتا ہے کہ اختلاط کے بعد بھی انھوں نے روایت کیا ہے۔ بہر حال یہ بے سند اور عصر حاضر کے مؤلف کی کتاب ہے، لہٰذا مردود ہے۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں یہ قول باسند صحیح نہیں ملا اور اگر یہ باسند صحیح ثابت ہو جائے[2] تو اس سے یہی ظاہر ہے کہ امام عبدالوہاب ثقفی کا آخری عمر میں دماغ خراب ہو گیا تھا۔ اس مناسبت سے حافظ ذہبی کا ایک قول پیشِ خدمت ہے:

---

[1] رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۳۱) مقالات (۶/ ۳۸۶)

[2] واضح رہے کہ ہمارے اس حوالے کو باسند صحیح ثابت فرض کرنے کے بعد زبیر علی زئی صاحب نے امام ذہبی رحمہ اللہ کا جو قول پیش کیا ہے، اس قول کی اس حوالے سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے، کیوں کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے اپنے قول میں اختلاط کے بعد سماع کے ثبوت کا نہیں، بلکہ اختلاط کے بعد سماع کے احتمال کا انکار کیا ہے، لیکن ہمارے پیش کردہ حوالے میں اختلاط کے بعد سماع کا صراحتاً اثبات ہے، کیونکہ امام فلاس رحمہ اللہ نے سماع کی صراحت کرتے ہوئے کہا: ''سمعته وهو مختلط، يقول: حدثنا...'' یعنی میں نے ان سے حالتِ اختلاط ←

”حافظ ذہبی نے امام ابن خزیمہ کے پوتے اور صحیح ابن خزیمہ کے راوی محمد بن الفضل بن محمد کے بارے میں فرمایا:

”قلت: ما أراهم سمعوا منه إلا في حال وعيه، فإن من زال عقله كيف يمكن السماع منه؟ بخلاف من تغير و نسي وانهرم“

میں نے کہا: میں یہی سمجھتا ہوں کہ انھوں نے ان کے حافظے کے دور ہی میں ان سے سنا ہے، کیوں کہ جس کی عقل زائل ہو جائے تو اس سے سماع کس طرح ممکن ہے؟ برخلاف اس کے جو تغیر کا شکار ہو، بھول جائے (یا) بوڑھا ہو جائے۔ (سير أعلام النبلاء: ١٦/ ٤٩٠)۔“[1]

یہ بھی عجیب لطیفہ ہے! سب سے پہلے ناچیز ہی پر ”معجم المختلطين“ کا رُعب ڈالنے کی کوشش کی گئی، لیکن جب ہم نے اس مرجع کی حقیقت بیان کی تو یوں جواب دیا جا رہا ہے گویا ہم ہی نے ”معجم المختلطين“ کا حوالہ پیش کرنے میں پہل کی ہو۔

قارئین! مَیں یہ واضح کر دوں کہ سب سے پہلے ناچیز کو اسی کتاب کے حوالے سے یہ جواب دیا گیا:

”عبد الوہاب بن عبد المجید بن الصلت الثقفی صحیح بخاری و صحیح مسلم کے راوی ہیں، نیز ان پر جو مختلط ہونے کی جرح کی گئی ہے، وہ چنداں مضر نہیں، کیوں کہ انھوں نے اختلاط کے بعد کچھ روایت نہیں کیا، جیسا کہ حافظ ذہبی اور دیگر محدثین نے صراحت کی ہے۔ ملاحظہ ہو: ”معجم المختلطين“ (ص: ۲۲۰)“[2]

اس پر ہم نے کہا:

”رہا ”معجم المختلطين“ کا حوالہ تو یہ بے سند و مردود ہے، کیوں کہ عصر حاضر کی

← میں روایت بیان کرتے ہوئے سنا...۔

لہٰذا صریح سماع کے اثبات میں اس قول کو اگر باسند صحیح ثابت فرض کر لیا جائے، جیسا کہ زبیر علی زئی صاحب نے کیا ہے تو غور کیا جائے کہ ایک طرف صریح سماع کو باسند صحیح ثابت بھی فرض کیا جا رہا ہے اور دوسری طرف اس کا انکار بھی کیا جا رہا ہے! یہ انتہائی عجیب و غریب فلسفہ ہے!

[1] رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۳۱، ۳۲) مقالات (۶/ ۳۸۶۔ ۳۸۷)

[2] محدث فورم۔

کتاب ہے، نیز اسی کتاب کے صفحے پر ہے:

”وَيَخْدِشُ فِيهِ قَوْلُ الْفَلَّاسِ: إِنَّهُ اخْتَلَطَ حَتَّى كَانَ لَا يَعْقِلُ، وَسَمِعْتُهُ، وَهُوَ مُخْتَلِطٌ، يَقُولُ: ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ ثَوْبَانَ بِاخْتِلَاطٍ شَدِيدٍ، وَلَعَلَّ هَذَا كَانَ قَبْلَ حَجْبِهِ“[1]

”امام فلاس کا قول اس بات کی تردید کرتا ہے کہ عبدالوہاب نے اختلاط کے بعد کچھ روایت نہیں کیا، کیوں کہ امام فلاس نے کہا: یہ اختلاط کا شکار ہوگئے تھے، یہاں تک کہ وہ تمیز بھی نہیں کر پاتے تھے اور میں نے ان سے حالتِ اختلاط میں کہتے ہوئے سنا: ہم سے محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان نے بیان کیا، شدید اختلاط کے ساتھ اور یہ بات شاید اس وقت کی ہے جب ان کو روایت بیان کرنے سے روکا نہیں گیا تھا۔“

اس سے تو پتا چلتا ہے کہ اختلاط کے بعد بھی انھوں نے روایت کیا ہے۔ بہرحال یہ بے سند اور عصر حاضر کے مولف کی کتاب ہے، لہٰذا مردود ہے۔“[2]

یعنی ہم نے ”معجم المختلطين“ کی مذکورہ بات کا حوالہ بطور الزام دیا تھا اور ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس کتاب کی استنادی حالت ثابت کی جاتی، لیکن اس کے برعکس الٹا ہمیں ہی مطعون کیا جا رہا ہے اور قارئین کو یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ ہم نے اس کتاب کا حوالہ دیا تھا۔ فيا للعجب!!

نوٹ:

عبدالوہاب کے اختلاط پر مفصل بحث ہم زیادتِ ثقہ والے مضمون میں کریں گے اور امام بخاری کی جرح اور ان کے دیگر اقوال سے متعلق یہاں جو کچھ زبیر علی زئی صاحب نے کہا ہے، اس کا جواب گذشتہ سطور میں گزر چکا ہے۔[3]

یزید سے متعلق اعتراضات اور ان کے جوابات:

حافظ زبیر علی زئی نے کہا ہے:

---

[1] معجم المختلطين (ص: ٢٢٠)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۷۷) دیکھیں۔

[3] اسی کتاب کا صفحہ (۹۷۔ ۱۹۹ بالخصوص: ۱۱۱۔ ۱۲۱) دیکھیں۔

''خود ساختہ عقلی قرائن کا اصل جواب یہ ہے کہ صحیح حدیث کے بارے میں ہر قسم کے ڈھکوسلے مردود ہوتے ہیں۔

''یہ کہنا کہ فلاں موقع پر کیوں حدیث پیش نہیں کی؟ تو اس طرح سے بہت سی صحیح احادیث کا انکار کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً: سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک عورت نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اگر میں آپ کو نہ پاؤں تو؟ مراد یہ ہے کہ اگر آپ فوت ہو گئے تو میں کس کے پاس (اپنے کام کے بارے میں) جاؤں گی؟ آپ نے فرمایا: «إن لم تجديني فأتي أبا بكر» اگر تو مجھے نہ پائے تو ابوبکر کے پاس جانا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

''اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے۔ اگر کوئی کہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ اگر یہ صحیح ہوتی تو سقیفہ بنی ساعدہ کے موقع پر اسے کیوں پیش نہ کیا گیا؟ تو کیا اس عقلی ڈھکوسلے سے اس حدیث کو موضوع قرار دیا جائے گا؟ اس طرح کے عقلی اعتراضات اہلِ حدیث کا منہج نہیں، بلکہ اہل الرائے کا وطیرہ ہے۔''[1]

عرض ہے کہ دونوں روایات کے پس منظر میں بعد المشرقین ہے۔

خلافت کی طرف اشارہ کرنے والی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک خاتون سے بتلائی اور کسی ایسے پس منظر میں نہیں بتلائی کہ یہ حدیث بہت زیادہ عام ہو جائے، نیز صحابہ کے بیچ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضیلت کا مسئلہ بھی متفق علیہ تھا، اس لیے اس حدیث میں کوئی چونکا دینے والی بات نہیں تھی کہ زبان زد عام و خاص ہو جائے۔

اس کے برخلاف زیرِ بحث حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ فوج میں یہ حدیث سنائی گئی اور جس وقت سنائی گئی اس وقت کافی بحث و تکرار ہوئی اور دوسرے مجاہد کی لونڈی غصب کرنے کا واقعہ بھی پیش آیا۔ یہ پوری صورت حال اس بات کی متقاضی ہے کہ یہ بات مشہور ہو جائے، مزید یہ کہ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ خاندان بنو اُمیہ کے فرد تھے، اب انھیں کے خاندان سے متعلق یزید نامی شخص کی

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۳۵) مقالات (۶/ ۵۸۹)

مذمت ہوئی، ایسی صورت میں تو انھیں اپنے خاندان میں بھی سب کو اتنی خوفناک بات سے باخبر کرنا چاہیے تھا، لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہوا، جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ روایت بعد کی پیداوار ہے اور سبائی ذہنیت کے تحت گھڑی گئی ہے۔

ہم محض اس چیز کو قرینہ بنا کر اس روایت کو موضوع نہیں کہہ رہے، بلکہ اس روایت کی سند میں باقاعدہ علت موجود ہے اور اب مزید تائید کے لیے یہ باتیں بھی کہہ رہے ہیں۔

حافظ زبیر علی زئی نے کہا ہے:

''یزید بن معاویہ کے بادشاہ بننے سے بہت پہلے ۳۲ھ میں سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ وفات پا گئے تھے، جبکہ اس وقت یزید پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔ کیا سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ اپنی وفات کے بعد ساٹھ ہجری میں دوبارہ زندہ ہو گئے تھے کہ یزید کے دربار میں یہ حدیث سناتے؟

''ابو مسلم الجذمی کا بھی دربارِ یزید میں حاضر ہونا کسی سند سے ثابت نہیں اور کیا یہ ضروری ہے کہ ہر صحیح حدیث ہر متعلقہ موقع پر ضرور بیان کی گئی ہو؟''[1]

عرض ہے کہ سب سے پہلے ہم اپنے الفاظ نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ ہم نے دو مناسبتوں سے یہ بات کہی تھی۔

(۱) پہلی مناسبت سے ہمارے الفاظ ہیں:

''امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

''قُلْتُ: يَزِيدُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ كَانَ مِنْ أُمَرَاءِ الْأَجْنَادِ بِالشَّامِ فِي أَيَّامِ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ، لَكِنَّ سَمِيَّهُ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ يُشْبِهُ أَنْ يَكُونَ هُوَ۔وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔وَ فِي هَذَا الْإِسْنَادِ إِرْسَالٌ بَيْنَ أَبِي الْعَالِيَةِ وَ أَبِي ذَرٍّ''[2]

یعنی صحابی رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ تو ابوبکر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں لشکرِ شام کے امیر ہوا کرتے تھے (اور اس دور میں ابو ذر رضی اللہ عنہ شام آئے ہی نہیں) **لہٰذا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے ہم نام یزید بن معاویہ مراد ہو سکتے ہیں۔** واللہ اعلم۔ اور اس سند میں ابو العالیہ

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۳۵، ۳۶) مقالات (۶/ ۵۸۹۔۵۹۰)

[2] دلائل النبوة للبيهقي (٦/ ٤٦٧)

اور ابو ذر کے درمیان انقطاع ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے جو یہ کہا:

"لَكِنَّ سَمِيَّهُ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ يُشْبِهُ أَنْ يَكُونَ هُوَ-وَاللّٰهُ أَعْلَمُ"[1]

''یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے ہم نام یزید بن معاویہ مراد ہو سکتے ہیں، واللہ اعلم۔''

عرض ہے کہ یہ ناممکن ہے، کیوں کہ تمام تر روایات میں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ہی کی صراحت ہے، نیز اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ اس حدیث میں لونڈی غصب کرنے کا جو واقعہ ہے، وہ یزید بن معاویہ کا واقعہ ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یزید نے جب ایک لونڈی غصب کی تو ابو ذر رضی اللہ عنہ نے انھیں حدیث سنا دی، لیکن جب انھوں نے مسندِ خلافت غصب کی ۔کما یقال۔ **تو اس وقت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث لوگوں کو کیوں نہ سنائی گئی؟** کیوں کہ ظاہر ہے یہ واقعہ پیش آنے کے بعد یہ حدیث لوگوں کے علم میں آ چکی ہوگی۔ نیز اسی حدیث میں ہے کہ یزید نے جب ابو ذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا وہ میں ہوں؟ تو ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں.... لہٰذا اگر یہ واقعہ یزید بن معاویہ کا ہے، تب تو بتصریح ابو ذر رضی اللہ عنہ یزید بن معاویہ اس کے مصداق ہیں ہی نہیں۔''[2]

۲۔ دوسری مناسبت سے ہمارے الفاظ ہیں:

''امام بخاری کی تحقیق کے علاوہ اور بھی ایسے قرائن ہیں، جو بتلاتے ہیں کہ یہ روایت مکذوب ہے۔ مثلاً یہ کہ جب یزید بن معاویہ کو ولی عہدی کے لیے نامزد کیا گیا تو اس وقت بعض لوگوں نے اس آئین کی مخالفت کی، لیکن **اس موقع پر کسی نے بھی اس حدیث کو پیش نہیں کیا،** جبکہ مذکورہ واقعہ پیش آنے کے بعد اس حدیث کا عام ہو جانا ظاہر ہے۔ غور کیا جائے کہ زیر بحث روایت کے مطابق ایک جلیل القدر صحابی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ایک لونڈی غصب کرتے ہیں اور اس ایک غلطی پر انھیں یہ حدیث فوراً سنا دی گئی، جبکہ آپ صحابی رسول تھے تو پھر یزید بن معاویہ تو تابعی تھے، انھوں نے ایک

---

[1] دلائل النبوة للبيهقي (٦/ ٤٦٧)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۵۷۔ ۵۸) دیکھیں۔

لونڈی ہی نہیں، بلکہ مخالفین کے بقول مسندِ خلافت ہی کو غصب کر لیا، آخر انھیں کسی نے یہ حدیث کیوں نہ سنائی؟''①

قارئین! ہم نے اپنی پوری بات نقل کر دی ہے، اسے پڑھیں اور بتلائیں کہ ہم نے کب اور کہاں کہا کہ خود ابو ذر رضی اللہ عنہ ہی کو یزید کی نامزدگی کے وقت یہ حدیث سنانا چاہیے؟ نیز ہم نے یہ بھی کب کہا کہ ابومسلم کو دربارِ یزید میں یہ حدیث سنانا چاہیے؟ ہم تو یہ کہہ رہے ہیں کہ زیر بحث روایت میں جس انداز کا واقعہ پیش آیا ہے، اس کے بعد تو اس حدیث کو عام ہو جانا چاہیے اور عام ہونے کے بعد بہت سارے لوگوں کی زبان پر یہ روایت ہونی چاہیے اور یزید کی ولی عہدی کے وقت اسے پیش کیا جانا چاہیے۔

(امام نسائی کی وفات سے متعلق ان کی طرف منسوب ایک واقعہ کو رد کرتے ہوئے زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''سوال یہ ہے کہ امام نسائی کے شاگرد اور مورخِ تاریخ مصر نے اتنے اہم واقعہ کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ (بشرطیکہ) اگر ایسا کوئی واقعہ رونما ہوا تھا؟!)②

یزید پر مزید اعتراض کرتے ہوئے حافظ زبیر علی زئی نے کہا ہے:

''ایک حدیث میں آیا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو برتن یاد کیے، ایک تو پھیلا دیا اور اگر دوسرا پھیلاؤں تو میرا حلق کاٹ دیا جائے۔''

(صحيح البخاري، رقم الحديث: ١٢٠)

''اس حدیث سے باطنیہ کسی علم لدنی وغیرہ اباطیل پر استدلال کرتے ہیں، جبکہ حافظ ابن حجر نے علما سے نقل کیا کہ اس سے مراد بُرے حکمرانوں کے نام، احوال اور زمانہ ہے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: "و قد كان أبو هريرة يكني عن بعضه و لا يصرح به خوفًا علىٰ نفسه منهم" ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) بعض کے بارے میں اشارہ کرتے تھے اور اپنی جان کے خوف کی وجہ سے صراحت نہیں کرتے تھے۔''③

عرض ہے کہ اس حدیث سے یزید کی قطعی مذمت ثابت نہیں ہوتی۔ تفصیل کے لیے اسی کتاب کے صفحہ (۲۹۴ تا ۲۹۶) کا مطالعہ کریں۔

حافظ زبیر علی زئی نے کہا ہے:

''حافظ صاحب نے مزید لکھا ہے: "كقوله: أعوذ بالله من رأس الستين وإمارة

---

① اسی کتاب کا صفحہ (۵۸) دیکھیں۔ ② دیکھیے: مقالات (۶/۲۷۵)

③ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۳۶) مقالات (۶/۵۹۰)

الصبيان. يشير إلٰى خلافة يزيد بن معاوية، لأنها كانت سنة ستين من الهجرة، و استجاب اللّٰه دعاء أبي هريرة فمات قبلها بسنة...'' (فتح الباري: ١/ ٢١٦) جس طرح کہ اُن (ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) کا ارشاد ہے کہ اے اللہ! میں ساٹھ (ہجری) کے شروع اور لونڈوں کی حکمرانی سے پناہ چاہتا ہوں۔ وہ یزید بن معاویہ کی خلافت کی طرف اشارہ کر رہے تھے، کیوں کہ وہ ساٹھ ہجری میں تھی اور اللہ تعالیٰ نے ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کی دعا قبول فرمائی اور آپ اس سے ایک سال پہلے فوت ہو گئے۔

''اس حدیث کا مذاق اڑاتے ہوئے معترض نے جو کچھ لکھا ہے ہم اس کا معاملہ اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔''[1]

ہم نے اس حدیث کا مذاق قطعاً نہیں اڑایا ہے، بلکہ ان معاصرین کی فہم پر ماتم کیا ہے، جو تحقیق کے اس دور میں سارے حقائق جاننے کے باوجود بھی اس سے یزید کی مذمت کشید کرتے ہیں، حالاں کہ اس حدیث سے یزید کی قطعاً مذمت ثابت نہیں ہوتی۔ قارئین تفصیل کے لیے اسی کتاب کا صفحہ (۲۹۴ تا ۲۹۶) کا مطالعہ کریں اور سنہ ساٹھ (۶۰) ہجری اور بچوں کی امارت سے پناہ کی بابت تفصیل کے لیے اسی کتاب کا صفحہ (۲۸۱ تا ۲۸۹) دیکھیں۔

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا: یزید... (ص: ۳۶) مقالات (۶/ ۵۹۰)

استدراک

امام بخاری کے موقف کی تائید میں ایک صحیح اور صریح روایت

ہم نے زیربحث حدیث کی تعلیل میں امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا تھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی ۲۵۶) فرماتے ہیں:

”حدثني محمد، قال: حَدَّثَنَا عَبد الوهاب قال: حدثنا عوف عن المهاجر بن مخلد: قال: حَدَّثَنَا أبو العالية قال: وحدثني أبو مسلم قال: كان أبو ذر بالشام، وعليها يزيد بن أبي سفيان فغزا الناس فغنموا. والمعروف أن أبا ذر كان بالشام زمن عثمان، وعليها معاوية، ومات يزيد في زمن عُمَر، ولا يعرف لأبي ذر قدوم الشام زمن عُمَر رضي الله عنه“[1]

”امام بخاری رحمہ اللہ زیربحث روایت کو ذکر کرکے فرمارہے ہیں کہ معروف (معلوم و ثابت شدہ) بات یہ ہے کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ شام میں عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں تھے اور اس وقت امیرمعاویہ رضی اللہ عنہ شام کے امیر تھے اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ عمرفاروق رضی اللہ عنہ ہی کے دور میں وفات پاگئے اورعمرفاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ابو ذر رضی اللہ عنہ کا شام آنا نامعلوم ہے۔“

یعنی امام بخاری رحمہ اللہ کے بقول صحابیِ رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ عمرفاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں شام کے امیر تھے اور عہدِ فاروقی ہی میں وفات پاگئے اور عہدِ فاروقی میں ابو ذر رضی اللہ عنہ کا شام آنا ثابت ہی نہیں ہے اور زیر بحث روایت میں اسی دور میں ابو ذر رضی اللہ عنہ کو شام میں بتلایا جارہا ہے اور یہ کہا جارہا ہے کہ انھوں نے شام میں صحابیِ رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو زیربحث حدیث سنائی۔

یہ زبردست دلیل ہے کہ زیربحث روایت موضوع اور من گھڑت ہے اور جس نے بھی

[1] التاريخ الأوسط للبخاري (۱/ ۳۹۷)

اسے گھڑا ہے، وہ تاریخ سے نابلد تھا، اس نے یہ حدیث تو وضع کر دی کہ شام میں ابو ذر رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو حدیث سنائی، لیکن اس بدنصیب کو یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ جس دور میں صحابیِ رسول یزید بن ابی سفیان شام میں تھے، اس دور میں ابو ذر رضی اللہ عنہ شام گئے ہی نہیں تھے، بلکہ اس کے بہت بعد عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں شام گئے تھے اور اس سے پہلے ہی صحابیِ رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ فوت ہو چکے تھے، لہٰذا ایک فوت شدہ شخص کو ابو ذر رضی اللہ عنہ کوئی حدیث کیسے سنا سکتے ہیں؟!

امام بخاری رحمہ اللہ کی تحقیق سے اس روایت کا موضوع اور من گھڑت ہونا ثابت ہوگیا۔ والحمد للہ۔ **اس پر زبیر علی زئی صاحب نے بلاوجہ یہ اعتراض کر دیا کہ امام بخاری کے قول کے اندر جو بات ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ہم نے گذشتہ صفحات میں اس کی بھرپور تردید کر دی ہے۔**[1]

لیکن مزید مطالعہ کے بعد ہمیں ایک صحیح اور صریح روایت مل گئی، جس میں امام بخاری رحمہ اللہ کی مکمل تائید موجود ہے۔یعنی اس میں اس بات کی صراحت ہے کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے دور میں شام گئے تھے اور اس سے قبل وہ مدینے ہی میں مقیم تھے۔ ملاحظہ ہو یہ روایت۔ امام محمد بن یحییٰ بن ابی عمر رحمہ اللہ (۲۴۳ھ) نے کہا:

”ثنا عبد الوهاب الثقفي، عن هشام[2]، عن محمد بن سيرين، عن أبي ذر رضي الله عنه، أن رسول الله أتىٰ عليه، وهو في المسجد مضطجع **فحركه برجله، وقال: ”يا أبا ذر، إذا بلغ البناء سلعا فاخرج“،** وقال بيده: ضرب به نحو الشام، وقال: ”ولا أرى أمراءكم إلا سيحولون بينك وبين ذلك“، قلت: يحولون بيني وبين أمرك الذي أمرتني به؟ قال: ”نعم“، قال أبو ذر، يا رسول الله، أفلا آخذ سيفي فأضرب به من يحول بيني وبين أمرك الذي تأمرني به؟ قال: ”ولكن تسمع وتطيع، ولو لعبد حبشي“، فلما بلغ البناء سلعا **وذلك في إمرة عثمان بن عفان، خرج أبو ذر إلىٰ الشام،** فمال إليه أهل الشام، وكتب معاوية إلىٰ عثمان: إن كانت لك في الشام حاجة، فأرسل إلىٰ أبي ذر، فكتب إليه عثمان أن أقبل، فلما قرأ الكتاب

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۹۷۔۱۲۱) دیکھیں۔

[2] ہشام مدلس ہیں لیکن ابن سیرین سے ان کی روایت صحیح ہوتی ہے دیکھیں:الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم(۹/۵۵)

أقبل، وقال: سمع وطاعة، قال: فجعل يمر في مردود، ومردود فيه فلوس، فقالوا: انظروا في رقابكم، هذا يزهد في الدنيا وهذه الدنانير معه، فلما نظروا إلىٰ فلوس فارتحل بأهله، حتى أتىٰ المدينة، فأتى عثمان فسلم عليه، فقال: عندي يا أبا ذر هاهنا تغدو عليك اللقاح وتروح، قال: الدنيا لا حاجة لي فيها، اِئذن لي فأخرج إلىٰ المدينة، قال: قد أذنت لك. قال: فخرج أبو ذر للصلاة، فقال: من عامل هذا الماء؟ قالوا: هذا. فإذا هو عبد حبشي، فقال: الله أكبر، صدق الله ـعز وجلـ ورسوله، أمرت أن أسمع وأطيع، ولو لعبد حبشي فتقدم"[1]

"ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے اور وہ مسجد نبوی میں لیٹے ہوئے تھے **تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قدم سے انھیں ہلایا اور کہا: جب عمارتیں سلع پہاڑی تک پہنچ جائیں تو تم (مدینے سے) نکل جانا** اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں سے شام کی طرف اشارہ کیا اور مجھے لگتا ہے کہ تمھارے امرا، تمھارے اور اس چیز کے بیچ حائل ہوں گے۔ میں نے کہا: میرے اور اس چیز کے درمیان حائل ہوں گے جس کا آپ نے مجھے حکم دیا ہے؟ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ہاں۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو پھر کیا میں اپنی تلوار لے کر اُسے مار نہ دوں، جو میرے اور اس چیز کے بیچ میں حائل ہوگا، جس کا آپ مجھے حکم دے رہے ہیں؟ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: بلکہ تم سنو گے اور اطاعت کروگے، خواہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ **چناں چہ جب عمارتیں سلع پہاڑی تک پہنچ گئیں اور یہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوا تو ابو ذر رضی اللہ عنہ شام کی طرف نکل گئے،** اس کے بعد اہلِ شام کا میلان ان کی طرف ہوگیا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھا: اگر آپ کو شام کی ضرورت ہے تو ابو ذر رضی اللہ عنہ کو خط لکھیں تو عثمان رضی اللہ عنہ نے ابو ذر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ شام سے واپس آجاؤ۔ چناں چہ جب ابو ذر رضی اللہ عنہ نے خط پڑھا تو

[1] مسند ابن أبي عمر العدني بحواله إتحاف الخيرة المهرة للبوصيري (٥/ ٣٠- ٣١) وانظر: مسند ابن أبي عمر العدني بترتيب أبي أنس سعيد بن جمعة (ص ١٤) وقال المرتب: إسناده متصل، رجاله ثقات، رجال الشيخين. قلت: وهو كذلك لو لم يكن انقطاعا بين ابن سيرين و أبي ذر لكن لغالب متنه شواهد متفرقة فهو صحيح بها ويشهد لموضع الشاهد منه ما أخرجه ابن الأعرابىفى معجمه (١/٧٥) بسند صحيح وكذلك ما أخرجه البيهقى فى الدلائل (٦/ ٤٠١) واسناده صحيح وصححه الحاكم(٣/ ٣٤٤) ووافقه الذهبى۔

کہا: میں سنوں گا اور اطاعت کروں گا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ اپنے ساز و سامان کے ساتھ جانے لگے تو آپ کے سامان میں ریز گاری سکے تھے تو لوگوں نے کہا: ذرا دیکھو! یہ دنیا سے بے رغبت بنتا ہے اور اس کے پاس دینار (سونے) ہیں! لیکن جب لوگوں نے ریز گاری سکوں کو دیکھا (تو ان کی غلط فہمی دور ہوئی)۔ چناں چہ ابو ذر رضی اللہ عنہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ روانہ ہوئے، یہاں تک کہ مدینے میں پہنچے۔ پھر عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انھیں سلام کیا تو عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابو ذر رضی اللہ عنہ! یہاں تم صبح و شام مزے کرو گے تو ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے دنیا کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے اجازت دیں کہ میں مدینے (سے باہر ربذہ) کی جانب نکل جاؤں! عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے آپ کو اجازت دی۔ چناں چہ ابو ذر رضی اللہ عنہ (وہاں) نماز کے لیے نکلے تو پوچھا: یہاں کا عامل کون ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ شخص ہے اور وہ ایک حبشی غلام تھا تو ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ اکبر! اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا۔ مجھے حکم دیا گیا تھا کہ میں سنوں اور اطاعت کروں، خواہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ پھر ابو ذر رضی اللہ عنہ آگے بڑھ گئے۔"

یہ روایت صحیح ہے، اس کے سارے راوی بخاری و مسلم کے ثقہ راوی ہیں، البتہ سند میں انقطاع ہے لیکن صحیح بخاری (۱۴۰۶) صحیح مسلم (۶۴۸) سنن ابن ماجہ (۳۷۲۴) صحیح ابن حبان (۵۹۶۴ احسان) دلائل النبوۃ للبیہقی (۶/۴۰۱) معجم ابن الأعرابی (۱/۵۷) میں اس کے صحیح متفرق شواہد موجود ہیں جن کی روشنی میں یہ صحیح ہے۔ اس صحیح روایت سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوگئی کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت سے قبل ابو ذر رضی اللہ عنہ شام آئے ہی نہیں، بلکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مذکورہ مدت تک مدینے ہی میں مقیم تھے اور عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مدینے سے نکل کر شام آئے۔ بلکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سے یعنی حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہوگیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت سے قبل ابو ذر رضی اللہ عنہ شام نہیں گئے، کیوں کہ عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے دور میں عمارتیں سلع پہاڑی تک پہنچیں، جیسا کہ اس روایت میں صراحت ہے اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ذر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ جب مدینے میں عمارتیں سلع پہاڑی تک پہنچ جائیں تو مدینے سے نکلنا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم دوسری سندوں سے بھی منقول ہے، مثلاً امام حاکم رحمہ اللہ (المتوفی ۴۰۵ھ) نے کہا:

"حدثنا أبو ذر أحمد بن كامل بن خلف القاضي، ثنا أبو قلابة بن

الرقاشي، ثنا سعيد بن عامر، ثنا أبو عامر، وهو صالح بن رستم الخزاز، عن حميد بن هلال، عن عبد الله بن الصامت قال: قالت أم ذر: والله ما سير عثمان أبا ذر،ولكن رسول الله ﷺ قال:إذا بلغ البنيان سلعا فاخرج منها"(1)

''ام ذر رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اللہ کی قسم! عثمان رضی اللہ عنہ نے ابو ذر رضی اللہ عنہ کو مدینے سے نہیں نکالا، بلکہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد تھا کہ (اے ابو ذر!) جب عمارتیں سلع پہاڑی تک پہنچ جائیں تو تم اس (مدینے) سے نکل جانا۔''

معلوم ہوا کہ اللہ کے نبی ﷺ کے فرمان کی روشنی میں ابو ذر رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت سے قبل مدینے سے نکل ہی نہیں سکتے تھے، کیوں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ایک خاص علامت کے وقت انھیں مدینے سے نکلنے کے لیے کہا تھا اور اس خاص علامت کا ظہور عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت ہی میں ہوا، جسے دیکھتے ہی ابو ذر رضی اللہ عنہ فرمانِ رسول ﷺ کے مطابق مدینے سے نکل گئے تھے۔

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی بات نہ صرف یہ کہ صحیح روایت کے موافق ہے، بلکہ فرمانِ رسول کے بھی مطابق ہے۔ والحمد للہ.

لطیفہ:- امام بخاری رحمہ اللہ کے دعوے کے خلاف زبیر علی زئی صاحب کوئی روایت نہیں پیش کر سکے، لیکن ان کے ایک شاگرد نے طبقات ابن سعد کی ایک روایت پیش کر کے یہ کہا کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ شام میں موجود تھے۔ اس شخص نے لکھا:

"قال: أخبرنا هشيم قال: أخبرنا حصين، عن زيد بن وهب قال: مررت بالربذة، فإذا أنا بأبي ذر. قال: فقلت: ما أنزلك منزلك هذا؟، قال: كنت بالشام، فاختلفت أنا ومعاوية في هذه الآية: ﴿وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ [التوبة: ٣٤] وقال معاوية: نزلت في أهل الكتاب، قال: فقلت: نزلت فينا وفيهم، قال: فكان بيني وبينه في

(1) المستدرك للحاكم (٣/ ٣٨٧) وصححه الحاكم على شرط الشيخين ووافقه الذهبي. قلت: إسناده علىٰ شرط مسلم، وأبوقلابه لاعبرة باختلاطه انظر تحرير التقريب: رقم (٤٢١٠) وأم ذر أنكرصحبتها الألبانى لكن أثبتها غير واحد وللفظ المرفوع شاهد صحيح فى معجم ابن الأعرابى(٧٥/١) فهو صحيح على كل حال۔

ذلك كلام. فكتب يشكوني إلىٰ عثمان. قال: فكتب إلىٰ عثمان أن اقدم المدينة، فقدمت المدينة، وكثر الناس عليَّ كأنهم لم يروني قبل ذلك. قال: فذكر ذلك لعثمان، فقال لي: إن شئت تنحيت، فكنت قريبا، فذاك أنزلني هذا المنزل، ولو أمر علي حبشي لسمعت ولأطعت"[1]

زید بن وہب سے روایت ہے کہ میں ربذہ میں سے گزرا تو وہاں ابو ذر رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ میں نے کہا: آپ یہاں کیوں آ گئے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: میں شام میں تھا، پھر میرا اور معاویہ کا اس آیت (کے مفہوم) میں اختلاف ہوگیا ''اور جو لوگ سونے اور چاندی کے خزانے اکٹھے کرتے ہیں اور انھیں اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے۔'' معاویہ نے کہا: یہ اہلِ کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو میں نے کہا: یہ اہلِ کتاب اور ہمارے یعنی دونوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ پھر میرے اور اُن کے درمیان بحث و مباحثہ ہوا تو انھوں نے عثمان سے میری شکایت کی۔ پھر عثمان نے مجھے لکھ کر حکم دیا کہ میں مدینے آ جاؤں۔ پھر میں مدینے آیا اور میرے پاس لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہوگیا، گویا انھوں نے اس سے پہلے مجھے نہیں دیکھا تھا۔ پھر عثمان سے سارا واقعہ بیان کیا گیا تو انھوں نے مجھے کہا: اگر تم چاہو تو یہاں سے تھوڑا دور چلے جاؤ۔ یہ بات مجھے یہاں لے آئی ہے اور اگر میرا امیر کوئی حبشی ہوتا تو میں اس کے احکامات سنتا اور ضرور اس کی اطاعت کرتا۔''

عرض ہے کہ اس پوری روایت میں صرف یہ ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ابو ذر رضی اللہ عنہ شام میں تھے اور اس وقت شام کے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔اب اس بات کا امام بخاری رحمہ اللہ نے کب انکار کیا؟ بلکہ یہ بات تو خود امام بخاری رحمہ اللہ کہہ رہے ہیں کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ شام میں عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں آئے، جس وقت شام کے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔گذشتہ صفحات میں امام بخاری رحمہ اللہ کا پورا قول نقل کیا جا چکا ہے، اس قول کے ان الفاظ پر غور کریں کہ امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶ھ) فرماتے ہیں:

"والمعروف أن أبا ذر كان بالشام زمن عثمان، وعليها معاوية"[2]

[1] الطبقات الكبرى لابن سعد (٤/ ٢١٩ وسنده صحيح) دیکھیں: شخصِ مذکور کی تحریر (۲۳-۲۴)

[2] التاريخ الأوسط للبخاري (١/ ٣٩٧)

”معروف (معلوم وثابت شدہ) بات یہ ہے کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ شام میں عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں تھے اور اس وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے امیر تھے۔“

غور کریں! امام بخاری رحمہ اللہ خود وہ بات مان رہے ہیں جو اس روایت میں ہے، پھر امام بخاری رحمہ اللہ کے خلاف یہ روایت پیش کرنا چہ معنی دارد؟

امام بخاری کا دعوی تو یہ ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے دور سے قبل ابو ذر رضی اللہ عنہ کا شام آنا ثابت نہیں ہے اور اس دعوے کے خلاف اس روایت میں ایک لفظ بھی نہیں ہے۔ بلکہ یہ روایت تو امام بخاری ہی کے موقف کی پر زور تائید کرتی ہے۔ چناں چہ اس روایت میں جس واقعہ کا ذکر ہے، اس کا پسِ منظر اسی روایت میں موجود ہے، جسے ہم نے ماقبل میں پیش کیا ہے اور اس میں یہ پوری طرح صراحت ہے کہ اس موقع سے ابو ذر رضی اللہ عنہ کا شام میں آنے کا واقعہ عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے دورِ خلافت میں ہوا اور اس سے پہلے وہ شام آئے ہی نہیں، بلکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لے کر اس وقت تک مدینے ہی میں مقیم تھے۔ قارئین دوبارہ یہ روایت پڑھیں اور امام بخاری رحمہ اللہ کی وسعت علمی کی داد دیں اور ان کے دعوے کو چیلنج کرنے والوں کی عقل پر ماتم کریں۔

<u>لطیفہ برلطیفہ:</u>

یاد رہے کہ اس شخص نے طبقات ابن سعد کی جو روایت پیش کی ہے، وہ روایت صحیح بخاری میں بھی اسی سند کے ساتھ موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶ھ) نے کہا:

”حدثنا علي بن أبي هاشم، سمع هشيما، أخبرنا حصين، عن زيد بن وهب، قال: مررت بالربذة فإذا أنا بأبي ذر رضي الله عنه، فقلت له: ما أنزلك منزلك هذا؟ قال: كنت بالشام، فاختلفت أنا و معاوية في: ﴿وَ الَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ [التوبة: ٣٤] قال معاوية: نزلت في أهل الكتاب، فقلت: نزلت فينا وفيهم، فكان بيني وبينه في ذاك، وكتب إلىٰ عثمان رضي الله عنه يشكوني، فكتب إِليَّ عثمان: أن اقدم المدينة فقدمتها، فكثر علي الناس حتى كأنهم لم يروني قبل

ذلك، فذكرت ذاك لعثمان، فقال لي: إن شئت تنحيت، فكنت قريبا، فذاك الذي أنزلني هذا المنزل، ولو أمروا علي حبشيا لسمعت وأطعت"[1]

''زید بن وہب نے کہا کہ میں مقامِ ربذہ سے گزر رہا تھا کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ دکھائی دیے۔ میں نے پوچھا کہ آپ یہاں کیوں آ گئے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں شام میں تھا تو معاویہ رضی اللہ عنہ سے میرا اختلاف (قرآن کی آیت) ''جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور انھیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔'' کے متعلق ہو گیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کا کہنا یہ تھا کہ یہ آیت اہلِ کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور میں یہ کہتا تھا کہ اہلِ کتاب کے ساتھ ہمارے متعلق بھی یہ نازل ہوئی ہے۔ اس اختلاف کے نتیجے میں میرے اور اُن کے درمیان کچھ تلخی پیدا ہو گئی۔ چناں چہ انھوں نے عثمان رضی اللہ عنہ (جو ان دنوں خلیفۃ المسلمین تھے) کے یہاں میری شکایت لکھی۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھے لکھا کہ میں مدینے چلا آؤں، چناں چہ میں چلا آیا۔ (وہاں جب پہنچا) تو لوگوں کا میرے یہاں اس طرح ہجوم ہونے لگا، جیسے انھوں نے مجھے پہلے دیکھا ہی نہ ہو۔ پھر جب میں نے لوگوں کے اس طرح اپنی طرف آنے کے متعلق عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا تو انھوں نے فرمایا کہ اگر مناسب سمجھو تو یہاں کا قیام چھوڑ کر مدینے سے قریب ہی کہیں اور جگہ الگ قیام اختیار کر لو۔ یہی بات ہے جو مجھے یہاں (ربذہ) تک لے آئی ہے۔ اگر وہ میرے اوپر ایک حبشی کو بھی امیر مقرر کر دیں تو میں اس کی بھی سنوں گا اور اطاعت کروں گا۔''

اب جب کہ یہ روایت اسی سند کے ساتھ صحیح بخاری میں بھی موجود ہے، جو قرآن کے بعد سب سے صحیح ترین کتاب ہے تو اسی حدیث کو صحیح بخاری بلکہ مشہور کتبِ احادیث سے بھی دور جا کر ابن سعد کی طبقات سے نقل کیا گیا! آخر کیوں؟!

مزید یہ کہ ابن سعد سے یہ روایت پیش کرنے کے بعد اس کی سند کو صحیح ثابت کرنے پر توانائی صرف کی جا رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب یہ روایت اسی سند کے ساتھ صحیح بخاری میں موجود ہے تو پھر ابن سعد کی کتاب طبقات سے اسے پیش کر کے اس کی سند پر بحث کرنے کے بجائے کیا یہ

[1] صحيح البخاري (٢/ ١٠٧) رقم الحديث (١٤٠٦)

آسان نہ تھا کہ صحیح بخاری سے اسے نقل کر دیا جاتا؟

ہمارے خیال سے صحیح بخاری سے یہ روایت اس لیے نہیں نقل کی گئی، کیوں کہ اگر صحیح بخاری سے یہ روایت نقل کر کے یہ کہا جاتا کہ امام بخاری کے دعوے کے خلاف اس روایت میں دلیل موجود ہے تو ایک بچے کے ذہن میں بھی سوال اٹھتا کہ اگر صحیح بخاری ہی میں یہ روایت موجود ہے تو امام بخاری نے اس کے خلاف کیسے دعوی کر لیا؟ اس مصیبت سے بچنے کے لیے چالاکی یہ کی گئی کہ اسی روایت کو صحیح بخاری سے ہٹ کر بلکہ مشہور کتبِ احادیث سے بھی دور جا کر ابن سعد سے نقل کیا گیا، تا کہ ابن سعد کا حوالہ دیکھتے ہوئے قاری ایک طرف یہ سمجھے کہ جناب نے کمال کر دیا، آخر کتبِ رجال سے دلیل ڈھونڈ نکالی اور ساتھ میں قاری کا ذہن اس طرف بھی نہ جائے کہ یہ روایت حدیث کی کسی مشہور کتاب میں بھی ہوسکتی ہے، پھر صحیح بخاری میں اس کے ہونے کا تو خیال ہی دل میں نہ آئے گا۔

ہم کہتے ہیں کہ جو شخص خود کو بہت زیادہ چالاک سمجھتا ہے، اس کی سب سے بڑی بے وقوفی یہ ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کو بے وقوف سمجھتا ہے، حالاں کہ کسی کو یہ خوش فہمی نہیں پالنی چاہیے کہ ہماری چالاکیوں کی تہہ تک کوئی پہنچ نہیں سکتا۔ بہرحال ابن سعد کی روایت جو صحیح بخاری میں بھی مروی ہے، اس میں امام بخاری رحمہ اللہ کے دعوے کے خلاف کچھ بھی موجود نہیں، بلکہ یہ روایت دیگر روایات سمیت امام بخاری ہی کے دعوے کی زبردست دلیل ہے، جیسا کہ وضاحت کی گئی ہے۔

زبیر علی زئی صاحب کے اتہامات پر ہمارا مختصر تبصرہ:

ہماری یہ تیسری تحریر پڑھ کر زبیر علی زئی صاحب آپے سے باہر ہوگئے۔ ہماری تحریر کے اصل حصے کا جواب تو دینے سے رہے، اس کے بجائے انھوں نے ہماری تحریر کی ابتدا سے اس حصے کو منتخب کیا، جس میں ان محدثین کے نام گنائے گئے تھے، جنھوں نے اس حدیث کو موضوع یا مردود قرار دیا تھا یا اس کی طرف اشارہ کیا تھا۔ یہ کل دس اہلِ علم تھے، جن کے حوالے سے ہم نے کہا تھا کہ انھوں نے زیر بحث روایت کو موضوع اور من گھڑت یا مردود قرار دیا ہے یا اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

دس اہلِ علم کے حوالے پیش کرنے کے بعد ہم نے اصل بحث شروع کی اور اس روایت کے موضوع ہونے پر مدلل بحث کی۔ ظاہر ہے کہ یہی بحث ہماری تحریر کا بنیادی حصہ ہے، لیکن زبیر علی زئی نے ہماری تحریر کے اصل حصے کا جواب دینے کے بجائے شروع میں پیش کردہ فہرست ہی کو منتخب

کیا اور چونکہ ہم نے اس فہرست میں دس اہلِ علم کے نام گنائے تھے، اس لیے زبیر علی زئی نے اسے دس جھوٹ کہا ہے۔ اس کے جواب میں انتہائی اختصار کے ساتھ چند سطور پیشِ خدمت ہیں۔ [1]

سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ ہم نے اس روایت سے متعلق اہلِ علم کا موقف پیش کرتے ہوئے کہا تھا:

''متقدمین و متاخرین و معاصرین میں سے متعدد اہلِ علم نے اس روایت کو موضوع، منقطع یا مردود قرار دیا ہے یا اس کے مردود ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔'' [2]

یعنی ہم نے اس روایت سے متعلق اہلِ علم کے موقف کے بارے میں چارطرح کی بات کہی تھی:

1. اہلِ علم نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔
2. اہلِ علم نے اس روایت کو منقطع قرار دیا ہے۔
3. اہلِ علم نے اس روایت کو مردود قرار دیا ہے۔
4. اہلِ علم نے اس روایت کے مردود ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

یعنی ہم نے یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ ہم جن محدثین کا نام پیش کر رہے ہیں، ان میں سے ہر ایک نے اسے موضوع بھی کہا ہے، منقطع بھی کہا ہے، مردود بھی کہا ہے اور مردود ہونے کی طرف اشارہ بھی کیا ہے، بلکہ ان میں سے کسی نے موضوع کہا ہے تو کسی نے منقطع کہا ہے اور کسی نے مردود قرار دیا ہے تو کسی نے مردود ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اب ہرایک حوالے سے متعلق ہماری مختصر وضاحت ملاحظہ ہو:

❀ پہلا حوالہ ہم نے امام بخاری رحمہ اللہ کا پیش کیا تھا اور گذشتہ سطور میں متعدد مقامات پر امام بخاری کے الفاظ پیش کیے جا چکے ہیں کہ امام بخاری نے اس کی سند پر پر ایسا اعتراض کیا ہے، جس کی رو سے اس روایت کا مردود بلکہ باطل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ [3]

اس سے واضح ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس روایت کو مردود قرار دیتے ہیں۔ اس بات کو جھوٹ کسی صورت میں بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اسے جھوٹ کہنا تو دور کی بات؛ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا

[1] ہم نے ان اتہامات کا مفصل جواب تیار کیا تھا لیکن اس کی اشاعت سے قبل موصوف کی وفات ہوگئی پھر ہم نے اس کی اشاعت مناسب نہیں سمجھی لیکن بعد میں جب طعن و تشنیع کے ساتھ یہ کہا جانے لگا کہ ناچیز لاجواب ہے تو اس جواب کو ''حدیث یزید محدثین کی نظر میں'' کے عنوان سے شایع کردیا گیا جو ہمارے بلاگ پر بھی موجود ہے۔

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۹۱) دیکھیں۔ [3] اسی کتاب کا صفحہ (۱۰۲۔۱۰۳) دیکھیں۔

کا کوئی بھی سلیم العقل شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو مردود و غیر مقبول قرار دیا ہے، بلکہ تاریخی اعتبار سے اسے باطل قرار دیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے حوالے سے دوسری بات ہم نے یہ کہی تھی کہ انھوں نے اس روایت کو معلول کہا ہے، جیسا کہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے نقل کیا۔ اس پر زبیر علی زئی صاحب نے جو اعتراض کیا تھا اس کا جواب دیتے ہوئے جن پہلوؤں سے ہم نے موصوف پر حجت قائم کی تھی، اس کا موصوف نے کوئی جواب نہیں دیا۔[1]

البتہ موصوف نے ایک مثال پیش کی، جس کا ماحصل یہ ہے کہ امام ذہبی نے فاتحہ خلف الامام کی ایک حدیث پر ابن حبان کی کتاب "الثقات" سے جرح نقل کی: "وقال: حديثه معلل" یعنی ابن حبان نے کہا کہ اس کی حدیث معلل ہے اور یہ الفاظ ابن حبان سے ثابت نہیں، جیسا کہ علامہ مبارکپوری نے "تحقيق الكلام" میں کہا ہے۔

(عرض ہے کہ یہاں امام ذہبی نے معنوی طور پر ابن حبان کی بات نقل کی ہے، چناں چہ تحقیق الکلام عربی) کے حاشیہ میں فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر وصی اللہ عباس حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

> "ومن الممكن أن الذهبي رحمه الله ذكر قول ابن حبان بالمعنى على ما فهمه منه"[2]
>
> "یہ بھی ممکن ہے کہ ذہبی رحمہ اللہ نے ابن حبان کا قول معنوی طور پر اپنی سمجھ کے مطابق ذکر کیا ہے۔"

ہماری نظر میں یہی بات راجح ہے، کیوں کہ امام ذہبی نے حافظ ابن حبان کے مزید الفاظ نقل نہیں کیے ہیں اور امام ذہبی کی منقولہ بات معنوی طور پر ابن حبان کے ان الفاظ میں موجود ہے جو الفاظ "الثقات" کے ہر نسخے میں مذکور ہیں۔

❀ دوسرا حوالہ ہم نے امام ابن عدی رحمہ اللہ کا پیش کیا تھا۔ ان کے حوالے سے عرض کیا گیا تھا کہ انھوں نے اس روایت کو "الكامل في ضعفاء الرجال" میں نقل کرتے ہوئے یہ بھی وضاحت کی کہ اس کے بعض طرق میں "ابو مسلم" کا اضافہ ہے، یعنی اس اضافے پر آگاہ

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۹۹۔۱۰۲) دیکھیں۔

[2] تحقيق الكلام عربي (ص: ۱۷۷)

ہونے کے باوجود بھی امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اسے اپنی ''ضعفاء'' والی کتاب میں درج کیا، بلکہ دوسرے طریق کے ایک لفظ کو بھی ذکر کیا ہے، یعنی امام ابن عدی نے اس روایت کو ایک طریق سے مکمل ذکر کیا اور دوسرے طریق کے ایک لفظ کو ذکر کیا ہے۔ اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ یہ روایت دونوں طریق سے ان کے نزدیک منکر یعنی مردود ہے، کیوں کہ امام ابن عدی کا اس کتاب میں عمومی منہج یہی ہے کہ وہ اس کتاب میں منکر روایات ہی ذکر کرتے ہیں۔ یہ بات خود امام ابن عدی رحمہ اللہ اور دیگر اہلِ علم کی تصریحات سے ثابت ہیں، چنانچہ ملاحظہ ہو:

❁ خود امام ابن عدی رحمہ اللہ نے کئی رواۃ سے متعلق کہا ہے کہ مجھے ان کی کوئی منکر روایت نہیں ملی کہ اس کا تذکرہ کروں، مثلاً ''مهلب بن أبي حبيبة'' کا ذکر کر کے ان کی کوئی روایت نہیں ذکر کی ہے اور اس کی وجہ بتاتے ہوئے کہا:

''لم أر له حديثا منكرا فأذكره''[1]

''میں نے ان کی کوئی منکر حدیث نہیں دیکھی کہ اس کا تذکرہ کروں۔''

امام ابن عدی رحمہ اللہ کی متعدد مقامات پر اس طرح کی صراحت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ عام طور پر ہر راوی کے ترجمے میں اس کی منکر روایات ذکر کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ دیگر اہلِ فن نے بھی امام ابن عدی کا یہی طرزِ عمل بتلایا ہے چنانچہ ملاحظہ ہو:

❁ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) نے کہا:

''ويروي في الترجمة حديثا أو أحاديث مما استنكر للرجل''[2]

''امام ابن عدی راوی کے ترجمہ میں اس کی منکر احادیث میں سے ایک یا کئی احادیث ذکر کرتے ہیں۔''

❁ تاج الدین سبکی (المتوفی: ۷۷۱ھ) نے کہا:

''وذكر في كل ترجمة حديثا فأكثر من غرائب ذاك الرجل ومناكيره''[3]

''امام ابن عدی ہر راوی کے ترجمہ میں اس کی غریب ومنکر احادیث میں ایک یا اس سے

---

[1] الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي (٨/ ٢٢٨)

[2] سير أعلام النبلاء للذهبي (١٦/ ١٥٥- ١٥٦)

[3] طبقات الشافعية الكبرى (٣/ ٣١٦)

زائد کا تذکرہ کرتے ہیں۔‘‘

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) نے کہا:

’’ومن عادته فيه أن يخرج الأحاديث التي أنكرت علىٰ الثقة أو علىٰ غير الثقة‘‘[1]

’’اس کتاب میں امام ابن عدی کی عادت یہ ہے کہ وہ ثقہ یا غیر ثقہ کی منکر احادیث کا تذکرہ کرتے ہیں۔‘‘

امام ابن عدی رحمہ اللہ اور دیگر اہلِ فن کی تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ عمومی طور پر راوی کے ترجمہ میں منکر روایات ہی ذکر کرتے ہیں، اس لیے اگر انھوں نے کسی راوی کے ترجمہ میں کوئی روایت ذکر کی، خواہ وہ وہاں پر صراحت کے ساتھ اسے منکر کہیں یا نہ کہیں، بہرصورت ان کے عمومی طرزِ عمل سے ان کے نزدیک اس روایت کو منکر ہی سمجھا جائے گا، الا یہ کہ خود امام ابن عدی ہی کسی خاص روایت کے بارے میں صحت کا فیصلہ دے دیں اور زیرِ بحث روایت کو امام ابن عدی رحمہ اللہ نے ایک طریق سے ذکر کیا ہے اور دوسرے طریق کا بھی ایک حصہ ذکر کیا ہے، لہٰذا یہ روایت دونوں طرق سے امام ابن عدی رحمہ اللہ کے نزدیک منکر یعنی مردود ہی شمار ہوگی۔

رہا زبیر علی زئی صاحب کا کسی حدیث کو اپنی تحقیق سے صحیح قرار دے کر یہ استدلال کرنا کہ امام ابن عدی راوی کے ترجمہ میں صحیح احادیث بھی ذکر کرتے ہیں تو اس تعلق سے اول تو یہ عرض ہے کہ آپ کی تحقیق میں کوئی روایت صحیح ہے تو اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ ابن عدی رحمہ اللہ کی تحقیق میں بھی یہ روایت صحیح ہے؟ مودبانہ گزارش ہے کہ یہاں امام ابن عدی کی تحقیق کی بات ہو رہی ہے، اس لیے اس مقام پر اپنی تحقیقات کو اپنے پاس ہی محفوظ رکھیں۔ ورنہ آپ دن رات کسی روایت کو صحیح کہتے رہیں، اس سے وہ روایت صرف آپ ہی کی نظر میں صحیح ہوگی نہ کہ آپ کے صحیح کہنے سے امام ابن عدی رحمہ اللہ کی نظر میں بھی صحیح ہو جائے گی۔

دوسری بات یہ عرض ہے کہ امام ابن عدی کا عمومی طرزِ عمل منکر روایات ہی پیش کرنا ہے، اس لیے اگر کسی راوی کے ترجمہ میں کوئی روایت مذکور ہو اور امام ابن عدی رحمہ اللہ کی نظر میں اس کے صحیح

---

[1] مقدمة فتح الباري لابن حجر (ص: ٤٢٩)

ہونے کا کوئی اشارہ یا دلیل خود امام ابن عدی کی طرف سے نہ ملے تو امام ابن عدی رحمہ اللہ کے عمومی طرزِ عمل کی رو سے یہ روایت منکر ہی شمار ہوگی اور ہم جس روایت پر بات کر رہے ہیں، اس روایت سے متعلق امام ابن عدی کی طرف سے ایسا کوئی اشارہ موجود نہیں ہے کہ ان کی نظر میں یہ روایت صحیح ہے، اس لیے ان کے عمومی طرزِ عمل کے تحت ان کی نظر میں اسے منکر یعنی مردود ہی مانا جائے گا۔

❁ تیسرا حوالہ ہم نے امام بیہقی رحمہ اللہ کا پیش کیا تھا۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے ایک طریق سے اس روایت کو منقطع قرار دیا ہے اور امام بیہقی رحمہ اللہ تمام طرق کو سامنے رکھتے ہوئے ہی حکم لگاتے ہیں، لہٰذا ان کا اس روایت کو منقطع قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی نظر میں اس کا ایک طریق بھی صحیح نہیں ہے، بلکہ انھوں نے بعض ایسی روایات کو بھی منقطع یا مرسل کہا ہے، جس کی موصول سند انھوں نے خود نقل کی ہے۔[1] لہٰذا بالفرض یہ مان بھی لیں کہ امام بیہقی کی نظر میں موصول سند نہیں تھی تو بھی یہ لازم نہیں آتا کہ اسے دیکھ کر امام بیہقی رحمہ اللہ اسے صحیح کہہ دیتے۔

دوسری بات یہ کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی نقل کردہ روایت کے متن پر تنقید کرتے ہوئے جو کچھ کہا ہے، اس کا ماحصل یہ ہے کہ امام بیہقی رحمہ اللہ کے نزدیک شام میں صحابیِ رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابو ذر رضی اللہ عنہ کا اجتماع ممکن ہی نہیں ہے اور یہی بات امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی کہی ہے اور یہ نقد اس روایت کے مضمون پر ہے۔ اب اس مضمون کی روایت کسی بھی سند سے پیش کر دی جائے، سب پر امام بیہقی رحمہ اللہ کا یہ نقد منطبق ہوگا، لہٰذا امام بیہقی رحمہ اللہ کی نظر میں بھی یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ مردود ہی ہے۔

❁ چوتھا حوالہ ہم نے امام محمد بن طاہر ابن قیسرانی رحمہ اللہ کا پیش کیا تھا اور انھوں نے امام ابن عدی کی ذکر کردہ روایت مع یزید والے الفاظ کو نقل کیا ہے اور امام ابن عدی کی کتاب الکامل میں اس روایت کے ذکر ہونے کی یہ وجہ بتلائی ہے کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اسے منکر قرار دیا ہے اور اس نکارت کا دفاع نہیں کیا ہے۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ خود امام ابن قیسرانی کی نظر میں بھی یہ روایت منکر یعنی مردود ہے۔

❁ پانچواں حوالہ ہم نے امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا ذکر کیا ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے یزید کی مذمت

---

[1] معرفة السنن والآثار للبيهقي (١٢/ ٦٠)

میں تاریخ ابن عساکر میں مذکور تمام روایات کو موضوع اور من گھڑت کہا ہے، لیکن زبیر علی زئی صاحب امام ابن کثیر کی عبارت سمجھنے سے قاصر ہیں۔ تاہم موصوف نے یہ تو تسلیم کر ہی لیا ہے کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس روایت کو منقطع کہا ہے۔ اتنی بات بھی ہمارے مدعا کے لیے کافی ہے۔

❀ چھٹا حوالہ ہم نے امام سیوطی کا پیش کیا اور کہا تھا:

''واضح رہے کہ امام سیوطی رحمہ اللہ شواہد اور دیگر اسانید کے پیش نظر روایات کو حسن قرار دینے میں معروف ہیں، لیکن اس کے باوجود بھی یہاں امام سیوطی رحمہ اللہ نے بغیر کسی اور طریق کی پروا کیے اسے ضعیف قرار دیا، گویا امام سیوطی رحمہ اللہ کی نظر میں یہ روایت ثابت نہیں، بلکہ مردود ہے۔''[1]

اس میں کوئی شک نہیں کہ امام ابن عساکر اور امام رویانی کی کتب تک امام سیوطی کی رسائی تھی اور یہ بات بھی معروف ہے کہ امام سیوطی شواہد و متابعات کو دیکھ کر ضعیف روایت کی بھی تصحیح یا تحسین کر دیتے ہیں، لہٰذا امام سیوطی کا ابو ذر رضی اللہ عنہ کی اس روایت پر ضعف کا حکم لگانا ان کے منہج کو سامنے رکھتے ہوئے اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ روایت اپنی تمام سندوں کی ساتھ ضعیف ہی ہے۔

امام سیوطی کے رموز کے بارے میں ہم بھی اتنی بات تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے رموز میں تصحیفات ہوئی ہیں، بلکہ تخریج والے رموز کا بھی یہی حال ہے، لیکن اس روایت کی جو پوزیشن ہے، اس کے پیشِ نظر امام سیوطی کا اسے ضعیف قرار دینا چنداں مستغرب نہیں۔

امام سیوطی کو ''امام'' کہنے پر زبیر علی زئی صاحب نے جو اعتراض کیا ہے، اس کے متعلق سے عرض ہے کہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی انھیں امام کہا ہے۔[2]

اور عجیب بات یہ ہے کہ زبیر علی زئی صاحب سے سوال کرتے ہوئے ایک سائل نے سیوطی رحمہ اللہ کو امام لکھا تو موصوف نے اس پر کوئی تعاقب نہیں کیا۔[3]

حالانکہ اسی کتاب میں (ص: ۲۱۱۔۲۱۲) پر موصوف نے علامہ محمد رئیس کا ایک فتوی نقل کیا، جس میں دو جگہ شوکانی رحمہ اللہ کے ساتھ ''امام'' لکھا گیا تھا تو ان دونوں مقامات پر لفظ ''امام'' کے اوپر

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۹۳) دیکھیں۔

[2] السلسلة الصحيحة (۷/ ۱۵۳۰)

[3] دیکھیں: فتاوی علمیہ (۱/ ۱۲۹)

آں جناب نے خط کھینچ دیا ہے اور لطف کی بات تو یہ ہے کہ خود زبیر علی زئی صاحب نے بھی کئی مقامات پر سیوطی رحمہ اللہ کو ''امام'' لکھا ہے۔ مثلا ایک جگہ لکھتے ہیں:

''...امام سیوطی رحمہ اللہ نے یہ کہتے ہوئے مقلدین کو اہلِ سنت و الجماعت سے خارج کر دیا ہے...۔[1]

نیز ایک دوسری کتاب میں زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''... بلکہ امام سیوطی کے بقول یہ لوگ اہلِ سنت سے خارج ہیں...۔''[2]

❀ ساتویں، آٹھویں اور نویں نمبر پر ہم نے امام ابن حجر، امام ذہبی اور امام ابن عساکر رحمہم اللہ کے حوالے سے کہا تھا کہ ان حضرات نے عبدالوہاب کی سند میں ابو مسلم کی زیادتی پر تنبیہ کی ہے اور کہا تھا:

حافظ ابن حجر، امام ذہبی اور امام ابن عساکر رحمہ اللہ نے صرف ایک طریق میں جو زیادتی پر تنبیہ کی ہے، اس سے مقصود یہی ہے کہ یہاں پر یہ زیادتی شاذ ہے، یعنی مردود ہے، کیوں کہ ایسے موقع پر اہلِ فن صرف یہی نہیں کہتے کہ فلاں نے زیادتی کی ہے، بلکہ ساتھ میں اس اصول کا بھی حوالہ دیتے ہیں کہ زیادتِ ثقہ مقبول ہے اور یہاں پر محض زیادتی پر تنبیہ ہے اور زیادتِ ثقہ کی قبولیت کی صراحت نہیں ہے، نیز قبولیت کے قرائن بھی مفقود ہیں، بلکہ رد کے قرائن موجود ہیں۔ ایسی صورت میں ان ائمہ کا اشارہ اس زیاتی کے شذوذ ہی کی طرف ہے، یعنی یہ زیادتی مردود ہے۔ ناقدین کے اس طرح کے اشاروں کو اہلِ علم نے بیانِ علت ہی سمجھا ہے۔''[3]

ہمارا مقصود یہی تھا کہ ایسے مواقع پر اگر زیادتی کے مقبول ہونے کی طرف اشارہ ہوتا ہے تو یا تو زیادتِ ثقہ کے مقبول ہونے کی بات کہی جاتی ہے یا پھر اس روایت کے ساتھ ایسے قرائن موجود ہوتے ہیں، جو اس مفہوم کو طے کرتے ہیں، لیکن یہاں پر ایسی کوئی بات نہیں، بلکہ اس زیادتی کے رد

[1] دیکھیں: جزء رفع اليدين للبخاري، اردو ترجمہ: حافظ زبیر علی زئی، مقدمہ (ص: ۱۹)

[2] دیکھیں: امین اوکاڑوی کا تعاقب (ص: ۲۷)

[3] اسی کتاب کا صفحہ (۹۴) دیکھیں۔

ہونے کے قرائن موجود ہیں، اس لیے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان اہلِ علم نے اس زیادتی کے غلط ہونے ہی کی طرف اشارہ کیا ہے، بالخصوص امام ذہبی کا کلام تو اس طرح کی روایات کے رد کے سیاق میں ہے۔ چناں چہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس کے فوراً بعد ایک دوسری روایت ذکر کی اور اس کے ایک راوی کو ضعیف بتلایا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ماقبل میں زیادتی پر تنبیہ بھی معرضِ رد میں ہی ہے۔[1]

❀ دسواں حوالہ ہم نے مورخ ابن طولون کا پیش کیا تھا، کیوں کہ انھوں نے بھی امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی بات بہ رضا و رغبت نقل کی ہے اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی بات سے متعلق وضاحت گزر چکی ہے۔

یہ ہیں وہ دس حوالے جن کو زبیر علی زئی صاحب نے جھوٹ کہا، ان حوالوں کو جھوٹ کہتے وقت شاید موصوف آئینہ دیکھ رہے تھے، کیوں کہ مشہور بات ہے: "المرء يقيس على نفسه" یعنی آدمی دوسروں کو بھی اپنے آپ پر قیاس کرنے لگتا ہے اور زبیر علی زئی صاحب اہلِ علم کی طرف کیا کیا باتیں منسوب کرتے ہیں؟ اس کا صرف ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

تدلیس سے متعلق امام شافعی کی کتاب سے موصوف امام شافعی کا کلام نقل کرنے کے بعد آگے چل کر نمبر (۲) قائم کر کے لکھتے ہیں:

"اس اثر سے معلوم ہوا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کتاب الرسالہ سے راضی (متفق) تھے اور تدلیس کے اس مسئلے میں ان کی طرف سے امام شافعی پر رد ثابت نہیں، لہٰذا ان کے نزدیک بھی مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہے، چاہے قلیل التدلیس ہو یا کثیر التدلیس۔"[2]

پھر آگے چل کر نمبر (۳) قائم کر کے لکھتے ہیں:

"امام اسحاق بن راہویہ کے پاس امام شافعی کی کتاب الرسالہ پہنچی، لیکن انھوں نے تدلیس کے اس مسئلے پر کوئی رد نہیں فرمایا، جیسا کہ کسی روایت سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ تدلیس کے مسئلے میں امام شافعی رحمہ اللہ کے موافق تھے۔"[3]

قارئین! سنجیدگی سے غور کریں کہ کیا اہلِ علم کی طرف غلط نسبت کی اس سے بھونڈی مثال مل

---

[1] تاريخ الإسلام للذهبي ت تدمري (٥/ ٢٧٣)

[2] أنوار الطريق از زبیر علی زئی (ص: ١١١)، نیز دیکھیں: نور العینین، جدید ایڈیشن (ص ٤٥٧)

[3] أنوار الطريق از زبیر علی زئی (ص: ١١٢) نیز دیکھیں: نور العینین، جدید ایڈیشن (ص ٤٥٨)

سکتی ہے؟ ایک طرف اہلِ علم کی طرف اقوال منسوب کرنے میں یہ مضحکہ خیزی اور دوسری جانب دوسروں کی نسبت پر کج اندیشیاں! سبحان اللہ!

یہ معاملہ صرف یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا ہے، بلکہ مسئلہ تدلیس اور مسئلہ حسن لغیرہ اور مسئلہ زیادتِ ثقہ میں جس طرح سے موصوف نے اپنے موقف کو محدثین کی طرف منسوب کیا ہے، اسے پڑھنے کے بعد اگر ٹھہر کر اس پر غور کیا جائے اور اصل مقامات سے اہلِ علم کی عبارتیں دیکھی جائیں تو واللہ! اہلِ علم کی طرف غلط نسبتوں کا ایک طول طویل سلسلہ نظر آتا ہے اور موصوف کے اصول کی روشنی میں بڑی آسانی سے ان سب حوالوں کو جھوٹ کہا جا سکتا ہے اور شاید موصوف کو بھی اپنے ان لا یعنی حوالوں کی حقیقت پر یقین تھا اور ناچیز کو بھی اپنے آپ پر قیاس کرتے ہوئے اسی قبیل کا سمجھ لیا تھا۔ واللہ اعلم

زیادتِ ثقہ کے قبول ورد سے متعلق محدثین کا موقف

زیادتِ ثقہ سے متعلق محدثین کے یہاں کوئی مخصوص ضابطہ یا قاعدہ کلیہ نہیں ہے، بلکہ محدثین اس کے قبول و رد کا فیصلہ قرائن کی بنیاد پر کرتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ اہلِ فن نے اس بابت مختلف اقوال نقل کیے ہیں، جن میں ایک قول یہ بھی ہے کہ زیادتِ ثقہ کو علی الاطلاق قبول کیا جائے گا، لیکن یہ قول شاذ ومتروک ہے، نیز مجہول لوگوں کی طرف منسوب ہے۔[1] اہلِ فن نے یہ قول ذکر تو کیا ہے، لیکن اس کے قائلین کون ہیں؟ اس بارے میں کسی ایک بھی محدث کا نام یا اس کا طرزِ عمل محفوظ نہیں ہے، جو اس موقف کا حامل ہو اور اس نے اس پر عمل کیا ہو، بلکہ بعض اہلِ علم نے تو اسے سرے سے محدثین کا موقف مانا ہی نہیں ہے، بلکہ اسے فقہا کی طرف منسوب کیا ہے اور بعض محدثین میں سے امام ابن حبان، خطیب بغدادی وغیرہ کے نام گنائے ہیں، لیکن یہ غلط انتساب ہے، کیوں کہ یہ لوگ بھی اس متروک وشاذ موقف کے حامی نہ تھے، جیسا کہ ان کی دیگر تصریحات سے معلوم ہوتا ہے۔

الغرض زیادتِ ثقہ سے متعلق محدثین اور ائمہ نقد کا موقف یہی ہے کہ اس کے قبول و رد میں قرائن کا اعتبار کیا جائے گا، جیسا کہ آگے ہم محدثین کی تصریحات پیش کریں گے۔

ایک اہم نکتہ:

یہاں پر ایک اہم نکتے کی وضاحت بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے اور وہ یہ کہ ائمہ ناقدین جب کسی سچے اور دیندار راوی کو ضعیف یا سیئ الحفظ کہتے ہیں تو اس کی بنیاد یہی ہوتی ہے کہ وہ دیگر ثقہ یا ثقات کے خلاف روایات کرتے ہوئے پایا جاتا ہے، مثلاً منقطع کو متصل بنا کر یا موقوف کو

[1] کسی قول کا مجہول لوگوں کی طرف منسوب ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ قول انتہائی بودا اور کمزور ہے یا گمراہ لوگوں کا قول ہے۔ اسی کتاب کا صفحہ (۸۰۹) دیکھیں۔

مرفوع بنا کر یا مرسل کو موصول بنا کر پیش کرتا ہے۔

چناں چہ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اگر ثقہ و ثبت کسی حدیث کو مرسل بیان کرے اور ضعیف راوی اسے موصول بیان کرے تو دو اسباب کی بنا پر موصول کا اعتبار نہیں ہوگا۔ ایک یہ کہ موصول بیان کرنے والا راوی ضعیف ہے اور دوسرے یہ کہ یہ معلول ہے، کیوں کہ ایک ثقہ و ثبت نے مرسل بیان کیا ہے اور یہ بات جان لیں کہ اکثر وہ رواۃ جن پر کلام کیا گیا ہے تو حفاظ نے انھیں اس لیے ضعیف کہا ہے کیوں کہ انھوں نے ثقات و اَثبات کی مخالفت کی اور اگر کسی حدیث کو ثقہ وثبت نے مسند یا موقوف یا مرسل بیان کیا، لیکن اس کے دیگر ثقہ و ثبت ساتھی اس کی مخالفت کریں تو اعتبار اس سند کا ہوگا جس پر ایک جماعت متفق ہے، کیوں کہ ایک شخص سے غلطی بھی ہوسکتی ہے اور یہاں غلطی کا ظاہر ہونا ہی راجح ہے، لہٰذا یہاں تعلیل کی صورت نہیں، بلکہ یہاں جماعت (کے بیان) کا اعتبار ہوگا۔''[1]

یعنی رواۃ کے حفظ سے متعلق اکثر محدثین نے جو جرح کی ہے تو اس کی وجہ راوی کی زیادتی ہی ہے، بلکہ بعض محدثین نے تو جرح کرتے ہوئے راوی کے اس عیب کی صراحت کرتے ہوئے جرح کی ہے۔ چناں چہ امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵ھ) نے ایک راوی پر جرح کرتے ہوئے کہا:

"وليس بالقوي يحدث بأحاديث يسندها، ويوقفها غيره"[2]

''یہ راوی قوی نہیں ہے۔ یہ ایسی احادیث کو مرفوع بیان کر دیتا ہے، جسے دوسرے لوگ موقوف بیان کرتے ہیں۔''

اس قول میں غور کریں کہ امام دارقطنی نے راوی کو صرف "ليس بالقوي" نہیں کہا، بلکہ اس کی وجہ بھی بیان کردی اور وہ یہ کہ یہ زیادتی بیان کرتا ہے۔ یہ حقیقت سامنے آنے کے بعد جو لوگ زیادتِ ثقہ کو مطلق طور پر قبول کرتے ہیں، ان کی نظر میں محدثین کے اقوالِ جرح و تعدیل بھی مشتبہ ہو جانے چاہییں، کیوں کہ اکثر ان کی بنیاد راوی کی زیادتی ہی ہوتی ہے۔

---

[1] الموقظه للذهبي (ص: ٥٢)

[2] سؤالات الحاكم للدارقطني (ص: ٢١٥)

اصولِ حدیث میں ظاہریت:

ماضی میں کچھ لوگ ایسے تھے کہ فقہ و استنباط میں بس ظاہر ہی کو دیکھتے تھے اور اسی کے مطابق فیصلے صادر فرما دیتے تھے، امت نے ان کے اس طرزِ عمل کو پسند نہیں کیا، بلکہ انھیں اہلِ ظاہر کہا، کچھ اسی طرح کی ظاہریت کا مظاہرہ اصولِ حدیث میں بھی کرتے ہیں اور محض ظاہری سند اور بہ ظاہر اس کی صحت دیکھ کر یہ فیصلہ کر بیٹھتے ہیں کہ حدیث صحیح ہے۔ جو لوگ زیادتِ ثقہ کو مطلق طور پر قبول کرتے ہیں، وہ بھی اسی قبیل سے ہیں اور بعض محدثین نے اس کی صراحت بھی کی ہے۔

چنانچہ امام ابن دقیق العید رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۰۲ھ) نے کہا:

”إن من حكىٰ عن أهل الحديث أو أكثرهم أنه إذا تعارض رواية مرسل و مسند، أو واقف و رافع، أو ناقص وزائد: أن الحكم للزائد، فلم يصب في هذا الإطلاق، فإن ذلك ليس قانونا مطردا، وبمراجعة أحكامهم الجزئية تعرف صواب ما نقول، وأقرب الناس إلىٰ اطراد هذه القواعد بعض أهل الظاهر“[1]

”یقیناً جس نے محدثین سے یا ان کی اکثریت سے یہ نقل کیا کہ جب مرسل اور مسند یا مرفوع اور موقوف یا کمی وبیشی کا تعارض ہو تو زیادتی کرنے والی کی بات پر فیصلہ ہوگا تو اس نے اس طرح کی مطلق بات کہہ کر صحیح نہیں کیا، کیوں کہ یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے اور محدثین کے جزئی احکامات کا مراجعہ کریں تو آپ کو میری بات کی درستی معلوم ہو جائے گی اور سب سے زیادہ جو لوگ اس طرح کے قواعد کو قاعدہ کلیہ سمجھ بیٹھتے ہیں، وہ بعض اہلِ ظاہر ہیں۔“

عرض ہے کہ شیخ الاسلام ابن دقیق العید رحمہ اللہ نے بہت ہی خوبصورت بات کہی ہے کہ ہر جگہ زیادتِ ثقہ کو قبول کر لینا یا اسے عام قاعدہ سمجھنا، اہلِ ظاہر کا کام ہے، چناں چہ آگے ہم ایک مثال میں بیان کریں گے، جس میں زیادتِ ثقہ کو محدثین نے رد کر دیا، لیکن ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ نے اصولِ حدیث میں بھی ظاہریت کا ثبوت دیتے ہوئے اسے قبول کر لیا ہے۔ قارئین منتظر رہیں۔

---

[1] شرح الإلمام بأحاديث الأحكام لابن دقيق العيد (ص: ٦٠ـ ٦١)

قرائن کی روشنی میں زیادتِ ثقہ کے مردود ہونے پر اہلِ فن کی تصریحات:

اوپر ہم واضح کر چکے ہیں کہ زیادتِ ثقہ سے متعلق محدثین کے یہاں کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے، بلکہ محدثین قرائن کی روشنی میں ہر حدیث کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں، ذیل میں اس بابت ہم چوٹی کے محدثین کے اقوال پیش کرتے ہیں:

① امام شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۰۴ھ) نے کہا:

”ویکون إذا شَرِك أحداً من الحفاظ في حديث لم يخالفه، فإن خالفه وُجد حديثه أنقصَ: كانت في هذه دلائل على صحة مخرج حديثه، ومتى ما خالف ما وصفت أضرَّ بحديثه“[1]

”ارسال کرنے والا اگرکسی حدیث کی روایت میں حفاظ کے ساتھ ہو تو اس حدیث کی روایت میں وہ مخالفت نہ کرے اور اگر مخالفت کرے تو اس کی حدیث میں نقص (کمی) ہی ہو (زیادتی نہ ہو) تو ان صورتوں میں اس بات کی دلیل ہوگی کہ اس کی حدیث کا ماخذ صحیح ہے اور جب مرسل بیان کرنے والا اس طرح کی مخالفت کر دے، جسے میں نے بیان کیا ہے (یعنی حفاظ کے ساتھ کسی حدیث کی روایت کرے اور کچھ اضافہ کرکے مخالفت کرے) تو یہ چیز اس کی حدیث کے لیے نقصان دہ ہے۔“

امام ابن عبد الہادی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۴ھ) امام شافعی رحمہ اللہ کی اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وهذا دليل من الشافعي رحمه الله علىٰ أن زيادة الثقة عنده لا يلزم أن تكون مقبولة مطلقاً، كما يقوله كثير من الفقهاء من أصحابه وغيرهم، فإنه اعتبر أن يكون حديث هذا المخالف أنقص من حديث من خالفه، ولم يعتبر المخالف بالزيادة، وجعل نقصان هذا الراوي من الحديث دليلًا علىٰ صحة مخرج حديثه، وأخبر أنه متى خالف ما وصف أضر ذلك بحديثه، ولو كانت الزيادة عنده مقبولة مطلقاً لم يكن مخالفته بالزيادة

---

[1] الرسالة للشافعي (١/ ٤٦٣)

مضراً بحديثه"[1]

''امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف سے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک زیادتِ ثقہ کی صورت میں یہ ضروری نہیں ہے کہ علی الاطلاق قابلِ قبول ہو، جیسا کہ ان کے ماننے والے بہت سے فقہا وغیرہ کہتے ہیں، کیوں کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس بات کا اعتبار کیا ہے کہ یہ راوی جب روایت کرتے ہوئے مخالفت کرے تو اس کی حدیث اس راوی کی حدیث سے کم و ناقص ہو، جس کی یہ مخالفت کر رہا ہے اور اگر یہ زیادتی و اضافہ کر کے مخالفت کرے تو امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کا اعتبار نہیں کیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے راوی کی طرف سے (مخالفت میں) ناقص بیان کردہ حدیث کو اس بات کی دلیل بنایا ہے کہ اس کا ماخذ صحیح ہے اور کہا ہے کہ اگر زیادتی و اضافہ کر کے مخالفت کرے گا تو یہ چیز اس کی حدیث کے لیے نقصان دہ ہے۔ معلوم ہوا کہ اگر امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ثقہ کی زیادتی مطلقاً مقبول ہوتی تو آپ زیادتی و اضافے کے ساتھ راوی کی مخالفت کو اس کی حدیث کے لیے مضر نہیں سمجھتے۔''

یاد رہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ سب کچھ ''مرسل'' کی قبولیت کے ضمن میں کہا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ ارسال کرنے والا بذاتِ خود ثقہ ہوگا، ورنہ اگر ارسال کرنے والا ہی ضعیف ہو تو اس کی مرسل حدیث صرف مرسل ہی نہیں، بلکہ ضعیف ہو جائے گی اور مرسل کی قبولیت کی بحث سے خارج ہو جائے گی۔ مزید یہ کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے مرسل کے بارے میں یہ بھی کہا ہے:

"إذا سمیٰ من روی عنه لم یسم مجهولًا ولا مرغوباً عن الروایة عنه"[2]

یعنی جب ارسال کرنے والا اپنے شیخ کا نام لے تو وہ مجہول یا متروک الحدیث نہ ہو۔

حالاں کہ ارسال کرنے والے کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ قید نہیں لگائی، جو اس بات کی دلیل ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ اسی ''مرسل حدیث'' کی بات کر رہے ہیں، جو بحیثیت مرسل ثابت شدہ ہو، یعنی اسے بیان کرنے والا ثقہ ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۰۴ھ) نے دوسرے مقام پر کہا ہے:

---

[1] الصارم المنكي في الرد على السبكي لابن عبد الهادي (ص: ١٠٩)

[2] الرسالة للشافعي (١/ ٤٦٣)

”إنما يغلط الرجل بخلاف من هو أحفظ منه، أو يأتي بشيئ في الحديث يشركه فيه من لم يحفظ منه ما حفظ، وهم عدد، وهو منفرد“[1]

”جب راوی اپنے سے اَحفظ کے خلاف روایت کرے تو اس کی تغلیط کی جائے گی یا اس وقت اس کی تغلیط کی جائے گی، جب وہ اپنی روایت کردہ حدیث میں کوئی ایسی بات بیان کرے کہ اسی حدیث کو روایت کرنے والے دوسرے رواۃ اسے بیان نہ کریں اور یہ دوسرے رواۃ تعداد میں زیادہ ہوں، جبکہ وہ منفرد ہو۔“

(۲) امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳ھ) نے کہا:

”عیسیٰ بن یونس یسند حدیثا عن هشام عن أبیه عن عائشة أن النبي ﷺ كان يقبل الهدية ولا يأكل الصدقة، والناس يحدثون به مرسلا“[2]

”عیسی بن یونس ایک حدیث کو ہشام عن ابیہ عن عائشہ کے طریق سے مرفوع بیان کرتا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ ہدیہ قبول کرتے تھے اور صدقہ نہیں کھاتے تھے، لیکن دیگر رواۃ اسے مرسلاً بیان کرتے ہیں۔“

(۳) امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶ھ) نے کہا:

”وروى أبو خالد الأحمر، عن ابن عجلان، عن زيد بن أسلم، أو غيره عن أبي صالح، عن أبي هريرة، عن النبي ﷺ: إنما جعل الإمام ليؤتم به زاد فيه: وإذا قرأ فأنصتوا...“[3]

”ابو خالد نے ابن عجلان عن زید بن اسلم او غیرہ عن ابی صالح عن ابی ہریرہ کے طریق سے نقل کیا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: امام اس لیے بنایا گیا ہے، تاکہ اس کی اقتدا کی جائے اور اس نے اس میں یہ اضافہ کر دیا: اور جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو...“

امام بخاری رحمہ اللہ نے آگے مزید بحث کر کے ثقہ کی اس زیادتی کو مردود قرار دیا ہے۔

(۴) امام مسلم رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۱ھ) نے کہا:

---

[1] اختلاف الحديث مطبوع ملحقا بالأم للشافعي (٨/ ٦٧٤)

[2] تاريخ ابن معين، رواية الدوري (٤/ ٢٨)

[3] جزء القراءة خلف الإمام للبخاري (ص: ٦٣)

"أَن يروي نفر من حفاظ النَّاس حَديثاً عَن مثل الزُّهرِيّ أَو غَيره من الأئمة بِإِسْنَاد وَاحِد وَمتْن وَاحِد، مجتمعون على رِوَايَته فِي الإسناد والمتن، لَا يَخْتَلِفُونَ فِيهِ فِيْ معنى، فيرويه آخر سواهُم عَمَّن حدث عَنهُ النَّفر الَّذين وصفناهم بِعَيْنِه، فيخالفهم فِيْ الإسناد أَو يقلب الْمَتْن فَيَجْعَلهُ بِخِلَاف مَا حكىٰ من وَصفنَا من الْحفاظ، فَيُعلم حِينَئِذٍ أَن الصَّحِيحَ من الرِّوَايَتَيْنِ مَا حدَّث الْجَمَاعَة من الْحفاظ دون الْوَاحِد الْمُنْفَرد، وإِن كَانَ حَافِظًا، على هَذَا الْمَذْهَب رَأينَا أهلَ الْعلم بِالْحَدِيثِ يحكُمون فِي الحَدِيث، مثل شُعْبَة وسُفْيَان بن عيينة وَيحيىٰ بن سعيد وَعبد الرَّحْمَن بن مهْدي وَغَيرهم من أَئِمَّة أهل الْعلم"[1]

"اگر حفاظ محدثین کی ایک جماعت امام زہری یا ان جیسے ائمہ سے ایک ہی سند اور ایک ہی متن سے کوئی روایت نقل کرے، یہ سب کے سب اس روایت کو نقل کرنے میں سند اور متن کے لحاظ سے متفق ہوں اور کسی معنی میں کوئی اختلاف نہ کریں، ایسے میں ان کے علاوہ کوئی دوسرا اسی روایت کو اسی استاذ سے بیان کرے، جس سے بعینہٖ مذکورہ جماعت نے بیان کیا ہو اور سند میں مخالفت کرے یا متن کو پلٹ دے اور اسے مذکورہ حفاظ کی جماعت کے خلاف بنا دے تو ایسی صورت میں جان لیا جائے گا کہ دونوں طرح کی روایات میں صحیح وہ روایت ہے جسے حفاظ کی جماعت نے ایک اکیلے شخص کے مخالف بیان کیا ہے، اگرچہ یہ اکیلا شخص حافظ ہی کیوں نہ ہو۔ ہم نے اسی موقف پر محدثین کو گامزن پایا ہے، جیسے امام شعبہ، امام سفیان بن عیینہ، امام یحییٰ بن سعید اور امام عبدالرحمٰن بن مہدی وغیرہم۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ کا موقف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"والتحقيق أنهما ليس لهما في تقديم الوصل عمل مطرد، بل هو دائر مع القرينة، فمهما ترجح بها اعتمداه وإلا فكم حديث أعرضا عن تصحيحه للاختلاف في وصله وإرساله"[2]

---

[1] التمييز للإمام مسلم (ص: ١٧٢)

[2] فتح الباري لابن حجر (١٠/ ٢٠٣)

”صحیح بات یہ ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم کے یہاں موصول کو مقدم کرنے کے لیے کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے، بلکہ اس کا دار و مدار قرائن پر ہے، پس جب ان کے نزدیک روایت کا موصول ہونا (قرائن کی روشنی میں) راجح قرار پاتا ہے، تبھی وہ اس پر اعتماد کرتے ہیں، ورنہ کتنی ایسی احادیث ہیں جنھیں امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے صحیح نہیں قرار دیا، کیوں کہ اسے موصول اور مرسل بیان کرنے میں رواۃ نے اختلاف کیا ہے۔“

۵ امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵ھ) نے کہا:

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بہت سارے مقامات پر ثقہ کی زیادتی رد کر دی ہے، اس کی بہت ساری مثالیں ان کی کتب بالخصوص کتاب العلل میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ ایک حوالہ آگے آرہا ہے۔

۶ امام ابن دقیق العید رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۰۲ھ) نے کہا:

”إن من حكى عن أهل الحديث أو أكثرهم أنه إذا تعارض رواية مرسل ومسند، أو واقف و رافع، أو ناقص وزائد: أن الحكم للزائد، فلم يصب في هذا الإطلاق، فإن ذلك ليس قانونا مطردا، و بمراجعة أحكامهم الجزئية تعرف صواب ما نقول، وأقرب الناس إلىٰ اطراد هذه القواعد بعض أهل الظاهر“[1]

”یقیناً جس نے محدثین سے یا ان کی اکثریت سے یہ نقل کیا کہ جب مرسل اور مسند یا مرفوع اور موقوف یا کمی و بیشی کا تعارض ہو تو زیادتی کرنے والے کی بات پر فیصلہ ہوگا تو اس نے اس طرح کی مطلق بات کہہ کر صحیح نہیں کیا، کیوں کہ یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے اور محدثین کے جزئی احکامات کا مراجعہ کریں تو آپ کو میری بات کی درستی معلوم ہو جائے گی اور سب سے زیادہ جو لوگ اس طرح کے قواعد کو قاعدہ کلیہ سمجھ بیٹھتے ہیں، وہ بعض اہلِ ظاہر ہیں۔“

۷ امام ابن عبد الہادی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۴ھ) نے کہا:

”فإن قيل: قد رواها نعيم المجمر، وهو ثقة، والزيادة من الثقة مقبولة، قلنا: ليس ذلك مجمعا عليه، بل فيه خلاف مشهور، فمن الناس من

[1] شرح الإلمام بأحاديث الأحكام لابن دقيق العيد (ص: ٦٠۔٦١)

يقبل زيادة الثقة مطلقا، ومنهم من لا يقبلها، والصحيح التفصيل، وهو أنها تقبل في موضع دون موضع، فتقبل إذا كان الراوي الذي رواها ثقة حافظا ثبتا، والذي لم يذكرها مثله أو دونه في الثقة، كما قبل الناس زيادة مالك بن أنس قوله: من المسلمين. في صدقة الفطر، واحتج بها أكثر العلماء، و تقبل في موضع آخر لقرائن تخصها، ومن حكم في ذلك حكما عاما فقد غلط، بل كل زيادة لها حكم يخصها"[1]

''اگر کہا جائے کہ اسے معمر نے روایت کیا ہے اور وہ ثقہ ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ کوئی اتفاقی بات نہیں ہے، بلکہ اس میں مشہور اختلاف ہے، چناں چہ کچھ لوگ مطلقاً زیادتِ ثقہ کو قبول کرتے ہیں اور کچھ قبول نہیں کرتے اور صحیح بات یہ ہے کہ اس بارے میں تفصیل کی جائے اور وہ یہ کہ کبھی اسے قبول کیا جائے اور کبھی قبول نہ کیا جائے۔ چناں چہ جب زیادتی کو روایت کرنے والا حافظ اور ثبت ہو اور جس نے زیادتی بیان نہیں کی ہے، وہ بھی ایسا ہی ہو یا ثقاہت میں اس سے کم تر ہو تو ایسی صورت میں زیادتی قبول کی جائے گی، جیسا کہ لوگوں نے امام مالک سے صدقۃ الفطر والی روایات میں ''من المسلمین'' کی زیادتی قبول کی ہے اور اکثر علما نے اس سے حجت پکڑی ہے اور دیگر ایسے مواقع پر بھی زیادتِ ثقہ مقبول ہوگی، جہاں مخصوص قرائن اس کی قبولیت کے حق میں ہوں اور جس نے اس سلسلے میں عام فیصلہ دے دیا تو اس نے غلط کیا اور صحیح بات یہی ہے کہ ہر زیادتی کا مخصوص حکم ہے۔''

(٨) امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) نے کہا:

"فإن كان الثَّبْتُ أرسَلَه مثلًا، والواهي وصَلَه، فلا عبرة بوصلِه لأمرين: لضعفِ راويه، ولأنه معلولٌ بإرسال الثَّبْت له، ثم اعلمْ أنَّ أكثَرَ المتكلَّمِ فيهم ما ضعَّفهم الحُفَّاظُ إلا لمخالفتهم للأثبات، وإن كان الحديثُ قد رَوَاه الثَّبْتُ بإسنادٍ، أو وَقَفَه، أو أَرسَلَه، ورفقاؤه الأثباتُ يُخالفونه: فالعِبرةُ بما اجتَمَع عليه الثقاتُ، فإنَّ الواحد قد يَغلَط، وهنا قد ترجَّح ظهورُ

[1] نصب الراية (١/ ٢٦١) نقله من كتابه في الجهر بالبسملة.

غَلَطِه، فلا تعليل، والعِبرةُ بالجماع[1]"

"اگر ثقہ وثبت کسی حدیث کو مرسل بیان کرے اور ضعیف راوی اسے موصول بیان کرے تو دو اسباب کی بنا پر موصول کا اعتبار نہیں ہوگا۔ ایک یہ کہ موصول بیان کرنے والا راوی ضعیف ہے اور دوسرے یہ کہ یہ معلول ہے، کیوں کہ ایک ثقہ وثبت نے مرسل بیان کیا ہے اور یہ بات جان لیں کہ اکثر وہ رواۃ جن پر کلام کیا گیا ہے تو حفاظ نے انھیں اسی لیے ضعیف کہا، کیوں کہ انھوں نے ثقات واَثبات کی مخالفت کی اور اگر کسی حدیث کو ثقہ و ثبت نے مسند یا موقوف یا مرسل بیان کیا، لیکن اس کے دیگر ثقہ وثبت ساتھی اس کی مخالفت کریں تو اعتبار اس سند کا ہوگا، جس پر ایک جماعت متفق ہے، کیوں کہ ایک شخص سے غلطی بھی ہوسکتی ہے اور یہاں غلطی کا ظاہر ہونا ہی راجح ہے، لہٰذا یہاں تعلیل کی صورت نہیں، بلکہ یہاں جماعت (کے بیان) کا اعتبار ہوگا۔"

٩ امام ابن قیم رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۵۱ھ) نے کہا:

"إن هذه طريقة لا تقبل مطلقا، ولا ترد مطلقا، يجب قبولها في موطن، ويجب ردها في موضع، ويتوقف فيها في موضع، فإذا كان الأئمة الثقات الأثبات قد رفعوا الحديث أو أسندوه وخالفهم من ليس مثلهم أو شذ عنهم واحد فوقفه أو أرسله فهذا ليس بعلة في الحديث، ولا يقدح فيه والحكم لمن رفعه وأسنده، وإذا كان الأمر بالعكس كحال حديث سفيان بن حسين هذا وأمثاله لم يلتفت إليه ولا إلى من خالفهم في وقفه وإرساله، ولم يعبأ به شيئ، ولا يصير الحديث به مرفوعا ولا مسندا البته، وأئمة أهل الحديث كلهم علىٰ هذا، فإنه إذا كان الثقات الأثبات الأئمة من أصحاب الزهري دائما يروونه عنه موقوفا علىٰ سعيد، ولم يرفعه أحد منهم مرة واحدة مع حفظهم حديث الزهري وضبطهم له وشدة اعتنائهم به وتمييزهم بين مرفوعه وموقوفه ومرسله ومسنده، ثم يجيء من لم يجر معهم في ميدانهم ولا

---

[1] الموقظة في علم مصطلح الحديث (ص: ٥٢)

يدانيهم في حفظه ولا إتقانه وصحبته للزهري واعتنائه بحديثه وحفظه له وسؤاله عنه وعرضه عليه فيخالف هؤلاء ويزيد فيه وصلا أو رفعا أو زيادة فإنه لا يرتاب نقاد الآثار وأطباء علل الأخبار في غلطه وسهوه، ولا سبيل إلىٰ الحكم له بالصحة، والحالة هذه"[1]

''زیادتِ ثقہ کو نہ تو مطلق قبول کیا جائے گا اور نہ مطلق رد ہی کیا جائے گا، بلکہ بعض مقامات پر اس کا قبول کرنا ضروری ہوگا اور بعض مقامات پر اسے رد کرنا ضروری ہوگا اور بعض مقامات پر توقف کیا جائے گا۔ چناں چہ جب ائمہ کی ثقات و اَثبات کسی حدیث کو مرفوع اور موصول بیان کر دیں اور ان کی مخالفت وہ لوگ کریں جو ان جیسے نہیں ہیں یا ایک شخص ان کے خلاف اسے موقوف یا مرسل بیان کرے تو یہ حدیث میں کوئی علت نہیں یا موجبِ قدح نہیں ہے، بلکہ دریں صورت اعتبار اس کا ہوگا جس نے مرفوع یا موصول بیان کیا ہے۔ لیکن اگر بات اس کے برعکس ہو، مثلاً سفیان بن حسین یا ان جیسے لوگوں جیسا معاملہ ہو تو اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جائے گی اور نہ ان کی طرف جنھوں نے موقوف یا مرسل بیان کرنے میں مخالفت کی ہے، اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، اس سے حدیث مرفوع یا موصول قطعاً نہ ہوگی، یہی موقف تمام محدثین کا ہے۔ چناں چہ جب امام زہری کے ثقہ ثبت شاگرد ایک حدیث کو سعید پر موقوف بیان کریں اور ان میں سے کوئی ایک بار بھی اسے مرفوع بیان نہ کرے، باوجود اس کے کہ انھوں نے امام زہری کی احادیث یاد کر رکھی ہیں اور انھیں ازبر کر رکھا ہے اور وہ ان کے بہت قریبی ہیں، نیز ان کی مرفوع و موقوف اور مرسل و موصول احادیث کی پہچان پر قادر ہیں، پھر ایک دوسرا شخص ایسا آتا ہے، جو ان کے میدان کا نہیں ہے اور حفظ و اتقان میں بھی ان کے ہم پلہ نہیں ہے اور امام زہری کی شاگردی اور ان کی احادیث کی طلب و حفظ میں بھی وہ نہیں رہا اور نہ امام زہری سے سوال وجواب کیے۔ پھر ایسا شخص امام زہری کی حدیث میں اضافہ کرے، موصول بیان کرکے یا مرفوع بیان کرے یا کوئی اور زیادتی کرے تو اس کے خطا وسہو سے متعلق ناقدین اور علل کے ماہرین کوئی شک نہیں کریں گے اور

[1] الفروسية (ص: ٢٨٢)

ایسی حالت میں اس کی حدیث کو صحیح قرار دینے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔‘‘

(10) امام ابن الوزیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۴۰ھ) نے کہا:

”الحكم في هذا لا يستمر بل يختلف باختلاف قرائن الأحوال، وهو موضع اجتهاده“[1]

’’زیادتِ ثقہ سے متعلق ہمیشہ کوئی ایک ہی حکم نہیں لگتا، بلکہ مختلف قرائن کی روشنی میں اس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور یہ اس کا ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔‘‘

(11) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) نے کہا:

”والذي يجري علىٰ قواعد المحدثين أنهم لا يحكمون عليه بحكم مستقل من القبول والرد، بل يرجحون بالقرائن، كما قدمناه في مسألة تعارض الوصل والإرسال“[2]

’’زیادتِ ثقہ سے متعلق محدثین کے قواعد پر جو بات جاری ہے، وہ یہ ہے کہ محدثین زیادتِ ثقہ پر قبول ورد کے اعتبار سے کوئی مستقل حکم نہیں لگاتے، بلکہ قرائن کی روشنی میں ترجیح دیتے ہیں، جیسا کہ موصول اور مرسل کے تعارض کے مسئلے میں ہم بیان کر چکے ہیں۔‘‘

اس کے بعد آگے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان لوگوں کا رد کیا ہے، جو علی الاطلاق زیادتِ ثقہ کے مقبول ہونے کی بات کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ معاصرین میں بھی جن کبار اہلِ علم نے فنِ حدیث پر کام کیا ہے، مثلاً علامہ البانی رحمہ اللہ؛ وہ سب کے سب یہی موقف رکھتے ہیں۔ ہمیں معاصرین میں فن حدیث سے وابستہ ایک بھی معتبر علمی شخصیت ایسی نہیں ملی، جس نے زیادتِ ثقہ کو علی الاطلاق قبول کرنے والا موقف اختیار کیا ہو۔

قرائن کی روشنی میں زیادتِ ثقہ کے مردود ہونے کی مثالیں:

❁ پہلی مثال۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴ھ) نے کہا:

”أخبرنا ابن قتيبة، حدثنا حرملة، حدثنا بن وهب أملاه علينا. حدثني جرير بن حازم، عن يحيىٰ بن سعيد، عن عمرة عن عائشة، قالت: أصبحت

[1] توضيح الأفكار لمعاني تنقيح الأنظار (١/ ٣١٢)

[2] النكت على كتاب ابن الصلاح لابن حجر (٢/ ٦٨٧)

أنا وحفصة صائمتين متطوعين، فأُهدي لنا طعام، فأفطرنا، فقال رسول الله ﷺ: صوما مكانه يوما آخر"[1]

''اماں عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور حفصہ رضی اللہ عنہا نفلی روزے سے تھیں تو ہمیں ہدیے میں کھانا ملا تو ہم نے یہ روزہ توڑ دیا۔ تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: تم دونوں اس کی جگہ دوسرے دن روزہ رکھو۔''

اس حدیث کی سند کے سارے رجال ثقہ ہیں اور سند میں کوئی انقطاع بھی نہیں ہے، اس کے باوجود بھی اہلِ فن نے اس روایت کو مردود قرار دیا ہے، کیوں کہ یہ روایت حقیقت میں منقطع ہے اور جریر بن حازم نے تنہا اسے موصول بیان کیا ہے۔ یہ اگرچہ ثقہ ہیں، لیکن یہاں پر ثقہ کی زیادتی اس قرینے کی روشنی میں مردود ہے کہ دیگر اوثق راوی نے اس حدیث کو مرسلاً بیان کیا ہے۔[2]

❁ دوسری مثال۔ علی بن جعد بن عبید البغدادی (المتوفی: ۲۳۰ھ) نے کہا:

"أنا ابن أبي ذئب، عن يزيد بن خصيفة، عن السائب بن يزيد قال: كانوا يقومون على عهد عمر في شهر رمضان بعشرين ركعة، وإن كانوا ليقرؤن بالمئين من القرآن"[3]

''سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ماہِ رمضان میں بیس رکعاتِ تراویح پڑھتے تھے اور سو سو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے۔''

اس حدیث کے بھی سارے راوی ثقہ ہیں، لیکن آٹھ سے زائد رکعات بیان کرنے میں یزید بن خصیفہ منفرد ہیں۔ یہ اگرچہ بخاری و مسلم کے راوی ہیں، لیکن انھوں نے اپنے سے اوثق محمد بن یوسف کی مخالفت کی ہے، لہٰذا اس قرینے اور اس کے علاوہ اور بھی قرائن کی بنیاد پر ثقہ کی یہ زیادتی مردود ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں ہماری کتاب: ''مسنونِ رکعاتِ تراویح'' (ص: ٦٤ تا ٨٠)

❁ تیسری مثال۔ امام جورقانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۴۳ھ) نے کہا:

---

[1] صحيح ابن حبان (٨/ ٢٨٤) وأخرجه أيضاً النسائي في الكبرىٰ، رقم الحديث (٣٢٩٩) والطحاوي في شرح معاني الآثار (٢/ ١٠٩) و ابن حزم في المحلى (٦/ ٢٧٠) من طريق جرير به.

[2] تفصیل کے لیے دیکھیں: بحوث في المصطلح للدكتور ماهر الفحل (ص: ١٧٣) نیز دیکھیں: سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيئ في الأمة (١١/ ٣٣٨)

[3] مسند ابن الجعد (ص: ٤١٣)

"أخبرنا أبو الفضل محمد بن طاهر بن علي الحافظ، أخبرنا أحمد بن محمد بن أحمد، قال: حدثنا عيسىٰ بن علي بن علي بن عيسى، إملاء، قال: حدثنا أبو القاسم عبد الله بن محمد بن عبد العزيز البغوي، قال: حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة، قال: حدثنا عفان، عن سليم بن حيان، عن سعيد بن مينا، عن جابر بن عبد الله الأنصاري وعبد الله بن عباس، أنهما قالا: ولد رسول اللهﷺ يوم الفيل، يوم الاثنين، الثاني عشر من شهر ربيع الأول، وفيه بعث، وفيه عُرج إلىٰ السماء، وفيه هاجر، وفيه ماتﷺ"[1]

"اس روایت میں ہے کہ بارہ ربیع الاول ہی کو اللہ کے نبی ﷺ کی پیدائش ہوئی اور بارہ ربیع الاول ہی کو اللہ کے نبی ﷺ کی وفات ہوئی اور بارہ ربیع الاول ہی کو آپ کی بعثت ہوئی اور بارہ ربیع الاول ہی کو آپ ﷺ کو معراج کرائی گئی اور بارہ ربیع الاول ہی کو آپ ﷺ نے ہجرت کی۔"

محترم زبیرعلی زئی نے اس سند کے ظاہری رواۃ پر بھی جرح کی ہے، حتیٰ کہ ایک راوی کا تعین بھی نہ کرسکے اور نہ اس کی توثیق پاسکے۔ ان شاء اللہ آگے مفصل طور پر ہم اس روایت کے ظاہری سند کے رواۃ کا دفاع پیش کریں گے۔[2]

❁ چوتھی مثال۔ امام بزار رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۹۲ھ) نے کہا:

"حدثنا نصر بن علي قال: أخبرنا عبد الله بن داود، قال: حدثنا سعيد بن عبيد الله، قال: حدثنا عبد الله بن بريدة، عن أبيهؓ، أن رسول اللهﷺ قال: ثلاث من الجفاء: أن يبول الرجل قائما، أو يمسح جبهته قبل أن يفرغ من صلاته، أو ينفخ في سجوده"[3]

"ابن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کہا: تین

---

[1] الأباطيل والمناكير للجورقاني (١/ ٢٦٧)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۲۳۰۔۲۳۵) دیکھیں۔

[3] مسند البزار (البحر الزخار: ١٠/ ٣٠٥)

چیزیں جفا میں سے ہیں۔ ایک کھڑے ہوکر پیشاب کرنا، دوسرے نماز سے فارغ ہونے سے پہلے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرنا اور تیسرے سجدے میں پھونکنا۔‘‘

اس حدیث کی سند کے سارے رجال ثقہ ہیں اور سند میں کوئی انقطاع بھی نہیں ہے، اس کے باوجود بھی اہلِ فن نے اس روایت کو مردود قرار دیا ہے، کیوں کہ یہ روایت حقیقت میں موقوف ہے اور یہاں پر اگرچہ ثقہ راوی نے اسے موصول بیان کیا ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے، لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر ثقہ کی زیاتی قابلِ قبول نہیں ہے۔[1] امام ترمذی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۹ھ) نے کہا:

”حديث بريدة في هذا غير محفوظ“[2] ’’اس سلسلے میں بریدہ کی حدیث غیر محفوظ ہے۔‘‘

عرض ہے کہ بریدہ کی حدیث کی سند کے سارے رجال ثقہ ہیں اور سند میں انقطاع بھی نہیں، اس کے باوجود بھی امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے غیر محفوظ قرار دیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک ثقہ کی زیادتی مطلقاً قابلِ قبول نہیں اور یہی موقف درست ہے۔[3]

اس حدیث کی ظاہری سند سے دھوکا کھا کر علامہ عینی رحمہ اللہ نے کہا:

”رَوَاهُ الْبَزَّار بِسَنَدٍ صَحِيحٍ“[4] یعنی اسے امام بزار نے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

نیز محترم حافظ زبیر علی زئی نے اپنے اصول سے مجبور ہو کر اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔[5]

عرض ہے کہ اس حدیث کی سند اگرچہ ظاہری طور پر صحیح معلوم ہوتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت مردود ہے، کیوں کہ یہی روایت دیگر اصح طریق سے مروی ہے اور اس میں موصول کی زیاتی نہیں ہے، لہٰذا یہاں پر وصل کی زیادتی مردود ہے، اگرچہ یہ زیادتی ایک ثقہ ہی کی طرف سے ہے۔

❀ پانچویں مثال۔ امام بزار رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۹۲ھ) نے کہا:

”حدثنا موسى بن إسحاق، قال: حدثنا منجاب بن الحارث، قال: حدثنا

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: فتاوى حديثية لأبي إسحاق الحويني (ص: ۱۵۱۔ ۱۵۲)

[2] سنن الترمذي، بتحقيق أحمد شاكر (۱/ ۱۸)

[3] مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: إرواء الغليل للألباني (۱/ ۹۸)

[4] عمدة القاري شرح صحيح البخاري (۳/ ۱۳۵)

[5] دیکھیں: الموطأ مترجم (ص: ۵۸۰) تحت حديث (۵۰۲) نیز دیکھیں: عبادات میں بدعات (ص: ۲۶)

حاتم بن إسماعيل عن أسامة بن زيد، عن أبان بن صالح، عن مجاهد عن ابن عباس رضی اللہ عنہما، أن رسول اللهﷺ قال: إن لله ملائكة في الأرض سوى الحفظة يكتبون ما سقط من ورق الشجر فإذا أصاب أحدكم عرجة بأرض فلاة فليناد: أعينوا عباد الله" [1]

''ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: زمین میں اللہ کے فرشتے ہوتے ہیں، نامۂ اعمال لکھنے والوں کے علاوہ، زمین سے اگر ایک پتا بھی گرتا ہے تو یہ اسے لکھ لیتے ہیں اور جب تم کسی چٹیل میدان میں کسی مصیبت میں پھنس جاؤ تو اس طرح پکارو: اللہ کے بندو! مدد کرو۔''

بدعتی لوگ اس حدیث سے غیر اللہ کو پکارنے کی دلیل پکڑتے ہیں اور اس کی سند بظاہر صحیح ہے اور سند کے سارے رجال ثقہ ہیں، لیکن اس کے باوجود بھی یہ روایت ضعیف ہی ہے، کیوں کہ اسے موصول بیان کرنا راوی کی ایسی زیادتی ہے، جو قرائن کی روشنی میں مردود ہے۔ [2]

❁ چھٹی مثال۔ امام طبرانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۰ھ) نے کہا:

"حدثنا أحمد بن يحيىٰ بن خالد بن حيان قال: نا يحيىٰ بن سليمان الجعفي قال: نا أحمد بن بشير الهمداني قال: نا مسعر بن كدام، عن علقمة بن مرثد، عن سليمان بن بريدة، عن أبيه، يرفعه، قال: لو أن بكاء داود علیہ السلام وبكاء جميع أهل الأرض جميعا، يعدل ببكاء آدم، ما عدله" [3]

''ابن بریدہ اپنے والد سے مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اگر داود علیہ السلام کے رونے اور تمام زمین والوں کے رونے کا موازنہ آدم علیہ السلام کے رونے سے کیا جائے تو بھی برابری نہیں ہوسکتی۔''

امام ہیثمی رحمہ اللہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

---

[1] مسند البزار (البحر الزخار: ۱۱/ ۱۸۱)

[2] تفصیل کے لیے دیکھیں: سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيئ في الأمة (۲/ ۱۰۸) رقم الحديث (٦٥٥)

[3] المعجم الأوسط للطبراني (۱/ ٥١)

”رواه الطبراني في الأوسط، ورجاله ثقات“[1]

”امام طبرانی نے اسے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کے سارے رجال ثقہ ہیں۔“

امام ہیثمی رحمہ اللہ کی اس توثیق سے معلوم ہوا کہ اس کے سارے رجال ثقہ ہیں، لہٰذا احمد بن بشیر ہمدانی کو مجہول کہنا بھی درست نہیں۔ یعنی ظاہری سند بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے، لیکن یہ روایت مردود ہے، کیوں کہ دیگر طرق میں یہ موقوفاً مروی ہے اور قرائن کی روشنی میں یہی راجح ہے، لہٰذا یہاں پر جو ثقہ نے موصول بیان کر کے زیادتی کی ہے یہ زیادتی مردود ہے اور یہ روایت مرفوع نہیں، بلکہ موقوف ہے۔ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے یہ روایت موقوفاً ذکر کر کے فرمایا:

”ولم يذكر فيه بريدة، ولا النبي ﷺ، وهذه الرواية أصح“[2]

”اس میں بریدہ کا ذکر نہیں ہے اور نہ اللہ کے نبی ﷺ کا ذکر ہے اور یہی روایت زیادہ صحیح ہے۔“

علامہ البانی رحمہ اللہ نے مرفوع روایت کو تین علتوں کی بنا پر رد کرتے ہوئے کہا:

”وفيه ما علمت من الجهالة والوقف والنكارة“[3]

”اس سند میں ایک راوی مجہول ہے اور دوسروں نے اسے موقوف بیان کیا ہے اور اس میں نکارت بھی ہے۔“

عرض ہے کہ مجہول کی جرح درست نہیں ہے، کیوں کہ امام ہیثمی رحمہ اللہ نے توثیق کی ہے، البتہ بقیہ دونوں علتیں درست ہیں۔

❀ ساتویں مثال۔ امام طبرانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۰ھ) نے کہا:

”حدثنا عبيد بن غنام، ثنا أبو بكر بن أبي شيبة، ح وحدثنا معاذ بن المثنى، ثنا مسدد قال: ثنا إسماعيل بن إبراهيم ابن علية، ثنا يزيد الرشك، عن مطرف، عن عمران بن حصين قال: قال رجل: يا رسول الله، أ عُلم أهل الجنة من أهل النار؟ قال: نعم قال: ففيم العمل؟ قال:

---

[1] مجمع الزوائد للهيثمي (٨/ ١٢٨)

[2] الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي (١/ ٢٧١)

[3] سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيئ في الأمة (٢/ ٢٠٣)

اعملوا فكلٌّ ميسرٌ لما خلق له من القول"[1]

''عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! جنتی کون ہیں اور جہنمی کون ہیں کیا یہ پہلے سے معلوم شدہ ہے؟ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ تو اس شخص نے کہا: پھر عمل کس لیے؟ تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمل کرو، کیوں کہ ہر شخص کے لیے وہ قول آسان کر دیا گیا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔''

اس حدیث کے سارے رجال ثقہ بلکہ صحیح بخاری و مسلم کے رجال ہیں، لیکن اس میں ثقہ نے ''من القول'' کی جو زیادتی کی ہے، وہ قرائن کی روشنی میں مردود ہے۔[2]

❀ آٹھویں مثال۔ امام ترمذی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۹ھ) نے کہا:

"حدثنا أحمد بن منيع قال: حدثنا سريج بن النعمان قال: حدثنا حشرج بن نباتة، عن سعيد بن جمهان، قال: حدثني سفينة قال: قال رسول اللهﷺ: الخلافة في أمتي ثلاثون سنة، ثم ملك بعد ذلك، ثم قال لي سفينة: أمسك خلافة أبي بكر، وخلافة عمر، وخلافة عثمان، ثم قال لي: أمسك خلافة علي، قال: فوجدناها ثلاثين سنة، قال سعيد: فقلت له: إن بني أمية يزعمون أن الخلافة فيهم؟ قال: كذبوا بنو الزرقاء، بل هم ملوك من شر الملوك"[3]

''سفینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں تیس سال تک خلافت رہے گی، پھر بادشاہت آ جائے گی۔ سفینہ فرماتے ہیں کہ ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کی خلافت گن لو، یہ پورے تیس سال ہیں۔ سعید نے عرض کی: بنو اُمیہ سمجھتے ہیں کہ خلافت انہی میں ہے! حضرت سفینہ نے فرمایا کہ بنو زرقاء جھوٹ بولتے ہیں، بلکہ یہ لوگ تو بدترین بادشاہوں میں سے ہیں۔''

---

[1] المعجم الكبير للطبراني (١٨/ ١٣٠)

[2] مفصل تحقیق کے لیے دیکھیں: سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيئ في الأمة (١٤/ ١١٢٧) رقم الحديث (٧٠٢٧)

[3] سنن الترمذي بتحقيق أحمد شاكر (٤/ ٥٠٣) رقم الحديث (٢٢٢٦)

اس حدیث کے سارے رجال ثقہ ہیں، لیکن یہاں پر ثقہ نے جو یہ زیادتی کی ہے: ''قال سعيد: فقلت له: إن بني أمية يزعمون أن الخلافة فيهم، قال: كذبوا بنو الزرقاء، بل هم ملوك من شر الملوك'' (سعید نے عرض کی: بنو اُمیہ سمجھتے ہیں کہ خلافت انہی میں ہے! سیدہ سفینہ نے فرمایا کہ بنو زرقاء جھوٹ بولتے ہیں، بلکہ یہ لوگ تو بدترین بادشاہوں میں سے ہیں) یہ مردود ہے، کیوں کہ دیگر اوثق رواۃ نے اسی حدیث کو بیان کرتے ہوئے اسے ذکر نہیں کیا ہے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''زاد الترمذي: قال سعيد: فقلت له: إن بني أمية يزعمون أن الخلافة فيهم! قال: كذبوا بنو الزرقاء، بل هم ملوك من شر الملوك. قلت: وهذه الزيادة تفرد بها حشرج بن نباتة عن سعيد بن جمهان، فهي ضعيفة، لأن حشرجا هذا فيه ضعف، أورده الذهبي في ''الضعفاء'' وقال: ''قال النسائي: ليس بالقوى'' وقال الحافظ في ''التقريب'': ''صدوق يهم'' قلت: وأما أصل الحديث فثابت''[1]

''امام ترمذی کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ''سعید نے عرض کی: بنو اُمیہ سمجھتے ہیں کہ خلافت انہی میں ہے! سیدنا سفینہ نے فرمایا کہ بنوزرقاء جھوٹ بولتے ہیں، بلکہ یہ لوگ تو بدترین بادشاہوں میں سے ہیں''۔ میں (علامہ البانی) کہتا ہوں کہ اس زیادتی کو سعید بن جمہان سے نقل کرنے میں ''حشرج بن نباتة'' اکیلا ہے، اس لیے اس کی یہ زیاتی ضعیف ہے، کیوں کہ حشرج میں ضعف ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے اسے ضعفا میں نقل کرکے فرمایا کہ امام نسائی نے کہا: یہ قوی نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: یہ صدوق ہے اور وہم کا شکار ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اصل حدیث (مذکورہ زیادتی کے بغیر) ثابت ہے۔''

اس حدیث کے دیگر طرق کے لیے ''الصحیحہ'' کا مذکورہ حوالہ دیکھیں۔

❁ نویں مثال۔ اسحاق بن منصور المروزی نے کہا:

''حدثنا محمد بن رافع قال: حدثنا حسين بن علي عن زائدة، قال: حدثنا عبد العزيز بن رفيع عن ابن مغفل المزني قال: قال النبيﷺ: إذا وجدتم

[1] سلسلة الأحاديث الصحيحة وشيئ من فقهها وفوائدها (١/ ٨٢١)

الإمام ساجدا فاسجدوا أو راكعا فاركعوا أو قائما فقوموا، ولا تعدوا بالسجود إذا لم تدركوا الركعة“[1]

”ابن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: جب تم امام کو سجدے کی حالت میں پاؤ تو سجدے کی حالت میں شامل ہوجاؤ اور رکوع میں پاؤ تو رکوع کی حالت میں شامل ہوجاؤ اور قیام کی حالت میں پاؤ تو قیام میں شامل ہوجاؤ اور جب رکوع نہ ملے تو رکعت شمار نہ کرو۔“

اس حدیث کے سارے رجال ثقہ ہیں اور یہاں سند میں کوئی انقطاع بھی نہیں ہے، اس کے باوجود بھی یہ حدیث ضعیف و مردود ہی ہے، کیوں کہ زائدہ بن قدامہ کے علاوہ ایک پوری جماعت سفیان ثوری، شعبۃ بن حجاج، جریر بن عبد الحمید، ابو بکر بن عیاش، زہیر اور شریک نے اس روایت کو عبدالعزیز کے شیخ کے ابہام کے ساتھ بیان کیا ہے۔[2]

ایک اور طریق میں اس مبہم شخص کو دوسرا نام ذکر تھا تو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے رد کر دیا اور اس کے برخلاف ایک جماعت کی اس روایت کو ترجیح دی، جس میں عبدالعزیز کے شیخ کا نام مبہم تھا، چناں چہ امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵ھ) نے کہا:

”يرويه عبد العزيز بن رفيع، واختلف عنه ؛ فرواه عبد الرحمن بن عمرو بن جبلة، عن يزيد بن زريع، عن شعبة، عن عبد العزيز بن رفيع، عن ابن أبي ليلىٰ عن معاذ، وخالفه الثوري، وزهير، وجرير، وشريك، فرووه عن عبد العزيز بن رفيع، قال: حدثني شيخ من الأنصار مرسلا، عن النبي ﷺ، وهو الصحيح“[3]

تنبیہ:

محترم حافظ زبیر علی زئی نے بھی اس روایت کو ضعیف قرار دیا، لیکن وجہ ضعف کے طور پر بڑی عجیب وغریب بات ذکر کی ہے۔

---

[1] مسائل إسحاق بن منصور بحواله: الصحيحة للألباني (٣/ ١٨٥) رقم الحديث (١١٨٨)

[2] علل الدارقطني (٦/ ٥٨) المصنف لابن أبي شيبة (١/ ٢٨٤) مصنف عبدالرزاق (٢/ ٢٨١) رقم الحديث (٣٣٧٣) السنن الكبرىٰ للبيهقي (٢/ ٨٩) لہٰذا ابہام والی سند ہی راجح ہے۔

[3] علل الدارقطني (٦/ ٥٨)

❀ دسویں اور زبردست مثال:

محترم حافظ زبیر علی زئی نے ابن عساکر کی تاریخ سے یزید کی مذمت میں ایک روایت نقل کی ہے۔عرض ہے کہ اسی ابن عساکر میں ''عبداللہ'' کی مذمت میں بھی ایک روایت منقول ہے۔ ملاحظہ ہو:

امام ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن احمد بن ابی ثابت رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۳۸ھ) نے کہا:

"ثنا أحمد بن بكر، قال: ثنا إسماعيل بن أبان، قال: ثنا يعقوب، عن جعفر بن أبي المغيرة، عن ابن أبزى، قال: قال عبد الله بن الزبير، حيث حوصر عثمان بن عفان، رحمہ اللہ: إن عندي نجائب قد أعددتها، فهل لك أن تحول إلى مكة فيأتيك من أراد أن يأتيك؟ قال: لا، إني سمعت رسول الله ﷺ يقول: "يلحد بمكة كبش من قريش، اسمه: عبد الله، عليه مثل أوزار الناس" ولا أراك إلا إياه، أو عبد الله بن عمر"[1]

''خلیفہ سوم عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا جب محاصرہ کیا گیا تو ان سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے پاس عمدہ اونٹ ہیں، جنھیں میں نے تیار کیا ہے تو کیا آپ ان پر سوار ہوکر مکے جانا پسند کریں گے، تا کہ جو آپ کے پاس آنا چاہے وہیں آ جائے؟ تو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نہیں! میں نے اللہ کے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مکے میں قریش کا عبداللہ نامی ایک شخص مکے میں الحاد پھیلائے گا، اس پر لوگوں کے گناہوں کا آدھا بوجھ ہوگا اور میرے خیال سے اس ''عبداللہ'' سے مراد اے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ! تم ہی ہو یا پھر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔''

یہ حدیث محترم حافظ زبیر علی زئی کے لیے بہت بڑی آزمائش ہے، کیوں کہ اس میں ''عبداللہ''

[1] الجزء الأول و الثاني من حديث ابن أبي ثابت، رقم الحديث (٤٦) ترقيم جوامع الكلم، رجاله ثقات، وإسناده ظاهره الصحة. أحمد بن بكر: قال الذهبي: "ثقة يخطئ" و وثقه ابن حبان، والحاكم و أبو عوانه وغيرهم، ولم يثبت تضعيفه عن الأزدي و ابن عدي، و بقية الرجال ثقات معروفون. ابن أبزى هنا يروي عن عبدالله بن الزبير، و من طريقه أخرجه ابن عساكر (٢٨/ ٢١٩) به، وله شاهد عند البزار (٦/ ٣٤٨) و رجاله ثقات ما عدا محمد بن كثير، وهو صدوق كثير الغلط، وأخرجه ابن عساكر في تاريخ دمشق (٢٨/ ٢٢٠) وحسنه الألباني في الصحيحة تحت رقم (٢٤٦٢) ثم تراجع عنه في الصحيحة (٧/ ٢٩٧)

نامی شخص کے لیے اس سے بھی زیادہ خطرناک بات ہے، جو یزید سے متعلق حافظ موصوف کی پیش کردہ حدیث میں ہے اور صرف یہی نہیں، بلکہ اس حدیث میں ''عبداللہ'' نامی شخص کے لیے بہت بڑے گناہ کی بھی بات ہے اور عبداللہ سے کون مراد ہیں؟ اس سلسلے میں خلیفہ سوم عثمان رضی اللہ عنہ کی تفسیر بھی اسی حدیث میں موجود ہے کہ اس سے مراد یا تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں یا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہیں۔

بعد کے واقعات بتلاتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایسا کوئی کام سرے سے سرزد ہوا ہی نہیں، البتہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بنا پر مکے کی حرمت پامال ہوئی، اس لیے یہ طے ہو جاتا ہے کہ اس حدیث سے مراد ''عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ'' ہی ہیں، جیسا کہ خلیفہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے کہا۔

اب دیکھنا ہے کہ محترم حافظ زبیر علی زئی کی تحقیق کیا رنگ لاتی ہے؟ کیا جس طرح موصوف نے زیادتِ ثقہ کے علی الاطلاق قبول کرنے والے مرجوح و متروک اصول کو اپنا کر یزید رضی اللہ عنہ کو مطعون کرنے والی حدیث کو بڑی فراخ دلی سے قبول کر لیا ہے، کیا موصوف ''عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ'' سے متعلق وارد ہونے والی اس حدیث پر ایمان لائیں گے؟

واضح رہے کہ صحابیِ رسول یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو مطعون کرنے والی یعنی ان پر حسن پرستی اور اسی کی خاطر کسی اور کی خوبصورت لونڈی کو غصب کرنے اور چھیننے کا الزام لگانے والی روایت کو انھوں نے پوری فراخ دلی سے قبول کر لیا ہے۔ واللّٰه المستعان.

ہمارے نزدیک یہ بات تو ثابت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے کسی شخص سے متعلق یہ پیشین گوئی کی ہے کہ وہ مکے کو حلال کرے گا اور اس کے سبب مکے کو حلال کیا جائے گا، لیکن یہ کون شخص ہوگا؟ اس کی صراحت کسی بھی حدیث میں منقول نہیں ہے اور یہاں پر ہم نے جو روایت پیش کی ہے، اس میں اگرچہ ''عبداللہ'' نام کی صراحت اور عثمان رضی اللہ عنہ نے اس ''عبداللہ'' کی بھی تفسیر کر دی ہے اور اس کے سارے رجال ثقہ بھی ہیں اور سند میں بھی انقطاع نہیں، لیکن اس کے باوجود بھی ہماری نظر میں یہ روایت مردود ہے، کیوں کہ یہ روایت اصلاً مرسل ہے اور یہاں پر اگرچہ اسے ثقہ نے موصول بیان کیا ہے، یعنی ثقہ نے وصل کی زیادتی کی ہے، لیکن ثقہ کی یہ زیادتی قرائن کی رو سے مردود ہے اور قرائن یہی ہیں کہ دیگر مضبوط طرق میں یہ روایت مرسلاً آئی ہے۔[1]

[1] أخرجه أحمد في مسنده (١/ ٦٤) من طريق إسماعيل برواية ابن أبزى عن عثمان. قلت: رجاله ثقات، لكن قال أبو زرعة: ابن أبزى عن عثمان مرسل، ومن طريق أحمد أخرجه ابن عساكر في تاريخ دمشق (٢٨/ ٢١٨)

زیادتِ ثقہ کی تیسری مثال اور زبیر علی زئی صاحب کے اعتراضات:

ہم نے یہ روایت حافظ زبیر علی کے سامنے بطورِ مثال پیش کی تو موصوف نے کہا:

"کفایت اللہ سنابلی صاحب کی طرف سے حسین بن ابراہیم الجورقانی کی کتاب "الأباطیل و المناکیر و الصحاح والمشاهیر" سے ایک روایت پیش کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بارہ ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ یہ روایت تین وجہ سے ضعیف ہے:

① محمد بن طاہر المقدسی کے بارے میں خود کفایت اللہ صاحب نے "کان کثیر الوهم" وغیرہ کی جرح نقل کی ہے۔

② جورقانی پر بھی شدید جرح ہے۔

③ عیسیٰ بن علی بن عیسیٰ کی توثیق مع تعین مطلوب ہے۔"[1]

پہلی وجہ ضعف کا جواب:

عرض ہے کہ ہم نے محمد بن طاہر پر جرح صرف یہ بتانے کے لیے نقل کی ہے کہ یہ متکلم فیہ ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ یہ ضعیف ہیں، کیوں کہ بعض نے ان پر جرح کی ہے تو دیگر محدثین نے ان کی توثیق بھی کی ہے اور تمام اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ کم از کم حسن الحدیث ضرور ہیں۔ نیز بطورِ فائدہ عرض ہے کہ حافظ زبیر علی زئی نے بھی مشہور محدث امام بزار کے بارے میں "یخطئ کثیرا" اور "فأخطأ في أحادیث کثیرة" وغیرہ کی جرح نقل کی ہے۔[2]

تو کیا ہم یہ نتیجہ اَخذ کر لیں کہ موصوف کے نزدیک امام بزار رحمہ اللہ ضعیف ہیں؟ ہمیں پورا یقین ہے کہ اگر کوئی ایسا نتیجہ اخذ کرے گا تو موصوف جھٹ سے کہیں گے کہ انھوں نے امام بزار کو فقط متکلم فیہ بتلانے کے لیے ایسا کیا ہے، ان کی تضعیف مقصود نہیں ہے۔

عرض ہے کہ ہمارا مقصد بھی ابن طاہر رحمہ اللہ کی تضعیف نہیں، بلکہ فقط انھیں متکلم فیہ بتلانا مقصود ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ خود زبیر علی زئی صاحب بھی ابن طاہر کو ضعیف نہیں مانتے، بلکہ انھیں صدوق وحسن الحدیث مانتے ہیں، جیسا کہ انھوں نے کئی مقامات پر ایسا کہا ہے۔ مثلاً دیکھیں:

[1] رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا یزید... (ص: ۳۳) مقالات (۶/ ۵۸۷)

[2] دیکھیں: ماہنامہ "الحدیث" (شمارہ: ۲۳، ص: ۲۸)

ماہنامہ ''الحدیث'' (شمارہ: ۹۱، ص: ۳۶) نیز دیکھیں: علمی مقالات (۳/ ۳۰۰، ایضاً: ۴/ ۱۰۱) نیز موصوف نے بہت سے مقامات پر جرح وتعدیل کے باب میں ان کے اقوال سے حجت پکڑی ہے۔ مثلاً دیکھیں: ماہنامہ ''الحدیث'' (شمارہ: ۱۰۹، ص: ۳۶)

دوسری وجہ ضعف کا جواب:

عرض ہے کہ اول تو آپ نے شدید جرح کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے کہ اس کی حقیقت معلوم کی جاسکے، نیز شدید جرح تو بہت سارے ثقہ رواۃ پر بھی ملتی ہے، مثلاً امام مغازی محمد بن اسحاق رحمہ اللہ کے بارے میں بھی شدید جرح ملتی ہے تو کیا انھیں ضعیف تسلیم کر لیا جائے؟ بہر حال یہاں پر زبیر علی زئی صاحب کا محض دعویٰ ہے، موصوف نے کوئی دلیل نہیں پیش کی ہے۔ اس لیے ہم خود سے جرح نقل کر کے جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

نیز بطور فائدہ عرض ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام جورقانی کو ثقہ بتلایا ہے، چناں چہ کہا:

"وله شاهد من حديث ابن عباس، رواه الجوزقاني في الأحاديث الضعيفة، وينظر في سنده فإن رجاله ثقات إلا محمد بن إبراهيم الرازي فإنه متروك"[1]

''اس کا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ایک شاہد بھی ہے، جسے امام جوزقانی نے "الأحاديث الضعيفة" میں نقل کیا ہے، لیکن اس کی سند قابلِ غور ہے، کیوں کہ اس کے رجال ثقہ ہیں، سوائے محمد بن ابراہیم الرازی کے اور یہ متروک ہے۔''

یہاں پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام جوزقانی کی روایت کے ایک راوی کو چھوڑ کر باقی سب کو ثقہ کہا ہے اور یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ امام جورقانی بھی اس کے رجال میں سے ہیں۔

حکیم ترمذی نے اپنی کتاب "المنهيات" (ص: ٣٦) میں ایک حدیث روایت کی ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کو فتح الباری میں صحیح قرار دیا ہے۔ زبیر علی زئی صاحب نے اس تصحیح سے حکیم ترمذی کی توثیق اخذ کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

''حکیم موصوف کی تعریف و توثیق جمہور علما سے ثابت ہے، مثلا حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''فتح الباري'' (١/ ٢٧٤، ح ١٤٥) میں ان کی حدیث کو صحیح کہا ہے، لہٰذا وہ صدوق

[1] تلخيص الحبير (١/ ١٠٨)

حسن الحدیث تھے۔‘‘ ①

ہم کہتے ہیں کہ اسی طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام جورقانی کی روایت کردہ ایک حدیث کے ایک راوی ’’محمد بن ابراہیم‘‘ کو چھوڑ کر بقیہ سارے رواۃ کو ثقہ کہا ہے، اس لیے امام جورقانی رحمہ اللہ بھی ثقہ تھے۔

اورمزے کی بات یہ ہے کہ زبیرعلی زئی صاحب نے ایک مقام پر امام جورقانی کے قول سے احتجاج کیا ہے۔ چناں چہ موصوف ’’عباد بن صہیب‘‘ پر محدثین کی جروح نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’اب عباد بن صہیب پر جمہور محدثین کی جروح صحیح حوالوں سے پیش خدمت ہیں۔‘‘ ②

اس کے بعد اٹھارویں نمبر پر زبیرعلی زئی صاحب لکھتے ہیں:

’’۱۸: حسین بن ابراہیم الجورقانی الہمدانی نے عباد بن صہیب کی بیان کردہ ایک رایت کو ”هذا حديث باطل“ کہا۔ (الاباطيل و المناكير: ٢/ ٢٤٢، ح ٦٣٧) ③

صاف ظاہر ہے کہ یہاں پر زبیرعلی زئی صاحب امام جورقانی کو ثقہ اور قابلِ اعتماد تسلیم کر رہے ہیں، ورنہ ’’صحیح حوالوں‘‘ کی فہرست میں باقاعدہ نمبر ڈال کر ان کے قول سے احتجاج کیا معنی رکھتا ہے؟ ④ نیز امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) نے کہا:

’’الإمام، الحافظ، الناقد‘‘ ⑤ ’’آپ امام، حافظ اور ناقد ہیں۔‘‘

امام ذہبی رحمہ اللہ نے امام جورقانی کی ایک روایت کردہ حدیث کو حسن بھی کہا ہے۔ ⑥

تیسری وجہ ضعف کا جواب:

یہ **’’عیسی بن علی بن عیسی بن داود بن الجراح‘‘** ہیں، یہاں غلطی سے ’’علی بن‘‘ مکرر لکھ گیا ہے یا ممکن ہے کہ دادا کا نام بھی یہی ہو اور عام طور سے یہ اپنے پر دادا کی طرف منسوب ہوکر ذکر کیے جاتے ہوں۔ بہرحال یہ ’’عیسیٰ بن علی بن عیسیٰ بن داود بن الجراح‘‘ ہی ہیں اور اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

① شمائل ترمذی، ترجمہ زبیرعلی زئی (ص: ۲۹) ② دیکھیں: علمی مقالات (۴/ ۴۸۳)

③ دیکھیں: علمی مقالات (۴/ ۴۸۵) نیز دیکھیے: علمی مقالات (۶/ ۱۴۲)

④ زبیرعلی زئی صاحب کی نظر میں کسی قول سے استدلال کا مطلب قائل کو ثقہ تسلیم کرنا ہے دیکھیے: مقالات (۱/ ۳۳۹) نیز دیکھیں: مقالات (۱/ ۳۷۴)

⑤ سير أعلام النبلاء للذهبي (٢٠/ ١٧٧) ⑥ دیکھیں: الأحاديث المختارة للذهبي (ص: ٦١)

① محمد بن طاہر رحمہ اللہ نے اپنے شیخ ''احمد بن محمد بن احمد بن عبد اللہ بن النقور'' کے واسطے سے ان کی روایت امام بغوی سے نقل کی ہے، چناں چہ امام جوزقانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۴۳ھ) نے کہا:

''أخبرنا أبو الفضل محمد بن طاهر بن على الحافظ، أخبرنا أحمد بن محمد بن أحمد، قال: حدثنا عيسى بن علي بن علي بن عيسى، إملاء، قال: حدثنا أبو القاسم عبد الله بن محمد بن عبد العزيز البغوي، قال: حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة، قال: حدثنا عفان، عن سليم بن حيان، عن سعيد بن مينا، عن جابر بن عبد الله الأنصاري وعبد الله بن عباس، أنهما قالا: ولد رسول الله ﷺ يوم الفيل، يوم الاثنين، الثاني عشر من شهر ربيع الأول، وفيه بعث، وفيه عُرِج إلى السماء، وفيه هاجر، وفيه مات ﷺ''[1]

محمد بن طاہر رحمہ اللہ نے اس طریق سے جو روایات بیان کی ہیں، ان میں اس مقام پر ''عیسی بن علی بن علی بن عیسی'' ہی کا ذکر ہے۔ مثلاً: محمد بن طاہر ابن القیسرانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۰۷ھ) نے کہا:

''أخبرنا أحمد بن محمد بن أحمد البزاز ببغداد، قال: أخبرنا عيسى بن على قال: حدثنا أبو القاسم البغوي قال: حدثنى جدى يعني أحمد بن هبيع قال ك حدثنا أبو سعد الصاغاني، حدثنا عمر بن منصور عن سهل بن عمرو قال: لم ألق أبي ولقيت أخي فحدثنى عن أبي قال: قال رسول الله ﷺ: المحرم حلال الله كالمستحل حرام الله''[2]

② محمد بن طاہر نے اپنے شیخ ''احمد بن محمد بن احمد بن عبد اللہ بن النقور'' کے واسطے ان کی روایت املاءً نقل کی ہے اور دوسرے مقام پر بھی اپنے انھیں شیخ ''احمد بن محمد بن احمد بن عبد اللہ بن النقور'' کے واسطے سے املاءً ''عیسی بن علی'' ہی کی روایت نقل کی ہے۔ چناں چہ محمد بن طاہر ابن قیسرانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۰۷ھ) نے کہا:

''أخبرنا أبو الحسن أحمد بن محمد البزاز ببغداد ثنا عيسىٰ بن علي إملاء

---

[1] الأباطيل والمناكير للجوزقاني (١/ ٢٦٧)

[2] السماع لابن القيسراني (ص: ٥٢)

ثنا عبد اللّٰه بن محمد بن عبد العزيز ثنا عثمان بن أبي شيبة و عبد اللّٰه بن سعيد قالا: أنا عبدة عن هشام بن عروة عن بكر بن وائل عن الزهري عن عبيد اللّٰه عن ابن عباس أن سعدا سأل رسول اللّٰه ﷺ عن نذر كان علىٰ أمه" [1]

❸ احمد بن محمد بن احمد بن عبد اللہ بن النقور کے استاذ میں عیسی بن علی بن عیسی بن داود بن الجراح کا نام ملتا ہے۔[2]

❹ امام بغوی کے تلامذہ میں بھی "عیسی بن علی بن عیسی بن داود بن الجراح" ہی کا ذکر ملتا ہے۔[3]

ان دلائل سے یہ بات آئینے کی طرح صاف ہوگئی کہ یہاں پر "عیسی بن علی بن عیسی" سے مراد "عیسی بن علی بن عیسی بن داود بن الجراح" ہی ہیں۔ اب آگے ان کی توثیق ملاحظہ ہو۔

"عیسی بن علی بن عیسی بن داود بن الجراح" کی توثیق:

حدیثِ یزید ہی پر بحث کرتے ہوئے مسند رویانی کے راوی "جعفر بن عبداللہ" کی توثیق پیش کرتے ہوئے زبیر علی زئی صاحب نے کہا:

"ابو یعلی الخلیلی نے فرمایا: "موصوف بالعدالة و حسن الديانة" (الإرشاد في معرفة علماء الحديث: ٢/ ٦٩١ رقم الحديث: ٤٦٢) ضیا مقدسی نے اُن کی کئی احادیث المختارة میں بیان کیں۔"[4]

"وہ مسند الرویانی کے بنیادی راوی ہیں اور ایک جماعت نے ان سے روایت بیان کی ہے۔ حافظ ذہبی نے اُن کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں فرمایا:

"وهذا إسناد صحيح" (تاريخ الإسلام (٢٧/ ٦١)

"تین ائمہ کی اس تعریف و توثیق کے بعد جعفر بن عبد اللہ کے بارے میں اعدل الاقوال یہی ہے کہ وہ ثقہ و صدوق ہیں۔"[5]

---

[1] مسألة العلو والنزول في الحديث لابن القيسراني (ص: ٩٠)

[2] دیکھیں: تاريخ الإسلام. ت: بشار (٨/ ٧٠٥)

[3] دیکھیں: تاريخ الإسلام. ت: بشار (٨/ ٧٠٥)

[4] دیکھیں: المختارة (٢/ ٣٥٣) رقم الحديث (٧٣٥)

[5] رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا یزید... (ص: ٣) مقالات (٦/ ٣٥٨)

عرض ہے کہ بالکل اسی طرح ''عیسی بن علی بن عیسی بن داود بن الجراح'' کی توثیق بھی ثابت ہے۔

1. چناں چہ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) نے کہا:
"الشيخ الجليل، العالم، المسند"[1]

2. امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴ھ) نے کہا:
"كان صحيح السماع كثير العلوم"[2] ''آپ صحیح السماع اور کثیر العلوم تھے۔''

3. ضیاء مقدسی نے اُن کی کئی احادیث "المختارة" میں بیان کیں۔[3]

4. امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی کئی احادیث کی تحسین یا تصحیح کی ہے۔[4]

اب ہمیں بھی زبیر علی زئی صاحب کی زبان میں کہہ سکتے ہیں کہ تین ائمہ کی اس تعریف و توثیق کے بعد عیسی بن علی کے بارے میں اعدل الاقوال یہی ہے کہ وہ ثقہ وصدوق ہیں۔ تعین کے دلائل اور اس توثیق کے بعد بھی اگر کوئی شخص بضد ہے کہ ''عیسیٰ بن علی بن عیسیٰ کی توثیق مع تعین مطلوب ہے۔'' تو ہم یہی دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو فہم سلیم اور حفظ و ضبط عطا فرمائے۔ آمین

زیادتِ ثقہ سے متعلق محترم زبیر علی زئی کی پیش کردہ دس مثالیں:

آں جناب نے دس مثالیں پیش کر کے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ زیادتِ ثقہ علی الاطلاق قبول کی جائے گی، حالاں کہ ان دس مثالوں سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ زیادتِ ثقہ مقبول بھی ہوتی ہے اور ہم نے کب اس کا انکار کیا ہے؟

یہ مثالیں آپ تب پیش کرتے، جب ہم نے یہ کہا ہوتا کہ زیادتِ ثقہ علی الاطلاق مردود ہوتی ہے، لیکن ہم نے یہ دعویٰ کیا ہی نہیں، بلکہ ہم بھی اسی بات کے قائل ہیں کہ قرائن کی روشنی میں زیادتِ ثقہ مقبول ہوتی ہے، ایسے میں یہ دس مثالیں ہمارے خلاف نہیں، بلکہ ہمارے موافق ہیں۔

---

[1] سير أعلام النبلاء للذهبي (١٦/ ٥٤٩)

[2] البداية والنهاية (١١/ ٣٣٠)

[3] دیکھیں: الأحاديث المختارة (٨/ ٢٥٧)

[4] دیکھیں: تاريخ الإسلام للذهبي. ت: تدمري (٢٤/ ١٢٧)

ان مثالوں میں ایک ایک سے متعلق ہم اپنی وضاحت پیش کر سکتے ہیں اور ضرورت محسوس کی گئی تو وضاحت کریں گے بھی، لیکن الحمدللہ ہم سے پہلے ہی شیخ خبیب احمد حفظہ اللہ ان دس مثالوں پر بہت عمدہ تبصرہ کر چکے ہیں۔[1]

عبدالوہاب کی زیادتی کو رد کرنے پر حافظ زبیر علی زئی کے شبہات:

ہم نے عبدالوہاب کی روایت کو رد کرتے ہوئے جو قرائن پیش کیے ہیں، انھیں میں سے ایک قرینہ یہ ہے کہ عبدالوہاب اگرچہ ثقہ ہیں، لیکن متکلم فیہ ہیں اور ان کے خلاف اس روایت کو منقطع بیان کرنے والے بالاتفاق ثقہ اور اعلیٰ درجے کا حافظہ رکھنے والے رواۃ ہیں۔ اس کا جواب دیتے ہوئے حافظ زبیر علی زئی صاحب درج ذیل غلط فہمیوں کے شکار ہوئے یا دانستہ مغالطہ دینے کی کوشش کی۔

پہلی غلط فہمی:

ہم نے عبدالوہاب کو متکلم فیہ کہا تو اس کے جواب میں حافظ زبیر علی زئی صاحب نے تیس اہلِ علم کے حوالے دیے، جن میں سے بعض نے ان کی توثیق کی، بعض نے ان کی تعریف کی اور بعض نے ان کی مرویات کو صحیح کہا، یعنی ضمنی توثیق کی اور بعض نے ان کو ثقہ کہنے کے ساتھ ساتھ ان پر اختلاط کی جرح بھی کی، یعنی یہ کہا کہ اخیر میں یہ مختلط ہوگئے تھے۔[2]

حالاں کہ اس راوی کی توثیق پیش کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی، کیوں کہ ہم نے اس راوی کو ہرگز ضعیف نہیں کہا تھا، بلکہ ہم نے پوری صراحت کے ساتھ اسے ثقہ کہا تھا اور ثقہ ماننے کے ساتھ ساتھ ہم نے اسے متکلم فیہ بتلایا تھا اور کسی کو متکلم فیہ کہنے (بالخصوص ثقہ کہنے کے ساتھ) اور کسی کو ضعیف کہنے میں زمین آسمان کا فرق ہے، بلکہ خود حافظ زبیر علی زئی نے ایک بہت بڑے محدث امام بزار رحمہ اللہ کو متکلم فیہ کہا، چناں چہ موصوف اپنے ماہنامہ الحدیث میں لکھتے ہیں: ''حافظ بزار بہ ذاتِ خود متکلم فیہ ہیں۔''[3]

عرض ہے کہ کیا آپ کی اس عبارت سے یہ سمجھ لیا جائے کہ آپ نے امام بزار رحمہ اللہ کو

---

[1] دیکھیں: مقالاتِ اثریہ (ص: ۴۵۶ تا ۴۷۳)

[2] دیکھیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا یزید ... (ص: ۴ تا ۶) مقالات (۶/ ۳۵۹۔۳۶۲)

[3] ماہنامہ ''الحدیث'' (شمارہ: ۲۳، ص: ۲۸)

ضعیف کہا ہے اور امام بزار رحمہ اللہ کی توثیق پر صفحات سیاہ کرنا شروع کر دیا جائے؟ اگر ہم ایسا کریں تو فوراً آپ کہیں گے کہ ہم نے امام بزار کو صرف متکلم فیہ کہا ہے، ضعیف نہیں کہا ہے۔ بلکہ بعض الناس کی طرف سے آپ پر یہ اعتراض ہوا تو آپ نے بڑی معصومیت سے کہا:

''بعض الناس نے میرے بارے میں یہ جھوٹ بولا ہے کہ میں محدث بزار کی توثیق کا قائل نہیں، یقیناً انھیں ایک دن اس جھوٹ کا حساب دینا پڑے گا۔''[1]

ہم کہتے ہیں کہ امام بزار رحمہ اللہ سے متعلق آپ کی عبارت کے ساتھ بعض الناس نے جو سلوک کیا، عین وہی سلوک عبدالوہاب سے متعلق ہماری عبارت کے ساتھ آپ کر رہے ہیں، کیا یہ آپ کے لہجے میں دوغلی پالیسی نہیں ہے؟

ہم نے عبدالوہاب کو ضعیف ہرگز نہیں کہا، بلکہ متکلم فیہ کہا ہے اور یہ کہنے سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ عبدالوہاب کی ثقاہت بعض ان رواۃ کی ثقاہت سے کم تر ہے، جنھوں نے اس روایت کو منقطع بیان کیا ہے، کیوں کہ وہ ثقہ ہونے کے ساتھ ساتھ متکلم فیہ نہیں، بلکہ بالاتفاق ثقہ ہیں۔[2] الغرض ہم بھی عبدالوہاب کو ثقہ مانتے ہیں، لیکن چونکہ یہ متکلم فیہ ہیں، ان پر ضعف اور اختلاط سے متعلق جرح ہوئی ہے، لہٰذا جب زیادتِ ثقہ کے معاملے میں قرائن دیکھنے کی بات آئے گی تو ان کے متکلم فیہ ہونے کو پیش نظر رکھا جائے گا۔

مثال کے طور پر ''یزید بن خصیفہ'' صحیح بخاری و مسلم کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں، لیکن موصوف نے عہدِ فاروقی میں رکعاتِ تراویح کی تعداد روایت کرتے ہوئے ایک دوسرے ثقہ ''محمد بن یوسف'' کی مخالفت کی ہے تو ایسے موقع پر ان پر کی گئی جرح کا حوالہ دیا جاتا ہے اور اس کے پیشِ نظر ان کی روایت کو ایسے ثقہ راوی کے بالمقابل رد کر دیا جاتا ہے جو متکلم فیہ نہیں ہیں، جیسا کہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے تحقیق پیش کی ہے۔ تفصیل کے لیے ان کی کتاب ''صلاۃ التراویح'' دیکھیں۔ بلکہ خود محترم زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''قیامِ رمضان'' کے صفحہ (٦٣) پر عہدِ فاروقی میں تراویح سے متعلق حکمِ فاروقی سے متعلق روایات کا جو جدول پیش کیا ہے، اس میں محمد بن یوسف کو ثقہ بالاجماع لکھا ہے اور

---

[1] تحقیقی مقالات (٣/ ١٣٩)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (١٣٨۔ ١٣٩) دیکھیں۔

یزید بن خصیفہ کو ثقہ مختلف فیہ لکھا ہے۔

کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ جب دونوں ثقہ ہیں تو یزید بن خصیفہ کے بارے میں اختلاف کو پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ظاہر ہے کہ اسی بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ ثقہ مختلف فیہ نے ایسے راوی کے خلاف روایت بیان کی ہے جو بالاتفاق ثقہ ہے۔ نیز موصوف نے اسی کتاب کے صفحہ (۷۷) پر صحیح بخاری کے راوی علی بن الجعد کو ثقہ علی الراجح کہنے کے باوجود بھی اس پر جرح نقل کی ہے۔

عرض ہے کہ ہم نے بھی عبدالوہاب ثقفی کو ثقہ ہی مانا ہے، لیکن ترجیح کے وقت ان کے متکلم فیہ ہونے کی بات کہی ہے، کیوں کہ انھوں نے جن لوگوں کے خلاف روایت بیان کی ہے، ان میں صحیح بخاری و مسلم اور سنن اربعہ کے راوی معاذ بن معاذ عنبری بھی ہیں، جو زبردست ثقہ اور متقن ہیں۔

تنبیہ:

حافظ زبیر علی زئی نے امام ابن سعد کی جرح "فیه ضعف" سے متعلق حافظ ابن حجر کی یہ توضیح نقل کی ہے کہ اس سے مراد اختلاط کی جرح ہے۔[1]

اولاً: عرض ہے کہ یہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی اپنی توضیح ہے اور اس توضیح کے لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کوئی دلیل نہیں دی ہے، بلکہ غالباً دیگر لوگوں کی اختلاط والی جرح دیکھ کر ایسا کہا ہے اور امام ابن سعد رحمہ اللہ کی تضعیف کی مذکورہ توضیح کے لیے محض اتنی بات کافی نہیں ہے، اس لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی توضیح خالی از دلیل ہے۔

ثانیاً: اگر ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ امام ابن سعد رحمہ اللہ نے اختلاط کی جرح مراد لی ہے تو بھی ہمارا قول متکلم فیہ اپنی جگہ پر باقی رہے گا، کیوں کہ ایسی صورت میں بھی عبدالوہاب ثقفی متکلم فیہ کی زد سے باہر نہیں ہو سکتے اور یہ چیز انھیں ثقاہت میں ان لوگوں کے مرتبے سے کم کر دے گی، جن پر سرے سے کوئی جرح ہوئی ہی نہیں ہے نہ ضعف کی اور نہ اختلاط کی۔ لہٰذا ان کے متکلم فیہ ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے بالاتفاق ثقہ کے مقابل میں ان کی ثقاہت کا درجہ کم ہوگا اور ترجیح کی بات آئے گی تو ان کے متکلم فیہ ہونے کی وجہ سے ان کے مقابل میں ان لوگوں کی روایت کو راجح کہا جائے گا جن پر سرے سے کوئی جرح ہوئی ہی نہیں ہے۔

---

[1] دیکھیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا... (ص: ۷) مقالات (۳۶۲/۶)

لطیفہ:- حافظ زبیر علی زئی عبدالوہاب کی توثیق پیش کرتے ہوئے انھیں صحیح بخاری کا مرکزی راوی بتلاتے ہوئے کہتے ہیں: ''آپ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے مرکزی راوی ہیں۔''[1]

اس سے کوئی یہ سمجھ سکتا ہے کہ صحیح بخاری میں ان کی بہت ساری احادیث ہوں گی، حالاں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: "لم يكثر البخاري عنه"[2]

''امام بخاری رحمہ اللہ نے عبدالوہاب ثقفی سے زیادہ احادیث نہیں لی ہیں۔''

قارئین غور کریں! صحیح بخاری کے شارح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تو کہہ رہے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے عبدالوہاب سے زیادہ روایات نہیں لیں اور جناب زبیر علی زئی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ بخاری کے مرکزی راوی ہیں۔ سبحان اللہ!

دوسری غلط فہمی:

ہم نے عبدالوہاب ثقفی کو متکلم فیہ بتلانے کے لیے ابن سعد کی جرح "فیه ضعف" پیش کی اور بطورِ تائید یہ بات کہی کہ آخر میں یہ مختلط ہوگئے تھے۔ اس سے حافظ زبیر علی زئی صاحب نے یہ سمجھ لیا کہ **ہم نے انھیں مختلط ثابت کیا ہے اور اسی بنیاد پر ان کی روایت کو ضعیف کہا ہے**، پھر وہ یہ بتانے بیٹھ گئے کہ عبدالوہاب ثقفی نے اختلاط کے بعد کوئی روایت بیان ہی نہیں کی یا یہ کہ زیرِ بحث روایت کو انھوں نے اختلاط سے قبل ہی بیان کیا ہے، حالاں کہ اس فرضی جرح کے جواب میں بھی موصوف اپنی ذکر کردہ باتوں کا کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکے۔

عرض ہے کہ ہم نے نہ تو عبدالوہاب کو مختلط[3] کہا ہے اور نہ ان پر کی گئی اختلاط کی جرح کو روایت کی تضعیف کے لیے دلیل بنایا ہے۔ ہم نے صرف یہ کہا تھا کہ یہ متکلم فیہ ہیں، کیوں کہ ابن سعد نے ان کے بارے میں "فیه ضعف" کہا ہے اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اخیر میں وہ مختلط ہوگئے تھے۔ حافظ زبیر علی زئی صاحب نے کم از کم اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ وہ اخیر میں مختلط ہوگئے تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ محض یہ بات بھی عبدالوہاب ثقفی کو متکلم فیہ کہنے کے لیے

---

[1] رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا یزید... (ص:۴) مقالات (۶/۳۶۲) [2] فتح الباري لابن حجر (۱/۴۲۳)

[3] یعنی حدیث مذکور کی تضعیف میں اصل دلیل کے طور پر ہم نے عبدالوہاب کو ''مختلط'' نہیں کہا ہے۔ اگر ہم نے ایسا کہا ہوتا تو ہم اسے مختلط کہنے کے ساتھ یہ بھی کہتے کہ اختلاط سے قبل اس کا اس حدیث کو بیان کرنا ثابت نہیں ہے، لیکن ایسا ہم نے ہرگز نہیں کہا۔ دراصل ہم نے عبدالوہاب کو ''ثقہ'' ماننے کے ساتھ اسے ''متکلم فیہ'' بتانے کے لئے کہا کہ اس پر "فیه ضعف" کی جرح ہے پھر بطور تائید اس کے اختلاط کا حوالہ دیا۔ یعنی ہم نے اس راوی کو ''ثقہ متکلم فیہ'' بتانے کے لئے مختلط کہا تھا نہ کہ روایت کی تضعیف میں اس کے اختلاط کو اصل دلیل بنانے کے لئے۔

کافی ہے اور محض اسی بات کی وجہ سے عبدالوہاب ثقفی کی ثقاہت کا درجہ ان رواۃ کے بالمقابل کم ہو جائے گا، جو بالاتفاق ثقہ ہیں اور ان پر کسی نے کلام نہیں کیا ہے۔

واضح رہے کہ حافظ زبیر علی زئی صاحب نے اپنے اس دعوے کا کوئی معتبر ثبوت نہیں پیش کیا ہے کہ عبدالوہاب ثقفی نے اختلاط کے بعد روایت کرنا بند کر دیا تھا۔ شروع شروع میں موصوف نے "معجم المختلطين" کا حوالہ دیا تھا، لیکن ہمارے جواب میں جب اس کا حشر دیکھا تو امام ذہبی رحمہ اللہ کی وہ بات نقل کر دی، جس کی بنیاد غیر ثابت روایت تھی، لیکن موصوف نے امام ذہبی کی اصل بنیاد کو بڑی ہی ہوشیاری سے چھپا کر محض امام ذہبی رحمہ اللہ کا قول لکھ مارا، چناں چہ موصوف نے لکھا:

''حافظ ذہبی نے فرمایا:

"لكنه ما ضرّ تغيره حديثه فإنه ما حدّث بحديث في زمن التغير"

''لیکن آپ کی حدیث کو اختلاط نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا، کیوں کہ آپ نے زمانۂ اختلاط (یا زمانۂ تغیر) میں کوئی حدیث بیان نہیں کی۔'' (میزان الاعتدال ۲/ ۶۸۱)

نیز فرمایا:

"لكن ما ضره تغيره فإنه لم يحدث زمن التغير بشيئ"

''لیکن انھیں اختلاط نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا، کیوں کہ انھوں نے زمانۂ اختلاط میں کوئی حدیث بیان نہیں کی۔'' (سیر اعلام النبلاء ۹/ ۲۳۹) [1]

عرض ہے کہ ان دونوں مقامات پر امام ذہبی رحمہ اللہ اپنے قول کی بنیاد عقیلی کی ایک روایت پر رکھی ہے، ملاحظہ ہوں دونوں مقامات سے امام ذہبی رحمہ اللہ کے پورے الفاظ۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے "ميزان الاعتدال" میں کہا:

"قلت: لكنه ما ضر تغيره حديثه، فإنه ما حدث بحديث في زمن التغير.

<u>قال العقيلي: حدثنا الحسين بن عبد الله الذارع، حدثنا أبو داود، قال: تغير جرير بن حازم، وعبد الوهاب الثقفي، فحجب الناس عنهم</u>" [2]

[1] سير أعلام النبلاء (۹/ ۲۳۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا یزید... (ص: ۸)۔ نیز دیکھیں: مقالات (۶/۳۶۳)

[2] ميزان الاعتدال للذهبي (۲/ ۶۸۱)

’’میں (امام ذہبی) کہتا ہوں کہ لیکن آپ کی حدیث کو اختلاط نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا، کیوں کہ آپ نے زمانۂ اختلاط (یا زمانۂ تغیر) میں کوئی حدیث بیان نہیں کی۔ امام عقیلی نے کہا: ہم سے حسین بن عبداللہ الذارع نے بیان کیا۔ انھوں نے کہا: ہم سے ابو داود نے بیان کیا۔ انھوں نے کہا: جریر بن حازم اور عبدالوہاب ثقفی تغیر کا شکار ہوگئے تو لوگوں کو ان سے روایت لینے سے روک دیا گیا۔‘‘

اسی طرح امام ذہبی رحمہ اللہ نے ’’سیر أعلام النبلاء‘‘ میں کہا:

”قلت: لكن ما ضره تغيره، فإنه لم يحدث زمن التغير بشيئ. وقال العقيلي: حدثنا الحسين بن عبد الله الذارع، حدثنا أبو داود قال: تغير جرير بن حازم، وعبد الوهاب الثقفي، فحجب الناس عنهم“[1]

’’میں (امام ذہبی) کہتا ہوں: لیکن انھیں اختلاط نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا، کیوں کہ انھوں نے زمانۂ اختلاط میں کوئی حدیث بیان نہیں کی۔ امام عقیلی نے کہا: ہم سے حسین بن عبداللہ الذارع نے بیان کیا۔ انھوں نے کہا: ہم سے ابو داود نے بیان کیا۔ انھوں نے کہا: جریر بن حازم اور عبدالوہاب ثقفی تغیر کا شکار ہوگئے تو لوگوں کو ان سے روایت لینے سے روک دیا گیا۔‘‘

قارئین کرام! غور کریں کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے یہاں جو بات کہی ہے، انھوں نے اس کے لیے عقیلی کی ایک روایت کو بنیاد بنایا ہے، جس میں ابو داود سے یہ بات منقول ہے۔

زین الدین ابن الکیال (المتوفی: ۹۲۹ھ) نے کہا:

”قال الأبناسيي: قال صاحب الميزان: لكنه ما ضر تغيره حديثه فإنه ما حدث بحديث في زمن التغير، ثم استدل بقول أبي داود: تغير جرير بن حازم وعبد الوهاب الثقفى فحجب الناس عنهم“[2] انتهى

’’اَبناسی نے کہا کہ صاحبِ میزان (امام ذہبی رحمہ اللہ) نے کہا: ’’لیکن آپ کی حدیث کو

[1] سير أعلام النبلاء للذهبي (٩/ ٢٣٩۔ ٢٤٠)

[2] الكواكب النيرات لابن الكيال (ص: ٣١٧) نیز دیکھیں: تخريج الأحاديث المرفوعة المسندة في كتاب التاريخ للبخاري (ص: ٢٧٥، حاشيه: ٧)

اختلاط نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا، کیوں کہ آپ نے زمانۂ تغیر میں کوئی حدیث بیان نہیں کی۔'' پھر امام ذہبی نے ابو داود کے اس قول سے استدلال کیا کہ جریر بن حازم اور عبدالوہاب ثقفی تغیر کا شکار ہو گئے تو لوگوں کو ان سے روایت لینے سے روک دیا گیا۔''

لیکن کڑوا سچ یہ ہے کہ ابو داود سے یہ بات جس سند سے منقول ہے، وہ سند ثابت ہی نہیں، کیوں کہ امام عقیلی نے اسے اپنے استاذ ''الحسین بن عبد اللہ الذارع'' کے واسطے سے نقل کیا ہے اور ان کی توثیق کہیں نہیں ملتی، لہٰذا یہ اصل قول ثابت ہی نہیں۔ معلوم ہوا کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے جس بنیاد پر مذکورہ بات کہی ہے، وہ بنیاد ہی ثابت نہیں، اس لیے اصل بنیاد منہدم ہونے کے سبب امام ذہبی کا قول بھی غیر معتبر ہو گیا، چناں چہ خود حافظ زبیر علی زئی صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''حافظ ذہبی نے بھی عمرو بن یحییٰ کو ابن معین کی طرف منسوب غیر ثابت جرح کی وجہ سے "ديوان الضعفاء والمتروكين" (٢/ ٢١٢، رقم: ٩٢٢٣) وغیرہ میں ذکر کیا ہے اور اصل بنیاد منہدم ہونے کی وجہ سے یہ جرح بھی منہدم ہے۔''[1]

عرض ہے کہ جناب آپ یہاں اپنا یہ اصول کیوں بھول گئے؟ یہاں بھی تو حافظ ذہبی نے ابو داود کی طرف منسوب غیر ثابت قول کی بنیاد پر عبدالوہاب کے اختلاط سے متعلق مذکورہ بات کہی ہے اور اصل بنیاد منہدم ہونے کے سبب حافظ ذہبی کی یہ بات بھی منہدم ہے۔

یہ تو اختلاط کے پہلے جواب کا حشر ہوا، دوسرے جواب کی حالت بھی اس سے بہتر نہیں ہے۔ حافظ زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''عبدالوہاب ثقفی رحمہ اللہ سے یہ حدیث امام محمد بن بشار رحمہ اللہ نے بیان کی ہے اور ابن بشار کی ثقفی سے روایات "صحيح البخاري" (٣٧٧١، ٩٧٢، ٢٠٩٧، ٢١٦٢، ٢٦٣٤) اور "صحيح مسلم" (١٢٠٨، ٢٩٠٥، ٢٥١٥، ٣٤٢٣) وغیرہما میں موجود ہیں۔''[2]

ابن الصلاح نے فرمایا:

"واعلم أن من كان من هذا القبيل محتجا بروايته في الصحيحين أو أحدهما فإنا نعرف على الجملة أن ذلك مما تميز و كان مأخوذًا عنه

---

[1] ماہنامہ ''الحدیث'' (شمارہ: ٩٥، ص: ٨٢) نیز دیکھیں: علمی مقالات (٤/ ٥٥٣)

[2] نیز دیکھیں: الکواکب النیرات (ص: ٣١٩)

قبل الاختلاط، والله أعلم" (مقدمة ابن الصلاح، ص: ٤٦٦ نوع: ٦٢)

''اور جان لے کہ اس قسم کے جن راویوں سے صحیحین یا صحیحین کی کسی ایک کتاب میں بطورِ حجت روایت لی گئی ہے تو ہم عمومی طور پر یہ جانتے ہیں کہ ان روایتوں کو علاحدہ کر دیا گیا ہے اور یہ اس راوی کے اختلاط سے پہلے کی ہیں، واللہ اعلم۔''

''اس سے معلوم ہوا کہ جس مختلط راوی سے صحیحین میں روایت بطورِ استدلال موجود ہو تو یہ اس کے اختلاط سے پہلے کی ہوتی ہے اِلا یہ کہ کسی خاص راوی کے بارے میں کوئی خاص دلیل ثابت ہو جائے تو اسے مستثنیٰ کر دیا جائے گا، چوں کہ یہاں مقابلے میں کوئی خاص دلیل موجود نہیں، لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ حدیث امام عبدالوہاب ثقفی کے اختلاط سے پہلے کی ہے۔''[1]

عرض ہے کہ زبیر علی زئی صاحب نے یہاں پر امام ابن صلاح کی اندھی تقلید کی ہے، کیوں کہ ابن صلاح رحمہ اللہ نے محض حسنِ ظن کی بنیاد پر ایسا کہا ہے، جیسا کہ بعض اہلِ علم نے صراحت کی ہے۔[2] تحقیق کی روشنی میں حقیقت یہ سامنے آتی ہے کہ صحیح بخاری میں مختلطین کی وہ روایات بھی ہیں، جنھیں ان کے شاگردوں نے اختلاط کے بعد بیان کیا ہے، چناں چہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) نے کہا:

"وأما ما أخرجه البخاري من حديثه عن قتادة فأكثره من رواية من سمع منه قبل الاختلاط وأخرج عمن سمع منه بعد الاختلاط قليلا كمحمد بن عبد الله الأنصاري وروح بن عبادة و ابن أبي عدى فإذا أخرج من حديث هؤلاء انتقى منه ما توافقوا عليه"[3]

''امام بخاری رحمہ اللہ نے قتادہ کے طریق سے ان کی جو روایات لی ہیں تو ان میں اکثر وہ روایات ہیں، جنھیں ان کے ان شاگردوں نے نقل کیا ہے، جنھوں نے ان کے اختلاط سے پہلے سنا ہے اور جن لوگوں نے اختلاط کے بعد سنا ہے، ان کی بھی کچھ روایات امام

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا یزید... (ص: ۸) مقالات (۶/ ۳۶۳۔۳۶۴)
[2] التقييد والإيضاح شرح مقدمة ابن الصلاح (ص: ٤٤٢)
[3] فتح الباري لابن حجر (١/ ٤٠٦)

بخاری نے نقل کی ہیں، مثلاً محمد بن عبداللہ انصاری، روح بن عبادہ اور ابن ابی عدی، لیکن جب امام بخاری رحمہ اللہ ان لوگوں کی کوئی حدیث نقل کرتے ہیں تو وہی روایات منتخب کرتے ہیں، جن کی سب موافقت کرتے ہیں۔''

امام سخاوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۰۲ھ) نے کہا:

''وما يقع في الصحيحين أو أحدهما من التخريج لمن وصف بالاختلاط من طريق من لم يسمع منه إلا بعده، فإنا نعرف على الجملة أن ذلك مما ثبت عند المخرج أنه من قديم حديثه''[1]

''صحیحین یا ان میں سے کسی ایک میں جو ایسے مختلط رواۃ کی احادیث ملتی ہیں، جن سے اختلاط کے بعد ہی سنا گیا ہے تو عمومی طور پر ہم یہی جانتے ہیں کہ صاحبِ صحیح کی نظر میں یہ ان کی قدیم احادیث ہیں۔''

''الكواكب النيرات'' کے محقق لکھتے ہیں:

''وهذ الذي ذكروه من أن كل من روى عن المختلط وأخرج بطريقه صاحبا الصحيح و أحدهما فهو ممن سمع منه قبل الاختلاط خلاف الواقع و مخالف لما صرح به أئمة الحديث''[2]

''لوگوں نے جو یہ بیان کیا ہے کہ صحیحین کے مصنفین یا ان میں سے کسی ایک نے مختلط یا اس کے طریق سے جو بھی روایت نقل کی ہے، وہ ان کے اختلاط سے پہلے سنی گئی ہے۔ یہ بات حقیقت کے برعکس اور ائمہ حدیث کی تصریحات کے خلاف ہے۔''

پھر چند مثالیں پیش کرکے آگے لکھتے ہیں:

''والحقيقة أن صاحبي الصحيحين أخرجا كثيرا عن المختلطين بوساطة من سمعوا منهم بعد الاختلاط، والذي يحكم به في هذا البحث هو أن صاحبي الصحيحين لما يخرجان عن المختلطين بطريق من سمع منهم بعد الاختلاط إنما ينتقيان من حديثهم ولا يخرجان

[1] فتح المغيث بشرح ألفية الحديث (٤/ ٣٦٧)

[2] مقدمةالكواكب النيرات لابن الكيال (ص: ١٣)

جميع أحاديثهم"[1]

''حقیقت یہ ہے کہ صحیحین کے مصنفین نے مختلطین کی بہت سی ایسی روایات نقل کی ہیں، جنھیں ان کے شاگردوں نے اختلاط کے بعد سنا ہے اور اس سلسلے میں صحیح بات یہ ہے کہ صحیحین کے مصنفین جب مختلطین کی روایات ان شاگردوں سے نقل کرتے ہیں، جنھوں نے اختلاط کے بعد سنا ہے تو ان میں ثابت شدہ روایات ہی کا انتخاب کرتے ہیں اور اس طرح کی تمام احادیث روایت نہیں کرتے۔''

اس رسالے کے محقق کا بھی یہی موقف ہے۔ معلوم ہوا کہ امام ابن صلاح رحمہ اللہ کا بیان ثابت شدہ حقائق کے خلاف ہے، اس لیے اس سے حجت پکڑنا جانتے بوجھتے ہوئے بھی بے دلیل بات کی پیروی کرنا ہے اور اسی چیز کا نام ''اندھی تقلید'' ہے۔ ہمارے نزدیک اس سلسلے میں راجح بات یہی ہے کہ صحیحین کے مصنفین مختلط کی اختلاط سے پہلے بیان کردہ احادیث کے ساتھ ساتھ اختلاط کے بعد بیان کردہ احادیث بھی درج کرتے ہیں، لیکن اس دوسری صورت میں ثابت احادیث کا انتخاب کر کے ہی درج کرتے ہیں اور عبدالوہاب پر کی گئی جرحِ اختلاط سے متعلق عرض ہے کہ چونکہ اہلِ فن نے اختلاط کی جرح کے ساتھ ساتھ یہ بھی صراحت کر دی ہے کہ یہ معاملہ ان کی زندگی کے آخری ایام کا تھا۔ علاوہ بریں کسی بھی محدث نے ان کے اختلاط کو بنیاد بنا کر کسی روایت کو ضعیف نہیں کہا ہے، اس لیے عمومی طور پر ان کی بیان کردہ مرویات کے بارے میں یہی فیصلہ ہوگا کہ وہ ان کے اختلاط سے متاثر نہیں ہیں۔ واللہ أعلم.

تیسری غلط فہمی:

ہم نے قرائن کی روشنی میں زیادتِ ثقہ کو رد کرنے کی بات کہی تھی، علی الاطلاق زیادتِ ثقہ کا انکار نہیں کیا تھا، لیکن زبیر علی زئی صاحب یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم زیادتِ ثقہ کے قائل ہی نہیں، اس لیے موصوف نے ثقہ کی زیادتی سے متعلق بڑی تفصیلی بات صفحہ (۹) سے لے کر صفحہ (۲۳) تک پیش کی۔ حالاں کہ اس لمبی چوڑی تقریر کی قطعاً کوئی ضرورت نہ تھی، کیوں کہ علی الاطلاق ہم نے اس کا انکار

---

[1] مقدمة الكواكب النيرات لابن الكيال (ص: ١٤) نیز دیکھیں: موقف النقاد من حديث من اختلط وله رواية في الصحيحين.

نہیں کیا، بلکہ قرائن کی روشنی میں زیادتِ ثقہ کو رد کرنے کی بات کہی ہے، اس لیے بحث اسی نکتے پر ہونی چاہیے تھی کہ زیرِنظر روایت میں زیادتِ ثقہ سے متعلق قرائن کیا کہتے ہیں؟ آیا اس روایت میں زیادتِ ثقہ قابلِ قبول ہے یا قابل رد؟ اس سے ہٹ کر یہ کہنا کہ دس مقامات یا اس سے زائد مقامات پر ثقہ کی زیادتی قبول کی گئی ہے، غیر ضروری ہے، ورنہ ہم بیس مقامات بلکہ اس سے بھی زائد مقامات دکھا سکتے ہیں، جہاں ثقہ کی زیادتی مردود قرار دی گئی ہے، لہٰذا یہ پوری تفصیل ہمارے اصل نکتے سے غیر متعلق ہے۔

جذباتی دلائل پر تبصرہ:

زبیر علی زئی صاحب کو اچھی طرح معلوم تھا کہ ان کے دلائل تارِ عنکبوت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے، اس لیے موصوف نے اپنے دلائل کی کمزوری کو اپنے زہد وتقوے کے لباس میں چھپا کر اور جذباتی ڈائیلاگ بول کر بھولے بھالے لوگوں کو متاثر کرنے کی کوشش کی ہے۔

چناں چہ موصوف لکھتے ہیں:

''ہم جب کسی راوی کو ثقہ و صدوق حسن الحدیث یا حدیث کو صحیح وحسن لذاتہ قرار دیتے ہیں تو اصول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، تناقض و تعارض سے ہمیشہ بچتے ہوئے، غیر جانبداری سے اور صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے راوی کو ثقہ و صدوق حسن الحدیث اور حدیث کو صحیح وحسن قرار دیتے ہیں۔ ایک دن مرکر اللہ کے دربار میں ضرور بالضرور اور یقیناً پیش ہونا ہے۔ یہ نہیں کہ اپنی مرضی کی روایت کو صحیح وثابت کہہ دیں اور دوسری جگہ اسی کو ضعیف کہتے پھریں۔ یہ کام تو آلِ تقلید کا ہے!''[1]

عرض ہے کہ علمی دنیا میں اس طرح کے زہد وتقوے کی دہائی کوئی نہیں سنتا ہے، بالخصوص علمِ حدیث میں تو زاہدوں نے جو گل کھلائے ہیں، وہ سب کو معلوم ہیں۔ اس لیے اس فن میں کسی کا زہد یا کسی کا تقویٰ چنداں سود مند نہیں ہوسکتا۔ یہاں اگر دلیل ہے تو شیطان کی بات بھی قبول اور اگر دلیل نہیں ہے تو زہد وتقوے کی چٹان بھی بات کو مردود ہونے سے نہیں بچا سکتی۔ اس لیے آں جناب صرف دلائل ہی پر اکتفا کریں اور اپنے زہد وتقوے اور فکرِ آخرت کو اپنے اور اللہ کے درمیان

---

[1] رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا یزید... (ص: ۲۲) مقالات (۶/ ۳۷۷)

ہی رہنے دیں، وہی سب کے زہد وتقوے اور فکرِ آخرت سے بہ خوبی آگاہ ہے۔

موصوف آگے جذباتی ڈائیلاگ بولتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''اگر کوئی شخص میری کسی تحقیق یا عبارت میں سے تضاد و تعارض ثابت کر دے تو اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ علانیہ رجوع کروں گا، توبہ کروں گا اور جو بات حق ہے، برملا اس کا اعلان کروں گا۔ لوگ ناراض ہوتے ہیں تو ہوتے رہیں، بس اگر اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے تو اسی میں دونوں جہانوں کی کامیابی ہے۔ اے اللہ! میری ساری خطائیں معاف کر دے۔ آمین۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم اور مسلکِ حق، مسلکِ اہلِ حدیث کے لیے میری جان بھی حاضر ہے۔ یہ باتیں جذباتی نہیں، بلکہ میرے ایمان کا مسئلہ ہے۔''[1]

عرض ہے کہ آج کل گلی گلی اور محلّہ محلّہ اہلِ حدیث کا بچہ بچہ اس طرح کا ڈائیلاگ بولتا ہے، بلکہ کون سا فرقہ اور کون سا گروہ ہے جو اس طرح کے دعوے نہیں کرتا، لیکن علمی دنیا میں اس طرح کے دعوے اور جذباتی ڈائیلاگ سے نادان لوگ ہی مرعوب ہوسکتے ہیں، اہلِ ذوق حضرات بحث و مباحثہ میں صرف دلائل دیکھا کرتے ہیں۔

خلاصہ بحث:

گذشتہ سطور میں پیش کردہ تفصیلات سے یہ بات اظہر من الشّمس ہوگئی کہ زیادتِ ثقہ سے متعلق محدثین کا موقف یہی ہے کہ نہ ہر جگہ ثقہ کی زیادتی قبول کی جائے گی اور نہ ہر جگہ ثقہ کی زیادتی رد کی جائے گی، بلکہ ایسے مقامات پر قرائن دیکھ کر قبول یا رد کا فیصلہ کیا جائے گا۔ یزید سے متعلق زیرِ بحث روایت میں عبدالوہاب ثقفی نے سند میں ایک راوی کا اضافہ کرکے جو زیادتی کی ہے، اس سے متعلق قرائن یہی کہتے ہیں کہ اسے رد کر دیا جائے، ان قرائن کو ہم نے زبیر علی زئی کے تعاقب میں تیسری تحریر میں پیش کیا ہے۔[2] اس لیے ہمارے نزدیک زیرِ بحث روایت کی سند میں عبدالوہاب ثقفی کی طرف سے ایک راوی کا اضافہ غلط ہے اور اصلاً یہ روایت منقطع ہے، اس لیے مردود بلکہ متن کو دیکھتے ہوئے موضوع اور من گھڑت ہے۔

---

[1] رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا یزید... (ص: ۲۲) مقالات (۶/ ۳۷۷۔ ۳۷۸)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۱۳۸۔ ۱۴۵) دیکھیں۔

واضح رہے کہ اس روایت کے علاوہ دیگر روایات میں بھی عبدالوہاب کو اپنے سے اوپر سند بیان کرنے میں اشتباہ ہوا ہے اور ان کے حافظے نے کوتاہی کی ہے، مثلاً ایک روایت کو بیان کرتے وقت انھوں نے اپنے استاذ کا حوالہ دیتے ہوئے کبھی ''ہشام'' کہا اور کبھی کہا: ''حدثنا بعض مشیختنا هشام أو غیره'' اور کبھی کہا: ''حدثنا بعض مشیختنا، حدثنا هشام أو غیره''[1]

اس مثال میں بھی عبدالوہاب ثقفی کو اپنے استاذ کا حوالہ دینے میں اشتباہ ہوا ہے اور حافظ زبیر علی زئی نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔[2]

بطورِ فائدہ عرض ہے کہ عبدالوہاب ثقفی پر ہی کیا موقوف ہے، کبھی کبھی بڑے بڑے محدثین سے بھی اپنے استاذ کا حوالہ دینے میں وہم ہو جاتا ہے اور انھیں یاد نہیں رہ جاتا کہ انھوں نے روایت کو براہِ راست اپنے فلاں استاذ ہی سے سنا ہے یا کسی اور واسطے سے سنا ہے۔ مثلاً امام عبدالرحمان بن مہدی رحمہ اللہ بڑے پائے کے اور عظیم محدث ہیں، لیکن ایک روایت بیان کرتے وقت انھیں بھی اپنے استاذ کا حوالہ دیتے وقت اشتباہ ہوا ہے۔ چناں چہ امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۷) نے کہا:

''حَدثنا عَبد الرَّحمَن، حَدثنا صالح بن أَحمد، حَدثنا على، يعَنى ابن المدينى، قال: سَمعتُ عَبد الرَّحمَن، يعَنى ابن مَهدي، قال: سَمعتُ شُعبة، أَو حَدثني رجل عَن شُعبة أَنه قال: كل شيئ حدثتكم به فذلك الرجل حَدثني به أَنه سمعه من فُلان إِلا شيئًا أبينه لكم.''[3]

غور فرمائیں کہ امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ فرما رہے ہیں کہ میں نے شعبہ سے سنا یا کسی شخص نے مجھے ان کے واسطے سے بیان کیا۔

معلوم ہوا کہ جب امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ جیسے عظیم محدث کو اپنے استاذ کا حوالہ دینے میں وہم ہوسکتا ہے تو عبدالوہاب ثقفی جیسے ثقہ متکلم فیہ کو وہم کیوں نہیں ہوسکتا؟

نیز یہاں یہ چیز بھی قابلِ غور ہے کہ امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ اپنی روایت کے لیے دو میں سے کوئی ایک ماخذ بتا رہے ہیں اور دونوں میں سماع یا تحدیث کی صراحت کر رہے ہیں۔ یہ بھی

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: جامع العلوم والحكم. ت: الأرناؤوط (۲/ ۳۹۳)

[2] دیکھیں: ماہنامہ ''الحدیث'' (شمارہ: ۵۴، ص: ۷)

[3] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم، ت المعلمي (۱/ ۱۷۳) و إسناده صحيح إلى ابن مهدي.

اس بات کی دلیل ہے کہ ہر جگہ سماع وتحدیث اتصال کی دلیل نہیں، بلکہ کبھی کبھار وہم کے نتیجے میں بھی سماع یا تحدیث کی صراحت ہو جاتی ہے۔

واضح رہے کہ یہاں پر امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ نے تو کمال احتیاط سے کام لیتے ہوئے اپنے وہم کا خود احساس کر لیا اور اس کی وضاحت بھی کر دی، لیکن کسی اور راوی کے ساتھ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے اپنے وہم کا احساس ہی نہ ہو اور سماع یا تحدیث کی صراحت کے ساتھ نادانستہ طور پر اپنے استاذ کا حوالہ دینے میں غلطی کر جائے۔ ٹھیک یہی معاملہ عبدالوہاب ثقفی کے ساتھ زیرِ بحث روایت میں ہوا، جیسا کہ قرائن اس پر دلالت کرتے ہیں، جن کی تفصیل گزر چکی ہے۔

زیر بحث حدیث کے من گھڑت ہونے پر دو مزید شہادتیں

پہلی شہادت:

موضوع اور من گھڑت روایات میں یزید پر تبدیلِ سنت یا تبدیلِ دین کا جو الزام لگایا گیا ہے، اس بارے یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ تاریخ کے پورے ذخیرے میں ایک بھی ایسی روایت سرے سے ملتی ہی نہیں ہے کہ یزید بن معاویہ نے کوئی سنت تبدیل کی ہو یا دین کے کسی حکم کو بدلا ہو، حتی کہ کسی موضوع اور من گھڑت روایت میں بھی اس بات کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔

دوسری طرف اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ خلفا تک دین کی سلامتی اور اس کے قیام کی شہادت دی ہے، چناں چہ صحیح مسلم کی حدیث میں جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

”لَا يَزَالُ هَذَا الدِّينُ عَزِيزًا مَنِيعًا إِلَى اثْنَيْ عَشَرَ خَلِيفَةً، فَقَالَ كَلِمَةً صَمَّنِيهَا النَّاسُ، فَقُلْتُ لِأَبِي: مَا قَالَ؟ قَالَ: كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ“[1]

”دین ہمیشہ بارہ خلفا کے پورا ہونے تک غالب و بلند رہے گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کلمہ ارشاد فرمایا، لیکن لوگوں نے مجھے سننے نہ دیا تو میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ تو انھوں نے کہا: سب خلفا قریش کے خاندان سے ہوں گے۔“

---

[1] صحيح مسلم (٣/ ١٤٥٣)

اس حدیث میں بارہ خلفا تک دین کی سلامتی اور اس کے قیام کی بات کہی گئی ہے اور یزید بن معاویہ چھٹے نمبر پر خلیفہ تھے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یزید کو چھٹا خلیفہ بتایا ہے اور اس حدیث میں مذکور تعداد میں انھیں بھی شمار کیا ہے۔[1] اسی طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی یزید کو چھٹا خلیفہ بتایا ہے اور اس حدیث میں مذکور تعداد میں انھیں بھی شمار کیا ہے۔[2]

اب غور کیجیے کہ جب صحیح مسلم کی حدیث سے ثابت ہوگیا کہ بارہ خلفا تک دین سلامت و قائم رہے گا اور اس بات کی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی دی ہے تو اب اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ چھٹا خلیفہ سنت کو تبدیل کر دے گا تو ایسے شخص کے جھوٹے اور سبائی ہونے میں کیا شک رہ جاتا ہے؟!

دوسری شہادت:

یزید بن معاویہ کے بارے میں صحیح سند سے حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی محمد بن حنفیہ نے گواہی دی ہے کہ وہ سنت کے پاسدار تھے، چناں چہ کہا:

”قد حضرته، وأقمت عنده، فرأيته مواظبا على الصلاة متحريا للخير، يسأل عن الفقه ملازما للسنة“[3]

”میں اس کے پاس جا چکا ہوں اور اس کے ساتھ قیام کر چکا ہوں، اس دوران میں نے تو اسے نماز کا پابند، خیر کا متلاشی، علمِ دین کا طالب اور سنت کا ہمیشہ پاسدار پایا۔“

اس روایت کا تذکرہ اور اس کی سند کی تحقیق ہم آگے پیش کریں گے۔[4] اس گواہی کے برخلاف کوئی ایک بھی صحیح روایت نہیں ملتی ہے، جس میں کسی معتبر شخص نے یزید کے بارے میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ سنت کو بدلنے والے تھے۔ ثابت ہوا کہ ان پر تبدیلِ سنت کا الزام خالص جھوٹ اور سبائی سازش کا نتیجہ ہے۔

---

[1] دیکھیں: منهاج السنة النبوية (٨/ ٢٣٨)

[2] دیکھیں: فتح الباري لابن حجر (١٣/ ٢١٢)

[3] البداية والنهاية (٨/ ٢٣٣) تاريخ الإسلام للذهبي (٥/ ٢٧٤) نقلا عن المدائني، وإسناده صحيح.

[4] اسی کتاب کا صفحہ (۲۰۴۔۲۳۰) دیکھیں۔

بنو اُمیہ کی مذمت میں دوضعیف روایات

بنو اُمیہ کی مذمت میں سنن ترمذی میں دو روایات ملتی ہیں۔ ذیل میں ان دونوں روایات کی حقیقت ملاحظہ ہو:

پہلی روایت:

امام ترمذی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۷۹ھ) نے کہا:

"حدثنا زيد بن أخزم الطائى حدثنا عبد القاهر بن شعيب حدثنا هشام عن الحسن عن عمران بن حصين قال: مات النبيﷺ وهو يكره ثلاثة أحياء ثقيفا وبني حنيفة وبني أمية، قال: هذا حديث غريب لا نعرفه إلا من هذا الوجه"[1]

"عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس حال میں انتقال فرمایا کہ آپ تین قبیلوں کو نا پسند کرتے تھے: قبیلہ ثقیف، بنی حنیفہ اور بنی امیہ۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث غریب ہے، ہم اسے صرف اسی طریق سے جانتے ہیں۔"

یہ روایت ضعیف ہے، اس میں ہشام بن حسان ہیں، جنھوں نے "عن" سے روایت کیا ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے انھیں تیسرے طبقے کا مدلس بتلایا ہے۔[2] تیسرے طبقے کا مدلس جب "عن" سے روایت کرے تو وہ روایت ضعیف ہوتی ہے۔

دوسری روایت:

امام ترمذی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۷۹ھ) نے کہا:

"حدثنا أحمد بن منيع، قال: حدثنا سريج بن النعمان، قال: حدثنا حشرج بن نباتة، عن سعيد بن جمهان، قال: حدثني سفينة قال: قال رسول اللهﷺ: الخلافة في أمتي ثلاثون سنة، ثم ملك بعد ذلك، ثم قال لي سفينة: أمسك خلافة أبي بكر، وخلافة عمر، وخلافة عثمان، ثم

---

[1] سنن الترمذي. ت: بشار (٦/ ٢١٧) رقم الحديث (٣٩٤٣) و إسناده ضعيف.

[2] طبقات المدلسين لابن حجر ت القريوتي (ص: ٤٧)

قال لي: أمسك خلافة علي قال: فوجدناها ثلاثين سنة. قال سعيد: فقلت له: إن بني أمية يزعمون أن الخلافة فيهم؟ قال: كذبوا بنو الزرقاء بل هم ملوك من شر الملوك"[1]

''صحابی رسول سفینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں تیس سال تک خلافت رہے گی، پھر بادشاہت آ جائے گی۔ سفینہ فرماتے ہیں کہ ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کی خلافت گن لو، یہ پورے تیس سال ہیں۔ سعید نے عرض کی: بنو اُمیہ سمجھتے ہیں کہ خلافت ان میں بھی ہے۔ سیدنا سفینہ نے فرمایا کہ بنو زرقا جھوٹ بولتے ہیں، بلکہ یہ لوگ تو بدترین بادشاہوں میں سے ہیں۔''

سب سے پہلے تو یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ اس روایت میں بنو اُمیہ کی مذمت میں جو الفاظ ہیں، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں ہیں، بلکہ ایک صحابی کی طرف منسوب ہیں، یعنی یہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا اپنا تبصرہ ہے نہ کہ حدیثِ رسول ہے، اس کے بعد عرض ہے:

اولاً: اول تو اس روایت میں جو یہ اضافہ ہے کہ سفینہ رضی اللہ عنہ نے کہا: بنو زرقاء جھوٹ بولتے ہیں، ان کی بادشاہت تو بدترین بادشاہت میں سے ایک بادشاہت ہے۔ اس روایت میں یہ اضافی حصہ ضعیف و غیر ثابت ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کے ابتدائی ٹکڑے کو تو صحیح قرار دیا ہے، مگر اس کے جس طریق میں مذکورہ اضافہ ہے، اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"زاد الترمذي: "قال سعيد: فقلت له: إن بني أمية يزعمون أن الخلافة فيهم، قال: كذبوا بنو الزرقاء، بل هم ملوك من شر الملوك" قلت: وهذه الزيادة تفرد بها حشرج بن نباتة عن سعيد بن جمهان، فهي ضعيفة، لأن حشرجا هذا فيه ضعف، أورده الذهبي في "الضعفاء" وقال: "قال النسائي: ليس بالقوي"، وقال الحافظ في "التقريب": صدوق يهم" قلت: وأما أصل الحديث فثابت"[2]

[1] سنن الترمذي. ت: بشار (٤/ ٨٢) رقم الحديث (٢٢٢٦)

[2] سلسلة الأحاديث الصحيحة وشيئ من فقهها وفوائدها (١/ ٨٢١)

امام ترمذی نے اس روایت میں اضافہ کیا ہے کہ سعید نے کہا: سعید نے عرض کی: بنو اُمیہ سمجھتے ہیں کہ خلافت ان میں بھی ہے، سیدنا سفینہ نے فرمایا کہ بنو زرقاء جھوٹ بولتے ہیں، بلکہ یہ لوگ تو بدترین بادشاہوں میں سے ہیں۔ میں (علامہ البانی) کہتا ہوں کہ اس اضافے کو سعید بن جمہان سے بیان کرنے میں حشرج بن نباتہ منفرد ہے، اس لیے یہ اضافہ ضعیف ہے، کیوں کہ حشرج میں ضعف ہے۔ امام ذہبی نے اسے ضعفا میں ذکر کیا اور کہا کہ امام نسائی نے کہا: یہ قوی نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب میں کہا: یہ صدوق ہے اور وہم کا شکار ہوتا ہے اور (اس حصے کو چھوڑ کر) باقی اصل حدیث ثابت ہے۔''

عرض ہے کہ علامہ البانی رحمہ اللہ کا اس اضافے کو ضعیف قرار دینا مبنی بر انصاف اور اصولِ جرح وتعدیل کے عین موافق ہے۔ جزاہ اللہ خیراً.

ثانیاً: اگر ہم اس اضافی حصے کو صحیح بھی مان لیں تو درج ذیل باتیں قابلِ ملاحظہ ہیں:

ا۔ بنو اُمیہ میں سب سے پہلے بادشاہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں تو کیا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نعوذ باللہ مذکورہ بات کے سب سے پہلے مصداق ہوں گے؟ اگر نہیں تو یزید کو بھی اس بات کا مصداق بنانے کے لیے دلیل درکار ہے۔

ب۔ کبھی کبھار جوش میں اس طرح کی مبالغہ آمیز باتوں کا صدور ہو جاتا ہے، اسے اتنی اہمیت نہیں دینی چاہیے، چناں چہ بخاری ومسلم کی روایت کے مطابق عباس رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کو جھوٹا، ظالم، گناہ گار، دھوکے باز اور خائن قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو: صحیح بخاری کے الفاظ ہیں:

''فَأَذِنَ لَهُمَا، قَالَ العَبَّاس: يَا أَمِيرَ المُؤْمِنِينَ! اِقْضِ بَيْنِي وَبَيْنَ الظَّالِمِ''[1]

''ان حضرات کو بھی اندر بلایا تو عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ امیر المومنین! میرے اور ظالم (علی) کے درمیان فیصلہ کر دیجیے۔''

صحیح مسلم کے الفاظ ہیں:

''ثُمَّ جَاءَ، فَقَالَ: هَلْ لَكَ فِي عَبَّاسٍ وَعَلِيٍّ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَأَذِنَ لَهُمَا، فَقَالَ

[1] صحيح البخاري، كِتَابُ الاِعْتِصَامِ بِالكِتَابِ وَالسُّنَّة، بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّعَمُّقِ وَالتَّنَازُعِ فِي العِلْمِ، وَالغُلُوِّ فِي الدِّينِ وَالبِدَعِ، رقم الحديث (٧٣٠٥)

عَبَّاسٌ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! اِقْضِ بَيْنِي وَبَيْنَ هَذَا الْكَاذِبِ الْآثِمِ الْغَادِرِ الْخَائِنِ، فَقَالَ الْقَوْمُ: أَجَلْ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! فَاقْضِ بَيْنَهُمْ"[1]

''پھر وہ غلام آیا اور عرض کیا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اچھا انھیں بھی اجازت دے دو۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اے امیر المومنین! میرا اور اس (علی) جھوٹے، گناہ گار، دغاباز اور خائن کا فیصلہ کر دیجیے۔ لوگوں نے کہا: ہاں، اے امیر المومنین! ان کے درمیان فیصلہ کر دیں۔''

عرض ہے کہ عباس رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو کچھ کہا، کیا کوئی بھی مسلمان اس پر ایمان لاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ اس طرح کی باتیں جوش کے نتیجے میں بطور مبالغہ صادر ہو جایا کرتی ہیں اور ایسی باتوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔

سنہ ٦٠ھ سے متعلق ایک ضعیف روایت:

امام حاکم رحمہ اللہ نے کہا:

"أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ الْحَمِيدِ الصَّنْعَانِيُّ بِمَكَّةَ -حَرَسَهَا اللَّهُ تَعَالَى- ثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، أَنْبَأَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ، أَنْبَأَ مَعْمَرٌ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه يَرْوِيهِ، قَالَ: وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ عَلَى رَأْسِ السِّتِّينَ، تَصِيرُ الْأَمَانَةُ غَنِيمَةً، وَالصَّدَقَةُ غَرَامَةً، وَالشَّهَادَةُ بِالْمَعْرِفَةِ، وَالْحُكْمُ بِالْهَوَي"[2]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اہلِ عرب کے لیے تباہی ہے اس شر سے جو سنہ ساٹھ کے شروع میں پیش آنے والا ہے، اس وقت امانت کو مالِ غنیمت، صدقے کو تاوان سمجھا جائے گا اور گواہی پہچان کی بنا پر دی جائے گی اور خواہشات کے مطابق فیصلے کیے جائیں گے۔''

تنبیہ بلیغ:

بعض لوگوں نے اس روایت کو مرفوع مان کر ترجمہ کرتے ہوئے اسے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا

[1] صحيح مسلم (٣/ ١٣٧٧) كتاب الجهاد و السير، باب حكم الفيئ، رقم الحديث (١٧٥٧)
[2] المستدرك علىٰ الصحيحين للحاكم (٤/ ٥٣٠)

قول کہہ کر نقل کیا ہے، چناں چہ ایک پوسٹر ''رافضیت، ناصبیت اور یزیدیت کا تحقیقی جائزہ'' کے مرتب نے اس روایت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا:

''ترجمہ صحیح حدیث: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا خود بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ اہلِ عرب کے لیے اس شر کے سبب سے ہلاکت ہوگی، جو ۶۰ والے سال سے شروع ہوگا۔ اس وقت امانت کو مالِ غنیمت اور صدقہ اور زکات کو تاوان سمجھا جائے گا اور خواہشاتِ نفسانی کا حکم مانا جائے گا۔''[1]

حالاں کہ یہ روایت مرفوع نہیں ہے، بلکہ موقوف ہے۔ اصل روایت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بعد اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ نہیں ہے اور مستدرک کے کسی بھی نسخے میں ہمیں اس مقام پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ نہیں ملا، حتی کہ ہم نے امام ذہبی رحمہ اللہ کے اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی ان کی کتاب "التلخيص" اور "المستدرك" دیکھی تو اس میں بھی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ نہیں ملا۔ لہٰذا واضح ہے کہ یہ روایت موقوف ہے۔ محدثِ یمن علامہ مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ نے بھی مستدرک کی تحقیق میں اس روایت کو موقوفاً ہی درج کیا ہے، بلکہ اس روایت پر حاشیہ لگاتے ہوئے لکھا ہے:

"هو موقوف علىٰ أبي هريرة، والموقوف ليس بحجة"[2]

''یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے اور موقوف حجت نہیں ہے۔''

یزید کی مذمت میں یہ روایت بھی پیش کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس میں سن ساٹھ ہجری کا ذکر ہے اور یہی سال خلافتِ یزید کا سال ہے۔ عرض ہے، اگر بالفرض ہم یہ تسلیم کرلیں کہ یہ روایت مرفوع ہے تو اس میں جو سن ۶۰ کا ذکر ہے، اس سے مراد ہجری سال ہو ہی نہیں سکتا، کیوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہجری سال کا رواج نہیں ہوا تھا، اس لیے اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کے ساٹھ سال ہیں اور ہجری سال کے اعتبار سے یہ سن ستر ہجری کا سال ہوگا اور اس سال سے پہلے ہی یزید بن معاویہ وفات پا گئے تھے، اس لیے وہ اس روایت کے مصداق ہو ہی نہیں سکتے۔

---

[1] المستدرك للحاكم (٤/ ٥٣٠) رقم الحديث (٨٤٨٩) دیکھیں: پوسٹر ''رافضیت، ناصبیت اور یزیدیت کا تحقیقی جائزہ'' (ص:۴)

[2] المستدرك علىٰ الصحيحين للحاكم (٤/ ٦٥٣) رقم الحديث (٨٥٥٤)

حدیث کی علتیں:

بہرحال یہ روایت ثابت ہی نہیں ہے، اس لیے اس سے استدلال سرے سے درست ہی نہیں۔

ذیل میں اس روایت کے اندر موجود علتیں ملاحظہ ہوں۔ یہ روایت درج ذیل تین علتوں کی بناپر ضعیف ہے:

پہلی علت:

امام عبدالرزاق آخر عمر میں مختلط ہوگئے تھے، اس لیے آخری دور میں انھوں نے جو روایات بیان کی ہیں، وہ منکر ہیں۔

❁ امام احمد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱ھ) نے کہا:

”لا يعبأ بحديث من سمع منه، وقد ذهب بصره، كان يلقن أحاديث باطلة“[1]

”ان کی بصارت جانے کے بعد ان سے جو احادیث سنی گئی ہیں، ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اس وقت انھیں باطل احادیث کی بھی تلقین کی جاتی تھی۔“

❁ امام ابو زرعہ الدمشقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۸۱ھ) نے کہا:

”أَخْبَرَنِي أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ قَالَ: أَتَيْنَا عَبْدَ الرَّزَّاقِ قَبْلَ الْمِائَتَيْنِ، وَهُوَ صَحِيحُ الْبَصَرِ، وَمَنْ سَمِعَ مِنْهُ بعد ما ذهب بصره فَهُوَ ضَعِيفُ السَّمَاعِ“[2]

”جنھوں نے ان کی بینائی جانے کے بعد ان سے سنا وہ ضعیف السماع ہیں۔“

❁ امام نسائی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۰۳ھ) نے کہا:

”عبد الرَّزَّاق بن همام: فِيهِ نظر، لمن كتب عَنهُ بِأخرَة“[3]

”جن لوگوں نے اخیر میں ان سے احادیث لکھی ہیں، ان سے متعلق ان میں نظر ہے۔“

❁ امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳٦۵ھ) نے کہا:

”لا بأس به إلَّا أنه قد سبق منه أحاديث فِي فضائل أهل البيت و مثالب آخرين مناكير“[4]

---

[1] سؤالات ابن هانئ، رقم الحديث (۲۲۸۵) موسوعة أقوال الإمام أحمد في الجرح والتعديل (٤/ ۳۲۲)

[2] تاريخ أبي زرعة الدمشقي (ص: ٤۵۷)

[3] الضعفاء والمتروكون للنسائي (ص: ٦۹)

[4] الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي (٦/ ۵٤۵)

”آپ میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، لیکن اہلِ بیت کے فضائل اور بعض کی مذمت میں ان سے منکر روایات بیان ہوئی ہیں۔“

❀ امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵ھ) نے کہا:

”يخطىء على معمر في أحاديث لم تكن في الكتاب“[1]

”کتاب سے باہر یہ معمر کی احادیث میں غلطی کرتے تھے۔“

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) نے کہا:

”ثقة حافظ مصنف شهير عمِي في آخر عمره فتغير وكان يتشيع“[2]

”آپ ثقہ، حافظ اور مشہور مصنف ہیں، اخیر میں بصارت چلی گئی، پھر تغیرِ حفظ کا شکار ہوگئے اور ان کے اندر تشیع تھا۔“

معلوم ہوا کہ امام عبدالرزاق اخیر میں مختلط ہوگئے تھے، لہٰذا ان سے جن لوگوں نے اختلاط کے بعد روایت کی ہے، وہ حجت نہیں اور زیرِ تحقیق روایت کو اسحاق الدبری نے روایت کیا اور انھوں امام عبدالرزاق کے اختلاط کے بعد ان سے روایت کی ہے۔

❀ امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۵ھ) نے کہا:

”استصغره عَبد الرَّزَّاق أحضره أبوه عنده، وَهو صغير جدا فكان يقول: قرأنا على عَبد الرَّزَّاق أي قرأ غيره، وحضر صغيرا، وحدث عنه بأحاديث منكرة“[3]

”عبدالرزاق کے پاس یہ بہت کم عمری میں پہنچے تھے، ان کے والد انھیں ان کے پاس لے گئے تھے، اس وقت یہ بہت چھوٹے تھے تو یہ کہتے تھے: ہم نے عبدالرزاق کے سامنے پڑھا۔ مطلب تھا کہ ان کے علاوہ دوسرے لوگوں نے پڑھا اور یہ بہت کم عمری میں عبدالرزاق کے پاس حاضر ہوئے تھے اور انھوں نے عبدالرزاق سے منکر احادیث بیان کی ہیں۔“

❀ امام ابن الصلاح رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۴۳ھ) نے کہا:

---

[1] سؤالات ابن بكير للدارقطني (ص: ٢)

[2] تقريب التهذيب لابن حجر (٢/ ٣٥٤)

[3] الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي (١/ ٥٦٠)

"قَدْ وَجَدْتُ فِيمَا رُوِيَ عَنِ الطَّبَرَانِيِّ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ الدَّبَرِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ أَحَادِيثَ اسْتَنْكَرْتُهَا جِدًّا، فَأَحَلْتُ أَمْرَهَا عَلَى ذَلِكَ، فَإِنَّ سَمَاعَ الدَّبَرِيِّ مِنْهُ مُتَأَخِّرٌ جِدًّا"[1]

''میں نے طبرانی عن اسحاق بن ابراہیم دبری عن عبدالرزاق کے طریق سے مروی کئی احادیث پائیں جن میں مَیں نے شدید نکارت محسوس کی تو میں نے اسے عبدالرزاق کے سوے حفظ ہی کا نتیجہ سمجھا، کیوں کہ دبری کا عبدالرزاق سے سماع بہت بعد میں ہے۔

❁ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) نے کہا:

"ما كان الرجل صاحب حديث، وإنما أسمعه أبوه، واعتنىٰ به، سمع من عبد الرزاق تصانيفه، وهو ابن سبع سنين أو نحوها، لكن روى عن عبد الرزاق أحاديث منكرة"[2]

''یہ شخص حدیث والا نہیں تھا، بلکہ اس کے باپ نے اسے سنایا تھا، اس نے عبدالرزاق سے ان کی تصنیفات کو سنا اور اس وقت یہ کم و بیش سات سال کا تھا، لیکن اس نے عبدالرزاق سے منکر احادیث بھی بیان کی ہیں۔''

❁ علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ورجاله ثقات، لولا أن الصنعاني وهو الدبري سمع من عبد الرزاق في حالة الاختلاط، كما قال ابن الصلاح"[3]

''اس کے رجال ثقہ ہیں، اگر صنعانی یعنی دبری نے عبدالرزاق سے حالتِ اختلاط میں نہ سنا ہوتا، جیسا کہ ابن صلاح نے کہا ہے۔''

❁ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"إن الإسناد الذي ساقه لا تقوم به حجة ؛ لأنه من رواية الدبري عن عبد الرزاق؛ فإن الدبري مع أنه قد تكلم بعضهم فيه؛ فإنه ممن سمع من

---

[1] مقدمة ابن الصلاح (ص: ٣٩٦)

[2] ميزان الاعتدال للذهبي (١/ ١٨١)

[3] سلسلة الأحاديث الضعيفة (٩/ ٣٢٧)

عبد الرزاق بعد اختلاطه"[1]

''جس اسناد کو انھوں نے بیان کیا ہے، اس سے حجت قائم نہیں ہوتی، کیوں کہ اس میں دبری، عبدالرزاق سے روایت کر رہے ہیں اور دبری خود متکلم فیہ ہونے کے ساتھ ساتھ عبدالرزاق سے ان کے اختلاط کے بعد روایت کرتے ہیں۔''

دوسری علت:

عبدالرزاق سے نقل کرنے والے اسحاق بن ابراہیم الدبری خود بھی متکلم فیہ ہیں۔

- امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۵ھ) نے کہا:

"حدث عنه بحديث منكر"[2]

''اس نے امام عبدالرزاق سے منکر حدیث بیان کی ہے۔''

- امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) نے کہا:

"ما كان الرجل صاحب حديث، وإنما أسمعه أبوه، واعتنى به، سمع من عبد الرزاق تصانيفه، وهو ابن سبع سنين أو نحوها، لكن روى عن عبد الرزاق أحاديث منكرة"[3]

''یہ شخص حدیث والا نہیں تھا، بلکہ اس کے باپ نے اسے سنایا تھا، اس نے عبدالرزاق سے ان کی تصنیفات کو سنا اور اس وقت یہ کم وبیش سات سال کا تھا، لیکن اس نے عبدالرزاق سے منکر احادیث بھی بیان کی ہیں۔''

- علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"فيه كلام معروف"[4] ''اس پر جو کلام کیا گیا ہے وہ معروف ہے۔''

- حافظ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

''مصنف کا راوی الدبری ضعیف ومصحف ہے، جیسا کہ سمیع صاحب نے اپنے خط میں

---

[1] سلسلة الأحاديث الضعيفة (١١/ ٥٢١)

[2] الكامل لابن عدي (١/ ٥٦٠)

[3] ميزان الاعتدال للذهبي (١/ ١٨١)

[4] السلسلة الضعيفة (٧/ ١٠٤) رقم الحديث (٣١٠٣) أيضاً: السلسلة الضعيفة، تحت الرقم (٥٧٨٢)

اشارہ لکھا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے "لسان المیزان" (۱/ ۵۳۱۔ ۵۳۲، رقم الحدیث: ۱۰۹۸) اور "مقدمہ ابن الصلاح بحث المختلطین" کا مطالعہ کریں۔"[1]

تیسری علت:

یہ روایت منکر بھی ہے، کیوں کہ یہی روایت دیگر صحیح طرق سے مروی ہے، لیکن اس میں سن ساٹھ سے متعلق کوئی بات نہیں ہے، بلکہ قربِ قیامت کی علامات کا ذکر ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ یہ روایت متعدد علتوں کی بنا پر ضعیف اور مردود ہے۔

[1] قیامِ رمضان (ص: ۴۷)

فصل دوم:

صحیح احادیث سے غلط استدلال

صبیانِ قریش سے متعلق حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ:

صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”هلاك أمتي علىٰ يدي غلمة من قريش. فقال مروان: غلمة؟ قال أبو هريرة: إن شئت أن أسميهم بني فلان، وبني فلان“[1]

”میری امت کی بربادی قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھوں پر ہوگی۔ مروان نے پوچھا: نوجوان لڑکے؟ اس پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں ان کے نام بھی لے لوں کہ وہ بنی فلاں اور بنی فلاں ہوں گے۔“

اس حدیث میں قریش کے چند بچوں کا ذکر ضرور ہے، مگر ان بچوں میں ایک یزید بھی ہوگا، اس بات کا اس حدیث میں کوئی نام و نشان ہی نہیں ہے، معلوم نہیں کس منطق سے اس روایت کو یزید پر فٹ کیا جا رہا ہے؟!

لطف تو یہ ہے کہ یہی روایت صحیح بخاری میں دوسرے مقام پر بھی موجود ہے، وہاں اسی حدیث کے راوی نے ان بچوں کا مصداق ایسے بچوں کو قرار دیا، جو عہدِ یزید کے بعد کے زمانے کے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶ھ) نے کہا:

”حدثنا موسىٰ بن إسماعيل، حدثنا عمرو بن يحيىٰ بن سعيد بن عمرو بن سعيد، قال: أخبرني جدي، قال: كنت جالسا مع أبي هريرة في مسجد النبي صلی اللہ علیہ وسلم بالمدينة، ومعنا مروان، قال أبو هريرة: سمعت

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٦٠٥) ترجمه داود راز.

الصادق المصدوق يقول: هلكة أمتي علىٰ يدي غلمة من قريش. فقال مروان: لعنة اللّٰه عليهم غلمة. فقال أبو هريرة: لو شئت أن أقول: بني فلان، وبني فلان، لفعلت. فكنت أخرج مع جدي إلىٰ بني مروان حين ملكوا بالشام، فإذا رآهم غلمانا أحداثا قال لنا: عسى هؤلاء أن يكونوا منهم؟ قلنا: أنت أعلم"[1]

''عمرو بن یحییٰ بن سعید نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ مجھے میرے دادا سعید نے خبر دی، کہا کہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بیٹھا تھا اور ہمارے ساتھ مروان بھی تھا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے صادق و مصدوق سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی تباہی قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھ سے ہو گی۔ مروان نے اس پر کہا: ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں چاہوں تو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ وہ کس کس خاندان سے ہوں گے۔ پھر جب بنی مروان شام کی حکومت پر قابض ہو گئے تو میں (عمرو بن یحییٰ بن سعید بن عمرو) اپنے دادا (سعید بن عمرو) کے ساتھ ان کی طرف جاتا تھا۔ جب وہاں انھوں (سعید بن عمرو) نے نوجوان لڑکوں کو دیکھا تو کہا کہ شاید یہ انھی میں سے ہوں۔ ہم نے کہا کہ آپ کو زیادہ علم ہے۔''

مسند احمد کی روایت میں ہے:

''فَإِذَا هُمْ يُبَايِعُونَ الصِّبْيَانَ مِنْهُمْ، وَمَنْ يُبَايِعُ لَهُ، وَهُوَ فِي خِرْقَةٍ''[2]

''وہ لوگ بچوں سے بھی بیعت لے رہے تھے اور ایسے بچے سے بھی بیعت لے رہے تھے جو کپڑے میں لپٹا ہوا تھا۔''

اس حدیث میں غور کریں کہ سعید بن عمرو رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کا مصداق یزید کے بجائے دوسرے بچوں کو بتلایا ہے اور یزید کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں کیا ہے اور ان کے پوتے نے بھی

---

[1] صحيح البخاري، كتاب الفتن، باب قول النبي ﷺ: هلاك أمتي على يدي أغيلمة سفهاء، رقم الحديث (٧٠٥٨)

[2] مسند أحمد (١٤/ ٥٨) وإسناده صحيح.

اس موقع پر یزید کا کوئی حوالہ نہ دیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانے تک کسی نے بھی بچوں کی امارت والی حدیث کو یزید پر فٹ ہی نہیں کیا تھا۔

اہلِ علم میں یہ بات معروف ہے کہ راوی اپنی روایت کا مفہوم دوسروں سے بہتر سمجھتا ہے، مگر کیا کیا جائے کہ آج ایسے ذہین وفطین لوگ پیدا ہوگئے ہیں، جو نہ صرف راویِ حدیث کی فہم بلکہ سلف صالحین کے متفقہ فہم کو بھی چیلنج کر رہے ہیں۔ یاد رہے کہ سلف صالحین میں سے کسی ایک نے بھی اس حدیث کو یزید پر فٹ نہیں کیا، بلکہ دوسروں پر فٹ کیا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں دوسرے مقام پر موجود اس روایت میں مذکور ہے۔

اب قارئین کو اس بات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ یہی روایت صحیح بخاری میں دوسرے مقام پر مفہوم کی وضاحت کے ساتھ بھی موجود ہے تو اسے نظر انداز کر کے دوسرے مقام کی مختصر روایت ہی کو کیوں پیش کیا جاتا ہے؟!

مقصد ظاہر ہے، تاکہ اس طرح لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ ہم نے جو مفہوم لیا ہے، راوی حدیث کی طرف سے لیے گئے مفہوم کے خلاف ہے، بلکہ خیرالقرون کے تمام اہلِ علم کے فہم کے خلاف ہے، کیوں کہ یزید بن معاویہ کے دور میں کسی بھی صاحبِ علم سے یہ منقول نہیں کہ اس نے اس حدیث سے یہ مفہوم مراد لیا ہو۔ حتی کہ آگے چل کر جب اہلِ مدینہ کے بعض لوگوں نے یزید کی بیعت توڑی تو انھوں نے بھی یزید کے خلاف اس روایت کو پیش نہیں کیا۔ نیز یہ نو مولود مفہوم حقائق کے بھی خلاف ہے، کیوں کہ یزید بن معاویہ امارت سنبھالتے وقت بچے تھے ہی نہیں۔

☆☆☆

٦٠ سال بعد فتنے سے متعلق حدیث ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱ھ) نے کہا:

”حدثنا أبو عبد الرحمن، حدثنا حيوة، أخبرني بشير بن أبي عمرو الخولاني أن الوليد بن قيس، حدثه أنه سمع أبا سعيد الخدري، يقول: سمعت رسول الله ﷺ يقول: يكون خلف من بعد ستين سنة ﴿أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾، ثم يكون خلف يقرؤون القرآن، لا يعدو تراقيهم، ويقرأ القرآن ثلاثة: مؤمن، ومنافق، وفاجر. قال بشير: فقلت للوليد: ما هؤلاء الثلاثة؟ فقال: المنافق كافر به، والفاجر يتأكل به، والمؤمن يؤمن به“[1]

”صحابی رسول ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ساٹھ (٦٠) سال کے بعد ایسے ناخلف ہوں گے جو نماز ضائع کریں گے اور شہوات کی پیروی کریں گے، یہ عن قریب جہنم کے گڑھے میں جائیں گے۔ پھر اس کے بعد ایسے ناخلف ہوں گے، جو قرآن تو پڑھیں گے، مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور قرآن کو پڑھنے والے تین لوگ ہوں گے: مومن، منافق اور فاجر۔ راویِ حدیث بشیر کہتے ہیں کہ میں نے (اپنے شیخ) ولید سے پوچھا: یہ تین لوگ کیسے ہوں گے؟ تو انھوں نے جواب دیا: منافق قرآن کا انکار کرے گا، فاجر اس کے ذریعے کھائے گا اور مومن اس پر ایمان لائے گا۔“

اس روایت کو بھی یزید پر فٹ کیا جاتا ہے، اس حوالے سے عرض ہے:

اولاً: اس پوری روایت میں کہیں بھی یزید کا نام ونشان نہیں ہے، پھر اس روایت سے یزید کیسے مراد

[1] مسند أحمد (٣/ ٣٨) و إسناده صحيح. ط الميمنية.

ہوسکتے ہیں؟ نیز اس روایت میں کسی ایک خاص شخص نہیں، بلکہ کئی سارے لوگوں کی یہ علامت بتائی گی ہے، لیکن ان میں سے کسی خاص شخص کا نام بھی نہیں لیا گیا ہے۔ پھر یہ کس نے بتا دیا کہ یزید بھی ان لوگوں میں سے ایک ہے؟

ثانیاً: اس حدیث میں جن لوگوں کا ذکر ہے، ان کے تارکِ صلاۃ ہونے کی بھی بات مذکور ہے، لیکن یزید بن معاویہ کے بارے میں صحیح شہادت موجود ہے کہ وہ نماز کے پابند تھے، جیسا کہ حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی محمد بن حنفیہ نے اپنی چشم دید گواہی پیش کی ہے یہ بات صحیح سند کے ساتھ اپنے مقام پر آرہی ہے۔[1] اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان لوگوں سے کوئی بھی مراد ہو، لیکن یزید مراد نہیں ہوسکتے۔

ثالثاً: اس حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ساٹھ (٦٠) سال بعد کی صورتِ حال بتلائی ہے اور ساٹھ (٦٠) سال بعد سے ہجری سال مراد نہیں ہے، کیوں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہجری سال کا رواج ہی نہیں تھا، اس لیے ساٹھ (٦٠) سال بعد سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ساٹھ (٦٠) سال مراد ہیں اور ہجری سال کے اعتبار سے یہ سن ستر (٧٠) ہجری کے بعد کا دور ہے اور یزید بن معاویہ اس دور سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے، اس لیے وہ اس حدیث کے مصداق کسی صورت میں بھی نہیں ہوسکتے۔

***

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (٢٠٤۔٢٣٠٧) دیکھیں۔

سن ستر (۷۰) سے پناہ مانگنے کا حکم

اور

امارتِ یزید بن معاویہ

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۵ھ) نے کہا:

”حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ كَامِلٍ أَبِي الْعَلَاءِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: تَعَوَّذُوا بِاللّٰهِ مِنْ رَأْسِ السَّبْعِينَ وَمِنْ إِمْرَةِ الصِّبْيَانِ“[1]

”صحابی رسول ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: سن ستر (۷۰) کے اوائل سے اللہ کی پناہ طلب کرو اور بچوں کی امارت سے پناہ طلب کرو۔“

رجالِ سند کا تعارف:

یہ روایت مرفوع ہے، یعنی فرمان رسول ہے اور بالکل صحیح ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ”الصحیحة“ (رقم الحدیث: ۳۱۹۱) میں صحیح قرار دیا ہے، اس کی سند کے رجال کا تعارف ملاحظہ ہو:

ابو صالح مینا مولی ضباعة بنت الزبیر:

❁ امام علی بن المدینی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۴ھ) نے کہا:

[1] مصنف ابن أبي شيبة (١٥/ ٤٩) و إسناده صحيح، و من طريق وكيع أخرجه أحمد في مسنده (١٥/ ٤٨٦) و أخرجه أيضا البزار (١٦/ ٢٤٩) و ابن عدي في الكامل (٦/ ٢١٠١) و أبو أحمد الحاكم في الأسامي والكنىٰ (٥/ ١٦٩) و أبو يعلى، كما في البداية والنهاية (١١/ ٦٤٧) كلهم من طريق كامل به، و أخرجه أيضا أحمد بن منيع في مسنده. قال البوصيرى في إتحاف الخيرة المهرة (٨/ ٤١): رواه أحمد بن منيع، ورواته ثقات. والحديث صححه الألباني في الصحيحة، رقم الحديث (٣١٩١)

"كَانَ ثَبتًا، وَكَانَ من التَّابِعين"[1] ''آپ ثبت تھے اور تابعین میں سے تھے۔''

❁ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) نے کہا:

"فأما: أبو صالح السمان الزيات وأبو صالح الحنفي وأبو صالح، مولى ضباعة من تابعى الكوفة. فهؤلاء ثقات..."[2]

''رہے ابو صالح سمان زیات، ابو صالح حنفی اور ابو صالح مولی ضباعہ تو یہ سب ثقہ تھے...''

❁ امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴ھ) نے اسے ثقات میں نقل کرتے ہوئے کہا:

"ميناء أبو صالح مولى ضباعة بنت الزبير يروي عن أبي هريرة، روى عنه كامل أبو العلاء"[3]

❁ امام بوصیری رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۴۰ھ) نے کہا:

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: "تَعَوَّذُوا بالله من رأس السبعين ومن إمارة الصبيان"، رَوَاهُ أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، وَرُوَاتُهُ ثِقَاتٌ، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو يَعْلَى إلا أنه قال: "تعوذوا بالله من سنة سبعين"[4]

''صحابی رسول ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''سن ستر (۷۰) کے اوائل سے اللہ کی پناہ طلب کرو اور بچوں کی امارت سے پناہ طلب کرو۔'' اسے احمد بن منیع نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے بھی اسے روایت کیا ہے اور ابو یعلی نے بھی روایت کیا ہے، مگر انھوں نے کہا: ''سن ستر (۷۰) سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔''

اتنے سارے محدثین کی توثیق کے بعد بھی مسند احمد کی تحقیق میں شیخ شعیب الارناؤط اور ان کے رفقا نے اس راوی کو مجہول کہہ دیا[5] اور یزید کے مخالفین آنکھ بند کر کے ان کے مقلد بنے بیٹھے ہیں۔

---

[1] سؤالات ابن أبي شيبة لابن المديني (ص: ۱۰۷)

[2] ميزان الاعتدال للذهبي (٤/ ٥٣٩)

[3] الثقات لابن حبان (٥/ ٤٥٥)

[4] إتحاف الخيرة المهرة للبوصيري (٨/ ٤١)

[5] مسند أحمد ط الرسالة (١٤/ ٦٨)

تنبیہ:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا:

"أبو صالح مولى ضباعة لين الحديث، من الثالثة"[1]

عرض ہے کہ راوی مذکور کی تلیین میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ منفرد ہیں، اس سے قبل کسی نے بھی ان پر کلام نہیں کیا، بلکہ متقدمین نے متفقہ طور پر انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ کما مضی. ممکن ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی طرف سے اس راوی کی تلیین سبقتِ قلم کا نتیجہ ہو اور اس راوی کے ترجمہ کے وقت ان کے ذہن میں ''ابو صالح الخوزی'' کا تصور رہا ہو اور حافظ موصوف نے یہاں اسے ہی سمجھ کر اس کی تلیین کر دی ہو، کیوں کہ اس راوی سے ذرا پہلے ابو صالح الخوزی کا ترجمہ موجود ہے، جو اسی طبقے کا ہے اور اس کے بارے میں حافظ موصوف نے کہا:

"أبو صالح الخوزي لين الحديث، من الثالثة"[2]

بہر حال کوئی بھی معاملہ ہو، جمہور اور کبار محدثین نے اس کی توثیق کی ہے۔

کامل بن العلاء ابو العلاء:

یہ راوی بھی جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں، ان پر صرف ابن سعد نے "الطبقات" (٦/ ٣٥٦) اور ابن حبان نے "المجروحين" (٢/ ٢٢٧) میں جرح کی ہے۔ ابن سعد جرح میں منفرد ہوں تو ان کی جرح قبول نہیں ہوتی اور ابن حبان رحمہ اللہ جرح میں متشدد ہیں۔ علاوہ بریں ان دونوں کی جرح جمہور محدثین کے خلاف ہے، اس لیے بہر صورت غیر مسموع ہے، نیز امام مزی رحمہ اللہ نے "تهذيب الكمال" (٢٤/ ١٠١) میں امام نسائی سے بھی جرح نقل کی ہے، لیکن اول تو امام نسائی رحمہ اللہ سے یہ جرح ثابت نہیں، دوم خود امام مزی رحمہ اللہ نے "تهذيب الكمال" (٢٤/ ١٠١) میں امام نسائی رحمہ اللہ سے اس کی توثیق بھی نقل کی ہے۔ بہر حال جمہور محدثین نے اس راوی کو ثقہ کہا ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

❀ امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳ھ) نے کہا:

[1] تقريب التهذيب لابن حجر (١/ ٥٥٥)

[2] تقريب التهذيب لابن حجر (١/ ٥٥٥)

"كامل بن العلاء أبو العلاء ثقة"[1] ''کامل بن العلاء ابو العلاء ثقہ ہیں۔''

❀ امام عجلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۱ھ) نے کہا:

"كامل أبو العلاء، كوفي ثقة"[2] ''کامل ابو العلاء کوفی ثقہ ہیں۔''

❀ امام فسوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷ھ) نے کہا:

"كامل بن العلاء، وهو ثقة"[3] ''کامل بن العلاء ثقہ ہیں۔''

❀ امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۵ھ) نے کہا:

"أرجو أنه لا بأس به"[4] ''مجھے امید ہے کہ ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔''

❀ امام ہیثمی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۰۷ھ) نے کہا:

"كامل بن العلاء وهو ثقة"[5] ''کامل بن العلاء ثقہ ہیں۔''

❀ امام بوصیری رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۴۰ھ) نے کہا:

"وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم: "تَعَوَّذُوا بالله من رأس السبعين، ومن إمارة الصبيان"، رَوَاهُ أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، وَرُوَاتُهُ ثِقَاتٌ، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو يَعْلَى إلا أنه قال: "تعوذوا بالله من **سنة سبعين**"[6]

''صحابی رسول ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سن ستر (۷۰) کے اوائل اور بچوں کی امارت سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔'' اسے احمد بن منیع نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔ ابوبکر بن ابی شیبہ نے بھی اسے روایت کی ہے اور ابو یعلی نے بھی روایت کیا ہے، مگر انھوں نے کہا ہے: ''سن ستر (۷۰) سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔''

---

[1] تاريخ ابن معين (۳/ ۲۷۳)
[2] تاريخ الثقات للعجلي (ص: ۳۹۶)
[3] المعرفة والتاريخ للفسوي (۲/ ۲۳٤)
[4] الكامل لابن عدي (۷/ ۲۲۸)
[5] مجمع الزوائد للهيثمي (۷/ ۱۵)
[6] إتحاف الخيرة المهرة للبوصيري (۸/ ٤۱)

وکیع بن الجراح بن ملیح الرؤاسی:

آپ بخاری ومسلم سمیت کتب ستہ کے رجال میں سے ہیں اور بہت بڑے امام ومحدث و فقیہ ہیں ان کے تعارف کی ضرورت نہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مذکورہ روایت بالکل صحیح ہے۔

مفہوم حدیث:

اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے سن ستر (۷۰) سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اس حدیث میں سن ستر (۷۰) سے کیا مراد ہے؟

ملا علی قاری رحمہ اللہ مشکاۃ کی شرح میں فرماتے ہیں:

"أَيْ مِنْ فِتْنَةٍ تَنْشَأُ فِي ابْتِدَاءِ السَّبْعِينَ مِنْ تَارِيخِ الْهِجْرَةِ، أَوْ وَفَاتِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ" [1]

یعنی ایسے فتنے سے اللہ کی پناہ طلب کرو، جو سنہ ۷۰ ہجری یا آپ ﷺ کی وفات کے ۷۰ سال بعد کے ابتدا میں رونما ہوگا۔

یعنی ملا علی قاری رحمہ اللہ کے بقول اللہ کے نبی ﷺ نے "سبعین" (ستر سال) سے ہجرت کے بعد کے ستر سال کو مراد لیا ہے یا اپنی وفات کے بعد کے ستر سال کو مراد لیا ہے۔

عرض ہے کہ ملا علی قاری نے جو دوسری بات کہی ہے وہی صحیح ہے، یعنی اللہ کے نبی ﷺ کی اس حدیث میں "سبعین" سے ہجری سال مراد لینا قطعاً غلط ہے، کیوں کہ اللہ کے نبی ﷺ کے دور میں ہجری سال کا کوئی تصور ہی نہیں تھا، اس لیے کہ ہجری سال بولنے کا رواج تو خلیفہ دوم عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور سے شروع ہوا ہے[2]۔ لہٰذا یہ بات طے ہوجاتی ہے کہ مذکورہ حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے سن ستر (۷۰) سے اپنی وفات کے بعد کے ستر (۷۰) سال مراد لیے ہیں، کیوں کہ آپ مستقبل کی پیشین گوئی کر رہے ہیں، اس لیے ظاہر ہے کہ آپ ﷺ اپنی وفات کے بعد ہی سے ستر (۷۰) سال مراد لے رہے ہیں۔

یاد رہے کہ مذکورہ حدیث کے راوی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، جنھوں نے آپ ﷺ کی وفات کے تین سال قبل اسلام قبول کیا اور عین ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کو اپنی زندگی کے

---

[1] مرقاۃ المفاتیح (٦/ ٢٤١٨) [2] بخاری رقم (٣٩٣٤)، فتح الباری:٧/٢٦٧،٢٦٨۔

آخری ایام میں مذکورہ حدیث سنائی ہو، ایسی صورت میں اگر مذکورہ حدیث کے صدور کے بعد کے ستر(۷۰) سال مراد لیں، تب بھی بات ایک ہی ہوگی، یعنی آپ ﷺ نے مذکورہ حدیث اپنے سالِ وفات ہی میں ارشاد فرمائی اور وفات رسول کی تاریخ، ہجری سال کے اعتبار سے گیارہ ہجری ہے اور وفاتِ رسول ﷺ کے بعد کے ستر(۷۰) سال بشمول سالِ وفات، ہجری سال کے اعتبار سے اسّی (۸۰) ہجری کا سال ہوگا،، گویا اللہ کے نبی ﷺ نے اس حدیث میں سن اسّی (۸۰) ہجری کے اوائل سے پناہ مانگنے کاحکم دیاہے۔

ایسی صورت میں امیر یزید بن معاویہ اس حدیث کے مصداق ہوہی نہیں سکتے، کیوں کہ یزید بن معاویہ تو اسی (۸۰) ہجری سے ۱۶ سال قبل سن چوسٹھ۶۴ ہجری ہی کو وفات پاگئے اور اگر مذکورہ حدیث میں ''سبعین'' سے مرادسن ستر(۷۰) ہجری ہی لے لیں (جو قطعا غلط ہے) تو بھی امیر یزید کاعہد اس کا مصداق نہیں ہوگا، کیوں کہ امیر یزید بن معاویہ تو (۷۰) ہجری سے ۶ سال قبل ہی سن چوسٹھ۶۴ ہجری میں وفات پاگئے۔

اگرکوئی کہے کہ مذکورہ حدیث میں سبعین سے مراد ستر (۷۰) کی دہائی یعنی پوراعشرہ ہے، یعنی ۶۰ ہجری سےلیکر۷۰ تک کا دور ہےتو عرض ہے کہ مذکورہ حدیث کےکسی بھی طریق میں ''عشر السبعین'' (سترکی دہائی) کا لفظ نہیں ہے، بلکہ ابو یعلی رحمہ اللہ کی روایت میں ''رأس السبعین'' کی جگہ ''سَنَةِ سَبْعِينَ'' ہے، جو اس بات کی زبردست دلیل ہےکہ مذکورہ حدیث میں صرف سن ستر (۷۰) مراد ہے نہ کہ ستر (۷۰) کی دہائی یعنی پوراعشرہ۔

امام بوصیری رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۴۰ھ) نے ابویعلی کے الفاظ کونقل کرتے ہوئے کہا:

''وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ''تَعَوَّذُوا بالله من رأس السبعين ومن إمارة الصبيان''، رَوَاهُ أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، وَرُوَاتُهُ ثِقَاتٌ، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو يَعْلَى إلا أنه قال: ''تعوذوا بالله من **سنة سبعين**''[1]

صحابیِ رسول ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''سن ستر (۷۰)کے اوائل سے اللہ کی پناہ طلب کرو اور بچوں کی امارت سے پناہ طلب کرو۔''

[1] إتحاف الخيرة المهرة للبوصيري (٨/ ٤١)

اسے احمد بن منیع نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے بھی اسے روایت کیا ہے اور ابویعلی نے بھی روایت کیا ہے، مگر انھوں نے کہا: ''سن ستر (۷۰) سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔''

امام ابویعلی رحمہ اللہ کی اس روایت کو مکمل سند کے ساتھ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یوں نقل کیا ہے:

''وَقَالَ الْحَافِظُ أَبُو يَعْلَى: حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، ثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ، ثَنَا كَامِلٌ أَبُو الْعَلَاءِ، سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ، سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ سَنَةِ سَبْعِينَ، وَمِنْ إِمَارَةِ الصِّبْيَانِ''[1]

''صحابی رسول ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''سن ستر (۷۰) کے اوائل سے اللہ کی پناہ طلب کرو اور بچوں کی امارت سے پناہ طلب کرو۔''

یہ سند بالکل صحیح ہے۔ کامل بن العلاء اور ابوصالح کا تعارف اوپر ہو چکا ہے اور زہیر بن حرب اور فضل بن دکین یہ دونوں زبردست ثقہ راوی نیز صحیح بخاری و مسلم کے رجال میں سے ہیں۔

لطف کی بات یہ ہے کہ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ایک موقوف روایت ملتی ہے، جس میں انھوں نے ''رأس الستين'' کے دور سے پناہ مانگی، لیکن اس روایت سے متعلق کوئی نہیں کہتا کہ اس سے مراد ستین (۶۰) کی دہائی یعنی (۶۰) کا پورا عشرہ ہے اور اس میں پچاس (۵۰) سے لے کر ساٹھ (۶۰) سال تک کے دس سال مراد ہیں اور ان دس سالوں کے ابتدائی ایام سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پناہ مانگی ہے، کیوں کہ ایسی صورت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ دعا بالکل بے معنی نظر آئے گی، کیوں کہ وہ ایسے دور سے قبل فوت ہونے کی دعا کر رہے ہیں، جس دور کو وہ پا چکے ہیں اور اسی میں سانس لے رہے ہیں۔ پھر اگر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعا ''رأس الستين'' میں ساٹھ (۶۰) سے مراد پورا عشرہ نہیں لیا جا سکتا تو پھر اللہ کے نبی ﷺ کے فرمان ''رَأْسِ السَّبْعِينَ'' سے بھی ستر (۷۰) کا پورا عشرہ مراد

[1] البداية والنهاية (١١/ ٦٤٧) و إسناده صحيح

نہیں لیا جاسکتا۔

اگرکوئی کہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعا سے متعلق بعض طرق میں ”سنة ستين“ کا لفظ ہے تو عرض ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ حدیث کے بھی بعض طرق میں ”سَنَةِ سَبْعِينَ“ کا لفظ ہے، جیسا کہ ماقبل میں امام ابو یعلی کی روایت پیش کی گئی ہے۔

یاد رہے کہ راقم الحروف کے نزدیک وہ تمام روایات غیر ثابت شدہ ہیں، جن میں یہ ملتا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سن ساٹھ ہجری یا اس کے اوائل سے پناہ مانگی، البتہ پناہ مانگنے کی صراحت کے بغیر بعض مستند روایات میں صرف یہ ملتا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دعا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ انھیں ساٹھ ہجری سے قبل وفات دے دے اور کسی زمانے سے پناہ طلب کرنا اور کسی زمانے سے قبل موت کی دعا کرنا، ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

ایسی صورت میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ فرمان اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعا میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دور سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے، لیکن اس سے قبل موت مانگنے کا حکم نہیں دیا ہے، جبکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک خاص دور سے قبل موت طلب کی ہے، لہٰذا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، جو الگ الگ زمانے سے متعلق ہیں۔

رہی یہ بات کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سن ساٹھ ہجری سے قبل موت کی دعا کیوں کی؟ تو عرض ہے کہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس دور میں کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آنے والا ہے، لیکن اس کی ذمے داری یزید پر ہوگی؟ یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعا سے قطعاً ثابت نہیں ہوتا، بلکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بعض نصیحتوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس ناخوشگوار واقعہ کے ذمے دار وہ لوگ ہوں گے، جو یزید بن معاویہ کے خلاف سازش کریں گے، اس کی تفصیل ہم آیندہ سطور میں پیش کریں گے۔[1] فی الحال ہم اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ حدیث پر بات کر رہے ہیں۔

الغرض جس طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعا ”رأس الستين“ میں ساٹھ (٦٠) سے مراد پورا عشرہ نہیں لیا جاتا، اسی طرح اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ”رَأْسِ السَّبْعِينَ“ سے بھی ستر (٧٠) کا

[1] اسی کتاب کا صفحہ (٢٨٩) دیکھیں۔

پورا عشرہ مراد نہیں لیا جاسکتا۔ واضح رہے کہ یہ باتیں اس صورت میں کہی جائیں گی، جب یہ فرض کر لیا جائے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے اپنے مذکورہ فرمان میں ''سبعین'' سے ہجری سال مراد لیا ہے، لیکن ہم پہلے وضاحت کر آئے ہیں کہ اس حدیث میں ''سبعین'' سے ہجرت کے بعد کے ستر (۷۰) سال نہیں، بلکہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد ستر (۷۰) سال مراد ہیں، کیوں کہ ہجری سال کا رواج آپ ﷺ کے دور میں تھا ہی نہیں۔

اس تفصیل کے بعد عرض ہے کہ اس مرفوع حدیث کے مصداق یزید بن معاویہ تو درکنار یزید بن معاویہ کا زمانہ بھی نہیں ہے۔

بچوں کی امارت کا دور:

اس حدیثِ رسول میں سن ستر (۷۰) ہجری کے ساتھ ساتھ بچوں کی امارت کا بھی ذکر ہے، جس طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ایک قول میں سن ساٹھ (۶۰) ہجری اور بچوں کی امارت کا ذکر ہے، لیکن حدیثِ رسول میں سن ساٹھ (۶۰) ہجری نہیں، بلکہ سن ستر (۷۰) ہجری کا ذکر ہے، جس سے سن اسّی (۸۰) ہجری مراد ہے۔ كما مضى.

اب اگر اس حدیث سے بھی اسی طرح استدلال کیا جائے، جس طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کیا جاتا ہے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ فرمانِ رسول کے مطابق کم عمر بچوں کی امارت کا دور وفاتِ رسول کے بعد سن ستر (۷۰) یعنی اسی (۸۰) ہجری کا ہے۔ پھر ایسی صورت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول فرمانِ رسول کے خلاف ہونے کی صورت میں غیر مسموع ہوگا اور اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہی مقدم ہوگا، یعنی کم عمر بچوں کی امارت کا دور اسی (۸۰) ہجری ہوگا نہ کہ ساٹھ (۶۰) ہجری اور ایسی صورت میں یزید کی امارت کو کم عمر بچوں کی امارت قرار دینا فرمانِ رسول ﷺ کی خلاف ورزی ہوگی، کیوں کہ یزید اس دور سے بہت ہی قبل اس دنیا سے رحلت فرما گئے تھے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مذکورہ قول اور اللہ کے نبی ﷺ کے مذکورہ فرمان میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیوں کہ ان دونوں میں کم عمر بچوں کی امارت کے دور کی تحدید نہیں کی گئی ہے، بلکہ دو الگ الگ باتوں کا بیان ہے۔ ایک بات کا تعلق محدود دور میں رونما ہونے والے مخصوص فتنے سے ہے اور دوسری بات کا تعلق کم عمر بچوں کی امارت سے ہے، لیکن یہ امارت کس زمانے میں

ہوگی؟ اس کا بیان مذکورہ دونوں روایات میں سے کسی میں نہیں اور مذکورہ دونوں باتوں کے درمیان عربی کا جو ''و'' ہے، یہ واو مغایرت کے لیے ہے، جیسا کہ تعوذ کی تمام دعاؤں کا معاملہ ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن العقبی ''سبعین'' والی روایت سے متعلق لکھتے ہیں:

"قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ رَأْسِ السَّبْعِينَ وَمَنْ إِمَارَةِ الصِّبْيَانِ"، فإن إمارة الصبيان غير رأس السبعين، وليس المعنى أن إمارة الصبيان تكون علىٰ رأس السبعين، وذلك لأن الواو للمغايرة، كقول القائل: أعوذ بالله من الاشتراكية والرأسمالية..."[1]

''اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: سن ستر (۷۰) کے اوائل سے پناہ طلب کرو اور بچوں کی امارت سے پناہ طلب کرو۔ یہاں بچوں کی امارت کا دور سن ستر (۷۰) میں نہیں بتایا گیا ہے اور اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بچوں کی امارت ستر (۷۰) کے اوائل ہی میں ہوگی، کیوں کہ یہاں واوَ مغایرت کے لیے ہے، جیسے کوئی یہ کہے کہ میں اشترا کی نظام اور سرمایہ دارانہ نظام سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں...۔''

اس تطبیق سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول اور اللہ کے نبی ﷺ کے فرمان میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا ہے۔ اگرکوئی اس تطبیق سے راضی نہیں ہے تو اس پر لازم ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ کے قول کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول پر مقدم کرے اور یہ تسلیم کرے کہ وفاتِ رسول کے ستر سال بعد تک یعنی اسی (۸۰) ہجری کے اوائل تک بچوں کی امارت کا وجود ناممکن ہے، کیوں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے اس کا وجود اپنی وفات کے ستر سال بعد بتایا ہے۔

حدیث مذکور کا مصداق کون؟

ہم اوپر مفصل وضاحت کر چکے ہیں کہ حدیث مذکور کا مصداق یزید بن معاویہ کو قطعاً نہیں بتایا جاسکتا، لیکن اب سوال یہ ہے کہ پھر اس کا مصداق کون ہے؟ حدیث میں مذکور عہد میں کون سا ایسا شدید فتنہ تھا جس سے اللہ کے نبی ﷺ اپنی امت کو پناہ مانگنے کا حکم دیا؟ تو عرض ہے:

اولاً: اصل حقیقت اللہ ہی کو معلوم ہے، کیوں کہ وفاتِ رسول ﷺ کے بعد پیش آنے والے حوادث

---

[1] مسائل سلطانية للشيخ عبد الرحمن العقبي (ص: ٨) ترقيم الشاملة.

وفتن کی باتیں کوئی شریعت کا حصہ نہیں ہیں کہ ان کی بھی حفاظت کی ذمے داری اللہ نے لی ہو۔ علامہ البانی رحمہ اللہ تو حدیث کی تشریح اور اس پر عمل کرنے والوں کے نام اور اس کے مطابق امت کے اقوال و اعمال کے بارے میں بھی کہتے ہیں کہ اس کی حفاظت کی ذمے داری اللہ نے نہیں لی ہے، بلکہ صرف کتاب و سنت کی حفاظت کی ذمے داری ہے، چناں چہ علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لأن الله تعالیٰ لم يتعهد لنا بحفظ أسماء كل من عمل بنص ما من كتاب أو سنة، وإنما تعهد بحفظهما فقط، كما قال: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ فوجب العمل بالنص سوءا علمنا من قال به أو لم نعلم"[1]

"اللہ تعالیٰ نے اس بات کی ضمانت نہیں لی ہے کہ وہ کتاب و سنت پر عمل کرنے والے جملہ حضرات کے اسما کی حفاظت کرے گا، بلکہ اس نے صرف کتاب و سنت کی حفاظت کی ذمے داری لی ہے، جیسا کہ فرمایا: "ذکر کو ہی ہم نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔" پس کسی بھی ثابت شدہ نص پر عمل کرنا واجب ہوگا، خواہ اس کے قائلین یا اس پر عمل کرنے والوں کے نام معلوم ہوں یا نہ ہوں۔"

ثانیاً: مذکورہ عہد حجاج بن یوسف کی امارت کا عہد ہے۔ حجاج بن یوسف نے اگر چہ اچھے کام بھی کیے، لیکن یہ بات مسلم ہے کہ اس نے بہت سارے صحابہ کرام اور تابعین عظام کو بہت ہی بے دردی سے قتل کیا اور اپنی بات منوانے میں حددرجہ سختی سے کام لیا۔ ممکن ہے حدیث مذکور میں اسی فتنے کی طرف اشارہ ہو، کیوں کہ حجاج بن یوسف کا فتنہ بھی کوئی معمولی فتنہ نہ تھا۔ بلکہ ایک روایت میں تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے صراحتاً شر قرار دیا ہے، چناں چہ مسند احمد کی روایت میں اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں:

"وَاللَّهِ لَقَدْ أَخْبَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَنَّهُ سَيَخْرُجُ مِنْ ثَقِيفٍ كَذَّابَانِ، الْآخِرُ مِنْهُمَا شَرٌّ مِنَ الْأَوَّلِ، وَهُوَ مُبِيرٌ"[2]

"اللہ کی قسم! اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی ہے کہ بنو ثقیف میں دو کذاب آدمیوں کا

---

[1] آداب الزفاف في السنة المطهرة (ص: ٢٦٧)

[2] مسند أحمد (٤٤/ ٥٢٩) وإسناده صحيح على شرط الشيخين.

خروج عن قریب ہوگا، جس میں دوسرا پہلے کی بہ نسبت زیادہ بڑے شر اور فتنے والا ہوگا اور وہ "مبیرؒ" ہوگا۔"

صحیح مسلم میں بھی یہی روایت موجود ہے، اس میں اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں:

"إن رسول اللهﷺ حدثنا أن في ثقيف كذابا ومبيرا، فأما الكذاب فرأيناه، وأما المبير فلا إخالك إلا إياه"[1]

"رسول اللہ ﷺ نے ہم سے ایک حدیث بیان فرمائی تھی کہ قبیلہ ثقیف میں ایک کذاب اور ایک ظالم ہوگا۔ کذاب کو تو ہم نے دیکھ لیا اور ظالم میں تیرے علاوہ کسی کو نہیں سمجھتی۔"

یاد رہے کہ صحابہ و تابعین اور سلف نے متفقہ طور پر حجاج بن یوسف کو اس حدیث کا مصداق قرار دیا ہے، اس لیے بعید نہیں کہ مذکورہ حدیث میں بھی اسی کے فتنے کی طرف اشارہ ہو۔ واللہ اعلم

❀❀❀❀

[1] صحيح مسلم (٤/ ١٩٧١)

باب 2

بعض آثارِ صحابہ سے غلط استدلال

- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سن ساٹھ (٦٠) ہجری اور بچوں کی امارت۔
- بیعتِ یزید سے متعلق ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ایک قول کی وضاحت۔
- صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بعض علم ظاہر نہ کرنا۔
- صحابیِ رسول جابر رضی اللہ عنہ اور اہلِ مدینہ کو خوف زدہ کرنے پر وعید۔
- صحابیِ رسول اسیر بن عمرو رضی اللہ عنہ کا اثر۔
- صحابیِ رسول عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کا اثر (بسند ضعیف)۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سن ساٹھ (٦٠) ہجری اور بچوں کی امارت

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ انھوں نے سن ساٹھ ہجری سے قبل فوت ہونے کی دعا کی ہے، لیکن اس سے یزید بن معاویہ کی کوئی مذمت ثابت نہیں ہوتی، بلکہ یزید بن معاویہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، تفصیل ملاحظہ ہو:

امام ابو العباس الاصم محمد بن یعقوب بن یوسف نیسابوری (المتوفی: ٣٤٦ھ) نے کہا:

"أخبرنا العباس بن الوليد أخبرني أبي حدثني ابن جابر عن عمير بن هانئ أنه حدثه قال: كان أبوهريرة يمشي في سوق المدينة وهو يقول: اللهم لا تدركني سنة الستين، ويحكم تمسكوا بصدغي معاوية، اللهم لا تدركني إمارة الصبيان"[1]

"عمر بن ہانی کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینے کے بازار میں چلتے اور کہتے: اے اللہ! مجھے سن ساٹھ کا زمانہ نہ ملے (اور کہتے:) لوگو! تمہارا ستیاناس ہو! امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کنپٹیاں (حکمتِ عملی کو) لازم پکڑو، (نیز یہ بھی کہتے کہ) اے اللہ! مجھے بچوں کی امارت کا دور نہ ملے۔"

مذکورہ روایت موقوف ہے، یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک دعا ہے، اس روایت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعا سے متعلق دو باتیں ہیں:

١ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سن ساٹھ (٦٠) ہجری کا دور نہ پانے کی دعا کی ہے۔

٢ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بچوں کی امارت کا دور نہ پانے کی دعا کی ہے۔

---

[1] الثاني من حديث أبي العباس الأصم (ق ١/ ١٦٩، ٢/ ١٧٠) و إسناده صحيح، و أخرجه البيهقي في دلائل النبوة (٦/ ٤٦٦) و ابن عساكر في تاريخ دمشق (٥٩/ ٢١٧) من طريق أبي العباس به، و نقله ابن كثير في البداية والنهاية (٦/ ٢٥٦) و المقريزي في إمتاع الأسماع (١٢/ ٢٣٢) بهذا اللفظ، و أخرجه أيضاً أبو زرعة الدمشقي في تاريخه (ص: ٢٣١) بدون لفظ إمارة الصبيان.

لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ دونوں باتیں ایک ہی دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ حالاں کہ یہ سمجھ رسول اکرم ﷺ کی صحیح اور صریح حدیث کی روشنی میں قطعی طور پر غلط ہے۔ ذرا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی اللہ کے نبی ﷺ کی اس حدیث کو غور سے پڑھیں۔

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۵ھ) نے کہا:

”حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ كَامِلٍ أَبِي الْعَلَاءِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: تَعَوَّذُوا بِاللّٰهِ مِنْ **رَأْسِ السَّبْعِينَ** وَمِنْ إِمْرَةِ الصِّبْيَانِ“[1]

”صحابی رسول ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: سن ستر (۷۰) کے اوائل سے پناہ طلب کرو اور بچوں کی امارت سے پناہ طلب کرو۔“

یہ کسی صحابی کا قول نہیں، بلکہ مرفوع حدیث ہے، یعنی اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان ہے۔ اس فرمانِ رسول میں بھی دو باتیں مذکور ہیں:

1. اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے سن ستر (۷۰) کے دور سے پناہ طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔ ستر (۷۰) سے مراد ہجری تاریخ نہیں ہے، کیوں کہ اللہ کے نبی ﷺ کے دور میں ہجری تاریخ کا رواج ہی نہ تھا، اس لیے اس سے مراد آپ ﷺ کی وفات کے بعد کے ستر سال ہیں اور ہجری سال کے اعتبار سے یہ سن اسی (۸۰) ہجری کا دور ہوگا، جیسا کہ ہم نے اس کی پوری تفصیل ”سن ستر (۷۰) سے پناہ مانگنے کا حکم اور امارتِ یزید بن معاویہ“ کے عنوان کے تحت پیش کی ہے۔[2]

2. اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے بچوں کی امارت کے دور سے پناہ طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔ یعنی اس حدیثِ رسول میں بھی اسی طرح دو باتیں ایک ساتھ مذکور ہیں، جس طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول میں مرقوم ہیں، لیکن حدیثِ رسول میں سن ساٹھ (۶۰) ہجری نہیں، بلکہ سن ستر (۷۰)

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة (١٥/ ٤٩ و إسناده صحيح، ومن طريق وكيع أخرجه أحمد في مسنده (١٥/ ٤٨٦) و أخرجه أيضا البزار (١٦/ ٢٤٩) و ابن عدي في الكامل (٦/ ٢١٠١) و أبو أحمد الحاكم في الأسامي والكنى (٥/ ١٦٩) و أبو يعلى كما في البداية والنهاية (١١/ ٦٤٧) كلهم من طريق كامل به، و أخرجه أيضا أحمد بن منيع في مسنده. قال البوصيري في إتحاف الخيرة المهرة (٨/ ٤١): رواه أحمد بن منيع، ورواته ثقات. والحديث صححه الألباني في الصحيحة، رقم (٣١٩١)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۲۶۶۔ ۲۷۷) دیکھیں۔

کا ذکر ہے، جس سے سن اسی (۸۰) ہجری مراد ہے۔ کما مضی[1].

اب اگر اس حدیث سے بھی اسی طرح استدلال کیا جائے، جس طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کیا جاتا ہے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ فرمانِ رسول کے مطابق کم عمر بچوں کی امارت کا دور وفاتِ رسول کے ستر سال بعد یعنی اسّی (۸۰) ہجری کا ہے۔

پھر ایسی صورت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول فرمانِ رسول کے خلاف ہونے کی صورت میں غیر مسموع ہوگا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہی مقدم ہوگا، یعنی کم عمر بچوں کی امارت کا دور اسی (۸۰) ہجری ہوگا نہ کہ ساٹھ (۶۰) ہجری اور ایسی صورت میں یزید بن معاویہ کی امارت کو کم عمر بچوں کی امارت قرار دینا فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی ہوگی، کیوں کہ یزید بن معاویہ اس دور سے بہت ہی قبل اس دنیا سے رحلت فرما گئے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مذکورہ قول اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ فرمان میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیوں کہ ان دونوں میں کم عمر بچوں کی امارت کے دور کی تحدید نہیں کی گئی ہے، بلکہ دو الگ الگ باتوں کا بیان ہے۔ ایک بات کا تعلق محدود دور میں رونما ہونے والے مخصوص فتنے سے ہے اور دوسری بات کا تعلق کم عمر بچوں کی امارت سے ہے، لیکن یہ امارت کس زمانے میں ہوگی؟ اس کا بیان مذکورہ دونوں روایات میں سے کسی میں نہیں اور مذکورہ دونوں باتوں کے درمیان عربی کا جو ''و'' ہے یہ واو مغایرت کے لیے ہے، جیسا کہ تعوذ کی دعاؤں کا معاملہ ہے اور اس کی وضاحت گذشتہ صفحات پر گزر چکی ہے۔

اس تطبیق سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا ہے۔

بچوں کی امارت کا دور کب؟

گذشتہ سطور میں یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ روایات میں صرف یہ ملتا ہے کہ بچوں کی امارت کا دور آئے گا، مگر یہ دور کب آئے گا؟ اس بارے میں کوئی صریح روایت نہیں۔

بچوں کی امارت سے متعلق اور بھی متعدد روایات مروی ہیں، لیکن کسی ایک میں بھی سرے سے کسی خاص زمانے کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ ایک موقوف روایت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سن ساٹھ سے قبل

وفات کی دعا کر رہے ہیں اور اسی روایت میں بچوں کی امارت کو بھی نہ پانے کی دعا کر رہے ہیں، لیکن دوسری طرف ایک مرفوع حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ اپنی وفات کے ستر سال بعد یعنی سن اسی (۸۰) ہجری سے پناہ مانگنے کا حکم دے رہے ہیں اور ساتھ ہی بچوں کی امارت سے بھی پناہ مانگنے کا حکم دے رہے ہیں۔ یہ مرفوع روایت سامنے آنے کے بعد یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت میں یا رسول اکرم ﷺ کی مرفوع حدیث میں بچوں کی امارت والے دور کی تحدید نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا تسامح:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بچوں کی امارت کے دور کی شروعات یزید بن معاویہ سے مانی ہے، چناں چہ کہا: ”إِنَّ الْمَذْكُورِينَ مِنْ جُمْلَتِهِمْ، وَإِنَّ أَوَّلَهُمْ يَزِيدُ“[1]

یعنی مذکورہ بچے بھی انھیں لوگوں میں سے ہیں جن کی امارت کی طرف حدیث میں اشارہ ہے اور ان میں سے پہلا شخص یزید ہے۔ حافظ موصوف اپنی اس بات کی دلیل دیتے ہوئے کہتے ہیں:

”كَمَا دَلَّ عَلَيْهِ قَوْلُ أَبِي هُرَيْرَةَ رَأْسُ السِّتِّينَ وَإِمَارَةُ الصِّبْيَانِ“[2]

”جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ اے اللہ! مجھے سن ساٹھ کا زمانہ اور بچوں کی امارت کا دور نہ ملے۔“

معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یزید بن معاویہ کی امارت کو بچوں کی امارت کہنے کے لیے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت کو دلیل بنایا ہے، لیکن ہم عرض کر چکے ہیں کہ ایک صحیح مرفوع روایت میں بچوں کی امارت کے ساتھ ساتھ سن ستر (۷۰) کا تذکرہ ہے، جس سے (۸۰) ہجری مراد ہے۔ اب اگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے طریقہ استدلال کو بروئے کار لایا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ بچوں کی امارت کی ابتدا سن اسی (۸۰) ہجری سے ہوگی اور ایسی صورت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول، اللہ کے نبی ﷺ کے قول کے خلاف ہونے کے سبب غیر مسموع ہوگا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت اور اللہ کے نبی ﷺ کی مرفوع حدیث، دونوں میں محدود سن والے جملے اور بچوں کی امارت والے جملے کو الگ الگ سمجھا جائے، جیسا کہ گذشتہ سطور میں تفصیل پیش کی جاچکی ہے۔

---

[1] فتح الباري (۱۳/ ۱۰)

[2] فتح الباري (۱۳/ ۱۰)

یاد رہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا یزید کی امارت کو بھی بچوں کی امارت میں شمار کرنا واضح حقائق کے خلاف ہے، کیوں کہ یزید امارت سنبھالتے وقت بچے تھے ہی نہیں۔ حافظ موصوف کو بھی یہ اشکال محسوس ہوا، اس لیے انھوں نے یہ تاویل پیش کی:

”وَقَدْ يُطْلَقُ الصَّبِيُّ وَالْغُلَيِّمُ بِالتَّصْغِيرِ عَلَى الضَّعِيفِ الْعَقْلِ وَالتَّدْبِيرِ وَالدِّينِ، وَلَوْ كَانَ مُحْتَلِمًا، وَهُوَ الْمُرَادُ هُنَا، فَإِنَّ الْخُلَفَاءَ مِنْ بَنِي أُمَيَّةَ لَمْ يَكُنْ فِيهِمْ مَنِ اسْتُخْلِفَ، وَهُوَ دُونَ الْبُلُوغِ، وَكَذٰلِكَ مَنْ أَمَّرُوهُ عَلَى الْأَعْمَالِ“[1]

”صبي“ اور ”غليم“ کا اطلاق کم عقل و کم فہم پر بھی ہوتا ہے، اگرچہ وہ بالغ ہی کیوں نہ ہو اور اس حدیث میں بچوں سے یہی مراد ہے، کیوں کہ بنو اُمیہ میں کوئی بھی خلیفہ نابالغ نہیں گزرا ہے، اسی طرح ان کے عمال بھی سب کے سب بالغ تھے۔“

ہم کہتے ہیں کہ یہ تاویل بے سود ہے، کیوں کہ یزید کم عقل بھی نہ تھے، ان کے ظالم ہونے کا پروپیگنڈا تو کچھ لوگوں نے کیا ہے، لیکن ان پر کم عقلی کا الزام تو کسی ایک نے بھی نہیں لگایا۔ معلوم نہیں حافظ موصوف نے انھیں کم عقل کیسے باور کر لیا؟

نیز اصول یہی ہے کہ اصلاً نصوصِ شریعت کو حقیقت پر محمول کیا جائے، لہٰذا بچوں کی امارت والی حدیث حقیقت ہی پر محمول ہوگی، کیوں کہ اس کی تاویل کے لیے کوئی دلیل موجود نہیں ہے، مزید یہ کہ سلف میں سے کسی نے بھی اس حدیث کی تاویل نہیں کی ہے، بلکہ خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) کے بقولِ الفاظ حدیث کے معانی پر کتاب لکھنے والے امام ابن الاثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۰۶ھ) نے اس طرح کے الفاظ کو حقیقت پر محمول کیا ہے۔ حافظ موصوف فرماتے ہیں:

”وَقَالَ ابن الْأَثِيرِ: اَلْمُرَادُ بِالْأُغَيْلِمَةِ هُنَا الصِّبْيَانُ وَلِذٰلِكَ صَغَّرَهُمْ“[2]

”امام ابن الاثیر رحمہ اللہ نے کہا کہ یہاں ”أغیلمة“ سے مراد چھوٹے بچے ہیں، اسی لیے اس کی تصغیر لائی گئی ہے۔“

اسی طرح سلف میں سے کسی نے بھی یزید کو اس حدیث کا مصداق نہیں بتلایا ہے، بلکہ صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق سعید بن عمرو رحمہ اللہ نے اس کا مصداق دوسرے ایسے بچوں کو بتلایا

---

[1] فتح الباري (١٣/ ٩)

[2] فتح الباري (١٣/ ١٠) وانظر: النهاية في غريب الحديث لابن الأثير (٣/ ٣٨٢)

ہے، جن کا زمانہ عہدِ یزید سے بہت بعد کا ہے۔ چناں چہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا:

"حدثنا موسى بن إسماعيل، حدثنا عمرو بن يحيىٰ بن سعيد بن عمرو بن سعيد، قال: أخبرني جدي، قال: كنت جالسا مع أبي هريرة في مسجد النبي ﷺ بالمدينة، ومعنا مروان، قال أبو هريرة: سمعت الصادق المصدوق يقول: هلكة أمتي علىٰ يدي غلمة من قريش فقال مروان: لعنة الله عليهم غلمة. فقال أبو هريرة: لو شئت أن أقول: بني فلان، وبني فلان، لفعلت. فكنت أخرج مع جدي إلىٰ بني مروان حين ملكوا بالشام، فإذا رآهم غلمانا أحداثا، قال لنا: عسى هؤلاء أن يكونوا منهم؟ قلنا: أنت أعلم"[1]

''عمرو بن یحییٰ بن سعید نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ مجھے میرے دادا سعید نے خبر دی، کہا کہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ کی مسجد میں بیٹھا تھا اور ہمارے ساتھ مروان بھی تھا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے صادق و مصدوق سے سنا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کی تباہی قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھ سے ہوگی۔ مروان نے اس پر کہا: ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں چاہوں تو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ وہ کس کس خاندان سے ہوں گے۔ پھر جب بنو مروان شام کی حکومت پر قابض ہو گئے تو میں (عمرو بن یحییٰ بن سعید بن عمرو) اپنے دادا (سعید بن عمرو) کے ساتھ ان کی طرف جاتا تھا۔ جب وہاں انھوں (سعید بن عمرو) نے نوجوان لڑکوں کو دیکھا تو کہا کہ شاید یہ انہی میں سے ہوں۔ ہم نے کہا کہ آپ کو زیادہ علم ہے۔''

مسند احمد کی روایت میں ہے:

"فَإِذَا هُمْ يُبَايِعُونَ الصِّبْيَانَ مِنْهُمْ، وَمَنْ يُبَايِعُ لَهُ، وَهُوَ فِي خِرْقَةٍ"[2]

''وہ لوگ بچوں سے بھی بیعت لے رہے تھے اور ایسے بچے سے بھی بیعت لے رہے

---

[1] صحيح البخاري (٩/ ٤٧) كتاب الفتن: باب قول النبي ﷺ: هلاك أمتي على يدي أغيلمة سفهاء، رقم الحديث (٧٠٨٥)

[2] مسند أحمد محقق (١٤/ ٥٨) رقم الحديث (٨٣٠٤) و إسناده صحيح.

تھے، جو کپڑے میں لپٹا ہوا تھا۔“

اس حدیث میں غور کریں کہ سعید بن عمرو رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کا مصداق یزید کے بجائے دوسرے بچوں کو بتلایا ہے اور یزید کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں کیا ہے اور ان کے پوتے نے بھی اس موقع پر یزید کا کوئی حوالہ نہیں دیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانے تک کسی نے بھی بچوں کی امارت والی حدیث کو یزید پر فٹ ہی نہیں کیا تھا۔

الغرض بچوں کی امارت والی حدیث کو حقیقت ہی پر محمول کیا جائے گا، اس کی تاویل کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے، نیز سلف میں سے بھی کسی نے نہ تو اس کی تاویل کی ہے اور نہ اسے یزید پر منطبق کیا ہے، اس لیے اسے یزید پر فٹ کرنا انصاف کے خلاف ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مذکورہ تاویل کے ساتھ ایک بات یہ بھی کہی ہے:

”فَإِنَّ يَزِيدَ كَانَ غَالِبًا يَنْتَزِعُ الشُّيُوخَ مِنْ إِمَارَةِ الْبُلْدَانِ الْكِبَارِ وَيُوَلِّيهَا الْأَصَاغِرَ مِنْ أَقَارِبِه“[1]

”کیوں کہ یزید عام طور پر شہروں کے بڑے امرا کو معزول کر کے ان کی جگہ اپنے اقربا میں سے چھوٹے چھوٹے لوگوں کو بٹھا دیتا تھا۔“

عرض ہے کہ یہ بات محض افواہ ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ معلوم نہیں حافظ موصوف نے یہ بات کہاں سے اخذ کی ہے؟ علاوہ ازیں یزید بن معاویہ کو چھوٹا امیر ثابت کرنے کے لیے یہ بہت دور کی کوڑی ہے۔ اگر چھوٹے امراء یزید کے ماتحت تھے، خود یزید نہیں تھا تو پھر حدیث مذکور کو صرف ان چھوٹے امراء ہی پر فٹ کرنا چاہے، خواہ مخواہ یزید بن معاویہ کو اس بیچ میں کیوں لایا جا رہا ہے؟ اگرچہ ایسا یزید بن معاویہ کے حکم سے ہوا ہو، لیکن یہ حکم صادر کرنے سے یزید بن معاویہ کی عمر تو چھوٹی نہیں ہو جائے گی، نیز اگر دور کی کوڑی سے یزید چھوٹا امیر ثابت ہوا، کیوں کہ اس نے چھوٹے امرا متعین کیے تو کیا اس فلسفے کی رو سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار بھی چھوٹے امرا میں ہوگا؟ کیوں کہ انھوں نے بھی یزید کو خلافت کے لیے نامزد کیا؟ معلوم نہیں، حافظ موصوف ان تکلفات سے کیوں کام لے رہے ہیں، غالباً حافظ موصوف رحمہ اللہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سن ساٹھ (٦٠) والی روایت کی وجہ سے ان تکلفات پر مجبور ہوئے ہیں، لیکن اس روایت کی وضاحت اوپر کی جا چکی ہے۔

---

[1] فتح الباري (١٣/ ١٠)

سن ساٹھ کے فتنے کا ذمے دار کون؟

رہی یہ بات کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سن ساٹھ سے قبل موت کی دعا کی ہے، جس سے ظاہر ہے کہ اس دور میں کوئی فتنہ ہوگا عرض ہے کہ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعا سے اس دور میں کسی فتنے کی طرف اشارہ ملتا ہے، مگر یہ فتنہ یزید بن معاویہ کی طرف سے ہوگا، اس جانب کوئی ادنی اشارہ بھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس دعا میں نہیں ہے، لہٰذا اس سے یزید بن معاویہ پر کوئی حرف قطعاً نہیں آتا۔

اگر کوئی کہے کہ یہ فتنہ دورِ یزید میں تو ہوا تو عرض ہے کہ اس سے بڑے فتنے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئے۔ جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں صحابہ کی بہت بڑی تعداد شہید ہوئی، بلکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دور میں جس قدر صحابہ کرام کا خون بہا، اتنا خون یزید بن معاویہ کے پورے دور میں نہیں بہا اور ان فتنوں کی طرف اشارہ صرف صحیح نہیں، بلکہ صحیح و مرفوع روایات میں ہے تو کیا ان تمام صحابہ کے خون کی ذمے داری سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر ہوگی؟

ہرگز نہیں، بلکہ اس کی ذمے داری تو اس سازشی ٹولے کے سر جاتی ہے جس نے صحابہ کے درمیان خون ریز جنگ کرائی۔ یہی معاملہ دورِ یزید کے فتنے سے بھی ہے یعنی اس دور کے فتنے کی ذمے داری یزید کے سر نہیں جاتی، بلکہ اس کے ذمے دار وہ لوگ ہیں، جنھوں نے یزید بن معاویہ کے خلاف سازشیں کیں، تاکہ مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر انھیں تباہ و برباد کیا جائے۔ پہلے اس سازشی ٹولے نے اُمت مسلمہ کا خون بہانے کے لیے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا استعمال کرنا چاہا، لیکن اس میں کامیاب نہ ہوا تو خود سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ہی کو شہید کر ڈالا، اس کے بعد اسی سازشی ٹولے نے اہلِ مکہ و مدینہ کے سامنے یزید پر شراب نوشی، ترکِ صلاۃ اور نہ جانے کیسے کیسے جھوٹے الزامات لگائے، تاکہ انھیں یزید کے خلاف ورغلائے، ظاہر ہے کہ جن کی سازشوں سے اجلہ صحابہ رضی اللہ عنہم تک محفوظ نہ رہ سکے اور جمل وصفین کے معرکے وقوع پذیر ہوئے، کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اہلِ مکہ و مدینہ کے بعض افراد ان کی سازشوں کے شکار ہوکر اپنوں ہی کے خلاف برسر پیکار ہو جائیں۔

الغرض ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو سن ساٹھ میں فتنے کی طرف اشارہ کیا ہے تو اس کے ذمے دار وہی لوگ ہیں، جنھوں نے یہ فتنے برپا کیے، ہم بغیر کسی ثبوت کے اس کی ذمے داری یزید پر قطعاً نہیں ڈال سکتے، بلکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا اشارہ یزید کی

وہی لوگ ہیں، جنھوں نے یہ فتنے برپا کیے، ہم بغیر کسی ثبوت کے اس کی ذمے داری یزید پر قطعاً نہیں ڈال سکتے، بلکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا اشارہ یزید کی طرف نہیں ہے، کیوں کہ یزید کی پیشگی بیعت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور ہی میں ہوگئی تھی اور اس وقت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ باحیات تھے، لیکن کسی ایک بھی روایت میں یہ نہیں ملتا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو ولی عہد بنانے پر کوئی اعترض کیا ہو اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس حکمتِ عملی کے خلاف کوئی بات اشارے و کنائے میں بھی کہی ہو، بلکہ اس کے برعکس ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ وہ جب سن ساٹھ سے قبل فوت ہونے کی دعا کرتے تو ساتھ ہی میں امیر معایہ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی کو لازم پکڑنے کی وصیت بھی کرتے تھے۔ چناں چہ اوپر جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل ہوئی ہے، اسے پھر سے پڑھیں، اس میں یہ بھی مذکور ہے:

"وهو يقول: اللهم لا تدركني سنة الستين، ويحكم تمسكوا بصدغي معاوية"[1]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے: اے اللہ! مجھے سن ساٹھ کا زمانہ نہ ملے (اور کہتے: لوگو!) تمہارا ستیاناس ہو! امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کنپٹیاں (حکمتِ عملی کو) لازم پکڑو۔

ان الفاظ پر غور کریں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سن ساٹھ سے قبل فوت ہونے کی دعا کرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں سے یہ بھی فرمارہے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی کو لازم پکڑو اور یزید کی ولیِ عہدی اور بعد میں ان کا خلیفہ بننا بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی ہے، جس سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ واقف تھے، گویا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی نظر میں اس فتنے کے وقت یزید کی بیعت کو لازم پکڑنے ہی میں عافیت ہے اور بعد میں جب یہ دور آیا تو دیگر صحابہ نے بھی اس وقت کے لوگوں کو یہی نصیحت کی۔

---

[1] الثاني من حديث أبي العباس الأصم (١/ ١٦٩/ ١٧٠٢) وإسناده صحيح و تقدم تخريجه.

بیعتِ یزید سے متعلق ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ایک قول کی وضاحت

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۵ھ) نے کہا:

”حدثنا وكيع، عن سفيان، عن محمد بن المنكدر، قال: بلغ ابن عمر أن يزيد بن معاوية بويع له، قال: إن كان خيرا رضينا، وإن كان شرا صبرنا“[1]

”محمد بن منکدر کہتے ہیں کہ جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو معلوم ہوا کہ یزید بن معاویہ کی بیعت کر لی گئی ہے تو انھوں نے کہا: اگر یہ خیر ہے تو ہم راضی ہیں اور اگر یہ شر ہے تو ہم صبر کریں گے۔“

بعض لوگ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس کلام کو یزید کی مذمت پر محمول کرتے ہیں، حالاں کہ اس میں سرے سے یزید کی مذمت کا کوئی پہلو ہے ہی نہیں۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اسی روایت میں اگر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے شر کے امکان کی بات کہی ہے تو عین اسی روایت میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خیر کے امکان کی بھی بات کہی ہے۔ پھر آخر کیا وجہ ہے کہ ان کے اس جملے کے صرف ایک حصے کو دیکھا جائے اور دوسرے حصے کو نظر انداز کر دیا جائے؟

دوسری بات یہ کہ اس کلام سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اصل مقصود یزید بن معاویہ کی بیعت پر رضا مندی کو بتلانا ہے اور چونکہ بعض لوگ اس بیعت کے ذریعے اس اندیشے میں تھے کہ کہیں باپ کے بعد بیٹے کے خلیفہ بن جانے سے آگے چل کر یہ اصول نہ بن جائے کہ ہر خلیفہ کے بعد اس کا بیٹا ہی اگلا خلیفہ بنے، اس طرح ایک شر شروع ہو جائے تو عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس اندیشے کو بیعت نہ کرنے کا جواز نہیں مانا، بلکہ یہ کہا کہ اگر ایسا ہوگا تو ہماری ذمے داری صبر کرنا ہے۔

یعنی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اصل مقصد ان لوگوں کا رد ہے، جو محض اندیشوں کی بنا پر یزید کی

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة. ط: سلفية (١١/ ١٠٠) و إسناده صحيح، وعنعنة سفيان مقبولة، و قدصرح بالسماع عند ابن أبي الدنيا في ”الصبر والثواب عليه“ (ص: ١١٤) و إسناده صحيح.

بیعت کرنے میں تردد کا شکار تھے، کیوں کہ اندیشے کے ساتھ ساتھ خیر کا بھی امکان تھا اور اندیشے والی بات کوئی قطعی بات نہیں تھی، نیز جب امت کی اکثریت نے ایک شخص کو خلیفہ بنانے کا فیصلہ کرلیا ہے تو ایسی صورت میں اگر اندیشے والی بات واقع بھی ہو جائے تو بھی ایسے حالات میں اسلام نے صبر کرنے کی تعلیم دی ہے نہ کہ اکثریت کی مخالفت کی دعوت دی ہے۔

پس جب امت کی اکثریت نے اس بیعت کو قبول کر لیا ہے تو ایک مسلمان کی ذمے داری یہ بنتی ہے کہ اس بیعت میں داخل ہو جائے، خواہ یہ بیعت باعثِ خیر ہو یا باعثِ شر، کیوں کہ جمہور امت کے اتفاق کے بعد دونوں صورتوں میں ایک مسلمان پر یہی ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ جمہور امت کے فیصلے میں شامل ہو جائے اور سبیل المومنین سے الگ نہ ہو۔ بالفاظ دیگر یہ کہہ لیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اصل مقصد یزید کی بیعت کو قابلِ قبول قرار دینا تھا اور اس کے نتائج کو نظر انداز کرنے کی تعلیم دینا تھا، کیوں کہ جمہور امت کے اتفاق کے بعد نتیجہ خیر یا شر کی شکل میں کچھ بھی ہو؛ بہر صورت جمہورِ امت کے ساتھ شامل ہونا ضروری ہے۔ اس کو مثال سے سمجھنے کے لیے درج ذیل حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶ھ) نے کہا:

"حدثنا علي بن عبد الله، حدثنا سفيان، قال: حفظناه من الزهري، عن سعيد بن المسيب، عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أسرعوا بالجنازة، فإن تك صالحة فخير تقدمونها، وإن يك سوى ذلك، فشر تضعونه عن رقابكم"[1]

"صحابی رسول ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنازہ لے کر جلد چلا کرو، کیوں کہ اگر وہ نیک ہے تو تم اس کو بھلائی کی طرف نزدیک کر رہے ہو اور اگر اس کے سوا ہے تو ایک شر ہے، جسے تم اپنی گردنوں سے اتارتے ہو۔"

اس حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جنازے کو خیر یا شر نہیں کہا ہے، بلکہ اصل تعلیم جنازے میں جلدی کرنے کی دی ہے اور جنازے کی نوعیت کو نظر انداز کرنے کا حکم دیا ہے، کیوں کہ جنازہ کیسا بھی ہو، اچھا ہو یا برا، وفات کے بعد دونوں صورتوں میں جلدی کرنے ہی میں بھلائی ہے۔ بالکل یہی معاملہ بیعتِ یزید سے متعلق عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے کلام کا بھی ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے

---

[1] صحيح البخاري (٢/ ٨٦) رقم الحديث (١٣١٥)

اپنے اس کلام میں یزید کی بیعت کو باعثِ خیر یا باعثِ شر نہیں کہا ہے، بلکہ اس کے نتیجے کو نظر انداز کرتے ہوئے اصل بیعت کی قبولیت پر زور دیا ہے کہ جمہور اُمت کے اتفاق کے بعد بیعت قبول کر لینے ہی میں بھلائی ہے، کیوں کہ اگر یہ باعث خیر ہے تو کوئی بات نہیں اور اگر یہ باعثِ شر ہے تو بھی بھلائی جمہور اُمت ہی کے ساتھ رہنے میں ہے۔

یہ ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس کلام کا اصل مقصود و مدعا، اسے کسی منفی معنی پر محمول کرنا کسی بھی صورت میں درست نہیں ہے۔

حیرت ہے کہ لوگ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس کلام کو تو یزید کے خلاف پیش کرتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ جس کتاب مصنف ابن ابی شیبہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ کلام منقول ہے، اسی کتاب مصنف ابن ابی شیبہ ہی میں، وہ بھی صحیح بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ، علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے متعلق پوری صراحت منقول ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ میں علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کروں گا۔ ملاحظہ ہو: امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۵ھ) نے کہا:

”حدثنا ابن علية، عن أيوب، عن نافع، عن ابن عمر، قال: لما بويع لعلي أتاني فقال: إنك امرؤ محبب في أهل الشام، وقد استعملتك عليهم، فسر إليهم، قال: فذكرت القرابة، وذكرت الصهر، فقلت: أما بعد! فوالله لا أبايعك. قال: فتركني وخرج، فلما كان بعد ذلك، جاء ابن عمر إلىٰ أم كلثوم فسلم عليها، وتوجه إلىٰ مكة...“[1]

”نافع رحمہ اللہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: جب علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی گئی تو علی رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے اور کہا: آپ ایسے شخص ہیں، جو اہلِ شام کی نظر میں محبوب ہیں اور میں آپ کو ان پر عامل بناتا ہوں، لہٰذا آپ ان کی طرف جائیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ پھر میں نے قرابت و رشتے داری کا ذکر کیا اور اس کے بعد کہا: اللہ کی قسم! میں آپ کی بیعت نہیں کروں گا تو وہ مجھے چھوڑ کر چلے گئے، اس کے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہما اُم کلثوم کے پاس آئے، انھیں سلام کیا اور مکے روانہ ہوگئے...“

قارئین بتلائیں کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ میں

[1] مصنف ابن أبي شيبة. ط: سلفية (١١/ ١٣٣) وإسناده صحيح علىٰ شرط الشيخين.

علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کروں گا، اس کے باوجود بھی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مخالف نہ سمجھا جائے اور یہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یزید بن معاویہ کی بیعت کو قبول کرتے ہوئے کہیں کہ یہ باعث خیر ہے تو ہم راضی ہیں اور باعثِ شر ہے تو ہم صبر کریں گے تو اس بات کو یزید کی مخالفت قرار دیا جائے؟ سبط ابن الجوزی (متروک ومبتدع[1]) نے تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس طرزِ عمل پر امام زہری رحمہ اللہ کا اظہارِ تعجب نقل کرتے ہوئے کہا ہے:

"قال الزهري: والعجب من امتناع عبد الله بن عمر من بيعة أمير المؤمنين فقد بايع يزيد بن معاوية"[2]

''امام زہری رحمہ اللہ نے کہا: امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا رکنا تعجب کی بات ہے، جبکہ انھوں نے یزید بن معاویہ کی بیعت کر لی تھی۔''

روافض نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اسی وجہ سے ناصبیت کا لقب دے دیا،[3] جبکہ ہمارے سنی بھائیوں نے دوسری انتہا پر پہنچتے ہوئے انھیں یزید بن معاویہ ہی کا مخالف بنا دیا!!

ہمارے نزدیک عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نہ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مخالف تھے اور نہ یزید کے مخالف تھے، بلکہ وہ سیاسی اختلافات سے خود کو دور رکھ کر جمہور اُمت کے فیصلے کا انتظار کرتے اور جمہور امت کی طرف سے جو فیصلہ ہو جاتا، اسے قبول کرکے اسی پر جم جاتے تھے۔

یاد رہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یزید کی باقاعدہ بیعت کی تھی اور آپ اس بیعت کو کتاب و سنت کے موافق بتلاتے تھے اور دوسروں کو بھی اس بیعت پر باقی رہنے کا حکم دیتے اور مخالفت کی شدید مذمت کرتے تھے۔[4]

---

[1] یہ سبط ابن الجوزی، مشہور امام ابن الجوزی نہیں ہیں بلکہ ان کا نواسہ ہے۔ یہ بدعتی بلکہ رافضی شخص تھا دیکھیں: میزان الاعتدال ۴/۴۷۱۔ شیخ الاسلام بن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ شیعوں کو خوش کرنے کے لئے ان کے من کی باتیں لکھا کرتا تھا۔ منہاج السنہ ۴/۹۸۔

ہم نے اسے متروک ومبتدع لکھا تو ایک جاہل شخص نے اپنی جہالت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہماری طرف یہ منسوب کر دیا کہ ہم نے امام ابن الجوزی کو متروک ومبتدع لکھا ہے۔

[2] تذكرة الخواص لسبط ابن الجوزي (ص: ٢٩٩)

[2] القول الصراح في البخاري وصحيحه الجامع (ص: ١٧٠)

[4] دیکھیں: صحيح البخاري (٩/ ٥٧) رقم الحديث (٧١١١)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بعض علم ظاہر نہ کرنا

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶) نے کہا:

”حدثنا إسماعيل، قال: حدثني أخي، عن ابن أبي ذئب، عن سعيد المقبري، عن أبي هريرة قال: حفظت من رسول الله ﷺ وعائين: فأما أحدهما فبثثته، وأما الآخر فلو بثثته قطع هذا البلعوم“[1]

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے (علم کے) دو برتن یاد کیے ہیں، ایک کو میں نے پھیلا دیا ہے اور دوسرا برتن اگر میں پھیلاؤں تو میرا یہ نرخرا کاٹ دیا جائے۔“

اس حدیث میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جس دوسرے علم کو چھپا لیا ہے، وہ ایک غیبی معاملہ ہے، جس کے بارے میں صرف قیاس آرائی ہی کی جاسکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب خود ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے صراحت نہیں کی ہے تو بھلا دوسرے لوگ عالم الغیب ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے دل کی بات جان لیں؟!

تاہم اتنی بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اس علم سے مراد احکام و مسائل کے علوم نہیں ہیں، کیوں کہ ان کا چھپانا جائز نہیں ہے، نیز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جان کے خوف کی بات کہی ہے جس سے اشارہ ملتا ہے کہ اس سے فتنوں کے متعلق معلومات مراد ہیں۔

امام قرطبی (المتوفی: ۶۷۱ھ) اس حدیث سے متعلق اہلِ علم کی تشریح پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”قال علماؤنا: وهذا الذي لم يبثه أبو هريرة، وخاف علىٰ نفسه فيه، الفتنة أو القتل، إنما هو مما يتعلق بأمر الفتن، والنص علىٰ أعيان المرتدين، والمنافقين، ونحو هذا مما لا يتعلق بالبينات والهدى، والله تعالىٰ أعلم“[2]

---

[1] صحيح البخاري (۱/ ۳۵) رقم الحديث (۱۲۰)

[2] الجامع لأحكام القرآن (۲/ ۱۸۶)

''ہمارے علما کا کہنا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جس علم کو عام نہیں کیا اور جس کے عام کرنے پر فتنہ اور قتل کا خوف محسوس کیا، اس سے مراد وہ علم ہے جس کا تعلق فتنوں سے ہے، جس میں مرتدین اور منافقین کے ناموں کی صراحت کی گئی ہے اور ایسے امور ہیں جن کا تعلق دلائل اور ہدایت سے نہیں ہے۔ واللہ اعلم''

یعنی عمومی طور پر ہم صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ اس سے وہ علم مراد ہے جس کا تعلق فتنوں سے ہے۔ اس سے آگے بڑھ بطورِ خاص کسی شخصیت کو اس کا مصداق بتلانا یہ رجماً بالغیب ہے۔ افسوس کہ جس طرح بعض بدعتیوں نے اس حدیث سے اپنے مطلب کی چیز علم لدنی کو ثابت کرنا چاہا، ٹھیک اسی طرح کچھ لوگ اس سے زبردستی یزید کی مذمت ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ بعض لوگ اپنی تائید میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا قول اور ان کی تشریح پیش کرتے ہیں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یزید کو ان امرائے سُو میں مانا ہے، جس کی طرف ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں اشارہ کیا ہے۔ عرض ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کو چند روایات سے غلط فہمی ہوئی، جن میں بعض صحیح و ثابت نہیں اور بعض کا مفہوم کچھ اور ہے، چناں چہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲) نے کہا:

''حمل العلماء الوعاء الذي لم يبثه علىٰ الأحاديث التى فيها تبيين أسامي أمراء السوء وأحوالهم وزمنهم، وقد كان أبو هريرة يكني عن بعضه ولا يصرح به خوفا علىٰ نفسه، منهم كقوله، أعوذ بالله من رأس الستين وإمارة الصبيان يشير إلىٰ خلافة يزيد بن معاوية، لأنها كانت سنة ستين من الهجرة''[1]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جس علم کو عام نہیں کیا، اسے علما نے ان احادیث پر محمول کیا ہے جن میں برے امرا اور ان کے احوال اور ان کے زمانوں کا بیان ہے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کرتے تھے اور صراحت نہیں کرتے تھے، جیسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ سن ۶۰ کے سر سے اور بچوں کی امارت سے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اشارہ یزید بن معاویہ کی خلافت کی طرف تھا، کیوں کہ یہ خلافت سن ۶۰ ہجری میں تھی۔''

---

[1] فتح الباري لابن حجر (۱/ ۲۱۶)

عرض ہے کہ یہاں پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی تشریح کی بنیاد یہ بتائی ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سن ٦٠ سے پناہ مانگتے تھے اور بچوں کی امارت سے پناہ مانگتے تھے۔یعنی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے سن ٦٠ والی روایت کی بنیاد پر یہ سمجھ لیا کہ سن ٦٠ کا دور ہی بچوں کی امارت کا دور ہے، حالاں کہ اس روایت سے ایسا سمجھنا غلط ہے، جیسا کہ تفصیل سے بتایا جا چکا ہے۔[1]

نیز حافظ ابن حجر کے موقف کا تفصیلی رد بھی پیش کر دیا گیا ہے،[2] لہٰذا جب اصل بنیاد ہی غلط ہے تو اس کی روشنی میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے خفیہ علم کی تشریح بھی غلط ہے۔

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (٢٨٢۔٢٨٣) دیکھیں۔

[2] اسی کتاب کا صفحہ (٢٨٤۔٢٨٧) دیکھیں۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ اور اہلِ مدینہ کو خوف زدہ کرنے پر وعید

امام بن ابی عاصم رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۸۷ھ) نے کہا:

”حدثنا الصلت بن مسعود، نا يحيىٰ بن عبد الله بن يزيد بن عبد الله بن أنيس، نا محمد بن جابر بن عبد الله الأنصاري، قال: خرجت أنا مع أبي جابر بن عبد الله رضي الله عنه زمن الحرة فأصاب رِجلَ جابر حجر، وهو قد كف بصره، فأدمىٰ أصبعَ جابر فقال: خس تعس من أخاف رسول الله ﷺ فقلت: يا أبت ومن يخيف رسول الله ﷺ؟ قال: أشهد علىٰ رسول الله ﷺ لقال: من أخاف هذا الحي من الأنصار فقد أخاف ما بين هذين، ووضع يديه علىٰ خاصرتيه، وقد والله أخافنا هؤلاء“[1]

”محمد بن جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ حرہ کے موقع پر نکلا تو میرے والد کا پاؤں ایک پتھر سے ٹکرا گیا اور آپ کی بصارت جا چکی تھی، چناں چہ جابر رضی اللہ عنہ کی انگلی زخمی ہوگئی تو جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: تباہ و برباد ہو، وہ جس نے اللہ کے رسول ﷺ کو ڈرایا۔ تو میں نے کہا: اے ابا جان! اللہ کے رسول ﷺ کو کون ڈرائے گا؟ تو جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جس نے انصار کے اس علاقے والوں کو ڈرایا، اس نے میرے ان دونوں پہلوؤں کے درمیان چیز کو ڈرایا۔“

بعض لوگ یہ روایت پیش کر کے کہتے ہیں کہ یزید نے واقعہ حرہ میں اہلِ مدینہ کو ڈرایا، جس پر جابر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث پیش کی۔ عرض ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ نے بے شک اہلِ مدینہ کو ڈرانے والوں سے متعلق حدیث پیش کی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ واقعہ حرہ کے موقع پر اہلِ مدینہ کو ڈرانے کا ذمے دار کون ہے؟

---

[1] الآحاد والمثاني لابن أبي عاصم (٤/ ٧٠) وإسناده حسن.

ہم نے آگے واقعہ حرہ پر مفصل بحث پیش کی ہے اور وہاں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ اہلِ مدینہ کو ڈرانے کی ذمے داری مدینے کے شرپسندوں ہی پر عائد ہوتی ہے۔[1] انھوں نے ہی مدینے میں یزید کی بیعت توڑی اور یزید کے عامل اور بنو امیہ کو مدینے سے باہر بھگا دیا اور پورے مدینے میں خوف و دہشت کا ماحول برپا کر دیا، جیسا کہ اس سے قبل عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے وقت دہشت پھیلائی گئی تھی۔

یزید نے اس دہشت گردی اور شر انگیزی کے خاتمے کے لیے کارروائی کی تھی نہ کہ بلاوجہ محض اہلِ مدینہ کو خوف زدہ کرنا مقصود تھا۔ لہٰذا اس حدیث کے مصداق وہی لوگ ہیں جو اصل دہشت گردی اور شر انگیزی کے ذمے دار ہیں۔[2]

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۴۱۹۔۴۲۴) دیکھیں۔

[2] تفصیل کے لئے دیکھئے اسی کتاب کا صفحہ (۴۱۷۔۴۸۴)۔

صحابیِ رسول اسیر بن عمر رضی اللہ عنہ کا اثر

امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰) نے کہا:

”أخبرنا يحيى بن حماد قال: حدثنا أبو عوانة، عن داود بن عبد الله، عن حميد بن عبد الرحمن قال: دخلنا على أسير ـ رجل من أصحاب رسول الله ﷺ ـ حين استخلف يزيد بن معاوية، قال: يقولون إن يزيد ليس بخير أمة محمد، ولا أفقهها فقها، ولا أعظمها فيها شرفا، وأنا أقول ذلك، ولكن والله، لأن تجتمع أمة محمد ﷺ أحب إلى من أن تفرق أرأيتكم بابا لو دخل فيه أمة محمد ﷺ وسعهم، أكان يعجز عن رجل واحد لو دخل فيه؟ قال: قلنا: لا، قال: أرأيتكم لو أن أمة محمد ﷺ، قال: كل رجل منهم. لا أهريق دم أخي، ولا آخذ ماله، أكان هذا يسعهم؟ قال: قلنا: نعم. قال: فذلك ما أقول لكم. ثم قال رسول الله ﷺ، لا يأتيك من الحياء إلا خير“[1]

حمید بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ ہم اسیر - ایک صحابیِ رسول (رضی اللہ عنہ) - کے پاس اس وقت حاضر ہوئے، جب یزید بن معاویہ خلیفہ بنے تو انھوں نے کہا: لوگ کہتے ہیں: یزید امتِ محمد یہ میں نہ سب سے بہتر ہیں اور نہ سب سے بڑے عالم و فقیہ اور نہ ہی سب سے زیادہ عزت و شرف والے اور میں بھی یہی کہتا ہوں، لیکن اللہ کی قسم! مجھے امت محمد یہ کا متحد و متفق رہنا، اس کے مختلف و متفرق رہنے سے زیادہ محبوب ہے۔ تم بتاؤ اگر کوئی ایسا دروازہ ہو، جس میں اگر امت محمد یہ داخل ہو تو وہ اس کو کشادہ ہو جائے تو کیا اگر ایک آدمی اس میں داخل ہو تو کیا وہ اس کو ناکافی ہو جائے گا؟ حمید نے کہا: ہم نے کہا: نہیں، انھوں نے کہا: بتاؤ اگر امتِ محمد یہ کا ہر آدمی کہے کہ میں اپنے بھائی کا خون نہیں بہاؤں گا اور نہ اس کا مال لوں گا تو کیا یہ اس کو کشادہ ہوگا؟ حمید نے کہا: ہم نے کہا:

---

[1] الطبقات الكبرىٰ ط دار صادر (۷/ ٦۷) تاريخ خليفة بن خياط (ص: ۲۱۷) التاريخ الكبير للبخاري (۸/ ٤۲۲) و إسناده صحيح. التاریخ الکبیر میں اسیر کی جگہ یسیر ”یا“ کے ساتھ ہے۔

ہاں! انھوں نے کہا: تو یہی میں بھی کہتا ہوں، پھر انھوں نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: ''حیا سے تم کو خیر ہی حاصل ہوگا۔'' (یعنی اگر آدمی میں حیا باقی رہے گی تو وہ لوگوں کے خون سے نہ اپنا ہاتھ رنگین کرے گا اور نہ کسی قسم کی اذیت دے گا۔)

بعض لوگ اس روایت سے یزید کی مذمت کشید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صحابی رسول اسیر رضی اللہ عنہ نے یزید کی مذمت کی، حالانکہ اس روایت میں ایسی کوئی بات ہے ہی نہیں، بلکہ روایت صرف یہ بتلاتی ہے کہ بعض نامعلوم لوگ یزید کے خلیفہ بننے کے بعد کہتے تھے کہ یزید اس امت میں سب سے بہتر اور سب سے بڑے فقیہ نہیں تھے۔ اب اس سے کس کو انکار ہے۔ ظاہر ہے کہ یزید کے خلیفہ بننے کے بعد صحابہ بھی موجود تھے اور صحابہ یزید سے افضل ہیں۔

لیکن یزید کو خلیفہ بنانے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اسے پوری امت میں سب سے افضل اور سب سے بڑا فقیہہ قرار دیا گیا ہے، بلکہ فتنہ اور جنگ و جدال کو روکنے کے لیے اس وقت یزید ہی کو خلیفہ بنایا جانا مناسب تھا۔ یہی بات اسیر رضی اللہ عنہ نے سمجھائی اور کہا کہ مجھے بھی یہ بات تسلیم ہے کہ یزید اس امت میں سب سے افضل اور سب سے بڑے فقیہہ نہیں ہیں، لیکن اگر اس کے ذریعہ امت میں اتفاق و اتحاد ہو جاتا ہے تو یہ بات اختلاف و انتشار سے حد درجہ بہتر ہے۔

اب بتلایئے کہ اس میں مذمت کی بات کہاں ہے؟ بلکہ غور کریں تو معلوم ہوتا ہے، اسیر رضی اللہ عنہ یزید کو اچھا اور فقیہ سمجھتے تھے، کیوں کہ انھوں نے اچھائی اور فقہاہت میں یزید کا موازنہ دیگر حضرات سے کیا ہے۔ اگر ان کی نظر میں یزید فاسق و فاجر ہوتا تو وہ خیر و فقہ میں یزید کا کسی سے موازنہ ہی نہیں کرتے۔

یعنی یوں نہ کہتے کہ ''یزید امتِ محمدیہ میں نہ سب سے بہتر ہیں اور نہ سب سے بڑے عالم و فقیہ اور نہ ہی سب سے زیادہ عزت و شرف والے'' بلکہ یوں کہتے کہ یزید اچھائی، فقاہت اور عزت و شرف سے محروم ہے، لیکن صحابیِ رسول رضی اللہ عنہ نے ایسا نہیں کہا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی نظر میں یزید بھی خیر و فقہ اور عزت و شرف والے تھے۔

❀❀❀❀

صحابی رسول عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کا اثر

بعض لوگ مسند ابی یعلی سے صحابی رسول عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کا ایک اثر پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے یزید بن معاویہ کی مذمت کی ۔

عرض ہے کہ:

اولا : یہ اثر صحیح سند سے ثابت ہی نہیں ہے جیسا کہ ہم نے اس کی پوری تفصیل کتاب کے اخیر میں پیش کی ہے ۔ (1)

ثانیا : اس میں یزید کی مذمت کا کوئی پہلو ہے ہی نہیں اس کی وضاحت بھی ہم نے مذکورہ مقام پر کردی ہے ۔(2)

---

(1) اسی کتاب کا صفحہ (۸۹۸ تا ۹۰۶) دیکھیں۔

(2) اسی کتاب کا صفحہ (۹۰۶ تا ۹۰۷) دیکھیں۔

باب 3

امیر یزید کی بیعت سے بعض صحابہ کا اختلاف

اور

اس کی نوعیت

امیر یزید کی بیعت سے بعض صحابہ کا اختلاف

اور

اس کی نوعیت

یزید کی مذمت میں ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ جب یزید کی بیعت لی گئی تو بعض صحابہ کی طرف سے اس کی مخالفت ہوئی۔

عرض ہے کہ سب سے پہلے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ جن حضرات نے بھی بیعتِ یزید کی مخالفت کی تھی، ان کی مخالفت فی نفسہٖ یزید کی شخصیت سے نہیں تھی، بلکہ ان کی مخالفت اس اندیشے پر قائم تھی کہ اگر باپ کے بعد بیٹے کو خلیفہ بنا دیا گیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ آگے چل کر یہ اصول بن جائے اور ہر خلیفہ کے بعد اس کے بیٹے ہی کو خلیفہ بنایا جانے لگے۔

اس لیے سدِّ باب کے لیے محض اس آئین سے بعض صحابہ نے اختلاف کیا۔ یاد رہے کہ بیعتِ یزید کی تجویز پیش کرنے والے اور اسے عملی شکل دینے والے سب صحابہ ہی تھے، اس لیے جن سے اختلاف کیا گیا، وہ بھی صحابہ تھے اور جنھوں نے اختلاف کیا، وہ بھی صحابہ تھے۔ یزید کی شخصیت کا فی نفسہٖ اس اختلاف سے کوئی تعلق نہیں۔ کسی بھی صحابی نے اس موقع پر یزید کے اخلاق و کردار کو موضوعِ بحث نہیں بنایا اور نہ یزید کی عدالت و صلاحیت سے انکار کیا، بلکہ اختلاف صرف باپ کے بعد بیٹے کی بیعت سے تھا اور محض چند صحابہ کا اختلاف وہ بھی یزید کی شخصیت سے نہیں، بلکہ باپ کے بعد بیٹے کی بیعت سے تھا، جس سے یزید پر کوئی حرف نہیں آتا، ورنہ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا کہیں گے؟ ان کی تو صرف چند صحابہ نہیں، بلکہ صحابہ کی ایک بڑی جماعت نے مخالفت کی، جن میں اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں اور مبشر بالجنہ صحابہ کرام بھی تھے۔ یہاں بھی اختلاف علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت سے نہیں، بلکہ بعض اصولوں سے تھا، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

صرف دو صحابہ نے بیعتِ یزید کی مخالف کی تھی:

اوپر وضاحت کی جا چکی ہے کہ فی نفسہٖ یزید کی شخصیت سے کسی کو اختلاف نہیں تھا، بلکہ اختلاف صرف باپ کے بعد بیٹے کو خلیفہ بنانے سے تھا اور یہ فیصلہ یزید کا نہیں، بلکہ صحابہ ہی کا تھا، اس لیے بعض کا یہ اختلاف بھی یزید سے نہیں، بلکہ صحابہ ہی سے تھا اور یہ اختلاف کرنے والے نہ تو کبار صحابہ میں سے تھے اور نہ یہ لوگ کوئی بڑی تعداد میں تھے، بلکہ صحیح روایات میں صرف اور صرف دو صحابہ کا اختلاف ثابت ہے: ایک عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور دوسرے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ۔ اب اس کی تفصیل ملاحظہ ہو:

عبدالرحمان بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی مخالفت:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶) نے کہا:

"حدثنا موسىٰ بن إسماعيل، حدثنا أبو عوانة، عن أبي بشر، عن يوسف بن ماهك، قال: كان مروان علىٰ الحجاز، استعمله معاوية فخطب، فجعل يذكر يزيد بن معاوية، لكى يبايع له بعد أبيه، فقال له عبد الرحمن بن أبي بكر شيئا، فقال: خذوه، فدخل بيت عائشة فلم يقدروا، فقال مروان: إن هذا الذي أنزل الله فيه: ﴿وَالَّذِىْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِىْٓ﴾، فقالت عائشة من وراء الحجاب: ما أنزل الله فينا شيئا من القرآن إلا أن الله أنزل عذري"[1]

''یوسف بن ماہک نے بیان کیا کہ مروان کو معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجاز کا امیر (گورنر) بنایا تھا تو اس نے ایک موقع پر خطبہ دیا اور خطبے میں یزید بن معاویہ کا بار بار ذکر کیا، تاکہ اس کے والد (معاویہ رضی اللہ عنہ) کے بعد لوگ اس کی بیعت کریں۔ اس پر عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے اعتراضاً کچھ فرمایا تو مروان نے کہا: اسے پکڑ لو۔ عبدالرحمٰن اپنی بہن عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں چلے گئے تو وہ لوگ انھیں پکڑ نہیں سکے۔ اس پر مروان بولا کہ اسی شخص کے بارے میں قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی تھی: ﴿وَالَّذِىْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ

[1] صحيح البخاري (٦/ ١٣٣) رقم الحديث (٤٨٢٧)

اَتَعِدٰنِنِيْٓ﴾ ''اور جس شخص نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تف ہے تم پر، کیا تم مجھے خبر دیتے ہو؟'' اس پر عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ہمارے (آل ابی بکر کے) بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی آیت نازل نہیں کی، البتہ تہمت سے میری براءت ضرور نازل کی تھی۔''

صحیح بخاری کی اس روایت میں صرف یہ ذکر ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے کچھ کہا، لیکن کیا کہا؟ اس کا تذکرہ اس روایت میں نہیں ہے، لیکن ایک دوسری روایت میں اس کا تذکرہ موجود ہے، چناں چہ امام ابن ابی خیثمہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۹) نے کہا:

''حدثنا موسىٰ بن إسماعيل، قال: حدثنا القاسم بن الفضل الحداني، عن محمد بن زياد، قال: قدم زياد المدينة فقام خطيبا... الخبر... وفيه: فقام عبد الرحمن بن أبي بكر فقال: يا معشر بني أمية اختاروا منا ثلاث سنن: سنة رسول الله ﷺ، أو سنة أبي بكر، أو سنة عمر، إن هذا الأمر قد كان، وفي أهل بيت رسول الله ﷺ من لو ولاه لكان لذلك أهلا، ثم كان أبو بكر بعده فكان في أهل بيته من لو ولاه لكان لذلك أهلا، فولي عمر، وكان في أهل بيت عمر من لو ولاه لكان لذلك أهلا، فجعلها في نفر من المسلمين، وإنما أردتم أن تجعلوها قيصرية، كلما هلك قيصر كان قيصر''[1]

''عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے کہا: اے بنو اُمیہ! آپ ہماری طرف سے پیش کردہ تین طریقوں میں سے کوئی ایک طریقہ منتخب کرلو۔ اللہ کے نبی ﷺ کے طریقے کو اپناؤ یا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے طریقے کو اپناؤ یا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے طریقے کو اپناؤ۔ یہ معاملہ اللہ کے نبی ﷺ کے سامنے بھی تھا اور آپ ﷺ کے خاندان میں ایسے لوگ تھے، جن کو اگر اللہ کے نبی ﷺ ولیِ عہد بنا دیتے تو وہ اس کے اہل تھے، اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو ان کے خاندان میں بھی ایسے لوگ تھے، جنھیں اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ ولیِ عہد بنا دیتے تو وہ اس کے اہل تھے۔ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو ان کے خاندان میں بھی ایسے لوگ تھے، جنھیں اگر عمر رضی اللہ عنہ ولیِ عہد بنا دیتے تو وہ اس کے اہل تھے، لیکن

[1] تاريخ ابن أبي خيثمة، السفر الثالث (۲/ ۷۱) وإسناده صحيح.

انھوں نے یہ معاملہ مسلمانوں کی ایک جماعت پر چھوڑ دیا اور تم لوگ چاہتے ہو کہ اس معاملے کو قیصریت بنا ڈالو! جب ایک قیصر فوت ہو تو دوسرا قیصر اس کی جگہ لے۔''

اسی طرح امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴) نے بھی نقل کیا ہے:

''قال عبد الرحمن لمروان: جعلتموها والله هرقلية وكسروية، يعني جعلتم ملك الملك لمن بعده من ولده''[1]

''عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم لوگوں نے خلافت کو ہرقلیت اور کسرویت بنا دیا ہے، یعنی تم نے اسے بادشاہ کی بادشاہت بنا دیا ہے، جس کے بعد بادشاہ کا بیٹا وارث ہوتا ہے۔''

ان روایات سے معلوم ہوا کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت سے اختلاف کیا تھا، لیکن ساتھ ساتھ ان روایات سے دو باتیں اور بھی معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ اختلاف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے موافقین صحابہ ہی سے تھا، کیوں کہ انھوں نے ہی یزید کی بیعت کا فیصلہ کیا تھا اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اس اختلاف کی بنیاد یزید کی شخصیت یا اس کا فاسق یا فاجر ہونا نہیں تھا، بلکہ یہ اختلاف اس اندیشے پر مبنی تھا کہ کہیں باپ کے بعد بیٹے کو خلیفہ بنانے سے خلافت ملوکیت میں نہ تبدیل ہو جائے اور ہر خلیفہ کے بعد اس کا بیٹا ہی خلیفہ بننے لگے، چناں چہ روایات پر غور کیجیے، عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر یزید کی قطعاً مذمت نہیں کی، بلکہ یہ کہا کہ تم لوگوں نے یہ فیصلہ کر کے خلافت کو قیصریت و کسرویت والی بادشاہت بنا دیا ہے، یعنی اب تو بادشاہوں کی طرح خلیفہ کے بعد بھی اس کی جگہ اس کا بیٹا لے رہا ہے۔

بلکہ تاریخ ابن ابی خیثمہ کی روایت کے سیاق پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ خود عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ بھی اس بات کے معترف تھے کہ یزید خلافت کا اہل ہے، اسی لیے انھوں نے مثال دیتے ہوئے کہا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خاندان میں ایسے لوگ موجود تھے، جو اُن کے بعد خلافت سنبھالنے کے اہل تھے۔

اگر عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی نظر میں یزید خلافت کے اہل نہ ہوتے تو آپ یہ تمثیل نہ دیتے یا کم از کم اس کے بعد آپ یزید کو خلافت کے لیے نا اہل بتاتے، لیکن انھوں نے ایسا نہیں

[1] البداية والنهاية (٨/ ٨٩) نقلًا عن عبدالرزاق، وإسناده صحيح.

کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی نظر میں یزید خلافت کے اہل تھے، لیکن چونکہ یزید موجودہ خلیفہ کے بیٹے تھے، اس لیے ان کی نظر میں انھیں خلیفہ بنایا جانا درست نہیں تھا۔

فائدہ:

کچھ لوگ عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی اس مخالفت کو جذباتی رنگ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ خلیفہ اول اور اُمت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے نے یزید کی مخالفت کی۔

ان حضرات کی خدمت میں سب سے پہلے تو یہ عرض ہے کہ عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کا اختلاف یزید کی شخصیت سے نہیں تھا، جیسا کہ گذشتہ سطور میں تفصیل پیش کی گئی ہے۔ دوسری بات یہ عرض ہے کہ خلیفہ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کے ایک بیٹے محمد بن ابی بکر تھے، انھوں نے تو خلیفہ سوم عثمان رضی اللہ عنہ کی شدید مخالفت کی، حتیٰ کہ انھیں قتل کرنے پر بھی آمادہ ہوگئے اور ارادہ قتل سے عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ بھی گئے، لیکن عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے ایک ایسی بات کہی، جس سے شرمندہ ہوکر وہ باز آ گئے تھے۔[1]

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت:

امام ابونعیم رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۳۰) نے کہا:

”حدثنا محمد بن علي، ثنا الحسين بن مودود، ثنا سليمان بن يوسف، ثنا يعقوب بن إبراهيم بن سعد، ثنا أبي، عن صالح بن كيسان، عن ابن شهاب، قال: أخبرني القاسم بن محمد بن أبي بكر، أن معاوية أخبر أن عبد الله بن عمر وعبد الرحمن بن أبي بكر وعبد الله بن الزبير خرجوا من المدينة عائذين بالكعبة من بيعة يزيد بن معاوية، قال: فلما قدم معاوية مكة، تلقاه عبد الله بن الزبير بالتنعيم فضاحكه معاوية وسأله عن الأموال (لعل الصواب: الأحوال)، ولم يعرض بشيئ من الأمر الذي بلغه، ثم لقي عبد الله بن عمر وعبد الرحمن بن أبي بكر فتفاوضا معه في أمر يزيد، ثم دعا معاويةُ ابنَ الزبير فقال له: هذا صنيعك أنت،

---

[1] تاريخ خليفة بن خياط (ص: ١٧٤) وإسناده صحيح.

استزللت هذين الرجلين، وسننت هذا الأمر، وإنما أنت ثعلب رواغ، لا تخرج من جحر إلا دخلت في آخر، فقال ابن الزبير: ليس بي شقاق، ولكن أكره أن أبايع رجلين، أيكما أطيع بعد أن أعطيكما العهود والمواثيق؟ فإن كنت مللت الإمارة فبايع ليزيد، فنحن نبايعه معك فقام معاوية حين أبوا عليه فقال: ألا إن حديث الناس ذات غور (لعل الصواب: ذات عوار)، وقد كان بلغني عن هؤلاء الرهط أحاديث وجدتها كذبا، وقد سمعوا وأطاعوا، ودخلوا في صلح ما دخلت فيه الأمة"[1]

"قاسم بن محمد بن ابی بکر کہتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو خبر دی گئی کہ عبداللہ بن عمر، عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم بیعتِ یزید سے بچنے کے لیے مدینے سے نکل کر مکے آ گئے ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر معاویہ رضی اللہ عنہ جب مکے آئے تو مقامِ تنعیم پر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا ان سے سامنا ہوا، معاویہ رضی اللہ عنہ خندہ پیشانی کے ساتھ ان سے ملے اور ان کی خیر و عافیت دریافت کی، لیکن ان کے تعلق سے انھیں جو خبر ملی تھی اس بارے میں کسی کا تذکرہ نہیں کیا۔ اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے ملاقات کی اور ان دونوں حضرات نے یزید کے مسئلے پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بات چیت کی۔ اس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے کہا: یہ سب آپ ہی کا کیا دھرا ہے، آپ ہی نے ان دونوں حضرات کو بہکایا ہے اور اس چیز کی شروعات کی ہے۔ آپ کی مثال خود کو چھپانے والی اس لومڑی کی طرح ہے، جو ایک سوراخ سے نکل کر دوسرے سوراخ میں داخل ہو جاتی ہے تو ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اختلاف نہیں کرتا، لیکن میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ دو دو لوگوں سے بیعت کروں، اگر میں نے آپ دونوں کو عہد و میثاق دے دیا تو پھر میں آپ دونوں میں سے کس کی اطاعت کروں گا؟ اگر آپ امارت سے اُکتا گئے ہیں تو یزید کی بیعت کرلیں، ہم بھی آپ کے ساتھ یزید کی بیعت کر لیتے ہیں تو جب ان لوگوں نے (اس طرح کی) مخالفت کی تو معاویہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: لوگوں کی باتیں بے سر پیر کی

[1] حلية الأولياء وطبقات الأصفياء (١/ ٣٣١) وإسناده صحيح.

ہیں، مجھ تک ان حضرات کے بارے میں ایسی باتیں پہنچی تھیں، جنھیں میں نے جھوٹ پایا، ان لوگوں نے سمع و طاعت کرلی ہے اور اُمت، جس چیز پر رضا مند ہوگئی ہے، اس میں یہ حضرات بھی داخل ہوگئے ہیں۔“

نوٹ:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا جملہ ”أنت ثعلب رواغ“ (خود کو چھپانے والی لومڑی) عربی محاورہ ہے۔[1] لہٰذا اس سے کوئی غلط مفہوم مراد لینا درست نہیں ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت سے اختلاف کیا تھا، لیکن ساتھ ساتھ اس روایت سے دو باتیں اور بھی معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ یہ اختلاف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے موافقین صحابہ ہی سے تھا، کیوں کہ انھوں نے ہی یزید کی بیعت کا فیصلہ کیا تھا اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اس اختلاف کی بنیاد یزید کی شخصیت یا اس کا فاسق یا فاجر ہونا نہیں تھا، بلکہ یہ اختلاف اس اندیشے پر مبنی تھا کہ کہیں باپ کے بعد بیٹے کو خلیفہ بنانے سے خلافت ملوکیت میں نہ تبدیل ہو جائے اور ہر خلیفہ کے بعد اس کا بیٹا ہی خلیفہ بننے لگے، جیسا کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف واضح اشارہ کیا اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی یہ مخالفت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہی کے اشارے پر ہے۔

بعد میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بیعت کی مخالفت کی ایک دوسری وجہ پیش کر دی، وہ یہ کہ ایک ساتھ دو خلیفہ کی بیعت نہیں ہوسکتی ہے، حالاں کہ یزید کو اسی وقت خلیفہ بنانے کے لیے بیعت نہیں لی جارہی تھی، بلکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد انھیں خلیفہ بنانے پر بیعت ہو رہی تھی۔ علاوہ بریں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد تو یہ عذر ختم ہوگیا، لیکن اس کے باوجود بھی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بیعت نہیں کی، معلوم ہوا کہ ان کی مخالفت کی بھی اصل بنیاد یہی تھی کہ باپ کے بعد بیٹے کو خلیفہ نہیں بنایا جاسکتا۔

الغرض عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت بھی فی نفسہٖ یزید کی شخصیت سے مخالفت کی بنا پر نہیں تھی، بلکہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جو یہ کہا: ”میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ

[1] دیکھیں: أساس البلاغة (١/ ٣٩٦)

دو دو لوگوں سے بیعت کروں، اگر میں نے آپ دونوں کو عہد و میثاق دے دیا تو پھر میں آپ دونوں میں سے کس کی اطاعت کروں گا؟ اگر آپ امارت سے اُکتا گئے ہیں تو یزید کی بیعت کر لیں، ہم بھی آپ کے ساتھ یزید کی بیعت کر لیتے ہیں۔" اس سے تو صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی نظر میں یزید کی شخصیت داغ دار نہیں تھی، بلکہ یزید خلافت کے اہل تھے۔

چونکہ ان حضرات سے گفتگو کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوگیا کہ ان حضرات کے پاس بیعتِ یزید کی مخالفت کے لیے کوئی بنیاد نہیں ہے، بلکہ یہ مخالفت محض اندیشے پر مبنی ہے اور جمہور اُمت کے اتفاق کے بعد اس مخالفت کا جواز باقی نہیں رہتا ہے، بلکہ عمومی اتفاق کے بعد ان حضرات کو اپنی مخالفت ختم کر دینی چاہیے اور حسنِ ظن کا تقاضا یہی ہے کہ سب کے اتفاق کے بعد یہ حضرات بھی اپنی مخالفت ختم کر دیں گے، اسی لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کے موقف کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا کہ یہ لوگ بھی امت کے فیصلے میں داخل ہوگئے۔[1]

یاد رہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی بیعت سے متعلق طلحہ رضی اللہ عنہ کے موقف کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا:

"إن طلحة والزبير قد بايعا طائعين غير مكرهين، ثم أرادا أن يفسدا الأمر ويشقا عصا المسلمين"[2]

"طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما نے بغیر کسی زبردستی کے اپنی مرضی سے بیعت کی اور اب یہ لوگ معاملے کو بگاڑنا اور مسلمانوں کی صفوں میں اختلاف برپا کرنا چاہتے ہیں۔"

حالاں کہ طلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بسند صحیح ثابت ہے کہ انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کراہت و ناپسندیدگی کے ساتھ کی ہے۔ چناں چہ امام نعیم بن حماد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۲۸) نے کہا:

"حدثنا ابن المبارك، عن شعبة، عن سعد بن إبراهيم، عن أبيه، قال: لما بلغ عليا رضي الله عنه أن طلحة يقول: إنما بايعت واللج على قفاي، أرسل ابن عباس إلى أهل المدينة فسألهم عما قال، فقال أسامة بن زيد: أما اللج على قفاه فلا، ولكن بايع، وهو كاره، فوثب الناس عليه حتى كادوا يقتلونه"[3]

---

[1] مواقف المعارضة (ص: ١٢٦۔ ١٢٨)

[2] مصنف ابن أبي شيبة. ط سلفية (١٥/ ٢٧٣) و إسناده صحيح.

[3] الفتن لنعيم بن حماد (١/ ١٥٩) و إسناده صحيح، وأخرجه أيضاً ابن ابن أبي شيبه في مصنفه (١١/ ١٠٧) و أيضا (١٥/ ٢٥٩) من طريق غندر عن شعبه به، و إسناده صحيح.

''جب علی رضی اللہ عنہ کو یہ بات بتائی گئی کہ طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس حال میں بیعت کی کہ تلوار میرے سر پر تھی تو علی رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو مدینے بھیجا، انھوں نے اہلِ مدینہ سے اس بابت دریافت کیا تو اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا: جہاں تک سر پر تلوار ہونے کی بات ہے تو یہ درست نہیں، لیکن انھوں نے کراہت کے ساتھ بیعت کی ہے۔ پھر لوگ (اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی اس حق گوئی کی بناپر) ان پر ٹوٹ پڑے اور قریب تھا کہ انھیں قتل کر ڈالیں۔''

علی رضی اللہ عنہ کا طلحہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کے تذکرے کے ساتھ ان کی بیعت کو من پسند اور عدمِ اکراہ سے متصف کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ انھیں اس بارے میں علم تھا کہ کچھ لوگ ان کی بیعت کو کراہت و ناپسندیدگی اور اکراہ سے متصف کرتے ہیں، بلکہ موخر الذکر صحیح روایت کے مطابق علی رضی اللہ عنہ نے اس معاملے کی تحقیق بھی کروائی اور اس کے بعد یہ حقیقت سامنے آئی کہ طلحہ رضی اللہ عنہ نے کراہت و ناپسندیدگی کے ساتھ بیعت کی تھی۔

غور کریں علی رضی اللہ عنہ تک ایک صحابی کی شہادت پہنچ گئی کہ طلحہ رضی اللہ عنہ نے کراہت و ناپسندیدگی کے ساتھ بیعت کی تھی، اس کے باوجود بھی علی رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں کہ طلحہ رضی اللہ عنہ نے طائع ہوکر یعنی اپنی مرضی و پسند سے میری بیعت کی ہے۔ ظاہر ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے ایسا حسن ظن ہی کی بنیاد پر کہا، یعنی ان کی نظر میں طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی بیعت کو ناپسند کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں تھی۔

واضح رہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا طرزِ عمل مخالفت کا نہیں، بلکہ کنارہ کشی کا تھا۔ آپ اپنے آپ کو ان سیاسی معاملات سے الگ رکھتے ہوئے جمہور اُمت کے فیصلے کا انتظار کرتے اور جمہور کا جو فیصلہ ہوتا، اسے قبول کر لیتے، لہٰذا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ طرزِ عمل مخالفت نہیں، بلکہ جمہور امت کا فیصلہ آنے تک سکوت کا ہے، لہٰذا ان کے اس طرزِ عمل کو مخالفت کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان سے بات کرنے کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں کوئی نصیحت نہیں کی، کیوں کہ وہ بیعتِ یزید کے مخالف تھے ہی نہیں، بلکہ جمہور امت کا فیصلہ آنے تک سکوت اختیار کیے ہوئے تھے۔ چناں چہ جب جمہور امت اور اکثریت کی طرف سے یزید کی بیعت ہوگئی تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی یزید کی باقاعدہ بیعت کر لی اور ہمیشہ اس پر قائم رہے۔

نیز اس موقع پر یہ بتا دینا فائدے سے خالی نہیں ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے بھی کنارہ کشی اختیار کی تھی، بلکہ ان کے مطالبے پر سختی کے ساتھ بیعت سے انکار کر دیا تھا اور ہمیشہ اسی انکار پر باقی رہے، جیسا کہ اس سلسلے میں ایک صحیح روایت مصنف ابن ابی شیبہ (۱۱/ ۱۴۳) کے حوالے سے گذشتہ صفحات پر گزر چکی ہے۔

غیر ثابت مخالفتیں:

صحیح روایات کی روشنی میں صرف اور صرف دو صحابہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم ہی سے بیعتِ یزید کی مخالفت ثابت ہے، اس کے علاوہ بیعتِ یزید کی مخالفت کسی بھی دوسرے صحابی سے ثابت نہیں۔ اس سلسلے میں جو دیگر روایات ملتی ہیں، ان میں سے کوئی ایک بھی ثابت نہیں ہے، ذیل میں اس کی تفصیل ملاحظہ کریں۔

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۰) نے کہا:

"حدثني يعقوب بن إبراهيم قال: حدثنا إسماعيل بن إبراهيم قال: حدثنا ابن عون قال: حدثني رجل بنخلة قال: بايع الناس ليزيد بن معاوية غير الحسين بن علي و ابن عمر و ابن الزبير و عبدالرحمن بن أبي بكر وابن عباس..."[1]

ایک نامعلوم آدمی کا بیان ہے کہ لوگوں نے یزید بن معاویہ کی بیعت کرلی سوائے حسین بن علی، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن ابی بکر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے...."

اس روایت میں یزید کی مخالفت کرنے والوں میں مزید دو صحابہ کا ذکر ہے اور یہ حسین رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں، لیکن ان دونوں صحابہ سے بیعتِ یزید کی مخالفت ثابت نہیں ہے، کیوں کہ یہ روایت مردود ہے، اسے بیان کرنے والا شخص نا معلوم ہے، اس کی ثقاہت و عدالت تو دور کی بات، اس کا نام تک مذکور نہیں، لہٰذا اس مجہول و نامعلوم شخص کی وجہ سے یہ روایت مردود ہے۔

۲۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بغیر کسی حوالے اور بغیر کسی سند کے سعید بن عثمان کو بھی بیعتِ یزید کے مخالفین میں پیش کیا ہے، چناں چہ لکھتے ہیں:

---

[1] تاريخ الأمم والرسل والملوك للطبري (٣/ ٢٤٨)

”وقد عاتب معاوية في ولايته يزيد سعيد بن عثمان بن عفان، وطلب منه أن يوليه مكانه، وقال له سعيد فيما قال: إن أبي لم يزل معتنيا بك حتى بلغت ذروة المجد والشرف، وقد قدمت ولدك علي، وأنا خير منه أبا وأما ونفسا...“ [1]

”یزید کو ولی عہد بنانے کی بناپر سعید بن عثمان نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی سرزنش کی اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ یزید کی جگہ انھیں ولی عہد بنا دیں اور اس موقع پر سعید بن عثمان نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جو کچھ کہا تھا، اس میں یہ بھی کہا تھا کہ میرے والد برابر آپ کی دیکھ بھال کرتے رہے یہاں تک کہ آپ مجد و شرف کے اس مقام پر پہنچے، لیکن آپ نے مجھ پر اپنے بیٹے کو فوقیت دی، جبکہ میں اس سے ماں، باپ اور ذات کے لحاظ سے افضل ہوں....“

عرض ہے کہ یہ روایت بھی ناقابلِ قبول ہے، کیوں کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بغیر کسی حوالہ اور بغیر کسی سند کے اسے ذکر کیا ہے۔ الغرض صرف دو صحابہ کے علاوہ کسی بھی تیسرے صحابی سے بیعتِ یزید کی مخالفت ثابت نہیں ہے۔ جو روایات اس ضمن میں مزید نام پیش کرتی ہیں، وہ مردود ہیں، جیسا کہ گذشتہ سطور میں وضاحت کی گئی۔ **مسند ابی یعلی سے صحابی عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی مخالفت بھی پیش کی جاتی ہے یہ بھی باطل ومن گھڑت ہے اسی کتاب کا صفحہ (۸۹۸) دیکھیں۔**

بیعت سے فرار کے لیے مکے میں پناہ:

یاد رہے کہ جس طرح امیر یزید کی بیعت سے متعلق یہ ملتاہے کہ ان کی بیعت سے فرار کے لیے بعض صحابہ مدینے سے مکے روانہ ہوگئے تھے، ٹھیک اسی طرح علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے متعلق بھی روایات میں ملتا ہے کہ ان کی بیعت سے بھی انکار کرکے بعض صحابہ مکے روانہ ہوگئے تھے۔ اس سلسلے میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی صحیح روایت پیش کی جاچکی ہے۔ [2] اس کے علاوہ امام طبری نے دیگر صحابہ کا بھی یہی طرزِ عمل نقل کیا ہے، لیکن اس کی سندیں ہماری نظر میں صحیح نہیں ہیں، تفصیل ملاحظہ ہو:

---

[1] البداية والنهاية (٨/ ٨٠)

[2] دیکھیں: مصنف ابن أبي شيبة (١١/ ٣٣)، نیز اسی کتاب کا صفحہ (۲۹۲) دیکھیں۔

۱۔ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۰) نے کہا:

"كتب إلي السري، عن شعيب، عن سيف، عن أبي حارثة و أبي عثمان، قالا: لما كان يوم الخميس علىٰ رأس خمسة أيام من مقتل عثمان رضي الله عنه، جمعوا أهل المدينة فوجدوا سعدا والزبير خارجين، ووجدوا طلحة في حائط له، ووجدوا بني أمية قد هربوا إلا من لم يطق الهرب، وهرب الوليد وسعيد إلىٰ مكة في أول من خرج، وتبعهم مروان، و تتابع على ذلك من تتابع"[1]

"عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے پانچ دن بعد اہلِ مدینہ کو لوگوں نے جمع کیا تو دیکھا کہ سعد اور زبیر رضی اللہ عنہ مدینے سے نکل چکے ہیں اور طلحہ رضی اللہ عنہ کو ان کے باغ میں پایا گیا اور بنو اُمیہ (سب کے سب) فرار ہوگئے، سوائے ان کے جو فرار کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور ولید اور سعید رضی اللہ عنہ بھی پہلے نکلنے والے لوگوں کے ساتھ فرار ہوگئے اور مروان بھی ان کے پیچھے گئے، اس کے بعد پے در پے کئی لوگوں نے ایسے ہی کیا۔"

۲۔ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۰) نے کہا:

"حدثني عمر، قال: حدثنا أبو الحسن...قال: وحدثني من سمع الزهري يقول: هرب قوم من المدينة إلىٰ الشام، ولم يبايعوا عليا، ولم يبايعه قدامة بن مظعون، وعبد الله بن سلام، والمغيرة بن شعبة، وقال آخرون: إنما بايع طلحة والزبير عليا كرها"[2]

"امام زہری کہتے ہیں کہ مدینے کی ایک جماعت نے شام کی طرف راہِ فرار اختیار کی اور علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی۔ قدامہ بن مظعون، عبداللہ بن سلام اور مغیر بن شعبہ نے بھی بیعت نہیں کی اور دیگر لوگوں نے بیان کیا کہ طلحہ اور زبیر نے زبردستی کرنے کے سبب بیعت کی۔"

زبردستی بیعت کا افسانہ:

جب لوگ اس حقیقت کا انکار نہیں کر پاتے کہ جلیل القدر صحابہ نے یزید کی بیعت کی ہے تو یہ

[1] تاريخ الطبري (٤/ ٤٣٣) و إسناده ضعيف.

[2] تاريخ الطبري (٤/ ٤٣٠) و إسناده ضعيف.

جھوٹ گھڑ لیتے ہیں کہ ان صحابہ پر زور زبردستی کرکے ان سے بیعت لی گئی تھی، حالاں کہ بیعتِ یزید سے متعلق ایسی کوئی ایک بھی روایت صحیح و ثابت نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو:

پہلی روایت:

امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰) نے کہا:

"... قال محمد بن عمر: قال ابن أبي سبرة: وقد أخبرني عبد الله بن أبي بكر بن محمد بن عَمرو بن حزم... ثم اعتمر معاوية في رجب، سنة ست وخمسين، و قدم المدينة، فكان بينه وبين الحسين بن علي، وعبد الله بن عُمَر، و عبد الرحمن بن أبي بكر، و عبد الله بن الزبير ما كان من الكلام في البيعة ليزيد بن معاوية، وقال: إني أتكلم بكلام فلا تردوا علي شيئا، فأقتلكم، فخطب الناس، فأظهر أنهم قد بايعوا، وسكت القوم، فلم يقروا، ولم ينكروا خوفا منه"[1]

"... پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے رجب ۵۶ ہجری میں عمرہ کیا اور مدینے آئے، پھر یزید بن معاویہ کی بیعت کے سلسلے میں حسین بن علی، عبداللہ بن عمر، عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے ان کی بات چیت ہوئی اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ایک بات کہنے جارہا ہوں، تم لوگ اس کی ذرہ برابر بھی تردید نہ کرنا، ورنہ میں تمھیں قتل کر دوں گا۔ چناں چہ پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطاب کیا اور یہ ظاہر کیا کہ ان حضرات نے بیعت کرلی ہے۔ یہ حضرات خاموش رہے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ڈر سے نہ تو اقرار کیا اور نہ انکار کیا..."

یہ روایت جھوٹی اور من گھڑت ہے۔ اس کی سند میں موجود محمد بن عمر واقدی کذاب ہے:

- امام شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۰۴) نے کہا:

"كتب الواقدى كذب"[2] "واقدی کی ساری کتابیں جھوٹی ہیں۔"

- امام اسحاق بن راہَوَیہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۷) نے کہا:

---

[1] الطبقات الكبير لابن سعد (٦/ ٢٧)

[2] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٨/ ٢٠) وسنده صحيح.

”عندي ممن يضيع الحديث“[1] ”میرے نزدیک یہ حدیث گھڑنے والوں میں سے تھا۔“

- امام نسائی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۰۳) نے کہا:

”والكذابون المعروفون بِوَضْعِ الحَدِيث على رَسُول الله ﷺ أَرْبَعَة: ①ابْن أبي يحيىٰ بِالْمَدِينَةِ ②والواقدي بِبَغْدَاد ③وَمُقَاتِل بن سُلَيْمَان بخراسان ④وَمُحَمّد بن السعيد بِالشَّام“[2]

”اللہ کے رسول ﷺ پر حدیث گھڑنے والے مشہور و معروف جھوٹے راوی چار ہیں: ①مدینے میں ابن ابی یحییٰ ②بغداد میں واقدی ③خراسان میں مقاتل بن سلیمان ④شام میں محمد بن سعید۔“

- امام ابن القیسرانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۰۷) نے کہا:

”أجمعوا علىٰ تركه“[3] اس کے متروک ہونے پر محدثین کا اجماع ہے۔

- امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸) نے کہا:

”قد انعقد الإجماع اليوم علىٰ أنه ليس بحجة، وأن حديثه في عداد الواهي“[4]

”آج اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ واقدی حجت نہیں ہے اور اس کی حدیث سخت ضعیف میں شمار ہوگی۔“

ان ائمہ کے علاوہ اور بھی متعدد ناقدین نے اس پر جرح کی ہے، ملاحظہ ہو: عام کتبِ رجال۔

فائدہ:

علامہ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”محمد بن عمر هذا ـوهو الواقدي- كذاب، فلا يفرح بروايته“[5]

”محمد بن عمر یہ واقدی کذاب ہے، اس لیے اس کی روایت کسی کام کی نہیں۔“

---

[1] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٨/ ٢٠) وسنده صحيح.

[2] أسئلة للنسائي المطبوع في رسائل في علوم الحديث (ص: ٧٦)

[3] معرفة التذكرة لابن القيسراني (ص: ١٦٣)

[4] سير أعلام النبلاء للذهبي (٩/ ٤٦٩)

[5] الضعيفة (٤/ ١٣)

اس سند میں ایک دوسرا راوی ''ابن ابی سبرہ'' ہے۔ یہ بھی کذاب اور وضاعِ حدیث ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱) نے کہا:

''كان يكذب ويضع الحديث''[1] ''یہ جھوٹ بولتا تھا اور حدیث گھڑتا تھا۔''

امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۵) نے کہا:

''وهو في جملة من يضع الحديث''[2] یہ ان لوگوں میں سے تھا جو حدیث گھڑتے تھے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سارے محدثین نے اس پر جرح کی ہے، دیکھیں: عام کتبِ رجال۔ حیرت ہے کہ اس روایت کی سند میں دو دو کذاب ہونے کے باوجود بھی ابن الجوزی نے اس روایت کو یزید کی مذمت والی کتاب میں درج کرکے یہ استدلال کیا ہے کہ جن لوگوں نے یزید کی بیعت کی تھی، انھوں نے ڈر کی وجہ سے بیعت کی تھی۔[3]

دوسری روایت:

امام خلیفہ بن خیاط رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۰) نے کہا:

''وهب بن جرير قال: حدثني جويرية بن أسماء قال: سمعت أشياخ أهل المدينة يحدثون... الخبر وفيه... ثم دعا صاحب حرسه فقال: أقم علىٰ رأس كل رجل من هؤلاء رجلين من حرسك...الخ''[4]

''اس کے بعد انھوں نے نگہبانوں کے سردار کو بلایا اور کہا کہ ان میں سے ہر شخص کے سر پر اپنے نگہبانوں میں سے دو نگہبان مقرر کردو... الخ''

یہ روایت مردود اور باطل ہے، کیوں کہ جویریہ نے اپنے مشائخ کا نام نہیں بتایا ہے، ان کی ثقاہت تو دور کی بات؛ ان کا نام تک معلوم نہیں ہے۔اس روایت سے متعلق مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: ''مواقف المعارضة'' (ص: ۱۲۸تا ۱۳۱)

---

[1] العلل ومعرفة الرجال (۱/ ۵۱۰)

[2] الكامل في الضعفاء (۷/ ۲۹۷)

[3] دیکھیں: الرد علىٰ المتعصب العنيد (ص: ۴۵)

[4] تاريخ خليفة بن خياط (ص: ۲۱۷)

تیسری روایت:

امام خلیفہ بن خیاط رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۰) نے کہا:

”حدثنا وهب قال: حدثني أبي عن أيوب عن نافع قال: خطب معاوية فذكر ابن عمر فقال: والله ليبايعن أو لأقتلنه، فخرج عبد الله بن عبد الله بن عمر إلىٰ أبيه فأخبره، وسار إلىٰ مكة ثلاثا، فلما أخبره بكى ابن عمر فبلغ الخبر عبد الله بن صفوان فدخل على ابن عمر فقال أَخَطب هذا بكذا قال: نعم فقال ما تريد: أتريد قتاله؟ فقال: يا ابن صفوان! الصبر خير من ذلك. فقال ابن صفوان: والله لئن أراد ذلك لأقاتلنه فقدم معاوية مكة فنزل ذا طوى فخرج إليه عبد الله بن صفوان فقال: أنت الذي تزعم أنك تقتل ابن عمر إن لم يبايع لابنك؟ فقال: أنا أقتل ابن عمر؟ إني والله لا أقتله“[1]

”نافع کہتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا تذکرہ کیا اور کہا: اللہ کی قسم! یہ بیعت کر لیں، ورنہ میں انھیں قتل کر دوں گا۔ یہ سن کر عبداللہ بن عبداللہ بن عمر اپنے والد کے پاس گئے اور انھیں اس بات سے آ گاہ کیا تو وہ تین دن کے اندر مکے پہنچ گئے۔ ان کے والد نے جب یہ بات سنی تو رو پڑے۔ پھر یہ بات عبداللہ بن صفوان رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور کہا: کیا انھوں نے اپنے خطاب میں یہ بات کہی ہے؟ کہا: ہاں۔ عبداللہ بن صفوان رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ کیا چاہتے ہیں: کیا آپ ان سے لڑنا چاہتے ہیں؟ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: ابن صفوان! صبر اس سے بہتر ہے۔ پھر عبداللہ بن صفوان رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر انھوں نے ایسا ارادہ کیا ہے تو میں ان سے لڑوں گا۔ پھر معاویہ رضی اللہ عنہ مکے آئے اور مقام ذی طوی میں نزول فرمایا تو عبداللہ بن صفوان رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور کہا: کیا آپ کا یہ ارادہ ہے کہ اگر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے آپ کے بیٹے کی بیعت نہ کی تو آپ انھیں قتل کر دیں گے؟ تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے (حیرت سے) کہا: میں انھیں قتل کر دوں گا؟ اللہ کی قسم!

---

[1] تاريخ خليفة بن خياط (ص: ۲۱۵) و إسناده ضعيف لخطأ جرير بن حازم في ضبط بعض الألفاظ، وجرير وإن كان ثقة، لكنه متكلم فيه من قبل حفظه، وباقي المتن صحيح بالمتابعات.

میں ان کو قتل نہیں کر سکتا۔‘‘

یہ روایت ضعیف ہے، کیوں کہ جریر بن حازم اَزدی نے ایوب سختیانی سے یہ روایت نقل کرتے ہوئے ایک جملے کے بیان میں غلطی کی ہے، چناں چہ انھوں نے اس روایت میں کہا: ’’واللہ لیبایعن أو لأقتلنه‘‘ (اللہ کی قسم! یہ بیعت کرلیں ورنہ میں انھیں قتل کردوں گا)۔ جبکہ ایوب سختیانی ہی سے اسی روایت کو اسماعیل بن ابراہیم الاسدی نے بیان کیا تو انھوں نے اس مقام پر کہا: ’’لَيُقْتَلَنَّ ابْنُ عُمَر‘‘ (ابن عمر رضی اللہ عنہما (کسی کے ہاتھوں) قتل کر دیے جائیں گے) چناں چہ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰) نے کہا:

’’أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْأَسَدِيُّ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ قَالَ: لَمَّا قَدِمَ مُعَاوِيَةُ الْمَدِينَةَ حَلَفَ عَلَى مِنْبَرِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ: لَيُقْتَلَنَّ ابْنُ عُمَر، فَلَمَّا دَنَا مِنْ مَكَّةَ، تَلَقَّاهُ النَّاسُ، وَتَلَقَّاهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ صَفْوَانَ فِيمَنْ تَلَقَّاهُ، فَقَالَ: إِيهِنْ مَا جِئْتَنَا بِهِ، جِئْتَنَا لِتَقْتُلَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ؟ قَالَ: وَمَنْ يَقُولُ هَذَا؟ وَمَنْ يَقُولُ هَذَا؟ وَمَنْ يَقُولُ هَذَا؟ ثَلَاثًا‘‘[1]

نافع کہتے ہیں کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مدینے آئے تو منبرِ رسول پر حلف لے کر کہا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما (کسی کے ہاتھوں) قتل کر دیے جائیں گے۔ اس کے بعد جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مکے کے قریب پہنچے تو لوگوں نے انھیں گھیر لیا، انھیں لوگوں میں عبداللہ بن صفوان رضی اللہ عنہ بھی تھے، انھوں نے کہا: یہی سب کرنے کے لیے تم ہمارے پاس آئے ہو! کیا تمھارے آنے کا مقصد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قتل ہے؟ تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کون یہ بات کہتا ہے؟ کون یہ بات کہتا ہے؟ کون یہ بات کہتا ہے؟ راوی کہتے ہیں کہ تین بار امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سوال دہرایا۔‘‘

بلکہ انھیں الفاظ کے ساتھ ایوب کی متابعت کرتے ہوئے ابن عون نے بھی اسی روایت کو نافع سے بیان کیا اور انھوں نے بھی ’’يُقْتَلَنَّ ابْنُ عُمَر‘‘ (ابن عمر رضی اللہ عنہما (کسی کے ہاتھوں) قتل کر دیے جائیں گے) کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ چنانچہ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰) نے کہا:

---

[1] الطبقات الكبرىٰ. ط دار صادر (٤/ ١٨٣) و إسناده صحيح

"أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، عَنْ نَافِعٍ قَالَ: لَمَّا قَدِمَ مُعَاوِيَةُ الْمَدِينَةَ حَلَفَ عَلَى مِنْبَرِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَيُقْتَلَنَّ ابْنُ عُمَر. قَالَ: فَجَعَلَ أَهْلُنَا يَقْدَمُونَ عَلَيْنَا، وَجَاءَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ صَفْوَانَ إِلَى ابْنِ عُمَر، فَدَخَلَا بَيْتًا، وَكُنْتُ عَلَى بَابِ الْبَيْتِ، فَجَعَلَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ صَفْوَانَ يَقُولُ: أَفَتَتْرُكُهُ حَتَّى يَقْتُلَكَ؟ وَاللَّهِ لَوْ لَمْ يَكُنْ إِلَّا أَنَا وَأَهْلُ بَيْتِي لَقَاتَلْتُهُ دُونَكَ، قَالَ: فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: أَفَلَا أَصْبِرُ فِي حَرَمِ اللَّهِ؟ قَالَ: وَسَمِعْتُ نَجِيَّهُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ مَرَّتَيْنِ، فَلَمَّا دَنَا مُعَاوِيَةُ تَلَقَّاهُ النَّاسُ، وَتَلَقَّاهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ صَفْوَانَ فَقَالَ: إِيهِنْ مَا جِئْتَنَا بِهِ، جِئْتَ لِتَقْتُلَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ؟ قَالَ: وَاللَّهِ لَا أَقْتُلُهُ"[1]

نافع کہتے ہیں کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مدینے آئے تو منبرِ رسول پر حلف لے کر کہا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما (کسی کے ہاتھوں) قتل کر دیے جائیں گے۔ اس کے بعد ہمارے اقربا ہمارے پاس آنے لگے اور عبداللہ بن صفوان رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور گھر میں داخل ہوئے۔ اس وقت میں دروازے کے پاس تھا تو عبداللہ بن صفوان رضی اللہ عنہ کہنے لگے: کیا آپ امیر معاویہ کو چھوڑ دیں گے، تاکہ وہ آپ کو قتل کر دیں؟ اللہ کی قسم! اگر میں اور میرے گھر والوں کے علاوہ کوئی بھی نہ ہوتا تو بھی میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑتا تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا میں اللہ کے حرم میں صبر نہ اختیار کروں؟ نافع کہتے ہیں کہ میں نے اس رات دو بار عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سسکنے کی آواز سنی۔ پھر جب امیر معاویہ (مکہ کے) قریب پہنچے تو لوگوں نے انھیں گھیر لیا اور عبداللہ بن صفوان رضی اللہ عنہ نے بھی انھیں گھیرا اور کہا: یہی سب کرنے کے لیے تم ہمارے پاس آئے ہو! کیا تمھارے آنے کا مقصد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قتل ہے؟ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں ان کو قتل نہیں کرسکتا۔"

معلوم ہوا کہ نافع نے "لَيُقْتَلَنَّ ابْنُ عُمَر" (ابن عمر رضی اللہ عنہما (کسی کے ہاتھوں) قتل کر دیے جائیں گے) ہی کے الفاظ بیان کیے ہیں، جیسا کہ ان سے دو لوگوں نے روایت کیا ہے اور جریر بن

[1] الطبقات الكبرىٰ. ط دار صادر (٤/ ١٨٣) و إسناده صحيح.

حازم نے ان میں سے ایک سے روایت کیا تو یہ الفاظ بدل گئے اور یہ اگرچہ ثقہ ہیں، لیکن متکلم فیہ ہیں، ان کے حافظے پر جرح ہوئی ہے، چنانچہ ملاحظہ ہو:

- امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱) نے کہا:
  "في بعض حَدِيْثه شيئ"[1] "ان کی بعض احادیث محلِ نظر ہیں۔"
- امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴) نے کہا:
  "كان يخطئ لأن أكثر ما كان يحدث من حفظه"[2]
  "یہ غلطی کرتے تھے، کیوں کہ اکثر یہ اپنے حافظے سے حدیث بیان کرتے تھے۔"
- امام ترمذی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۹) نے کہا:
  "جرير بن حازم ربما يهم في الشيئ"[3]
  "جریر بن حازم بسا اوقات بعض چیزوں میں وہم کا شکار ہوجاتے تھے۔"
- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲) نے کہا:
  "له أوهام إذا حدث من حفظه"[4]
  "جب یہ اپنے حافظے سے بیان کرتے ہیں تو اوہام کا شکار ہوتے ہیں۔"

الغرض جریر بن حازم کی یہ روایت درست نہیں ہے، اس میں انھوں نے ارادۂ قتل کی نسبت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف کر دی ہے، جبکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دوسروں کی طرف سے قتل کے خدشہ کا اظہار کیا تھا۔ دراصل امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بعض اہلِ شام کی طرف سے یہ خطرہ محسوس کر رہے تھے اور انھیں کی جانب سے متوقع اِقدام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ اگر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیعت نہیں کریں گے تو بعض اہلِ شام کی طرف سے قوی خدشہ ہے کہ وہ انھیں قتل کر دیں گے۔

چناں چہ ایک ضعیف روایت میں، جسے بعض محققین حسن بھی کہتے ہیں، صراحت کے ساتھ ذکر ہے کہ اہلِ شام کے بعض افراد نے کہا تھا کہ اگر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیعت نہیں کریں گے تو انھیں

---

[1] العلل للإمام أحمد۔ رواية المروزي (ص: ۷۳) امام احمد نے دوسرے قول میں کہا: **"جرير كان يحدث بالتوهم"**[السنن الكبرى للبيهقي: ۲۸۱/٤ واسناده صحيح وانظر: شرح علل الترمذي ۶۹۹/۲]اس سے واضح ہے کہ **"في بعض حديثه شيء"** سے امام احمد کی مراد حافظہ پر جرح ہے۔

[2] الثقات لابن حبان. ط العثمانية (٦/ ١٤٥)

[3] سنن الترمذي، بتحقيق أحمد شاكر (٢/ ٣٩٤)

[4] تقريب التهذيب لابن حجر (رقم: ٩١١)

قتل کر دیا جائے گا۔ یہ سن کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں بری طرح ڈانٹا اور کہا کہ آیندہ میں اس طرح کی بات نہیں سننا چاہتا۔[1]

اسی پسِ منظر میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: ''لَیُقْتَلَنَّ ابْنُ عُمَرَ'' یعنی ابن عمر (کسی کے ہاتھوں) قتل کر دیے جائیں گے اور اس جملے سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اشارہ اہلِ شام کے بعض متشددین کی طرف تھا، لیکن بعض سامعین نے اس کا غلط مطلب لے لیا اور یہ سمجھ لیا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ قتل کی دھمکی دے رہے ہیں، حالاں کہ یہ بات غلط تھی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسی بات ہرگز نہیں کہی تھی، جیسا کہ درج بالا روایات کے اخیر میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے انکار و تردید موجود ہے، چناں چہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسی بات سے براءت ظاہر کی اور واضح کیا کہ وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے قتل کا ارادہ نہیں رکھتے۔

الغرض صحیح روایات میں صرف یہ بات ملتی ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ کوئی انھیں قتل کر دے گا، لیکن کسی نے یہ سمجھ لیا کہ خود امیر معاویہ رضی اللہ عنہ قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس غلط مفہوم کو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر لوگوں تک پہنچا دیا گیا، لیکن بعد میں جب عبداللہ بن صفوان رضی اللہ عنہ نے تحقیق کی غرض سے بذاتِ خود امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس بابت دریافت کیا تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس افواہ پر دنگ رہ گئے اور فوراً پوچھا: کس نے یہ بات کہی ہے؟ کس نے یہ بات کہی ہے؟ کس نے یہ بات کہی ہے؟ تین بار یہ سوال دہرایا، لیکن کسی نے بھی سامنے آ کر یہ شہادت نہیں دی کہ میں نے آپ کو ایسا کہتے ہوئے سنا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ایسی کوئی ایک بھی صحیح روایت نہیں ملتی جس سے یہ پتا چلتا ہو کہ یزید کی بیعت زبردستی لی گئی ہو۔ اہلِ شام کے بعض متشددین اس بابت سختی کا ارادہ رکھتے تھے اور اس طرح کے متشددین تو علی رضی اللہ عنہ کے حامیان میں بھی موجود تھے، جیسا کہ گذشتہ سطور میں صحیح سند کے ساتھ آپ پڑھ چکے ہیں کہ کس طرح صحابیِ رسول اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لیے لوگ ٹوٹ پڑے، جب انھوں نے یہ سچائی بتائی کہ طلحہ رضی اللہ عنہ نے ناپسندیدگی کے ساتھ علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی ہے۔ بہرحال اہلِ شام میں جو بھی متشددین تھے، انھیں حاکمِ وقت یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حمایت حاصل نہ

---

[1] دیکھیں: مواقف المعارضة (ص: ١٢٦)

تھی، جس کے نتیجے میں کسی کی طرف سے بھی ایسا کوئی پر تشدد اقدام قطعاً نہیں ہوا۔ اس کے برخلاف زور زبردستی والی جو روایات بھی ملتی ہیں، وہ سب کی سب موضوع یا مردود اور سخت ضعیف ہیں۔

یاد رہے! اگر اس طرح کی مردود روایات پر ایمان لایا جائے تو صرف یزید کی بیعت ہی نہیں، بلکہ علی رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی اسی نوعیت کی نظر آئے گی، کیوں کہ بعض ضعیف ومردود روایات میں علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے متعلق بھی یہ بات ملتی ہے کہ ان کی بیعت تلوار کے زور پر زبردستی لی گئی تھی۔

۱۔ چناں چہ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۰) نے کہا:

”حدثني أحمد بن زهير، قال: حدثنى أبي، قال: حدثنا وهب بن جرير، قال: سمعت أبي، قال: سمعت يونس بن يزيد الأيلي، عن الزهري، قال: بايع الناس عليَّ بن أبي طالب، فأرسل إلى الزبير وطلحة فدعاهما إلىٰ البيعة، فتلكأ طلحة، فقام مالك الأشتر وسل سيفه وقال: والله لتبايعن أو لأضربن به ما بين عينيك، فقال طلحة: وأين المهرب عنه! فبايعه، وبايعه الزبير والناس...“[1]

”لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ پر بیعت کی، پھر زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہما کو بلوایا گیا اور انھیں بیعت کرنے کے لیے کہا گیا تو طلحہ رضی اللہ عنہ نے پس و پیش کیا، اس پر مالک اشتر کھڑا ہوا، اس نے تلوار کھینچی اور کہا: اللہ کی قسم! تم بیعت کرو، ورنہ میں تمھاری گردن مار دوں گا تو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے فرار کی گنجایش کہاں ہے؟ چناں چہ انھوں نے بیعت کر لی تو پھر زبیر رضی اللہ عنہ اور دوسرے لوگوں نے بھی بیعت کر لی۔“

۲۔ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۰) نے کہا:

”كتب إلي السري، عن شعيب، عن سيف، عن محمد بن قيس، عن الحارث الوالبي، قال: جاء حكيم بن جبلة بالزبير حتى بايع، فكان الزبير يقول: جاءني لص من لصوص عبد القيس فبايعت، واللج علي عنقي“[2]

”زبیر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ عبدالقیس کے غنڈوں میں سے ایک غنڈہ میرے پاس آیا، پھر

[1] تاريخ الطبري (٤/ ٤٢٩) و إسناده ضعيف.

[2] تاريخ الطبري (٤/ ٤٣٥) و إسناده ضعيف.

میں نے اس حالت میں بیعت کی کہ تلوار میرے سر پر تھی۔''

۳۔ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۰) نے کہا:

"حدثني الحارث، قال: حدثنا ابن سعد، قال: أخبرنا محمد بن عمر، قال: حدثني أبو بكر بن إسماعيل بن محمد بن سعد بن أبي وقاص، عن أبيه، عن سعد، قال: قال طلحة: بايعت والسيف فوق رأسي"[1]

''طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اس حالت میں (علی رضی اللہ عنہ کی) بیعت کی کہ تلوار میرے سر پر تھی۔''

اس کے علاوہ اور بھی کئی روایات منقول ہیں، جو بتلاتی ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کی بیعت تلوار کے زور پر لی گی تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ ان روایات کی بنیاد پر علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا خیال قائم کیا جائے گا؟ اگر علی رضی اللہ عنہ سے متعلق اس طرح کی روایات ناقابلِ قبول ہیں تو پھر یزید سے متعلق اس طرح کی روایات کیوں کر قابلِ قبول ہوسکتی ہیں؟

یاد رہے کہ یزید کی بیعت سے متعلق کسی ایک بھی صحابی یا تابعی سے یہ ثابت نہیں کہ انھوں نے کراہت کے ساتھ یزید کی بیعت کی ہو، لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے متعلق صحیح سند سے ثابت ہے کہ جنت کے بشارت یافتہ صحابی طلحہ رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کراہت کے ساتھ کی تھی، جیسا کہ اس سلسلے میں ایک صحیح گذشتہ صفحات میں ذکر کی جا چکی ہے۔[2]

خلاصہ:

- بیعتِ یزید کے بارے میں جن صحابہ نے بھی اختلاف کیا، ان کا اختلاف یزید سے نہیں، بلکہ صحابہ ہی سے تھا، کیوں کہ یہ فیصلہ صحابہ ہی نے کیا تھا۔
- جن حضرات نے بھی بیعتِ یزید کی مخالفت کی تھی، ان کی مخالفت فی نفسہٖ یزید کی شخصیت سے نہیں تھی، بلکہ باپ کے بعد بیٹے کو خلیفہ بنانے کے فیصلے سے تھی۔
- بیعتِ یزید کی مخالفت کرنے والے صحابہ میں سے کسی نے بھی یزید کے اخلاق و کردار پر کوئی

---

[1] تاريخ الطبري (٤/ ٤٣١) و إسناده ضعيف.

[2] الفتن لنعيم بن حماد (١/ ١٥٩) و إسناده صحيح، وأخرجه أيضاً ابن ابن أبي شيبة في مصنفه (١١/ ١٠٧) سلفية، وأيضا (١٥/ ٢٥٩) من طريق غندر عن شعبه به، و إسناده صحيح جدا لا غبار عليه.

تنقید نہیں کی۔

- صرف اور صرف دو صحابہ سے بیعتِ یزید کی مخالفت ثابت ہے۔ باقی سب نے اس فیصلے کو تسلیم کر لیا تھا۔
- سعید بن عثمان، عبداللہ بن عمر، حسین بن علی اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بیعتِ یزید کی مخالفت ثابت نہیں ہے۔
- بیعتِ یزید کے سلسلے میں کسی پر بھی کوئی جبر قطعاً نہیں کیا گیا، اس بارے میں منقول تمام روایات باطل اور مردود ہیں۔

باب 4

شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ

- قاتلِ حسین رضی اللہ عنہ صحابہ کی نظر میں۔
- قاتلِ حسین رضی اللہ عنہ اہلِ بیت کی نظر میں۔
- قاتلِ حسین رضی اللہ عنہ اولاد حسین کی نظر میں۔
- قاتلِ حسین خود حسین رضی اللہ عنہ کی نظر میں۔

شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ

حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل یزید نہیں، بلکہ اہلِ کوفہ تھے:

یزید بن معاویہ پر ایک الزام یہ بھی ہے کہ انھوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کروایا۔ یہ الزام سراسر جھوٹ ہے۔ کسی بھی معتبر روایت میں یہ نہیں ملتا کہ یزید بن معاویہ نے حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا ہے۔ نیز حسین رضی اللہ عنہ سے یزید کی مخالفت کسی بھی وقت ثابت نہیں ہے، نہ بیعتِ یزید کے وقت اور نہ یزید کے خلیفہ بننے کے بعد۔

حسین رضی اللہ عنہ کا سفرِ کوفہ بھی یزید کی مخالفت میں نہیں تھا۔ کوئی ایک بھی صحیح روایت ایسی نہیں ملتی، جس سے پتا چلے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سفرِ کوفہ یزید کی مخالفت میں تھا، بلکہ بعض روایات تو یہ بتلاتی ہیں کہ حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کی طرف یزید کی مخالفت میں نہیں، بلکہ یزید کی حمایت میں گئے تھے اور وہ وہاں جا کر کوفہ میں اسلامی حکومت کے خلاف اُٹھنے والے فتنے کو ختم کرنا چاہتے تھے، جیسا کہ ہم نے اس کی پوری تفصیل اپنی کتاب ''حادثۂ کربلا اور سبائی سازش'' میں پیش کی ہے۔

بہرحال حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کے قریب پہنچے تو وہاں انھیں پوری طرح یقین ہوگیا کہ کوفیوں کو کنٹرول نہیں کیا جا سکتا، اس لیے انھوں نے سیدھا یزید کے پاس جانے کی خواہش ظاہر کی، تاکہ وہ یزید کے پاس جا کر ان کی بیعت کر لیں، لیکن ظالموں نے آپ کو یزید کے پاس نہیں پہنچنے دیا اور مقامِ کربلا پر شہید کر دیا۔ رضي الله تعالیٰ عنه.

آپ کو شہید کرنے والے عراقی اور کوفی ہی تھے، یزید کا یا حکومت کا اس معاملے میں کوئی ہاتھ نہیں تھا، اسی بات کی شہادت اس دور کے صحابہ کرام و تابعینِ عظام نے دی ہے، چناں چہ ملاحظہ ہو:

قاتلِ حسین رضی اللہ عنہ صحابہ کی نظر میں:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵٦) نے کہا:

”حَدَّثَنَا مُوسٰى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا مَهْدِيٌّ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي يَعْقُوبَ، عَنِ ابْنِ أَبِي نُعْمٍ، قَالَ: كُنْتُ شَاهِدًا لِابْنِ عُمَرَ، وَسَأَلَهُ رَجُلٌ عَنْ دَمِ الْبَعُوضِ، فَقَالَ: مِمَّنْ أَنْتَ؟ فَقَالَ: مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ، قَالَ: أُنْظُرُوا إِلٰى هٰذَا، يَسْأَلُنِي عَنْ دَمِ الْبَعُوضِ، وَقَدْ قَتَلُوا ابْنَ النَّبِيِّ ﷺ، وَسَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا“[1]

”ابو نعیم نے بیان کیا کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں موجود تھا تو ان سے ایک شخص نے (حالت احرام میں) مچھر کے مارنے کے متعلق پوچھا (کہ اس کا کیا کفارہ ہوگا؟) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دریافت فرمایا کہ تم کہاں کے ہو؟ اس نے بتایا کہ عراق کا۔ فرمایا: اس شخص کو دیکھو، (مچھر کی جان لینے کے تاوان کا مسئلہ پوچھتا ہے) حالاں کہ اس کے ملک والوں نے رسول اللہ ﷺ کے نواسے کو (بے تکلف) قتل کر ڈالا، جبکہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے کہ یہ دونوں (حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما) دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔“

صحیح بخاری کی اس روایت میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عراقیوں اور کوفیوں کو حسین رضی اللہ عنہ کا قاتل قرار دیا اور کسی نے بھی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس بیان کی تردید نہیں کی، بلکہ دوسرے بیانات بھی انھیں کی تائید میں ہیں، چناں چہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱) نے کہا:

”حدثنا إبراهيم بن عبد الله، نا حجاج، نا عبد الحميد بن بهرام الفزاري، نا شهر بن حوشب قال: سمعت أم سلمة تقول حين جاء نعي الحسين بن علي: لعنت أهل العراق! وقالت: قتلوه قتلهم الله! غروه وذلوه لعنهم الله!“[2]

”شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ جب حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی تو میں نے اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو سنا، انھوں نے عراقیوں (کوفیوں) پر لعنت کی اور کہا: انھوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، اللہ انھیں تباہ و برباد کرے، انھوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو دھوکا دیا اور انھیں رسوا

[1] صحيح البخاري (٨/ ٧) رقم الحديث (٥٩٩٤)

[2] فضائل الصحابة (٢/ ٧٨٢) و إسناده حسن.

کیا، اللہ کی ان پر لعنت ہو۔‘‘

اس روایت میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی کی طرح اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے بھی قتلِ حسین رضی اللہ عنہ کی ذمے داری اہلِ عراق و کوفہ پر ہی ڈالی ہے۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں یزید کا قتلِ حسین رضی اللہ عنہ میں کوئی ہاتھ نہیں تھا، بلکہ یہ کام عراقیوں اور کوفیوں نے کیا تھا۔

ایک شبہے کا ازالہ:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حسن سند کے ساتھ منقول ہے کہ انھوں نے یزید کو صالح اور نیک آدمی قرار دیا ہے اور ان کے حق میں خیر کے کلمات کہے ہیں[1]، لیکن کچھ لوگ بعض جھوٹی اور من گھڑت روایات پیش کرکے لوگوں کو یہ بتاتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یزید کی مذمت کی ہے، بلکہ اسے قاتلِ حسین قرار دیا۔ ذیل میں اس روایت کی مفصل حقیقت بیان کی جارہی ہے۔

امام یعقوب فسوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷) نے کہا:

”حَدَّثَنَا عبد الوهاب بن الضحاك قَال: حَدَّثَنَا عيسى بن يونس عن الأعمش عن شقيق بن سلمة قَال: لما قتل الحُسَين بن علي بن أبي طالب ثار عبد الله بن الزبير، فدعا ابن عباس إلىٰ بيعته، فامتنع ابن عباس، وظن يزيد بن معاوية أن امتناع ابن عباس تمسكًا منه ببيعته، فكتب إليه: أما بعد.... فكتب إليه ابن عباس: أما بعد فقد جاءني كتابك... إنك تسألني نصرتك وتحثني على ودك، وقد قتلت حسينًا رضي الله عنه وفتيان عبد المطلب ... والسلام علىٰ من اتبع الهدىٰ.[2]

یہ ایک طویل روایت ہے، ہم پوری روایت کا ترجمہ نہ کرتے ہوئے صرف اتنا بتلاتے ہیں کہ اس میں اس بات کا ذکر ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کے کچھ عرصے بعد یزید بن معاویہ کو حسین رضی اللہ عنہ کا قاتل قرار دیا تھا۔

یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے، کیوں کہ اس کی سند میں ”عبد الوہاب بن ضحاک بن

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۶۲۷۔ ۶۲۸) دیکھیں۔

[2] المعرفة والتاريخ للفسوي (١/ ٥٣١) ومن طريق الفسوى أخرجه الخوارزمي في مقتل الحسين (ص: ١٧١)

ابان سلمی العرضی'' ہے اور یہ کذاب ہے۔ محدثین نے اس پر سخت جرحیں کی ہیں، جن میں سے بعض اقوال ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

- امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷) نے کہا:

"کان یکذب"[1] ''یہ جھوٹ بولتا تھا۔''

- امام صالح بن محمد جزرۃ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۹۳) نے کہا:

"عامة حدیثه کذب"[2] ''اس کی اکثر احادیث جھوٹی ہیں۔''

- امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴) نے کہا:

"کان یسرق الحدیث"[3] ''یہ حدیث چوری کرتا تھا۔''

- امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵) نے کہا:

"له مقلوبات و بواطیل"[4] ''اس کی اُلٹ پلٹ اور جھوٹی روایات ہیں۔''

- امام ابونعیم رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۳۰) نے کہا:

"عبد الْوَهَّاب بن الضَّحَّاك الْحِمصِي يروي عَن إِسْمَاعِيل بن عَيَّاش، لَا شَيْءَ"[5]

''عبدالوہاب بن ضحاک حمصی یہ اسماعیل بن عیاش سے روایت کرتا ہے اور اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔''

- امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸) نے کہا:

"عبد الوهاب بن الضحاك الحمصي العرضي متهم، تركوه"[6]

''عبدالوہاب بن ضحاک حمصی عرضی متہم ہے، محدثین نے اسے ترک کر دیا ہے۔''

- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲) نے کہا:

---

[1] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٦/ ٧٤)

[2] تاريخ دمشق (٣٧/ ٣٢٥) و إسناده صحيح.

[3] المجروحين لابن حبان (٢/ ١٤٨)

[4] الضعفاء والمتروكون للدارقطني (ص: ٢٧)

[5] الضعفاء لأبي نعيم (ص: ١٠٩)

[6] المغني في الضعفاء للذهبي (ص: ٦٥)

"متروك، كذبه أبو حاتم"[1] ''یہ متروک ہے، امام ابو حاتم نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے۔''

❁ امام ابن العراق الکنانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۶۳) نے کہا:

"عبد الوهاب بن الضحاك أبو الحارث السلمي متهم بالوضع والكذب"[2]

''عبدالوہاب بن ضحاک ابو الحارث سلمی حدیث گھڑنے اور جھوٹ بولنے والا ہے۔''

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ روایت عبد الوہاب بن الضحاک نامی کذاب راوی کی بیان کردہ ہے، لہٰذا یہ موضوع اور من گھڑت ہے۔ دریں صورت اس روایت کی کوئی حقیقت نہیں، یہ کالعدم ہے۔ یاد رہے کہ عبد الوہاب بن الضحاک نامی کذاب راوی کی مرویات کو خصوصی طور پر اہلِ علم نے کالعدم قرار دیا ہے۔ مثلاً:

❁ امام ابونعیم رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۳۰) نے کہا:

"عبد الْوَهَّاب بن الضَّحَّاك الْحِمصِي يروي عَن إِسْمَاعِيل بن عَيَّاش لَا شيئ"[3]

''عبدالوہاب بن ضحاک حمصی یہ اسماعیل بن عیاش سے روایت کرتا ہے اور اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔''

❁ امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴) نے اس کی ایک روایت کے بارے میں کہا:

"هذا شيئ يشبه لا شيئ، لأن عبد الوهاب بن الضحاك واه"[4]

''اس چیز کی کوئی حیثیت نہیں ہے، کیوں کہ عبدالوہاب بن ضحاک سخت ضعیف ہے۔''

تنبیہ:

مذکورہ روایت کو امام طبرانی رحمہ اللہ نے اس سند سے ذکر کیا ہے:

"حدثنا أحمد بن حمدان بن موسىٰ الخلال التستري ثنا علي بن حرب الجنديسابوري ثنا إسحاق بن إبراهيم بن داحة ثنا أبو خداش عبد الرحمن

---

[1] تقريب التهذيب لابن حجر (١/ ٢٨٤)

[2] تنزيه الشريعة لابن العراق (١/ ٨٢)

[3] الضعفاء لأبي نعيم (ص: ١٠٩)

[4] الثقات لابن حبان (٧/ ٣٤٤)

بن طلحة بن يزيد بن عمرو بن الأهتم التميمي ثنا أبان بن الوليد قال..."[1]

اس روایت میں متعدد علتیں ہیں:

پہلی علت:

امام طبرانی کے شیخ "أحمد بن حمدان بن موسیٰ الخلال التستري" کو کسی نے بھی ثقہ نہیں کہا، البتہ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ان کی ایک روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور راوی کی روایت کو صحیح قرا دینا راوی کی ضمنی توثیق ہوتی ہے، لیکن ابن حبان توثیق میں متساہل ہیں۔ یہ اگر توثیق میں منفرد ہوں تو ان کی صریح توثیق بھی قابلِ قبول نہیں ہوتی تو پھر ضمنی توثیق کیوں کر قبول ہو سکتی ہے؟

دوسری علت:

"إسحاق بن إبراهيم بن داحة" مجہول ہے۔ اس کی توثیق تو درکنار کتبِ رجال میں اس نام کے کسی راوی کا ذکر ہی نہیں ملتا۔

تیسری علت:

"أبو خداش عبد الرحمن بن طلحة بن يزيد بن عمرو بن الأهتم التميمي" یہ راوی بھی مجہول ہے، اس کی توثیق تو درکنار کتبِ رجال میں کسی نے اس کا ترجمہ پیش نہیں کیا ہے، صرف ابن عساکر رحمہ اللہ نے "ابان بن ولید بن عقبہ" کے شاگردوں میں اسے گنایا ہے،[2] لیکن انھوں نے بھی اس کا ترجمہ پیش نہیں کیا۔

چوتھی علت:

"أبان بن الوليد بن عقبة بن أبي معيط" یہ راوی بھی مجہول ہے۔ امام ابن عساکر رحمہ اللہ نے صرف اس کا ترجمہ پیش کیا ہے۔[3] لیکن انھوں اس کی توثیق کی ہے نہ اس کے بارے میں کوئی توثیق نقل کی ہے۔

---

[1] المعجم الكبير ١٠/ ٢٤١)

[2] تاريخ دمشق لابن عساكر (٦/ ١٦٠)

[3] تاريخ دمشق لابن عساكر (٦/ ١٦٠)

نوٹ:

واضح رہے کہ اسی روایت کو بغیر کسی سند کے امام بلاذری نے ”أنساب الأشراف“ (٥/ ٣٠٦) میں، یعقوبی نے اپنی تاریخ (ص: ٢٠٨) میں، ابن الاثیر نے ”الکامل“ (٤/ ٥٤) میں اور سبط ابن الجوزی نے ”تذکرة الخواص“ (ص: ٥٦٢) میں اور دیگر کئی لوگوں نے خصوصاً رافضہ نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، مگر اِن سب نے اس روایت کو بغیر سند کے صرف نقل کر دیا ہے، لٰہذا یہ سب غیر مستند حوالے ہیں۔

الغرض مذکورہ روایت جھوٹی ہے اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان باتوں سے بری ہیں۔ یاد رہے کہ اگر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ہر بات کو آنکھ بند کر کے مان لیا جائے تو پھر ان کے حوالے سے یزید ہی نہیں، بلکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی عزت بھی تا تار ہوتی نظر آئے گی۔ مذکورہ روایت کے مطابق ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یزید کو صرف حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے چند ساتھیوں کا قاتل قرار دیا ہے، لیکن ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو امت مسلمہ کا قاتل قرار دیا ہے اور ان پر بہت سنگین الزامات لگائے ہیں، پھر انھوں نے تو اُن کے خلاف خروج کا بھی ارادہ کر لیا تھا، اس روایت کی صرف ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

”...كتب إِلَيْهِ عَلِيّ: أما بعد! فإنه لا يسعني تركك حَتَّى تعلمني ما أخذت من الجزية؟ ومن أين أخذته وفيما وضعت ما أنفقت منه؟ فاتق الله فيما ائتمنتك عليه، واسترعيتك حفظه، فإن المتاع بما أنت رازي منه قليل، وتباعة ذلك شديدة، والسلام (قالوا) فلما رأى ابن عباس أَنَّهُ غير مقلع عَنْهُ كتب إِلَيْهِ: أما بعد! فقد فهمت تعظيمك على مرزأة ما بلغك أني رزأته من أهل هذه البلاد، وو الله لأن ألقىٰ الله بما فِي بطن هَذِهِ الأرض من عقيانها ولجينها، و بطلاع ما عَلَى ظهرها أحب إلي من أن ألقاه وقد سفكت دماء الأمة لأنال بذلك الملك والإمارة فابعث إلىٰ عملك من أحببت و اجمع (ابن عباس) عَلٰى الخروج“[1]

[1] أنساب الأشراف للبلاذري (٢/ ١٧١ ط، بيروت) العقد الفريد لابن عبد ربه (٥/ ١٠٤) بحار الأنوار للمجلسي (٣٣/ ٥٠٢)

یہ ایک طول خط کتابت ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے خلاف دولت کے بارے میں شکایت کی گئی تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خط لکھا، جس کے جواب میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی امانت داری کا حوالہ دیا اور اپنے خلاف پہنچائی گئی بات کو پروپیگنڈہ قرار دیا، لیکن اس کے بعد پھر علی رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خط لکھا اور ان سے مال ودولت کا حساب طلب کیا تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا:

"ووالله لأن ألقي الله بما فِي بطن هَذِه الأرض من عقيانها ولجينها، وبطلاع ما عَلَى ظهرها أحب إلي من أن ألقاه وقد سفكت دماء الأمة لأنال بذلك الملك والإمارة "

''اللہ کی قسم! اگر میں (اس قدر دولت پرست ہو جاؤں کہ) زمین کے اندر موجود تمام سونے چاندی کی دولت لے لوں، اسی طرح زمین کے اوپر جس قدر ایسی دولت سما سکے، اسے بھی لے لوں اور ان سب کے ساتھ اللہ سے ملاقات کروں تو یہ میرے لیے اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ میں اللہ سے اس حال میں ملاقات کروں کہ میں نے محض بادشاہت اور امارت حاصل کرنے کے لیے اُمت مسلمہ کا خون بہایا ہو۔''

''أنساب الأشراف'' جلد دوم کا محقق خط کشیدہ عبارت پر حاشیے میں لکھتا ہے:

"الظاهر أن هذا الكتاب وضعه بعض أتباع الأموية كي يكثروا سواد معاوية وأمثاله ممن باع الآخرة بالدنيا، وأذهب طيباته في نيل الأرذل الأدنى، ويلقوا في روع الناس وأذهانهم أن حروب أمير المؤمنين وقيامه بالأمر، لم تكن دينية، وإنما كانت دنيوية محضة كي يتفرد بالملك وينال السلطة والرئاسة!"[1]

''ظاہر ہے کہ اس خط کو بنو اُمیہ کے بعض پیروکاروں نے گھڑا ہے، تاکہ اس کے ذریعے سے معاویہ اور اسی جیسے ان لوگوں کی تعداد بڑھائی جائے، جنھوں نے دنیا کے بدلے آخرت کا سودا کر لیا اور حقیر و کم تر چیزوں کے حصول کے لیے اپنی اچھی چیزیں ضائع کر دیں، اس طرح کی باتیں گھڑنے سے ان کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے دل و دماغ میں

[1] أنساب الأشراف للبلاذري (۲/ ۱۷۱، حاشيه نمبر: ۳، ط: بيروت)

یہ بات بٹھائی جائے کہ امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ کی جنگ اور ان کی امارت دینی نہیں، بلکہ صرف دنیاوی تھی، جس سے علی رضی اللہ عنہ کا مقصود یہ تھا کہ وہ اکیلے بادشاہ اور سلطنت و ریاست کے مالک ہو جائیں....۔''

غور کریں کہ کس طرح اس محقق نے مذکورہ روایت کو نہ صرف من گھڑت کہا، بلکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کو بھی مطعون کر ڈالا، حالاں کہ اسی کتاب میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ روایت بھی منقول ہے، جس میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یزید کو قاتلِ حسین قرار دیا اور ان کے خلاف وہی لہجہ اختیار کیا، جو یہاں علی رضی اللہ عنہ کے خلاف استعمال کیا، لیکن اس مغالطہ باز اور متعصب محقق نے وہاں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت پر کوئی حاشیہ آرائی نہیں کی۔ دراصل اس کتاب کا محقق سخت مغالطہ باز اور متعصب ہے، اس نے اس کتاب کے حواشی میں ایسے گل کھلائے ہیں کہ اللہ کی پناہ! نہ جانے کتنے مقامات پر اس نے دن کو رات اور رات کو دن ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اہلِ علم اور طلبا سے گزارش ہے کہ اس کتاب کے محقق سے ہوشیار رہیں اور مذکورہ بالا کتاب کے ''دار الفکر'' والے نسخے سے استفادہ کریں، جس میں یہ گمراہ کن حواشی نہیں ہیں۔

الغرض اگر علی رضی اللہ عنہ سے متعلق ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس طرح کی مردود اور منکر روایات قابلِ قبول نہیں ہیں تو پھر یزید بن معاویہ کے حق میں بھی اس طرح کی مردود اور منکر روایات ناقابل قبول ہوں گی۔ انصاف کا یہی تقاضا ہے۔ یاد رہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بسند صحیح ثابت ہے کہ انھوں نے یزید بن معاویہ کو نیک اور صالح قرار دیا اور بہ رضا و رغبت ان سے بیعت کی۔[1]

الغرض کسی بھی صحابی سے یہ ثابت نہیں ہے کہ انھوں نے حسین رضی اللہ عنہ کے قتل میں یزید کو بھی ذمے دار مانا ہے، بلکہ صحیح روایات کے مطابق صحابہ نے بالاتفاق اس قتل کی ذمے داری اہلِ عراق اور اہلِ کوفہ پر ڈالی ہے۔

قاتلِ حسین رضی اللہ عنہ برادرِ حسین محمد بن حنفیہ کی نظر میں:

حادثہ کربلا کے بعد واقعہ حرہ کے موقع پر جب مدینے کے بعض افراد نے یزید کی بیعت توڑ دی تو اس موقع پر کچھ لوگ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی محمد بن حنفیہ کے پاس آئے اور انھیں بھی یزید کا

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۶۲۷۔ ۶۲۸) دیکھیں۔

مخالف بنانا چاہا، لیکن محمد بن حنفیہ نے اس سے صاف انکار کر دیا۔ پھر مخالفین نے یزید پر بعض الزامات لگائے، لیکن محمد بن حنفیہ نے ان سارے الزامات کی تردید کی اور اپنی چشم دید شہادت پیش کی کہ انھوں نے یزید کو نماز کا پابند، خیر کا متلاشی، علم دین کا طالب اور سنت کا ہمیشہ پاسدار پایا ہے۔[1]

یہ صحیح روایت اس بات کی دلیل ہے کہ محمد بن حنفیہ کی نظر میں یزید سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل نہیں تھے، ورنہ ایک بھائی اپنے بھائی کے قاتل کی اس طرح مدح وستایش ہرگز نہیں کرتا اور نہ اس کا دفاع کرتا ہے۔ یہ روایت آگے تفصیل کے ساتھ آٹھویں باب میں آرہی ہے اور وہیں پر اس روایت سے متعلق تمام اشکالات کے جوابات بھی ہم پیش کریں گے۔ ان شاء اللہ[2]

قاتلِ حسین رضی اللہ عنہ اولادِ حسین کی نظر میں:

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸) نے امام مدائنی کی روایت مع سند نقل کرتے ہوئے کہا:

”وقال المدائني عن إبراهيم بن محمد، عن عمرو بن دينار: حدثني محمد بن علي بن الحسين، عن أبيه قال: لما قتل الحسين، دخلنا الكوفة، فلقينا رجل، فدخلنا منزله فألحفنا، فنمت، فلم أستيقظ إلا بحس الخيل في الأزقة، فحملنا إلىٰ يزيد، فدمعت عينه حين رآنا، وأعطانا ما شئنا، وقال لي: إنه سيكون في قومك أمور، فلا تدخل معهم في شيئ، فلما كان من أهل المدينة ما كان، كتب مع مسلم بن عقبة كتابا فيه أماني، فلما فرغ مسلم من الحرة بعث إلي، فجئته، وقد كتبت وصيتي، فرمىٰ إلي بالكتاب، فإذا فيه: استوص بعلي بن الحسين خيرا، وإن دخل معهم في أمرهم فأمنه واعف عنه، وإن لم يكن معهم فقد أصاب وأحسن“[3]

”علی بن حسین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب حسین رضی اللہ عنہ قتل کر دیے گئے تو ہم کوفے میں پہنچے۔ ہم سے ایک آدمی نے ملاقات کی اور ہم اس کے گھر داخل ہوئے، اس نے

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۷۰۴۔۷۰۵) دیکھیں۔

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۷۰۴۔۷۰۵) دیکھیں۔

[3] تاريخ الإسلام. ط بشار (۲/ ۵۸۳) نقلًا عن المدائنی، و إسناده صحيح.

ہمارے سونے کا بندوبست کیا اور میں سو گیا۔ پھر گلیوں میں گھوڑوں کی آواز سے میری نیند کھلی، پھر ہم یزید بن معاویہ کے پاس پہنچائے گئے تو جب یزید بن معاویہ نے ہمیں دیکھا تو ان کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں، یعنی وہ رو پڑے، پھر اُنھوں نے ہمیں وہ سب کچھ دیا، جو ہم نے چاہا اور مجھ سے کہا: آپ کے یہاں کچھ معاملات پیش آئیں گے، آپ ان لوگوں کے کسی معاملے میں شرکت مت کیجیے گا۔ پھر جب اہلِ مدینہ کی طرف سے یزید کی مخالفت ہوئی تو مسلم بن عقبہ کو یزید بن معاویہ نے خط لکھا، جس میں انھوں نے مجھے امان دی اور جب مسلم حرہ کے واقعے سے فارغ ہوئے تو مجھے بلوایا تو میں ان کے پاس حاضر ہوا اور میں اپنی وصیت لکھ چکا تھا تو انھوں نے مجھے وہ خط دیا، جس میں لکھا ہوا تھا: علی بن حسین کے ساتھ خیر کا معاملہ کرنا۔ اگر وہ اہلِ مدینہ کے معاملے میں شریک ہوجائیں تو بھی انھیں امان دینا اور انھیں معاف کر دینا اور اگر وہ ان کے ساتھ شریک نہ ہوئے تو یہ انھوں نے بہت اچھا اور بہتر کیا۔‘‘

سند کا تعارف:

❁ علي بن الحسين بن علي بن أبي طالب، زين العابدين.

اس روایت کو بیان کرنے والے علی بن حسین رحمہ اللہ ہیں۔ یہ حادثہ کربلا میں موجود تھے اور تمام واقعات کے چشم دید گواہ تھے۔ آپ حسین رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں اور صحیح بخاری و مسلم سمیت کتبِ ستہ کے رجال میں سے ہیں اور بالاتفاق ثقہ ہیں۔ کسی بھی محدث نے آپ پر کوئی جرح نہیں کی ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲) نے کہا ہے:

’’ثقة ثبت عابد فقيه فاضل مشهور‘‘[1]

’’آپ ثقہ، ثبت، عبادت گزار اور مشہور صاحبِ فضل شخصیت ہیں۔‘‘

❁ محمد بن علي بن الحسين بن علي بن أبي طالب.

آپ بھی صحیح بخاری و مسلم سمیت کتبِ ستہ کے رجال میں سے ہیں اور بالاتفاق ثقہ ہیں۔ کسی بھی محدث نے آپ پر کوئی جرح نہیں کی ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲) نے کہا ہے:

[1] تقريب التهذيب لابن حجر (رقم: ٤٧١٥)

"ثقة فاضل"[1] "آپ ثقہ اور صاحبِ فضل شخصیت ہیں۔"

❁ **عمرو بن دينار المكي، أبو محمد الأثرم.**

آپ بھی صحیح بخاری و مسلم سمیت کتبِ ستہ کے رجال میں سے ہیں اور بالاتفاق ثقہ اور بہت بڑے امام ہیں۔ کسی بھی محدث نے آپ پر کوئی جرح نہیں کی ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲) نے کہا: "ثقة ثبت"[2] یعنی آپ ثقہ اور ثبت ہیں۔

❁ **إبراهيم بن محمد بن علي بن عبد الله بن جعفر بن أبي طالب.**

آپ سنن ابن ماجہ کے رجال میں سے ہیں۔ آپ پر بھی کسی محدث نے کوئی جرح نہیں کی اور ابن حبان رحمہ اللہ نے آپ کو ثقہ کہا ہے، چنانچہ امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴) نے کہا:

"إبراهيم بن محمد بن علي بن عبد الله"[3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲) نے کہا: "صدوق"[4] "آپ سچے ہیں۔"

فائدہ:

اس سند میں "ابراہیم بن محمد" سے مراد "ابراہیم بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب" ہی ہیں، اس بات کی دلیل یہ ہے کہ اس سند میں یہ امام مدائنی کے استاذ ہیں اور امام مدائنی کے اساتذہ میں آنے والے "ابراہیم بن محمد" وہی ہیں، جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، چناں چہ امام احمد بن یحییٰ البلاذری (المتوفی: ۲۷۹) نے کہا:

"المدائني عن إبراهيم بن محمد <u>عن أبيه</u> قال: اتخذ عبد الله بن أبي ربيعة أفراسا بالمدينة، فمنعه عمر بن الخطاب، فكلموه في أن يأذن له فقال: لا آذن له إلا أن يجيئ بعلفها من غير المدينة، فكان يحمل علفها من أرض له باليمن"[5]

---

[1] تقريب التهذيب لابن حجر، رقم (٦١٥١)

[2] تقريب التهذيب لابن حجر (رقم: ٥٠٢٤)

[3] الثقات لابن حبان، ط العثمانية (٦/ ٤)

[4] تقريب التهذيب لابن حجر، رقم (٢٣٩)

[5] أنساب الأشراف للبلاذري (١٠/ ٣٧٣)

''ابراہیم بن محمد'' کے نام سے جو راوی اپنے والد کے شاگرد ہیں، وہ ''ابراہیم بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب'' ہی ہیں۔ چناں چہ امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶) نے کہا:

"إبراهيم بن محمد بن علي بن عبد الله بن جعفر، الهاشمي، القرشي، عن أبيه، سمع عائشة؛ أن النبيﷺ قال لها: أول الناس فناء قومك؛ قريش"[1]

مزید تسلی کے لیے عرض ہے کہ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰) نے کہا:

"أخبرنا علي بن محمد عن إبراهيم بن محمد عن زيد بن أسلم قال: دخل رجل علىٰ الحسن بالمدينة، وفي يده صحيفة، فقال: ما هذه؟ قال: من معاوية يعد فيها ويتوعد، قال: قد كنت على النصف منه"[2]

یہ روایت بھی امام علی بن محمد المدائنی عن ابراہیم بن محمد کے طریق سے ہے اور اس روایت کی سند کو طبقات ابن سعد کے محقق نے "إسناده حسن" کہا ہے اور اس کے رجال کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے:

"علي بن محمد هو المدائني، إبراهيم بن محمد بن علي بن عبد الله بن جعفر بن أبي طالب، صدوق"[3]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس سند میں ''ابراہیم بن محمد'' یہ ''ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب'' ہیں اور یہ ثقہ ہیں، جیسا کہ ابن حبان وغیرہ نے کہا ہے۔ کما مضىٰ

❁ **علي بن محمد، القرشي، المدائني.**

آپ زبردست ثقہ اور امام ہیں۔ کئی کتب کے مصنف ہیں۔ کسی بھی محدث نے ان پر کوئی جرح نہیں کی ہے اور امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳) نے کہا:

"ثقة ثقة ثقة"[4] ''آپ ثقہ ہیں، آپ ثقہ ہیں، آپ ثقہ ہیں۔''

---

[1] التاريخ الكبير للبخاري (١/ ٣١٨)

[2] الطبقات الكبرى، متمم الصحابة، الطبقة الخامسة (١/ ٣٣٢)

[3] الطبقات الكبرى، متمم الصحابة، الطبقة الخامسة (١/ ٣٣٢)

[4] تاريخ مدينة السلام للخطيب البغدادي (١٣/ ٥١٧) و إسناده حسن.

امام ابن جوزی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۹۷) نے کہا:

"وَكَانَ من الثقات، أهل الخير"[1] "آپ ثقات اور اہلِ خیر میں سے تھے۔"

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸) نے کہا:

"صدوق فيما ينقله"[2] "آپ اپنی نقل کردہ روایات میں سچے ہیں۔"

واضح رہے کہ امام مدائنی رحمہ اللہ صاحبِ تصنیفات ہیں۔ خود امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی ان کی تصنیفات کے بارے میں کہا ہے:

"وهو صاحب المصنّفات المشهورة"[3] یعنی امام مدائنی مشہور کتابوں کے مصنف ہیں۔

اس کے بعد امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی کئی تصانیف کا ذکر بھی کیا ہے اور صاحبِ تصنیف محدث کے حوالے سے مع سند کوئی بات نقل کی جائے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ناقل نے اسے صاحبِ تصنیف کی کسی کتاب سے نقل کیا ہے اور کتاب سے نقل کردہ روایت معتبر ہوتی ہے۔ اس بات کی مزید تفصیل آگے آٹھویں باب میں محمد بن حنفیہ والی روایت کی تحقیق کے ضمن میں آرہی ہے۔[4]

اس صحیح روایت سے درج ذیل حقائق منکشف ہوئے:

۱۔ یزید بن معاویہ کو شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ سے بہت دکھ پہنچا، اسی لیے پسماندگان کو دیکھتے ہی ان کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔

۲۔ یزید بن معاویہ کا قتلِ حسین میں کوئی ہاتھ نہیں تھا، ورنہ پسماندگان کو دیکھتے ہی ان کی آنکھیں اشکبار نہ ہوتیں، نیز حسین رضی اللہ عنہ کے بیٹے زین العابدین، یزید بن معاویہ کے عطیات کو قبول نہ کرتے اور نہ ان سے کوئی مانگ کرتے، جبکہ یہ روایت صاف بتلاتی ہے کہ زین العابدین نے یزید بن معاویہ سے جو کچھ مانگا، وہ سب یزید بن معاویہ نے انھیں دیا۔

۳۔ زین العابدین کی ہر مانگ کو یزید بن معاویہ نے پوری کیا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ زین العابدین نے قاتلینِ حسین رضی اللہ عنہ سے قصاص کی مانگ نہیں کی تھی، ورنہ زین العابدین یہ استثنا

---

[1] المنتظم لابن الجوزي (١١/ ٩٥)

[2] تاريخ الإسلام (٥/ ٦٣٨)

[3] تاريخ الإسلام. ت: بشار (٥/ ٦٣٨)

[4] اسی کتاب کا صفحہ (۷۱۲۔۷۱۶) دیکھیں۔

ضرور بیان کرتے کہ قصاص کے علاوہ ہماری ہر مانگ پوری کی، لیکن زین العابدین رحمہ اللہ نے کوئی استثنا ذکر نہیں کیا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے قصاص کی مانگ کی ہی نہیں تھی اور اس کی وجہ یا تو یہ تھی کہ ابن زیاد نے قصاص لے لیا تھا، جیسا کہ بعض روایات میں مذکور ہے یا حالات ایسے تھے کہ قصاص لیا جانا خلافِ مصلحت تھا، جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ نے مصلحتاً قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص نہیں لیا۔ دوسری صورت میں یزید بن معاویہ نے گویا علی رضی اللہ عنہ کی سنت کی پیروی کی ہے اور یہ فضیلت کی بات ہے، کیوں کہ صحیح حدیث میں خلفاے راشدین کی سنت کی پیروی کا حکم ہے۔

۴۔ اہلِ مدینہ کے ساتھ یزید کی شفقت اور نرمی کا پتا چلتا ہے، کیوں کہ یزید بن معاویہ تک یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ مدینے میں ان کے خلاف ہوا چل رہی ہے، لیکن چونکہ بظاہر اب تک کوئی مخالفت نہیں ہوئی تھی، اس لیے یزید بن معاویہ نے محض ان باتوں کی وجہ سے اہلِ مدینہ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔

۵۔ اہلِ مدینہ پر حملے کے وقت صرف ان لوگوں کے خلاف کارروائی کا حکم تھا جو بغاوت کے اصل ذمے دار تھے، کیوں کہ یزید بن معاویہ نے زین العابدین کو مخالفت سے روکا تھا اور حرہ کے وقت اپنے لشکر کو بھی ان کے خلاف کارروائی سے منع کر دیا تھا۔

۶۔ اہلِ مدینہ میں جو لوگ یزید کے مخالف تھے اور وہ صاحبِ فضل تھے، ان پر قابو پانے کے بعد انھیں معاف کرنے کا حکم تھا، جیسا کہ زین العابدین کے ساتھ خصوصی وصیت سے پتا چلتا ہے۔

۷۔ واقعہ حرہ میں اہلِ بیت کے افراد یزید کی مخالفت میں شامل نہیں تھے، جیسا کہ زین العابدین کی عدمِ شمولیت سے اشارہ ملتا ہے۔ اسی لیے امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"وقد كان عبدالله بن عمر بن الخطاب وجماعات أهل بيت النبوة ممن لم ينقض العهد ولا بايع أحدا بعد بيعته ليزيد"[1]

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور اہلِ بیت کی جماعتوں نے یزید کی بیعت نہیں توڑی اور یزید کی بیعت کرنے کے بعد کسی اور کی بیعت بالکل نہیں کی۔''

تنبیہ:

احمد بن محمد ہیتمی بدعتی (المتوفی: ۹۷۴) نے بغیر کسی حوالے کے لکھا ہے:

[1] البداية والنهاية لابن كثير (٨/ ٢٣٢)

"وَإِن جدي مُعَاوِيَة نَازع الْأَمر أَهله، وَمن هُوَ أَحَق بِهِ مِنْهُ: عَليّ بن أبي طَالب، وَركب بكم مَا تعلمُونَ حَتَّى أَتَتْهُ منيته فَصَارَ فِي قَبره رهينا بذنوبه، ثمَّ قلد أبي الْأَمر، وَكَانَ غير أهل لَهُ، وَنَازع ابْنَ بنتِ رَسُول الله ﷺ فقصف عمره، وانبتر عقبه، وَصَارَ فِي قَبره رهينا بذنوبه، ثمَّ بَكَىٰ وَقَالَ: إِن من أعظم الْأُمُور علينا علمنَا بِسوء مصرعه، وبئيس منقلبه، وَقد قتل عترة رَسُول الله ﷺ، وأباح الْحرم، وَخرب الْكَعْبَة"[1]

"(یزید کے بیٹے معاویہ نے کہا:) میرے دادا معاویہ نے اس معاملے میں ان سے جھگڑا کیا، جو اس معاملے کے اہل تھے اور ان سے زیادہ اس کے حق دار تھے اور وہ علی بن ابی طالب ہیں اور آپ سب کو معلوم ہے کہ معاویہ نے تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ یہاں تک کہ اسے موت آ گئی اور وہ اپنے گناہوں کا بوجھ لیے اپنی قبر میں پہنچ گیا۔ پھر میرے باپ (یزید) نے یہ معاملہ سنبھالا اور وہ بھی اس کا اہل نہیں تھا، اس نے نواسۂ رسول (حسین رضی اللہ عنہ) سے جھگڑا کیا اور اپنی زندگی گنوا دی، پھر اپنے گناہوں کا بوجھ لیے اپنی قبر میں پہنچ گیا، پھر وہ رونے لگے اور کہا: ہمارے لیے یہ بہت بڑی مصیبت ہے کہ ہمارے علم میں اس کا بد انجام اور بری عاقبت ہے، اس نے نواسۂ رسول کو قتل کیا، حرام کو حلال کیا اور کعبہ میں تخریب کاری کی۔"

عرض ہے کہ اس بدعتی کی نقل کردہ یہ بات سو فیصد جھوٹ ہے، کیوں کہ اس نے اس بات کے لیے نہ تو کوئی حوالہ دیا ہے اور نہ کوئی سند ہی بیان کی ہے۔ غور کریں ان الفاظ میں صرف یزید بن معاویہ ہی نہیں، بلکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں بھی گستاخی کی گئی ہے۔ بہرحال یہ بے سند اور بے حوالہ بات ہے، اس لیے باطل اور مردود ہے۔

قاتلِ حسین رضی اللہ عنہ خود حسین رضی اللہ عنہ کی نظر میں:

اگر کوئی مقتول موت سے قبل خود گواہی دے کہ اسے کس نے قتل کیا ہے؟ تو یہ گواہی سب سے ٹھوس گواہی مانی جاتی ہے، کیوں کہ عموماً مرتے وقت کوئی جھوٹ نہیں بولتا۔ قرآن وحدیث کی روشنی

[1] الصواعق المحرقة (٢/ ٦٤١)

میں بھی اس گواہی کو سب سے ٹھوس گواہی مانا گیا ہے، چناں چہ بنو اسرائیل میں ایک شخص قتل کر دیا گیا تو مقتول کی زبانی قاتل کی شناخت کے لیے مقتول کو اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر زندہ کیا۔[1]

اسی طرح صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ ایک عورت کو کسی یہودی نے قتل کر دیا تھا اور مقتولہ کو وفات سے قبل اللہ کے نبی ﷺ کے پاس لایا گیا تو اللہ کے نبی ﷺ نے کئی نام ذکر کر کے پوچھا: کیا اس نے تمھیں قتل کیا ہے؟ چناں چہ ایک نام پر عورت نے سر کے اشارے سے ہاں کہا تو اللہ کے نبی ﷺ نے حکم دیا کہ اس قاتل کو بھی اسی طرح موت کے گھاٹ اُتار دو۔[2]

قرآن وحدیث سے معلوم ہوا کہ مقتول اگر موت سے قبل اپنے قاتل کی نشان دہی کر دے تو قاتل کی شناخت میں یہ سب سے بڑا ثبوت ہے، بلکہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی مرنے سے قبل مقتول کا بیان سب سے ٹھوس ثبوت مانا جاتا ہے اور حسین رضی اللہ عنہ نے بھی وفات سے قبل اپنے قاتل کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ چناں چہ تمام مورخین نے متفقہ طور پر وفات سے قبل حسین رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کیا ہے:

''فإنهم دعونا لينصرونا فعدوا علينا فقتلونا''[3]

''ان لوگوں نے ہمیں بلایا، تاکہ ہماری مدد کریں گے، لیکن اب یہی ہمارے خلاف سرکشی کر رہے ہیں اور ہمیں قتل کر رہے ہیں۔''

حتیٰ کہ شیعہ مورخین نے بھی بالاتفاق حسین رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کیا ہے۔[4]

جہاں تک اس کی سند کا معاملہ ہے تو ابن جریر طبری نے دو سندوں سے اسے نقل کیا ہے، چناں چہ کہا:

''قال أبو مخنف: حدثني سليمان بن أبي راشد عن حميد بن مسلم

---

[1] دیکھیں: سورۃ البقرۃ [آیت: ۶۷ وما بعد]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (۵۲۹۵)

[3] دیکھیں: الطبقات الكبرى ـ متمم الصحابة ـ الطبقة الخامسة (۱/ ۴۷۱) بغية الطلب في تاريخ حلب (۶/ ۲۶۱۸) الكامل في التاريخ (۳/ ۱۸۲) المنتظم في تاريخ الملوك والأمم (۵/ ۳۴۰) نهاية الأرب في فنون الأدب (۲۰/ ۴۵۹) تهذيب الكمال في أسماء الرجال (۶/ ۴۲۸) سير أعلام النبلاء. ط الحديث (۴/ ۳۶۵) نیز دیکھیں: ''حادثہ کربلا اور سبائی سازش'' (ص: ۵۸) طبع دوم۔

[4] دیکھیں: الإرشاد (ص: ۲۴۱) أيضاً: إعلام الورى للطبرسي (ص: ۹۴۹) منتهى الآمال (۱/ ۵۳۵) نیز دیکھیں: الشيعة وأهل البيت (ص: ۳۰۲) از علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ.

قال: سمعت الحسين يومئذ، وهو يقول، فذكره"[1]

دوسری سند ذکر کرتے ہوئے کہا:

"حدثني زكرياء بن يحيىٰ الضرير، قال: حدثنا أحمد بن جناب المصيصي قال: حدثنا خالد بن يزيد بن عبد الله القسري قال: حدثنا عمار الدهني قال: قلت لأبي جعفر: حدثني عن مقتل الحسين حتى كأني حضرته، قال: ... فذكره"[2]

اصولِ حدیث کے معیار پر ان دونوں سندوں میں سے کوئی سند صحیح نہیں ہے، لیکن چونکہ حسین رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بیان کو سنی اور شیعہ رواۃ نے بالاتفاق نقل کیا ہے، اس لیے یہ کافی حد تک درست معلوم ہوتا ہے، بلکہ بعض صحیح روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، چناں چہ امام طبرانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۰) نے کہا:

"حدثنا علي بن عبد العزيز، ثنا إسحاق، ثنا سفيان، عن إبراهيم بن ميسرة، عن طاوس، قال: قال ابن عباس: استأذنني حسين في الخروج، فقلت: لولا أن يزري ذلك بي أو بك لشبكت بيدى في رأسك، قال: فكان الذي ردَّ عليَّ أن قال: لأن أُقتلَ بمكان كذا وكذا أحب إلي من أن يُستحلَّ بي حرم الله ورسوله. قال: فذلك الذي سلىٰ بنفسي عنه"[3]

''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حسین رضی اللہ عنہ نے مجھ سے (کوفہ کی طرف) روانگی کی اجازت طلب کی تو میں نے کہا: اگر میری اور آپ کی شان کے خلاف نہ ہوتا تو میں آپ کو پکڑ مضبوطی سے کر رکھتا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس پر حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں فلاں فلاں مقام پر قتل کر دیا جاؤں، یہ میرے نزدیک اس بات سے زیادہ بہتر ہے کہ میری وجہ سے مکہ کی حرمت پامال ہو۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہ بات کہہ کر حسین رضی اللہ عنہ نے مجھے مطمئن کر دیا۔''

[1] تاريخ الطبري (۳/ ۳۳۳)

[2] تاريخ الطبري (۵/ ۳۸۹)

[3] المعجم الكبير للطبراني (۳/ ۱۱۹) و إسناده صحيح.

غور کریں! اس روایت میں حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے قتل ہونے کا خدشہ ظاہر کیا ہے اور یہ اظہارِ خیال آپ نے اہلِ کوفہ کے خطوط دیکھنے کے بعد کیا ہے۔ یعنی حسین رضی اللہ عنہ اہلِ کوفہ کی سازش بھانپ گئے تھے کہ یہ لوگ ان کا استعمال کر کے امت کا خون بہانا چاہتے ہیں اور بالآخر ان کے خون سے بھی یہ لوگ اپنے ہاتھ رنگنے کا ارادہ رکھتے ہیں، بلکہ بعض ضعیف روایات میں اس کی پوری صراحت بھی منقول ہے، چناں چہ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰) نے کہا:

”أخبرنا موسىٰ بن إسماعيل قال: حدثنا جعفر بن سليمان عن يزيد الرشك قال: حدثني من شافه الحسين قال: رأيت أبنية مضروبة بفلاة من الأرض فقلت: لمن هذه؟ قالوا: هذه لحسين. قال: فأتيته فإذا شيخ يقرأ القرآن، قال: والدموع تسيل علىٰ خديه ولحيته، قال: قلت: بأبي وأمي يا ابن رسول الله! ما أنزلك هذه البلاد والفلاة التي ليس بها أحد؟ قال: **هذه كتب أهل الكوفة إلي ولا أراهم إلا قاتلي،** فإذا فعلوا ذلك لم يدعوا لله حرمة إلا انتهكوها فيسلط الله عليهم من يذلهم حتى يكونوا أذل من فرم الأمة يعني مقنعتها“[1]

”یزید بن ابی یزید ضبعی فرماتے ہیں کہ مجھے اس شخص نے بتایا، جس نے براہِ راست حسین رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی کہ میں نے بے آب و گیاہ میدان میں چند خیمے دیکھے تو میں نے لوگوں سے پوچھا: یہ کس کے خیمے ہیں؟ لوگوں نے کہا: یہ حسین رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ پھر میں حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو دیکھا کہ آپ قرآن پڑھ رہے ہیں اور آنسو آپ کے رخساروں اور ڈاڑھی پر بہہ رہے ہیں۔ میں نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان اے نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو اس بے آب و گیاہ میدان میں کیا چیز لے آئی ہے؟ **حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ میرے نام اہلِ کوفہ کے خطوط ہیں اور میرا خیال ہے کہ وہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں،** اگر انھوں نے ایسا کر ڈالا تو اللہ کی قسم! اللہ کی تمام حرمات کو پامال کر ڈالیں گے، پھر اللہ ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کرے گا، جو انھیں ذلیل کر دیں گے، یہاں تک کہ یہ لوگ لونڈی کے حقیر کپڑوں سے بھی بدتر ہو جائیں گے۔“

---

[1] الطبقات الكبرى ـ متمم الصحابة ـ الطبقة الخامسة (١/ ٤٥٨) رجاله ثقات ماعدا الرجل المبهم.

اس روایت کو حسین رضی اللہ عنہ سے براہِ راست نقل کیا گیا ہے، اس کے سارے رجال ثقہ ہیں، لیکن حسین رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے والے کا نام ذکر نہیں ہے، پھر بھی یہ روایت ابو مخنف اور ابن الکلبی، جیسے کذابین سے لاکھ درجے بہتر ہے، لہٰذا اس سے استدلال نہیں تو کم ازکم درج بالا روایت کی تشریح میں اس سے استئناس ضرور کیا جا سکتا ہے، بالخصوص جبکہ شیعہ مورخین نے بھی یہی روایت بہ رضا و رغبت نقل کی ہے، چناں چہ عبدالرزاق مقرم شیعی نے بھی یہی روایت نقل کرتے ہوئے لکھا:

”قال عليه السلام: إن هؤلاء أخافوني، وهذه كتب أهل الكوفه، وهم قاتلي“[1]

”(حسین) علیہ السلام نے کہا: یہ لوگ مجھے خوفزدہ کر رہے ہیں اور یہ اہلِ کوفہ کے خطوط ہیں اور یہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔“

الغرض حسین رضی اللہ عنہ نے اہلِ کوفہ کے خطوط دیکھنے کے بعد اپنے قتل کا خدشہ ظاہر کیا، جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کا اشارہ اہلِ کوفہ ہی کی طرف تھا۔ حسین رضی اللہ عنہ اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ کوفہ میں حکومتِ وقت کے خلاف سازش ہو رہی ہے اور انھیں ذریعہ بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے، اسی لیے حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا سفر بھی کیا، تاکہ وہاں جا کر وہ بذاتِ خود فتنے کے خاتمے کے لیے اپنی خدمات پیش کر سکیں اور وہاں پہنچنے کے بعد اہلِ کوفہ نے جب دیکھا کہ حسین رضی اللہ عنہ ہمارے کام آنے والے نہیں، بلکہ یہ تو حکومتِ وقت ہی کی حمایت کر رہے ہیں تو انھیں نے حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ تفصیل کے لیے دیکھیں ہماری کتاب: ”حادثہ کربلا اور سبائی سازش“ (ص: ۳۵۔۶۲) طبع دوم۔[2]

حسین رضی اللہ عنہ نے صرف اسی بات کی طرف اشارہ نہیں کیا کہ ان کے قتل کے درپے کون ہیں؟ بلکہ انھوں نے یہ بھی اشارہ دے دیا کہ ان کے قتل میں یزید کا کوئی ہاتھ نہیں ہو سکتا، چناں چہ میدانِ کربلا میں آپ نے یزید کو ”امیر المومنین“ کہا اور اُن سے بیعت کرنے کے لیے اُن کے پاس جانے کا مطالبہ کیا۔ قاتلوں کے سامنے حسین رضی اللہ عنہ کا یہ مطالبہ کرنا کہ انھیں یزید کے پاس جانے دو، صاف دلالت کرتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کو یزید سے کوئی خوف نہیں تھا، بلکہ ان سے حسنِ سلوک ہی کی امید تھی، چناں چہ امام احمد بن یحییٰ البلاذری (المتوفی: ۲۷۹) نے کہا:

---

[1] مقتل الحسين للمقرم (ص: ۱۷۵)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۸۵۹۔۸۸۱) دیکھیں۔

"حدثنا سعدويه، حدثنا عباد بُن العوام، حَدَّثَنِي حصين، حَدَّثَنِي هلال بن إساف قال: أمر ابن زياد فأخذ مَا بين واقصة، إِلَى طريق الشَّام إِلَى طريق الْبَصْرَة، فلا يترك أحد يلج وَلا يخرج، فانطلق الْحُسَيْن، يسير نحو طريق الشَّام، يريد يزيد بُن مُعَاوِيَة فتلقته الخيول فنزل كربلاء، وَكَانَ فيمن بعث إِلَيْهِ عمر بن سعد بن أبي وقاص، وشمر ابن ذي الجوشن، وحصين بُن نمير، فناشدهم الْحُسَيْن أن يسيروه إِلَى يزيد فيضع يده فِيُ يده فأبوا إِلا حكم ابُن زياد"[1]

''عبیداللہ بن زیاد نے حکم دیا کہ واقصہ اور شام وبصرہ کے بیچ پہرہ لگا دیا جائے اور کسی کو بھی آنے جانے سے روک دیا جائے، چناں چہ حسین رضی اللہ عنہ یزید بن معاویہ سے ملنے کے لیے شام کی طرف چل پڑے، پھر راستے میں گھوڑ سواروں نے انھیں روک لیا اور وہ کربلا میں رک گئے، ان گھوڑ سواروں میں عمر بن سعد بن ابی وقاص، شمر بن ذی الجوشن اور حصین بن نمیر تھے۔ حسین رضی اللہ عنہ نے ان سے التجا کی کہ انھیں یزید کے پاس لے چلیں، تاکہ وہ یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں، اس پر ان لوگوں نے کہا کہ ہم عبیداللہ بن زیاد کی اجازت کے بغیر ایسا نہیں کر سکتے۔''

اس روایت سے درج ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ حسین رضی اللہ عنہ، یزید کی بیعت پر رضا مند تھے اور باقاعدہ اسے عملی شکل دینے پر بھی آمادہ تھے۔

۲۔ حسین رضی اللہ عنہ کا سفرِ کوفہ جہاد کی نیت سے نہیں تھا، ورنہ وہ کبھی دشمن کے ہاتھ میں ہاتھ دینے پر آمادہ نہ ہوتے۔

۳۔ حسین رضی اللہ عنہ کو یزید بن معاویہ سے ہمدردی ہی کی امید تھی، ورنہ وہ اہلِ کوفہ کی غداری دیکھ کر یزید کی طرف رخ نہ کرتے۔

اس روایت سے یہ قطعاً نہیں ثابت ہوتا کہ حسین رضی اللہ عنہ کے اس مطالبے کو عبیداللہ بن زیاد نے پورا نہیں کیا، کیوں کہ اس روایت میں عبیداللہ بن زیاد کے جواب کا ذکر نہیں ہے۔ یہ روایت بالکل صحیح ہے، بلکہ صحیح مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ اس کے سارے رجال صحیح بخاری ومسلم سمیت سننِ اربعہ

[1] أنساب الأشراف للبلاذري (٣/ ٣٨٣، ط، دار الفكر. و إسناده صحيح علىٰ شرط مسلم.

کے رجال ہیں، البتہ ہلال بن یساف کی روایت بخاری میں تعلیقاً ہے، اگر امام بخاری رحمہ اللہ نے ان سے بھی اصول میں روایت کیا ہوتا تو یہ روایت بخاری ومسلم دونوں کے شرط پر صحیح ہوتی، پھر بھی یہ روایت مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

❁ أبو الحسن هلال بن إساف الكوفي.

آپ صحیحین سمیت کتب ستہ کے راوی ہیں، البتہ صحیح بخاری میں ان کی روایت تعلیقاً ہے۔ آپ نے حسین ہی نہیں، بلکہ ان کے والد علی رضی اللہ عنہ کا دور بھی پایا ہے اور کوفہ کے رہنے والے بھی تھے۔

❁ امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴) نے کہا:

"هلال بن يساف مولى أشجع، كنيته أبو الحسن، من أهل الكوفة، أدرك عليا"[1]

❁ امام مزی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۲) نے کہا:

"هلال بن يِسَاف، ويُقال: ابن إساف، الأشجعي، مولاهم، أبو الحسن الكوفي، أدرك علي بن أَبي طالب"[2]

"آپ نے علی رضی اللہ عنہ کو پایا ہے۔"

آپ پر کسی بھی محدث نے جرح نہیں کی ہے، بلکہ ملاحظہ کریں:

❁ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰) نے کہا:

"وَكَانَ ثِقَةً كثيرَ الحديث"[3] "آپ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔"

❁ امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳) نے کہا:

"ثقة"[4] "آپ ثقہ ہیں۔"

❁ امام عجلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۱) نے کہا:

"هلال بن يساف: كوفي، تابعي، ثقة"[5] "ہلال بن یساف کوفی تابعی ثقہ ہیں۔"

---

[1] الثقات لابن حبان (٥/ ٥٠٣)

[2] تهذيب الكمال للمزی: ٣٠/ ٣٥٣)

[3] الطبقات الكبرى لابن سعد (٦/ ٣٠٠ ط العلمية)

[4] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٩/ ٧٢) وسنده صحيح.

[5] تاريخ الثقات للعجلي (ص: ٤٦٠)

امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴) نے کہا:

”هلال بن يساف مولى أشجع كنيته أبو الحسن من أهل الكوفة أدرك عليا“[1]

”(آپ ثقہ ہیں) آپ نے علی رضی اللہ عنہ کو پایا ہے۔“

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸) نے کہا:

”ثقة“[2] ”آپ ثقہ ہیں۔“

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲) نے کہا:

”ثقة“[3] ”آپ ثقہ ہیں۔“

أبو الهذيل حصين بن عبد الرحمن السلمي، الكوفي.

آپ صحیحین سمیت کتبِ ستہ کے راوی ہیں۔

امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳) نے کہا:

”حصين بن عبد الرحمن ثقة“[4] ”حصین بن عبدالرحمٰن ثقہ ہیں۔“

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱) نے کہا:

”حُصَيْن بن عبد الرَّحْمَن أَبُو الْهُذيْل السّلمِيّ الثِّقَة الْمَأْمُون من كبار أَصْحَاب الحَدِيث“[5]

”حصین بن عبدالرحمٰن ثقہ اور کبار محدثین میں سے ہیں۔“

امام عجلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۱) نے کہا:

”كوفي ثِقَة ثَبت فِي الحَدِيث“[6] ”آپ ثقہ اور حدیث میں ثبت ہیں۔“

امام ابو زرعۃ الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۴) نے کہا:

”ثقة، يحتج بحديثه“[7] ”آپ ثقہ اور قابلِ احتجاج ہیں۔“

---

1. الثقات لابن حبان (٥/ ٥٠٣)
2. الكاشف للذهبي (٢/ ٣٤٣)
3. تقريب التهذيب لابن حجر، رقم (٧٣٥٢)
4. الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٣/ ١٩٣)
5. العلل و معرفة الرجال لأحمد، رواية ابنه عبد الله (١/ ٢٣٥)
6. معرفة الثقات للعجلي (١/ ٣٠٥)
7. الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٣/ ١٩٣) وسنده صحيح.

❁ امام ابن الکیال رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۲۹) نے کہا:

”أحد الثقات الأثبات، احتج به الشيخان“[1]

”آپ ثقہ وثبت لوگوں میں سے ہیں اور صحیح بخاری ومسلم کے رجال میں سے ہیں۔“

❁ امام فسوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷) نے کہا:

”حصين بن عبد الرحمن متقن ثقة كوفي“[2]

”حصین بن عبدالرحمٰن متقن، ثقہ اور کوفی ہیں۔“

تنبیہ بلیغ:

بعض لوگوں نے حصین کے بارے میں یہ کہا ہے کہ وہ اخیر میں مختلط ہوگئے تھے۔ عرض ہے:

اولاً: کچھ اہلِ علم نے اس اختلاط کی تردید کی ہے۔

ثانیاً: کچھ اہلِ علم نے کہا کہ اخیر میں ان کا صرف حافظہ متغیر ہوا تھا، لیکن اس کے باوجود وہ ثقہ ہی تھے۔

ثالثاً: زیرِ تحقیق روایت کو حصین سے عباد بن العوام نے نقل کیا ہے اور حصین سے ان کا سماع قدیم ہے۔[3]

❀ **أبو سهل، عباد بن العوام الواسطي.** آپ صحیحین سمیت کتبِ ستہ کے راوی ہیں۔

❁ امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳) نے کہا:

”ثقة“[4] ”آپ ثقہ ہیں۔“

❁ امام علی بن المدینی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۴) نے کہا:

”كان عَبَّاد ثقة ثَبْتًا“[5] ”آپ ثقہ اور ثبت تھے۔“

❁ امام عجلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۱) نے کہا:

---

[1] الكواكب النيرات (ص: ١٣٢)

[2] المعرفة والتاريخ للفسوي (٣/ ٩٣)

[3] تفصیل کے لیے دیکھیں: حصين بن عبد الرحمن السلمي ورواياته في الصحيحين لإسماعيل رضوان (ص: ٥ ـ ١٠)

[4] تاريخ ابن معين- رواية الدوري (٤/ ٢٠٨)

[5] سؤالات محمد بن عثمان لعلي بن المديني (ص: ٦٢)

"عباد بن العوام واسطي ثقة"[1] "عباد بن العوام واسطی ثقہ ہیں۔"

❁ امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷) نے کہا:

"ثقة"[2] "آپ ثقہ ہیں۔"

❁ امام بزار رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۹۲) نے کہا:

"عباد بن العوام واسطي ثقة"[3] "عباد بن العوام واسطی ثقہ ہیں۔"

❁ امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴) نے انھیں ثقات میں ذکر کیا ہے۔[4]

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲) نے کہا:

"ثقة"[5] "آپ ثقہ ہیں۔"

❀ **أبو عثمان، سعيد بن سليمان الضبي، الواسطي (سعدويه)**

آپ صحیحین سمیت کتبِ ستہ کے راوی ہیں۔

❁ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰) نے کہا:

"كَانَ ثِقَةً كَثِيرَ الْحَدِيثِ"[6] "آپ ثقہ کثیر الحدیث تھے۔"

❁ امام عجلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۱) نے کہا:

"سعيد بن سليمان، ويعرف بسعدويه، واسطي ثقة"[7]

"سعید بن سلیمان، یہ سعدویہ سے معروف ہیں، یہ واسطی اور ثقہ ہیں۔"

❁ امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷) نے کہا:

"ثقة مأمون"[8] "آپ ثقہ مامون ہیں۔"

---

[1] تاريخ الثقات للعجلي (ص: ٢٤٧)

[2] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٦/ ٨٣)

[3] مسند البزار (٢/ ١٧٥)

[4] الثقات لابن حبان (٧/ ١٦٢)

[5] تقريب التهذيب لابن حجر، رقم (٣١٣٨)

[6] الطبقات الكبرى (٧/ ٣٤٠) ط دار صادر.

[7] تاريخ الثقات للعجلى ص: ١٨٥)

[8] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٤/ ٢٦)

✿ امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴) نے کہا:
”سعید بن سلیمان بن کنانة الواسطي، کنیته أبو عثمان، سکن بغداد، وھو الذي یعرف بسعدویه“①
”سعید بن سلیمان بن کنانہ واسطی، ان کی کنیت ابو عثمان ہے، انھوں نے بغداد میں سکونت اختیار کی اور یہی سعدویہ کے نام سے معروف ہیں۔“

✿ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲) نے کہا:
”ثقة حافظ“② ”آپ ثقہ حافظ ہیں۔“

معلوم ہوا کہ مذکورہ روایت بالکل صحیح ہے۔ بعض لوگ انساب الاشراف کے مصنف امام بلاذری رحمہ اللہ ہی کے بارے میں یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں، یہ ثقہ نہیں ہیں، حالاں کہ یہ بلاشبہہ ثقہ ومتقن ہیں، چناں چہ امام صفدی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۶۴ نے کہا:

”وکان أحمد بن یحییٰ بن جابر عالماً فاضلاً شاعراً راویة نسّابة متقناً“③
”احمد بن یحییٰ بن جابر، عالم، فاضل، شاعر، تاریخ وانساب کے ماہر اور متقن تھے۔“

فائدہ:- امام بلاذری رحمہ اللہ کو امام صفدی نے متقن کہا ہے اور امام ابن الصلاح فرماتے ہیں:

”قال (ابن أبي حاتم): إذا قیل للواحد: إنه ثقة أو (متقن) فھو ممن یحتج بحدیثه“④
”ابن ابی حاتم نے کہا: جب کسی راوی کے بارے میں کہا جائے کہ وہ ثقہ ہے یا متقن ہے تو اس کی حدیث سے حجت پکڑی جائے گی۔“

زبیر علی زئی صاحب ابن ابی حاتم کا یہ قول ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:
”ثابت ہوا کہ متقن کا لفظ توثیق ہے، نیز ظفر احمد تھانوی دیوبندی نے بھی متقن کی منفرد حدیث کو بھی حجت اور صحیح قرار دیا ہے۔ (دیکھئے مقدمہ اعلاء السنن ص ۱۴۸، قواعد فی علوم الحدیث ص ۲۴۳)۔ ظہور احمد (نٹھے کوثری) نے بھی لکھا ہے: ”کیونکہ محدثین کی اصطلاح میں ”متقن“ اس شخص کو کہتے ہیں جو حدیث میں ثقہ اور اس کا حافظ ہو۔ (تلامذہ۔۔۔ ۱۷۴)“⑤

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸) نے کہا:
”حافظ أخباري علامة“⑥ ”یہ حافظ، مورخ اور علامہ ہیں۔“

---

① الثقات لابن حبان (۸/ ۲۶۷) ② تقریب التھذیب لابن حجر، رقم (۲۳۲۹) ③ الوافي بالوفیات (۳/ ۱۰۴) ④ مقدمة ابن الصلاح (ص: ۶۱) ⑤ مقالات (۱۲۶/۶) ⑥ تذکرة الحفاظ للذھبي (۳/ ۸۹۲)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کی مرویات کی تحسین کی ہے، مثلا ایک جگہ کہا:

”وروى البلاذري بإسناد لا بأس به أن حفص بن أبي العاص...“[1]

”بلاذری نے ”لا بأس به“ سند کے ذریعے روایت کیا ہے کہ حفص بن ابی العاص...۔“

یاد رہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مستدل روایت امام بلاذری کی کتاب ”أنساب الأشراف“ ہی میں منقول ہے، چناں چہ امام بلاذری نے کہا:

”حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ الزَّاهِدُ، ثنا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ يُونُسَ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلالٍ أَنَّ حَفْصَ بْنَ أَبِي الْعَاصِ الثَّقَفِيَّ كَانَ يُحْضِرُ طَعَامَ عُمَرَ فَلا يَأْكُلُ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: مَا يَمْنَعُكَ مِنْ طَعَامِنَا؟ فَقَالَ: إِنَّ طَعَامَ...“[2]

اور کسی راوی کی روایت کی تصحیح یا تحسین اس راوی کی توثیق ہوتی ہے۔ امام ابن الملقن فرماتے ہیں:

”وَقَالَ غَيره: فِيهِ جَهَالَة، مَا رَوَى عَنهُ سِوَى ابْن خُنَيْس، وَجزم بِهَذَا الذَّهَبِيّ فِيْ الْمُغنِى فَقَالَ: لَا يعرف، لَكِن صحّح الْحَاكِم حَدِيثه ـكَمَا ترَى ـ وَكَذَا ابْن حبَان، وَهُوَ مُؤذن بمعرفته وثقته“[3]

”ان کے علاوہ دوسروں نے کہا: یہ غیر معروف ہیں، ان سے ابن خنیس کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا اور ذہبی نے مغنی میں یہی بات بالجزم کہی ہے۔ چناں چہ کہا: یہ معروف نہیں ہے، لیکن امام حاکم نے اس کی حدیث کو صحیح کہا ہے، جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، اسی طرح ابن حبان نے بھی ان کی حدیث کی تصحیح کی ہے اور یہ ان کے معروف اور ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔“

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) نے کہا:

”قلت: صحح ابن خزيمة حديثه، ومقتضاه أن يكون عنده من الثقات“[4]

---

[1] الإصابة لابن حجر (٢/ ٩٨)

[2] أنساب الأشراف للبلاذري (١٠/ ٣١٨)

[3] البدر المنير لابن الملقن (٤/ ٢٦٩)

[4] تعجيل المنفعة (ص: ٢٤٨)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابن خزیمہ نے ان کی حدیث کو صحیح کہا ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ ثقہ ہیں۔''

اس کے علاوہ ایک اور بات پیشِ نظر رہنی چاہیے، وہ یہ کہ محدثین خواہ متقدمین ہوں یا متاخرین، وہ جب کسی روای کی توثیق کرتے ہیں یا جرح کرتے ہیں تو اس کی مرویات ہی کو بنیاد بناتے ہیں۔ یہ اصول، اصل دلیل ہے کسی راوی کے ثقہ ہونے یا ضعیف ہونے پر۔ پھر اگر ہم اصل دلیل کو بنیاد بنا کر فیصلہ کریں، یعنی امام بلاذری رحمہ اللہ کی روایات کا ناقدانہ مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا کہ ان کی روایات ثقہ روایات کے موافق ہیں، یہ قطعی دلیل ہے کہ امام بلاذری رحمہ اللہ ثقہ ہیں۔ اسی چیز کی وضاحت کرتے ہوئے دکتور اکرم ضیا، جنھوں نے اسلامی تاریخ میں دکتورہ کیا ہے، لکھتے ہیں:

''ويعد البلاذري أبرز المؤرخين المسلمين بعد الطبري من حيث سعة المعلومات التي دونها والفترات التاريخية التي غطاها، لكن كتابه أنساب الأشراف أحسن انتقاء للروايات وأنقى أسانيد وأكثر اتفاقا مع روايات أهل الثقة والصدق من تأريخ الطبري. وأنساب الأشراف يتناول التاريخ الإسلامي في إطار الأنساب ابتداء بالأسر والعشائر والقبائل القرشية، وانتهاء بغيرها من القبائل العربية. وباستقراء مشايخ البلاذري نجد أغلبهم توفى قبل وفاة البلاذري بأكثر من عشرين عاماً تقريباً، مما يدل على أنه صنف كتابه قديما قبل مرضه وبمقارنة رواياته بروايات غيره كابن سعد وخليفة نجدها متفقة مع الروايات الحسنة والصحيحة التي أوردتها كتب السنة والتاريخ، لذلك فإذا حدث في رواياته ضعف أو شذوذ فهو من قبل الرواة الذين نقل عنهم لا منه هو. وقد استقى رواياته في أحداث الفتن من ثقات المحدثين من شيوخ البخاري و مسلم في الصحيحين مثل عفان بن مسلم، وأحمد بن إبراهيم الدورقي، وعلي بن المديني و عمرو بن محمد الناقد، وأبي بكر بن أبي شيبة، وأبي خيثمة.''[1]

[1] عصر الخلافة الراشدة (ص: ١٥۔ ١٦)

''وسیع معلومات اور تاریخی واقعات کو بیان کرنے کے اعتبار سے نمایاں مسلم مورخین میں بلاذری کا شمار طبری کے بعد ہوتا ہے، لیکن بلاذری کی کتاب "انساب الأشراف" میں ''تاریخ طبری'' کی بہ نسبت زیادہ بہتر روایات کا انتخاب کیا گیا ہے، اس کی سندیں زیادہ صاف ستھری ہیں اور اس کی روایات دیگر ثقہ رواۃ کے بیان سے زیادہ موافقت رکھتی ہیں۔ "انساب الأشراف" میں انساب کے تحت اسلامی تاریخ بیان کی گئی ہے، شروعات خاندان و کنبے اور قرشی قبائل سے کی گئی ہے اور اخیر میں دیگر عربی قبائل کا ذکر ہے۔

بلاذری کے اساتذہ کا استقراء کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ان کے اساتذہ کی اکثریت کی وفات بلاذری کی وفات سے تقریباً بیس سال سے کچھ زائد عرصہ قبل ہوئی ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ بلاذری نے یہ کتاب اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں لکھی ہے، جب وہ بیمار نہیں ہوئے تھے اور جب ہم بلاذری کی روایات کا دیگر مولفین مثلاً ابن سعد اور خلیفہ کی روایات کے ساتھ مقارنہ کرتے ہیں تو ہم یہی پاتے ہیں کہ یہ ان صحیح اور حسن روایات کے موافق ہیں، جو کتبِ احادیث اور کتبِ تاریخ میں وارد ہیں۔ لہٰذا اگر بلاذری کی کسی روایت میں ضعف یا شذوذ ہو تو وہ ان رواۃ کی طرف سے، جن سے بلاذری نے یہ روایات اخذ کی ہیں، نہ کہ خود بلاذری کی طرف سے۔ بلاذری نے فتن وغیرہ کی خبروں کے لیے ثقہ محدثین اور صحیحین میں بخاری و مسلم کے شیوخ مثلا عفان بن مسلم، احمد بن ابراہیم الدورقی، علی ابن المدینی، عمرو بن محمد الناقد، ابوبکر ابن ابی شیبہ اور ابوخیثمہ سے روایات اخذ کی ہیں۔''

معلوم ہوا کہ امام بلاذری کی روایات دیگر ثقہ روایات کے موافق ہیں، لہٰذا اس اعتبار سے بھی وہ ثقہ ہیں۔

فائدہ:

دکتور اکرم ضیا کی وضاحت سے یہ معاملہ بھی صاف ہوگیا کہ انساب الاشراف کو امام بلاذری رحمہ اللہ نے اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں لکھا ہے۔ لہٰذا بعض نے بغیر کسی سند کے جو یہ حکایت نقل کی ہے کہ ''امام بلاذری نے اخیر عمر میں ''بلاذر'' پی لیا تھا، جس سے ان کی عقل میں فساد ہوگیا

تھا۔'' اگر اس بے سر پیر کی بات کو صحیح بھی فرض کر لیا جائے تو بھی یہ حادثہ امام بلاذری رحمہ اللہ کے ساتھ ''انساب الأشراف'' کی تالیف کے بعد ہوا ہے۔ جیسا کہ دکتور اکرم ضیا نے ''انساب الأشراف'' میں بلاذری کے اساتذہ کے استقراء سے نتیجہ نکالا ہے۔ نیز اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ انساب الاشراف کی صحیح السند روایات دیگر کتب کی صحیح روایات کے بالکل موافق ہیں۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اس کتاب کی تالیف کے وقت امام بلاذری رحمہ اللہ کی عقل میں کوئی فساد واقع نہیں ہوا تھا۔ ورنہ اس کتاب کی صحیح السند روایات دیگر صحیح روایات کے موافق قطعاً نہیں ہوتیں، بلکہ ان میں جگہ جگہ خلل ہوتا۔

واضح رہے کہ ہمیں اس بات کا صحیح سند سے کوئی ثبوت نہیں ملا کی آخری عمر میں امام بلاذری کی عقل میں فساد ہو گیا تھا، لیکن بالفرض یہ ثابت بھی ہو جائے تو اس کے جواب میں مذکورہ باتیں کہی جائیں گی۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام بلاذری رحمہ اللہ ثقہ ہیں۔

تنبیہ:

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۰) نے کہا:

''قال أبو مخنف: فأما عبدالرحمن بن جندب فحدثني عن عقبة بن سمعان قال: صحبت حسينا فخرجت معه من المدينة إلىٰ مكة، ومن مكة إلىٰ العراق، ولم أفارقه حتى قتل: وليس من مخاطبته الناس كلمة بالمدينة ولا بمكة ولا في الطريق ولا بالعراق ولا في عسكر إلىٰ يوم مقتله إلا وقد سمعتها، ألا والله ما أعطاهم ما يتذاكر الناس، وما يزعمون من أن يضع يده في يد يزيد بن معاوية''[1]

''عقبہ بن سمعان کہتے ہیں کہ میں حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ میں ان کے ساتھ مدینے سے مکے کے لیے نکلا اور مکے سے عراق کے لیے نکلا، میں ان سے الگ ہوا ہی نہیں، یہاں تک کہ وہ قتل کر دیے گئے۔ آپ نے مدینے یا مکے یا راستے میں یا عراق میں یا فوج میں اپنے قتل ہونے تک جو بھی بات کہی میں نے سب سنی۔ اللہ کی قسم! حسین رضی اللہ عنہ

[1] تاريخ الطبري (۳/ ۳۱۲) ونقله ابن الأثير في الكامل في التاريخ (۲/ ۱٦۷) بقوله: وقد روي عن عقبة بن سمعان فذكره...

نے یہ پیشکش کی ہی نہیں، جو لوگ ذکر کرتے اور دعویٰ کرتے ہیں کہ حسین رضی اللہ عنہ نے پیشکش کی کہ وہ یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں گے۔"

یہ روایت سراسر جھوٹ ہے، اس کی سند کا ہر راوی معیوب ہے۔ قدرے تفصیل ملاحظہ ہو:

- **"عقبہ بن سمعان (؟)"** یہ مجہول راوی ہے۔ کسی بھی کتاب میں اس کی تعدیل یا توثیق نہیں ملتی۔
- **"عبدالرحمٰن بن جندب (؟)"** یہ بھی مجہول راوی ہے۔ کسی بھی کتاب میں اس کی تعدیل یا توثیق نہیں ملتی۔
- **"ابومخنف"**۔ یہ لوط بن یحییٰ ابومخنف غامدی شیعہ اور کذاب ہے۔
- **امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷) نے کہا:**

"متروك الحديث"[1] **"یہ متروک الحدیث ہے۔"**

- **امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۷) نے کہا:**

"أبو مخنف وأبو مريم وعمرو بن شمر ليسوا هم بشيئ"[2]

"ابومخنف، ابومریم اور عمرو بن شمر کی کوئی حیثیت نہیں۔"

- **امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۵) نے کہا:**

"شيعي محترق صاحب أخبارهم"[3] **"یہ کٹر شیعہ اور شیعوں کا مورخ ہے۔"**

- **امام اسماعیل الاصبہانی، الملقب بقوام السنۃ (المتوفی: ۵۳۵) نے کہا:**

"فَأَما مَا رَوَاهُ أَبُو مخنف وَغَيره من الروافض فَلَا اعْتِمَاد بروايتهم"[4]

"ابومخنف وغیرہ روافض نے جو روایت کیا ہے، وہ ناقابلِ اعتماد ہیں۔"

- **امام ابن الجوزی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۹۷) نے کہا:**

"وفي حَدِيث ابْن عَبَّاس: أَبُو صَالح الْكَلْبِيّ وَأَبُو مخنف، وَكلهمُ كذابون"[5]

"ابن عباس والی روایت میں ابوصالح اور ابومخنف ہے اور یہ سب کے سب کذاب ہیں۔"

---

[1] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٧/ ١٨٢)

[2] تاريخ ابن معين. رواية الدوري (٣/ ٤٣٩)

[3] الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي (٧/ ٢٤١)

[4] الحجة في بيان المحجة لقوام السنة (٢/ ٥٦٨)

[5] الموضوعات لابن الجوزي (١/ ٤٠٦)

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸) نے کہا:

"لوط بن یحییٰ وھشام بن محمد بن السائب وأمثالھما من المعروفین بالکذب"[1]

"لوط بن یحییٰ (ابو مخنف)، ہشام بن محمد بن السائب اور ان جیسے لوگ جو جھوٹے ہونے میں معروف ہیں۔"

❀ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸) نے کہا:

"لوط بن یحیی، أبو مخنف، أخباري تالف، لا یوثق به"[2]

"لوط بن یحییٰ ابومخنف، یہ اخباری، متروک اور نا قابلِ اعتماد ہے۔"

❀ دوسرے مقام پر کہا:

"أبو مخنف۔اسمه: لوط بن یحیی۔ ھالك"[3]

"ابومخنف اس کا نام لوط بن یحییٰ ہے، یہ ہالک ہے۔"

❀ امام ابن العراق الکنانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۶۳) نے کہا:

"لوط بن یحییٰ أبو مخنف کذاب تالف"[4]

"لوط بن یحییٰ ابومخنف یہ کذاب اور متروک ہے۔"

معلوم ہوا یہ روایت سراسر جھوٹ اور سبائی ذہن کی بنائی ہوئی ہے، اس کا مقصد جیسا کہ ظاہر ہے، اس حقیقت پر پردہ ڈالنا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ یزید کی بیعت پر آمادہ تھے، لیکن اسناد کی عظیم الشان نعمت کے ہوتے ہوئے کسی بھی سبائی کے بس میں نہیں کہ جھوٹ اور مکاری سے حقائق پر پردہ ڈال سکے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

زبیر علی زئی صاحب نے اس روایت کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے اپنے مجلّہ "الحدیث" (شمارہ ۲۷، ص: ۶۳) پر اسے جگہ دی تھی، لیکن بعد میں موصوف نے اسے ضعیف قرار دیتے ہوئے کہا:

---

[1] منھاج السنة النبویة لابن تیمیة (۱/ ۵۹)

[2] میزان الاعتدال للذھبي (۳/ ۴۱۹)

[3] میزان الاعتدال للذھبي (۴/ ۵۷۱)

[4] تنزیه الشریعة المرفوعة (۱/ ۹۸)

''انساب الاشراف کی یہ روایت کئی وجہ سے ضعیف و مردود ہے: ① انساب الاشراف کے مطبوعہ نسخے کی اصل سند نامعلوم ہے۔ ② بلاذری سے اس کتاب کے راوی کا نام معلوم نہیں۔ ③ انساب الاشراف کی کئی روایات صحیحین اور صحیح احادیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے منکر و مردود ہیں۔''[1]

عرض ہے کہ اس روایت کو ضعیف قرار دینے کی یہ تینوں باتیں کسی تحقیق پر مبنی نہیں ہیں، بلکہ محض یزید کی مذمت اور اپنی مرضی و پسند پر مبنی ہیں۔

قارئین غور کریں! زبیر علی زئی صاحب اس کتاب کی روایات کو پہلے صحیح سمجھتے تھے تو کیا اس وقت اس کتاب کے مطبوعہ نسخے کی سند موصوف کو معلوم تھی؟ نیز کیا اس وقت اس کتاب کے راوی کا نام موصوف کو معلوم تھا؟ اگر پہلے بھی اس نسخے کی یہی صورتِ حال تھی تو موصوف نے اس کی روایت کو صحیح کیوں کہا تھا؟

اگر کسی راوی کا نام معلوم ہو اور اس سے متعلق بعض کی توثیق بھی معلوم ہو تو یہاں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بعد میں اس راوی سے متعلق ایک عالم کا فیصلہ بدل سکتا ہے، کیوں کہ اس کی توثیق کا ثبوت محلِ نظر ہوسکتا ہے یا اس کے بارے میں کوئی جرح مل سکتی ہے، لیکن مفقود سند اور مفقود راوی کی روایت کو پہلے قبول کر لینا اور اسے صحیح قرار دینا اور بعد میں اس فیصلے کو بدل دینا؛ بہت بڑا عجوبہ ہے۔ کیوں کہ اس کی بنیاد تحقیق پر نہیں، بلکہ مرضی و پسند پر ہے!!

تحقیق کی بنیاد پر کوئی فیصلہ بدلتا ہے تو اس کی وجہ نئی معلومات ہوتی ہیں، لیکن یہاں نہ پہلے فیصلے کے وقت کوئی معلومات موجود تھیں اور نہ فیصلہ بدلنے کے بعد کوئی معلومات ہیں۔ پھر آخر فیصلہ بدلنے کے سوائے اس کی اور کیا وجہ ہے کہ معاملہ پسند و ناپسند اور مرضی و غیر مرضی اور یزید کی بلاوجہ مذمت کا ہے۔ جب ایک روایت پسند آئی تو صحیح ہوگئی اور جب وہی روایت ناپسند ہوئی تو ضعیف ہوگئی۔

پھر اس روایت کی تردید میں تیسری وجہ بتاتے ہوئے تو موصوف نے مضحکہ خیزی کی حد کر دی۔ فرماتے ہیں کہ اس کتاب کی کئی روایات صحیحین اور صحیح احادیث کے خلاف ہیں، عرض ہے کہ دنیا کی کون سی حدیث کی مشہور کتاب ہے، جس میں صحیحین اور صحیح احادیث کے خلاف روایات نہیں

---

[1] مجلہ ''الحدیث'' (شمارہ: ۱۰۸، ص: ۳٤)

ہیں؟ تو کیا ان سب کتابوں پر ہاتھ صاف کر دیا جائے؟ الغرض اس روایت کو ضعیف کہنے کے لیے یہ بہانے کارگر نہیں ہو سکتے۔

اب رہی یہ بات کہ جب اس کتاب کی سند اور راوی کتاب کا نام نامعلوم ہے تو اس کے باوجود بھی ہم اس کتاب کو ثابت مانتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو ہمارے پاس اس کے کئی جوابات ہیں:

اولاً: تفصیل کے لیے "انساب الاشراف" کے محقق کا مقدمہ پڑھ لیں، محقق نے اس کتاب کو ثابت کیا ہے۔

ثانیاً: یہ کتاب خود امام بلاذری رحمہ اللہ نے اپنے ہاتھ سے لکھی ہے اور انھیں کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے سے اسے ناسخ نے نقل کیا ہے، پھر بیچ میں کتاب کے راوی اور سند کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دیکھیں کتاب کے محقق کا مقدمہ۔

ثالثاً: یہ ایک مشہور و معروف کتاب ہے، چناں چہ شہاب الدین ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ الرومی الحموی (المتوفی: ٦٢٦) نے کہا:

"كتاب جمل نسب الأشراف، وهو كتابه المعروف المشهور"[1]

"(امام بلاذری کی) کتاب جمل نسب الاشراف یہ امام بلاذری کی معروف اور مشہور کتاب ہے۔"

نیز مستند ائمہ و محدثین نے اس پر اعتماد کیا ہے اور اس سے بطورِ حجت روایات نقل کی ہیں۔ ایسی مشہور اور معتبر کتاب کے ثبوت کے لیے ناسخِ کتاب یا ناقلینِ کتاب پر بحث کی ضرورت ہی نہیں۔ دیکھیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ٨٥٢) نے کہا:

"لأن الكتاب المشهور الغني بشهرته عن اعتبار الإسناد منا إلىٰ مصنفه كسنن النسائي مثلا، لا يحتاج في صحة نسبته إلى النسائي إلىٰ اعتبار حال رجال الإسناد منا إلىٰ مصنفه"[2]

"مشہور کتاب کے لیے اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم سے مصنف تک اس کی سند معتبر ہو۔ مثال کے طور پر سنن نسائی کی صحت کے لیے اس بات کی حاجت نہیں ہے کہ ہم سے لے کر امام نسائی تک کے رجال معتبر ہوں۔"

---

[1] إرشاد الأريب إلىٰ معرفة الأديب (٢/ ٥٣٤)

[2] النكت على كتاب ابن الصلاح لابن حجر (١/ ٢٧١)

یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے انساب الاشراف کو ثابت مانا ہے اور اس سے نقل کردہ ایک روایت کی سند کو ”لا بأس به“ کہا ہے، چناں چہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲) نے کہا:

”وروى البلاذري بإسناد لا بأس به أن حفص بن أبي العاص كان يحضر طعام عمر. الحديث“[1]

یاد رہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی مستدل روایت امام بلاذری کی کتاب ”الأنساب الأشراف“ ہی میں ہے، جیسا کہ گذشتہ صفحات اس کا ذکر ہو چکا ہے۔[2]

عصرِ حاضر کے عظیم محدث علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی یہی بات کہی ہے۔ ملاحظہ ہو:

”السؤال: ما رأيك في أسانيد الكتب؟ هل يشترط فيها ما يشترط في رواية الأحاديث أم يتساهل فيها؟

”الجواب: رأيي يختلف من كتاب إلى آخر، فإذا كان كتاباً مشهوراً متداولًا بين أيدى العلماء ووثقوا به، فلا يشترط، أما إذا كان غير ذلك فإنه يُشتَرط“[3]

”سوال: کتابوں کی سندوں کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ کیا اس میں بھی وہی شرط لگائی جائے گی جو احادیث کی روایت میں لگائی جاتی ہے یا اس میں تساہل سے کام لیا جائے گا؟

”جواب: میری رائے الگ الگ کتاب کے اعتبار سے الگ الگ ہے، چناں چہ اگر کوئی کتاب مشہور ہو، علما کے ہاتھوں میں عام ہو اور اہلِ علم نے اس پر اعتماد کیا ہو تو اس طرح کے نسخوں کی بابت ایسی کوئی شرط نہیں لگائی جائے گی، لیکن جب یہ معاملہ نہ ہو تو پھر یہ شرط لگائی جائے گی۔“

رابعاً: خود حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے بھی کئی جگہ اس کتاب کو ثابت مانا ہے اور اس سے استدلال کیا ہے، بلکہ خطبے سے پہلے سلام کرنے سے متعلق اسی کتاب کی ایک روایت کو دلیل بنا کر کہا ہے

[1] الإصابة لابن حجر (۲/ ۹۸)

[2] دیکھیں: الأنساب الأشراف للبلاذري (۱۰/ ۳۱۸)

[3] سلسلة الهدى والنور (۱۳/ ۸۵)

کہ خطبے سے پہلے سلام کرنا ثابت ہے۔[1] اور موصوف کے اس خطبے سے شروع کا حصہ: وقت ۳: ۳۰ تا ۴: ۳۰ ملاحظہ فرمائیں۔

بالفرض اگر اس کتاب کو غیر ثابت ہی مان لیا جائے، تب بھی ہماری پیش کردہ یہ روایت ہرحال میں ثابت ہوگی، کیوں کہ اس روایت کے ثابت ہونے کی ایک زبردست دلیل یہ بھی ہے کہ یہ روایت اسی صحیح سند کے ساتھ تاریخ طبری میں بھی موجود ہے، چناں چہ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۰) نے کہا:

”حدثنا محمد بن عمار الرازي قال: حدثنا سعيد بن سليمان قال: حدثنا عباد بن العوام قال حدثنا حصين...قال حصين: فحدثني هلال بن يساف أن ابن زياد أمر بأخذ ما بين واقصة إلىٰ طريق الشام إلى طريق البصرة فلا يدعون أحدا يلج ولا أحدا يخرج فأقبل الحسين ولا يشعر بشيئ حتى لقي الأعراب فسألهم فقالوا: لا والله ما ندري غير أنا لا نستطيع أن نلج ولا نخرج. قال: فانطلق يسير نحو طريق الشام نحو يزيد فلقيته الخيول بكربلاء فنزل يناشدهم الله والإسلام. قال: وكان بعث إليه عمر بن سعد وشمر بن ذي الجوشن وحصين بن نمير فناشدهم الحسين الله والإسلام أن يسيروه إلىٰ **أمير المؤمنين** فيضع يده في يده“[2]

”ہلال بن یساف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عبیداللہ بن زیاد نے حکم دیا کہ واقصہ اور شام و بصرے کے بیچ پہرہ لگا دیا جائے اور کسی کو بھی آنے جانے سے روک دیا جائے، چناں چہ حسین رضی اللہ عنہ ان باتوں سے بے خبر آگے بڑھے، یہاں تک کہ بعض اعرابیوں سے آپ کی ملاقات ہوئی تو آپ نے ان سے پوچھ تاچھ کی تو انھوں نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! ہمیں کچھ معلوم نہیں، کیوں کہ ہم نہ وہاں جا سکتے ہیں اور نہ وہاں سے نکل سکتے

---

[1] یوٹیوب پر درج ذیل الفاظ لکھ کر سرچ کریں:
(Hafiz) Zubair Ali Zai Hafizaullah Topic Hadees Aur Ahle Hadees

[2] تاريخ الطبري (٣/ ٢٩٩) و إسناده صحيح.

ہیں۔ پھر حسین رضی اللہ عنہ شام کے راستے پر یزید بن معاویہ کی طرف چل پڑے، پھر راستے میں گھوڑ سواروں نے انھیں کربلا کے مقام پر روک لیا اور وہ رک گئے تو وہ انھیں اللہ اور اسلام کا واسطہ دینے لگے۔ عبیداللہ بن زیاد نے عمر بن سعد بن ابی وقاص، شمر بن ذی الجوشن اور حصین بن نمیر کو ان کی جانب بھیجا تھا۔ حسین رضی اللہ عنہ نے ان سے اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر کہا: وہ انھیں **امیر المومنین** یزید بن معاویہ کے پاس لے چلیں، تاکہ وہ یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں۔''

یہ سند بالکل صحیح ہے۔ امام طبری کے استاذ ''محمد بن عمار الرازی'' یہ ''ابوجعفر، محمد بن عمار بن الحارث، الوازعی الرازی'' ہیں۔ یہ ثقہ ہیں، چناں چہ امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۷) نے کہا:

"كتبت عنه، وهو صدوق ثقة"[1] ''میں نے ان سے لکھا ہے اور یہ صدوق اور ثقہ ہیں۔''

اس کے اوپر پوری سند وہی ہے، جو انساب الاشراف للبلاذری میں ہے اور ان راویوں کی توثیق گذشتہ سطور میں پیش کی جا چکی ہے۔

فائدہ:

امام ابن جریر طبری کی روایت میں یزید کے ساتھ ''امیر المومنین'' کے الفاظ بھی مذکور ہیں۔ معلوم ہوا کہ حسین رضی اللہ عنہ یزید بن معاویہ کو امیر المومنین تسلیم کرتے تھے اور ان کی بیعت کرنے پر راضی بلکہ اس کے خواہش مند تھے۔ والحمد لله.

صحیح تاریخ طبری کے محققین نے بھی اس روایت کے رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ اور اسے صحیح تاریخ طبری میں نقل کیا ہے۔[2] دکتور شیبانی نے بھی طبری کی اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھیں: "مواقف المعارضة في عهديزيد بن معاوية" (ص: ۳۴۲)

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ حسین رضی اللہ عنہ نے اپنا قاتل اہلِ کوفہ کو بتلایا ہے اور یزید بن معاویہ کو امیر المومنین تسلیم کرتے ہوئے انھیں اپنا خیر خواہ ظاہر کیا ہے، لہٰذا خود حسین رضی اللہ عنہ کی نظر میں بھی یزید ان کے قاتل نہیں ہو سکتے۔

❀❀❀❀

---

[1] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٨/ ٤٣)

[2] صحيح تاريخ الطبري (٤/ ٦٨)

باب 5

قاتلینِ حسین رضی اللہ عنہ سے عدمِ قصاص

پہلا جواب: قصاص کا عدمِ مطالبہ۔

دوسرا جواب: قصاص لیا جاچکا تھا۔

- کیا عبیداللہ بن زیاد قاتلینِ حسین میں تھا؟
- راسِ حسین رضی اللہ عنہ اور عبیداللہ بن زیاد۔
- راسِ حسین رضی اللہ عنہ اور یزید بن معاویہ۔

تیسرا جواب: سیاسی مجبوری (بالفرض عدمِ قصاص)

قاتلینِ حسین رضی اللہ عنہ سے عدمِ قصاص

یزید بن معاویہ پر ایک الزام یہ بھی ہے کہ اس نے اگرچہ حسین رضی اللہ عنہ کو قتل نہیں کیا اور نہ قتل کا حکم دیا تھا، لیکن قتلِ حسین رضی اللہ عنہ کے بعد اس نے قاتلین سے قصاص بھی نہیں لیا، حالاں کہ یہ اس پر لازم تھا۔ اس الزام کے تین جوابات ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

پہلا جواب: قصاص کا عدمِ مطالبہ:

اگر قصاص لینا واجب تھا اور قصاص نہ لینے کے سبب یزید مجرم ٹھہرا تو سوال یہ ہے کہ کیا قصاص کا مطالبہ کرنا واجب نہیں تھا؟ اگر یزید نے قصاص لینے میں کوتاہی کی تو پوری امت کو کیا ہو گیا تھا کہ کسی ایک نے بھی قصاص کی مانگ نہیں کی۔ جس امت کے افراد نے خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے لیے خلیفہ راشد علی رضی اللہ عنہ سے نہ صرف مانگ کی، بلکہ مانگ پوری نہ ہونے پر آمادہ جنگ ہو گئے۔ آخر اسی اُمت نے خونِ حسین رضی اللہ عنہ کے قصاص میں خاموشی کیوں اختیار کر لی؟

حتیٰ کہ حسین رضی اللہ عنہ کے پسماندگان اور اہلِ بیت میں سے بھی کسی فرد نے ایسا کوئی مطالبہ نہیں کیا، بالخصوص جبکہ یزید نے پسماندگان کا ہر مطالبہ پورا کیا، چناں چہ خود حسین رضی اللہ عنہ کے بیٹے زین العابدین کا بیان ہے کہ شہادتِ حسین کے بعد ہم جب یزید بن معاویہ کے پاس پہنچے تو ہمیں دیکھ کر اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور "وأعطانا ما شئنا" اس نے ہمارے ہر مطالبے کو پورا کیا۔[1]

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے، اس کی سند پر پوری تفصیل چوتھے باب میں پیش کی جا چکی ہے۔[2] یہ صحیح روایت اس بات کی دلیل ہے کہ اہلِ بیت نے قاتلینِ حسین سے قصاص کی مانگ نہیں کی تھی، ورنہ زین العابدین یہ استثنا ضرور بیان کرتے کہ قصاص کے علاوہ ہماری ہر مانگ پوری کی، لیکن زین العابدین رحمہ اللہ نے کوئی استثنا ذکر نہیں کیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے قصاص

---

[1] تاریخ الإسلام ت بشار (٢/ ٥٨٣) نقلا عن المدائنی و إسناده صحیح.

[2] اسی کتاب کا صفحہ (٣٣٨۔ ٣٣٩) دیکھیں۔

کی مانگ کی ہی نہیں تھی۔

سوال یہ ہے کہ کیا قصاص کا مطالبہ نہ کرنے کے سبب اہلِ بیت اور امت کے دیگر افراد بھی قصور وار ہیں؟ اگر نہیں تو پھر قصاص نہ لینے پر یزید کیسے قصور وار ہوگیا؟ کیوں کہ اس کا کام تو دوسرے مرحلے پر تھا، پہلا مرحلہ قصاص کا مطالبہ ہی تھا۔ جب خود خانوادۂ حسین رضی اللہ عنہ کسی سبب قصاص کے خواہاں نہیں اور نہ اس کے طالب ہیں تو انھیں کی مرضی کے مطابق یزید نے بھی خاموشی اختیار کر لی تو اس نے کون سا جرم کر دیا؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یزید سے قصاص کا مطالبہ اس لیے نہیں ہوا، کیوں کہ یزید ہی قاتل تھا اور قاتلوں سے قصاص کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

عرض ہے کہ اگر قاتلوں سے قصاص کا مطالبہ نہیں کیا جاتا تو قاتلوں سے عدمِ قصاص کا شکوہ چہ معنی دارد؟ یہ کیا بوالعجبی ہے کہ یزید کو قاتل بھی مانا جائے اور اس سے یہ شکوہ بھی کیا جائے کہ اس نے قصاص نہیں لیا۔ اگر یزید کو قاتل تسلیم کر لیا گیا تو پھر اس سے عدمِ قصاص کا شکوہ بالکل لغو اور بے معنی ہے۔

اس لیے پہلے یہ طے کرنا ہوگا کہ یزید قاتل ہے یا نہیں؟ اگر کوئی یزید کو قاتل سمجھتا ہے تو اسے یہ شکوہ کرنے کا قطعاً حق نہیں کہ یزید نے قصاص کیوں نہیں لیا اور اگر کوئی یزید کو قاتل نہیں مانتا ہے تو یزید نے قصاص کیوں نہیں لیا؟ یہ سوال اٹھانے سے پہلے اسے اس سوال کا جواب دینا ہوگا کہ امت یا اہلِ بیت کی طرف سے قصاص کا مطالبہ کیوں نہیں کیا گیا؟ اس دوسرے سوال کا جو بھی معقول جواب ہوگا، وہی پہلے سوال کا بھی جواب بن جائے گا۔

دوسرا جواب: قصاص لیا جا چکا تھا:

یہ پروپیگنڈا کہ یزید نے قاتلینِ حسین رضی اللہ عنہ سے قصاص نہیں لیا، محض پروپیگنڈا ہی ہے، کوئی تاریخی حقیقت نہیں ہے اور غالب ظن یہی ہے کہ قاتلین میں سے جو شخص بھی حکومت کی گرفت میں آیا، سب سے قصاص لیا گیا، کیوں کہ کوئی ایک بھی تاریخی روایت ایسی نہیں ہے، جس میں یہ مذکور ہو کہ یزید نے خونِ حسین رضی اللہ عنہ کا قصاص نہیں لیا۔ دوسری طرف کئی روایات ملتی ہیں، جو بتلاتی ہیں کہ حکومت کی جانب سے قاتلین سے قصاص لیا گیا اور ان روایات کے معارض کوئی ایک بھی روایت

سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔

چناں چہ ابو محمد عفیف الدین عبد اللہ بن اسعد الیافعی (المتوفی: ۷۶۸ھ) نے کہا:

”فغضب ابن زياد من قوله، وقال: إذا علمت أنه كذلك فلم قتلته، والله لا نلت مني خيرا أبداً، ولألحقنك به، ثم قدمه فضرب عنقه، وقيل: إن يزيد بن معاوية هو الذي قتل القاتل“[1]

”حسین رضی اللہ عنہ کا سر لانے والے کی بات سن کر عبید اللہ بن زیاد غضب ناک ہوگیا اور کہا کہ جب تجھے حسین رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبے کا پتا تھا تو اس کے باوجود بھی تو نے انھیں کیوں قتل کیا؟ اللہ کی قسم! تو مجھ سے خیر کی اُمید مت رکھ! میں تو تجھے بھی موت کے گھاٹ اتار دوں گا، اس کے بعد عبید اللہ بن زیاد نے اسے آگے بڑھایا اور اس کی گردن مار دی اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ قاتلِ حسین رضی اللہ عنہ کو یزید بن معاویہ ہی نے قتل کیا۔“

عرض ہے کہ ممکن ہے بعض قاتلین کو عبیدللہ بن زیاد نے فی الفور قتل کر دیا ہو اور بعد میں جو لوگ گرفتار ہوئے، انھیں بھی یزید بن معاویہ کے حکم سے قتل کر دیا گیا ہو۔ والله أعلم۔ لیکن ہمیں ان روایات کی سند نہیں مل سکی۔ دیکھیں ہماری کتاب: ”حادثۂ کربلا اور سبائی سازش“

قصاص کی روایات:

البتہ بعض صحیح روایات سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ قاتلین میں سے جو بھی حکومت کی گرفت میں آیا قتل کیا گیا۔

پہلی روایت:

امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۰) نے کہا:

”حدثنا محمد بن عمار الرازي، قال: حدثنا سعيد بن سليمان، قال: حدثنا عباد بن العوام قال: حدثنا حصين... قال حدثني سعد بن عبيدة قال... وجيء بنسائه وبناته وأهله، وكان أحسن شيئ صنعه أن أمر لهن بمنزل في مكان معتزل، وأجرىٰ عليهن رزقا، وأمر لهن بنفقة وكسوة

[1] مرآة الجنان و عبرة اليقظان (١/ ١٠٨) ولم أقف على إسناده.

قال: فانطلق غلامان منهم لعبد الله بن جعفر ـأو ابن ابن جعفرـ فأتيا رجلا من طيء فلجأ إليه، فضرب أعناقهما، وجاء برءوسهما حتى وضعهما بين يدي ابن زياد، قال: فهم (وفي البغية فأمر) بضرب عنقه، وأمر بداره فهدمت"[1]

''سعد بن عبیدہ کہتے ہیں کہ جب قافلہ حسین رضی اللہ عنہ کی خواتین، حسین رضی اللہ عنہ کی بیٹیاں اور گھر والے عبیداللہ بن زیاد کے پاس پہنچائے گئے تو اس نے سب سے اچھا کام یہ کیا کہ ان کے قیام کے لیے ایک خاص اور الگ جگہ پر انتظام کیا اور ان کا کھانا پانی بھی وہیں پہنچانے کا حکم دیا اور ان کے کپڑے اور دیگر اخراجات فراہم کرنے کے بھی احکام دیے، اسی دوران ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ عبداللہ بن جعفر کے دو بیٹوں نے بنو طے کے ایک شخص کے یہاں رُکنے کا سوال کیا تو اس (ظالم) نے انھیں قتل کر دیا اور ان کے سر لے کر عبیداللہ بن زیاد کے سامنے پہنچا۔ یہ دیکھ عبیداللہ بن زیاد نے اس کے قتل کا ارادہ کر لیا (اور ''بغیة الطلب'' کے الفاظ ہیں کہ اس کے قتل کا حکم دیا) اور اس کے گھر کو منہدم کروا دیا۔''

اس روایت کی سند صحیح ہے۔ سعد بن عبیدہ کتبِ ستہ کے ثقہ راوی ہیں اور بقیہ رجال کی توثیق پیش کی جا چکی ہے۔[2]

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کے قتل پر شرپسندوں کو آمادہ کرنے کے لیے یہ افواہ بھی اڑا دی گئی تھی کہ ان حضرات کو قتل کرنا ابن زیاد کا بھی منشا ہے۔ غالبًا یہ افواہ اُڑانا اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ کہیں ابن زیاد کی باز پرس کا خوف لوگوں کو حسین اور ان کے اصحاب کے قتل سے روک نہ دے۔ اس افواہ ہی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض مقتولین کے سر ابن زیاد کے پاس لائے گئے، لیکن چونکہ ابن زیاد کی ایسی کوئی چاہت نہیں تھی، بلکہ وہ تو اس کے

---

[1] تاريخ الطبري (٥/ ٣٩٣) و إسناده صحيح، و أخرجه أيضاً البلاذري في أنساب الأشراف (٣/ ٢٢٦) من طريق سعدويه به، و إسناده صحيح، و أخرجه أيضا ابن العديم في بغية الطلب في تاريخ حلب (٦/ ٢٦٣٩) من طريق حصين نحوه.

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۳۵۱۔۳۵۴) دیکھیں۔ نیز صفحہ (۳۶۵) دیکھیں۔

خلاف تھا، اسی لیے اس نے سرلانے والوں کے سر بھی ان کے تن سے جدا کر دیے۔

بہرحال اس روایت میں غور کیجیے کہ جب ابن زیاد عبداللہ بن جعفر کے بچوں کے قتل پر آگ بگولہ ہوگیا اور قاتل کو سزا دی، اس کے گھر کو گروا دیا تو پھر یہی عبیداللہ بن زیاد حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل کو کیسے معاف کرسکتا ہے؟ لہٰذا ابن زیاد کے اس طرزِ عمل کو دیکھتے ہوئے غالب ظن یہی ہے کہ جس شخص نے حسین رضی اللہ عنہ کا سر پیش کیا تھا، اسے عبیداللہ بن زیاد نے ضرور قتل کیا ہوگا، چناں چہ بعض روایات میں اس کی صراحت بھی موجود ہے، ملاحظہ ہو: "العقد الفريد" (۵/ ۱۳۰) "العواصم من القواصم" (ص: ۲۴۰) "الصواعق المحرقة" (۲/ ۵۷۷) "سمط النجوم" (۳/ ۱۸۵) "مروج الذهب" (۳/ ۱۴۱) لیکن اس کی سند ہمیں نہیں مل سکی۔ دیکھیں ہماری کتاب: ''حادثۂ کربلا اور سبائی سازش'' (ص: ۸۸) طبع دوم

دوسری روایت:

حسین رضی اللہ عنہ کے بیٹے زین العابدین کا بیان ہے کہ شہادتِ حسین کے بعد ہم جب یزید بن معاویہ کے پاس پہنچے تو ہمیں دیکھ کر اس کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور "وأعطانا ما شئنا"، اس نے ہمارے ہر مطالبے کو پورا کیا۔[1] اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے، اس کی سند پر پوری تفصیل چوتھے باب میں پیش کی جا چکی ہے۔[2]

زین العابدین کی ہر مانگ کو یزید بن معاویہ نے پورا کیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ زین العابدین نے قاتلینِ حسین سے قصاص کی مانگ نہیں کی تھی، ورنہ زین العابدین یہ استثنا ضرور بیان کرتے کہ قصاص کے علاوہ ہماری ہر مانگ پوری کی، لیکن زین العابدین رحمہ اللہ نے کوئی استثنا ذکر نہیں کیا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے قصاص کی مانگ کی ہی نہیں تھی اور اس کی وجہ غالباً یہی تھی کہ بعض قاتلین سے ابن زیاد نے قصاص لے لیا تھا اور بقیہ کو بھی قتل کرنے کا حکم یزید کی طرف سے صادر ہوگیا تھا، جیسا کہ بعض روایات میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ كما مضىٰ.

تیسری روایت:

حادثۂ کربلا کے بہت بعد واقعہ حرہ پیش آیا، جس میں اہلِ مدینہ کے بعض افراد نے یزید کی

---

[1] تاريخ الإسلام. ت: بشار (۲/ ۵۸۳) نقلًا عن المدائني، و إسناده صحيح.

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۳۳۸۔ ۳۳۹) دیکھیں۔

مخالفت کی۔ انھیں میں سے ابن مطیع اور اس کے کچھ ساتھی حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی محمد بن حنفیہ کے پاس آئے اور انھیں بھی یزید کی مخالفت پر اُبھارا، لیکن حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی محمد بن حنفیہ نے نہ صرف یہ کہ یزید کی مخالفت سے انکار کر دیا، بلکہ یزید کا دفاع کرتے ہوئے اس کی خوبیوں کا تذکرہ کیا اور اس کی کسی کوتاہی کا تذکرہ نہیں کیا۔ اگر یزید نے قصاص نہ لیا ہوتا تو کم از کم محمد بن حنفیہ کو اس کوتاہی کا استثنا کرنا چاہیے تھا۔

نیز محمد بن حنفیہ نے ابن مطیع اور ان کے ساتھیوں سے بھی یزید کی خامیاں پوچھیں، لیکن انھوں نے بغیر ثبوت کے یزید پر کئی الزامات لگائے، لیکن ان میں یہ جرم نہیں گنایا کہ یزید نے خونِ حسین رضی اللہ عنہ کا قصاص نہیں لیا۔ ماحصل از روایت مدائنی بسند صحیح۔ یہ روایت آگے تفصیل کے ساتھ آٹھویں باب میں آ رہی ہے اور وہیں پر اس روایت سے متعلق تمام اشکالات کے جوابات بھی ہم پیش کریں گے۔ [1]

اس صحیح روایت سے بھی یہی پتا چلتا ہے کہ عہدِ یزید ہی میں قاتلینِ حسین رضی اللہ عنہ میں جو بھی حکومت کی گرفت میں آیا، اُسے قتل کر دیا گیا تھا۔

کیا عبیداللہ بن زیاد قاتلینِ حسین میں تھا؟

ممکن ہے کوئی کہے کہ اگر یزید نے قاتلینِ حسین رضی اللہ عنہ سے قصاص لے لیا تھا تو عبیداللہ بن زیاد کو کیوں چھوڑ دیا گیا، بلکہ اسے معزول تک نہیں کیا گیا۔ آخر کیوں؟ اس کے جواب میں عرض ہے کہ عبیداللہ بن زیاد کا قتلِ حسین رضی اللہ عنہ میں کوئی ہاتھ تھا ہی نہیں، اس لیے اسے سزا دینے کا تصور ہی بے بنیاد ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ واقعۂ کربلا کے حوالے سے عبیداللہ بن زیاد پر جو الزامات لگائے جاتے ہیں، ان کا جائزہ پیش کر دیا جائے، ملاحظہ ہو:

راسِ حسین رضی اللہ عنہ اور عبیداللہ بن زیاد

۱۔ حسین رضی اللہ عنہ کا سر ابن زیاد کے پاس لایا جانا:

اس پہلو سے ابن زیاد پر کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا، کیوں کہ ابن زیاد نے تو ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا، ورنہ اگر یہی فلسفہ بروئے کار لایا جائے تو یہی معاملہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ہوا، چناں چہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے والد محترم اور جنت کی بشارت یافتہ عظیم المرتبت صحابی زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۷۰۴-۷۳۰) دیکھیں۔

کو قتل کیا گیا اور قاتل ان کے سر کو لے کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دروازے پر حاضر ہوا۔

چناں چہ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰) نے کہا:

"أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عِمْرَانُ بْنُ زَائِدَةَ بْنِ نَشِيطٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي خَالِدٍ يَعْنِي الْوَالِبِيَّ قَالَ: دَعَا الْأَحْنَفُ بَنِي تَمِيمٍ فَلَمْ يُجِيبُوهُ، ثُمَّ دَعَا بَنِي سَعْدٍ فَلَمْ يُجِيبُوهُ، فَاعْتَزَلَ فِي رَهْطٍ، فَمَرَّ الزُّبَيْرُ عَلَىٰ فَرَسٍ لَهُ يُقَالُ لَهُ: ذُو النِّعَالِ، فَقَالَ الْأَحْنَف: هَذَا الَّذِي كَانَ يُفْسِدُ بَيْنَ النَّاسِ. قَالَ: فَاتَّبَعَهُ رَجُلَانِ مِمَّنْ كَانَ مَعَهُ فَحَمَلَ عَلَيْهِ أَحَدُهُمَا فَطَعَنَهُ، وَحَمَلَ عَلَيْهِ الْآخَرُ فَقَتَلَهُ، وَجَاءَ بِرَأْسِهِ إِلَى الْبَابِ فَقَالَ: ائْذَنُوا لِقَاتِلِ الزُّبَيْرِ، فَسَمِعَهُ عَلِيٌّ فَقَالَ: بَشِّرْ قَاتِلَ ابْنِ صَفِيَّةَ بِالنَّارِ، فَأَلْقَاهُ وَذَهَبَ"[1]

''ابو خالد والبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احنف نے بنو تمیم کو دعوت دی، مگر انھوں نے قبول نہ کی، پھر اس نے بنو سعد کو دعوت دی، انھوں نے بھی قبول نہ کی، پس ایک دن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے ایک گھوڑے پر جا رہے تھے، جس کا نام ذوالنعال تھا تو احنف نے کہا: یہی وہ شخص ہے جو لوگوں کے مابین فساد برپا کرتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر احنف کے ساتھیوں میں سے دو لوگوں نے ان کا پیچھا کیا، پھر ایک نے ان پر حملہ کر کے انھیں زخمی کر دیا اور دوسرے نے حملہ کر کے انھیں قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد زبیر رضی اللہ عنہ کا سر لے کر علی رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہنچا اور کہا: زبیر کے قاتل کو اجازت دیں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن لی اور کہا: ابن صفیہ کے قاتل کو جہنم کی بشارت دے دو، پھر اس نے زبیر رضی اللہ عنہ کے سر کو وہیں پھینکا اور چلا گیا۔''

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے، اس کے تمام رجال ثقہ ہیں اور سند بھی متصل ہے۔ یہ روایت ایک دوسری سند سے بھی منقول ہے، چناں چہ امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۷۱) نے کہا:

"أخبرنا أبو الحسن علي بن أحمد بن منصور أنا أحمد بن عبد الواحد بن أبي الحديد أنا جدي أنا أبو بكر الخرائطي نا عمر بن شبة نا قرة بن حبيب نا الفضل بن أبي الحكم عن أبي نضرة قال: جيء

[1] الطبقات الكبرى لابن سعد (٣/ ١١٠) و إسناده صحيح، وأخرجه أيضاً ابن عساكر من طريق ابن سعد به.

برأس الزبير إلىٰ علي فقال: يا أعرابي حدثني: رسول اللهﷺ وأنا إلى جنبه قاعد أن قاتل الزبير في النار. يا أعرابي! تبوأ مقعدك من النار"[1]

نیزاسی روایت کی ایک تیسری سند بھی ہے، جسے امام حاکم نے روایت کیا ہے اور روایت کرنے کے بعد اسے صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی ان کی تائید کی ہے۔[2]

لیکن ہماری نظر میں اس کی سند ضعیف ہے اور اس سلسلے کی سب سے مضبوط اور مستند و صحیح روایت وہی ہے، جسے ہم نے اوپر امام ابن سعد رحمہ اللہ کے حوالے سے پیش کیا ہے۔

۲۔ حسین رضی اللہ عنہ کی خوبصورتی کی مذمت:

صحیح بخاری کے الفاظ ہیں: "وَقَالَ فِيْ حُسْنِهِ شَيْئًا" اس نے آپ کی خوبصورتی کے بارے میں کچھ کہا۔[3] ان الفاظ سے بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے آپ کی خوبصورتی کی تعریف کی تھی، چناں چہ علامہ البانی رحمہ اللہ صحیح بخاری کے ان الفاظ کی شرح میں فرماتے ہیں:

"أي من المدح"[4] "ابن زیاد نے آپ کی خوبصورتی کے بارے میں تعریفی کلمات کہے۔"

پھر اس روایت کے اخیر میں جو یہ الفاظ ہیں:

"كَانَ أَشْبَهَهُمْ بِرَسُولِ اللّٰهِﷺ[5]

"حسین رضی اللہ عنہ لوگوں میں آپ ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔"

اس سے بھی پتا چلتا ہے کہ ابن زیاد نے خوبصورتی کی تعریف ہی کی تھی، جبھی تو صحابی رسول نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کی مشابہت ذکر کر کے اس کی تائید کی اور بعض روایات میں تو بالکل صراحت ہے کہ ابن زیاد نے اس موقع پر خوبصورتی کی تعریف ہی کی تھی، چناں چہ صحیح ابن حبان میں منقول اسی روایت کے الفاظ ہیں:

"مَا رَأَيْتُ مِثْلَ هَذَا حُسْنًا!"[6] "میں نے اس جیسی خوبصورتی کہیں نہیں دیکھی۔"

---

[1] تاريخ مدينة دمشق لابن عساكر (١٨/ ٤٢١) و إسناده قوي.
[2] دیکھیں: المستدرك على الصحيحين للحاكم (٣/ ٤١٤) رقم الحديث (٥٥٨٠)
[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٧٤٨)
[4] هداية الرواة (٥/ ٤٦١) حاشيه رقم (٢)
[5] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٧٤٨)
[6] صحيح ابن حبان (١٥/ ٤٢٩)

سنن ترمذی کے الفاظ ہیں: ”مَا رَأَيْتُ مِثْلَ هٰذَا حُسْنًا، لِمَ يُذْكَرُ؟“[1]
”میں نے اس جیسی خوبصورتی کہیں نہیں دیکھی، پھر کیوں آپ کی برائی کی جاتی ہے؟“[2]
ان تمام روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابن زیاد نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی خوبصورتی کی تعریف ہی کی تھی۔

۳۔ حسین رضی اللہ عنہ کے سر کی بے حرمتی:

صحیح بخاری کے الفاظ ہیں:
”فَجَعَلَ يَنْكُتُ“[3] ”وہ لکڑی سے زمین کریدنے لگا۔“
”يَنْكُتُ“ کا معنی ہوتا ہے سوچ یا غم کی حالت میں باریک اور چھوٹی لکڑی یا انگلی سے زمین کریدنا۔ اہلِ عرب کا معمول تھا کہ وہ غور وفکر یا غم کی حالت میں ایسا کرتے تھے۔
امام ابن الاثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۰۶) نے کہا:
”(نَكَتَ) فِيهِ بَيْنا هُوَ يَنْكُتُ إِذِ انْتَبه أَيْ يُفَكِّر ويُحدِّث نفسَه، وَأَصْلُهُ مِنَ النَّكْتِ بالحَصَى، ونَكْت الأرضِ بالقَضيب، وَهُوَ أَنْ يُؤثِّرَ فِيهَا بطَرَفِه، فِعْلَ المُفكِّر المَهْموم، وَمِنْهُ الْحَدِيثُ: فجعَل يَنْكُتُ بقَضيب أَيْ يَضْرب الأرضَ بطَرَفه“[4]
”نَكْت الارضِ بالقَضيب (لکڑی سے زمین کریدنے) کا مطلب یہ ہے کہ کوئی لکڑی کے ایک سرے سے زمین کریدے، جیسے رنج وغم کی حالت میں سوچ میں پڑ کر کوئی کرتا ہے اور اسی مفہوم میں حدیث کے الفاظ ہیں: ﴿ فجعَل يَنْكُتُ بقَضيب ﴾ (وہ لکڑی سے زمین کریدنے لگے) یعنی لکڑی کے ایک سرے سے زمین پر مارنے لگے۔“
امام بخاری نے صحیح بخاری میں باب قائم کیا ہے:
”بَابُ الرَّجُلِ يَنْكُتُ الشَّيْءَ بِيَدِهِ فِي الْأَرْضِ“[5]

---

[1] سنن الترمذي ت شاكر (٥/ ٦٥٩) [2] دیکھئے اسی کتاب کا صفحہ (۹۰۸)
[3] صحيح البخاري (٥/ ٢٦)
[4] النهاية في غريب الحديث والأثر (٥/ ١١٣) نیز دیکھیں: لسان العرب (٢/ ١٠٠)
[5] صحيح البخاري (٨/ ٤٨)

یعنی اس بات کا بیان کہ کوئی چیز سے زمین کریدے۔

پھر اس کے تحت ایک جنازے میں آپ ﷺ کی شرکت سے متعلق حدیث ہے اور یہ غم کا موقع ہوتا ہے، اس میں ہے:

"فَجَعَلَ یَنْکُتُ الْأَرْضَ بِعُودٍ"[1] یعنی آپ ﷺ لکڑی سے زمین کو کریدنے لگے۔

معلوم ہوا کہ اہلِ عرب کے یہاں "یَنکُتُ" کا عمل سوچ اور غم کے وقت ہوتا تھا اور شہادتِ حسین اور حسین رضی اللہ عنہما کے سر کے مشاہدے سے ابن زیاد بھی سوچ اور غم میں پڑ گیا اور اس سے بھی اسی طرح کا عمل ہوا، یعنی وہ کسی چھوٹی اور باریک لکڑی سے زمین کریدنے لگا۔ چناں چہ علامہ عینی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۵) نے اس جملے کی شرح کرتے ہوئے کہا:

"قَوْله: (فَجعل ينكت)، أَي: فَجعل عبيد الله بن زِيَاد ينكت أَي: يضْرب بقضيب علىٰ الْأَرْض فيؤثر فِيهَا"[2]

"صحیح بخاری کی حدیث میں "کریدنے لگا" کا مطلب یہ ہے کہ عبیداللہ بن زیاد ایک لکڑی کو زمین پر رکھ کر کریدنے لگا۔"

پھر جب حسین رضی اللہ عنہ کی خوبصورتی کو اس نے بغور دیکھا تو تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا اور تعریف کرتے ہوئے اس نے اسی لکڑی سے جس سے زمین کرید رہا تھا، حسین رضی اللہ عنہ کے چہرے کی طرف اشارہ کیا، جیسا کہ دیگر روایات میں مذکور ہے اور آپ کی خوبصورتی کی تعریف کی۔

یاد رہے کہ کسی بھی روایت میں یہ صراحت نہیں ہے کہ ابن زیاد کا یہ عمل سر کے ساتھ مباشرتاً تھا، بلکہ بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے دور سے لکڑی کے ذریعے اشارہ کیا تھا، جس کی دلیل یہ ہے کہ صحیح بخاری سمیت متعدد روایات میں صرف "ینکت" کا ذکر ہے اور عربی زبان میں عام طور سے اس سے زمین کریدنا ہی مراد ہوتا ہے۔ بعض روایات میں اس کے ساتھ اضافہ بھی ہے، مگر کسی میں آنکھ کا ذکر ہے، کسی میں ناک کا ذکر ہے، کسی میں ہونٹ کا ذکر ہے اور کسی میں دانت کا ذکر ہے۔ یہ اختلاف بتلاتا ہے کہ کریدنے کا عمل زمین کے ساتھ تھا اور چہرے کی طرف فقط اشارہ کیا گیا تھا، جسے بعض رواۃ نے آنکھ، بعض نے ناک، بعض نے ہونٹ اور بعض نے دانت کے ساتھ

---

[1] صحيح البخاري (٨/ ٤٨)

[2] عمدة القاري شرح صحيح البخاري (١٦/ ٢٤١)

ذکر کیا اور بعض روایات میں اشارہ کرنے کی صراحت بھی ہے، چناں چہ سنن ترمذی کے الفاظ ہیں:

”فَجَعَلَ يَقُولُ بِقَضِيبٍ فِيْ أَنْفِهِ“[1]

”یعنی وہ آپ کی ناک کی طرف لکڑی کے اشارے سے کہنے لگا۔“

علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ سنن ترمذی کے اس جملے کی شرح میں لکھتے ہیں:

”(فَجَعَلَ يَقُولُ) أَيْ فَجَعَلَ (عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ زِيَادٍ يُشِيرُ بِقَضِيبِ)“[2]

یعنی وہ آپ کی ناک کی طرف لکڑی کے اشارے سے کچھ کہنے لگا۔“

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ یہ بات سعد بن عبیدہ نے بھی نقل کی ہے اور انھوں نے بھی ”فجعل يقول بقضيبه“[3] یعنی لکڑی سے اشارہ کرنے کی بات نقل کی ہے۔

اسی روایت کو اسی طریق سے ابن العدیم نے روایت کیا ہے اور اس میں بھی ”فجعل يقول بقضيب معه“ کے الفاظ ہیں، یعنی لکڑی سے اشارہ کرنے کی بات ہے۔[4] واضح رہے کہ تاریخ طبری کے بعض نسخوں میں اس مقام پر ”يقول“ کی جگہ ”ينكت“ کا لفظ ہے۔[5]

عرض ہے کہ ہمارے نزدیک راجح ”يقول“ ہی کا لفظ ہے، کیوں کہ عین اسی طریق سے ابن العدیم نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے اور اس میں بلا اختلاف اس مقام پر ”يقول“ کا لفظ ہیں۔ مزید یہ کہ ترمذی وغیرہ کے طریق میں بھی ”يقول“ کا لفظ ہے۔

تنبیہ:

طبری کی یہ روایت اسی طریق سے بلاذری نے بھی نقل کی ہے اور تاریخ طبری کے محقق کے بقول اس میں ”ينكت“، لکڑی سے زمین کریدنے کی بات ہے، اسی وجہ سے تاریخ طبری کے اس نئے محقق نے ”ينكت“ کے لفظ کو ترجیح دی ہے۔[6]

لیکن انساب الاشراف کے مخطوطہ میں اس مقام پر موجود لفظ تصحیف شدہ ہے اور اسی تصحیف کی

---

[1] سنن الترمذي ت شاكر (٥/ ٦٥٩)

[2] تحفة الأحوذي (١٠/ ١٩٢)

[3] دیکھیں: تاريخ الطبري (٧/ ٢٨٦، طبع قديم) و إسناده صحيح.

[4] دیکھیں: بغية الطلب في تاريخ حلب (٦/ ٢٦٣٨)

[5] دیکھیں: تاريخ الطبري (٥/ ٣٩٣)

[6] دیکھیں: تاريخ الطبري (٥/ ٣٩٣) ت: محمد ابو الفضل ابراہیم.

وجہ سے انساب الاشراف کا رافضی محقق، اس لفظ کی تصحیح نہیں کر سکا اور اس نے اسے "ینکته" (ضمیر "ہ" کے اضافے کے ساتھ) ہی درج کر دیا ہے۔[1]

حالاں کہ محقق ہی کے بقول مخطوطہ میں "ینتکثه" کا لفظ ہے۔ اب اگر اس نے لفظ کے درمیان سے ایک زائد حرف کو حذف کر دیا ہے تو لفظ کے اخیر سے بھی ایک زائد حرف حذف کر دینا چاہیے۔ بہرحال ہماری نظر میں اس روایت میں صحیح لفظ "یقول" ہی ہے، کیوں کہ طبری اور ابن العدیم نے اسی طریق سے اس روایت کو نقل کرتے ہوئے "یقول" کا لفظ نقل کیا ہے۔

جناب عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب نے بھی طبری کی اس روایت کو نقل کرتے ہوئے "یقول" ہی کا لفظ نقل کیا ہے، چناں چہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"جب ایک روایت "ٹھوکا دینے" کے بجائے "اشارہ کرنے" کی موجود ہے تو کم ازکم شک کا فائدہ ابن زیاد کو پہنچنے سے ہم نہیں روک سکتے۔"[2]

معلوم ہوا کہ عبیداللہ بن زیاد نے لکڑی سے چہرے پر نہیں مارا تھا۔اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عبیداللہ بن زیاد کے اس طرزِ عمل پر صحابیِ رسول انس رضی اللہ عنہ نے کوئی نکیر نہیں کی، بلکہ عبیداللہ کی طرف سے مدحِ حسن کی تائید کی۔ اگر عبیداللہ بن زیاد نے گستاخانہ طور پر ایسی کوئی حرکت کی ہوتی تو دس سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنے والے سیدنا انس رضی اللہ عنہ ضرور نکیر کرتے۔

یاد رہے کہ فتح الباری وغیرہ میں طبرانی اور بزار کے حوالے سے نکیر کی جو روایت منقول ہے، وہ سخت ضعیف ہے، جیسا کہ آگے وضاحت آ رہی ہے، اسی طرح ابن زیاد سے متعلق یہ روایت کہ اس کی موت پر اس کے سر میں بھی سانپ داخل ہوا، یہ بھی ضعیف و مردود ہے، جس کی تفصیل آ رہی ہے۔ لہٰذا قرینِ انصاف بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ ابن زیاد نے کوئی گستاخی ہرگز نہیں کی ہوگی اور احترام ہی سے پیش آیا ہوگا، بلکہ ایک صحیح روایت کے مطابق تو عبیداللہ بن زیاد نے اس موقع پر حسین رضی اللہ عنہ کو ان کی کنیت ابوعبداللہ سے یاد کیا۔[3]

---

[1] دیکھیں: الأنساب الأشراف للبلاذري (٣/ ٢٢٦) طبع بیروت

[2] واقعۂ کربلا اور اس کا پسِ منظر (ص: ٢٦٢)

[3] تاریخ الطبري (٥/ ٣٩٣) ت محمد ابو الفضل إبراهيم، و إسناده صحيح، بغية الطلب في تاريخ حلب (٦/ ٢٦٣٨) أنساب الأشراف للبلاذري (٣/ ٢٢٦) و إسناده صحيح.

اہلِ عرب ازراہِ تعظیم کنیت سے یاد کیا کرتے تھے، چناں چہ اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب لکھتے ہیں:

''اس روایت میں سب باتیں خود سمجھ لینے کی ہیں، مگر ایک نقطہ عام قارئین کے اعتبار سے وضاحت طلب ہے کہ اہلِ عرب کے یہاں کنیت سے کسی کا ذکر یا اس کو خطاب از راہِ تعظیم ہوتا تھا، اس روایت کے مطابق ابن زیاد نے حضرت حسین کا ذکر آپ کی کنیت ''ابو عبداللہ'' سے کیا ہے اور چھڑی سے کہیں ٹھوکا نہیں دیا ہے، بلکہ اشارہ کیا ہے، جو ابن زیاد کے رویے کو کافی مختلف شکل دینے والی بات ہے۔''[1]

اسی صحیح روایت میں یہ بھی منقول ہے:

''وأمر ببناته ونسائه فكان أحسن مَا صنع بهن أن أمر لهن بمنزل في مكان معتزل فأجرى عليهن رزقا وأمر لهن بكسوة ونفقة، ولجأ ابنان لعبد اللّٰه بُن جعفر إِلىٰ رجل من طيّ فضرب أعناقهما، وأتى ابُن زياد برء وسهما! فهم (وفي البغية فأمر) بضرب عنقه وأمر بداره فهدمت''[2]

یعنی حسین رضی اللہ عنہ کی ازواج اور ان کی بیٹیوں کے بارے میں ابن زیاد نے یہ حکم دیتے ہوئے سب سے اچھا کام کیا کہ ان کے قیام کے لیے ایک خاص اور الگ جگہ پر انتظام کیا اور ان کا کھانا پانی بھی وہیں پہنچانے کا حکم دیا اور ان کے کپڑے اور دیگر اخراجات فراہم کرنے کے بھی احکام دیے۔ اسی دوران میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ عبداللہ بن جعفر کے دو بیٹوں نے بنو طے کے ایک شخص کے یہاں رکنے کا سوال کیا تو اس (ظالم) نے انھیں قتل کر دیا اور ان کے سر لے کر عبیداللہ بن زیاد کے سامنے پہنچا۔ یہ دیکھ کر عبیداللہ بن زیاد نے اس کے قتل کا ارادہ کر لیا (اور ''بغية الطلب'' کے الفاظ ہیں کہ اس کے قتل کا حکم دیا) اور اس کے گھر کو منہدم کروا دیا۔

اس روایت پر غور کیجیے! کیا اس طرح کے کردار کا مالک شخص حسین رضی اللہ عنہ کی توہین کر سکتا ہے؟

---

[1] واقعۂ کربلا اور اس کا پس منظر (ص: ۲۵۶)

[2] تاريخ الطبري (٥/ ٣٩٣) ت محمد أبو الفضل إبراهيم، و إسناده صحيح، بغية الطلب في تاريخ حلب (٦/ ٢٦٣٨) أنساب الأشراف للبلاذري (٣/ ٢٢٦) و إسناده صحيح.

جب ابن زیاد عبداللہ بن جعفر کے بچوں کے قتل پر آگ بگولہ ہوگیا اور قاتل کو سزا دی، اس کے گھر کو گروا دیا تو پھر یہی عبیداللہ بن زیاد حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر کوئی نازیبا حرکت کیسے کرسکتا ہے؟ بلکہ ظن غالب ہے کہ جس شخص نے حسین رضی اللہ عنہ کا سر پیش کیا تھا، اسے عبیداللہ بن زیاد نے ضرور قتل کیا ہوگا، چناں چہ بعض روایات میں اس کی صراحت بھی ہے، چناں چہ بعض روایات میں مذکور ہے:

”حزّ رأسه، وأتیٰ به عبید الله، وهو یقول: أوقر رکابي فضّة وذهبا... أنا قتلت الملك المحجّبا... خیر عباد الله أمّا وأبا، فقال له عبید الله بن زیاد: إذا کان خیر الناس أما وأبا وخیر عباد الله، فلم قتلته؟ قدّموه فاضربوا عنقه! فضربت عنقه“[1]

”حسین رضی اللہ عنہ کا قاتل آپ کا سر قلم کر کے عبیداللہ بن زیاد کے پاس پہنچا اور کہنے لگا: آج میں اپنی پیالی سونے چاندی سے بھرلوں گا، آج میں نے چھپے ہوئے بادشاہ کا قتل کیا ہے، جو ماں باپ کے اعتبار سے اللہ کے بندوں میں سب سے بہتر تھے۔ یہ سن کر عبیداللہ بن زیاد نے کہا: جب وہ اللہ کے تمام بندوں میں ماں باپ کے لحاظ سے سب سے بہتر تھے تو تو نے انھیں قتل کیوں کیا؟ اس کے بعد عبیداللہ بن زیاد نے حکم صادر کیا کہ اس کو آگے لے جا کر قتل کردو، چناں چہ اس کی گردن مار دی گئی۔“

اس روایت کی کوئی صحیح سند ہمیں نہیں مل سکی، لیکن عبداللہ بن جعفر کے بیٹوں کا سر لانے والے کے ساتھ عبیداللہ بن زیاد نے جو کچھ کیا، اسے دیکھ کر لگتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سر لانے والے کو بھی عبیداللہ بن زیاد نے معاف نہ کیا ہوگا، بلکہ اس کی گردن مروادی ہوگی، جیسا کہ اس روایت میں مذکور ہے۔ شیخ عبدالمعید مدنی حفظہ اللہ سابق ایڈیٹر مجلّہ ”الاستقامة“ (عربی) لکھتے ہیں:

”اس وقت پورے عالمِ اسلام میں سبھی ان سے محبت کرتے تھے، والہانہ ان کو چاہتے تھے۔ یزید، عبیداللہ بن زیاد، عمر بن سعد جن پر قتل کا شیعی الزام آتا ہے، وہ بھی ان کے ساتھ فی الواقع کسی گستاخی کے مرتکب نہیں ہوئے، بلکہ عبیداللہ بن زیاد نے قاتلِ حسین رضی اللہ عنہ کی گردن ماردی۔“[2]

---

[1] العقد الفرید (۵/ ۱۳۰) العواصم من القواصم (ص: ۲۴۰) الصواعق المحرقة (۲/ ۵۷۷) سمط النجوم (۳/ ۱۸۵) مروج الذهب (۳/ ۱۴۱)

[2] مجلة الإحسان (جلد:۱)

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ عبیداللہ بن زیاد کا مذکورہ عمل از روئے گستاخی نہیں تھا، بلکہ فکر و غم میں وہ لکڑی سے زمین کرید رہا تھا اور حسین رضی اللہ عنہ کی خوبصورتی دیکھ کر اس نے اسی لکڑی سے آپ کے چہرے کی طرف اشارہ کیا اور خوبصورتی کی تعریف کی۔

رأسِ حسین کے ساتھ ابن زیاد کے معاملے سے متعلق دیگر روایات

❁ روایتِ انس بن مالک:

حسین رضی اللہ عنہ کے سر کے ساتھ عبیداللہ بن زیاد نے جو معاملہ کیا، اس کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ اس میں گستاخی والی کسی بات کی صراحت نہیں، لیکن یہی روایت دیگر طرق سے بھی آئی ہے، جن میں سے ایک طریق میں اس معاملے کو دوسری شکل دی گئی ہے۔ ذیل میں ہم اس کی بھی وضاحت پیش کرتے ہیں۔ اس روایت کے مرکزی راوی انس رضی اللہ عنہ ہیں۔ انس رضی اللہ عنہ سے یہی روایت محمد بن سیرین اور ان کی بہن حفصہ بنت سیرین نے نقل کی ہے۔ حفصہ بنت سیرین کے واسطے سے یہ روایت جتنے بھی طرق سے مروی ہیں، سب میں اشارہ کرنے کی بات ہے، یعنی عبیداللہ بن زیاد نے لکڑی کے ٹکڑے سے حسین رضی اللہ عنہ کے چہرے کی طرف اشارہ کیا تھا۔[1]

محمد بن سیرین سے اس روایت کو دو لوگوں نے نقل کیا ہے، ایک ہشام بن حسان نے اور دوسرے جریر بن حازم نے۔ جریر بن حازم نے صحیح بخاری کی روایت کے مطابق زمین کریدنے کی بات نقل کی ہے، جیسا کہ وضاحت کی جا چکی ہے اور ہشام بن حسان سے بھی اس روایت کو دو لوگوں نے نقل کیا ہے، ایک حازم بن زید نے اور دوسرے حماد بن زید نے۔ حماد بن زید کی روایت میں زمین کریدنے کی بات ہے، جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت میں ہے۔[2] لیکن حازم بن زید سے اسی روایت کو جریر بن حازم نے بھی روایت کیا ہے اور انھوں نے چہرے پر مارنے کی بات نقل کی۔[3]

جریر بن حازم اپنے ان الفاظ میں منفرد ہیں، ان کی تائید یا متابعت کسی سے بھی نہیں ملتی اور

---

[1] ملاحظہ ہو: سنن الترمذي ت شاكر (٥/ ٦٥٩) صحيح ابن حبان (١٥/ ٤٢٩) المعجم الكبير للطبراني (٣/ ١٢٥) فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل (٢/ ٧٨٣) و إسناده صحيح.

[2] ملاحظہ ہو: معرفة الصحابة لأبي نعيم (٢/ ٦٦٣) فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل (٢/ ٧٨٤)

[3] أنساب الأشراف للبلاذري (٣/ ٤٢١) ط، دار الفكر، وأخرجه أيضاً ابن الجوزي في الرد على المتعصب العنيد (ص: ٣٩) من طريق جرير نحوه، لكن سقط من إسناده هشام بن حسان.

تیسرے باب میں ہم جریر بن حازم سے متعلق اہلِ فن کے اقوال نقل کر چکے ہیں کہ موصوف متکلم فیہ ہیں اور حافظہ سے بیان کرتے وقت غلطی کر جاتے ہیں۔ چناں چہ تیسرے باب میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح انھوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک جملے کو نقل کرنے میں غلطی کی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ اپنے خطاب میں یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما (کسی کے ہاتھوں) قتل کر دیے جائیں گے، جیسا کہ ثقہ رواۃ نے نقل کیا ہے، لیکن اسی جملے کو جب جریر بن حازم نے روایت کیا تو یوں کہا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یزید کی بیعت نہیں کریں گے تو میں انھیں قتل کر دوں گا۔ یعنی ارادۂ قتل کی نسبت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف کر دی۔ یہ ان کے ضعفِ حافظہ ہی کا نتیجہ ہے۔

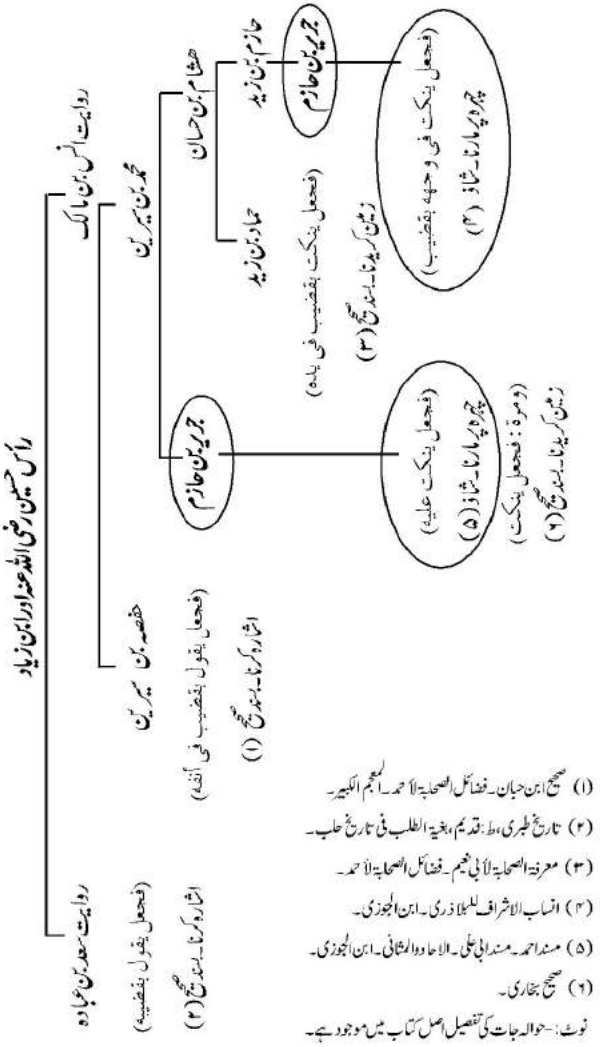
موصوف سے تقریباً اسی طرح کی چوک انس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کرنے میں بعض دفعہ ہوئی ہے، چناں چہ انھوں نے جب حازم بن زید سے اسے نقل کیا تو چہرے پر مارنے کی بات نقل کر دی۔ حالاں کہ حازم بن زید ہی کے استاذ محمد بن سیرین سے حماد بن زید نے یہی روایت بیان کی تو زمین کریدنے کا ذکر کیا ہے۔

نیز جریر بن حازم نے حازم بن زید عن ہشام عن محمد بن سیرین کے واسطے کے ساتھ ساتھ محمد بن سیرین سے براہِ راست بھی اس روایت کو بیان کیا اور اس طریق میں بھی بعض دفعہ انھوں نے چہرے پر مارنے کی بات نقل کی ہے۔[1] جبکہ صحیح بخاری کی روایت میں انھوں نے زمین کریدنے کی بات نقل کی ہے۔ کما مضیٰ.

ان تمام طرق کو سامنے رکھتے ہوئے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ چہرے پر مارنے والی بات صرف جریر بن حازم نے نقل کی ہے اور وہ بھی بعض دفعہ، لہٰذا ان الفاظ کے نقل میں ان کے حافظہ نے کوتاہی کی ہے اور صحیح الفاظ اشارہ کرنے اور زمین کریدنے ہی کے ہیں، جیسا کہ دیگر طرق سے دیگر رواۃ نے نقل کیا اور خود جریر بن حازم نے بھی صحیح بخاری کی روایت کے مطابق یہی الفاظ نقل کیے ہیں۔ ان تمام طرق کو بہ آسانی سمجھنے کے لیے ہم آگے ایک جدول پیش کرتے ہیں، قارئین ملاحظہ فرمالیں۔

---

[1] دیکھیں: مسند أحمد (٢١/ ٢٨٥) مسند أبي يعلى الموصلیٰ (٥/ ٢٢٨) الآحاد والمثاني لابن أبي عاصم (١/ ٣٠٦) معرفة الصحابة لأبي نعيم (٢/ ٦٦٥) الرد علیٰ المتعصب العنيد المانع من ذم يزيد لابن الجوزي (ص: ٣٩)



انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہی روایت دو اور سندوں سے بھی منقول ہے، لیکن یہ دونوں سندیں سخت ضعیف ہیں۔ چناں چہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱) نے کہا:

"حدثنا إبراهيم، نا سليمان بن حرب، نا حماد بن سلمة، عن علي بن زيد، عن أنس بن مالك قال: لما أتي برأس الحسين يعني إلىٰ عبيد الله بن زياد قال: فجعل ينكت بقضيب في يده يقول: إن كان لحسن الثغر

فقلت: واللہ لأسوءنك، لقد رأيت رسول اللہﷺ يقبل موضع قضيبك من فيه"[1]

اس روایت میں منہ پر لکڑی مارنے کا ذکر ہے۔لیکن یہ روایت سخت ضعیف ہے۔ سند میں موجود''علی بن زید'' سخت ضعیف غالی شیعہ اور رافضی ہے۔

❁ محمد بن طاہر ابن القیسرانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۰۷) نے کہا:

"علي بن زيد هذا متروك الحديث"[2] ''علی بن زید متروک الحدیث ہے۔''

❁ امام جوزجانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۹) نے کہا:

"واهي الحديث ضعيف"[3] ''یہ سخت کمزور حدیث والا اور ضعیف ہے۔''

امام احمد اور امام ابن معین نے اسے "ليس بشيء" کہا ہے۔[4] اور یہ سخت جرح ہوتی ہے۔

اس پر مزید جرح کے لئے دیکھیے عام کتبِ رجال، اس کے ساتھ ساتھ اس پر شیعیت اور رافضیت کی بھی جرح ہوئی ہے، چناں چہ:

❁ امام یزید بن زریع العیشی (المتوفی: ۱۸۲) نے کہا:

"ولم أحمل عنه فإنه كان رافضيا"[5]

''میں نے اس سے روایت نہیں لی ہے، کیوں کہ یہ رافضی تھا۔''

❁ امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۵) نے کہا:

"وكان يغالي في التشيع" [6] ''یہ شیعیت میں غلو کرتا تھا۔''

یادرہے کہ امام مسلم نے صرف اور صرف ایک جگہ (رقم ۱۷۸۹) مقرونا اس کی روایت لی ہے اس لئے اسے علی الاطلاق صحیح مسلم کا راوی بتلانا غلط ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ روایت سخت ضعیف و مردود ہے۔ طبقات ابن سعد کے محقق نے بھی اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔[7]

---

[1] فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل (٢/ ٧٨٤) وأخرجه ابن سعد في الطبقات الكبرى ـمتمم الصحابةـ الطبقة الخامسة (١/ ٤٨٢) و ابن أبي عاصم في الآحاد والمثاني (١/ ٣٠٧) والبزار في مسنده (١٤/ ٢٣) والطبراني في المعجم الكبير (٣/ ١٢٥) و أبو يعلى في مسنده (٧/ ٦١) و ابن الجوزي في الرد على المتعصب العنيد (ص: ٤٠) كلهم من طريق حماد به.

[2] تذكرة الحفاظ لابن القيسراني (ص: ١٤٨) [3] أحوال الرجال للجوزجاني (ص: ١٩٤)

[4] الكامل لابن عدى(٦/٣٣٥) واسناده حسن،الجرح والتعديل(٩/ ٢٠٤) واسناده صحيح

[5] الكامل لابن عدي (٦/ ٣٣٥) و إسناده صحيح. [6] الكامل لابن عدي (٦/ ٣٤٤)

[7] دیکھیں: الطبقات الكبرى ـمتمم الصحابةـ الطبقة الخامسة (١/ ٤٨٢) رقم الحديث (٤٤٤)

امام بزار رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۹۲) نے کہا:

”حدثنا **مفرج بن شجاع بن عبيد الله الذهلي،** حدثنا **غسان بن الربيع،** حدثنا **يوسف بن عبدة،** عن ثابت وحميد، عن أنس، قال: لما أتي عبيد الله بن زياد برأس الحسين جعل ينكت بالقضيب ثناياه يقول: لقد كان أحسبه قال: جميلا فقلت: والله لأسوئنك، إني رأيت رسول الله ﷺ يلثم حيث يقع قضيبك قال: فانقبض“[1]

اس روایت میں دانتوں پر لکڑی مارنے کا ذکر ہے۔ یہ روایت بھی سخت ضعیف اور مسلسل بالعلل ہے، اس کے اندر کئی علتیں ہیں، مثلاً: امام بزار کا شیخ ”مفرج بن شجاع“ مجہول ہے، کسی بھی امام نے اس کی توثیق نہیں کی ہے، جیسا کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے اسے ”ديوان الضعفاء“ میں درج کر کے خطیب بغدادی کا قول نقل کیا کہ یہ مجہول ہے۔[2] ”غسان بن ربیع“ پر بھی محدثین نے جرح کی ہے، چناں چہ امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵) نے کہا: ”ضعيف“ یہ ضعیف ہے۔[3] امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸) نے کہا: ”ليس بحجة“ ”یہ حجت نہیں ہے۔“[4] نیز امام ذہبی رحمہ اللہ نے اسے دیوان الضعفاء میں ذکر کے امام دارقطنی کی جرح نقل کی ہے۔[5] ”یوسف بن عبدۃ“ پر بھی جرح ہوئی ہے، بلکہ خاص ثابت اور حمید سے اس کی مرویات پر خصوصی جرح ہوئی ہے، چناں چہ امام احمد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱) نے کہا:

”له أحاديث مناكير عن حميد و ثابت وكأنه ضعفه“[6]

”حمید اور ثابت سے اس کی منکر روایات ہیں۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میرے والد نے گویا اسے ضعیف قرار دیا۔“

امام عقیلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۲) نے کہا:

---

[1] مسند البزار (البحر الزخار: ١٣/ ١٨٤)

[2] دیکھیں: ديوان الضعفاء (ص: ٣٩٦)

[3] سنن الدارقطني (١/ ٣٣٠)

[4] العبر في خبر من غبر (١/ ٣٩٦)

[5] دیکھیں: ديوان الضعفاء (ص: ٣١٥)

[6] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٩/ ٢٢٦) و إسناده صحيح.

"له أحاديث مناكير، عن حميد، وثابت"[1]

''حمید اور ثابت سے اس کی منکر روایات ہیں۔''

یاد رہے کہ یہ روایت بھی یوسف بن عبدۃ نے حمید اور ثابت ہی سے نقل کی ہے۔ الغرض یہ روایت بھی مسلسل بالعلل اور سخت ضعیف ہے۔

روایتِ زید بن ارقم:

زید بن ارقم سے بھی یہی روایت نقل کی گئی ہے، لیکن یہ سخت ضعیف ہے۔ چناں چہ امام طبرانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۰) نے کہا:

"حدثنا عبيد الله بن محمد العمري القاضي، ثنا عبد العزيز بن عبد الله الأويسي، ثنا سليمان بن بلال، عن حرام بن عثمان، عن ثابت بن مرداس، عن زيد بن أرقم، قال: أتي ابن زياد برأس الحسين، فجعل يجعل قضيبا في يده في عينه وأنفه، فقال زيد بن أرقم: ارفع القضيب، فقال: لم؟ فقال: رأيت فم رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم في موضعه"[2]

اس روایت میں آنکھ اور ناک پر لکڑی مارنے کا ذکر ہے۔ یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔ اس کے اندر کئی علتیں ہیں، چند ایک ملاحظہ ہوں۔ امام طبرانی کا استاذ ''عبید اللہ بن محمد العمری القاضی'' سخت ضعیف ہے۔ کسی بھی امام سے اس کی توثیق منقول نہیں اور امام نسائی سے منقول ہے کہ انھوں نے کہا: "کذاب" یہ بہت بڑا جھوٹا ہے۔[3] ''حرام بن عثمان انصاری'' بھی سخت ضعیف راوی ہے بہت سارے ائمہ نے اس پر سخت جرح کی ہے مثلاً:

- امام ابن الجوزی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۹۷) اس کی ایک روایت سے متعلق کہتے ہیں:

"هذا حديث لا يصح، والمتهم به حرام"[4]

''یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اسے گھڑنے والا حرام بن عثمان ہے۔''

---

[1] الضعفاء الكبير للعقيلي (٤/ ٤٥٦)

[2] المعجم الكبير للطبراني (٥/ ٢١٠) وأخرجه أيضاً في معجمه (٥ / ٢٠٦) من طريق سليمان، وزاد فيه بين حرام و بين ثابت: أبا عتيق.

[3] تاريخ دمشق لابن عساكر (٣٨/ ١٠٣) و إسناده ضعيف.

[4] العلل المتناهية (٢/ ٧١٧)

❁ امام شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۰۴) نے کہا:

"الرواية عن حرام حرام"[1] ''حرام (بن عثمان) سے روایت کرنا حرام ہے۔''

❁ امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵٦) نے کہا: "منكر الحديث"، ''یہ منکر الحدیث ہے۔''

یہ سخت ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ غالی قسم کا شیعہ بھی تھا، چناں چہ امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴) نے کہا:

"كان غاليا في التشيع منكر الحديث"[3] ''یہ غالی قسم کا شیعہ اور منکر الحدیث تھا۔''

اس راوی پر مزید سخت جروح کے لیے دیکھیں: عام کتبِ رجال۔ اسی حرام نے ایک دوسرے طریق میں اپنے اور ثابت کے بیچ ابوعتیق کا واسطہ ذکر کیا ہے۔[4] نیز اسی حرام نے ایک اور طریق میں اپنے سے اوپر ایک دوسری سند فٹ کرتے ہوئے سعید بن معاذ اور عمر بن سہل کو بھی اس روایت کو بیان کرنے والا ظاہر کیا ہے۔[5]

ابن الجوزی پر حیرت ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب "العلل المتناهية" میں خود ہی حرام کو حدیث گھڑنے والا بتایا، جیسا کہ اوپر حوالہ دیا گیا، پھر یزید کی مذمت میں تالیف کردہ کتاب میں اسی متہم و حدیث گھڑنے والے سے روایت بھی نقل کر رہے ہیں۔ یہ بہت عجیب بات ہے۔ الغرض حرام کی بیان کردہ ساری روایات موضوع اور من گھڑت ہیں۔ امام ابن عساکر نے زید بن ارقم والی روایت کی دو سندیں اور ذکر کی ہیں، لیکن یہ دونوں سندیں بھی سخت ضعیف ہیں۔

۱۔ چناں چہ امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۷۱) نے کہا:

"أخبرنا أبو غالب بن البنا أنا أبو محمد الجوهري أنا أبو الفضل الزهري نا إبراهيم بن عبد الله المحرمي نا صالح بن مالك نا عبد السلام بن مسلم الضمري نا <u>أبو داود السبيعي</u> نا زيد بن أرقم قال:

---

[1] تاريخ بغداد، مطبعة السعادة (٨/ ٢٧٨) و إسناده صحيح.

[2] التاريخ الكبير للبخاري (٣/ ١٠١)

[3] المجروحين لابن حبان (١/ ٢٦٩)

[4] دیکھیں: المعجم الكبير للطبراني (٥/ ٢٠٦)

[5] دیکھیں: الرد على المتعصب العنيد المانع من ذم يزيد لابن الجوزي (ص: ٤٠)

كنت عند عبيد الله بن زياد ـلعنه اللهـ إذ أتي برأس الحسين بن علي فوضع في طست بين يديه فأخذ قضيبا فجعل يفتر به عن شفته وعن أسنانه فلم أر ثغرا قط كان أحسن منه كأنه الدر فلم أتمالك أن رفعت صوتي بالبكاء فقال: ما يبكيك أيها الشيخ! قال: يبكيني ما رأيت رسول الله ﷺ يقبل بعض موضع هذا القضيب ويلثمه، ويقول: اللهم إني أحبه"[1]

اس روایت میں ہونٹ اور دانتوں پر لکڑی مارنے کا ذکر ہے۔ یہ روایت بھی موضوع اور من گھڑت ہے، اس میں کئی علتیں ہیں، لیکن اس کے بطلان کے لیے ایک ہی کا بیان کافی ہے اور وہ یہ کہ اس میں "أبو داود السبيعي" ہے اور وہ کذاب اور شیعہ راوی ہے۔

❁ امام جوزجانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۹) نے کہا:

"كذاب، تناول قوماً من الصحابة"[2]

"یہ کذاب ہے، اس نے بعض صحابہ کے بارے میں زبان درازی کی ہے۔"

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲) نے کہا:

"متروك، وقد كذبه ابن معين"[3]

"یہ متروک ہے اور ابن معین نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے۔"

یہ کذاب ہونے کے ساتھ ساتھ پکا رافضی ہے، چناں چہ امام عقیلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۲) نے کہا:

"ممن يغلو في الرفض"[4] "یہ رافضیت میں غلو کرنے والوں میں سے ہے۔"

اور بھی بہت سارے محدثین نے اس پر سخت جرح کی ہیں، دیکھیں: عام کتبِ رجال۔

۲۔ امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۷۱) نے کہا:

"أخبرنا أبو القاسم بن السمرقندي نا عاصم بن الحسن أنا أبو عمر بن مهدي أنا <u>أبو العباس بن عقدة</u> نا أحمد بن الحسين بن عبدالملك نا

---

[1] تاريخ دمشق لابن عساكر (١٤/ ٢٣٦)

[2] أحوال الرجال للجوزجاني (ص: ٩٣)

[3] تقريب التهذيب لابن حجر، رقم (٧١٨١)

[4] الضعفاء الكبير للعقيلي (٤/ ٣٠٦)

إسماعيل بن عامر نا **الحكم بن محمد بن القاسم الثقفي** حدثني **أبي** عن **أبيه** أنه حضر عبيد الله بن زياد حين أتی برأس الحسين فجعل ينكت بقضيب ثناياه، ويقول: إن كان لحسن الثغر فقال له زيد بن أرقم: ارفع قضيبك، وطال ما رأيت رسول اللهﷺ يلثم...“[1]

اس روایت میں دانتوں پر لکڑی مارنے کا ذکر ہے۔ یہ روایت بھی موضوع اور من گھڑت ہے، اس میں بہت ساری علتیں ہیں، مثلاً ”حکم“ اور اس کا باپ اور اس کا دادا سب کے سب نامعلوم لوگ ہیں۔ نیز ”أبو العباس بن عقدة“ یہ بھی شیعیت زدہ اور ضعیف راوی ہے۔ بعض اہلِ فن نے اس کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا ہے، لیکن اس کے باوجود بھی اسے ضعیف ہی مانا ہے۔ دیکھیں عام کتب رجال۔ ابو مخنف کذاب نے بھی اسی سے ملتی جلتی ایک روایت کو نقل کیا ہے۔[2] لیکن ابو مخنف کذاب اور بہت بڑا جھوٹا ہے۔[3]

حسن بصری کی روایت:

حسن بصری سے بھی یہی روایت نقل کی جاتی ہے، لیکن وہ بھی ثابت نہیں، چناں چہ امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۷۱) نے کہا:

”أخبرنا أبو القاسم بن السمرقندي نا عبد العزيز بن أبي طاهر أنا صدقة بن محمد بن مروان نا عثمان بن محمد الذهبي نا إسحاق بن الحسن بن ميمون نا **محمد بن عبد الوهاب الرياحي** نا معتمر بن سليمان عن قرة بن خالد عن الحسن أنه قال: لم تر عيني أو لم تر عيناي يوما مثل يوم أتي برأس الحسين في طست إلىٰ ابن زياد فجعل ينكت فاه، ويقول: إن كان لصبيحا إن كان لقد خضب“[4]

اس روایت میں منہ پر لکڑی مارنے کا ذکر ہے۔ یہ روایت بھی ضعیف و مردود ہی ہے،

[1] تاريخ دمشق لابن عساكر (٤١/ ٣٦٥)

[2] دیکھیں: تاريخ الطبري (٥/ ٤٥٦)

۳) دیکھیں

کیوں کہ اس کی سند میں موجود ''محمد بن عبد الوہاب الریاحی'' کا کوئی اتا پتا نہیں ملتا۔ تلاش بسیار کے باوجود بھی ہمیں اس کی توثیق نہیں ملی، لہٰذا یہ روایت بھی مردود ہی ہے۔

لطیفہ:

سبط ابن الجوزی نے بغیر سند کے ہشام بن محمد کے حوالے سے نقل کرتے ہوئے کہا:

''وقال هشام بن محمد: لما وضع الرأس بين يدي ابن زياد قال له كاهنه: قم فضع قدميك علىٰ فم عدوك فقام فوضع قدمة علىٰ فيه ثم قال لزيد بن أرقم: كيف ترىٰ؟ فقال: والله لقد رأيت رسول اللهﷺ واضعاً فاه حيث وضعت قدمك''[1]

ہشام بن محمد کلبی (کذاب) نے کہا کہ جب سر ابن زیاد کے پاس رکھا گیا تو اس کے کاہن نے کہا: کھڑے ہوں اور اپنا قدم اپنے دشمن کے منہ پر رکھیں۔ چناں چہ عبیداللہ بن زیاد کھڑا ہوا اور اس نے اپنا قدم حسین رضی اللہ عنہ کے منہ پر رکھا، پھر زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ کو کیسا لگ رہا ہے؟ تو انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو اس جگہ اپنا منہ رکھتے ہوئے دیکھا ہے، جہاں تم اپنا قدم رکھ رہے ہو۔''

اول تو ہشام بن محمد کلبی کذاب ہے، اس کے بارے میں تفصیل آ رہی ہے۔[2]

دوم اس کے آگے پیچھے کی پوری سند غائب ہے، نیز اس کے متن پر غور کریں اور سر دھنیں، بقیہ لوگ تو عبیداللہ بن زیاد کے ہاتھ سے لکڑی مارنے کا تذکرہ کر رہے تھے، لیکن اس کذاب نے تو ہاتھ اور لکڑی کے بجائے ابن زیاد کا قدم بھی منہ پر رکھوا دیا اور اسی پر بس نہیں، بلکہ اس راز سے بھی پردہ اُٹھا دیا کہ ابن زیاد کو کیا پڑی تھی کہ مقتول کے چہرے کی بے حرمتی کرے؟ آخر اس کا کیا فائدہ؟ یہ معمہ بھی اس روایت سے حل ہوگیا کہ ابن زیاد نے ایک کاہن پال رکھا تھا اور اسی کے کہنے پر اس نے یہ سب کچھ کیا۔ لعنة الله علىٰ الكاذبين.

ظالموں نے صرف اسی پر بس نہیں کیا کہ عبیداللہ بن زیاد پر حسین رضی اللہ عنہ کی توہین کا الزام لگایا،

---

[1] تذكرة الخواص لسبط ابن الجوزي (ص: ٥٣٥)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (٥٠٥۔٥٠٦) دیکھیں۔

بلکہ ان عجوبہ نگاروں نے عبیداللہ بن زیاد کو اس گستاخی کی سزا بھی دے دی، چناں چہ کہا گیا کہ عبیداللہ بن زیاد جب قتل ہوا تو اس کے سر میں سانپ گھس رہا تھا اور نکل رہا تھا، حالاں کہ یہ سراسر بکواس ہے۔ ہمیں کسی بھی صحیح روایت میں یہ بات نہیں ملی۔ سنن ترمذی میں اس بابت ایک روایت منقول ہے، لیکن وہ مردود ہے چناں چہ امام ترمذی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۹) نے کہا:

”حدثنا واصل بن عبد الأعلى قال: حدثنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن عمارة بن عمير، قال: لما جيء برأس عبيد الله بن زياد وأصحابه نضدت في المسجد في الرحبة فانتهيت إليهم، وهم يقولون: قد جاءت قد جاءت، فإذا حية قد جاءت تخلل الرؤوس حتى دخلت في منخري عبيد الله بن زياد فمكثت هنيهة، ثم خرجت فذهبت حتى تغيبت، ثم قالوا: قد جاءت، قد جاءت، ففعلت ذلك مرتين أو ثلاثا“[1]

”عمارہ بن عمیر فرماتے ہیں کہ جب عبیداللہ بن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سر لا کر رحبہ کی مسجد میں ڈال دیے گئے تو میں بھی وہاں گیا۔ جب وہاں پہنچا تو لوگ کہنے لگے: وہ آ گیا، وہ آ گیا۔ دیکھا تو وہ ایک سانپ تھا، جو آیا تو سروں میں ہوتا ہوا عبیداللہ بن زیاد کے نتھنوں میں گھس گیا۔ تھوڑی دیر بعد نکلا اور چلا گیا، یہاں تک کہ غائب ہوگیا۔ پھر لوگ کہنے لگے: وہ آ گیا وہ آ گیا، اس نے دو یا تین مرتبہ اسی طرح کیا۔“

یہ روایت مردود ہے، کیوں کہ سند میں سلیمان بن مہران الاعمش نے ”عن“ سے روایت کیا ہے اور راجح قول کے مطابق یہ تیسرے طبقے کے مدلس ہیں، لہٰذا ان کا عنعنہ غیر مقبول ہوگا۔

امام شعبہ بن الحجاج رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۶۰) نے انھیں مدلس مانا ہے:

”قال الإمام ابن القيسراني رحمه الله: أخبرنا أحمد بن علي الأديب، أخبرنا الحاكم أبوعبد الله إجازة، حدثنا محمد بن صالح بن هانئ، حدثنا إبراهيم بن أبي طالب، حدثنا رجاء الحافظ المروزي، حدثنا النضر بن شميل قال: سمعت شعبة يقول: كفيتكم تدليس ثلاثة: الأعمش، وأبي إسحاق، وقتادة“[2]

---

[1] سنن الترمذي بتحقيق أحمد شاكر (٥/ ٦٦٠)

[2] مسألة التسمية لابن القيسراني (ص: ٤٧) و إسناده صحيح.

''امام شعبہ رحمہ اللہ نے کہا: میں تین لوگوں کی تدلیس کے لیے تمھیں کافی ہوں، اعمش، ابو اسحاق اور قتادہ''

❁ امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵) نے کہا:

"ولعل الأعمش دلسه عن حبيب"[1]

''شاید اعمش نے یہاں حبیب سے تدلیس کی ہے۔''

❁ امام ابن عبد البر رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۶۳) نے کہا:

"وقالوا: لا يقبل تدليس الأعمش"[2]

''محدثین کا کہنا ہے کہ امام اعمش کی تدلیس نا قابلِ قبول ہے۔''

❁ صلاح الدین العلائی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۶۱) نے کہا:

"وسليمان الأعمش والأربعة أئمة كبار مشهورون بالتدليس"[3]

''سلیمان بن اعمش بہت بڑے امام ہونے کے ساتھ مشہور مدلس ہیں۔''

❁ امام ابو زرعہ ابن العراقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۲۶) نے کہا:

"سليمان الأعمش مشهور بالتدليس"[4] ''سلیمان اعمش تدلیس میں مشہور ہے۔''

❁ امام سبط ابن عجمی الحلبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۴۱) نے کہا:

"سليمان بن مهران الأعمش مشهور به"[5]

''سلیمان بن مہران اعمش تدلیس میں مشہور ہے۔''

❁ امام سیوطی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۱۱) نے کہا:

"سليمان الأعمش مشهور به بالتدليس"[6] ''سلیمان اعمش تدلیس میں مشہور ہے۔''

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے محدثین نے امام اعمش کو مدلس قرار دیا ہے۔

---

[1] علل الدارقطني (۱۰/ ۹۵)

[2] التمهيد لابن عبد البر (۱/ ۳۰)

[3] جامع التحصيل للعلائي (ص: ۱۰۶)

[4] المدلسين لابن العراقي (ص: ۵۵)

[5] التبيين لأسماء المدلسين للحلبى (ص: ۳۱)

[6] أسماء المدلسين للسيوطي (ص: ۵۵)

تنبیہ:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے طبقات میں انھیں دوسرے طبقہ میں رکھا ہے، لیکن یاد رہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس سے رجوع کر لیا ہے، کیوں کہ "النکت" میں آپ نے امام اعمش رحمہ اللہ کو تیسرے طبقے میں ذکر کیا ہے۔[1] تلخیص میں ان کے عنعنہ کی وجہ سے ایک روایت کو ضعیف بھی کہا ہے۔[2]

دکتور عواد الخلف نے صحیحین کے مدلسین پر دو الگ الگ کتابیں لکھی ہیں، ان میں دکتور موصوف نے امام اعمش کے بارے میں یہ تحقیق پیش کی ہے کہ وہ طبقہ ثالثہ کے مدلس ہیں۔ دکتور موصوف نے یہ بھی کہا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے طبقات میں انھیں دوسرے طبقہ میں رکھا ہے تو یہ ان کا سہو ہے اور نکت میں انھوں نے درست بات لکھی ہے اور وہی معتبر ہے، کیوں کہ نکت کو حافظ ابن حجر نے طبقات کے بعد تصنیف کیا ہے۔

دکتور مسفر الدمینی نے بھی مدلسین پر ایک مستقل کتاب لکھ رکھی ہے، انھوں نے بھی اعمش کو تیسرے طبقے میں رکھا ہے اور طبقات میں حافظ ابن حجر کی تقسیم کو غلط قرار دیا ہے۔ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ اعمش کے عنعنہ کی وجہ سے ایک روایت کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"إن الحديث معنعن من قبل الأعمش، وهو من المدلسين، وهذه آفة في الحديث"[3]

"اس حدیث میں اعمش نے عن سے روایت کیا ہے جو مدلسین میں سے ہیں اور یہ چیز حدیث میں ایک آفت ہے۔"

الغرض امام اعمش کے عنعنہ کے سبب یہ روایت مردود ہے۔ امیر یزید بن معاویہ کے بہت بڑے مخالف زبیر علی زئی صاحب نے بھی اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔[4]

امام یعقوب فسوی نے اسی روایت کو دوسری سند سے پیش کرتے ہوئے کہا:

"حدثني يوسف بن موسىٰ عن جرير عن **يزيد بن أبي زياد** قال: لما

---

[1] دیکھیں: النكت لابن حجر (ص: ٦٤٠) رقم الحديث (٣٧)

[2] تلخيص الحبير لابن حجر (٣/ ٤٥)

[3] مجموع فتاوى ورسائل ابن عثيمين (٩/ ١٧٦)

[4] دیکھیں: أنوار الصحفية: ضعيف سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٧٨٠)

جىء برأس ابن مرجانة وأصحابه طرحت بين يدى المختار، فجاءت حية رقيقة، ثم تخللت الرؤوس حتٰى دخلت في فم ابن مرجانة وخرجت من منخره، ودخلت في منخره وخرجت من فمه، وجعلت تدخل وتخرج من رأسه من بين الرؤوس"[1]

اس روایت کا ترجمہ وہی ہے، جو ترمذی کی مذکورہ روایت کا ہے۔ یہ سند بھی ضعیف و مردود ہے۔ ''یزید بن ابی زیاد'' ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ شیعہ بھی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کے بارے میں اہلِ فن کے اقوال کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"يزيد بن أبي زياد الهاشمي مولاهم الكوفي: ضعيف، كبر فتغير، وصار يتلقن، وكان شيعيا"[2]

''یزید بن ابی زیاد کوفی ضعیف ہے۔ بڑی عمر میں یہ اختلاط کا شکار ہوگیا تھا اور تلقین بھی قبول کرتا تھا، نیز یہ شیعہ تھا۔''

الغرض ابن زیاد کی موت کے بعد اس کے سر میں سانپ کے گھسنے کی بات ثابت نہیں اور لگتا ہے کہ روافض کو سانپوں سے بہت زیادہ لگاؤ ہے۔ وہ اپنے ہر مخالف کی موت کے بعد اس کے پاس سانپ پہنچا دیتے ہیں، چناں چہ مکے کا محاصرہ کرنے والے حصین بن نمیر کی موت کے بعد بھی انھوں نے وہاں سانپ بھیج دیا، بلکہ آج کے روافض نے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی قبر میں سانپ پہنچا دیا، جیسا کہ وہ لوگ اپنی تقاریر میں کہتے ہیں۔

ایک سفید جھوٹ، ابن زیاد کا اعتراف:

بعض کذابین نے انتہائی چالاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ابن زیاد کی زبان سے قتلِ حسین رضی اللہ عنہ کا اعتراف کرانے کی کوشش کی ہے۔ چناں چہ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۰) نے کہا:

"حدثنا **ابن حميد** قال: حدثنا جرير، عن مغيرة، قال: (؟) كتب يزيد إلىٰ ابن مرجانة: أن اغز ابن الزبير، فقال: لا أجمعهما للفاسق أبدا، أقتل ابن بنت رسول الله ﷺ، وأغزو البيت! قال: وكانت مرجانة امرأة صدق،

---

[1] المعرفة والتاريخ (۳/ ۳۲۹) نیز دیکھیں: البداية والنهاية (۸/ ۲۸٦) مكتبة المعارف.

[2] تقريب التهذيب لابن حجر، رقم (۷۷۱۷)

فقالت لعبيد الله حين قتل الحسين عليه السلام: ويلك! ماذا صنعت! وماذا ركبت!،[1]

یزید نے ابن زیاد کو لکھا کہ عبداللہ بن زبیر سے قتال کرو تو عبیداللہ بن زیاد نے جواب دیا: میں اس فاسق کے لیے دو دو غلطیاں کبھی نہیں کرسکتا۔ ایک تو حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کر چکا اور دوسرے یہ کہ بیت اللہ میں بھی قتال کروں۔ مغیرہ کہتے ہیں کہ ابن زیاد کی والدہ مرجانہ نیک خاتون تھی اور جب حسین رضی اللہ عنہ قتل کیے گئے تو اس نے عبیداللہ سے کہا تھا: تیری تباہی ہو! تو نے یہ کیا کردیا؟''

یہ روایت جھوٹی اور من گھڑت ہے۔ اس کے اندر کئی علتیں ہیں، مثلاً:

اولاً: ''مغيرة بن مقسم الضبي'' نے اپنا ماخذ نہیں بتایا ہے، ان کی وفات ۱۳۶ میں ہوئی ہے، کبار تابعین سے ان کی ملاقات ثابت نہیں ہے، لہٰذا انھیں واقعہ حرہ کا دور ملا ہی نہیں۔

ثانیاً: مغیرۃ بن مقسم الضبی تیسرے طبقہ کے مدلس ہیں۔ دیکھیں: ''طبقات المدلسين لابن حجر'' (ص: ٤٦ ت: القريوتي) اور انھوں نے اس روایت میں سماع کی صراحت تو دور کی بات اپنے استاذ کا نام بھی نہیں بتایا ہے۔

ثالثاً: امام طبری کا استاذ ''محمد بن حمید بن حیان الرازی'' کذاب، بہت بڑا جھوٹا، شیعہ اور متروک ہے، اس کے بارے میں تفصیل آگے آرہی ہے۔[2] معلوم ہوا کہ یہ روایت جھوٹی اور من گھڑت ہے۔

راسِ حسین رضی اللہ عنہ اور یزید بن معاویہ:

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سر یزید کے پاس بھی بھیجا گیا اور یزید ہی نے اس سرمبارک کی بے حرمتی کی۔ عرض ہے کہ اس بارے میں ملنی والی ساری روایات جھوٹی اور من گھڑت ہیں۔ ذیل میں ہم ایسی تمام روایات کا بطلان بیان کرتے ہیں۔ ان تمام روایات کے مضمون کا خلاصہ یہی ہے کہ یزید کے پاس حسین رضی اللہ عنہ کا سر لایا گیا اور بعض میں ہے کہ یزید نے بے حرمتی کی اور بعض میں ہے کہ یزید نے بدر میں اپنے خاندان کے مقتولین کا بدلہ لیا۔ یہ تمام روایات کا خلاصہ ہے۔ اب اگلی سطور میں ہم ان روایات کا ترجمہ نہ کرتے ہوئے فقط اس کی سندوں کی حقیقت بیان کرتے ہیں۔

---

[1] تاريخ الطبري (٥/ ٤٨٤)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۴۰۶) دیکھیں۔

امام احمد بن یحییٰ البلاذری (المتوفی: ۲۷۹) نے کہا:

"حدثنا سعيد بن سليمان، حدثنا عباد بن العوام، عن حصين...قال حصين: فحدثني **مولى ليزيد بن معاوية** قال: لما وضع رأس الحسين بين يدي يزيد رأيته يبكي ويقول: ويلي علىٰ ابن مرجانة فعل الله به كذا، أما والله لو كانت بينه وبينه رحم ما فعل هذا"[1]

یہ روایت ضعیف ہے اور صحیح بخاری کی روایت کے خلاف ہونے کے سبب باطل ہے، اس میں یزید بن معاویہ کے مولی کا نام ذکر نہیں ہے، لہٰذا یہ مجہول ہے اور اس مجہول کے سبب یہ روایت ثابت نہیں۔ واضح رہے کہ طبری نے ایک سند میں یزید کے مولی کا نام ذکر کیا ہے، چناں چہ کہا:

"قال **أبو مخنف:** حدثني الصقعب بن زهير، عن القاسم بن عبد الرحمن مولىٰ يزيد بن معاوية، قال: لما وضعت الرؤوس بين يدي يزيد ـ رأس الحسين وأهل بيته وأصحابه ـ قال يزيد:..."[2]

لیکن یہ روایت جھوٹی ہے، کیوں کہ اس میں ابومخنف کذاب یعنی بہت بڑا جھوٹا ہے۔[3]

امام احمد بن یحییٰ البلاذری (المتوفی: ۲۷۹) نے کہا:

"حدثني هشام بن عمار، حدثني الوليد بن مسلم عن أبيه، قال: لما قدم برأس الحسين على يزيد بن معاوية"[4]

یہ روایت بھی ثابت نہیں، کیوں کہ اس میں ولید بن مسلم نے "عن" سے روایت کیا ہے اور یہ تدلیس تسویہ کرنے والے راوی تھے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں ہماری کتاب: "تحفة الزاهد بتكرار الجماعة في المسجد الواحد" نیز اسی کتاب کا صفحہ (۵۷۲، ۵۹۹) دیکھیں۔

امام احمد بن یحییٰ البلاذری (المتوفی: ۲۷۹) نے کہا:

"حدثني عمرو الناقد، وعمرو بن شبة، قالا: حدثنا أبو أحمد الزبيري

---

[1] أنساب الأشراف للبلاذري (٣/ ٤٢٥) ط، دار الفكر. وأخرجه أيضاً الطبرى في تاريخه (٥/ ٣٩٣) من طريق سعيد به، وأخرجه أيضاً الجوزقاني في الأباطيل والمناكير (١/ ١٢٣) من طريق حصين به.

[2] تاريخ الطبري (٥/ ٤٦٠)

[3] تفصیل کے لیے اسی کتاب کا صفحہ (۳۵۹۔۳۶۰) دیکھیں۔

[4] أنساب الأشراف للبلاذري (٣/ ٤١٩) ط، دار الفكر.

عن عمه **فضيل بن الزبير،** عن أبي عمر البزار عن محمد بن عمرو بن الحسن قال: لما وضع رأس الحسين بن علي بين يدي يزيد قال متمثلا: يفلقن هاما من رجال أعزة... علينا وهم كانوا أعق وأظلما"[1]

یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔ سند میں موجود ''فضیل بن الزبیر'' کا کوئی اتا پتا نہیں ملتا اور بخاری کی روایت اس کے خلاف ہے، کیوں کہ اس میں عبیداللہ بن زیاد کے پاس سر لائے جانے کا ذکر ہے۔ کما مضیٰ.

❁ امام احمد بن یحییٰ البلاذری (المتوفی: ۲۷۹) نے کہا:

(؟) وقال عوانة بن الحكم: (؟) قتل الحسين بكربلاء، قتله سنان بن أنس واحتز رأسه خولى بن يزيد، وجاء به إلىٰ ابن زياد، فبعث به إلىٰ يزيد مع محفز بن ثعلبة"[2]

یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔ بلاذری سے لے کر عوانہ تک سند موجود نہیں۔ظن غالب یہی ہے کہ عوانہ سے یہ روایت الہیثم بن عدی الطائی ہی کے طریق سے منقول ہوگی، جیسا کہ اگلی روایت میں ہے اور ''ہیثم بن عدی'' کذاب ہے۔ کماسیأتي.[3]

نیز "عوانة بن الحكم بن عوانة بن عياض المتوفى: ۱۵۸ھ" مختلف فیہ ہیں، بعض نے صدوق کہا، جبکہ بعض نے متہم قرار دیا ہے۔[4] لیکن اس سے قطع نظر آپ کی وفات سن ۱۵۸ ہجری ہے اور شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کا واقعہ سن ۶۰ ھ کا ہے، یعنی درمیان میں لمبا فاصلہ ہے اور اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ موصوف نے اپنی زندگی میں یا اپنی سن تمیز میں یہ دور پایا ہو، لہٰذا ان کا ماخذ بھی نامعلوم ہے۔

❁ امام احمد بن یحییٰ، البلاذری (المتوفی: ۲۷۹) نے کہا:

"وقال **الهيثم بن عدي** عن عوانة: (؟) لما وضع رأس الحسين بين يدي

[1] أنساب الأشراف للبلاذري (۳/ ٤١٦) ط، دار الفكر.

[2] أنساب الأشراف للبلاذري (۳/ ٤١٨) ط، دار الفكر.

[3] اسی کتاب کا صفحہ (۴۰۰) دیکھیں۔

[4] الأعلام للزركلي (٥/ ٩٣)

يزيد تمثل ببيت الحصين بن الحمام المرى: يفلقن هاما من رجال أعزة... علينا وهم كانوا أعق وأظلما"[1]

یہ روایت بھی موضوع اور من گھڑت ہے۔ "عوانة بن الحكم بن عوانة بن عياض المتوفى: ۱۵۸ھ" **کے بارے میں ماقبل میں وضاحت کی جاچکی ہے اور** "الهيثم بن عدي الطائی" **یہ کذاب ہے۔**

امام عجلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۱) نے کہا: "كذاب"[2] **"یہ بہت بڑا جھوٹا ہے۔"**

امام ابو داود رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۵) نے کہا: "كذاب"[3] **"یہ بہت بڑا جھوٹا ہے۔"**

ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے محدثین نے اس پر شدید جرح کی ہے۔ دیکھئے عام کتبِ رجال۔ نیز یہ روایت صحیح بخاری کی روایت کے بھی خلاف ہے۔

❁ **امام ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۸۱) نے کہا:**

"عن أبي الوليد عن **خالد بن يزيد بن أسد** عن عمار الدهني عن جعفر قال: لما وضع رأس الحسين بين يدي يزيد، وعنده أبو برزة، وجعل ينكت بالقضيب فقال له: ارفع قضيبك! فلقد رأيت رسول الله ﷺ يلثمه"[4]

یہ روایت بھی موضوع اور من گھڑت ہے۔ "خالد بن یزید" ضعیف ہے۔ کسی بھی امام نے اس کی توثیق نہیں کی ہے، بلکہ امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۵) نے کہا:

"وهو عندي ضعيف"[5] **"یہ میرے نزدیک ضعیف ہے۔"**

نیز یہ روایت صحیح بخاری کی روایت کے خلاف ہونے کے سبب باطل اور من گھڑت ہے۔

❁ **امام ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۸۱) نے کہا:**

"حدثني **مسلمة بن شبيب**، عن الحميدي، عن سفيان، سمعت **سالم بن أبي حفصة** قال: قال الحسن: لما جيء برأس الحسين، جعل يزيد

[1] أنساب الأشراف للبلاذري (۳/ ٤١٥) ط، دار الفكر.
[2] تاريخ الثقات للعجلي (ص: ٤٦٢)
[3] سؤالات أبي عبيد الآجري للإمام أبي داود السجستاني (ص: ۲۹٥)
[4] البداية والنهاية (۸/ ۱۹۲) مكتبة المعارف.
[5] الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي (۳/ ٤٣٣)

يطعن بالقضيب“[1]

یہ روایت بھی موضوع اور من گھڑت ہے۔ ”مسلمة بن شبیب“ کا کوئی اتا پتا نہیں ملتا۔

”سالم بن أبي حفصة“ غالی قسم کا رافضی تھا۔ امام عقیلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۲) نے کہا:

”كوفي من الشيعة“[2] ”یہ کوفہ کے شیعوں میں سے تھا۔“

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸) نے کہا:

”شيعي لا يحتج بحديثه“[3] ”یہ شیعہ ہے، اس کی حدیث نا قابلِ احتجاج ہے۔“

۞ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۰) نے کہا:

”قَالَ هِشَامٌ، عَنْ أَبِي مِخْنَفٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو حمزة الثمالي، عن عَبْد اللَّهِ الثمالي، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ بخيت، قَالَ: لما أقبل وفد أهل الْكُوفَة برأس الْحُسَيْن دخلوا مسجد دمشق، فَقَالَ لَهُمْ مَرْوَان بن الحكم: كيف صنعتم؟“[4]

یہ روایت بھی موضوع اور من گھڑت ہے، اس کی سند کا ایک راوی بھی ٹھیک نہیں۔ ”ہشام“ کذاب ہے، اس کے بارے میں تفصیل آگے آئے گی۔[5] نیز اس میں لوط بن یحییٰ ابو مخنف کذاب ہے، جس کے بارے میں گذشتہ صفحات میں تفصیل گزر چکی ہے۔[6] نیز اس سند میں ایک اور رافضی ”أبو حمزة الثمالی“ بھی ہے۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں کہا: ”كوفي ضعيف رافضي“ ”یہ کوفی ضعیف اور رافضی ہے۔“[7] نیز ”عبداللہ الثمالی“ اور ”القاسم بن بخیت“ کا کوئی اتا پتا نہیں ملتا۔

۞ ابو العرب محمد بن احمد بن تمیم القیروانی (المتوفی: ۳۳۳) نے کہا:

---

[1] البداية والنهاية (۱۱/ ۵۵۹) ط: هجر.

[2] الضعفاء الكبير للعقيلي (۲/ ۱۵۲)

[3] الكاشف للذهبي (۱/ ٤٢٢)

[4] تاريخ الطبري (٥/ ٤٦٥)

[5] اسی کتاب کا صفحہ (۵۰۵۔۵۰۶) دیکھیں۔

[6] اسی کتاب کا صفحہ (۳۵۹۔۳۶۰) دیکھیں۔

[7] تقريب التهذيب لابن حجر، رقم (۸۱۸)

”حدثني بكر بن حماد قال: حدثنا زهير بن عباد الرواسي قال: حدثنا أبو عمر الصنعاني عن **حرام بن عثمان** قال (؟): أتي برأس الحسين بن علي بن أبي طالب فألقي بين يدي يزيد بن معاوية بن أبي سفيان فجعل يضرب وجهه بقضيب، ويدخله في فمه وعينيه فقال زيد بن أرقم: ارفع“[1]

یہ روایت بھی موضوع اور من گھڑت ہے۔ ’’حرام بن عثمان‘‘ کے بارے میں گذشتہ صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ یہ متہم ہے۔[2] اس روایت میں اس حرام نے یہ بھی نہیں بتایا کہ اس نے یہ بات کس سے سنی ہے؟ لیکن ایک دوسرے مقام پر اس نے جابر بن انصاری کے ایک بیٹے کا بغیر نام بتلائے حوالہ دیا ہے چناں چہ ملاحظہ ہو:

❀ امام ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۸۱) نے کہا:

”ثنا إبراهيم بن زياد، قال: ثنا عبد العزيز بن عبد الله، ثنا عبد العزيز الدراوردي، عن **حرام بن عثمان،** عن أحد أبناء جابر الأنصاري، عن زيد بن أرقم قال: كنت عند يزيد بن معاوية، فأتي برأس الحسين...“[3]

عرض ہے کہ اس روایت میں بھی حرام نے نام نہیں بتایا کہ کس سے اس نے یہ بات سنی ہے؟ نیز خود اس کی حالت پہلے بتائی جا چکی ہے۔[4] اسی حرام نے عبیداللہ بن زیاد کے بارے میں بھی یہی بات نقل کی اور اس کے لیے کئی سندیں بنائی ہیں، جیسا کہ گذشتہ سطور میں اشارہ کیا گیا ہے۔

❀ امام طبرانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۰) نے کہا:

”حدثنا أبو الزنباع روح بن الفرج المصري، ثنا يحيىٰ بن بكير، حدثني الليث، قال: **(؟):** أبي الحسين بن علي رضي الله عنه أن يستأسر، فقاتلوه فقتلوه، وقتلوا ابنيه وأصحابه الذين قاتلوا منه بمكان يقال له الطف، وانطلق بعلي بن حسين، وفاطمة بنت حسين، وسكينة بنت حسين

---

[1] المحن (ص: ١٥٨)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۳۸۸۔ ۳۸۹) دیکھیں۔

[3] الرد علىٰ المتعصب العنيد المانع من ذم يزيد لابن الجوزي (ص: ٥٨)

[4] اسی کتاب کا صفحہ (۳۸۸۔ ۳۸۹) دیکھیں۔

إلى عبيد الله بن زياد، وعلي يومئذ غلام قد بلغ، فبعث بهم إلىٰ يزيد بن معاوية، فأمر بسكينة فجعلها خلف سريره، لئلا ترى رأس أبيها وذوي قرابتها، و علي بن الحسين رضي الله عنه في غل، فوضع رأسه، فضرب على ثنيتي الحسين رضي الله عنه، فقال...“[1]

یہ روایت منقطع ہے۔ لیث بن سعد نے شہادتِ حسین کا دور نہیں پایا ہے اور انھوں نے اپنا ماخذ نہیں بتایا ہے۔ نیز یہ منقطع و مردود روایت صحیح بخاری کی روایت کے خلاف ہونے کے سبب باطل ہے۔

❁ امام طبرانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۰) نے کہا:

”حدثنا علي بن عبد العزيز، ثنا الزبير بن بكار، حدثني **محمد بن الضحاك بن عثمان الحزامي،** عن أبيه، قال (؟): خرج الحسين بن علي رضي الله عنهما إلىٰ الكوفة ساخطا لولاية يزيد بن معاوية، فكتب يزيد بن معاوية إلى عبيد الله بن زياد، وهو واليه علىٰ العراق: إنه قد بلغني أن حسينا قد سار إلى الكوفة، وقد ابتلي به زمانك من بين الأزمان، وبلدك من بين البلدان، وابتليت به من بين العمال، وعندها يعتق أو يعود عبدا كما يعتبد العبيد. فقتله عبيد الله بن زياد، وبعث برأسه إليه، فلما وضع بين يديه تمثل بقول الحسين بن الحمام“[2]

یہ روایت بھی مردود ہے، کیوں کہ ”الضحاك بن عثمان الحزامی المتوفی: ۱۵۳ ھ“ کو شہادتِ حسین کا دور نہیں ملا ہے۔ نیز ”محمد بن الضحاك الحزامي“ کو بھی ابن حبان کے علاوہ کسی نے ثقہ نہیں کہا ہے اور یہ توثیق نا قابلِ اعتبار ہے۔

❁ امام طبرانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۰) نے کہا:

”حدثنا علي بن عبد العزيز، ثنا الزبير، حدثني **محمد بن الحسن المخزومي،** قال: لما أدخل ثقل الحسين بن علي رضي الله عنه علىٰ يزيد بن معاوية، ووضع رأسه بين يديه، بكى يزيد، وقال...“[3]

[1] المعجم الكبير للطبراني (۳/ ۱۰٤)

[2] المعجم الكبير للطبراني (۳/ ۱۱۵)

[3] المعجم الكبير للطبراني (۳/ ۱۱٦) وأخرجه ابن عساكر في تاريخه (۳٤/ ۳۱۵) من طريق الزبيرية.

یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے، اس کی سند میں ''محمد بن الحسن بن زبالہ'' کذاب راوی موجود ہے۔ امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳) نے کہا:

''محمد بن الحسن بن زبالة، وكان كذابا، ولم يكن بشيئ''[1]

''محمد بن الحسن بہت بڑا جھوٹا تھا اور اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔''

ایک دوسرے مقام پر کہا: ''كَذَّابٌ خبيثٌ''[2] ''یہ بہت بڑا جھوٹا اور خبیث ہے۔''

امام احمد بن صالح المصری (المتوفی: ۲۴۸) سے منقول ہے:

''كَانَ يضع الحديث فتركت حديثه''[3]

''یہ حدیث گھڑتا تھا، اس لیے میں نے اسے چھوڑ دیا۔''

امام ابو حاتم محمد بن ادریس الرازی (المتوفی: ۲۷۷) نے کہا:

''واهي الحديث''[4] ''یہ سخت ضعیف حدیث والا ہے۔''

امام ابو داود رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۵) نے کہا:

''كذابا المدينة: مُحَمَّد بن الحَسَن بن زبالة، ووهب بن وَهْب''[5]

''مدینے کے کذاب اور جھوٹے محمد بن الحسن بن زبالہ اور وہب بن وہب ہیں۔''

امام ابن القیسرانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۰۷) نے کہا:

''محمد هذا كذاب''[6] ''محمد بن الحسن یہ بہت بڑا جھوٹا ہے۔''

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸) نے کہا:

''محمد بن الحسن بن زبالة متهم''[7] ''محمد بن الحسن بن زبالہ یہ متہم ہے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲) نے کہا:

---

[1] تاريخ ابن معين- رواية الدوري (٣/ ٢٢٧)

[2] تاريخ ابن مرثد، رقم الحديث (٢٣)

[3] تاريخ بغداد وذيوله ط العلمية (٤/ ٤٢٢) و إسناده لين.

[4] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٧/ ٢٢٨)

[5] تاريخ بغداد للخطيب البغدادي (١٥/ ٦٢٥)

[6] ذخيرة الحفاظ لابن القيسراني (٣/ ١٦٢١)

[7] تلخيص كتاب الموضوعات للذهبي (ص: ٢١١)

"كذبوه"[1] "لوگوں نے اسے کذاب قرار دیا ہے۔"

❀ امام ابواحمد الحاکم رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۷۸) نے کہا:

"أخبرنا عبد الله بن سليمان الأشعث نا **أحمد بن محمد بن عمر الحنفي** نا عمر يعني ابن يونس نا **سليمان بن أبي سليمان الزهري** نا يحيىٰ بن أبي كثير نا عبد الرحمن بن عمرو حدثني شداد بن عبد الله قال: سمعت واثلة بن الأسقع، قد جيء برأس الحسين بن علي فلعنه رجل من أهل الشام ولعن أباه فغضب واثلة، وقام و..."[2]

یہ روایت بھی باطل و مردود ہے، اس میں کئی ساری علتیں ہیں۔"احمد بن محمد بن عمر بن یونس بن القاسم الحنفی الیمامی" کذاب ہے۔ امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷) نے کہا:

"كان كذابا"[3] "یہ بہت بڑا جھوٹا تھا۔"

ابوحاتم کے علاوہ اور بھی محدثین نے اس پر سخت جرح کی ہے۔ دیکھیں: عام کتبِ رجال۔

"سلیمان بن ابی سلیمان الزہری" بھی سخت ضعیف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶) نے کہا: "منكر الحديث"[4] "یہ منکرالحدیث ہے۔" امام بخاری کے علاوہ اور بھی محدثین نے اس پر سخت جرح کی ہے۔ دیکھیں: عام کتبِ رجال۔

❀ امام ابن الجوزی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۹۷) نے کہا:

"أنبأنا على بن عبيد الله بن الزغواني قَالَ: أَخْبَرَنَا أبو جعفر بن المسلمة، عن أبي عبيد الله المرزباني قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّد بن أَحْمَد الكاتب قَال: أَخْبَرَنَا عَبْد اللَّهِ بن أبي سعد الوراق قَالَ: حَدَّثَنَا **محمد بن حميد** قَالَ: حَدَّثَنَا **مُحَمَّد بن يَحْيَى الأحمري** قَالَ: حَدَّثَنَا **ليث،** عن مجاهد قَال: جيء برأس الحسين بن علي، فوضع بين يدي يزيد بن

---

[1] تقريب التهذيب لابن حجر، رقم الحديث (٥٨١٥)

[2] الأسامي والكنى لأبي أحمد الحاكم (٢/ ٢٢) نیز دیکھیں: سير أعلام النبلاء للذهبي (٣/ ٣١٤)

[3] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٢/ ٧١)

[4] التاريخ الكبير للبخاري (٤/ ١١)

معاوية، فتمثل بهذين البيتين، يقول“[1]

یہ روایت بھی موضوع اور من گھڑت ہے۔”لیث بن ابی سلیم“ جمہور کے نزدیک ضعیف ہے، اس کی تفصیل آیندہ سطور میں آ رہی ہے۔[2]

”محمد بن یحییٰ بن داہر الاحمری“ کے حالات مجھے نہیں مل سکے، لیکن اسی کے خاندان کا ایک شخص ”عبد اللہ بن داہر بن یحییٰ بن داہر الرازی“ ہے اور یہ متہم ہے اور اہلِ بیت کے فضائل میں حدیثیں گھڑتا تھا۔[3]

”محمد بن حمید الرازی“ یہ کذاب اور بہت بڑا جھوٹا شخص ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶) نے کہا: ”فيه نظر“[4] ”اس میں نظر ہے۔“

امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷) نے کہا: ”كذاب“[5] ”یہ بہت بڑا جھوٹا ہے۔“

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸) نے کہا: ”متهم“[6] ”یہ وضع حدیث سے متہم ہے۔“

امام سیوطی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۱۱ھ) نے کہا: ”كذاب“[7] ”یہ بہت بڑا جھوٹا ہے۔“

ان کے علاوہ بھی بہت سارے محدثین نے اس پر سخت جرح کی ہے۔ دیکھیں: عام کتب رجال.

یہ کذاب ہونے کے ساتھ ساتھ شیعہ بھی ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴) نے یہی روایت ذکر کرتے ہوئے کہا: ”وهو شيعي“[8] ”یہ شیعہ ہے۔“ معلوم ہوا کہ یہ روایت بھی جھوٹی اور من گھڑت ہے۔

❁ امام ابن الجوزی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۹۷) نے کہا:

---

[1] المنتظم لابن الجوزي (٥/ ٣٤٣) الرد علىٰ المتعصب العنيد المانع من ذم يزيد لابن الجوزي (ص: ٥٩) البداية والنهاية (١١/ ٥٥٧) ط: هجر.

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۵۲۷۔ ۵۲۹) دیکھیں۔

[3] دیکھیں: الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي (٥/ ٣٨٠)

[4] التاريخ الكبير للبخاري (١/ ٦٩)

[5] الضعفاء لأبي زرعة الرازي (٢/ ٧٣٩)

[6] تلخيص كتاب الموضوعات للذهبي (ص: ٣٥٠)

[7] اللآلىء المصنوعة في الأحاديث الموضوعة (١/ ١٢)

[8] البداية والنهاية (١١/ ٥٥٧) ط: هجر.

"أَخْبَرَنَا ابن ناصر قَالَ: أَخْبَرَنَا ابن أَحْمَد السراج قَالَ: أَخْبَرَنَا أبو طاهر مُحَمَّد بن علي العلاف قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو الْحُسَيْنِ بْنُ أَخِي مِيمِيٍّ قَالَ: أَخْبَرَنَا الحسين بْنُ صَفْوَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْد اللَّه بْن محمد القرشي قال: حدثني محمد بن صالح قال: حدثنا علي بن مُحَمَّد، عن **خالد** بن **يزيد بن بشر السكسكي**، عن أبيه، عن قبيصة بن ذؤيب الخزاعي قَالَ: قدم برأس الحسين، فلما وضع بين يدي يزيد ضربه بقضيب كان فِي يده"[1]

یہ روایت بھی جھوٹی اور من گھڑت ہے۔ ''یزید بن بشیر'' کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ نیز ''خالد بن یزید بن بشر'' کی بھی توثیق نہیں ملتی۔ ابن عساکر نے بغیر کسی توثیق کے محض اس کا تذکرہ کیا ہے۔[2]

یزید کے پاس حسین رضی اللہ عنہ کا سر لائے جانے سے متعلق ایک اور روایت مع تردید آگے آرہی ہے۔[3]

تنبیہ بلیغ:

ایک رافضی کذاب زکریا لامردی نے ابن الجوزی کے اپنے الفاظ کو ایک روایت سے جوڑ کر اس کی سند کے بارے میں یہ کہا کہ یہ سند صحیح ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سر یزید کے پاس لایا گیا، چناں چہ اس نے نقل کیا:

"أنبأ عبد الوهاب بن المبارك، قال: أنبأ أبو الحسين بن عبد الجبار، قال: أنبأ الحسين بن علي الطناجيري، (...؟...؟...؟) ثنا خالد بن خراش، قال: ثنا حماد بن زيد، عن جميل بن مرة، عن (أبي الوَضِي)، قال: نُحرتُ الإبل التى حُمل عليها رأس الحسين وأصحابه فلم يستطيعوا أكلها، كانت لحومها أمرّ من الصبر.

فلما وصلت الرؤوس إلى يزيد جلس ودعا بأشراف أهل الشام فأجلسهم حوله، ثم وضع الرأس بين يديه، وجعل ينكت بالقضيب علىٰ فيه"[4]

---

[1] المنتظم لابن الجوزي (٥/ ٣٤٣) الرد علىٰ المتعصب العنيد المانع من ذم يزيد لابن الجوزي (ص: ٥٧)

[2] دیکھیں: تاريخ دمشق لابن عساكر (١٦/ ٢٨٤)

[3] اسی کتاب کا صفحہ (٨٢٥۔ ٨٢٧) دیکھیں۔

[4] كسر أنف العنيد (ص: ٥)

''ابو الوضی کہتے ہیں کہ جن اونٹوں پر حسین رضی اللہ عنہ کا سر اور ان کے ساتھیوں کو لایا گیا، ان اونٹوں کو ذبح کیا گیا تو اُن کے گوشت کوئی نہیں کھا سکا، کیوں کہ وہ ایلوے سے بھی زیادہ کڑوے تھے اور جب مقتولین کے سر یزید کے پاس لائے گئے اور اس نے اہلِ شام کے بڑے بڑے لوگوں کو بلاکر اپنے آس پاس بٹھایا اور حسین رضی اللہ عنہ کا سر یزید کے پاس رکھا گیا تو یزید منہ میں لکڑی سے کریدنے لگا۔''

اردو ترجمہ ہماری طرف سے ہے۔ ابن الجوزی کی کتاب ''الرد علی المتعصب العنید'' (ص:٥٧) میں یہ روایت ہے۔ عرض ہے کہ روایت کے اخیر میں جو خط کشیدہ الفاظ ہیں، جن میں حسین رضی اللہ عنہ کے سر لائے جانے کی بات ہے، وہ روایت کا حصہ نہیں، بلکہ یہ ابن الجوزی کے الفاظ ہیں، جس کے لیے ابن الجوزی نے کوئی حوالہ نہیں دیا ہے اور ابن الجوزی کی دوسری کتاب ''المنتظم'' میں بالکل صراحت ہے کہ یہ ابن الجوزی کے الفاظ ہیں، چناں چہ فرمایا:

''أخبرنا عبد الوهاب بن المبارك قال: أخبرنا أبو الحسين بن عبد الجبار قال: أخبرنا الحسين بن علي الطناجيري **قال: أخبرنا عمر بن أحمد بن شاهين قال: أخبرنا أحمد بن عبد الله بن سالم قال: حدثنا علي بن سهل قال: حدثنا** خالد بن خداش قال:حدثنا حماد بن زيد، عن حميل بن مرة، عن أبي الوضي قال: نحرت الإبل التي حمل عليها رأس الحسين وأصحابه، فلم يستطيعوا أكلها، كانت لحومها أمر من الصبر.
قال مؤلف الكتاب: ولما جلس يزيد وضع الرأس بين يديه، وجعل ينكث بالقضيب على فيه...''[1]

''ابو الوضی کہتے ہیں کہ جن اونٹوں پر حسین رضی اللہ عنہ کا سر اور ان کے ساتھیوں کو لایا گیا، ان اونٹوں کو ذبح کیا گیا تو اُن کے گوشت کوئی نہیں کھا سکا، کیوں کہ وہ ایلوے سے بھی زیادہ کڑوے تھے۔ **کتاب کے مولف (ابن الجوزی) نے کہا: اور جب یزید بیٹھا اور حسین رضی اللہ عنہ کا سر یزید کے پاس رکھا گیا تو یزید منہ میں لکڑی سے کریدنے لگا۔''**

نیز ابن الجوزی کے نواسے نے بھی یہ روایت نقل کی تو اس نے اخیر میں ان الفاظ کو نقل نہیں

[1] المنتظم لابن الجوزي (٥/ ٣٤٢)

کیا، چناں چہ سبط ابن الجوزی (المتوفی ۶۵۴ھ) نے کہا:

”أنبأ غير واحد عن عبد الوهاب بن المبارك أنبأ أبو الحسين بن عبد الجبار أنبأ الحسين بن علي الطناجيري ثنا **عمر بن أحمد بن شاهين ثنا أحمد بن عبد الله بن سالم ثنا علي بن سهل** ثنا خالد بن خداش ثنا حماد بن زيد عن جميل بن مرة عن أبي الوضي و مروان بن الوضين قال: نحرت الإبل التي حمل عليها رأس الحسين وأصحابه فلم يستطيعوا أكلها، كانت لحومها أمرَّ من الصبر“[1]

”ابو الوضی کہتے ہیں کہ جن اونٹوں پر حسین رضی اللہ عنہ کا سر اور ان کے ساتھیوں کو لایا گیا، ان اونٹوں کو ذبح کیا گیا تو اُن کے گوشت کوئی نہیں کھا سکا، کیوں کہ وہ ایلوے سے بھی زیادہ کڑوے تھے۔“

یہاں پر ابن الجوزی کے نواسے نے یہی روایت اسی سند سے نقل کی ہے، لیکن اس نے اخیر میں وہ الفاظ نقل نہیں کیے، جو ابن الجوزی کی کتاب میں اس روایت کے بعد مذکور ہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس روایت کے اخیر میں جن الفاظ کو جوڑا جا رہا ہے، وہ الفاظ روایت کا حصہ نہیں ہیں، بلکہ ابن الجوزی کا اپنا کلام ہے، جس کے لیے انھوں نے کوئی دلیل نہیں دی ہے۔

اگر کوئی اب بھی ضد کرے کہ یہ الفاظ روایت ہی کا حصہ ہیں تو عرض ہے کہ اس روایت کی سند بھی صحیح نہیں، اس لیے ان الفاظ کو روایت کے ساتھ ملانے سے بھی کچھ حاصل ہونے والا نہیں۔ دراصل ابن الجوزی کی کتاب ”الرد علىٰ المتعصب العنيد“ (ص: ۵۷) میں اس روایت کی جو سند درج ہے، اس کے درمیان سے تین راویوں کے نام ساقط ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ خود ابن الجوزی ہی نے یہی روایت اپنی دوسری کتاب ”المنتظم“ میں درج کی ہے اور وہاں اس سند میں ”طناجیری“ اور ”خالد“ کے درمیان تین رواۃ یعنی ”ثنا عمر بن أحمد بن شاهين ثنا أحمد بن عبد الله بن سالم ثنا علي بن سهل“ کا سلسلہ ہے، جیسا کہ منتظم کی یہ روایت اور سند اوپر پیش کی جا چکی ہے۔

اسی طرح ابن الجوزی کے نواسے نے بھی اسی روایت کو اسی سند سے اپنی کتاب میں درج کیا

[1] تذكرة الخواص لسبط ابن الجوزي (ص: ٤٥٧)

اوراس کے یہاں بھی اس مقام پر ان تین رواۃ کا سلسلہ موجود ہے، جیسا کہ اس کی روایت بھی پیش کی جاچکی ہے۔ یاد رہے ''خالد بن خداش'' کی وفات ۲۲۴ ہجری میں ہوئی ہے،[1] جبکہ ''حسین بن علی طناجیری'' کی پیدائش ۳۵۱ھ میں ہوئی ہے۔[2]

یعنی درمیان میں ۱۲۷/ سال کا فاصلہ ہے۔سوال یہ ہے کہ حسین بن علی طناجیری نے اپنی پیدائش سے ۱۲۷/ سال قبل فوت ہونے والے شخص سے یہ بات کیسے سن لی؟ ثابت ہوا کہ یہ سند سخت منقطع ہے اور درمیان میں تین رواۃ کا واسطہ غائب ہے۔ وہ رواۃ یہ ہیں:

"عمر بن أحمد بن شاهين"، "أحمد بن عبد الله بن سالم"، "علي بن سهل"

ان میں سے ''احمد بن عبداللہ بن سالم'' کی توثیق ہمیں نہیں مل سکی اور ''علی بن سہل'' کے تعین کے بھی دلائل نہیں ملے، لہٰذا یہ روایت بھی سخت ضعیف ومردود بلکہ باطل ومن گھڑت ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اسے موضوع اور من گھڑت کہا ہے۔[3]

خلاصہ کلام یہ کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سر یزید کے پاس لایا ہی نہیں گیا، بلکہ عبیداللہ بن زیاد کے پاس لایا گیا اور عبیداللہ بن زیاد سے بھی حسین رضی اللہ عنہ کا قتل یا ان کے چہرے کی بے حرمتی ثابت نہیں ہے، اس لیے اسے سزا دینے یا معزول کرنے کی کوئی وجہ تھی ہی نہیں۔

واضح رہے کہ سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے قاتلینِ حسین سے بدلہ لینے کے لیے قتال کیا تو یہ بات تاریخ طبری وغیرہ میں ابومخنف سے مروی ہے اور یہ کذاب اور بہت بڑا جھوٹا شخص ہے۔[4]

ممکن ہے جس طرح عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بنو اُمیہ کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا اور بعد میں ان کے حکام سے قتال بھی کیا، ٹھیک اسی طرح سلیمان بن صرد نے بھی بنو اُمیہ کی مخالفت کی ہو اور ان کے حکام سے قتال کیا ہو، جسے کذابوں اور جھوٹوں نے خونِ حسین رضی اللہ عنہ کا بدلہ کہہ دیا۔ واللہ اعلم

بہرحال یہ باتیں صحیح سند سے ثابت ہی نہیں، اس لیے ناقابلِ التفات ہیں۔

---

[1] الثقات لابن حبان. ط العثمانية (٨/ ٢٢٥)

[2] تاريخ الإسلام ت بشار (٩/ ٥٨٢)

[3] البداية والنهاية، مكتبة المعارف (٨/ ٢٠١)

[4] اسی کتاب کا صفحہ (۳۵۹۔۳۶۰) دیکھیں۔

اسی طرح یہ بات بھی ثابت نہیں ہے کہ جن اہلِ کوفہ نے حسین رضی اللہ عنہ کو خطوط لکھ کر کوفہ بلایا تھا، ان میں سلیمان بن صرد بھی تھے یا یہی ان کے سرغنہ تھے۔[1] یہ بات بھی ابو مخنف اور اس جیسے کذابین ہی کی بنائی ہوئی ہے۔ ابن الجوزی نے "الرد علیٰ المتعصب العنید" (ص: ٤٨) میں اس کی ایک اور سند پیش کی ہے، لیکن وہ بھی مردود ہے، کیوں کہ اس میں اصل راوی "یونس بن ابی اسحاق ہیں" اور انھوں نے شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کا دور پایا ہی نہیں، لہٰذا حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ بلانے والوں میں سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ کا نام ثابت نہیں ہے اور یہ بات مان لینے کی صورت میں خود سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر بھی داغ لگتا ہے کہ انھوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر بلایا، لیکن عین وقت پر ان کا ساتھ چھوڑ دیا، یہاں تک کہ وہ قتل کر دیے گئے!!

دراصل یہ کام صرف کوفہ کے سبائی زادوں ہی کا تھا، لیکن انھوں نے اپنی غداری اور شرانگیزی پر پردہ ڈالنے کے لیے سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ کو بدنام کیا، انھیں حسین رضی اللہ عنہ کو بلانے والا کہا، بلکہ بلانے والوں کا سردار ظاہر کیا، تاکہ غداری اور سرکشی کا جو بھی الزام لگے، وہ انھیں پر لگے۔ ان کذابوں نے خود ہی حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا اور خود ہی قتل بھی کیا اور بعد میں جھوٹ اور مکاری سے بلانے کا الزام سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ پر ڈال دیا اور قتل کا الزام یزید کے سر ڈال دیا، تاکہ ان کا دامن ان دونوں دھبوں سے پاک ہوجائے۔

تیسرا جواب: سیاسی مجبوری (بالفرض عدمِ قصاص):

بالفرض اگر یہ مان لیا جائے کہ یزید نے قصاص نہیں لیا تو بھی محض اسے بنیاد بنا کر یزید کو مطعون نہیں کیا جاسکتا، ورنہ اس منطق سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر بھی یہ جرم عائد ہوسکتا ہے، کیوں کہ خلیفہ سوم اور دامادِ رسول عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا اور اس کے بعد خلافت سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی کے پاس تھی، لیکن علی رضی اللہ عنہ نے قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کو کوئی سزا نہ دی، بلکہ سزا دینا تو دور کی بات اس کے برعکس

---

[1] اس بات کے مکذوب ہونے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب مسلم بن عقیل کوفہ پہنچے تو سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ کے گھر نہیں ٹھہرے۔ کسی ضعیف تاریخی روایت میں بھی یہ نہیں ملتا ہے کہ مسلم بن عقیل کے کوفہ آنے کے بعد سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ نے ان کا استقبال کیا ہو یا ان کے ساتھ کسی بھی قسم کا تعاون کیا ہو۔ اگر حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ بلانے والوں میں سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ کا نام بھی ہوتا تو کوفہ میں مسلم بن عقیل کے ساتھ بھی ان کا نام آنا چاہیے، لیکن ایسا کسی ضعیف و من گھڑت روایت میں بھی ہمیں نہیں ملا۔

قاتلینِ عثمان کو عہدے عطا کیے تو کیا اس طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی نعوذ باللہ خطا کار ٹھہرے؟

یاد رہے کہ قاتلینِ عثمان سے متعلق تو علی رضی اللہ عنہ سے مطالبہ بھی ہوا کہ انھیں سزا دلوائیں۔ صاف بات یہ ہے کہ جس طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سامنے کوئی مجبوری تھی، اسی طرح یزید بن معاویہ کے سامنے بھی کوئی مجبوری ہوسکتی ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یزید کو اہلِ مدینہ اور اہلِ مکہ پر حملہ کی طاقت تھی، پھر قاتلینِ حسین رضی اللہ عنہ سے قصاص کی طاقت کیونکر نہ تھی؟ عرض ہے کہ یہی بات سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے متعلق بھی کہی جاسکتی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اہلِ جمل و اہلِ صفین پر حملہ کرنے کی طاقت تو تھی، مگر قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کارروائی کی طاقت نہ تھی؟

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عدمِ قصاص کے معاملے میں علی رضی اللہ عنہ سے موازنہ درست نہیں، کہاں علی رضی اللہ عنہ اور کہاں یزید! عرض ہے کہ پہلے یہ فیصلہ کرلیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ عمل صحیح تھا یا غلط؟ اگر غلط تھا تو بے شک یہ خیال دل میں آسکتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کی غلطی اور یزید کی غلطی میں فرق ہے۔ لیکن اگر علی رضی اللہ عنہ کا یہ عمل صحیح تھا تو ایک کام علی رضی اللہ عنہ کریں تو وہ صحیح اور عین اسی کام کو یزید کریں تو غلط، یہ کیسے؟ بلکہ عمل کی یہ یکسانیت تو یزید بن معاویہ کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں کہ انھوں نے خلیفہ راشد علی رضی اللہ عنہ کی سنت کی پیروی کی اور خلفاے راشدین کی سنت کی پیروی کا حکم صحیح حدیث میں موجود ہے۔ والحمد للہ.

ایسی صورت میں یزید بن معاویہ نے سنتِ علی رضی اللہ عنہ کی پیروی ہی تو کی ہے، اس میں اتنا زیادہ بوکھلانے کی کیا بات ہے؟ تعجب ہے کہ لوگ اسے موازنہ کا نام دیتے ہیں، گویا وہ تسلیم کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے اقدامات میں غلطی کے مرتکب ہوئے اور یہی غلطی کوئی اور دہرائے تو اس کا موازنہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہیں ہوسکتا!!

ہم کہتے ہیں کہ اگر علی رضی اللہ عنہ کے اقدامات غلط نہیں تھے تو سنجیدگی سے بتلایا جائے کہ ایک صحیح کام جسے علی رضی اللہ عنہ انجام دیں، کیا دوسرے لوگ بھی وہی صحیح کام نہیں کرسکتے! پھر اگر صحیح نہیں تو کیا غلط کاموں میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نقشِ قدم کی پیروی کی جائے؟

بہرحال اگر یہ فرض کرلیں کہ یزید نے قصاص نہیں لیا تھا تو ان کے سامنے بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی سنت اور اس طرح کی سیاسی مجبوری ہوسکتی ہے۔ کچھ لوگ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ یزید کے سامنے

وہ سیاسی مجبوریاں کیا تھیں؟ ان مجبوریوں کو بھی بتایا جائے۔

عرض ہے کہ اول تو یہی سوال سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مجبوری سے متعلق بھی اُٹھایا جاسکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ کے لوگوں ہی نے قتل کیا تھا، جیسا کہ یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے تو پھر ممکن ہے کہ قتلِ حسین رضی اللہ عنہ میں کوفہ کے ایسے بڑے بڑے لوگ شامل ہوں جن کے خلاف کارروائی سے پورے عراق میں بغاوت برپا ہونے کا خدشہ ہو اور نتیجے میں بہت بڑے پیمانے پر خونریزی کا اندیشہ ہو، لہٰذا مصلحتاً قصاص نہیں لیا گیا، تاکہ مزید جنگ وجدال کی نوبت نہ آئے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو یہ کہانی بنائی گئی ہے کہ انھوں نے خونِ حسین رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے لیے باقاعدہ جنگ کی، خود انھیں کے بارے میں یہ روایات بتلاتی ہیں کہ یہ کوفہ میں موجود اصل قاتلینِ حسین سے قصاص پر قادر نہ تھے، بلکہ ایسا کرنے پر وہ سب کی ہلاکت کا اندیشہ محسوس کر رہے تھے، چناں چہ طبری کی روایت کے مطابق جب سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے ان کے ساتھیوں نے کہا کہ چلو کوفہ کے قاتلینِ حسین سے قصاص لیں تو انھوں نے کہا:

”رويدا، لا تعجلوا، إني قد نظرت فيما تذكرون، فرأيت أن قتلة الحسين هم أشراف أهل الكوفة، وفرسان العرب، وهم المطالبون بدمه، ومتى علموا ما تريدون، وعلموا أنهم المطلوبون، كانوا أشد عليكم، ونظرت فيمن تبعني منكم فعلمت أنهم لو خرجوا لم يدركوا ثأرهم، ولم يشفوا أنفسهم، ولم ينكوا في عدوهم، وكانوا لهم جزرا“[1]

”ٹھہرو! جلد بازی مت کرو! میں نے تمھاری باتوں میں غور کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلِ کوفہ کے عزت دار اور عرب کے شہسوار لوگ ہیں اور انھیں سے حسین رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینا چاہیے، لیکن اگر انھیں پتا چل گیا کہ تمھارا کیا ارادہ ہے اور یہ کہ تم ان سے قتلِ حسین رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینا چاہتے ہو تو وہ تمھارے ساتھ بہت سختی سے پیش آئیں گے اور تم میں سے میرے ساتھ جو لوگ جمع ہیں، ان کے بارے میں غور کیا تو پتا چلا کہ اگر یہ بدلہ لینے کے لیے نکلے تو نہ بدلہ لے سکیں گے نہ اپنے دل کو سکون پہنچا سکیں گے، بلکہ الٹا اپنی جانیں گنوائیں گے۔“

[1] تاريخ الطبري (٥/ ٥٥٨- ٥٥٩)

چناں چہ پھر یہ لوگ کوفے کے اصل قاتلینِ حسین کو چھوڑ کر بے چارے عبیداللہ بن زیاد کے پیچھے پڑ گئے، جس کا جرم صرف یہ تھا کہ شہادتِ حسین کے وقت وہ کوفہ کا حاکم تھا۔ غور کریں! جب نام نہاد ہمدردوں کی یہ خیالی فوج بھی اصل قاتلوں سے قصاص لینے سے قاصر ہے تو بھلا کس منہ سے سوال کیا جاتا ہے کہ یزید کے سامنے کیا مجبوری تھی؟

نیز اگر صدائے قصاص بلند کرنے والی اس کہانی کو تسلیم کر لیا جائے تو اس میں بھی اس بات کی دلیل ہے کہ قتلِ حسین میں یزید کا ہاتھ نہ تھا، کیوں کہ ان لوگوں نے یزید کی وفات کے بعد یہ صدا بلند کی، نیز خود یہ صراحت بھی کر دی کہ قاتلینِ حسین کوفہ ہی کے بڑے بڑے لوگ ہیں!!

❀❀❀❀

باب 6

واقعۂ حرہ کی حقیقت

- پسِ منظر۔
- اصل مخالفین۔
- شامی فوج کا کردار۔
    - مسلمانوں کے قتلِ عام کا افسانہ۔
    - صحابہ کرام کے قتلِ عام کا افسانہ۔
    - مدینے میں لوٹ کھسوٹ کا افسانہ۔
    - خواتین کی عصمت دری کا افسانہ۔
    - مسجد نبوی میں اذان و نماز کے بند ہونے کا افسانہ۔
- صحابہ رضی اللہ عنہم اور اکابرینِ امت کا موقف۔

واقعہ حرہ کی حقیقت

پسِ منظر:

مدینے میں شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد جو فتنہ شروع ہوا تھا، حسن رضی اللہ عنہ کی صلح سے وہ موت کی نیند سو چکا تھا۔ پوری امت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت سے متفق ہو کر امن وسکون کا سانس لے رہی تھی اور تمام سازشی درندے اپنی اپنی کپھاؤں میں جا چھپے تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان درندوں نے پھر اپنا سر نکالا اور ازسرِ نو فتنہ انگیزی کی منصوبہ بندی کرنے لگے۔ اس بار انھوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو استعمال کرنا چاہا اور جب کامیاب نہ ہوئے تو حسین رضی اللہ عنہ ہی کو شہید کر دیا۔ شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کے بعد اسلامی حکومت پوری طرح سے چوکنا ہوگئی اور اور ہر چہار جانب کڑی نگرانی شروع ہوگئی۔ ایسے عالم میں فتنہ پردازوں نے ایک عرصہ تک خاموشی اختیار کی اور جب دیکھا کہ حالات پر سکون ہوگئے ہیں تو یہ ازسرِ نو فتنہ انگیزی کا راستہ ڈھونڈنے لگے۔

بالآخر ان کی نگاہیں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پر پڑیں، جنھوں نے شروع سے لے کر اب تک یزید کی بیعت نہیں کی تھی، لیکن انھوں نے اپنی مخالفت کو اپنی حد تک ہی محدود رکھا تھا اور حکومتِ وقت کے خلاف کوئی سرگرمی نہیں دکھا رہے تھے۔ ظالموں نے اس خاموش مخالفت ہی کو غنیمت جانا اور دور دراز سے خوارج اور فتنہ پرداز مکہ پہنچ کر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو حکومتِ وقت کے خلاف بھڑکانے لگے، بالآخر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ان کی باتوں میں آ گئے اور ان کی خاموش مخالفت ایک سرگرم تحریک بن گئی۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو ”عائذ بیت اللہ“ کا لقب دیا گیا اور اس طرح اپنی روحانی طاقت کو بیت اللہ کے سہارے محفوظ کر دیا گیا۔

اب وقت آ گیا تھا کہ کہیں سے فتنے کی آگ بھڑکانی شروع کی جائے۔ عراق جو ہمیشہ سے ان فتنہ پردازوں کا مرکز رہا ہے، وہاں پر عبیداللہ بن زیاد مسلط تھا، جو کسی بھی فتنے کو کچلنے میں ذرہ

برابر بھی رعایت نہ کرتا تھا، اس لیے ان لوگوں نے نئے فتنے کی شروعات کے لیے مدینے کا انتخاب کیا۔

شروعات انھوں نے حاکمِ مدینہ عثمان بن محمد کے ساتھیوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ سے کی۔ ابتدا میں عثمان بن محمد نے انھیں نظر انداز کیا اور انھیں نصیحت کی، لیکن یہ لوگ باز نہیں آئے، بالآخر عثمان بن محمد نے ان شرارتوں کی رپوٹ یزید کو دی اور یزید نے ان لوگوں کو سخت وارننگ دی۔ یزید کی اس تنبیہ کو ظالموں نے دوسرا رنگ دے دیا اور مدینے کے کچھ بھولے بھالے لوگوں کو بھی یزید کے خلاف بھڑکایا اور یزید پر شراب نوشی، ترکِ صلاۃ اور نہ جانے کیسے کیسے اتہامات باندھے۔ کچھ سادہ لوح مسلمان ان سے اسی طرح دھوکا کھا گئے، جیسے شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ اور جمل وصفین کے موقع پر انھیں دھوکا ہوا تھا۔

پھر کیا تھا، مدینے میں ان شرپسندوں کی ایک پوری جماعت بن گئی اور انھوں نے جھوٹ، مکاری اور چالبازی سے بعض شریف لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ اب ان سب نے مل کر یزید کی مخالفت کا اعلان کر دیا، ان کی بیعت توڑ دی، اسی پر بس نہیں، بلکہ یزید کی طرف سے مدینے پر بنائے گئے حاکم عثمان بن محمد کو ذلیل کر کے مدینے سے باہر نکال دیا، نیز بنو اُمیہ کو بھی شہر بدر کر دیا اور پورے مدینے میں خوف ودہشت کا ماحول برپا کر دیا۔

مدینے کی بے حرمتی اور اہلِ مدینہ کو خوف و دہشت میں مبتلا کرنا، یہ دشمنانِ اسلام کی کوئی پہلی حرکت نہیں تھی، بلکہ انھیں کے آبا و اجداد نے اس سے قبل عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں نہ صرف مدینے کی حرمت پامال کی، بلکہ خلیفہ وقت اور عظیم صحابی عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل بھی کر ڈالا۔ واقعہ حرہ میں بھی تقریباً یہی تاریخ دہرائی گئی۔ اصل سازش دشمنانِ اسلام کی تھی، لیکن ان درندوں کی مکاری وچالبازی سے کچھ بھولے بھولے لوگ بھی ان کے ساتھ ہوگئے۔ عین یہی حرکت ان کے آبا و اجداد نے کی تھی، چناں چہ خلیفہ وقت عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالفت میں سبائیوں کی کذب بیانی اور سازش سے بعض صحابہ مثلاً عمار بن یاسر اور ابو ذر رضی اللہ عنہ بھی متاثر ہوئے، حتیٰ کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت اور ان کے قتل تک کی سازش میں خلیفہ اول کے بیٹے محمد بن ابی بکر کو بھی ان ظالموں نے بہلا پھسلا کر اپنے ساتھ کر لیا تھا۔

اب جن کی سازش کا حال یہ ہو کہ ان کے بہکاوے میں آ کر خلیفہ اول ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بھی خلیفہ سوم عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے مخالف بن جائیں، بلکہ ان کے قتل پر بھی آمادہ ہوجائیں اور ابو ذر رضی اللہ عنہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ ان کی تحریک سے متاثر ہوجائیں، ایسے لوگوں کی سازش کا

شکار ہوکر اگر بعض افراد حاکمِ مدینہ عثمان بن محمد کے مخالف ہو جائیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

بہرحال مدینے کے بعض شر پسند اور ان سے دھوکا کھا کر بعض بھولے بھالے لوگ بھی حکومتِ وقت کے خلاف بغاوت کر بیٹھے اور یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی اور مدینے کے سرکاری حاکم کو ذلیل کرکے مدینے سے باہر نکال دیا۔ اسی پر بس نہیں، بلکہ مدینے سے بنو امیہ کو بھی نکال باہر کیا اور پورے مدینے میں خوف و دہشت کا ماحول برپا کر دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ بہت سنگین صورتِ حال تھی، مدینے میں خوف و دہشت پھیلانا کوئی معمولی جرم نہیں تھا۔ صحیح احادیث میں بھی اہلِ مدینہ کو خوف زدہ کرنے کی ممانعت ہے اور اس پر وعید وارد ہے۔ ایسے حالات میں حکومتِ وقت کی ذمے داری تھی کہ ان شر پسندوں کو کنٹرول کیا جائے اور مدینے میں امن و امان قائم کیا جائے۔

چناں چہ یزید بن معاویہ اور اکابرِ صحابہ نے انھیں سمجھایا، جس کے نتیجے میں بعض لوگ راہِ راست پر آ گئے، لیکن کچھ لوگ کسی طرح بھی راہِ راست پر آنے کے لیے تیار نہ تھے۔ یزید بن معاویہ نے انھیں متنبہ کیا کہ مدینے میں شرانگیزی اور دہشت گردی سے باز آ جائیں، ورنہ ان کے خلاف فوجی قوت استعمال کی جائے گی، لیکن اس کے باوجود بھی یہ لوگ قابو میں نہ آئے، بالآخر مجبوراً مدینے کے ان شر پسندوں کے خلاف فوجی کارروائی کی گئی، تاکہ مدینے میں خوف و دہشت کے ماحول کا خاتمہ کرکے امن و امان قائم کیا جائے اور اس کی حرمت کو بحال کیا جائے۔ اس کارروائی میں یزید بن معاویہ کی تاکید تھی کہ یہ کارروائی صرف انھیں لوگوں کے خلاف ہو، جو شرانگیزی کے اصل ذمے دار ہیں اور جو بھولے بھالے لوگ ان کے بہکاوے میں آ کر اُن کے ساتھ مل گئے ہیں، ان پر قابو پانے کے بعد انھیں معاف کر دیا جائے، کیوں کہ یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی۔[1]

اصل مخالفین:

درج ذیل امور پر غور کرنے سے اصل حقیقت یہی سامنے آتی ہے کہ واقعہ حرہ اسلامی حکومت کے خلاف ایک سازش تھی اور اس کے پیچھے اصلاً انھیں لوگوں کا ہاتھ تھا، جو ہمیشہ سے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن رہے ہیں اور جن کی سازشوں کے نتیجے میں واقعۂ حرہ سے قبل بھی کئی بار خونریزی ہوئی ہے۔ واقعۂ حرہ میں ان کا مقصد مسلمانوں کو آپس میں لڑانا اور انھیں کی تلوار سے انھیں کا خون بہانا تھا۔

[1] دیکھیں ہماری کتاب: ''حادثۂ کربلا اور سبائی سازش'' (ص: ۱۴۷ تا ۱۵۰) طبع دوم۔

۱۔ امام یعقوب بن سفیان الفسوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷) نے کہا:

”قال وهب بن جرير: قالت جويرية: حدثني ثور بن زيد عن عكرمة عن ابن عباس قال: جاء تأويل هذه الآية علىٰ رأس ستين سنة ﴿**وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا**﴾ [الأحزاب: ١٣] قال: لأعطوها يعنى إدخال بني حارثة أهلَ الشام علىٰ أهل المدينة“[1]

”عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قرآن کی اس آیت کی تفسیر ساٹھ سال کے بعد ظاہر ہوئی۔ (اور اگر مدینے کے اطراف سے ان پر (لشکر) داخل کیے جاتے، پھر ان سے فتنہ طلب کیا جاتا تو یہ ضرور اسے برپا کر دیتے) یعنی (مدینے کے) بنو حارثہ نے اہلِ شام کو اہلِ مدینہ پر داخل کر دیا۔“

مفسرِ قرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے واقعہ حرہ کے موقع پر اہلِ مدینہ کے بنوحارثہ کو جس آیت کا مصداق بتلایا ہے، وہ آیت پورے سیاق کے ساتھ یوں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿**وَ يَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ وَ مَا هِيَ بِعَوْرَةٍ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۝ وَ لَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا**﴾ [الأحزاب: ١٣۔ ١٤]

”اور ان (مدینے کے منافقین) کی ایک جماعت یہ کہہ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگنے لگی ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالاں کہ وہ (کھلے ہوئے اور) غیر محفوظ نہ تھے (لیکن) ان کا پختہ ارادہ بھاگ کھڑے ہونے کا تھا اور اگر مدینے کے اطراف سے ان پر (لشکر) داخل کیے جاتے، پھر ان سے فتنہ طلب کیا جاتا تو یہ ضرور اسے برپا کر دیتے۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مدینے کے ان منافقین کا پول کھولا ہے، جو جہاد سے پیچھے رہنے کے لیے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ بول کر یہ بہانا کرتے کہ ہمارے گھر محفوظ نہیں ہیں، حالاں کہ ایسی کوئی بات نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر اہلِ مدینہ کے مخالفین کا کوئی لشکر مدینہ پر حملہ آور ہو

---

[1] البداية والنهاية (٦/ ٢٣٣) نقلًا عن تاريخ يعقوب، ومن طريق يعقوب أخرجه البيهقي في دلائل النبوة (٦/ ٤٧٤) و إسناده صحيح، و صحح إسناده ابن كثير في البداية والنهاية (٦/ ٢٣٣) وابن حجر في فتح الباري (١٣/ ٧١)

جائے تو یہی منافقین ان کے ساتھ تعاون کریں گے۔

واقعہ حرہ کے موقع پر مدینے کے شر پسندوں نے اسی بات کا ثبوت دیا، چناں چہ جب اہلِ شام مدینے پر حملہ کرنے کے لیے پہنچے تو مدینے میں ان کا داخل ہونا مشکل معلوم ہو رہا تھا، لیکن اہلِ مدینہ ہی میں سے بنو حارثہ کے کچھ افراد نے ان کی راہنمائی کی اور مدینے کے اندر داخل ہونے میں ان کی مدد کی، تاکہ مسلمان آپس ہی میں ایک دوسرے کا خون بہائیں۔

مفسرِ قرآن عبدللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ صورت حال دیکھی تو انھوں نے قرآن کی درج بالا آیت پڑھی اور بتایا کہ اس آیت میں مدینے کے منافقین کی جو خصلت اللہ نے بتائی تھی، واقعہ حرہ کے موقع پر ان لوگوں نے اسی بات کا ثبوت پیش کیا۔

یاد رہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کو اہلِ شام پر منطبق نہیں کیا ہے، بلکہ خاص اہلِ مدینہ کے بنو حارثہ ہی پر منطبق کیا ہے، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ واقعہ حرہ میں اصل فسادی اور شر پسند مدینے ہی میں مقیم سبائی زادے تھے، جنھوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔

۲۔ امام خلیفہ بن خیاط رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۰) نے کہا:

”حدثنا وهب بن جرير قال: نا أبو عقيل الدورقي قال: سمعت أبا نضرة يحدث قال: دخل أبو سعيد الخدري يوم الحرة غارا فدخل عليه رجل، ثم خرج، فقال لرجل من أهل الشام: أدلك علىٰ رجل تقتله؟ فلما انتهى الشامي إلىٰ باب الغار، وقال لأبي سعيد، وفي عنق أبي سعيد السيف: اخرج إلي قال: لا، وإن تدخل علي أقتلك، فدخل الشامي فوضع أبو سعيد السيف، وقال: بوء بإثمي وإثمك، وكن من أصحاب النار، وذلك جزاء الظالمين، فقال: أبو سعيد الخدري أنت؟ قال: نعم، قال: فاستغفرلي، قال: غفر الله لك“[1]

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے مصاحب منذر بن مالک ابونضرہ کہتے ہیں کہ حرہ کے دن ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ایک غار میں داخل ہوگئے۔ ایک شخص غار میں ان کے پاس آیا، پھر باہر نکل گیا اور باہر نکل کر ایک شامی فوجی سے کہا: میں تمھیں ایک شخص کے بارے میں بتاتا

[1] تاريخ خليفة بن خياط (ص: ۲۳۹) و إسناده صحيح.

ہوں، تم اسے قتل کر دو! پھر جب شامی فوجی غار کے دروازے پر پہنچا تو ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے جن کے پاس تلوار تھی، کہا کہ باہر نکلو! ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں! اور اگر تم میرے پاس آؤ گے تو میں تمھیں قتل کر دوں گا۔ پھر شامی فوجی غار کے اندر داخل ہوا تو ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے تلوار رکھ دی اور کہا: میرے اور اپنے گناہ اپنے سر لاد لو اور دوزخیوں میں سے بن جاؤ، ظالموں کا یہی انجام ہے۔ (یہ سورہ مائدہ آیت: ۲۹ کا مفہوم ہے) اس کے بعد شامی فوجی بول پڑا: ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ یہ آپ ہیں؟ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: جی ہاں! اس پر شامی فوجی نے گزارش کی کہ آپ میرے لیے مغفرت کی دعا کریں! چناں چہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے دعا کی کہ اللہ تمھاری مغفرت کرے۔''

یہ صحیح روایت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اہلِ مدینہ کے گروہ میں سبائی ذریت کے افراد گھسے ہوئے تھے، جو اس فساد کے ذریعے نہ صرف عام مسلمانوں، بلکہ خود مدینے کی بزرگ شخصیات کا خون بہانا چاہتے تھے۔ غور کریں کہ جب ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ایک غار میں چھپ گئے تو مدینہ ہی کا ایک فتنہ پرداز شخص آپ کے اس خفیہ مقام سے نہ صرف شامی فوجی کو آگاہ کر رہا ہے، بلکہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر پردہ ڈالتے ہوئے شامی فوجی کو ان کے قتل پر اُکسا رہا ہے۔ وہ تو بھلا ہوا کہ شامی فوجی ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو پہچان گیا، ورنہ مدینے کے اس سبائی زادے نے شامی فوجی کے ہاتھوں ایک عظیم صحابی کا قتل کروا ہی دیا ہوتا۔

۳۔ اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ شروع ہی سے ایک گروہ ہمیشہ مسلمانوں کو آپس میں لڑاتا رہا ہے۔ قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ، جنگِ جمل، جنگِ صفین، شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ ان سب کے پیچھے انھیں کا ہاتھ تھا۔ اس لیے ممکن نہیں کہ واقعہ حرہ کے فساد کا ذمے دار کوئی اور ہو، بلکہ یہ بھی اسی سلسلے ہی کی ایک کڑی ہے۔[1]

۴۔ واقعہ حرہ میں فساد اور اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کے لیے جو سبب پیش کیا گیا، وہ یہ تھا کہ یزید زانی، شرابی اور بدکار ہو گیا ہے، حالاں کہ یزید کے بارے میں ان میں سے کوئی بات ثابت نہیں ہے۔ کسی بھی صحابی نے ان باتوں کی شہادت دی ہے نہ ان خرافات کی تصدیق ہی

[1] تفصیل کے لیے ہماری کتاب ''حادثہ کربلا اور سبائی سازش'' (ص: ۷ تا ۲۰) طبع دوم۔

کی، بلکہ صحابہ وسلف نے یزید کی تعریف ہی کی ہے، بلکہ یزید کا دفاع بھی کیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ یزید سے متعلق زنا کاری و شراب نوشی والی بات محض کذب اور جھوٹ ہے اور خیرالقرون کے مسلمان غلط فہمی کا شکار ہو کر غلط رائے کے شکار تو ہو سکتے ہیں، لیکن جھوٹ بولنا اور بہتان تراشی کرنا، یہ ان کا کام ہرگز نہیں ہوسکتا، اس لیے لازمی طور پر یہ دشمنانِ اسلام ہی کی کارستانی تھی اور یہی چیز واقعہ حرہ میں بغاوت کی بنیاد تھی، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس بغاوت کے پیچھے بھی اصل انھیں دشمنان اسلام کا ہاتھ تھا، جنھوں نے یہ بہتان تراشیاں کیں اور لوگوں کو اسلامی حکومت کے خلاف ورغلایا۔

۵۔ واقعہ حرہ کے بعد اہلِ شام کے کردار سے متعلق جو خرافات وضع کی گئی ہیں، خیرالقرون کا کوئی بھی مسلمان اتنا بڑا جھوٹ نہیں بول سکتا ہے، پھر سوال یہ ہے کہ یہ جھوٹ کس نے بولا؟ ظاہر ہے کہ یہ جھوٹ انھیں کی طرف سے ہوسکتا ہے، جو اس پورے فتنے کے ذمے دار ہیں، یعنی منافق سبائی زادے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے بھی جھوٹ منافقوں کی خاص نشانی بتائی ہے، ان منافقوں نے اپنی اسی خصلت کو بروئے کار لاتے ہوئے واقعہ حرہ میں خود فساد برپا کیا اور پھر واقعہ حرہ کی ایک جھوٹی داستان لوگوں کے سامنے پیش کر دی، ان کا سابقہ ریکارڈ بھی ان کے اسی طرزِ عمل پر شاہد ہے کہ خود فتنہ برپا کرو اور بعد میں جھوٹ اور بہتان تراشی کرتے ہوئے سارا الزام دوسرے کے سر ڈال دو۔

الغرض واقعہ حرہ اسلامی حکومت کے خلاف ایک سازش تھی، جس کے اصل ذمے دار دشمنانِ اسلام ہی تھے، جنھوں نے مسلمانوں کو آپس میں لڑایا اور بعد میں اس کی جھوٹی داستان اپنی طرف سے وضع کر کے لوگوں میں پھیلا دی۔ واقعہ حرہ میں اسلامی حکومت اور بالخصوص بنو اُمیہ کے خلاف سازش تھی۔ یہ مدینے کا کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے، بلکہ اس سے قبل اسی مدینے میں بنو اُمیہ کے پہلے خلیفہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی گئی اور صرف مخالفت ہی نہیں، بلکہ انھیں قتل تک کر دیا گیا۔ دکتور شیبانی لکھتے ہیں:

"والحقيقة أن محاصرة الأمويين من قبل أهل المدينة ذكّرت أهل الشام بمحاصرة الثوار للخليفة عثمان في المدينة"[1]

---

[1] مواقف المعارضة (ص: ٥٧٤)

”حقیقت یہ ہے کہ اہلِ مدینہ کی طرف سے امویوں کے خلاف محاصرے نے اہلِ شام کو یاد دلا دیا کہ اسی مدینے میں خلیفہ سوم عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بھی محاصرہ کیا گیا تھا۔“

قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت بھی اصل سازشی سبائی درندے ہی تھے، لیکن ان کی ذریت نے تاریخی روایات وضع کر کے اُمتِ مسلمہ کی اگلی نسل کو یہ بتلانے کی کوشش کی کہ مدینے میں عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت بالکل بجا تھی، انھوں نے عہدۂ خلافت کا ناجائز استعمال کیا، بدعتیں ایجاد کیں اور دینِ اسلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو بدل ڈالا اور ان گنت گھناؤنے جرائم کا ارتکاب کیا تو عثمان رضی اللہ عنہ کی اس بے دینی اور بے راہ روی کی وجہ سے مدینے کی بزرگ شخصیات، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا، طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ نے دین کو بچانے کی خاطر عثمان رضی اللہ عنہ کی زبردست مخالفت کی۔ عثمان کی مخالفت کرنے والے یہ سارے حضرات نہ صرف بزرگی کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، بلکہ سب کے سب جلیل القدر صحابہ تھے، بلکہ ان سب کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت مل گئی تھی۔ لہٰذا مدینے کی ان مقدس ہستیوں نے مدینے کو عثمان رضی اللہ عنہ کے شر سے بچانے اور دین اسلام کے تحفظ کی خاطر عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت چھوڑنے کے لیے کہا اور جب وہ نہ مانے تو انھوں نے عثمان رضی اللہ عنہ سے قتال کیا اور اللہ نے دین وسنت کے بدلنے والے عثمان رضی اللہ عنہ کو ہلاک کیا۔ نعوذ باللہ من هذه الأكاذيب.

اب آیئے اس سلسلے کی کچھ روایات دیکھتے ہیں۔

✿ امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۰) نے کہا:

”حدثني جعفر بن عبد الله المحمدي، قال: حدثنا عمرو، عن محمد ابن إسحاق بن يسار المدني، عن عمه عبد الرحمن بن يسار، أنه قال: لما رأى الناس ما صنع عثمان، كتب من بالمدينة من أصحاب النبي ﷺ إلىٰ من بالآفاق منهم، وكانوا قد تفرقوا في الثغور: إنكم إنما خرجتم أن تجاهدوا في سبيل الله عز وجل، تطلبون دين محمد ﷺ، فإن دين محمد قد أفسد من خلفكم وترك، فهلموا فأقيموا دين محمد ﷺ. فأقبلوا من كل أفق حتى قتلوه“[1]

”جب اہلِ مدینہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے کرتوت دیکھے تو اہلِ مدینہ نے ان صحابہ کو، جو جہاد

---

[1] تاريخ الطبري (٤/ ٣٦٧) و إسناده ضعيف.

کے لیے مختلف علاقوں میں بکھرے تھے، خط لکھا کہ آپ لوگ اللہ کی راہ میں اور دینِ محمد ﷺ کی خاطر جہاد کے لیے نکلے ہو اور یہاں (مدینے میں) آپ لوگوں کے جانے کے بعد دینِ محمد ﷺ تباہ و برباد ہو گیا ہے، اس لیے آپ لوگ واپس (مدینہ) آ جائیں اور دینِ محمد کو بچائیں، چناں چہ ہر چہار جانب سے صحابہ کرام واپس آئے اور عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر ڈالا۔"

دیکھیں! کس طرح یہ روایت بتلاتی ہے کہ مدینے میں عثمان رضی اللہ عنہ کی جو مخالفت ہوئی تھی، یہ صحابہ ہی کی طرف سے ہوئی تھی اور صحابہ ہی نے عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل کیا، بلکہ اگلی روایت دیکھیں، جو بتلاتی ہے کہ صرف صحابہ ہی نہیں، بلکہ صحابہ میں بھی افضل ترین جماعت مہاجرین و انصار نے عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی ہے۔

❁ چناں چہ ابن عبد ربہ الاندلسی (المتوفی: ۳۲۸) نے کہا:

"الرياشي عن الأصمعي قال: كان القواد الذين ساروا إلىٰ المدينة في أمر عثمان أربعة: عبد الرحمن بن عديس البلويّ، وحكيم بن جبلة العبدي، والأشتر النخعي، وعبد الله بن بديل الخزاعي، فقدموا المدينة فحاصروه، وحاصره معهم قوم من المهاجرين والأنصار حتىٰ دخلوا عليه فقتلوه"[1]

"عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے لیے چار لوگ مدینے آئے: عبدالرحمٰن بن عدیس البلوی رضی اللہ عنہ، حکیم بن جبلہ العبدی رضی اللہ عنہ، اشتر نخعی اور عبداللہ بن بدیل الخزاعی۔ یہ لوگ مدینے آئے اور عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کر لیا اور ان کے ساتھ مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت نے بھی محاصرہ کیا، پھر یہ لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے اور انھیں قتل کر ڈالا۔"

صرف عام مہاجرین و انصار نہیں، بلکہ ان میں اعلیٰ فضیلت والے بلکہ دنیا ہی میں جنت کی بشارت یافتہ صحابہ کرام کو عثمان رضی اللہ عنہ کا مخالف اور ان کا قاتل کہا گیا ہے۔

❁ چناں چہ امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۰) نے کہا:

---

[1] العقد الفريد (٥/ ٣٨) و إسناده ضعيف.

”فيما ذكر نصر بن مزاحم، عن سيف، عن سهل بن يوسف، عن القاسم بن محمد، قال...وأقبل غلام من جهينة علىٰ محمد بن طلحة ـوكان محمد رجلا عابداـ فقال: أخبرني عن قتلة عثمان! فقال: نعم، دم عثمان ثلاثة أثلاث، ثلث علىٰ صاحبة الهودج ـيعنى عائشةـ وثلث علىٰ صاحب الجمل الأحمر ـيعني طلحةـ وثلث علىٰ علي بن أبي طالب“[1]

”جہینہ کا ایک شخص محمد بن طلحہ کے پاس آیا اور محمد بن طلحہ بہت عبادت گزار شخص تھے۔ ان سے اس شخص نے کہا: مجھے قاتلینِ عثمان کے بارے میں بتاؤ؟ تو انھوں نے جواب دیا: جی ہاں! عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی ذمے داری تین لوگوں پر ہے۔ ایک تہائی ذمے داری تو اس (اونٹ کے) ہودج والی، یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا پر ہے اور ایک تہائی ذمے داری سرخ اونٹ والے پر یعنی میرے والد طلحہ رضی اللہ عنہ پر ہے اور ایک تہائی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر ہے۔“

دیکھیں! کس طرح اس روایت میں مومنین کی ماں عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر مبشر بالجنہ صحابہ کرام کو عثمان رضی اللہ عنہ کا مخالف اور ان کا قاتل کہا گیا ہے۔ بلکہ ایک روایت میں چشم دید گواہ یعنی عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی سے یہ بات کہلوائی گئی ہے کہ اہلِ مدینہ کے صحابہ کرام اور بزرگ ہستیوں ہی نے عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی اور ان کا خون بہایا۔

❁ چناں چہ ابن عبد ربہ الاندلسی (المتوفی: ۳۲۸) نے کہا:

”عن أبي مخنف عن نمير بن وعلة عن الشعبى، أن نائلة بنت الفرافصة امرأة عثمان بن عفان كتبت إلىٰ معاوية كتابا...من نائلة بنت الفرافصة إلىٰ معاوية بن أبي سفيان؛ أما بعد،... وإني أقص عليكم خبره؛ إني شاهدة أمره كلّه۔ إن أهل المدينة حصروه في داره، ويحرسونه ليلهم ونهارهم قياما علىٰ أبوابه بالسلاح، يمنعونه كل شيء قدروا عليه، حتى منعوه الماء؛ فمكث هو ومن معه خمسين ليلة، وأهل مصر قد أسندوا أمرهم إلىٰ علي، ومحمد بن أبي بكر، وعمار بن ياسر، وطلحة

[1] تاريخ الطبري (٤/ ٤٦٥) و إسناده ضعيف.

والزبير، فأمروهم بقتله"[1]

"(عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی) نائلہ بنت فرافصہ رضی اللہ عنہا نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ میں تمھیں قتلِ عثمان کا واقعہ بتلاتی ہوں۔ میں پورے واقعہ کے وقت موجود تھی، اہلِ مدینہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے گھر میں گھیر لیا اور چوبیس گھنٹے دروازے پر پہرا لگا دیا۔ پچاس دن تک ان مدینے والوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں کوئی چیز داخل نہیں ہونی دی، حتیٰ کہ انھیں پانی سے بھی محروم کر دیا اور لوگوں نے اپنا یہ سارا معاملہ علی رضی اللہ عنہ، محمد بن ابی بکر، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ پر چھوڑ دیا اور انھوں نے لوگوں کو عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دے دیا۔"

یہ چشم دید گواہ کی گواہی ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے ذمے دار اہلِ مدینہ کی عظیم شخصیات ہیں اور انھوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کی اس حد تک مخالفت کی کہ انھیں قتل کر کے ہی دم لیا۔ یہ صرف بطورِ نمونہ چند روایات ہیں۔ اگر ہم اہلِ سنت ہی کی کتب سے صرف وہ روایات یکجا کر دیں، جن میں مدینے میں فساد، عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت اور ان کے قتل کا الزام صحابہ کرام پر لگایا گیا ہے تو بلامبالغہ ایک کتاب تیار ہو جائے گی اور یہ سب کچھ اسلام دشمنی اور بالخصوص بنو اُمیہ کی دشمنی میں ہوا۔

چناں چہ امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۷۱) نے کہا:

"أخبرنا أبو بكر محمد بن الحسين الفرضي نا أبو الحسين محمد بن علي بن المهتدي أنا أبو الحسن علي بن عمر الحربي نا أبو حامد محمد بن هارون نا عبد الرحمن بن حبيب نا أحمد بن معاوية بن بكر الباهلي نا إسماعيل بن مجالد عن بيان بن بشر عن قيس بن أبي حازم قال: أخبرني من دخل علىٰ طلحة بن عبيد الله، وعثمان محصور، وهو مستلق علىٰ سريره فقال: ألا تخرج فتنهى عن قتل هذا الرجل؟ قال: لا والله حتى تؤتى بنو أمية الحق من أنفسها"[2]

"قیس کہتے ہیں کہ عثمان کے محاصرے کے دوران ایک آدمی طلحہ سے ملنے آیا اور وہ اپنی چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے، اس شخص نے طلحہ رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ باہر نکل کر لوگوں کو

[1] العقد الفريد (٥/ ٥١) و إسناده ضعيف.

[2] تاريخ دمشق لابن عساكر (٣٩/ ٤٠٢) و إسناده ضعيف.

عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل سے نہیں روکیں گے؟ تو طلحہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نہیں! اللہ کی قسم! تب تک نہیں جب تک بنو اُمیہ خود اس حق سے دست بردار نہ ہوجائیں۔''

غور کریں! اسلامی خلیفہ اور بنو اُمیہ کو بدنام کرنے کی خاطر کیسی کیسی بے ہودہ باتیں گھڑی گئیں؟ یہ سب کچھ سبائی ذہنیت ہی کی اختراع ہے، ان درندوں نے خود ہی سازش رچائی، بھولے بھالے لوگوں کو عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بھڑکایا اور بالآخر عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر ڈالا اور یہ سب کچھ خود کرنے کے بعد جھوٹ اور مکاری کا سہارا لیتے ہوئے اس پورے فساد کی ذمے داری اہلِ مدینہ پر ڈال دی اور وہ بھی اہلِ مدینہ کی بزرگ شخصیات اور مبشر بالجنہ صحابہ کرام پر!!

ٹھیک ٹھیک ایسا ہی سب کچھ واقعہ حرہ میں بھی ہوا۔ اصل سازش سبائی ذریت نے رچائی اور مکاری اور چالاکی سے کچھ بھولے بھالے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کھڑی کر کے مدینے میں قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ جیسا ماحول برپا کر دیا اور بعد میں ان کی ذریت نے واقعہ حرہ کی الگ داستان وضع کی اور بغاوت اور فساد کو جہاد کا نام دے کر اس کی ساری ذمے داری اہلِ مدینہ کی بزرگ شخصیات پر ڈال دی۔ بالکل ویسے ہی جیسے اس سے قبل ان کے آبا و اجداد نے اسی شہر مدینے میں فساد برپا کر کے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور اس کارروائی کو جہاد سے بھی افضل بتا کر اس کی ساری ذمے داری مدینے کے جلیل القدر صحابہ پر ڈال دی۔

جو لوگ سبائیوں کی وضع کردہ داستانِ حرہ پر ایمان رکھتے ہیں، ان حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ انھیں مکاروں نے قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کی جو داستان سنائی ہے، اس پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ ایسا بھی نہیں ہے کہ قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کی داستان کہیں اور بیان کی جارہی ہے، بلکہ یہ داستان بھی اہلِ سنت کی بعینہٖ انھیں کتب میں درج ہے، جن میں واقعہ حرہ کا بیان درج ہے۔

اگر ان کتابوں میں بیان کی گئی قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کی داستان معتبر نہیں ہے تو انھیں کتابوں میں موجود واقعہ حرہ کی جھوٹی کہانیاں کیسے معتبر ہوگئیں؟

ویسے ہم یہ بات آج کی سبائیت زدہ نسل سے کہہ رہے ہیں، لیکن اگر سبائیوں کی حمایت اور بنو اُمیہ کے ساتھ دشمنی میں ایسے ہی انصاف کا خون ہوتا رہا ہے تو کوئی بعید نہیں کہ ان کی آنے والی نسلیں اہلِ مدینہ کی طرف سے عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کو بھی جہاد کہنے لگ جائیں اور عثمان رضی اللہ عنہ پر بھی ویسے ہی الزامات لگانا شروع کر دیں، جس طرح یزید بن معاویہ پر الزامات لگاتے جارہے ہیں۔

شامی فوج کا کردار:

کہا جاتا ہے کہ واقعہ حرہ میں یزید کے حکم سے شامی فوج نے مدینے کی حرمت پامال کی۔ عرض ہے کہ یزید نے مدینے کی حرمت پامال نہیں کی، بلکہ یزید نے تو مدینے کی حرمت بحال کی ہے۔ مدینے کی حرمت کو تو سبائیوں نے پامال کیا تھا، جنھوں نے مدینے میں دہشت پھیلا کر عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا، پھر انھیں کی ذریت نے اپنے آبا و اجداد کی تاریخ دہرانی چاہی اور ایک بار پھر مدینے کی حرمت پامال کرکے اہلِ مدینہ کو خوف و دہشت میں مبتلا کر دیا، لیکن اس بار انھیں منہ کی کھانی پڑی، کیوں کہ یزید بن معاویہ نے انھیں سبق سکھا دیا اور مدینے میں جاری ان کی دہشت گردی کو ختم کرکے مدینے کی عزت وحرمت بحال کر دی۔

یزید بن معاویہ کی یہ کارروائی مدینے کی بزرگ شخصیات کے خلاف نہ تھی، بلکہ یہ کارروائی تو ان شرپسندوں کے خلاف تھی، جو اسلامی حکومت کے خلاف سازش کر رہے تھے اور انھوں نے جھانسا دے کر کچھ بھولے بھالے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور اصل کردار انھیں کا تھا۔

تاہم اگر یہ بھی تسلیم کرلیں کہ مدینے کے مخالفین سب کے سب اہلِ خیر ہی تھے تو بھی ان کی بغاوت بلاوجہ تھی، اس لیے اس فتنے کو ختم کرنے کے لیے ان پر کارروائی کی گئی تو یہ قطعاً کوئی جرم نہیں ہے۔ بلکہ یزید نے تو اہلِ مدینہ کے ساتھ وہی کیا، جو اس سے قبل سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ جمل و اہلِ صفین کے ساتھ کیا۔ یاد رہے کہ عام طور سے اہلِ جمل وصفین کے خلاف سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کارروائی کو برحق بتلایا جاتا ہے اور ان کے مخالفین کو اجتہادی خطا کا مرتکب گردانا جاتا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ بالکل یہی معاملہ یہاں بھی ہے۔ اہلِ مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ دی، جو سبائی ذریت کی سازش تھی اور جو بھلے لوگ ان کے بہکاوے میں آ گئے تھے، ان کی اجتہادی غلطی تھی، پھر یزید بن معاویہ نے انھیں بہت سمجھایا، لیکن وہ نہ مانے تو مجبوراً یزید کو ان کے خلاف فوجی قوت استعمال کرنی پڑی۔ اب اس میں یزید کا کیا قصور ہے؟

اگر اہلِ جمل وصفین کے خلاف علی رضی اللہ عنہ فوجی قوت استعمال کر سکتے ہیں تو اہلِ مدینہ کے خلاف یزید فوجی قوت کیوں نہیں استعمال کر سکتے؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس معاملے میں علی رضی اللہ عنہ سے موازنہ درست نہیں، کہاں علی رضی اللہ عنہ اور کہاں یزید!

عرض ہے کہ پہلے یہ فیصلہ کرلیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ عمل صحیح تھا یا غلط؟ اگر غلط تھا تو بے شک یہ خیال دل میں آ سکتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی غلطی اور یزید کی غلطی میں فرق ہے، لیکن اگر علی رضی اللہ عنہ کا یہ عمل صحیح تھا تو ایک کام علی رضی اللہ عنہ کریں تو وہ صحیح اور عین اسی کام کو یزید کریں تو غلط، یہ کیسے؟ بلکہ عمل کی یہ یکسانیت تو یزید بن معاویہ کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں کہ انھوں نے خلیفہ راشد علی رضی اللہ عنہ کی سنت کی پیروی کی اور خلفاے راشدین کی سنت کی پیروی کا حکم صحیح حدیث میں موجود ہے۔ والحمد للہ.

ایسی صورت میں یزید بن معاویہ نے سنت علی رضی اللہ عنہ کی پیروی ہی تو کی ہے! اس میں اتنا زیادہ بوکھلانے کی کیا بات ہے۔ تعجب ہے کہ لوگ اسے موازنہ کا نام دیتے ہیں، گویا وہ تسلیم کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ اپنے اقدامات میں غلطی کے مرتکب ہوئے اور یہی غلطی کوئی اور دہرائے تو اس کا موازنہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔

ہم کہتے ہیں اگر علی رضی اللہ عنہ کے اقدامات غلط نہیں تھے تو سنجیدگی سے بتلایا جائے کہ ایک صحیح کام جسے علی رضی اللہ عنہ انجام دیں، کیا دوسرے لوگ بھی وہی صحیح کام نہیں کرسکتے! پھر اگر صحیح نہیں تو کیا غلط کاموں میں علی رضی اللہ عنہ کے نقشِ قدم کی پیروی کی جائے؟

یاد رہے کہ اہلِ جمل و اہلِ صفین جن کے خلاف علی رضی اللہ عنہ نے فوجی قوت استعمال کی تھی، وہ ان اہلِ مدینہ سے کئی گنا افضل و بہتر تھے، جن کے خلاف یزید نے فوجی قوت استعمال کی تھی۔ اگر اہلِ جمل وصفین اس درجہ افضل ہونے کے باوجود بھی ان کے خلاف علی رضی اللہ عنہ فوجی قوت استعمال کرسکتے ہیں تو اہلِ مدینہ فضل وشرف میں ان سے کم تر ہیں، ان کے خلاف یزید فوجی قوت کیوں نہیں استعمال کر سکتے؟ ہم تو کہتے ہیں کہ یزید نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی کے نقشِ قدم کی پیروی کی اور علی رضی اللہ عنہ ہی کی سنت کو دہرایا تھا۔

جہاں تک اس کارروائی میں شامی فوج کے کردار کی بات ہے تو درج ذیل صحیح روایت ملاحظہ فرمائیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یزید کی طرف سے کارروائی کا حکم صرف انھیں لوگوں کے خلاف تھا، جو فتنے کے اصل ذمے دار تھے اور جو لوگ شرپسندوں کے بہکاوے میں آ کر ان کے ساتھ ہوگئے تھے، ان کے بارے میں یزید کی طرف سے معافی اور درگزر کا حکم تھا۔

چناں چہ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) نے امام مدائنی کی روایت مع سند نقل کرتے ہوئے کہا:

وقال المدائني عن إبراهيم بن محمد، عن عمرو بن دينار: حدثني محمد بن علي بن الحسين، عن أبيه قال: لما قتل الحسين، دخلنا الكوفة، فلقينا رجل، فدخلنا منزله فألحفنا، فنمت، فلم أستيقظ إلا بحس الخيل في الأزقة، فحملنا إلىٰ يزيد، فدمعت عينه حين رآنا، وأعطانا ما شئنا، وقال لي: إنه سيكون في قومك أمور، فلا تدخل معهم في شيئ، فلما كان من أهل المدينة ما كان، كتب مع مسلم بن عقبة كتابا فيه أماني، فلما فرغ مسلم من الحرة بعث إلي، فجئته، وقد كتبت وصيتي، فرمىٰ إلي بالكتاب، فإذا فيه: استوص بعلي بن الحسين خيرا، وإن دخل معهم في أمرهم فأمنه واعف عنه، وإن لم يكن معهم فقد أصاب وأحسن"[1]

"علی بن حسین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب حسین رضی اللہ عنہ قتل کر دیے گئے تو ہم کوفہ پہنچے، تو ہم سے ایک آدمی نے ملاقات کی تو ہم اس کے گھر داخل ہوئے، اس نے ہمارے سونے کا بندوبست کیا اور میں سو گیا۔ پھر گلیوں میں گھوڑوں کی آواز سے میری نیند کھلی، پھر ہم یزید بن معاویہ کے پاس پہنچائے گئے تو جب یزید بن معاویہ نے ہمیں دیکھا تو ان کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں، یعنی وہ رو پڑے، پھر انھوں نے ہمیں وہ سب کچھ دیا، جو ہم نے چاہا اور مجھ سے کہا: آپ کے یہاں کچھ معاملات پیش آئیں گے، آپ ان لوگوں کے کسی معاملے میں شرکت مت کیجیے گا۔ پھر جب اہلِ مدینہ کی طرف سے یزید کی مخالفت ہوئی تو مسلم بن عقبہ کو یزید بن معاویہ نے خط لکھا، جس میں انھوں نے مجھے امان دی اور جب مسلم حرہ کے واقعہ سے فارغ ہوئے تو مجھے بلوایا تو میں ان کے پاس حاضر ہوا اور میں اپنی میری وصیت لکھ چکا تھا تو انھوں نے مجھے وہ خط دیا، اس میں لکھا ہوا تھا: علی بن حسین کے ساتھ خیر کا معاملہ کرنا۔ اگر وہ اہلِ مدینہ کے معاملے میں شریک ہوجائیں

[1] تاريخ الإسلام. ت: بشار (٢/ ٥٨٣) نقلًا عن المدائني، و إسناده صحيح.

تو بھی انھیں امان دینا اور انھیں معاف کر دینا اور اگر وہ ان کے ساتھ شریک نہ ہوئے تو یہ انھوں نے بہت اچھا اور بہتر کیا۔''

اس روایت کی سند صحیح ہے، اس کی سند پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔[1]

اس صحیح روایت کی روشنی میں شامی فوج کے لیے یزید کا حکم صرف یہی تھا کہ اصل شر پسندوں کے خلاف کارروائی کی جائے اور جن لوگوں کو بہکایا گیا ہے، ان پر قابو پانے کے بعد انھیں معاف کر دیا جائے اور جن لوگوں نے مخالفت میں حصہ نہیں لیا ہے، ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے، بلکہ انھیں تحفظ فراہم کیا جائے۔ شامی فوج کی کارروائی کا ماحصل صرف اور صرف یہی تھا، جیسا کہ یہ صحیح روایت بتلاتی ہے۔ لیکن سبائی ذریت نے نمک مرچ لگا کر اس واقعے کو خوب بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔ ایسی ایسی باتیں اور ایسے ایسے اتہامات گھڑے، جن کا وقوع حقیقت کی دنیا میں محال اور ناممکن ہے۔ جس طرح واقعہ کربلا کو ان لوگوں نے افسانہ بنا دیا، ان گنت جھوٹ اور بہتان اس واقعے میں شامل کر دیے، ٹھیک اسی طرح واقعہ حرہ میں بھی ان لوگوں نے اکاذیب واباطیل کا بہت بڑا حصہ شامل کر دیا۔

آگے ہم چند مشہور اتہامات کی تردید پیش کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے قتلِ عام کا افسانہ:

کہا جاتا ہے کہ واقعہ حرہ میں شامی فوج کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتلِ عام ہوا اور بعض نے مقتولین کی تعداد دس ہزار بتلائی ہے۔

عرض ہے کہ واقعہ حرہ میں بے شک قتل وخونریزی ہوئی، جس طرح جنگِ جمل و جنگِ صفین میں قتل وخون ریزی ہوئی، لیکن ان میں سے کسی بھی واقعہ میں اس قدر خون ریزی نہیں ہوئی ہے، جس قدر تاریخ کی غیر معتبر روایات ہم کو بتلاتی ہے۔ جس طرح ظالموں نے جمل وصفین کے مقتولین کی تعداد میں اس قدر مبالغہ کیا کہ بعض نے یہ تعداد تقریباً لاکھوں تک پہنچا دی، اسی طرح واقعہ حرہ میں بھی مقتولین کی تعداد کے بیان میں حد درجہ مبالغے سے کام لیا گیا ہے۔ قارئین غور کریں کہ جو رواۃ جمل وصفین کے مقتولین کی تعداد لاکھوں تک پہنچا سکتے ہیں، وہ اگر حرہ کی مقتولین کی تعداد دس ہزار بتلائیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۳۳۸-۳۴۳) دیکھیں۔

بہرحال جب ہم اس سلسلے کی روایات کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں تو نتیجہ یہ سامنے آتا ہے کہ حرہ کے مقتولین کی تعداد بتانے والی کوئی ایک بھی روایت صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔ اس لیے کوئی بھی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ واقعہ حرہ میں کتنے لوگ قتل کیے گئے؟

ذیل میں ہم اس سلسلے میں پیش کی جانے والی چند روایات کی حقیقت بیان کرتے ہیں۔

❀ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۳) نے کہا:

”حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ، عَنِ الْمُشَعَّثِ بْنِ طَرِيفٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الصَّامِتِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: كَيْفَ أَنْتَ يَا أَبَا ذَرٍّ وَمَوْتًا يُصِيبُ النَّاسَ حَتَّى يُقَوَّمَ الْبَيْتُ بِالْوَصِيفِ؟ ۔يَعْنِي الْقَبْرَ۔ قُلْتُ: مَا خَارَ اللَّهُ لِي وَرَسُولُهُ ۔أَوْ قَالَ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ۔ قَالَ: تَصَبَّرْ. قَالَ: كَيْفَ أَنْتَ، وَجُوعًا يُصِيبُ النَّاسَ، حَتَّى تَأْتِيَ مَسْجِدَكَ فَلَا تَسْتَطِيعَ أَنْ تَرْجِعَ إِلَى فِرَاشِكَ، وَلَا تَسْتَطِيعَ أَنْ تَقُومَ مِنْ فِرَاشِكَ إِلَى مَسْجِدِكَ؟ قَالَ: قُلْتُ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ ۔أَوْ مَا خَارَ اللَّهُ لِي وَرَسُولُهُ۔ قَالَ: عَلَيْكَ بِالْعِفَّةِ، ثُمَّ قَالَ: كَيْفَ أَنْتَ، وَقَتْلًا يُصِيبُ النَّاسَ حَتَّى تُغْرَقَ حِجَارَةُ الزَّيْتِ بِالدَّمِ؟ قُلْتُ: مَا خَارَ اللَّهُ لِي وَرَسُولُهُ، قَالَ: الْحَقْ بِمَنْ أَنْتَ مِنْهُ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا آخُذُ بِسَيْفِي، فَأَضْرِبَ بِهِ مَنْ فَعَلَ ذَلِكَ؟ قَالَ: شَارَكْتَ الْقَوْمَ إِذًا، وَلَكِنِ ادْخُلْ بَيْتَكَ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ فَإِنْ دُخِلَ بَيْتِي؟ قَالَ: إِنْ خَشِيتَ أَنْ يَبْهَرَكَ شُعَاعُ السَّيْفِ، فَأَلْقِ طَرَفَ رِدَائِكَ عَلَى وَجْهِكَ، فَيَبُوءَ بِإِثْمِهِ وَإِثْمِكَ، فَيَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ“[1]

”صحابی رسول ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابو ذر! اس وقت تمھارا کیا حال ہوگا، جب لوگوں پر موت طاری ہوگی (وبا طاعون وغیرہ کی وجہ سے) حتیٰ کہ قبر کی قیمت غلام کے برابر ہوگی۔ میں نے عرض کی: جو اللہ اور اللہ کے رسول کو ہی علم ہے (کہ کیا کرنا چاہیے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبر کرنا اور فرمایا: اس

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٣٩٥٨)

وقت تمھاری کیا حالت ہوگی، جب لوگوں پر بھوک طاری ہوگی، حتیٰ کہ تم مسجد آؤ گے تو واپس اپنے بستر (گھر) تک جانے کی ہمت و استطاعت نہ ہوگی اور بستر سے اُٹھ کر مسجد نہ آسکو گے۔ میں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے (کہ اس وقت کیا کرنا چاہیے) یا کہا کہ (وہ کروں گا) جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ میرے لیے پسند فرمائیں۔ فرمایا: اس وقت حرام سے بچنے کا خصوصی اہتمام کرنا۔ پھر فرمایا: اس وقت تمھاری کیا حالت ہوگی، جب لوگوں کا قتلِ عام ہوگا، یہاں تک کہ ''حِجَارَةُ الزَّيْت'' (مدینے میں ایک جگہ کا نام ہے) خون میں ڈوب جائے گا۔ میں نے عرض کی کہ جو اللہ اور اس کے رسول میرے لیے پسند کریں۔ فرمایا: تم جن لوگوں میں سے ہو، انھی کے ساتھ مل جانا میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا میں اپنی تلوار لے کر ایسا (قتل عام) کرنے والوں کو نہ ماروں؟ فرمایا: پھر تو تم بھی ان (فتنہ کرنے والوں) میں شریک ہو جاؤ گے، اس لیے تم اپنے گھر میں گھس جانا۔ میں نے عرض کی کہ اگر فسادی میرے گھر میں گھس آئیں تو کیا کروں؟ فرمایا: اگر تمھیں تلوار کی چمک سے خوف آئے تو چادر منہ پر ڈال لینا، تاکہ وہ قتل کرنے والا تمھارا اور اپنا گناہ سمیٹ کر دوزخی بن جائے۔''

اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے جو یہ فرمایا:

« كَيْفَ أَنْتَ، وَقَتْلًا يُصِيبُ النَّاسَ حَتَّى تُغْرَقَ حِجَارَةُ الزَّيْتِ بِالدَّمِ؟ »

''اس وقت تمھاری کیا حالت ہوگی، جب لوگوں کا قتلِ عام ہوگا۔ یہاں تک کہ ''حِجَارَةُ الزَّيْتِ'' (مدینے میں ایک جگہ کا نام ہے) خون میں ڈوب جائے گا؟''

اس سے استدلال کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ واقعہ حرہ میں بڑی تعداد میں لوگوں کا قتل ہوا۔ عرض ہے:

اولاً: سو فیصدی یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ اس جملے میں اللہ کے نبی ﷺ نے واقعہ حرہ ہی کی خون ریزی کا بیان کیا ہے، کیوں کہ اس واقعے کے بعد بھی کسی واقعے کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے۔

ثانیاً: ان الفاظ سے بھی زیادہ سے زیادہ مطلق کثرت پر استدلال کیا جاسکتا ہے، لیکن اس کثرت کی تعداد طے نہیں کی جاسکتی۔ مثلاً یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ اس سے دس ہزار قتل ثابت ہوتا ہے۔

❁ **امام یعقوب بن سفیان فسوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷) نے کہا:**

”حدثني إبراهيم بن المنذر حدثني ابن فليح عن أبيه عن أيوب بن عبد الرحمن عن أيوب بن بشير المعافري أن رسول اللهﷺ خرج في سفر من أسفاره فلما مر بحرة زهرة وقف فاسترجع فساء ذلك من معه وظنوا أن ذلك من أمر سفرهم، فقال عمر بن الخطاب يا رسول الله ما الذي رأيت فقال رسول اللهﷺ أما إن ذلك ليس من سفركم هذا قالوا فما هو يا رسول الله قال يقتل بهذه الحرة خيار أمتى بعد أصحابي“[1]

”ایوب بن بشیر معافری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک سفر میں نکلے تو جب حرہ زہرہ کے پاس سے آپ ﷺ کا گزر ہوا تو آپ ﷺ ٹھہرے اور انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا تو صحابہ نے اسے برا جانا اور یہ سمجھ لیا کہ اس کا تعلق ان کے سفر کے کسی معاملہ سے ہے تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اللہ کے رسول ﷺ آپ نے کیا دیکھا؟ تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اس کا تمھارے سفر سے کوئی تعلق نہیں تو صحابہ نے عرض کیا، پھر اللہ کے رسول ﷺ کیا معاملہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس حرہ کے مقام پر میرے صحابہ کے بعد میری امت کے بہترین لوگ قتل کیے جائیں گے۔

یہ روایت ضعیف و غیر ثابت ہے، کیونکہ ایوب بن بشیر معافری صحابی نہیں، بلکہ تابعی ہیں اور اللہ کے نبی ﷺ سے روایت کر رہے ہیں، اسی لیے امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد کہا:

”هذا مرسل“[2] ”یہ مرسل ہے۔“

علاوہ بریں اس کی سند میں محمد بن فلیح اور ان کے والد دونوں مجروح ہیں۔ ”تحرير التقريب“ کی مولفین (دکتور بشار عواد اور شعیب ارناؤوط) نے ان دونوں کو ضعیف قرار دیا ہے۔[3]

لیکن ہماری نظر میں یہ ثقہ یا کم ازکم صدوق ہیں لیکن جو حضرات انہیں ضعیف مانتے ہیں ان کے لئے سند میں یہ مزید کمزوری ہے۔

نیز اس روایت میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے اس سے عہد یزید کا واقعہ ہی مراد ہے اور

---

[1] البداية والنهاية، (٦/ ٢٣٣ مكتبة المعارف) المعرفة والتاريخ (٣/ ٣٢٧) قطعة مفقودة.

[2] البداية والنهاية، (٦/ ٢٣٣ مكتبة المعارف)

[3] دیکھیں: تحرير التقريب، رقم (٥٤٤٣) أيضا، رقم (٦٢٢٨)

لطف کی بات ہے کہ اس روایت میں یہ صراحت ہے کہ ان مقتولین میں صحابہ نہیں ہوں گے، کیونکہ روایت کے الفاظ ''بعد أصحابي'' ''میرے صحابہ کے بعد کے لوگ'' ہیں اور یزید کے مخالفین اس موقع پر صحابہ کے قتل کی بات بھی کرتے تھے ہیں۔

بعض لوگوں نے دیکھا کہ کہ اس روایت سے تو صحابہ کے قتل کا انکار لازم آتا ہے تو انھوں نے اس روایت میں معنوی تحریف کرتے ہوئے ''بعد أصحابي'' کا ترجمہ اپنی طرف سے کبار صحابہ سے کر دیا، تاکہ مقتولین میں صغار صحابہ کو بھی شامل کیا جاسکے۔ قارئین غور کریں کہ یزید کو ظالم ثابت کرنے کے لیے کیسی کیسی حرکتیں کی جا رہی ہے۔

❀ ابو العرب محمد بن احمد بن تمیم القیر وانی (المتوفی: ۳۳۳) نے کہا:

''حدثني سعيد بن شعبان قال: حدثنا وهب بن نافع قال حدثنا الخزامي قال سعيد: وحدثني عبيد الله بن عبد الملك عن أبيه عن الخزامي عن الواقدي عن عبد الملك بن جعفر قال: سألت الزهري كم بلغ القتل يوم الحرة؟ قال: أما من قريش والأنصار ومهاجرة العرب ووجوه الناس فسبعمائة، وسائر ذلك عشرة آلاف، وأصيب بها نساء وصبيان بالقتل''[1]

''عبدالملک بن جعفر کہتے ہیں کہ میں نے امام زہری سے پوچھا: حرہ کے دن کتنے لوگ قتل ہوئے؟ تو انھوں نے کہا: قریش، انصار ومہاجرین اور اکابرین میں سے سات سو لوگ اور بقیہ دیگر ملا کر کل دس ہزار لوگ قتل ہوئے، ان میں عورتیں اور بچے بھی قتل ہوئے۔''

یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے، اس کی سند میں واقدی کذاب ہے، جس کے بارے میں تفصیل پیش کی جاچکی ہے۔[2]

❀ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴) نے کہا:

''قال المدائني عن **شيخ من أهل المدينة:** قال: سألت الزهري: كم كان القتلىٰ يوم الحرة؟ قال: سبع مائة من وجوه الناس من المهاجرين والأنصار ووجوه الموالي، وممن لا أعرف من حر وعبد وغيرهم

---

[1] المحن (ص: ۱۸٤)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۳۱۵۔ ۳۱۶) دیکھیں۔

عشرة آلاف"[1]

''مدینے کے ایک صاحب کا کہنا ہے کہ میں نے امام زہری سے پوچھا: حرہ کے دن کتنے لوگ قتل ہوئے؟ تو انھوں نے کہا: سات سو حضرات انصار و مہاجرین اور موالی کے سرکردہ لوگ اور جن غلام و آزاد کو میں نہیں جانتا، ان میں دس ہزار قتل ہوئے۔''

یہ روایت بھی مردود و باطل ہے۔ ''شیخ من أهل المدینه'' مجہول و نامعلوم ہے۔ واقعہ حرہ میں کل کتنے لوگ قتل ہوئے؟ اس بارے میں کوئی ایک بھی روایت سنداً صحیح نہیں ہے اور جن روایات میں مقتولین کی تعداد دس ہزار بتلائی گی ہے، وہ محض گپ ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸) نے کہا:

"ولا بلغ عدد القتلى عشرة آلاف"[2] ''اور نہ مقتولین کی تعداد دس ہزار تک پہنچی۔''

الغرض واقعہ حرہ کے مقتولین کی اصل تعداد اللہ ہی کے علم میں ہے، ہمارے پاس اس سلسلے میں کوئی ایک بھی صحیح و متصل روایت نہیں ہے، جو روایات منقول ہیں، وہ صحیح نہیں ہیں۔

صحابہ کرام کے قتلِ عام کا افسانہ:

واقعہ حرہ میں شامی فوج پر ایک الزام یہ بھی ہے کہ انھوں نے بہت سارے صحابہ کو قتل کیا، لیکن یہ بھی بے بنیاد بات ہے اور حقیقت یہ ہے کہ واقعہ حرہ میں شامی فوج کے ہاتھوں کسی ایک بھی صحابی کا قتل ہونا بسند صحیح ثابت نہیں ہے، اس سلسلے میں جو باتیں ہیں، بے سند اور بے حوالہ ہیں، ان کا کوئی اعتبار ہی نہیں اور جو باتیں سند کے ساتھ مروی ہیں، وہ غیر متعلق ہیں یا ثابت ہی نہیں۔ اس ضمن میں امام زہری رحمہ اللہ سے منقول روایت کی حقیقت ماقبل میں بیان کی جا چکی ہے، اس کے علاوہ کچھ اور روایات کی حقیقت ملاحظہ ہو۔

❁ امام ابن ابی خیثمہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۹) نے کہا:

"حدثنا نصر بن المغيرة البخاري، قال: حدثنا سفيان، عن يحيىٰ بن سعيد، قال: سمعت سعيدا يقول: وقعت فتنة الدار فلم تُبق من أهل بدر

---

[1] البداية والنهاية (٨/ ٢٢١) مكتبة المعارف.

[2] منهاج السنة النبوية (٤/ ٥٧٥)

أحدا، ووقعت فتنة الحرة فلم تُبق من أهل الحديبية أحدا، ولو قد وقعت فتنة لم ترتفع، و بالناس طباخ"[1]

''سعید بن مسیّب نے بیان کیا کہ جب گھر کا فتنہ (عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ) ہوا تو اس نے اصحابِ بدر میں سے کسی کو باقی نہیں چھوڑا۔ پھر جب حرہ کا فتنہ واقع ہوا تو اس نے اصحابِ حدیبیہ میں سے کسی کو باقی نہیں چھوڑا...۔''

اس روایت سے روافض اور سبائی ذریت بڑے زور وشور سے استدلال کرتے ہیں کہ واقعہ حرہ میں یزید نے حدیبیہ میں شرکت کرنے والے تمام کے تمام اصحاب کو شہید کرڈالا۔ اس روایت کا صحیح مفہوم کیا ہے، اسے تو ہم آگے بیان کریں گے، لیکن سردست یہ عرض کر دیں کہ اس روایت کے پہلے ٹکڑے میں یہ بات ہے کہ جب قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کا فتنہ ہوا تو اس فتنے نے اہلِ بدر میں سے کسی کو باقی نہیں چھوڑا۔ اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قتلِ عثمان کے بعد جو قتال کیا، اس قتال کے نتیجے میں تمام کے تمام بدری صحابہ شہید ہوگئے۔

حیرت ہے کہ اسی روایت کے دوسرے حصے سے چمٹ کر لوگ یزید کو مطعون کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس نے تمام اصحابِ حدیبیہ کو شہید کردیا، لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ اسی روایت کا پہلا حصہ انھیں کے طریقِ استدلال سے یہ ثابت کرتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے تمام بدری صحابہ کو شہید کر ڈالا۔ اگر اس روایت کے پہلے حصے سے یہ مفہوم کشید کرنا غلط ہے تو بھلا بتلائیے اسی روایت کے دوسرے حصے سے یہ مفہوم اخذ کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے کہ یزید نے واقعہ حرہ میں تمام اصحابِ حدیبیہ کو شہید کر دیا؟

اس وضاحت کے بعد آیئے اس روایت کے مفہوم پر غور کرتے ہیں۔ دراصل اس روایت کا نہ تو یہ مفہوم ہے کہ قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت تمام کے تمام اصحابِ بدر اور واقعہ حرہ کے وقت تمام کے تمام اصحابِ حدیبیہ شہید ہوگئے اور نہ ہی اس روایت کا یہ مطلب ہے کہ عین فتنے کے وقت ہی یہ صحابہ شہید ہوئے۔

جو شخص اس روایت کی بنیاد پر یہ سمجھتا ہے کہ قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت تمام کے تمام بدری صحابہ شہید ہوگئے، وہ بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہے، کیوں کہ ناقابلِ انکار دلائل سے ثابت ہے کہ

[1] تاریخ ابن أبي خیثمة (٤/ ١٢١) و إسناده حسن، وأخرجه أیضاً ابن شبة في تاریخه (٤/ ١٢٧٤) من طریق زهیر عن سفیان به، وعنعنه سفیان محمولة علیٰ السماع.

قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد ایک لمبے عرصے تک بہت سارے بدری صحابہ باحیات تھے۔ اسی وجہ سے بعض نے اس کے ظاہری مفہوم کی وجہ سے اس بیان ہی کو غلط قرار دے دیا۔[1] بعض نے پہلے فتنے سے مراد حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کو لیا ہے،[2] حالاں کہ اس کی کوئی گنجایش نہیں، کیوں کہ ہم نے جو روایت پیش کی ہے، اس میں فتنہ اولی کی جگہ فتنہ الدار کی صراحت ہے، جس سے قطعی طور پر شہادتِ عثمان ہی مراد ہے۔

صاف بات یہ ہے کہ یہاں یہ مراد ہی نہیں ہے کہ پہلے فتنے میں تمام کے تمام بدری صحابہ شہید ہوگئے، بلکہ مراد یہ ہے کہ اس فتنے تک بدری صحابہ میں سے جو کچھ بچے تھے، ان میں سے بھی کئی حضرات اس فتنے کے بعد ہونے والے فسادات میں شہید ہوگئے، نہ کہ سب کے سب شہید ہوگئے۔

اسی طرح دوسرے فتنے یعنی واقعہ حرہ کے وقت حدیبی صحابہ میں سے جو کچھ بچے تھے، ان میں سے بھی کئی حضرات اس فتنے کے بعد ہونے والے فسادات کی زد میں آ کر شہید ہوگئے، نہ کہ سب کے سب شہید ہوگئے، کیوں کہ جس طرح پہلے فتنے کے خاتمے کے بعد بھی بدری صحابی کے باحیات ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ اسی طرح دوسرے فتنے یعنی واقعہ حرہ کے بعد بھی کئی حدیبی صحابہ کے باحیات ہونے کا ثبوت ملتا ہے، ذیل میں ہم تین حدیبی صحابہ کا نام مع دلائل پیش کرتے ہیں، جو واقعہ حرہ کے کافی عرصہ بعد تک بھی باحیات تھے۔

❁ صحابیِ رسول انس بن مالک الانصاری رضی اللہ عنہ (المتوفی: ۹۲):

آپ خادمِ رسول اور مشہور ومعروف صحابی ہیں۔ آپ صرف حدیبیہ ہی میں نہیں، بلکہ بدر میں بھی شریک تھے۔[3] حدیبیہ میں آپ کی شرکت سے متعلق امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے۔[4] کئی ایک احادیث میں صحیح سند سے اس کی دلیل بھی موجود ہے، مثلاً ایک حدیث میں آپ نے خود کہا: "مرجعنا من الحديبية" یعنی جب ہم حدیبیہ سے لوٹ رہے تھے۔[5]

---

[1] فتح الباري لابن حجر (٧/ ٣٢٥)

[2] فتح الباري لابن حجر (٧/ ٣٢٥)

[3] تاريخ دمشق لابن عساكر (٩/ ٣٦١) و إسناده حسن.

[4] دیکھیں: "البداية والنهاية" (٥/ ٣٥٣) طبع إحياء التراث.

[5] مسند أحمد (٣/ ١٩٧، ط: الميمنية، و إسناده صحيح) صرح قتادة بالسماع في المنتخب من مسند عبد بن حميد (ص: ٣٥٨ و إسناده صحيح)

آپ رضی اللہ عنہ حدیبی صحابی ہیں اور واقعہ حرہ کے بعد بھی آپ باحیات ہیں، بلکہ دلچسپ بات یہ ہے کہ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ واقعہ حرہ میں تمام حدیبی صحابہ شہید ہوگئے، وہی لوگ واقعہ حرہ کی خون ریزی بیان کرتے ہوئے خود درج ذیل روایت پیش کرتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶ھ) نے کہا:

”حدثنا إسماعيل بن عبد الله، قال حدثني إسماعيل بن إبراهيم بن عقبة، عن موسىٰ بن عقبة، قال: حدثني عبد الله بن الفضل، أنه سمع أنس بن مالك، يقول: حزنت علىٰ من أصيب بالحرة، فكتب إلي زيد بن أرقم، و بلغه شدة حزني، يذكر أنه سمع رسول الله ﷺ يقول: اللهم اغفر للأنصار، ولأبناء الأنصار، و شك ابن الفضل في: أبناء أبناء الأنصار، فسأل أنسا بعض من كان عنده، فقال: هو الذي يقول رسول الله ﷺ: هذا الذي أوفىٰ الله له بأذنه“[1]

”صحابی رسول انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مقام حرہ میں جو لوگ شہید کر دیے گئے تھے، ان پر مجھے بڑا رنج ہوا۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہما کو میرے غم کی اطلاع پہنچی تو انھوں نے مجھے لکھا کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے کہ اے اللہ! انصار کی مغفرت فرما اور ان کے بیٹوں کی بھی مغفرت فرما۔ حضرت عبداللہ بن فضل کو اس میں شک تھا کہ آپ نے انصار کے بیٹوں کے بیٹوں کا بھی ذکر کیا تھا یا نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان کی مجلس کے حاضرین میں سے کسی نے سوال کیا تو انھوں نے کہا کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہما ہی وہ ہیں، جن کے سننے کی اللہ تعالیٰ نے تصدیق کی تھی۔“

غور کریں! خادمِ رسول انس بن مالک رضی اللہ عنہ حدیبی صحابی ہیں اور واقعہ حرہ کے بعد بھی باحیات ہیں اور یہ روایت خود وہی لوگ پیش کرتے ہیں، جو دعویٰ کرتے ہیں کہ واقعہ حرہ میں تمام حدیبی صحابہ شہید ہوگئے، لیکن یہ روایت پیش کرتے وقت انھیں ہوش نہیں رہتا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ تو حدیبی صحابی ہیں، یہ واقعہ حرہ میں زندہ کیسے بچ گئے؟

❁ صحابی رسول جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ (المتوفی بعد: ۷۰ھ):

[1] صحيح البخاري (٦/ ١٥٤)

آپ بھی حدیبی صحابی ہیں، چناں چہ امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶) نے کہا:

”حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: كُنَّا يَوْمَ الحُدَيْبِيَةِ أَلْفًا وَأَرْبَعَ مِائَةٍ“[1]

”جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حدیبیہ کے موقع پر لشکر میں ہم سب ایک ہزار چار سو تھے۔“

نیز جابر رضی اللہ عنہ نے خود کہا:

”فَلَمَّا قُتِلَ عَبْدُ اللّٰهِ يَوْمَ أُحُدٍ، لَمْ أَتَخَلَّفْ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي غَزْوَةٍ قَطُّ“[2]

”جب جنگِ احد میں میرے والد شہید ہو گئے تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی بھی غزوے میں پیچھے نہیں رہا۔“

آپ واقعہ حرہ کے کافی عرصہ بعد تک باحیات تھے، جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ کی کئی احادیث سے معلوم ہوتا ہے، بلکہ لطف تو یہ ہے کہ واقعہ حرہ میں تمام حدیبی صحابہ کی شہادت کا دعویٰ کرنے والے ہی صحیح بخاری کی یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶) نے کہا:

”حدثنا محمد بن بشار، حدثنا غندر، حدثنا شعبة، عن محارب، سمعت جابر بن عبد اللّٰه رضی اللہ عنہما، يقول: بعت من النبي صلی اللہ علیہ وسلم بعيرا في سفر، فلما أتينا المدينة قال: ائت المسجد فصل ركعتين فوزن ـقال شعبة: أراه فوزن لي ـ فأرجح، فما زال معي منها شيئ حتى أصابها أهل الشام يوم الحرة“[3]

”جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اونٹ ایک سفر میں بیچا۔ جب ہم مدینے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قیمت تول کر دی، شعبہ نے کہا: میں سمجھتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھکتی ہوئی تول کر دی اور اس میں سے کچھ میرے پاس برابر رہتا، یہاں تک کہ یوم حرہ میں اہلِ شام اسے پا گئے۔“

اس روایت پر آگے مزید بحث آ رہی ہے۔ یہاں دکھلانا یہ مقصود ہے کہ یہ روایت بھی اس

---

[1] صحيح البخاري (٦/ ١٣٦) رقم الحديث (٤٨٤٠)

[2] صحيح مسلم (٣/ ١٤٤٨) رقم الحديث (١٨١٣)

[3] صحيح البخاري (٣/ ١٦١)

بات کی صریح دلیل ہے کہ واقعہ حرہ کے بعد بھی حدیبی صحابی جابر بن عبداللہ الانصاری باحیات تھے اور حیرت ہے کہ یہی روایت خود وہ لوگ بھی پیش کرتے ہیں، جو دعویٰ کرتے ہیں کہ واقعہ حرہ میں تمام حدیبی صحابہ شہید ہوگئے، لیکن یہ روایت پیش کرتے وقت انھیں اپنا تضاد نظر نہیں آتا کہ جب تمام حدیبی صحابہ واقعہ حرہ میں شہید ہوگئے تو جابر رضی اللہ عنہ زندہ کیسے بچ گئے؟

✿ صحابی رسول سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ (المتوفی بعد: ۷۴ھ)

آپ بھی حدیبیہ میں شریک تھے، جیسا کہ آپ نے خود صراحت کی ہے، چناں چہ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰) نے کہا:

"قال: أخبرنا حماد بن مسعدة، عن يزيد بن أبي عبيد، عن سلمة بن الأكوع قال: غزوت مع رسول الله ﷺ سبع غزوات، فذكر الحديبية و..."①

''صحابی رسول سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شرکت کی، اس کے بعد آپ نے حدیبیہ اور دیگر غزوات کا ذکر کیا۔''

آپ بھی واقعہ حرہ کے بعد کافی عرصہ تک باحیات رہے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶ھ) نے کہا:

"حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا حَاتِمٌ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الأَكْوَعِ: أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى الحَجَّاجِ"②

''سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حجاج بن یوسف کے پاس آئے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"وكان ذلك لما ولي الحجاج إمرة الحجاز بعد قتل ابن الزبير"③

''یہ اس وقت کی بات ہے کہ حجاج بن یوسف حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد حجاز کا امیر بنا۔''

دوسری بات یہ کہ اس روایت کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ عین فتنہ اولیٰ کے وقت بدری صحابہ

---

① الطبقات الكبرى (٤/ ٣٠٥) ط دار صادر، و إسناده صحيح علىٰ شرط الشيخين.

② صحيح البخاري (٩/ ٥٢) رقم الحديث (٧٠٨٧)

③ فتح الباري لابن حجر (١٣/ ٤١)

شہید ہوئے یا عین واقعہ حرہ کے وقت حدیبی صحابہ شہید ہوئے، بلکہ مراد یہ ہے کہ ان فتنوں سے جس لڑائی اور فساد کی شروعات ہوئی اور اس کا اثر جب تک رہا، تب تک اس زد میں آ کر بدری اور حدیبی صحابہ شہید ہوتے رہے۔

یہ مفہوم مراد لینا اس لیے ضروری ہے، کیوں کہ عین شہادت عثمان کے وقت کسی بھی بدری صحابی کے شہید ہونے سے متعلق کوئی صحیح روایت نہیں ملتی، اس لیے ظاہر ہے کہ اس فتنے کے بعد جس لڑائی اور فساد کی شروعات ہوئیں، مثلاً جنگِ جمل اور جنگِ صفین اور پھر خوارج کے ساتھ علی رضی اللہ عنہ کی لڑائی؛ اس پوری مدت میں کئی بدری صحابہ کی شہادت مراد ہے۔

اسی طرح عین واقعہ حرہ کے وقت بھی کسی حدیبی صحابی کی شہادتِ بلکہ کسی عام صحابی کی بھی شہادت صحیح سند سے ثابت نہیں ہے، اس لیے ظاہر ہے کہ اس فتنے کے بعد جو سیاسی اختلاف شروع ہوا جس کے بعد مکے میں مزید فتنہ بھڑکا اور معاملہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت تک پہنچا، اس پوری مدت میں کئی حدیبی صحابہ کی شہادت مراد ہے۔

اگر کوئی اس روایت کا آخری حصہ لے کر اس بات پر بضد ہے کہ حدیبی صحابہ کی شہادت عین واقعہ حرہ کے وقت ہی ہوئی تو اسے اسی روایت کا پہلا حصہ لے کر اس بات پر بھی ضد کرنی چاہیے کہ بدری صحابہ کی شہادت عین قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت ہی ہوئی اور اگر ایسے خیال کی گنجایش نہیں تو پھر واقعہ حرہ سے متعلق بھی ایسے خیالات کی کوئی بنیاد موجود نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ روایت بھی دیگر حقائق کے پیشِ نظر اپنے مفہوم میں غیر واضح ہے۔ اس لیے اس سے عین واقعہ حرہ میں کسی بھی حدیبی یا عام صحابی کی شہادت پر استدلال قطعاً درست نہیں۔

عین واقعہ حرہ میں صحابہ کے قتل ہونے سے متعلق سند کے ساتھ ایک روایت امام مالک کے حوالے سے بھی منقول ہے، چناں چہ امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۸) نے کہا:

"أخبرنا أبو الحسين بن الفضل أخبرنا عبد الله بن جعفر حدثنا يعقوب ابن سفيان حدثنا محمد بن يحيىٰ بن إسماعيل أخبرنا ابن وهب قال قال مالك بن أنس (؟) قتل يوم الحرة سبعمائة رجل من حملة القرآن حسبت أنه قال: وكان فيهم ثلاثة من أصحاب النبي، وذلك في خلافة يزيد"[1]

---

[1] دلائل النبوة للبيهقي (٦/ ٤٧٤) و إسناده ضعيف.

''امام مالک کہتے ہیں کہ واقعہ حرہ میں سات سو حفاظِ قرآن قتل ہوئے۔ ابن وہب کہتے ہیں کہ مجھے لگتا ہے کہ امام مالک نے کہا: ان میں تین افراد اللہ کے نبی ﷺ کے صحابہ تھے۔ یہ واقعہ یزید کی خلافت میں ہوا۔''

یہ روایت ضعیف و غیر ثابت ہے، کیوں کہ امام مالک رحمہ اللہ نے حرہ کا دور نہیں پایا ہے اور انھوں نے اپنا ماخذ نہیں بتایا کہ انھیں یہ بات کس نے بتائی؟ اس لیے اصل خبر دینے والا شخص مجہول ہے، اس کی عدالت تو دور کی بات، اس کا نام تک نہیں معلوم، لہٰذا یہ روایت ثابت ہی نہیں۔

مزید یہ کہ اس روایت میں امام مالک رحمہ اللہ کے شاگرد ابن وہب نے تین صحابہ کی شہادت والی بات کو شک کے ساتھ نقل کیا، چناں چہ کہا: "حسبت أنه قال: وكان فيهم ثلاثة من أصحاب النبي ﷺ" (مجھے لگتا ہے کہ امام مالک نے کہا: ان مقتولین میں تین صحابہ تھے) یعنی ابن وہب کو اس بات پر یقین نہیں ہے کہ امام مالک نے تین صحابہ کے قتل ہونے کی بات بھی کہی ہے، لہٰذا یہ بات خود امام مالک رحمہ اللہ سے بھی ثابت نہیں اور اس کے غیر ثابت ہونے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام مالک ہی سے یہی روایت امام مالک کے دوسرے شاگرد محمد بن ضحاک نے بھی نقل کی ہے اور انھوں نے اپنی روایت میں امام مالک سے کسی بھی صحابی کے قتل ہونے کی بات نہیں نقل کی، چناں چہ امام یعقوب بن سفیان الفسوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷) نے کہا:

"حدثنا إبراهيم بن المنذر عن محمد بن الضحاك عن مالك... وكانت الحرة سنة ثلاث وستين، وقتل يومئذ من حملة القرآن سبعمائة نفس"[1]

''محمد بن ضحاک نے امام مالک سے نقل کیا کہ واقعہ حرہ سن ۶۳ ہجری میں ہوا اور اس دن حفاظ قرآن میں سے سات سو افراد قتل ہوئے۔''

معلوم ہوا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے بھی یہ بات نہیں کہی ہے کہ واقعہ حرہ میں تین صحابہ قتل ہوئے۔ تاہم اگر یہ ثابت ہو جائے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے یہ بات کہی ہو تو بھی یہ بات مستند نہیں ہے، کیوں کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کا نام نہیں بتایا، جس نے انھیں اس بات کی خبر دی ہے، لہٰذا اس مجہول شخص کی وجہ سے یہ روایت ثابت ہی نہیں۔

[1] الإصابة لابن حجر (٦/ ٢٤٧) نقلًا عن تاريخ يعقوب، و إسناده صحيح إلىٰ مالك.

ایک روایت میں صحابی رسول عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی شہادت واقعہ حرہ میں بتلائی گی ہے، چناں چہ امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶) نے کہا:

"حدثني الأويسي، قال: حدثني الدَّراوَرْدِيّ عن عَمْرو بن يَحيىٰ، عَن عباد بن تميم ؛ أن عَبد الله بن زَيْد قُتل يوم الحرة فأتى فقيل هذا ابن حنظلة يبايع الناس علىٰ الموت قال: لَا أبايع على هذا بعد رسول الله ﷺ"[1]

"عباد بن تمیم کہتے ہیں کہ عبداللہ بن زید حرہ کے دن شہید ہوئے۔ چناں چہ اس دن آپ کے پاس لوگ آئے اور کہا: عبداللہ بن حنظلہ رحمہ اللہ لوگوں سے موت پر بیعت لے رہے ہیں۔ اس پر عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے بعد میں موت پر کسی سے بھی بیعت نہیں کرسکتا۔"

اس روایت میں یہ اضافہ کہ "أن عَبد الله بن زَيْد قُتل يوم الحرة"(عبداللہ بن زید حرہ کے دن قتل کر دیے گئے) ضعیف وغیر ثابت ہے، کیوں کہ اسے بیان کرنے والے عبدالعزیز بن محمد الدراوردی ہیں، جو اگر چہ ثقہ ہیں، لیکن موصوف اغلاط واوہام کا شکار بھی ہوا کرتے تھے، چناں چہ امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴) نے کہا:"كان يخطئ"[2] "یہ غلطیاں کرتے تھے۔"

امام ابو زرعہ رازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۴) نے کہا:

"عبد العزيز الدراوردي سيئ الحفظ فربما حدث من حفظه الشيئ فيخطئ"[3]

"عبد العزیز دراوردی برے حافظے والے تھے، کبھی یہ اپنے حافظے سے کوئی چیز بیان کرتے تو غلطی کر جاتے۔"

ان کے علاوہ اور بھی کئی محدثین نے ان کے حافظہ پر جرح کی ہے۔ دیکھیں: عام کتب رجال پھر اور انھوں نے اس روایت میں اکثر اور اَحفظ کی مخالفت کی ہے، چناں چہ امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۷۱ھ) نے کہا:

"أخبرنا أبو القاسم بن السمرقندي أنا أبو الحسين بن النقور وأبو

---

[1] التاريخ الأوسط للبخاري (۲/ ۷٦۱) و إسناده ضعيف لتفرد الدراوردي.

[2] الثقات لابن حبان (۷/ ۱۱٦)

[3] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٥/ ۳۹٥) و إسناده صحيح.

القاسم بن البسري وأبو نصر الزينبيح وأخبرنا أبو الفضل بن ناصر أنا أبو القاسم بن البسري قالوا: أنا أبو طاهر المخلص نا يحییٰ بن محمد بن صاعد نا محمد بن يعقوب بن عبد الوهاب الزبيري حدثني **محمد بن فليح** عن عمرو يعنى ابن يحییٰ عن عباد بن تميم أن عبد الله بن زيد وهو ابن عاصم المازني قيل له يوم الحرة: هذا ابن حنظلة يبايع الناس فقال: على ماذا؟ فقالوا: علیٰ الموت، فقال لا أبايع علیٰ هذا أحدا بعد رسول اللهﷺ''[1]

''عباد بن تمیم کہتے ہیں کہ عبداللہ بن زید سے حرہ کے دن کہا گیا کہ یہ عبداللہ بن حنظلہ رحمہ اللہ لوگوں سے موت پر بیعت لے رہے ہیں۔ اس پر عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا: کس چیز پر بیعت لے رہے ہیں؟ لوگوں نے کہا: موت پر، تو عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں موت پر کسی سے بھی بیعت نہیں کرسکتا۔''

یہ روایت بھی عمرو بن یحییٰ ہی کے طریق سے مروی ہے، لیکن اسے نقل کرنے والے ''محمد بن فلیح'' ہیں، یہ ثقہ یا کم از کم صدوق ہیں اور انھوں نے اس روایت میں قتل ہونے کی بات ذکر نہیں کی۔ اسی طرح اسی روایت کو اسی طریق سے انتہائی مضبوط حافظے والے ''وہیب بن خالد الباہلی'' نے بھی روایت کیا ہے اور انھوں نے بھی حرہ میں قتل ہونے والی بات ذکر نہیں کی، چناں چہ امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶) نے کہا:

''حدثنا موسیٰ بن إسماعيل، حدثنا **وهيب،** حدثنا عمرو بن يحییٰ، عن عباد بن تميم، عن عبد الله بن زيد رضي الله عنه، قال: لما كان زمن الحرة أتاه آت فقال له: إن ابن حنظلة يبايع الناس علیٰ الموت، فقال: لا أبايع على هذا أحدا بعد رسول اللهﷺ''[2]

''ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا ہم سے وہب نے بیان کیا، کہا ہم سے عمرو بن یحییٰ نے، ان سے عباد بن تمیم نے اور ان سے عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ

---

[1] تاريخ دمشق لابن عساكر (٢٧/ ٤٢٩) و إسناده صحيح.

[2] صحيح البخاري (٤/ ٥٠) رقم الحديث (٢٩٥٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٨٦١)

حرہ کی لڑائی کے زمانے میں ایک صاحب ان کے پاس آئے اور کہا کہ عبداللہ بن حنظلہ لوگوں سے موت پر بیعت لے رہے ہیں تو انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اب میں موت پر کسی سے بیعت نہیں کروں گا۔‘‘

یہ صحیح بخاری ومسلم کی متفق علیہ روایت ہے اور یہ بھی عمرو بن یحییٰ ہی کے طریق سے مروی ہے، لیکن اسے نقل کرنے والے ’’وہیب بن خالد الباہلی‘‘ ہیں، جو ثقہ وثبت ہیں اور انھوں نے اس روایت میں قتل ہونے کی بات ذکر نہیں کی، جبکہ اسی روایت کو عبد العزیز بن محمد الدراوردی نے نقل کیا، جو صدوق اور سییٔ الحفظ ہیں تو انھوں نے قتل ہونے والی بات کا اضافہ کیا ہے، لہٰذا ثقہ وثبت کے بالمقابل صدوق سییٔ الحفظ کا اضافہ غیر مقبول ہے، بالخصوص جبکہ یہ اکثر کے بھی خلاف ہے۔

مزید یہ کہ صحیح بخاری ومسلم کی اس متفق علیہ روایت میں عباد بن تمیم عبداللہ بن زید سے روایت کرتے ہوئے یہ بات نقل کر رہے ہیں نہ کہ اپنا مشاہدہ بیان کر رہے ہیں، اس لیے یہ سیاق خود اس بات کی دلیل ہے کہ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے واقعہ حرہ کے بعد اپنا یہ معاملہ عباد بن تمیم کو بتلایا تھا، یہ چیز خود اس بات کی دلیل ہے کہ واقعہ حرہ میں عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی شہادت نہیں ہوئی تھی۔

نوٹ:

معقل بن سنان رضی اللہ عنہ کے حرہ میں شہید ہونے سے متعلق ہمیں کوئی ایک بھی صحیح روایت نہیں مل سکی اور عبداللہ بن حنظلہ موت کی بیعت لے رہے تھے، جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت گزری، اس لیے ان کا شہید ہونا ہی قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ صحابی نہیں ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کے لیے ’’له رؤية‘‘ کہا ہے۔[1] اس درجہ والے لوگ صحابی نہیں ہوتے، جیسا کہ اس پر مفصل بحث آگے آ رہی ہے۔

الغرض واقعہ حرہ میں صحیح سند سے کسی ایک بھی صحابی کا قتل ثابت نہیں ہے۔ اس کے برعکس صحیح سند سے یہ ثابت ہے کہ واقعہ حرہ کے موقع پر شامی فوج صحابہ کا احترام کرنے والی تھی اور ان کے قتل کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

واقعہ حرہ میں قتلِ صحابہ کے درپے کون: شامی فوج یا اہلِ مدینہ کے شرپسند؟

امام خلیفہ بن خیاط رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۰) نے کہا:

[1] تقريب التهذيب، رقم (٣٢٨٥)

”حدثنا وهب بن جرير قال: نا أبو عقيل الدورقي قال سمعت أبا نضرة يحدث قال: دخل أبو سعيد الخدري يوم الحرة غارا فدخل عليه رجل ثم خرج، فقال لرجل من أهل الشام: أدلك علىٰ رجل تقتله فلما انتهى الشامي إلىٰ باب الغار وقال لأبي سعيد، وفي عنق أبي سعيد السيف: اخرج إليَّ! قال: لا، وإن تدخل علي أقتلك فدخل الشامي فوضع أبو سعيد السيف، وقال: بوء بإثمي وإثمك وكن من أصحاب النار، و ذلك جزاء الظالمين، فقال: أبو سعيد الخدري أنت؟ قال: نعم، قال: فاستغفر لي! قال: غفر الله لك“[1]

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے مصاحب منذر بن مالک ابونضرہ کہتے ہیں کہ حرہ کے دن ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ایک غار میں داخل ہوگئے۔ پھر ایک شخص غار میں ان کے پاس آیا اور پھر باہر نکل گیا اور باہر نکل کر ایک شامی فوجی سے کہا: میں تمھیں ایک شخص کے بارے میں بتاتا ہوں، تم اسے قتل کردو!

پھر جب شامی فوجی غار کے دروازے پر پہنچا تو ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے، جن کے پاس تلوار تھی، کہا کہ باہر نکلو! ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں! اور اگر تم میرے پاس آؤ گے تو میں تمھیں قتل کردوں گا۔ پھر شامی فوجی غار کے اندر داخل ہوا تو ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے تلوار رکھ دی اور کہا: میرے اور اپنے گناہ اپنے سر لادلو اور دوزخیوں میں سے بن جاؤ، ظالموں کا یہی انجام ہے۔ (یہ سورہ مائدہ آیت: ۲۹ کا مفہوم ہے) اس کے بعد شامی فوجی بول پڑا: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ یہ آپ ہیں؟ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: جی ہاں! اس پر شامی فوجی نے گزارش کی کہ آپ میرے لیے مغفرت کی دعا کریں! چناں چہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے دعا کی کہ اللہ تمھاری مغفرت کرے۔“

اس روایت پر تبصرہ اوپر گزر چکا ہے۔[2]

مزید عرض ہے کہ یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ شامی فوج صحابہ کرام کا احترام کرتی تھی

---

[1] تاريخ خليفة بن خياط (ص: ٢٣٩) و إسناده صحيح.

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۴۲۱۔۴۲۲) دیکھیں۔

اور ان کی کارروائی محض شرپسندوں کے خلاف تھی۔ دوسری طرف یہ روایت یہ بھی بتلاتی ہے کہ صحابہ کرام کے قتل کی مہم اہلِ مدینہ کے شرپسندوں کی تھی، وہی اس بات کی کوشش کرتے رہے کہ کسی نہ کسی طرح شامی فوج کے ہاتھوں صحابہ کا قتل کروایا جائے۔

ہماری نظر میں تو ایسی کوئی روایت ثابت نہیں جو یہ بتلاتی ہو کہ واقعہ حرہ میں کسی ایک بھی صحابی کی شہادت ہوئی۔ تاہم اگر بعض صحیح روایات سے ثابت بھی ہو جائے کہ واقعہ حرہ میں کچھ صحابہ شہید ہوئے تو بھی اس کے ذمے دار اہلِ شام نہیں، بلکہ اہلِ مدینہ کے شرپسند ہی ہیں۔ انھوں نے موقع پا کر یا تو خود صحابہ کرام کو قتل کیا یا جھوٹ اور مکاری سے اہلِ شام کے ہاتھوں صحابہ کا قتل کروایا، جیسا کہ اس روایت میں اہلِ مدینہ کے شرپسندوں کی طرف سے اس سرگرمی کا ثبوت ملتا ہے۔

مدینے میں لوٹ کھسوٹ کا افسانہ:

کہا جاتا ہے کہ مدینے پر اہلِ شام نے جب حملہ کیا تو مدینے میں تین دن تک لوٹ کھسوٹ ہوئی، حالاں کہ یہ ساری باتیں محض جھوٹ اور پروپیگنڈہ ہیں۔ ذیل میں ہم اس سلسلے کی تمام روایات کا جائزہ پیش کرتے ہیں:

❁ امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ٢٥٦) نے کہا:

”حدثنا محمد بن بشار، حدثنا غندر، حدثنا شعبة، عن محارب، سمعت جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہما، يقول: بعت من النبي ﷺ بعيرا في سفر، فلما أتينا المدينة قال: ائت المسجد فصل ركعتين فوزن ـقال شعبة: أراه فوزن لي ـ فأرجح، فما زال معي منها شيئ حتى أصابها أهل الشام يوم الحرة“[1]

جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کے ہاتھ اونٹ ایک سفر میں بیچا، جب ہم مدینے آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھو۔ آپ ﷺ نے اس کی قیمت تول کر دی۔ شعبہ نے کہا: میں سمجھتا ہوں کہ آپ ﷺ نے جھکتی ہوئی تول کر دی اور اس میں سے کچھ میرے پاس برابر رہا، یہاں تک کہ یوم حرہ

[1] صحيح البخاري (٣/ ١٦١)

میں اہلِ شام اسے پا گئے۔“

اس روایت کے آخری ٹکڑے سے استدلال کیا جاتا ہے کہ اہلِ شام نے لوٹ کھسوٹ کی تھی، حالاں کہ یہاں لوٹ کھسوٹ کی کوئی بات ذکر نہیں، بلکہ صحیح بخاری کی اس صحیح ترین روایت میں "أصابها" کا لفظ ہے اور "أصابها" پا جانے کے معنی پر دلالت کرتا ہے نا کہ لوٹنے یا چھیننے کے معنی پر اور بعض روایات میں "أخذها" کا لفظ ہے، جو لینے کے معنی پر دلالت کرتا ہے نا کہ لوٹنے یا چھیننے کے معنیٰ پر اور صحیح بخاری کی روایت کے پیشِ نظر اس لینے کا مطلب پا کر لینا ہے نا کہ چھین کر یا لوٹ کر لینا۔ نیز اس صورت میں یہ بھی ممکن ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ سے یہ چیز چھوٹ جانے کے بعد مدینے کے ان شر پسندوں میں سے کسی کے ہاتھ لگ گئی ہو، جو اہلِ شام کی مدد کر رہے تھے اور مسلمانوں کے قتل پر انھیں اُبھار رہے تھے اور جابر رضی اللہ عنہ نے اہلِ شام کے غلبے کی وجہ سے اندازے سے کہہ دیا ہو کہ اہلِ شام اسے پا گئے۔ لہٰذا ایسی بعض انفرادی صورتوں کے باوجود بھی مدینے میں قتل و غارت اور لوٹ کھسوٹ کی جو افسانوی کہانیاں بنائی اور سنائی جاتی ہیں، وہ کسی طرح بھی معتبر نہیں ہیں۔

❁ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰) نے کہا:

"أخبرنا يحيىٰ بن عباد قال: حدثنا أبو عقيل بشير بن عقبة عن يزيد بن عبد الله بن الشخير قال: لما استبيحت المدينة يعني الحرة، دخل أبو سعيد الخدري..."[1]

”یزید بن عبداللہ بن شخیر کہتے ہیں کہ جب مدینے کو حلال کیا گیا، یعنی حرہ کے دن تو ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ایک غار میں داخل ہو گئے...۔“

اس روایت میں "استبيحت المدينة" (مدینے کو حلال کیا گیا) کے الفاظ ہیں، اس لیے اس سے بعض لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ مدینے میں لوٹ کھسوٹ ہوئی، حالاں کہ یہ استدلال فاسد ہے، کیوں کہ یہاں صرف مدینے کو حلال کرنے کی بات ہے اور یہ صراحت نہیں ہے کہ کس لیے حلال کیا گیا، یعنی قتال کے لیے یا لوٹ کھسوٹ کے لیے۔ اس لیے محض ان الفاظ سے لوٹ کھسوٹ پر استدلال کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔

---

[1] الطبقات الكبير لابن سعد ت عمر (٥/ ٣٥٤) وأخرجه أيضاً ابن عساكر في تاريخ دمشق (٢٠/ ٣٩٥)

جن لوگوں نے لوٹ کھسوٹ کے لیے مدینے کو حلال کرنے کی بات کہی ہے، وہ عام طور سے اس کی مدت تین دن بتلاتے ہیں اور لوٹ کھسوٹ کی صراحت بھی کرتے ہیں، لیکن اس روایت میں نہ تو تین دن کا ذکر ہے اور نہ لوٹ کھسوٹ کی صراحت ہے، اس لیے محض ''استبيحت المدينه'' (مدینہ حلال کیا گیا) کے الفاظ سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا ہے کہ مدینے میں لوٹ کھسوٹ ہوئی، کیوں کہ الفاظ صرف مدینے کو حلال کرنے پر دلالت کرتے ہیں، لیکن کس چیز کے لیے حلال کیا گیا؟ اس کے لیے الگ سے دلیل درکار ہے اور الگ سے ایسی کوئی دلیل نہیں، جو یہ بتلائے کہ یہاں راوی کی مراد لوٹ کھسوٹ ہے اور چونکہ مکہ کی طرح مدینہ بھی حرم ہے اور ان شہروں کے حرم ہونے کا اولین مطلب یہ ہے کہ ان میں لڑائی وقتال جائز نہیں ہے اور اگر ان شہروں کے لیے حل یا اباحت کا ذکر ہو تو اس کا اولین مطلب یہی ہوگا کہ اس میں لڑائی وقتال کو جائز سمجھا گیا اور یہاں بھی یہی مراد ہے کہ مدینے میں لڑائی وجنگ کی گئی۔

❁ **امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰) نے کہا:**

''أخبرني موسىٰ بن إسماعيل، قال: حدثني جويرية بن أسماء، عن نافع، قال: ضرب مروان يوم الدار ضربة جدت أذنيه، فجاء رجل، وهو يريد أن يجهز عليه قال: فقالت له أمه: سبحان الله، تمثل بجسد ميت، فتركه **قالوا:** فلما قتل عثمان وسار طلحة و الزبير و عائشة إلىٰ البصرة يطلبون بدم عثمان خرج معهم مروان بن الحكم، فقاتل يومئذ أيضا قتالا شديدا، فلما رأى انكشاف الناس نظر إلىٰ طلحة بن عبيد الله واقفا، فقال: والله، إن دم عثمان إلا عند هذا؛ هو كان أشد الناس عليه، وما أطلب أثرا بعد عين، ففوق له بسهم، فرماه به فقتله... وانتهبت المدينة ثلاثا...''[1]

''نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یوم الدار (قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ) کے وقت مروان پر ایسا وار کیا گیا کہ ان کے کان کٹ گئے، پھر ایک آدمی آیا جو مروان کا کام تمام کرنا چاہتا تھا، لیکن ان کی ماں کہنے لگی: سبحان اللہ! کیا تم اب مرے ہوئے شخص کا مثلہ بھی کرو گے؟ یہ سن کر

[1] الطبقات الكبرى (٥/ ٣٨) ط دار صادر.

اس شخص نے مروان کو چھوڑ دیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے اور طلحہ و زبیر اور عائشہ رضی اللہ عنہم، خونِ عثمان کے مطالبے کے لیے بصرہ گئے تو مروان بھی ان کے ساتھ ہولیے۔ اس دن انھوں نے زبردست لڑائی لڑی اور جب ان کی نگاہ لوگوں پر پڑی تو انھوں نے طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو کھڑے دیکھا تو کہا: اللہ کی قسم! خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کا ذمے دار تو بس یہی شخص ہے۔ یہی شخص عثمان رضی اللہ عنہ کا سب سے سخت مخالف تھا، میں اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد اب کوئی نشانی تلاش نہیں کروں گا، چناں چہ مروان نے ان کی طرف تیر کا نشانہ لیا اور تیر چلا کر انھیں قتل کر دیا... (آگے لمبی روایت ہے اور اس میں ذکر ہے کہ) اور مدینے کو تین دن تک لوٹا گیا...۔''

یہ روایت ضعیف و ساقط ہے، کیوں کہ نافع نے "قالوا" کہہ کر یعنی نامعلوم لوگوں کے حوالے سے یہ بات کہی ہے کہ مدینے کو تین دن تک لوٹا گیا۔ لہٰذا ان نامعلوم لوگوں کا اَتا پتا نہ ہونے کے سبب یہ روایت ضعیف و باطل ہے۔ نیز غور کریں کہ اسی روایت میں جنت کے بشارت یافتہ صحابی طلحہ رضی اللہ عنہ کو عثمان کا قاتل اور ان کا سب سے بڑا مخالف بتایا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ اسی سبب انھیں قتل کیا گیا۔ اس طرح کی باتیں کوئی سبائی ہی بنا سکتا ہے۔

❀ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰) نے کہا:

"أخبرنا <u>محمد بن عمر</u> قال: حدثني شرحبيل بن أبي عون، عن أبيه (ح) قال: وحدثني عبد الرحمن بن أبي الزناد، عن أبيه (ح) قال: وحدثني موسى بن يعقوب، عن عمه قالوا: "لما دخل مسلم بن عقبة المدينة وأنهبها..."[1]

''ابوعون، ابو الزیاد اور یزید کہتے ہیں کہ جب مسلم بن عقبہ مدینے میں داخل ہوا اور اسے لوٹا...۔''

یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے، اس کا مرکزی راوی محمد بن عمر واقدی کذاب ہے، جس کے بارے میں تفصیل گزر چکی ہے۔[2] نیز بقیہ سند میں اور بھی علتیں ہیں۔

---

[1] الطبقات الكبرى ـ متمم التابعين ـ محققا (ص: ١٠٤)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۳۱۶ـ۳۵۱) دیکھیں۔

۞ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰) نے کہا:

"أخبرنا **محمد بن عمر** قال: حدثني عبد الله بن جعفر عن عمته أم بكر بنت المسور بن مخرمة قال: (ح) وحدثني شرحبيل بن أبي عون۔عن أبيه قال: (ح) وحدثني عبد الرحمن بن أبي الزناد۔ وغيرهم أيضا قد حدثني بطائفة من هذا الحديث۔ قالوا: وأنهبها ثلاثا..."①

''اُم بکر، ابوعون اور عبدالرحمٰن وغیرہ کہتے ہیں کہ (آگے لمبی روایت ہے اور اس میں ذکر ہے کہ) مسلم بن عقبہ نے مدینے کو تین دن تک لوٹا۔''

یہ روایت بھی موضوع اور من گھڑت ہے، اس کا مرکزی راوی محمد بن عمر واقدی کذاب ہے، جس کے بارے میں تفصیل گزر چکی ہے، دیکھئے صفحہ (۳۱۵، ۳۱۶)۔ نیز بقیہ سند میں اور بھی علتیں ہیں۔ واقدی کذاب نے محمد بن عمرو بن حزم کے قتل والی روایت میں بھی لوٹ کی بات نقل کی ہے۔②

۞ امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۰ھ) نے کہا:

"ذكر **هشام بن محمد**، عن **أبي مخنف**، عن عبد الملك بن نوفل، قال: وفصل ذلك الجيش من عند يزيد، وعليهم مسلم بن عقبة، وقال له: إن حدث بك حدث فاستخلف على الجيش حصين بن نمير السكوني، وقال له: ادع القوم ثلاثا، فإن هم أجابوك وإلا فقاتلهم، فإذا أظهرت عليهم فأبحها ثلاثا، فما فيها من مال أو رقة أو سلاح أو طعام فهو للجند، فإذا مضت الثلاث فاكفف عن الناس"③

''عبدالملک بن نوفل نے کہا کہ جب فوج یزید معاویہ کے پاس سے نکلی اور اُن کے امیر مسلم بن عقبہ تھے تو یزید بن معاویہ نے ان سے کہا: اگر تمھیں کچھ ہو جائے تو لشکر پر حصین بن نمیر کو امیر بنا دینا۔ نیز یزید نے ان سے کہا: مدینے والوں کو تین دن کی مہلت دینا، اگر وہ تمھاری بات مان لیں تو ٹھیک ورنہ ان سے لڑائی شروع کر دینا اور

---

① الطبقات الكبرى (٢/ ٦٤) وأخرجه أيضاً ابن عساكر في تاريخه (١٤/ ٣٨٦ و ٥٨/ ١٠٦)
② الطبقات الكبرى، ط۔دارصادر (٥/ ٧٠) وأخرجه أيضاً ابن عساكر في تاريخه (٥٥/ ١٢)
③ تاريخ الطبري (٥/ ٤٨٤)

جب تم ان پر غالب آ ؤ تو مدینے کو تین دن تک حلال کرنا، اس دوران جو مال و زر، ہتھیار اور کھانا ملے، سب لشکر کا ہوگا اور جب تین دن گزر جائیں تو لوگوں کو چھوڑ دینا۔‘‘

یہ روایت بھی موضوع اور من گھڑت ہے، اس کی سند میں موجود ’’ہشام بن محمد‘‘ اور ’’ابو مخنف‘‘ یہ دونوں مشہور و معروف کذاب اور جھوٹے ہیں، ان کے بارے میں تفصیل گزر چکی ہے۔[1]

۞ امام احمد بن یحییٰ البلاذری (المتوفی: ۲۷۹ھ) نے کہا:

”حدثني أبو خيثمة زهير بن حرب وخلف بن سالم و أحمد بن إبراهيم الدورقي قالوا: حدثنا وهب بن جرير بن حازم عن **ابن جعدبة** عن صالح بن كيسان قال: لما أقبل مسلم بن عقبة من الشام... وأباح مسلم المدينة ثلاثة أيام يقتلون ويأخذون المتاع...“[2]

’’صالح بن کیسان کہتے ہیں کہ جب مسلم بن عقبہ شام سے آیا اور اس نے مدینے کو تین دن تک حلال کیا، یہ لوگوں کو قتل کرتے اور ان کا مال ومتاع لے لیتے...۔‘‘

اس کی سند میں موجود ’’ابن جعدبہ‘‘ یہ ’’یزید بن عیاض بن جعدبہ‘‘ ہے، جیسا کہ اسی کتاب میں صالح بن کیسان ہی کے طریق سے موجود ایک دوسری سند میں صراحت ہے۔[3] یہ ’’یزید بن عیاض بن جعدبہ‘‘ کذاب اور بہت بڑا جھوٹا شخص ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۷۹ھ) نے کہا: ”أكذب و أكذب“[4] ’’یہ بہت بڑا جھوٹا ہے، یہ بہت بڑا جھوٹا ہے۔‘‘

امام علی بن المدینی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۴ھ) نے کہا:

”ضَعِيف ضَعِيف لَيْسَ بِشَيْءٍ“[5]

’’یہ ضعیف ہے، یہ ضعیف ہے، اس کی کوئی حیثیت نہیں۔‘‘

امام احمد بن صالح المصری (المتوفی: ۲۴۸ھ) نے کہا:

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۵۰۵۔۵۰۶) دیکھیں۔ نیز صفحہ (۳۵۹۔۳۶۰) دیکھیں۔

[2] الأنساب الأشراف للبلاذري (٥/ ٣٣٣) ط: دار الفكر.

[3] دیکھیں: أنساب الأشراف للبلاذري (٦/ ١١٣) ط: دار الفكر.

[4] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٩/ ٢٨٢) و إسناده حسن.

[5] سؤالات ابن أبي شيبة لابن المديني (ص: ١٢٨)

"أظن يزيد بن عياض كان يضع للناس يعني الحديث"[1]

''میں سمجھتا ہوں کہ یزید بن عیاض لوگوں کے لیے حدیث گھڑتا تھا۔''

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶) نے کہا: "منكر الحديث"[2] ''یہ منکر الحدیث ہے۔''

امام مسلم رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۱) نے کہا: "منكر الحديث"[3] ''یہ منکر الحدیث ہے۔''

امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷ھ) نے کہا:

"ضعيف الحديث منكر الحديث"[4] ''یہ ضعیف اور منکر الحدیث ہے۔''

امام ابن حزم رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۶) نے کہا:

"يزيد بن عياض بن جعدبة كذاب"[5] ''یزید بن عیاض بن جعدبہ بہت بڑا جھوٹا ہے۔''

امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۸) نے کہا:

"قد جرحه كافة أهل العلم بالحديث"[6] ''تمام محدثین نے اس پر جرح کی ہے۔''

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸) نے کہا: "متروك"[7] ''یہ متروک ہے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲) نے کہا:

"كذبه مالك وغيره"[8] ''امام مالک وغیرہ نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے۔''

معلوم ہوا کہ یہ روایت جھوٹی اور من گھڑت ہے۔

❁ ابراہیم بن محمد البیہقی (المتوفی نحو: ۳۲۰) نے کہا:

"حدثنا عبد الله بن أحمد بن إبراهيم عن يحيىٰ بن معين عن الحجاج عن أبي معشر، قال: حدثنا **رجل** قال... وأنهب المدينة ثلاثاً"[9]

---

[1] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (۹/ ۲۸۲) و إسناده صحيح.

[2] التاريخ الكبير للبخاري (۸/ ۳۵۱)

[3] الكنى والأسماء للإمام مسلم (۱/ ۲٤۱)

[4] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (۹/ ۲۸۲)

[5] المحلى لابن حزم (۹/ ٤۲٤)

[6] القراءة خلف الإمام للبيهقي (ص: ۲۰۹)

[7] المغني في الضعفاء للذهبي (ص: ۱۰٦)

[8] تقريب التهذيب لابن حجر، رقم (۷۷٦۱)

[9] المحاسن والمساوی، ترقيم الشاملة (ص: ۳۰)

''ایک آدمی نے کہا کہ مسلم بن عقبہ نے مدینے کو تین دن لوٹا۔''

یہ روایت بھی سخت ضعیف ہے۔ یہ واقعہ بیان کرنے والے آدمی کی حالت تو دور کی بات اس کا نام تک ذکر نہیں۔ اسی طرح اس مجہول آدمی سے نقل کرنے والا ''ابو نجیح بن عبد الرحمٰن السندی ابو معشر المدنی'' سخت ضعیف ہیں، ان کے بارے میں مزید تفصیل آگے آ رہی ہے۔[1]

❁ امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۸) نے کہا:

"أخبرنا أبو الحسين بن الفضل أخبرنا عبد الله بن جعفر حدثنا يعقوب بن سفيان حدثنا يوسف بن موسى حدثنا جرير عن مغيرة (؟) قال: أنهب مسرف بن عقبة المدينة ثلاثة أيام فزعم المغيرة أنه افتض فيها ألف عذراء"[2]

''مغیرۃ بن مقسم الضبی سے منقول ہے کہ مسلم بن عقبہ نے تین دن تک مدینے میں لوٹ کھسوٹ کیا اور مغیرۃ بن مقسم الضبی کا گمان ہے کہ اس نے مدینے میں ہزاروں خواتین کی عصمت دری کی۔''

یہ روایت کئی وجوہ کی بنا پر باطل ومردود ہے:

اولاً: مغیرۃ بن مقسم الضبی نے اپنا ماخذ نہیں بتایا ہے، ان کی وفات ۱۳۶ میں ہوئی ہے، کبار تابعین سے ان کی ملاقات ثابت نہیں ہے، لہٰذا انھیں واقعہ حرہ کا دور ملا ہی نہیں۔

ثانیاً: مغیرۃ بن مقسم الضبی تیسرے طبقہ کے مدلس ہیں[3] اور انھوں نے اس روایت میں سماع کی صراحت تو دور کی بات اپنے استاذ کا نام بھی نہیں بتایا ہے۔

❁ ابو العرب محمد بن احمد بن تمیم القیروانی (المتوفی: ۳۳۳ھ) نے کہا:

"حدثني سعيد بن شعبان قال: حدثنا وهب بن نافع قال: حدثنا الخزامي قال سعيد: وحدثني عبيد الله بن عبد الملك عن أبيه عن الخزامي عن الواقدي عن عبد الملك بن جعفر قال: سألت الزهري كم بلغ القتل يوم الحرة؟ قال: أما من قريش والأنصار ومهاجرة العرب

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۵۰۹۔۵۱۴) دیکھیں۔

[2] دلائل النبوة للبيهقي (٦/ ٤٧٥) ومن هذا الطريق أخرجه ابن عساكر في تاريخ دمشق (٥٨/ ١٠٨)

[3] دیکھیں: طبقات المدلسين لابن حجر (ص: ٤٦)

ووجوه الناس فسبعمائة، وسائر ذلك عشرة آلاف، وأصيب بها نساء وصبيان بالقتل... قال الزهري: وكان قدوم مسلم بن عقبة لثلاث بقين من ذي الحجة سنة ثلاث وستين فانتهبوا المدينة ثلاثا"[1]

''عبدالملک بن جعفر کہتے ہیں کہ میں نے امام زہری سے پوچھا: حرہ کے دن کتنے لوگ قتل ہوئے؟ تو انھوں نے کہا: قریش، انصار و مہاجرین اور اکابرین میں سے سات سو لوگ اور بقیہ دیگر ملا کر کل دس ہزار لوگ قتل ہوئے، ان میں عورتیں اور بچے بھی قتل ہوئے۔ امام زہری کہتے ہیں کہ مسلم بن عقبہ کی آمد ۲۷/ ذی الحجہ سن ۶۳ھ کو ہوئی، پھر ان لوگوں نے تین دن تک مدینے کو لوٹا۔''

یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے، اس کی سند میں واقدی کذاب ہے، جس کے بارے میں تفصیل پیش کی جا چکی ہے۔[2]

❁ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴) نے کہا:

"قال المدائني عن **شيخ من أهل المدينة:** قال: سألت الزهري: كم كان القتلى يوم الحرة؟ قال: سبعمائة من وجوه الناس من المهاجرين والأنصار ووجوه الموالي وممن لا أعرف من حر وعبد وغيرهم عشرة آلاف. قال: وكانت الوقعة لثلاث بقين من ذي الحجة سنة ثلاث وستين وانتهبوا المدينة ثلاثة أيام"[3]

''مدینے کے ایک صاحب کا کہنا ہے کہ میں نے امام زہری سے پوچھا: حرہ کے دن کتنے لوگ قتل ہوئے؟ تو انھوں نے کہا: سات سو حضرات انصار و مہاجرین اور موالی کے سرکردہ لوگ اور جن غلام و آزاد کو میں نہیں جانتا، ان میں دس ہزار قتل ہوئے اور ان لوگوں نے مدینے کو تین دن تک لوٹا...۔''

یہ روایت بھی مردود و باطل ہے۔ "شیخ من أهل المدينه" مجہول اور نامعلوم ہے۔

---

[1] المحن (ص: ۱۸٤)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۳۱۵۔ ۳۱۶) دیکھیں۔

[3] البداية والنهاية (۸/ ۲۲۱) مكتبة المعارف.

امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۷۱) نے کہا:

"أخبرنا أبو غالب أيضا أنبأ المبارك بن عبد الجبار بن أحمد أنا أبو الحسن محمد بن عبد الواحد بن محمد بن جعفر أنبأ أحمد بن إبراهيم بن الحسن نا أحمد بن محمد بن شيبة أنا أحمد بن الحارث الخزاز نا علي بن محمد المدائني(؟) قال: فتوجه مسلم بن عقبة المرى إلى المدينة... وسمعوا وأطاعوا فلا تعرض لأحد إلا بخير... وإن صدوك عن المدينة فادعهم ثلاثة أيام فإن لم يجيبوا فاستعن بالله فقاتلهم... فإن كانوا بنو أمية قتل منهم أحد... انهبها ثلاثة أيام"[1]

"علی بن محمد مدائنی کہتے ہیں کہ مسلم بن عقبہ مدینے کی طرف بڑھا، یزید نے اس سے کہا تھا کہ اگر اہلِ مدینہ سمع و طاعت کر لیں تو ان میں ہر ایک کے ساتھ خیر و بھلائی کے ساتھ پیش آنا... اگر اہلِ مدینہ تمھیں مدینے میں داخل ہونے سے روکیں تو انھیں تین دن کی مہلت دینا اور پھر اگر تین دن کے بعد بھی یہ نہ مانیں تو اللہ سے مدد طلب کر کے ان سے قتال شروع کر دینا... اگر بنواُمیہ میں سے کسی کو قتل کیا گیا... تو مدینے کو تین دن تک لوٹنا۔"

یہ روایت بھی بے بنیاد ہے، کیوں کہ علی بن محمد المدائنی (المتوفی: ۲۱۵ھ) نے واقعہ حرہ کا دور نہیں پایا ہے، بلکہ ان کی پیدایش واقعہ حرہ کے نصف صدی بعد ہوئی ہے، لہٰذا اس سند کے شروع سے کئی راوی ساقط ہیں، بنا بریں یہ روایت بے بنیاد اور ساقط ہے۔

امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۷۱) نے کہا:

"أخبرنا أبو غالب و أبو عبد الله ابنا أبي علي قالا: أنبأنا أبو جعفر المعدل أنبأنا أبو طاهر الذهبي أنبأنا أبو عبد الله الطوسي ثنا الزبير بن بكار قال... حدثني عمي مصعب بن عبد الله قال (؟): كان مسرف بن عقبة بعد ما أوقع بأهل المدينة يوم الحرة في إمرة يزيد بن معاوية وأنهبها ثلاثا، أتي بقوم القوم من أهل المدينة..."[2]

---

[1] تاريخ دمشق لابن عساكر (٢٤/ ٤٧٨)

[2] تاريخ دمشق لابن عساكر (٥٤/ ١٨٢)

''مصعب بن عبداللہ الزبیری کہتے ہیں کہ مسرف بن عقبہ نے یزید بن معاویہ کی حکومت میں حرہ کے دن جب اہلِ مدینہ کے ساتھ لڑائی لڑی اور مدینہ کو تین دن تک لوٹا تو اہلِ مدینہ کے کچھ لوگ اس کے پاس لائے گئے...۔''

یہ روایت باطل و مردود ہے۔ زبیر بن بکار کے چچا مصعب بن عبداللہ الزبیری ۲۳۶ ہجری میں فوت ہوئے اور حرہ کا واقعہ سن ۶۳ ہجری کا ہے۔ یعنی انھیں واقعہ حرہ کا زمانہ ملا ہی نہیں، لہٰذا بے سند اور بے حوالہ ہونے کی وجہ سے یہ بات باطل ہے۔

❁ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰) نے کہا:

''أخبرنا محمد بن عمر قال: حدثني عتبة بن جبيرة، عن الحصين بن عبد الرحمن بن عمرو بن سعد بن معاذ قال: أول دار من دور المدينة انتهبت، والحرب بعد لم تنقطع يوم الحرة، دار بني عبد الأشهل فما تركوا في المنازل من أثاث، ولا حلي علىٰ امرأة، ولا ثياب، ولا فراش إلا نقض صوفه، ولا دجاجة إلا ذبحت، ولا حمام إلا ذبح''[1]

''حصین بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ حرہ کے دن مدینے میں سب سے پہلے جو گھر لوٹا گیا اور لڑائی اس وقت جاری تھی، وہ بنو عبدالاشہل کا گھر تھا۔ ان لوگوں نے گھروں میں نہ تو کوئی سامان چھوڑا نہ ہی عورتوں کے بدن پر کوئی زیور اور کپڑا۔ کوئی بستر نہ تھا، جس کا اون نوچا نہ گیا ہو اور کوئی مرغ اور کبوتر نہ تھا، جو ذبح نہ کیا گیا ہو...۔''

یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے، سند میں محمد بن عمر واقدی کذاب ہے، جس کے بارے میں تفصیل گزر چکی ہے۔[2] نیز ''عتبہ بن جبیرہ'' کو بھی ابن حبان کے علاوہ کسی نے ثقہ نہیں کہا ہے۔ الغرض یہ روایت باطل اور من گھڑت ہے۔

❁ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰) نے کہا:

''أخبرنا محمد بن عمر، قال: حدثني يعقوب بن محمد، عن هند بنت سعيد بن أبي سعيد، عن أبيها، عن أبي سعيد الخدري قال: لزمت بيتي

[1] الطبقات الكبرى (٥/ ٢٥٥) ط دار صادر.

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۳۱۵۔ ۳۱۶) دیکھیں۔

ليالي الحرة فلم أخرج، فدخل عليَّ نفر من أهل الشام فقالوا: أيها الشيخ، أخرج ما عندك: فقلت: والله ما عندي مال. قال: فنتفوا لحيتي، وضربوني ضربات، ثم عمدوا إلى بيتي، فجعلوا ينقلون ما خف لهم من المتاع، حتى إنهم يعمدون إلىٰ الوسادة والفراش فينفضون صوفهما"[1]

''ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حرہ کی راتوں میں اپنے گھر ہی میں بیٹھا رہا اور باہر نہیں نکلا۔ چناں چہ اہلِ شام کے کچھ لوگ میرے پاس آئے اور کہا: اے بڈھے! جو کچھ تیرے پاس ہے نکال دے! تو میں نے کہا: اللہ کی قسم! میرے پاس کوئی مال نہیں ہے تو انھوں نے میری ڈاڑھی نوچ لی اور مجھے بہت مارا۔ پھر وہ میرے گھر میں تلاشی لینے لگے اور ہر ہلکی چیز کو لے جانے لگے، یہاں تک کہ ان لوگوں نے تکیہ اور بستر کے اون بھی نوچ ڈالے...''

یہ روایت بھی جھوٹی اور من گھڑت ہے۔ سند میں محمد بن عمر واقدی کذاب اور جھوٹا شخص ہے، اس کے بارے میں تفصیل گزر چکی ہے۔[2] اس کے علاوہ سند میں اور بھی علتیں ہیں اور اس روایت کے مبنی بر جھوٹ ہونے کی ایک زبردست دلیل یہ بھی ہے کہ گذشتہ سطور میں صحیح سند سے یہ روایت گزر چکی ہے کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ حرہ کے دن اپنے گھر ہی میں نہیں بیٹھے تھے، بلکہ وہ گھر سے نکل کر ایک غار میں پناہ لینے گئے تھے اور وہاں ایک شامی نے ان سے دعا کی درخواست کی تھی اور انھوں نے اسے دعا بھی دی تھی۔[3]

مدینے میں لوٹ کھسوٹ سے متعلق سند کے ساتھ جو روایات بھی دستیاب تھیں، ہم نے سب کی حقیقت واضح کر دی ہے، ان روایات کے علاوہ تاریخی کتب میں اس ضمن میں جو کچھ منقول ہے، وہ بے سند اور بے حوالہ ہے، نیز بعض لوگوں کے تبصرے ہیں، اس لیے تحقیق کے میدان میں ان کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔

---

[1] الطبقات الكبير لابن سعد (٥/ ٣٥٤)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۳۱۵۔ ۳۱۶) دیکھیں۔

[3] اسی کتاب کا صفحہ (۴۲۱۔۴۲۲) دیکھیں۔

خواتین کی عصمت دری کا افسانہ:

مدینے میں کی گئی کارروائی میں جو جھوٹی باتیں شامل کی گئی ہیں اور جسے بعض اہلِ علم نے بغیر تحقیق کے نقل کر دیا ہے، انھیں میں سے ایک گندا اور غلیظ جھوٹ یہ بھی ہے کہ اسلامی حکومت کی فوج نے مدینے میں کارروائی کے دوران وہاں کی عورتوں کے ساتھ بدکاری کی۔ یہ بات سراسر جھوٹ اور بہتان ہے، اس سے متعلق ایک بھی صحیح روایت پورے ذخیرۂ کتب میں موجود ہی نہیں اور جو روایات مروی ہیں، وہ قطعاً مکذوب اور مبنی بر جھوٹ ہیں۔ ہمارے مطالعے کی حد تک اس طرح کی صرف چار روایات ہیں، ذیل میں ہم ان چاروں روایات کی تحقیق پیش کرتے ہیں:

مصعب بن عبداللہ الزبیری کی روایت:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲) نے کہا:

"قال الزبير بن بكار: حدثني عمي قال(؟) كان! بن مطيع من رجال قريش شجاعة ونجدة وجلدا فلما انهزم أهل الحرة، قتل عبد الله بن طلحة وفر عبد الله بن مطيع فنجا حتى توارى في بيت امرأة من حيث لا يشعر به أحد، فلما هجم أهل الشام علىٰ المدينة في بيوتهم، ونهبوهم، دخل رجل من أهل الشام دار المرأة التي توارى فيها ابن مطيع فرأى المرأة فأعجبته فواثبها فامتنعت منه فصرعها فاطلع ابن مطيع علىٰ ذلك فدخل فخلصها منه وقتل الشامي"[1]

"مصعب بن عبداللہ زبیری کہتے ہیں کہ ابن مطیع قریش کے بہادر لوگوں میں سے تھے۔ جب اہلِ حرہ کو شکست ہوئی اور عبداللہ بن طلحہ قتل ہوئے تو ابن مطیع نے فرار ہو کر اپنی جان بچائی اور ایک عورت کے گھر میں اس طرح چھپ گئے کہ کسی کو اس کی خبر تک نہ ہوئی۔ پھر جب اہلِ شام نے مدینے پر لوگوں کے گھروں میں حملہ کیا اور انھیں لوٹا تو ایک شامی شخص اس عورت کے گھر میں داخل ہوا، جس میں ابن مطیع چھپے ہوئے تھے، جب اس شخص نے اس عورت کو دیکھا تو وہ اس کو پسند آ گئی، پھر یہ اس عورت پر ٹوٹ

[1] الإصابة لابن حجر (٥/ ٢٦)

پڑا، اس عورت نے اپنا بچاؤ کیا، لیکن اس شخص نے اسے مات دے دی۔ ابن مطیع نے یہ سب دیکھا تو اندر داخل ہوئے اور اس عورت کو اس شخص سے بچایا اور اس شامی شخص کو قتل کر دیا۔‘‘

یہ روایت باطل و مردود ہے۔ زبیر بن بکار کے چچا مصعب بن عبداللہ الزبیری ۲۳۶ ہجری میں فوت ہوئے اور حرہ کا واقعہ ۶۳ ہجری کا ہے۔ یعنی انھیں واقعہ حرہ کا زمانہ ملا ہی نہیں، لہٰذا بے سند اور بے حوالہ ہونے کی وجہ سے یہ بات باطل ہے۔

اس روایت کے کذاب ہونے کی ایک زبردست دلیل یہ بھی ہے کہ ابن مطیع اہلِ شام کے سخت خلاف ہونے کے باوجود بھی خود انھوں نے اہلِ شام کے اس کردار سے کسی کو آگاہ نہیں کیا اور اس میں ذرہ برابر بھی سچائی ہوتی تو ابن مطیع کو یہ واقعہ آگ کی طرح پھیلا دینا چاہیے تھا، لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ ثابت ہوا کہ یہ من گھڑت بات اور سراپا بکواس ہے۔ اس روایت میں کذابوں نے صرف عزت لوٹنے کی کوشش دکھلائی ہے، لیکن آگے دیکھیں:

اُم ہیثم بنت یزید (مجھولہ) کی روایت:

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۹۷) نے کہا:

’’أخبرنا محمد بن ناصر، قال: أخبرنا المبارك بْنُ عَبْدِ الْجَبَّارِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو الْحُسَيْنِ مُحَمَّد بن عبد الواحد، قَالَ: أَخْبَرَنَا أبوبكر أحمد بْن إبراهيم بن شاذان، قال: أخبرنا أحمد بن محمد بن شيبة البزاز، قال: أخبرنا أحمد بن الحارث الخزاز، قال: حدثنا أبو الحسن المدائني، عن أبي عبد الرحمن القرشي، عن **خالد الكندي،** عن عمته **أم الهيثم بنت يزيد،** قالت: رأيت امرأة من قريش تطوف، فعرض لها أسود، فعانقته وقبلته، فقلت: يا أمة الله، أتفعلين هذا بهذا الأسود؟ قالت: هو ابني وقع عليَّ أبوه يوم الحرة، فولدت هذا‘‘[1]

’’اُم ہیثم بنت یزید سے روایت ہے کہ میں نے قریش کی ایک عورت کو طواف کرتے

---

[1] المنتظم لابن الجوزي (٦/ ١٥) الرد علىٰ المتعصب العنيد المانع من ذم يزيد لابن الجوزي (ص: ٦٧)

ہوئے دیکھا تو اتنے میں اس کے سامنے ایک کالا شخص آیا تو اس نے اسے گلے لگا لیا اور اسے بوسہ دیا تو میں نے کہا: اللہ کی بندی! تو اس کالے کے ساتھ ایسا کر رہی ہے؟ تو اس نے جواب دیا: یہ میرا بیٹا ہے، اس کے باپ نے حرہ کے دن میری عصمت دری کی تھی، جس کے بعد میں نے اسے جنا۔''

یہ روایت بھی باطل ہے۔ ''اُم ہیثم'' مجہولہ ہے اور ''خالد کندی'' کا بھی کوئی اتا پتا نہیں ملتا۔ اس خرافی روایت میں تو صرف ایک عورت کی عزت لوٹنے کی بات ہے، لیکن آگے دیکھیں:

مغیرۃ بن مقسم الضبی کی روایت:

امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۸) نے کہا:

''أخبرنا أبو الحسين بن الفضل أخبرنا عبد الله بن جعفر حدثنا يعقوب بن سفيان حدثنا يوسف بن موسى حدثنا جرير عن مغيرة قال: أنهب مسرف بن عقبة المدينة ثلاثة أيام فزعم المغيرة (؟) أنه افتض فيها ألف عذراء''[1]

''مغیرۃ بن مقسم الضبی سے منقول ہے کہ مسلم بن عقبہ نے تین دن تک مدینے میں لوٹ مار کی اور مغیرۃ بن مقسم الضبی کا گمان ہے کہ اس نے مدینے میں ہزاروں خواتین کی عصمت دری کی۔''

یہ روایت کئی وجوہ کی بنا پر باطل و مردود ہے:

اولاً: مغیرۃ بن مقسم الضبی نے اپنا ماخذ نہیں بتایا ہے، ان کی وفات ۱۳۶ ہجری میں ہوئی ہے، کبار تابعین سے ان کی ملاقات ثابت نہیں ہے، لہٰذا انھیں واقعہ حرہ کا دور ملا ہی نہیں۔

ثانیاً: مغیرۃ بن مقسم الضبی تیسرے طبقہ کے مدلس ہیں۔[2] انھوں نے اس روایت میں سماع کی صراحت تو دور کی بات؛ اپنے استاذ کا نام بھی نہیں بتایا ہے۔

قارئین کرام! غور کریں کہ اس روایت میں ایک نہیں ایک ہزار لڑکیوں کی عصمت دری کا

---

[1] دلائل النبوة للبيهقي (٦/ ٤٧٥) ومن هذا الطريق أخرجه ابن عساكر في تاريخ دمشق (٥٨/ ١٠٨)

[2] دیکھیں: طبقات المدلسين لابن حجر (ص: ٤٦)

ذکر ہے۔ ذرا غور کریں کیا خیرالقرون کی اسلامی فوج کا یہی حال تھا؟ پھر جھوٹ اور تہمت کا سلسلہ یہیں پر بند نہیں ہو جاتا، بلکہ کذابوں اور تہمت پرستوں نے ان ہزاروں لڑکیوں میں سے ہر لڑکی سے بچے بھی پیدا کر دیے۔ آگے پڑھیں اور سر دھنیں:

ہشام بن حسان کی روایت:

ہشام بن حسان سے روایت ہے:

"عن المدائني، عن أبي قرة، قال: قال هشام بن حسان: (؟) ولدت ألف امرأة بعد الحرة من غير زوج"[1]

"حرہ کے بعد ہزاروں عورتوں نے بغیر شوہر کے بچے جنے۔"

یہ روایت بھی باطل و مردود ہے، کیوں کہ اسے بیان کرنے والے ہشام بن حسان بصری کی وفات ۱۴۸ ہجری ہے۔ یہ صغار تابعین کے دور کے ہیں اور حرہ کا زمانہ انھوں نے نہیں پایا، بنا بریں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، لہٰذا یہ بے حوالہ بات مردود و باطل ہے۔

قارئین کرام! غور کریں کہ کتنی عجیب بات ہے کہ کوئی کہتا ہے: واقعہ حرہ میں ایک ہزار لڑکیوں کی عصمت دری کی گئی اور کوئی ان میں سے ہر ایک لڑکی سے بچے بھی پیدا کروا رہا ہے اور اس سے بھی زیادہ گھناؤنی بات آگے ملاحظہ کریں۔

سفید جھوٹ:

عبدالملک بن حسین عصامی المکی (المتوفی: ۱۱۱۱ھ) نے کہا:

"وَكَانَ يَقُول (سعيد بن الْمسيب): كنت أسمع عِنْد مَوَاقِيت الصَّلَاة همهمة من الْحُجْرَة المطهرة، وافتض فِيهَا ألف عذراء، وَإِن مفتضَّها فعل ذَلِك أَمَام الْوَجْه الشريف، وَالْتمس مَا يمسح بِهِ الدَّم فَلم يجد فَفتح مصحفا قَرِيبا مِنْهُ، ثمَّ أَخذ من أوراقه ورقة فتمسح بهَا"[2]

"سعید بن مسیّب کہتے تھے کہ میں نماز کے وقت حجرہ اقدس سے آواز سنتا تھا اور اس

---

[1] المنتظم لابن الجوزي (٦/ ١٥) الرد علىٰ المتعصب العنيد المانع من ذم يزيد لابن الجوزي (ص: ٦٧)

[2] سمط النجوم (٣/ ٢٠٤)

حجرہ میں ایک ہزار کنواری لڑکیوں کی عزت لوٹی گئی اور ایک زانی نے تو رسول اکرم ﷺ کے چہرے کے سامنے ایک عورت کی عزت لوٹی اور اس کے بعد خون پوچھنے کے لیے کچھ تلاش کیا، پھر کچھ نہیں ملا تو اپنے قریب موجود قرآن مجید کھولا اور اس کا ایک ورق پھاڑ کر اسی سے خون صاف کیا۔''

قارئین غور کریں! عصامی نے کیسا گپ تحریر کیا؟ کیا یہ کردار اس دور کی اسلامی فوج کا ہوسکتا ہے، جس دور کو اللہ کے نبی ﷺ نے خیر القرون کہا ہے؟ کیا کوئی مسلمان اس طرح کی گھٹیا باتوں پر یقین کر سکتا ہے؟ عبدالملک عصامی نے معلوم نہیں یہ جھوٹ کہاں سے نقل کیا یا کیا پتا اس نے خود یہ جھوٹ گھڑا ہو۔ واضح رہے کہ عبدالملک عصامی کی پیدائش واقعہ حرہ کے ہزاروں سال بعد ہوئی ہے۔

مسجد نبوی میں اذان ونماز کے بند ہونے کا افسانہ:

سعید بن عبدالعزیز کہتے ہیں کہ جب ایامِ حرہ کا واقعہ پیش آیا تو تین دنوں تک مسجد نبوی میں اذان اور اقامت نہیں ہوئی اور سعید بن المسیب ان دنوں مسجد نبوی ہی میں ٹھہرے رہے، آپ کہتے ہیں کہ جب نماز کا وقت ہوجاتا تو قبر نبوی سے اذان کی آواز سنائی دیتی اور میں یہ آواز سن کر اقامت کہتا اور نماز ادا کرتا۔

یہ روایت سعید بن المسیب کے حوالے سے دو لوگوں نے بیان کی ہے:

- سعيد بن عبد العزيز التنوخي.
- أبو حازم، سلمة بن دينار.

سعید بن عبدالعزیز کی روایت:

امام دارمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''أخبرنا مروان بن محمد، عن سعيد بن عبد العزيز، قال: لما كان أيام الحرة لم يؤذن في مسجد النبي ﷺ ثلاثا، ولم يقم، ولم يبرح سعيد بن المسيب المسجد، وكان لا يعرف وقت الصلاة إلا بهمهمة يسمعها من قبر النبي ﷺ فذكر معناه''[1]

[1] سنن الدارمي (١/ ٢٢٧)

امام ابن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”أخبرنا محمد بن عمر قال: حدثني طلحة بن محمد بن سعيد عن أبيه قال: كان سعيد بن المسيب أيام الحرة في المسجد لم يبايع ولم يبرح، وكان يصلي معهم الجمعة ويخرج إلىٰ العيد، وكان الناس يقتتلون وينتبهون، وهو في المسجد لا يبرح إلا ليلا إلىٰ الليل. قال: فكنت إذا حانت الصلاة أسمع أذانا يخرج من قبل القبر حتى أمن الناس وما رأيت خبرا من الجماعة“[1]

سند کی تحقیق:

یہ روایت مرسل ہے، کیوں کہ سعید بن عبدالعزیز واقعہ حرہ کے وقت پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ واقعہ حرہ ۶۳ ہجری میں پیش آیا اور سعید بن عبدالعزیز کی پیدایش ۹۰ ہجری میں ہوئی ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں:

”وُلِدَ سَنَةَ تِسْعِيْنَ، فِيْ حَيَاةِ سَهْلِ بنِ سَعْدٍ“[2]

یعنی موصوف واقعہ پیش آنے کے ۲۷ ستائیس سال بعد پیدا ہوئے، پھر ظاہر ہے کہ انھوں نے یہ واقعہ کسی اور سے سنا ہے اور اس کا نام نہیں لیا، لہٰذا روایت مرسل ہے۔

یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ سعید بن عبدالعزیز نے یہ روایت سعید بن المسیب سے سنی ہو، کیوں کہ سعید بن عبدالعزیز کی پیدایش ۹۰ ہجری میں ہوئی ہے، جیسا کہ اوپر حوالہ پیش کیا گیا اور ان کے پیدا ہونے کے تقریباً تین سال بعد ہی سعید ابن المسیب کی وفات ہوگئی۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَقَالَ أَبُو نُعَيْمٍ، وَعَلِيُّ بنُ المَدِيْنِيِّ: تُوُفِّيَ سَنَةَ ثَلاَثٍ وَتِسْعِيْنَ“[3]

”ابونعیم اور علی ابن مدینی نے کہا کہ ان کی وفات ۹۳ھ میں ہوئی۔“

معلوم ہوا کہ یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ سعید بن عبدالعزیز نے یہ روایت سعید ابن المسیب سے سنی ہو۔

---

[1] الطبقات الكبرى لابن سعد (٥/ ١٣٢)

[2] سير أعلام النبلاء (٨/ ٣٢)

[3] سير أعلام النبلاء (٤/ ٢٤٦)

ابو حازم سلمہ بن دینار کی روایت:

❁ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰) نے کہا:

”أخبرنا الوليد بن عطاء بن الأغر المكي قال: أخبرنا **عبد الحميد بن سليمان** عن **أبي حازم** قال: سمعت سعيد بن المسيب يقول: لقد رأيتني ليالي الحرة، وما في المسجد أحد من خلق الله غيري، وإن أهل الشام ليدخلون زمرا زمرا يقولون: انظروا إلىٰ هذا الشيخ المجنون، وما يأتى وقت صلاة إلا سمعت أذانا في القبر، ثم تقدمت فأقمت فصليت وما في المسجد أحد غيري“[1]

❁ امام ابن ابی خیثمہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۹ھ) نے کہا:

”حَدَّثَنا مُحَمَّد بن سُلَيْمَان لوين، قال: حدثنا **عَبْد الحميد بن سُلَيْمَان،** عن أبي حازم، عن سعيد بن الْمُسَيَّب، قال: لقد رأيتني ليالي الْحَرَّة، وما في مسجد رسول اللهﷺ أحدٌ غيري، ما يأتي وقت صلاةٍ إلا سمعت الأذان مِن القبرُ“[2]

❁ امام لالکائی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۱۸ھ) نے کہا:

”حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُبَيْدٍ قَال: أنا أَحْمَدُ بْنُ الْحُسَيْنِ قَالَ: ثنا أَحْمَدُ بْنُ زُهَيْرٍ قَالَ: ثنا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ لُوَيْنٌ قَالَ: ثنا **عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ سُلَيْمَانَ،** عَنْ **أَبِى حَازِمٍ،** عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُنِى فِيْ لَيَالِى الْحَرَّةِ وَمَا فِيْ مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِﷺ أَحَدٌ غَيْرِي، وَمَا يَأْتِي وَقْتُ صَلَاةٍ إِلَّا سَمِعْتُ الْأَذَانَ مِنَ الْقَبْرِ، ثُمَّ أُقِيمُ فَأُصَلِّي، وَإِنَّ أَهْلَ الشَّامِ لَيَدْخُلُونَ الْمَسْجِدَ زُمَرًا، فَيَقُولُونَ: انْظُرُوا إِلَى هَذَا الشَّيْخِ الْمَجْنُونِ“[3]

❁ امام ابونعیم رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۳۰ھ) نے کہا:

---

[1] الطبقات الكبرى لابن سعد (٥/ ١٣٢)

[2] تاريخ ابن أبي خيثمة (٤/ ١١٩)

[3] كرامات الأولياء للالكائي (٩/ ١٨٣)

”حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ سَهْلٍ الْخَشَّابُ النَّيْسَابُورِيُّ قَالَ: ثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ إِسْحَاقَ الْأَنْمَاطِيُّ ثنا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ لُوَيْنٌ قَالَ: ثنا **عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ سُلَيْمَانَ**، عَنْ **أَبِي حَازِمٍ**، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُنِي لَيَالِيَ الْحَرَّةِ، وَمَا فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ غَيْرِي، وَمَا يَأْتِي وَقْتُ صَلَاةٍ إِلَّا سَمِعْتُ الْأَذَانَ مِنَ الْقَبْرِ، ثُمَّ أَتَقَدَّمُ فَأُقِيمُ وَأُصَلِّي، وَإِنَّ أَهْلَ الشَّامِ لَيَدْخُلُونَ الْمَسْجِدَ زُمَرًا فَيَقُولُونَ: انْظُرُوا إِلَى الشَّيْخِ الْمَجْنُونِ“[1]

❁ **امام ابن الجوزی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۹۷ھ) نے کہا:**

”أَخْبَرَنَا أبو بكر بن عبد الباقي، قال: أنبأ أبو محمد الجوهري إذناً، قال: أنبأ ابن حيويه، قال: أنبأ ابن معروف، قال: أنبأ الفهم، ثنا ابن سعد، قال: أنبأ الوليد بن عطاء، قال: أنبأ **عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ سُلَيْمَانَ**، عَنْ **أَبِي حَازِمٍ**، قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيِّبِ يَقُولُ: لَقَدْ رَأَيْتُنِي لَيَالِيَ الْحَرَّةِ، وَمَا فِي الْمَسْجِدِ أَحَدٌ من خلق الله غيري، وإن أهل الشام ليدخلون زُمَرًا، يَقُولُونَ: انْظُرُوا إِلَى هَذَا الشَّيْخِ الْمَجْنُون، وما يأتي وقت صلاة إلا سمعت أذاناً في الْقَبْرِ، ثُمَّ تَقَدَّمْتُ، فَأَقَمْتُ فَصَلَّيْتُ، وَمَا فِي الْمَسْجِدِ أَحَدٌ غَيْرِي“[2]

سند کی تحقیق:

ان تمام سندوں میں ایک راوی عبدالحمید بن سلیمان الخزاعی موجود ہے، جو ضعیف ہے۔

❁ **امام علی بن المدینی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۴ھ) نے کہا:**

”كان فُلَيح، وأخوه عبد الحَمِيد، ضَعِيفان“[3]

”فلیح اور اس کا بھائی عبدالحمید دونوں ضعیف تھے۔“

❁ **امام ابو زرعہ رازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۴ھ) نے کہا:**

---

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم الأصبهاني (ص: ٥٦٧)

[2] مثير العزم الساكن إلى أشرف الأماكن (٢/ ٣٠١)

[3] سؤالات محمد بن عثمان بن أبي شيبة لعلي بن المديني (ص: ٤٨)

”ضعيف الحديث“[1] ”یہ ضعیف الحدیث ہے۔“

- امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷ھ) نے کہا:

”عبد الحميد بن سليمان أخو فليح، ليس بقوي“[2]

”فلیح کا بھائی عبدالحمید بن سلیمان قوی نہیں ہے۔“

- امام نسائی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۰۳ھ) نے کہا:

”عبد الحميد بن سليمان أخو فليح ضعيف“[3]

”فلیح کا بھائی عبدالحمید بن سلیمان قوی نہیں ہے۔“

- امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۷ھ) نے کہا:

”عبد الحميد أخو فليح ليس بشيئ“[4]

”فلیح کے بھائی عبدالحمید بن سلیمان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔“

- امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴ھ) نے کہا:

”كَانَ مِمَّن **يخطىء ويقلب الْأَسَانِيد** فَلَمَّا كثر ذَلِك فِيمَا روى **بَطل الِاحْتِجَاج** بِمَا حدث صَحِيحا لغَلَبَة مَا ذكرنَا علىٰ رِوَايَته“[5]

”یہ ان لوگوں میں سے تھا، جو غلطی کرتے تھے اور سندوں کو الٹ پلٹ دیتے تھے، جب یہ چیز اس کی مرویات میں بہ کثرت ہونے لگی تو اس کی بیان کردہ صحیح حدیث سے بھی احتجاج باطل ہوگیا، کیوں کہ اس کی مرویات وہی چیز غالب ہے، جس کا ہم نے ذکر کیا۔“

- امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵ھ) نے اسے ضعفا میں ذکر کیا:

”عبد الحميد بن سليمان مدني“[6]

”عبدالحمید بن سلیمان مدنی (متروک) ہے۔“

---

[1] الجرح والتعديل (٦/ ١٤) وسنده صحيح.

[2] الجرح والتعديل (٦/ ١٤)

[3] الضعفاء والمتروكون للنسائي (ص: ٧٢)

[4] تاريخ ابن معين۔ رواية الدوري (٣/ ١٦٠)

[5] المجروحين لابن حبان (٢/ ١٤١)

[6] الضعفاء والمتروكون للدارقطني (ص: ٢٧)

❁ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) نے کہا:

”عبد الحميد بن سليمان أخو فليح عن أبي الزناد، ضعفوه جدا“[1]

”فلیح کا بھائی عبدالحمید بن سلیمان، ابو الزناد سے روایت کرتا ہے، اسے محدثین نے سخت ضعیف کہا ہے۔“

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) نے کہا:

”عبد الحميد بن سليمان الخزاعي الضرير أبو عمر المدني نزيل بغداد ضعيف“[2]

”عبدالحمید بن سلیمان الخزاعی الضریر ابوعمر المدنی، بغداد میں نازل ہوا تھا، یہ ضعیف ہے۔“

معلوم ہوا کہ ایسی کوئی روایت ثابت نہیں ہے، جس میں یہ ذکر ہے کہ واقعہ حرہ کے وقت مسجد نبوی میں اذان ہوئی ہی نہیں اور حیرت ہے بعض لوگ ان روایات کی بنیاد پر یہ تو کہتے ہیں کہ مسجد نبوی میں تین دن تک اذان نہیں ہوئی، لیکن انھیں روایات میں جو یہ ذکر ہے کہ ان تین دنوں میں اللہ کے نبی ﷺ قبر کے اندر سے اذان کہتے تھے، اسے بیان نہیں کرتے، انھیں تو بے چارے قبر پرست بیان کرتے ہیں!!

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و اکابرینِ امت کا موقف:

واقعہ حرہ کے وقت مدینہ علم وفن کا مرکز تھا، وہاں اجلہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور دیگر اہلِ علم اور بزرگانِ دین کی ایک بڑی تعداد موجود تھی، مگر کسی بھی صحیح روایت میں یہ نہیں ملتا کہ اس مخالفت میں مدینے کی کسی بھی بڑی شخصیت نے ساتھ دیا ہو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تو کسی ایک نے بھی ان کا ساتھ نہیں دیا، بلکہ اس کے برعکس مخالفین ہی کو عہد شکن قرار دیا اور ان کے طرزِ عمل کی مذمت کی۔ كما سيأتي.

الغرض یزید کی مخالفت میں کسی ایک بھی صحابی کی شمولیت بسند صحیح ثابت نہیں ہے۔ افسوس کہ بعض حضرات بغیر کسی بنیاد کے یہ کہتے رہتے ہیں کہ مدینے کے صحابہ اور بڑے بڑے لوگوں نے یزید کی مخالفت کی اور ان کی بیعت توڑ دی۔

---

[1] المغني في الضعفاء للذهبي (ص: ٤٤)

[2] تقريب التهذيب لابن حجر (ص: ٢٤٩)

ہم کہتے ہیں: اولاً تو ایسا کچھ بھی صحیح سند سے ثابت نہیں۔ ثانیاً: اگر بالفرض تسلیم کر لیں کہ کچھ صحابہ نے یزید کی مخالفت کی تھی تو بھی ہم محض اس چیز کو بنیاد بنا کر یزید کو مطعون نہیں کر سکتے، ورنہ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا کہیں گے؟ ان سے تو صرف اجلہ صحابہ ہی نہیں، بلکہ اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی مخالفت کی، اسی طرح طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما جیسے جنت کے بشارت یافتہ صحابہ نے علی رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑ دی۔[1] صرف یہی نہیں، بلکہ ان جلیل القدر صحابہ کے ساتھ ساتھ عالمِ اسلام کے ایک بہت بڑے صوبے شام کے تمام باشندوں نے علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی، حتیٰ کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”والذين خرجوا على عثمان طائفة من أوباش الناس، وأما علي فكثير من السابقين الأولين لم يتبعوه ولم يبايعوه، وكثير من الصحابة والتابعين قاتلوه“[2]

”عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جن لوگوں نے خروج کیا، وہ اوباش لوگ تھے، لیکن جہاں تک علی رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے تو سابقون اور اولون میں سے بہت سے لوگوں نے نہ ان کی پیروی کی اور نہ ان سے بیعت کی، نیز بہت سے صحابہ اور تابعین نے ان سے جنگ کی۔“

غور کریں! یہ اہلِ مدینہ کی مخالفت سے بھی سنگین معاملہ ہے تو کیا اس وجہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ذات کو ہدفِ طعن بنانا درست ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ یہی موقف یزید کے ساتھ بھی اپنانا چاہیے، انصاف کا تقاضا یہی ہے۔ یہ بات اس صورت میں کہی جائے گی، جب یہ ثابت ہو جائے کہ یزید کے مخالفین میں صحابہ اور مدینے کے اکابرین شامل تھے، لیکن ہم اوپر عرض کر چکے ہیں کہ مدینے کے کسی ایک بھی صحابی یا عظیم شخصیت سے یزید کی مخالفت ثابت نہیں ہے۔

دراصل واقعہ حرہ دشمنانِ اسلام کی ایک سازش تھی اور اس کے اصل ذمے دار وہ شرپسند تھے، جن کا ہمیشہ سے یہی معمول تھا کہ خیر اور اصلاح کے نام پر مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرو، بھولے بھالے لوگوں کو بہلا پھسلا کر اپنے ساتھ کر لو اور پھر مسلمانوں کو ایک دوسرے سے لڑا دو اور جب گردنیں کٹنے کی نوبت آ جائے تو بھاگ کر روپوش ہو جاؤ۔

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة (٧/ ٥٤٦) و إسناده صحيح.

[2] منهاج السنة النبوية (٨/ ٢٣٤)

چناں چہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی یہی کیا گیا، انھیں مسلمانوں ہی کے خلاف تلوار اُٹھانے پر آمادہ کیا گیا اور عین وقت پر ان کا ساتھ چھوڑ دیا گیا۔ واقعہ کربلا میں بھی یہی کچھ ہوا، مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی کوشش کی گئی اور عین وقت پر حسین رضی اللہ عنہ کو تنہا چھوڑ دیا گیا، بلکہ اپنے ہی تحفظ کے لیے خود ہی ان کا قتل بھی کر دیا گیا۔

واقعہ حرہ میں بھی یہی کچھ ہوا، مدینے میں یزید کے عمال کو پریشان کیا گیا، یزید نے نصیحت کی تو اسے ہی مطعون کیا گیا اور اس پر اَن گنت اتہامات لگائے گئے۔ پھر خیر اور اصلاح کے نام پر کچھ بھولے بھالے لوگوں کو بہلا پھسلا کر اپنے ساتھ کر لیا گیا اور اپنے ناپاک عزائم پر پردہ ڈالنے کے لیے ہر جگہ انھیں کو نمایاں کیا گیا، یہاں تک کہ معاملہ حکومتِ وقت کے ساتھ تصادم تک پہنچ گیا۔ پھر اصل لڑائی کا وقت آیا تو ان بھولے بھالے لوگوں کو آگے بڑھا کر خود نہ صرف پیچھے ہٹ گئے، بلکہ خود اہلِ مدینہ ہی کے مخالفین کا ساتھ دینے لگے۔

افسوس ہے کہ بعض حضرات واقعہ حرہ میں یزید کے مخالفین میں ایک دو بھولے بھالے لوگوں کا نام دیکھ کر یہ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ اہلِ مدینہ کے تمام اہلِ خیر یزید کے مخالف ہوگئے تھے۔ اگر یہ نتیجہ صحیح ہے، تب تو علی رضی اللہ عنہ سے متعلق یہ کہنا چاہیے کہ پوری امت ان کے مخالف ہوگئی تھی، بلکہ علی رضی اللہ عنہ سے بھی قبل عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں بھی مدینے کے بعض اہلِ خیر کا نام آتا ہے تو کیا اس سے ہم یہ نتیجہ نکال لیں کہ مدینے کے تمام اہلِ خیر خلیفہ سوم عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالف ہوگئے تھے؟

چناں چہ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰) نے کہا:

”أخبرنا عفان بن مسلم قال: أخبرنا حماد بن سلمة قال: أخبرنا أبو حفص، وكلثوم بن جبر، عن أبي غادية قال: سمعت عمار بن ياسر يقع في عثمان يشتمه بالمدينة...“[1]

”صحابی رسول ابو غادیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے مدینے میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں بدزبانی کرتے تھے اور انھیں برا بھلا کہتے تھے۔“

---

[1] الطبقات الكبرى (٣/ ٢٦٠) ط: دار صادر. قال الألباني: هذا إسناد صحيح، رجاله ثقات رجال مسلم (السلسلة الصحيحة: ٥/ ١٩) وهو كذلك، لكن جملة ”إن قائله وسالبه في النار“ وردت ب ”قيل“ فهي غير ثابتة لجهالة راويها.

اس کی سند صحیح ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس سند کو صحیح کہا ہے۔ زبیر علی زئی صاحب نے اس کی سند پر عجیب وغریب اعتراض کرتے ہوئے کہا:

''ابو غادیہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت دو راوی بیان کر رہے ہیں: ① ابو حفص: مجہول ② کلثوم بن جبر: ثقہ۔ امام حماد بن سلمہ رحمہ اللہ نے یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ انھوں نے کس راوی کے الفاظ بیان کیے ہیں، ابو حفص (مجہول) کے یا کلثوم بن جبر (ثقہ) کے اور اس بات کی کوئی صراحت نہیں ہے کہ کیا دونوں راویوں کے الفاظ من وعن ایک ہیں یا ان میں اختلاف ہے۔''[1]

عرض ہے:

اولاً: علمِ حدیث کا مبتدی طالب علم بھی دیکھ سکتا ہے کہ اس سند میں ابو حفص کی متابعت موجود ہے، لہٰذا ابو حفص کی جہالت پر اعتراض کرنا بہت بڑا عجوبہ ہے۔ حماد بن سلمہ نے صراحت نہیں کی کہ الفاظ کس کے ہیں تو امام حماد کی عدمِ صراحت ہی اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں کے الفاظ یکساں ہیں یا کم از کم دونوں میں کوئی معنوی فرق نہیں ہے، کیوں کہ حماد بن سلمہ کا ایسا کوئی طرزِ عمل محدثین نے نہیں بتلایا ہے کہ یہ مختلف الفاظ کے ساتھ مختلف طرق کو یکجا سند و متن کے ساتھ ذکر کر دیتے ہیں۔ اگر حماد بن سلمہ کی ایسی کوئی عادت ہوتی تو خود حماد بن سلمہ ہی مجروح قرار پاتے، جیسا کہ محمد بن عمر واقدی پر محدثین نے اس وجہ سے جرح کی ہے کہ یہ مختلف الفاظ کے ساتھ مختلف طرق میں تمام الفاظ کو اکٹھا کر کے اجتماعی سند کے ساتھ ذکر کر دیتے ہیں۔ اگر حماد بن سلمہ کا بھی ایسا کوئی طرزِ عمل ہوتا تو محدثین ان پر گرفت ضرور کرتے، لیکن محدثین نے ان کے بارے میں ایسی کوئی صراحت نہیں کی ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ حماد بن سلمہ کا ایسا کوئی طرزِ عمل نہیں تھا۔

لہٰذا جس راوی کا یہ طرزِ عمل ثابت نہ ہو، اس کی کسی خاص روایت میں بغیر قوی دلیل کے یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا ہے کہ یہاں اس نے کئی سندیں ذکر کر کے کسی ایک ہی کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ البتہ اگر خارجی اور قوی دلائل سے کسی راوی کے بارے میں اس کی کسی خاص روایت سے متعلق اس

---

[1] توضيح الأحكام (٢/ ٤٧٩)

طرح کی بات ثابت ہو جائے تو محض اسی روایت پر اعتراض کیا جاسکتا ہے،لیکن اس کی دیگر روایات کو اس کے غالب طرزِعمل ہی پر محمول کیا جائے گا۔محض احتمال سے غالب طرزِعمل پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا، ورنہ علمِ حدیث کے تمام اصول وضوابط درہم برہم ہوجائیں گے، کیوں کہ اصولِ حدیث کی مرکزی بنیاد ہی یہی ہے کہ راوی کی غالب حالت کا اعتبار کیا جائے اور احتمال کونظر انداز کیا جائے۔ ورنہ احتمال تو یہ بھی ہے کہ ہر ثقہ راوی غلطی کر جائے، کیوں کہ کوئی راوی معصوم عن الخطا نہیں ہے، لیکن محض اس احتمال کی بناپر ہم ثقہ راوی کی ہر روایت کی تغلیط نہیں کر سکتے ہیں، بلکہ ثقہ کی کسی خاص روایت کو خاص دلیل ہی کی بنا پر رد کیا جائے گا۔

الغرض حماد بن سلمہ رحمہ اللہ کی غالب حالت یہ نہیں ہے کہ وہ کئی سندوں سے منقول مختلف متن کو یکجا کر کے اجتماعی سندوں کے ساتھ ذکر کر دیتے ہیں، بلکہ ہمارے علم کے مطابق ان سے ایک بار بھی ایسا ثابت نہیں ہے، لہٰذا ان کی کسی خاص روایت میں محض احتمال کی بنا پر یہ اعتراض لغو ہے اور اصولِ حدیث کے مرکزی ضابطہ کے خلاف ہے۔

ثانیا: خود زبیر علی زئی صاحب نے دیگر مواقع پر اس طرح کی سندوں سے آنے والی روایت کوصحیح سمجھا ہے اور اس سے استدلال بھی کیا ہے، چناں چہ موصوف نے یزید بن معاویہ کو جیش مغفور لہم کی فضیلت سے محروم کرنے کے لیے سنن ابو داود کی ایک حدیث سے استدلال کیا ہے، جو ابن وہب کے طریق سے ہے۔ پھر موصوف ابن وہب کی متابعت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ابن وہب کی سند کی متابعت بھی موجود ہے۔ حافظ ابن عسا کر نے کہا: ''أخبرنا أبو محمد بن الأكفاني بقراءتي عليه قال: ثنا عبد العزيز بن أحمد أنبأ أبو محمد بن أبي نصر أنبأ أبو القاسم بن أبي العقب أنا أحمد بن إبراهيم القرشي نا ابن عائذ نا الوليد نا **عبد الله بن لهيعة والليث** بن سعد عن يزيد عن أبي عمران التجيبي قال: غزونا القسطنطينية، و علىٰ أهل مصر عقبة بن عامر الجهني، و علىٰ الجماعة عبد الرحمن بن خالد بن الوليد''[1]

---

[1] تاریخ دمشق مصور (۹/ ۹۲۹)

اس سند میں لیث بن سعد صحاح ستہ کے مرکزی راوی اور ''ثقۃ ثبت فقیہ امام مشہور'' تھے۔[1]
لیث بن سعد نے ابن وہب کے استاذ حیوہ بن شریح کی متابعت تامہ کر رکھی ہے۔[2] والحمد للّٰہ

اس سند میں غور کریں! ولید بن مسلم اپنے دو اُستادوں سے یہ روایت نقل کرتے ہیں، ایک عبداللہ بن لہیعہ ہیں اور دوسرے لیث بن سعد ہیں۔ عبداللہ بن لہیعہ بعض محققین کی نظر میں ضعیف ہیں اور زبیر علی زئی صاحب کی نظر میں یہ حسن الحدیث ہیں، مگر مدلس ہیں اور یہ یہاں عن سے روایت کرتے ہیں۔ اب زبیر علی زئی صاحب ہی کے اصول کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ ولید بن مسلم نے یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ انھوں نے کس راوی کے الفاظ بیان کیے ہیں: ابن لہیعہ ''عن'' سے روایت کرنے والے کے یا لیث بن سعد کے اور اس بات کی کوئی صراحت نہیں ہے کہ کیا دونوں راویوں کے الفاظ من وعن ایک ہیں یا ان میں اختلاف ہے؟

افسوس ہے کہ زبیر علی زئی صاحب نے یزید کی مخالفت میں اپنا ہی اصول توڑ دیا، بلکہ یہاں بڑے وثوق کے ساتھ کہا:

''لیث بن سعد نے ابن وہب کے استاذ حیوہ بن شریح کی متابعت تامہ کر رکھی ہے۔''

سوال یہ ہے کہ آں جناب کو کیسے معلوم ہوا کہ لیث نے متابعت تامہ کر رکھی ہے؟ آپ ہی کے اصول کی روشنی میں یہ صراحت کہاں ہے کہ ولید بن مسلم کے دونوں اساتذہ کے بیان کردہ الفاظ من وعن یکساں ہیں؟

معلوم ہوا کہ مذکورہ سند پر زبیر علی زئی صاحب کا اعتراض دوسرے مقام پر انھیں کے طرزِ عمل کے خلاف ہے۔

یاد رہے کہ زبیر علی زئی صاحب نے لیث بن سعد کی جو متابعت پیش کی ہے، وہ ولید بن مسلم کے تدلیس تسویہ سے متصف ہونے اور سند کے تمام طبقات میں سماع یا تحدیث کی صراحت نہ ہونے کے سبب ضعیف ہے، جس کی وضاحت آگے حدیثِ قسطنطنیہ پر بحث کے ضمن میں آرہی ہے۔[3]

ثالثاً: بفرضِ محال ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ حماد بن سلمہ کے دونوں اساتذہ ابو حفص اور کلثوم بن جبر کی

---

[1] تقریب (ص: ۸۱۷)

[2] ماہنامہ ''الحدیث'' (شمارہ: ۶، ص: ۶)

[3] اسی کتاب کا صفحہ (۵۹۸۔۶۰۰) دیکھیں۔

روایت میں لفظی یا معنوی فرق ہے تو بھی زبیر علی زئی صاحب کا اعتراض مردود ہے، کیوں کہ موصوف نے اپنے اعتراض کی عمارت اس بنیاد پر کھڑی کی ہے کہ ابوحفص مجہول ہے اور یہ بنیاد ہی باطل ہے، کیوں کہ ابوحفص مجہول نہیں، بلکہ ثقہ راوی ہیں۔

ابوحفص یہ ''سعید بن جمہان الاسلمی'' ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے انھیں حماد بن سلمہ کے اساتذہ میں ذکر کیا ہے۔[1]

نیز امام احمد نے ایک مقام پر ابن سعد کے اسی طریق سے ایک دوسری روایت نقل کرتے ہوئے کہا:

''حدثنا عفان، حدثنا حماد بن سلمة، حدثني سعید بن جمهان قال...''[2]

یہ بالکل ابن سعد ہی کا طریق ہے اور اس میں حماد بن سلمہ کے استاذ سعید بن جمہان ہیں اور انھیں کی کنیت ابوحفص ہے۔ یہ قطعی دلیل ہے اس بات کی کہ اس طریق میں ابوحفص سے مراد سعید بن جمہان ہیں اور یہ سنن اربعہ کے ثقہ راوی ہیں۔ امام ابن حبان، امام احمد، امام ابو داود، امام ابن معین اور امام یعقوب فسوی وغیرہم نے انھیں ثقہ کہا ہے۔[3]

ثابت ہوا کہ یہ روایت بالکل صحیح ہے اور اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ مدینے والوں نے جب عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی اور ان کی بیعت توڑ دی، حتیٰ کہ انھیں قتل بھی کر ڈالا تو اس موقع پر عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں بدزبانی کرتے تھے اور انھیں برا بھلا کہتے تھے۔ بلکہ ایک صحیح روایت کا حوالہ گذشتہ سطور میں ہم دے چکے ہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ اول ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بن ابی بکر نے نہ صرف یہ کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی، بلکہ ان کے قتل پر بھی آمادہ ہوگئے اور ارادہ قتل سے عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں گھس کر ان پر حملہ آور بھی ہوگئے تھے، لیکن عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے غیرت دلائی تو وہ ہٹ گئے۔[4]

---

[1] دیکھیں: العلل ومعرفة الرجال لأحمد (٢/ ٣١٤)

[2] مسند أحمد (٣١/ ٤٨٦)

[3] الثقات لابن حبان (٤/ ٢٧٨) علل أحمد رواية المروزي وغيره (ص: ١٠٧) سؤالات أبي عبيد الآجري للإمام أبي داود السجستاني (ص: ١٦٢) تاريخ ابن معين، رواية الدوري (٤/ ١١٤) المعرفة والتاريخ (٢/ ١٢٨)

[4] اسی کتاب کا صفحہ (٣٠٧) دیکھیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح کی ایک دو صحیح روایات سے ہم یہ نتیجہ نکال لیں کہ مدینے کے تمام باشندے بشمول صحابہ وتابعین خلیفہ سوم عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ہوگئے تھے، ان کی بیعت توڑ دی، حتیٰ کہ انہیں قتل بھی کر ڈالا؟ جیسا کہ شیعہ اور رافضہ لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں اور دلیل میں ہماری انھیں کتابوں سے تاریخی روایات پیش کرتے ہیں، جن کتابوں سے واقعہ حرہ کی تفصیلات پیش کی جاتی ہیں۔

صاف بات یہ ہے کہ اہلِ مدینہ کی طرف سے یزید کی مخالفت ہو یا اہلِ مدینہ کی طرف سے عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت؛ یہ سب دشمنانِ اسلام کی سازش تھی۔ اصل مخالفت سبائی اور ان کی ذریت ہی کی طرف سے تھی، لیکن ان ظالموں نے دونوں موقعوں پر جھوٹ اور فریب کاری سے کچھ بھولے بھالے لوگوں کو بہلا پھسلا دیا تھا۔ جو درندے عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو بہکا سکتے ہیں تو اگر یہ درندے ابن مطیع وغیرہ کو یزید کے خلاف بھڑکا دیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

بلکہ علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ کے بقول تو سبائیوں نے ابو ذر رضی اللہ عنہ کو بھی عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بھڑکا دیا تھا، چناں چہ علامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"إن أبا ذر رضي الله عنه لشدة ورعه وزهده وسذاجته انطلىٰ عليه أكاذيب عبد الله بن سبأ"[1]

''ابو ذر رضی اللہ عنہ کے بہت زیادہ متقی و پرہیز گار اور سیدھے سادھے ہونے کے سبب عبداللہ بن سبا کی جھوٹی باتیں ان پر اثر کر گئیں۔''

بلکہ عہد رسالت ہی میں دیکھ لیجیے، وہ بھی ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ، کہ ان کے خلاف پروپیگنڈا ایسا سخت ہوا کہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ، اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا جیسی شخصیات متاثر ہوگئیں۔ پھر عہد صحابہ میں یزید اور اہل مدینہ کی کیا حیثیت ہے۔

الغرض جس طرح اہلِ مدینہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی تو کچھ بھولے بھالے لوگ بھی ان کے خلاف ہوگئے تھے، ٹھیک اسی طرح اہلِ مدینہ نے جب یزید کی مخالفت کی تو اس موقع پر بھی کچھ بھولے بھالے لوگ یزید کے خلاف ہوگئے، لیکن اس کے باوجود بھی ان کی مخالفت میں کسی ایک بھی صحابی یا عظیم شخصیت نے شرکت نہیں کی، بلکہ مدینے کے صحابہ، اہلِ بیت، اکابرین اور اہلِ علم سب کے سب نہ صرف یہ کہ یزید کی بیعت پر باقی رہے، بلکہ یزید کا دفاع بھی کرتے رہے اور باغیوں کو بغاوت سے روکتے بھی رہے، چناں چہ ملاحظہ ہو:

---

[1] الشيعة والتشيع (ص: ١٢٦)

عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کا موقف:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶) نے کہا:

”حدثنا إسماعيل، عن أخيه، عن سليمان، عن عمرو بن يحيى، عن عباد بن تميم، قال: لما كان يوم الحرة، والناس يبايعون لعبد الله بن حنظلة، فقال ابن زيد: علىٰ ما يبايع ابن حنظلة الناس؟ قيل له: على الموت، قال: لا أبايع علىٰ ذلك أحدا بعد رسول الله ﷺ، وكان شهد معه الحديبية“[1]

”عباد بن تمیم نے بیان کیا کہ حرہ کی لڑائی میں لوگ عبداللہ بن حنظلہ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔ عبداللہ بن زید نے پوچھا کہ ابن حنظلہ سے کس بات پر بیعت کی جا رہی ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ موت پر۔ ابن زید نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اب میں کسی سے بھی موت پر بیعت نہیں کروں گا۔ وہ آپ ﷺ کے ساتھ غزوۂ حدیبیہ میں شریک تھے۔“

معلوم ہوا کہ صحابی رسول عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ بھی اہلِ مدینہ کے اس طرزِ عمل سے متفق نہیں تھے اور عبداللہ بن حنظلہ کے طریقۂ بیعت پر بھی انھیں اعتراض تھا۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف:

امام خلیفہ بن خیاط رحمہ اللہ (المتوفی ۲۴۰ھ) نے کہا:

”فحدثني وهب قال: حدثني أبي عن أيوب عن عكرمة عن ابن عباس سأل عنهم وهو بالطائف، فقيل له: استعملوا عبد الله بن مطيع علىٰ قريش و عبد الله بن حنظلة علىٰ الأنصار فقال: أميران! هلك القوم“[2]

”عکرمہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما طائف میں تھے، وہاں آپ نے اہلِ مدینہ کے بارے میں پوچھا تو کہا گیا: اہلِ مدینہ نے قریش کے لیے عبداللہ بن مطیع اور انصار

---

[1] صحيح البخاري (٥/ ١٢٥) رقم الحديث (٤١٦٧)

[2] تاريخ خليفة بن خياط (ص: ٢٣٧) و إسناده صحيح، والحسن البصري لا يدلس عن غير الصحابة كما قال الألباني رحمه الله. أنظر: كتاب السنة لابن أبي عاصم بتحقيق الألباني (١/ ١٧٦) ومن هذ الطريق أخرجه ابن عساكر في تاريخ دمشق (٢٧/ ٤٣١)

کے لیے عبداللہ بن حنظلہ کو امیر مقرر کر دیا ہے تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: دو امیر! اب یہ قوم ہلاک و برباد ہوگی۔''

معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اہلِ مدینہ کے اس طرزِ عمل سے متفق نہیں تھے، بلکہ اسے ہلاکت اور بربادی کا پیش خیمہ سمجھتے تھے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا موقف:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مقام و مرتبہ بیان کا محتاج نہیں ہے۔ خود اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری صراحت کے ساتھ انھیں نیک اور متدین قرار دیا ہے۔ چناں چہ صحیح بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إِنَّ عَبْدَ اللَّهِ رَجُلٌ صَالِحٌ''[1] ''عبداللہ نیک آدمی ہیں۔''

یہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں، جنھوں نے نہ صرف یہ کہ یزید کی مخالفت نہ کی، بلکہ یزید کے مخالفین سے اظہارِ براءت کیا اور ان تمام لوگوں سے رشتہ ناتا ترک کرنے کا اعلان کیا، جو لوگ یزید کی مخالفت سے باز نہ آئیں، چناں چہ صحیح بخاری میں ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶) نے کہا:

''حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: لَمَّا خَلَعَ أَهْلُ المَدِينَةِ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ، جَمَعَ ابْنُ عُمَرَ، حَشَمَهُ وَوَلَدَهُ، فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ: يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ القِيَامَةِ، وَإِنَّا قَدْ بَايَعْنَا هَذَا الرَّجُلَ عَلَىٰ بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ غَدْرًا أَعْظَمَ مِنْ أَنْ يُبَايَعَ رَجُلٌ عَلَىٰ بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُنْصَبُ لَهُ القِتَالُ، وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِنْكُمْ خَلَعَهُ، وَلَا بَايَعَ فِي هَذَا الأَمْرِ، إِلَّا كَانَتِ الفَيْصَلَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ''[2]

''نافع روایت کرتے ہیں کہ جب اہلِ مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے ساتھیوں اور بچوں کو اکٹھا کیا اور کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہر وعدہ توڑنے والے کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور ہم اس (یزید) کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کے موافق کر چکے ہیں۔ میں نہیں

[1] صحيح البخاري (٥/ ٢٥) رقم الحديث (٣٧٤٠) صحيح مسلم (٤/ ١٩٢٧) رقم الحديث (٢٤٧٨)
[2] صحيح البخاري (٩/ ٥٧) رقم الحديث (٧١١١)

جانتا کہ اس سے بڑھ کر کوئی بے وفائی ہوسکتی ہے کہ ایک شخص کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کے موافق ہو جائے، پھر اس سے جنگ کی جائے۔ تم میں سے جو شخص یزید کی بیعت توڑے گا اور اس کی اطاعت سے روگردانی کرے گا تو میرا اس سے کوئی رشتہ باقی نہیں رہے گا۔‘‘

یاد رہے کہ واقعہ حرہ کے ختم ہونے کے بعد بھی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یزید کی مذمت نہیں کی، جب کہ آپ حجاج بن یوسف کی مذمت کرتے تھے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ واقعہ حرہ میں بھی یزید نے نہ تو ظلم و بربریت کا حکم دیا تھا اور نہ شامی فوج نے مظالم ڈھائے تھے، ورنہ یہ سب کچھ ہونے کے بعد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یزید اور شامی فوج کی ضرور مذمت کرتے، لیکن مذمت کرنا تو دور کی بات، آگے ہم ایک روایت پیش کریں گے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس واقعہ کے بعد اس بات پر افسوس ظاہر کرتے تھے کہ انھوں نے بھی باغیوں کے خلاف قتال کیوں نہیں کیا؟![1]

محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کا موقف:

تابعین میں محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ جیسی عظیم شخصیت جو حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی بھی تھے، انھوں نے بھی اہلِ مدینہ کی اس حرکت کو سراسر غلط قرار دیا اور یزید بن معاویہ پر لگائے گئے سارے الزامات کی نہ صرف تردید کی، بلکہ آپ نے یزید بن معاویہ کے محاسن وفضائل بیان کیے۔ چناں چہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴) نے امام مدائنی کی روایت مع سند نقل کرتے ہوئے کہا:

”وقد رواه أبو الحسن علي بن محمد بن عبد الله بن أبي سيف المدائني عن صخر بن جويرية عن نافع... ولما رجع أهل المدينة من عند يزيد مشىٰ عبد الله بن مطيع وأصحابه إلىٰ محمد بن الحنفية فأرادوه علىٰ خلع يزيد فأبىٰ عليهم، فقال ابن مطيع: إن يزيد يشرب الخمر، ويترك الصلاة، ويتعدىٰ حكم الكتاب! فقال لهم: ما رأيت منه ما تذكرون، وقد حضرته وأقمت عنده فرأيته مواظبا على الصلاة متحريا للخير يسأل عن الفقه ملازما للسنة. قالوا: فإن ذلك كان منه تصنعا لك، فقال: وما الذي خاف مني أو رجا حتى يظهر إليَّ الخشوع؟

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۵۴۵۔۵۴۶) دیکھیں۔

أفأطلعكم علىٰ ما تذكرون من شرب الخمر فلئن كان أطلعكم علىٰ ذلك إنكم لشركاؤه، وإن لم يطلعكم فما يحل لكم أن تشهدوا بما لم تعلموا. قالوا إنه عندنا لحق، وإن لم يكن رأيناه، فقال لهم: أبىٰ الله ذلك على أهل الشهادة فقال: ﴿إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ ولست من أمركم في شيئ. قالوا: فلعلك تكره أن يتولى الأمر غيرك فنحن نوليك أمرنا. قال: ما أستحل القتال علىٰ ما تريدونني عليه تابعا ولا متبوعا، قالوا: فقد قاتلت مع أبيك. قال: جيئوني بمثل أبي أقاتل علىٰ مثل ما قاتل عليه. فقالوا: فمر ابنيك أبا القاسم والقاسم بالقتال معنا. قال: لو أمرتهما قاتلت. قالوا: فقم معنا مقاما تحض الناس فيه على القتال. قال: سبحان الله آمر الناس بما لا أفعله ولا أرضاه، إذا ما نصحت لله في عباده. قالوا: إذاً نكرهك. قال: إذاً آمر الناس بتقوى الله ولا يرضون المخلوق بسخط الخالق“[1]

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸) نے بھی اس روایت کو مع سند نقل کرتے ہوئے کہا:

”وَزَادَ فِيهِ الْمَدَائِنِيُّ، عَنْ صَخْرٍ، عَنْ نَافِعٍ: فَمَشَى عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُطِيعٍ وَأَصْحَابُهُ إِلَى مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ، فَأَرَادُوهُ عَلَى خَلْعِ يَزِيدَ، فَأَبَى، وَقَالَ ابْنُ مُطِيعٍ: إِنَّ يَزِيدَ يَشْرَبُ الْخَمْرَ، وَيَتْرُكُ الصَّلاةَ، وَيَتَعَدَّى حُكْمَ الْكِتَابِ، قَالَ: مَا رَأَيْتُ مِنْهُ مَا تَذْكُرُونَ، وَقَدْ أَقَمْتُ عِنْدَهُ، فَرَأَيْتُهُ مُوَاظِبًا لِلصَّلاةِ، مُتَحَرِّيًا لِلْخَيْرِ، يَسْأَلُ عَنِ الْفِقْهِ...“[2]

”جب اہلِ مدینہ یزید کے پاس سے واپس آئے تو عبداللہ بن مطیع اور ان کے ساتھی محمد بن حنفیہ کے پاس آئے اور یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ یزید کی بیعت توڑ دیں، لیکن محمد بن حنفیہ نے ان کی اس بات سے انکار کر دیا تو عبداللہ بن مطیع نے کہا: یزید شراب پیتا ہے، نماز چھوڑتا ہے اور کتاب اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ محمد بن حنفیہ نے کہا

[1] البداية والنهاية (٨/ ٢٣٣) نقلاعن المدائني و إسناده صحيح
[2] تاريخ الإسلام للذهبي (٥/ ٢٧٤) نقلًا عن المدائنى، و إسناده صحيح.

کہ میں نے تو اس کے اندر ایسا کچھ نہیں دیکھا، جیسا تم کہہ رہے ہو، جبکہ میں اس کے پاس جا چکا ہوں اور اس کے ہاں قیام کر چکا ہوں، اس دوران میں مَیں نے تو اسے نماز کا پابند، خیر کا متلاشی، علمِ دین کا طالب اور سنت کا ہمیشہ پاسدار پایا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یزید ایسا آپ کو دکھانے کے لیے کر رہا تھا، تو محمد بن حنفیہ نے کہا: اسے مجھ سے کیا خوف تھا یا مجھ سے کیا چاہتا تھا کہ اسے میرے سامنے نیکی ظاہر کرنے کی ضرورت پیش آتی؟ کیا تم لوگ شراب پینے کی جو بات کرتے ہو، اس بات سے خود یزید نے تمھیں آگاہ کیا؟ اگر ایسا ہے تو تم سب بھی اس کے گناہ میں شریک ہو اور اگر خود یزید نے تمھیں یہ سب نہیں بتایا ہے تو تمھارے لیے جائز نہیں کہ ایسی بات کی گواہی دو، جس کا تمھیں علم ہی نہیں۔ لوگوں نے کہا: یہ بات ہمارے نزدیک سچ ہے، اگرچہ ہم نے نہیں دیکھا ہے، تو محمد بن حنفیہ نے کہا: اللہ تعالیٰ اس طرح گواہی دینے کو تسلیم نہیں کرتا، کیوں کہ اللہ کا فرمان ہے: ''جو حق بات کی گواہی دیں اور انھیں اس کا علم بھی ہو۔'' لہٰذا میں تمھاری ان سرگرمیوں میں کوئی شرکت نہیں کر سکتا، تو انھوں نے کہا کہ شاید آپ یہ ناپسند کرتے ہیں کہ آپ کے علاوہ کوئی اور امیر بن جائے تو ہم آپ ہی کو اپنا امیر بناتے ہیں، تو محمد بن حنفیہ نے کہا: تم جس چیز پر قتال کر رہے ہو، میں تو اس کو سرے سے جائز نہیں سمجھتا، مجھے کسی کے پیچھے لگنے یا لوگوں کو اپنے پیچھے لگانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: آپ اپنے والد کے ساتھ بھی تو لڑائی لڑ چکے ہیں؟ تو محمد بن حنفیہ نے کہا کہ پھر میرے والد جیسا شخص اور انھوں نے جن کے ساتھ جنگ کی ہے، ایسے لوگ لے کر تو آؤ! وہ کہنے لگے: آپ اپنے صاحبزادوں قاسم اور ابو القاسم ہی کو ہمارے ساتھ لڑائی کی اجازت دے دیں، محمد بن حنفیہ نے کہا: میں اگر اُن کا اس طرح کا حکم دوں تو خود نہ تمھارے ساتھ شریک ہو جاؤں؟ لوگوں نے کہا: اچھا آپ صرف ہمارے ساتھ چل کر لوگوں کو لڑائی پر تیار کریں، محمد بن حنفیہ نے کہا: سبحان اللہ! جس کو میں خود ناپسند کرتا ہوں اور اس سے مجتنب ہوں، لوگوں کو اس کا حکم کیسے دوں؟ اگر میں ایسا کروں تو میں اللہ کے معاملوں میں اس کے بندوں کا خیر خواہ نہیں، بلکہ بدخواہ ہوں۔ وہ کہنے

لگے: پھر ہم آپ کو مجبور کریں گے۔ محمد بن حنفیہ نے کہا: میں اس وقت بھی لوگوں سے یہی کہوں گا کہ اللہ سے ڈرو اور مخلوق کی رضا کے لیے خالق کو ناراض نہ کرو۔''

اس روایت کو امام ابن کثیر اور امام ذہبی رحمہما اللہ نے امام مدائنی کی کتاب سے سند کے ساتھ نقل کر دیا ہے اور یہ سند بالکل صحیح ہے، اس سند پر تفصیلی بحث آگے آ رہی ہے۔[1]

ربیبہ رسول زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا کا موقف:

صرف صحابہ و تابعین ہی نہیں، بلکہ مدینے کی فاضل خواتین نے بھی اہلِ مدینہ کی اس شر انگریزی کی مذمت کی، چناں چہ ربیبہ رسول زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا، جو اپنے دور میں مدینے کی عورتوں میں سب سے بڑی عالمہ وفقیہہ تھیں، ان کے ایک لڑکے نے یزید کے خلاف اہلِ مدینہ کا ساتھ دیا اور اہلِ شام کے ہاتھوں قتل ہوا تو ان کی یہ فقیہہ ماں اس کے سوء خاتمہ سے ڈرتی تھیں، چناں چہ امام خلیفہ بن خیاط رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۰ھ) نے کہا:

''حدثنا وهب قال: حدثني أبي قال: نا الحسن قال: أصيب ابنا زينب يوم الحرة فحملا إليها فقالت: إنا لله وإنا إليه راجعون ما أعظم المصيبة علي فيهما ولهي في هذا أعظم علي منها في هذا، أما هذا فبسط يده فقاتل حتى قتل فأخاف عليه، وأما هذا فكف يده حتى قتل فأنا أرجو له''[2]

''حسن بصری تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حرہ کے دن زینب ربیبہ رسول کے دو بیٹے قتل کر دیے گئے۔ ان دونوں کو ان کے پاس لایا گیا تو انھوں نے کہا: انا للہ وانا الیہ راجعون! ان دونوں بیٹوں کی موت سے مجھ پر کتنی سخت مصیبت نازل ہوئی ہے اور میرے اس بیٹے کی مصیبت تو میرے اس دوسرے بیٹے کی مصیبت سے بھی زیادہ ہے، کیوں کہ اس نے اس لڑائی میں حصہ لیا اور قتل کیا گیا، میں اس کے سوء خاتمہ سے ڈرتی ہوں، لیکن میرے اس دوسرے بیٹے نے لڑائی میں حصہ نہیں لیا، پھر بھی قتل ہوگیا، مجھے اس کے بارے میں اچھی امید ہے۔''

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۲۰۴۔۲۳۰۷) دیکھیں۔

[2] تاريخ خليفة بن خياط (ص: ٢٣٩) و إسناده صحيح.

غور کریں کہ مدینے کی یہ عظیم فقیہہ اپنے اس بیٹے کی موت کو بڑی مصیبت بتا رہی ہیں اور اس کے سوے خاتمہ سے ڈر رہی ہیں، جس نے یزید کے خلاف لڑائی میں حصہ لیا تھا۔ یاد رہے کہ ربیبہ رسول کا یہ بیان واقعہ حرہ کے ختم ہونے کے بعد کا ہے، اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ واقعہ حرہ میں شامی فوج نے مظالم نہیں ڈھائے تھے اور نہ دانستہ کسی معصوم کا خون بہایا تھا، ورنہ اس واقعہ کے ختم ہونے کے بعد ربیبہ رسول ایسا بیان نہ دیتیں۔

غور کرنے کی بات ہے کہ محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ جن کے اپنے بھائی حسین رضی اللہ عنہ یزید کے دور میں ہی شہید ہوئے، ربیبہ رسول جن کے اپنے بیٹے واقعہ حرہ میں شہید ہوئے، ان لوگوں نے بھی یزید کی مذمت نہیں کی، بلکہ یزید کے مخالفین ہی پر ملامت کیا۔ لیکن افسوس ہے کہ دورِ یزید کے ہزاروں سال بعد پیدا ہونے والے نہ جانے کس دنیا سے یہ خبر لاتے ہیں کہ یزید ظالم تھا، یزید فاسق تھا!! سبحان اللہ ھٰذا بھتان عظیم.

❀❀❀❀

باب 7

حصارِ مکہ

- پسِ منظر۔
- اصل مخالفین۔
- شامی فوج کا کردار۔
- صحابہ رضی اللہ عنہم کا موقف۔

حصارِ مکہ

پسِ منظر:

دوسرے باب میں تفصیل سے بتایا جاچکا ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے یزید کی مخالفت کس پسِ منظر میں کی تھی، جس کا ماحصل یہ ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو یہ اندیشہ تھا کہ باپ کے بعد بیٹے کو خلیفہ بنانے سے اسلامی خلافت کا نظام بگڑ سکتا ہے اور خلافیت ملوکیت میں تبدیل ہوسکتی ہے، اس لیے امیر معاویہ اور ان کے موافقین صحابہ کے اس فیصلے سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ متفق نہ تھے کہ امیر معاویہ کے بعد ان کے بیٹے یزید کو خلیفہ بنانے کی بیعت کی جائے۔[1]

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت صرف اسی حد تک تھی کہ انھوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں یزید کی بیعت نہیں کی تھی اور امیر معاویہ کی وفات کے بعد بھی آپ نے یزید کی بیعت نہیں کی، آپ چونکہ شروع ہی سے یزید کی بیعت کے مخالف تھے، اس لیے ظاہر ہے کہ آپ کی عدمِ بیعت اور خلافتِ یزید سے آپ کی مخالفت کو بغاوت یا عہد شکنی سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ بغاوت اور عہد شکنی کی بات اس وقت ہوتی، جب کوئی پہلے کسی کی بیعت کرلے اور بعد میں بیعت توڑ دے، جس طرح مدینے کے کچھ شرپسندوں نے کیا تھا۔

بہرحال عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا موقف صرف مخالفت اور عدمِ بیعت کا تھا، اس سے آگے بڑھ کر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی باغیانہ اقدام نہیں ہوا تھا، اسی لیے امیر معاویہ کی زندگی میں بھی ان سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد واقعہ حرہ تک تقریباً تین سال کا عرصہ گزرا، اس عرصے میں بھی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا، کیوں کہ اس درمیان ان کا موقف صرف اختلاف اور عدمِ بیعت کا تھا، اس سے آگے بڑھ کر حکومت کے خلاف ان کی طرف سے کوئی پیش رفت نہیں ہوئی تھی، اس لیے حکومت نے بھی ان کی

[1] تفصیل کے لیے اسی کتاب کا صفحہ (۳۰۷۔۳۱۰) دیکھیں۔

اس مخالفت کو نظر انداز کیا اور ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ لیکن واقعہ حرہ کے وقت جن شر پسندوں نے اہلِ مدینہ کے بعض بھولے بھالے افراد کو اپنی سازش کا شکار بنایا اور انھیں خلیفہ وقت کی بیعت توڑنے پر آمادہ کر لیا، اسی سازشی ٹولے نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کو اپنے حق میں استعمال کیا اور ان کی آڑ میں ان کے ساتھ مل کر حکومتِ وقت کے خلاف ایک فتنہ کھڑا کر دیا۔[1]

اصل مخالفین:

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تحریک میں اصل کردار اسلام مخالف شر پسندوں ہی کا تھا۔ اگر مخالفت کی یہ تحریک خالص عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہی کی ہوتی تو وہ شروع ہی میں یزید کی خلافت کو چیلنج کر دیتے، لیکن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایسا کچھ نہیں ہوا، بلکہ وہ اپنے اختلاف کے ساتھ اپنی جگہ خاموش تھے اور اس عرصے میں حکومت نے بھی ان پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا۔ لیکن خلافتِ یزید پر تین سال سے زائد عرصہ گزرنے کے بعد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت ایک تحریک میں بدل جاتی ہے، جس کا مشن یزید کی حکومت کو چیلنج کرنا اور ان کے عمال کو حتی کہ خاندانِ بنو امیہ کے افراد کو بھی مدینے اور مکے سے نکال باہر کیا۔

سوال یہ ہے کہ اگر یہ خوفناک تحریک خالص عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہی کی کاوش ہے تو اس کے ظہور میں اس قدر تاخیر کیوں ہوئی؟ یزید کے خلیفہ بنتے ہی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ تحریک کیوں نہیں شروع کی؟ بلکہ شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کے بعد بھی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کوئی سرگرمی نہیں دکھائی۔ بلکہ اس کے کافی عرصہ بعد یہ تحریک مکے سے شروع ہوتی ہے، آخر کیوں؟

صاف ظاہر ہے کہ یہ سب دشمنوں کی ترتیب ہی سے ہوا ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بننے کے بعد پورا عالمِ اسلام متحد ہو گیا تھا اور دشمنوں کو فتنہ انگیزی کے لیے کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا، لیکن یزید کے خلیفہ بننے کے بعد پھر اس فتنے کو جگانے کی کوشش کی گئی، جو صلحِ حسن رضی اللہ عنہ کے بعد موت کی نیند سو چکا تھا، چناں چہ حسین رضی اللہ عنہ کی شخصیت کا انتخاب کیا گیا اور کوشش کی گئی کہ ان کے ذریعے ایک بار پھر امت مسلمہ کو خاک وخون میں تڑپایا جائے، لیکن حسین رضی اللہ عنہ نہ صرف یہ کہ ان کے آلہ کار نہیں بنے، بلکہ انھوں نے یزید کو امیر المومنین تسلیم کرکے ان سے بیعت پر رضامندی کا اعلان کر دیا۔ جس

[1] دیکھیں: ہماری کتاب: ''حادثہ کربلا اور سبائی سازش'' (ص: ۱۷۳۔۱۷۴) طبع دوم

کے نتیجے میں ظالموں نے آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔[1]

آپ کی شہادت کے بعد اسلامی حکومت پوری طرح چوکنا ہوگئی اور ہر طرح کے فتنے پر کڑی نگاہ رکھی گئی، اس لیے اس سانحے کے بعد کافی عرصہ تک درندوں نے خاموش رہنے ہی میں عافیت سمجھی۔ پھر جوں ہی حالات پر سکون ہوئے، ان سرکشوں نے دوبارہ سر اٹھایا اور اُمت مسلمہ کے میں خون ریزی کے لیے کسی نئے بہانے کی تلاش میں لگ گئے۔

انھوں نے دیکھا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پورے عالمِ اسلام میں واحد شخص تھے، جنھوں نے شروع سے لے کر اب تک یزید کی بیعت نہیں کی ہے۔ پھر کیا تھا، ہر چہار جانب سے خوارج اور فتنہ پرور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور انھیں حکومتِ یزید کے خلاف بھڑکایا۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تو شروع ہی سے حکومتِ یزید کے خلاف تھے، بلکہ انھوں نے تاحال بیعت نہیں کی تھی، اس لیے آپ ان لوگوں کی باتوں میں آ گئے اور اس طرح آپ کی خاموش مخالفت ایک سرگرم تحریک میں بدل گئی۔[2]

جن شر پسندوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کو ایک تحریک میں بدل دیا، انھیں کی ایک ٹیم نے مدینے سے فتنے کی شروعات کی، ابتدا میں حاکمِ مدینہ کو ستایا، انھیں سمجھانے کی کوشش کی گئی تو یہ مزید سر پر چڑ گئے اور معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ ان لوگوں نے حاکمِ مدینہ کو مدینے سے باہر نکال دیا اور ساتھ میں بنو اُمیہ کے افراد کو بھی شہر بدر کر دیا اور اور مدینے کے بھولے بھالے لوگوں کو بہلا پھسلا کر مدینے میں بغاوت برپا کر دی اور اپنی سازش پر پردہ ڈالنے کے لیے اس پورے فساد کو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تحریکِ مخالفت سے جوڑ دیا۔

یزید نے اہلِ مدینہ کو سمجھانے کی کوشش کی تو اُلٹا یزید ہی کو مطعون کیا گیا، اس پر ترکِ صلاۃ، شراب نوشی اور نا جانے کیسے کیسے اتہامات لگائے گے، بالآخر فتنہ پردازی کی حد ہوگئی اور مدینے کی حرمت پامال کر دی گئی تو مجبوراً ان کے خلاف فوجی کارروائی کرنی پڑی، جسے واقعہ حرہ کے نام سے جانا جاتا ہے، جس کی تفصیل پیش کی جا چکی ہے۔

واقعہ حرہ کے بعد اسلامی فوج مکے کی طرف روانہ ہوئی، تا کہ مکے میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی

---

[1] دیکھیں: ہماری کتاب ''حادثہ کربلا اور سبائی سازش'' (ص: ۳۴۔۶۲) طبع دوم۔ نیز دیکھیں (ص: ۸۵۸۔۸۸۱)
[2] دیکھیں: ہماری کتاب ''حادثہ کربلا اور سبائی سازش'' (ص: ۱۷۵ تا ۱۷۶) طبع دوم۔

قیادت میں مخالفت کی جو تحریک سرگرم ہے، اسے ختم کیا جائے۔ اس واقعے کو ''حصارِ مکہ'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مکے میں یزید کی مخالفت میں روح رواں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہی تھے، لیکن یہ سب کچھ خالص انھیں کی سرگرمیوں کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ ان کے ساتھ شر پسند لوگ بھی لگے ہوئے تھے، جو صرف فتنے تک ہی ان کا ساتھ دے سکتے ہیں اور جوں ہی گردن کٹانے کے باری آتی ہے، یہ سب بھاگنے والے تھے، چناں چہ تاریخی روایات بتلاتی ہے کہ آگے چل کر جب دوسری بار حجاج نے ان کا محاصرہ کیا تو ان کے سارے اعوان و انصار دُم دبا کر نہ صرف بھاگ گئے، بلکہ بعض تو مخالف گروپ میں شامل ہوگئے اور انھیں قتل ہونے کے لیے تنہا چھوڑ دیا۔ دراصل یہ ساتھی سچے ساتھی نہ تھے، بلکہ سازشی ٹولے کے شر پسند تھے، جن کا مقصد ہی ہمیشہ کی طرح یہی تھا کہ کسی نہ کسی بہانے سے اُمتِ مسلمہ کے درمیان خون ریزی کی جائے اور انھیں آپس ہی میں لڑا کر ان کی طاقت کو تہس نہس کر دیا جائے۔

اگر یہ لوگ مخلص اور سچے ساتھی ہوتے تو مرتے دم تک عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ چھوڑتے، لیکن فتنہ برپا کر کے عین وقت پر عبداللہ بن زبیر کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ جانا، اس بات کی دلیل ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی معیت کا دم بھرنے والا یہ گروہ اسی سبائی ٹولے کی پیداوار تھا، جس نے حسین رضی اللہ عنہ کی حمایت کا دعوی کیا اور میدانِ کربلا میں انھیں اکیلا چھوڑ دیا، بلکہ موقع پا کر خود ہی انھیں شہید بھی کر ڈالا اور اس سے بھی پہلے ان لوگوں نے حسن رضی اللہ عنہ کی حمایت کا بھی دعوی کیا، لیکن جب حسن رضی اللہ عنہ نے امت کے مفاد میں فیصلہ کیا تو ان لوگوں نے حسن رضی اللہ عنہ کا ساتھ چھوڑ دیا، بلکہ اس سے بھی قبل علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ان لوگوں نے ایسا ہی کھیل کھیلا۔

اس کے برعکس امیر معاویہ اور یزید کے ساتھیوں کا ایسا کوئی ریکارڈ نہیں ملتا کہ عین وقت پر ان کے ساتھیوں نے انھیں اکیلا چھوڑ دیا ہو۔ ظالموں نے صرف اسی پر بس نہیں کیا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بھڑکایا، بلکہ بعد میں انھیں ظالموں نے واقعہ کی داستان وضع کرتے وقت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف بھی ایسی ایسی باتیں منسوب کیں، جن کا کسی بھی صورت میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔

مثلاً یزید کو گالی دینا، یزید پر شراب نوشی اور زنا کاری کی تہمت لگانا اور اُن تہمتوں کے سہارے لوگوں کو یزید کے خلاف بھڑکانا، یہ سب کچھ شرپسندوں نے کیا، لیکن اپنے اس کرتوت کو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا اور یہ سب کچھ صرف حصارِ مکہ کے موقع سے ہی نہیں، بلکہ اس سے قبل کے فتنوں میں بھی ظالموں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا یہی کردار پیش کیا ہے کہ انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کے خلاف نہ صرف خود بغاوت کی، بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خوب اُبھارا۔

چناں چہ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (المتوفی ۳۱۰) نے کہا:

"حدثنيه أحمد بن زهير، قال: حدثنا أبي أبو خيثمة، قال: حدثنا وهب بن جرير بن حازم، قال: سمعت أبي قال: سمعت يونس بن يزيد الأيلي، عن الزهري، في قصة ذكرها من خبر علي... فقال علي: لست له أهلا بعد عثمان! قد كنا نعدك من بني عبد المطلب حتى بلغ ابنك ابن السوء ففرق بيننا وبينك... فانصرف عنه الزبير، وقال: فإني لا أقاتلك فرجع إلى ابنه عبد الله فقال: ما لي في هذه الحرب بصيرة، فقال له ابنه: إنك قد خرجت على بصيرة، ولكنك رأيت رايات ابن أبي طالب، وعرفت أن تحتها الموت، فجبنت"[1]

''علی رضی اللہ عنہ نے کہا: تم عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کے اہل نہیں ہو۔ ہم تمھیں بنو عبدالمطلب میں سے سمجھتے تھے، لیکن تمھارے اس نالائق بیٹے عبداللہ بن زبیر نے یہ حال کیا کہ ہمارے اور تمھارے بیچ تفرقہ ڈال دیا...۔ اس کے بعد زبیر رضی اللہ عنہ اس معاملے سے الگ ہو گئے اور کہا: اب میں آپ کے خلاف جنگ نہیں کروں گا، پھر اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیر کے پاس آئے اور کہا: مجھے اس جنگ میں بھلائی معلوم نہیں ہوتی تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: حقیقت تو یہ ہے کہ آپ نے بھلائی ہی کی خاطر یہ قدم اُٹھایا تھا، لیکن جب آپ نے علی رضی اللہ عنہ کے جھنڈے دیکھے اور اُن کے نیچے آپ کو اپنی موت نظر آئی تو آپ راہِ فرار اختیار کر رہے ہیں...۔''

امام ابراہیم بن اسحاق الحربی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۸۵ھ) نے کہا:

[1] تاريخ الطبري (٤/ ٥٠٩) و إسناده ضعيف.

"حدثنا عبد الرحمن بن صالح حدثنا أبو بكر عن مغيرة عن إبراهيم عن علقمة قال الأشتر: كان الذي أز أم المؤمنين علىٰ الخروج: ابن الزبير"[1]

اشتر نے کہا کہ جس شخص نے (علی رضی اللہ عنہ کے خلاف) اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کو خروج پر اُبھارا، وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔''

کذابوں نے بالکل ایسا ہی جھوٹ حصارِ مکہ سے متعلق بھی بولا اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف بے شمار جھوٹی باتیں منسوب کر دیں، جب کہ حقیقت صرف یہ ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ شروع ہی سے یزید کی بیعت سے متفق نہیں تھے، لیکن اس عدمِ اتفاق کی وجہ ان کی نظر میں یزید کا برا ہونا نہیں، بلکہ یہ اندیشہ تھا کہ باپ کے بعد بیٹے کو خلیفہ بنانے سے کہیں خلافت ملوکیت میں تبدیل نہ ہو جائے۔[2] نیز یہ مخالفت بھی محض اظہارِ رائے کی شکل میں تھی، لیکن سازشی ٹولے نے اس مخالفت کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو تعاون اور حمایت کی پیشکش کی اور انھیں اپنے ساتھ لے کر باقاعدہ حکومتِ وقت کے خلاف ایک فتنہ کھڑا کر دیا۔ یہ فتنہ حکومتِ وقت کے لیے چیلنج بن گیا، اس لیے مجبوراً حکومت کو اس فتنے کی بیخ کنی کے لیے فوجی قوت استعمال کرنی پڑی، جسے ''حصارِ مکہ'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اس مشن سے عاجز آ گئے تھے اور وہ اس سے نکلنا چاہتے تھے، لیکن ظالموں نے انھیں اپنے نرغے میں لے رکھا تھا، چناں چہ امام احمد بن یحییٰ البلاذری (المتوفی: ۲۷۹ھ) نے کہا:

"حدثني المدائني عن مسلمة بن علقمة عن خالد عن أبي قلابة أن معاوية قال لعبد الله بن الزبير رضي الله عنه: إن الشح والحرص لن يدعاك حتى يدخلاك مدخلا ضيقا، فوددت أني حينئذ عندك فأستنقذك، فلما حصر ابن الزبير قال: هذا ما قال لي معاوية، وددت أنه كان حيا"[3]

''ابو قلابہ کہتے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا: بے شک حرص اور

[1] غريب الحديث للحربي (٣/ ٩٨٠)

[2] جیسا کہ گذشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

[3] أنساب الأشراف للبلاذري (٥/ ٣٦٦) و إسناده صحيح.

لالچ تمھیں نہیں چھوڑے گی، یہاں تک کہ تمھیں بڑی مشکل میں ڈال دے گی۔ کاش! میں اس وقت موجود رہوں تو تمھیں اس مشکل سے نجات دلانے کی کوشش کرتا۔ چناں چہ جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے: معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجھے یہی بات کہی تھی، کاش! وہ زندہ ہوتے۔''

شامی فوج کا کردار:

افواہوں اور پروپیگنڈوں کی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ یزید بن معاویہ کے دور میں مکے کی ایسی بے حرمتی کی گئی کہ اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، حالاں کہ یزید بن معایہ کے بعد مکے ہی میں جب حجاج بن یوسف نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا تو انھیں شہید کر ڈالا اور حد درجہ تباہی مچائی، لیکن اس کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔ اسی طرح آگے چل کر قرمطی نے مکے میں جو فساد برپا کیا، اس کے بارے میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''وقد ألحد هذا اللعين في المسجد الحرام إلحادا لم يسبقه إليه أحد ولا يلحقه فيه''[1]

''اس معلون نے مسجد حرام میں جو الحاد برپا کیا، ماضی و مستقبل میں کسی نے بھی ایسا نہیں کیا۔''

اس کے باوجود بھی یہی کہا اور سنایا جاتا ہے کہ یزید نے مکے میں جو فساد برپا کیا، اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ بہرحال یہ سچ ہے کہ یزید بن معایہ کے زمانے میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے مکے کا محاصرہ کیا گیا، لیکن اس میں وہ سب کچھ قطعاً نہیں ہوا، جو کذابین اور جھوٹے لوگ بتلاتے ہیں۔ ایک طرف اس سلسلے میں کذب بیانیاں اور بہتان تراشیاں کی گئیں، دوسری طرف بعض رواۃ نے مکے کے دوسرے حصار جو حجاج بن یوسف کے دور میں ہوا تھا، اس کی باتیں بھی اس میں گڈ مڈ کر دیں، چناں چہ امام احمد بن یحییٰ البلاذری (المتوفی: ۲۷۹ھ) نے کہا:

''وقال لي مصعب بن عبد الله الزبيري: الرواة تدخل من خبر هذا الحصار في هذا، وخبر هذا في هذا''[2]

'' مجھ سے مصعب بن عبداللہ زبیری نے کہا کہ رواۃ اس حصار میں دوسرے حصار کی

[1] البداية والنهاية (١١/ ١٦١)

[2] أنساب الأشراف للبلاذري (٥/ ٣٥٨)

باتیں اور دوسرے حصار میں اس کی باتیں گڈ مڈ کر دیتے ہیں۔‘‘

بہرحال حصارِ مکہ کے وقت بھی شامی فوج کا وہ کردار نہیں تھا، جو لوگوں کو باور کرایا جاتا ہے۔ عام طور سے اس موقع سے دو چیزیں بہت زور و شور سے بیان کی جاتی ہیں، ایک یہ کہ حصارِ مکہ میں شامی فوج نے بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور دوسرے یہ کہ شامی فوج نے بیت اللہ پر حملہ کر کے اسے جلا دیا۔ ذیل میں ہم ان دنوں چیزوں کی حقیقت واضح کرتے ہیں۔

حصارِ مکہ کے مقتولین:

حصارِ مکہ کے وقت باضابطہ لڑائی ہوئی ہی نہیں تھی، اسی لیے صحیح سند سے ہمیں ایک بھی ایسی روایت نہیں ملتی ہے، جس میں یہ ذکر ہو کہ اس حصار کے نتیجے میں کسی کی شہادت ہوئی، خواہ وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے آدمی ہوں یا شامی فوج کے۔ تاہم کچھ ضعیف روایات ملتی ہیں جن میں فریقین میں چندلوگوں کی شہادت کا تذکرہ ہے۔ لیکن ان روایات میں بھی مقتولین کی زیادہ تعداد اہلِ شام ہی کی بتلائی گی ہے، ذیل میں اس سلسلے کی چند روایات ملاحظہ ہوں۔

١۔ ”... وقال المختار: يا بني الكرارين! يا حماة الحقائق! قاتلوا، فقتل من أهل الشام بشر...“[1]

’’مختار نے کہا: اے حملہ آورو! اے حق کے حامیو! لڑو، اس کے بعد اہلِ شام میں سے بہت سارے لوگ قتل کیے گئے۔‘‘

٢۔ ”...وقتل مصعب بن عبد الرحمن بن عوف عدة“[2]

’’مصعب بن عبدالرحمٰن بن عوف نے (اہلِ شام میں سے) کئی لوگوں کو قتل کیا۔‘‘

٣۔ ” ...وحكم ابن بحدج وأصحابه فقتلوا جماعة من أهل الشام“[3]

’’ابن بحدج اور ان کے ساتھیوں نے حملہ کیا اور اہلِ شام کی ایک جماعت کو قتل کیا۔‘‘

ان تمام روایات میں شامیوں کے اجتماعی قتل کی بات ہے، اس کے مقابلے میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے آدمیوں میں سے صرف سات آٹھ لوگوں کے قتل کی بات ملتی ہے اور ان سے متعلق بھی

---

[1] أنساب الأشراف للبلاذري (٥/ ٣٦١) و إسناده ضعيف.

[2] أنساب الأشراف للبلاذري (٥/ ٣٦١) و إسناده ضعيف.

[3] أنساب الأشراف للبلاذري (٥/ ٣٦١) و إسناده ضعيف.

یہ اختلاف ملتا ہے کہ یہ حصارِ اول میں شہید ہوئے یا دوسرے حصار حجاج بن یوسف کے دور میں شہید ہوئے، بلکہ ان میں سے بعض سے متعلق یہ بھی ملتا ہے کہ یہ شہید ہی نہیں ہوئے، بلکہ فطری طور پر فوت ہوئے۔ چناں چہ ملاحظہ کریں:

”وقال الواقدي: وكان ممن قتل في هذا الحصار ـويقال في الثاني- المنذر بن الزبير و أبو بكر بن المنذر بن الزبير و الزبير بن المنذر و حذافة بن عبد الرحمن بن العوام والزبير بن المقداد بن الأسود بن العوام وعامر بن عروة بن الزبير ومصعب بن عبد الرحمن بن عوف ـويقال مات حتف أنفه في أيام هذا الحصار- و زيد بن عبد الرحمن بن عوف والمسور، أصابه حجر مات منه، وأبو عمرو بن عبد الله بن أبي بن خلف الجمحي“[1]

”واقدی نے کہا کہ اس حصار میں جو لوگ شہید ہوئے اور یہ بھی کہا گیا ہے، دوسرے حصار میں یہ لوگ شہید ہوئے، ان کے نام منذر بن زبیر، ابوبکر بن منذر بن زبیر، زبیر بن منذر، حذافہ بن عبدالرحمٰن، زبیر بن مقداد، عامر بن عروہ، مصعب بن عبدالرحمٰن اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اپنی فطری موت مرے، زید بن عبدالرحمٰن، مسور یہ پتھر لگنے سے فوت ہوئے اور ابوعمر بن عبداللہ بن ابی خلف ہیں۔“

”فولّى المدينة فيما يقول بعضهم: المنذر بن الزبير، ويقال: ولاها غير المنذر، لأن المنذر قتل في هذا الحصار“[2]

”بعض کے بقول عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کا والی منذر بن زبیر کو بنایا اور یہ بھی کہا گیا کہ ان کے علاوہ کسی اور کو بنایا، کیوں کہ منذر تو حصار میں شہید ہوگئے تھے۔“

غور کریں! یہ روایات ایک طرف تو عبداللہ بن زبیر کے آدمیوں کی بہت کم شہادت بتلا رہی ہیں اور جو تعداد بتلا رہی ہیں، ان میں بھی اضطراب ہے۔ ساتھ میں یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ بعض کے بقول یہ حصار ثانی میں شہید ہوئے اور ان میں سے بھی بعض اپنی فطری موت وفات پائے۔

[1] أنساب الأشراف للبلاذري (٥/ ٣٧١) و إسناده تالف.

[2] أنساب الأشراف للبلاذری، ط، دار الفكر (٥/ ٣٧١) و إسناده ضعيف.

شامی فوج جو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے آدمیوں سے کہیں زیادہ تھی، اس کے باوجود بھی شامی فوج کی کثیر تعداد شہید ہوئی، جب کہ عبداللہ بن زبیر کی طرف سے صرف چند لوگوں کی شہادت ہوئی، وہ بھی مشکوک ہے۔ اگر یہ بیان درست ہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ اہلِ شام خانہ کعبہ کے احترام کے سبب بہت زیادہ احتیاط سے کام لے رہے تھے۔

خانہ کعبہ میں آگ:

بعض لوگ یزید بن معاویہ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اس نے خانہ کعبہ پر حملہ کرکے بیت اللہ کو آگ لگا کر شہید کر دیا، معاذ اللہ۔ ملاحظہ ہو پوسٹر ''رافضیت، ناصبیت اور یزیدیت کا تحقیقی جائزہ'' سے ایک اقتباس:

> ''جلیل القدر صحابی سیدنا عبداللہ بن زبیر کے خلاف مکہ مکرمہ پر حملہ کر کے بیت اللہ کو آگ لگا کر شہید کر دیا۔ [صحیح مسلم: ٣٢٤٥]''[1]

غور فرمائیں! کیا کہا جا رہا ہے: بیت اللہ کو شہید کر دیا گیا! لاحول ولا قوۃ إلا باللّٰه. کیا اس سے بھی بڑا جھوٹ کوئی ہوسکتا ہے؟ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی دن کے اجالے میں کہے کہ سورج پر میزائل برسا کر اسے تباہ کر دیا گیا۔ اس طرح کی بات کہنے والے صرف یزید بن معاویہ ہی نہیں، بلکہ بیت اللہ پر بھی جھوٹ بول رہے ہیں۔ کیا ایک مسلمان، جس کے پاس ذرہ برابر بھی ایمان ہو، وہ ایک پل کے لیے اس خبر پر یقین کرسکتا ہے کہ بیت اللہ کو بھی شہید کر دیا گیا؟ وہ بھی آگ لگا کر؟!

یہ وہی بیت اللہ ہے، جس پر حملہ کرنے کے لیے ہاتھیوں کی فوج نے بھی خواب دیکھا تھا، لیکن ان کا کیا حشر ہوا؟ قرآن میں سورت فیل کے نام سے پوری سورت موجود ہے۔ اس طرح جھوٹی اور بے ہودہ افواہیں پھیلانے والوں کو چاہیے کہ یزید بن معایہ پر تہمت تراشیوں سے فرصت ملے تو کم از کم ایک بار سورۃ الفیل مع ترجمہ وتفسیر کسی طالب علم کے پاس بیٹھ کر پڑھ لیں!!

جس مقدس گھر بیت اللہ کا ہاتھیوں کا جتھا کچھ نہ بگاڑ سکا، کیوں کر ممکن ہے کہ ایک مسلمان نہ صرف یہ کہ ایسا خطرناک اقدام کرلے، بلکہ اسے کامیابی بھی مل جائے۔ سبحان اللّٰه هٰذا بهتان عظيم.

---

[1] پوسٹر: رافضیت، ناصبیت اور یزیدیت (ص:٤)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

"لَكِنْ لَمْ يَقْتُلْ جَمِيعَ الْأَشْرَافِ، وَلَا بَلَغَ عَدَدُ الْقَتْلَى عَشْرَةَ آلَافٍ، وَلَا وَصَلَتِ الدِّمَاءُ إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ ﷺ وَلَا إِلَى الرَّوْضَةِ، وَلَا كَانَ الْقَتْلُ فِي الْمَسْجِدِ، وَأَمَّا الْكَعْبَةُ فَإِنَّ اللَّهَ شَرَّفَهَا وَعَظَّمَهَا وَجَعَلَهَا مُحَرَّمَةً، فَلَمْ يُمَكِّنِ اللَّهُ أَحَدًا مِنْ إِهَانَتِهَا لَا قَبْلَ الْإِسْلَامِ وَلَا بَعْدَهُ، بَلْ لَمَّا قَصَدَهَا أَهْلُ الْفِيلِ عَاقَبَهُمُ اللَّهُ الْعُقُوبَةَ الْمَشْهُورَةَ، كَمَا قَالَ تَعَالَى: ﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ﴾ [الفيل: ۱۔ ۵][1]

''یزید بن معاویہ رحمہ اللہ نے نہ تو تمام اشراف کو قتل کیا نہ مقتولین کی تعداد ہزاروں تک پہنچی اور نہ قبرِ نبوی یا روضہ اطہر کے پاس خونریزی ہوئی اور نہ مسجد نبوی میں کسی کو قتل کیا گیا، جہاں تک خانہ کعبہ کی بات ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے شروع ہی سے عزت و شرف بخشا ہے اور اسے حرمت والا قرار دیا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کسی کو یہ قدرت نہیں دے سکتا کہ وہ اس کی اہانت کرے، نہ تو اسلام سے پہلے اور نہ اسلام کے بعد ہی، بلکہ ہاتھی والوں نے جب اس کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسا عقاب نازل کیا، جو ہر چہار جانب مشہور ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''کیا تو نے نہ دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا ان کے مکر کو بیکار نہیں کر دیا؟ اور ان پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیے۔ جو انھیں مٹی اور پتھر کی کنکریاں مار رہے تھے۔ پس انھیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸ھ) آگے مزید فرماتے ہیں:

"وَأَمَّا مُلُوكُ الْمُسْلِمِينَ، مِنْ بَنِي أُمَيَّةَ وَبَنِي الْعَبَّاسِ (وَنُوَّابُهُمْ)، فَلَا رَيْبَ أَنَّ أَحَدًا مِنْهُمْ لَمْ يَقْصِدْ إِهَانَةَ الْكَعْبَةِ: لَا نَائِبُ يَزِيدَ، وَلَا نَائِبُ عَبْدِ الْمَلِكِ: الْحَجَّاجُ بْنُ يُوسُفَ، وَلَا غَيْرُهُمَا، بَلْ كُلُّ الْمُسْلِمِينَ كَانُوا

[1] منهاج السنة النبوية (٤/ ٥٧٦)

مُعَظِّمِينَ لِلْكَعْبَةِ، وَإِنَّمَا كَانَ مَقْصُودُهُمْ حِصَارَ ابْنِ الزُّبَيْرِ، وَالضَّرْبُ بِالْمَنْجَنِيقِ[1] كَانَ لَهُ لَا لِلْكَعْبَةِ، وَيَزِيدُ لَمْ يَهْدِمِ الْكَعْبَةَ، وَلَمْ يَقْصِدْ إِحْرَاقَهَا، لَا هُوَ وَلَا نُوَّابُهُ بِاتِّفَاقِ الْمُسْلِمِينَ"[2]

"جہاں تک مسلم بادشاہوں بنو اُمیہ، بنو عباس اور اُن کے نائبین کی بات ہے تو بلاشبہہ ان میں سے کسی ایک نے بھی خانہ کعبہ کی اہانت کبھی نہ کی، نہ تو یزید کے نائب نے نہ عبدالملک کے نائب الحجاج بن یوسف نے اور نہ ان کے علاوہ کسی نے، بلکہ مسلمان تو ہمیشہ سے کعبہ کی تعظیم ہی کرتے آئے ہیں، ان میں سے بعض کا مقصود صرف یہ تھا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو گرفتار کیا جائے اور منجنیق[1] کا استعمال عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہی کی خاطر ہوا تھا نہ کہ خانہ کعبہ کی خاطر اور یزید نے ہرگز بیت اللہ کو منہدم (شہید) نہیں کیا اور نہ اسے جلانے کا ارادہ کیا، یقیناً نہ تو ایسا اقدام یزید نے کیا اور نہ اس کے نائبین نے کیا، اس بات پر تمام مسلمانوں کا اتفاق و اجماع ہے۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے آخری جملے پر غور کریں، وہ اس بات پر اجماع نقل کر رہے ہیں کہ یزید نے نہ صرف یہ کہ خانہ کعبہ کو شہید نہیں کیا، بلکہ اس کا ارادہ تک نہ کیا۔ اب جو لوگ اس کے خلاف دعویٰ کریں، ان کی ذمے داری ہے کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے دور میں یا اس سے قبل اس بارے میں اختلاف ثابت کریں کہ یزید نے خانہ کعبہ کو جلایا یا نہیں؟ اگر یہ اختلاف ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے تو ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی یہ بات درست ہوگی کہ اس سلسلے میں یزید کی براءت پر اجماع ہے اور اجماعِ امت کبھی غلط نہیں ہوسکتا۔

یاد رہے کہ محولہ جس پوسٹر میں یزید رحمہ اللہ پر یہ جھوٹے الزامات لگائے گئے ہیں، اس کے پہلے ہی صفحہ پر لکھا ہوا ہے:

"اجماع کو حجت ماننا دراصل قرآن و صحیح احادیث کا حکم ماننے میں داخل ہے۔"[3]

لہٰذا جس بات پر اجماع ہو چکا ہو، اس میں اجتہاد و قیاس اور نئی تحقیق پیش کرنے کی کوئی گنجایش نہیں ہے، یہ بات بھی اسی پوسٹر میں لکھی ہوئی ہے، ملاحظہ ہو:

---

[1] یاد رہے کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ منجنیق کے استعمال کی بات صراحتاً عہد یزید سے متعلق نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ انہوں نے یہاں حجاج بن یوسف کا بھی تذکرہ کیا ہے اس لئے ان کے کلام میں منجنیق کا تعلق حجاج بن یوسف کے عہد سے بھی ہوسکتا ہے۔ عہد یزید میں منجنیق سے کعبہ پر سنگ باری کا ثبوت ہمیں کسی صحیح روایت میں نہیں ملا۔

[2] منهاج السنة النبوية (٤/ ٥٧٧) [3] پوسٹر: رافضیت، ناصبیت اور یزیدیت (ص: ۴)

''اگر قرآن و سنت (صحیح حدیث) اور اجماعِ امت کی مخالفت نہ آئے تو جدید مسائل کے حل کے لیے قیاس یا اجتہاد کرنا جائز ہے۔''[1]

لیکن افسوس ہے کہ یہ سب کچھ لکھنے کے باوجود بھی پوسٹر نگاروں نے اجماعِ اُمت کے بالمقابل نہ صرف یہ کہ قیاس آرائی کی، بلکہ جھوٹی باتوں کو اجماع کے بالمقابل پیش کرکے اللہ کے خوف کے بغیر صحیح مسلم کا حوالہ جڑ دیا۔ صحیح مسلم کی حدیث میں اہلِ شام پر الزام نہیں۔ آیئے! سب سے پہلے ہم اس حدیث کو دیکھتے ہیں، جس کے لیے صحیح مسلم کا حوالہ دیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ حدیث جس دعوے میں پیش کی گئی ہے، اس دعوے میں خانہ کعبہ میں آگ لگنے کے ساتھ ساتھ درج ذیل باتیں بھی ہیں:

- یزید نے جلیل القدر صحابی ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا۔
- یزید نے بیت اللہ کو آگ لگائی۔
- یزید نے بیت اللہ کو شہید کیا۔

اب حدیث دیکھیں: امام مسلم رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۱ھ) نے کہا:

''حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ، أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ، عَنْ عَطَاءٍ، قَالَ: لَمَّا احْتَرَقَ الْبَيْتُ زَمَنَ يَزِيدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ، حِينَ غَزَاهَا أَهْلُ الشَّامِ، فَكَانَ مِنْ أَمْرِهِ مَا كَانَ، تَرَكَهُ ابْنُ الزُّبَيْرِ حَتَّى قَدِمَ النَّاسُ الْمَوْسِمَ، يُرِيدُ أَنْ يُجَرِّئَهُمْ أَوْ يُحَرِّبَهُمْ عَلَى أَهْلِ الشَّامِ، فَلَمَّا صَدَرَ النَّاسُ، قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَشِيرُوا عَلَيَّ فِي الْكَعْبَةِ، أَنْقُضُهَا ثُمَّ أَبْنِي بِنَاءَهَا أَوْ أُصْلِحُ مَا وَهَىٰ مِنْهَا؟ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَإِنِّي قَدْ فُرِقَ لِي رَأْيٌ فِيهَا، أَرَى أَنْ تُصْلِحَ مَا وَهَىٰ مِنْهَا، وَتَدَعَ بَيْتًا أَسْلَمَ النَّاسُ عَلَيْهِ، وَأَحْجَارًا أَسْلَمَ النَّاسُ عَلَيْهَا، وَبُعِثَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ ﷺ، فَقَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ: لَوْ كَانَ أَحَدُكُمُ احْتَرَقَ بَيْتُهُ، مَا رَضِيَ حَتَّى يُجِدَّهُ، فَكَيْفَ بَيْتُ رَبِّكُمْ؟ إِنِّي مُسْتَخِيرٌ رَبِّي ثَلَاثًا، ثُمَّ عَازِمٌ عَلَى أَمْرِي، فَلَمَّا مَضَى الثَّلَاثُ أَجْمَعَ رَأْيَهُ عَلَى أَنْ يَنْقُضَهَا، فَتَحَامَاهُ النَّاسُ أَنْ يَنْزِلَ بِأَوَّلِ النَّاسِ يَصْعَدُ فِيهِ أَمْرٌ مِنَ السَّمَاءِ، حَتَّى صَعِدَهُ

[1] پوسٹر: رافضیت، ناصبیت اور یزیدیت (ص: ۴)

رَجُلٌ، فَأَلْقَىٰ مِنْهُ حِجَارَةً، فَلَمَّا لَمْ يَرَهُ النَّاسُ أَصَابَهُ شَيْءٌ تَتَابَعُوا فَنَقَضُوهُ حَتَّى بَلَغُوا بِهِ الْأَرْضَ، فَجَعَلَ ابْنُ الزُّبَيْرِ أَعْمِدَةً، فَسَتَّرَ عَلَيْهَا السُّتُورَ حَتَّى ارْتَفَعَ بِنَاؤُهُ، وَقَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ: إِنِّي سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقُولُ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: لَوْلَا أَنَّ النَّاسَ حَدِيثٌ عَهْدُهُمْ بِكُفْرٍ، وَلَيْسَ عِنْدِي مِنَ النَّفَقَةِ مَا يُقَوِّي عَلَى بِنَائِهِ، لَكُنْتُ أَدْخَلْتُ فِيهِ مِنَ الْحِجْرِ خَمْسَ أَذْرُعٍ، وَلَجَعَلْتُ لَهَا بَابًا يَدْخُلُ النَّاسُ مِنْهُ، وَبَابًا يَخْرُجُونَ مِنْهُ، قَالَ: فَأَنَا الْيَوْمَ أَجِدُ مَا أُنْفِقُ، وَلَسْتُ أَخَافُ النَّاسَ، قَالَ: فَزَادَ فِيهِ خَمْسَ أَذْرُعٍ مِنَ الْحِجْرِ حَتَّى أَبْدَى أُسًّا نَظَرَ النَّاسُ إِلَيْهِ، فَبَنَى عَلَيْهِ الْبِنَاءَ، وَكَانَ طُولُ الْكَعْبَةِ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ ذِرَاعًا، فَلَمَّا زَادَ فِيهِ اسْتَقْصَرَهُ، فَزَادَ فِي طُولِهِ عَشْرَ أَذْرُعٍ، وَجَعَلَ لَهُ بَابَيْنِ: أَحَدُهُمَا يُدْخَلُ مِنْهُ، وَالْآخَرُ يُخْرَجُ مِنْهُ. لَمَّا قُتِلَ ابْنُ الزُّبَيْرِ كَتَبَ الْحَجَّاجُ إِلَى عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَرْوَانَ يُخْبِرُهُ بِذَلِكَ، وَيُخْبِرُهُ أَنَّ ابْنَ الزُّبَيْرِ قَدْ وَضَعَ الْبِنَاءَ عَلَى أُسٍّ نَظَرَ إِلَيْهِ الْعُدُولُ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ، فَكَتَبَ إِلَيْهِ عَبْدُ الْمَلِكِ: إِنَّا لَسْنَا مِنْ تَلْطِيخِ ابْنِ الزُّبَيْرِ فِي شَيْءٍ، أَمَّا مَا زَادَ فِي طُولِهِ فَأَقِرَّهُ، وَأَمَّا مَا زَادَ فِيهِ مِنَ الْحِجْرِ فَرُدَّهُ إِلَى بِنَائِهِ، وَسُدَّ الْبَابَ الَّذِي فَتَحَهُ، فَنَقَضَهُ وَأَعَادَهُ إِلَى بِنَائِهِ"[1]

عطا کہتے ہیں کہ جب یزید بن معاویہ کے دور میں اہلِ شام کی لڑائی میں جب کعبہ جل گیا اور اس کا جو حال ہوا سو ہوا، تو ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کعبہ شریف کو ویسا ہی رہنے دیا، یہاں تک کہ لوگ موسم حج میں جمع ہوئے اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا ارادہ تھا کہ لوگوں کو خانہ کعبہ دکھا کر انھیں اہلِ شام کی لڑائی پر جراَت دلائیں یا انھیں اہلِ شام کے خلاف لڑائی کے لیے تیار کریں۔

''پھر جب لوگ جانے لگے تو انھوں نے کہا کہ لوگو! مجھے خانہ کعبہ کے بارے میں مشورہ دو کہ میں اسے توڑ کر نئے سرے سے بناؤں یا اس میں سے جو حصہ خراب ہو گیا ہے، اسے درست کروں؟ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ مجھے ایک رائے سوجھی اور وہ یہ ہے

[1] صحيح مسلم (٢/ ٩٧٠) ترقيم فواد عبدالباقي (١٣٣٣) و ترقيم آخر (٣٢٤٥)

کہ تم ان میں سے جو خراب ہو گیا ہے، صرف اس کی مرمت کر دو اور خانہ کعبہ کو ویسا ہی رہنے دو، جیسا کہ ابتداے اسلام میں تھا اور انہی پتھروں کو رہنے دو، جن پر لوگ مسلمان ہوئے تھے اور رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تھے۔

سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تم میں سے کسی کا گھر جل جائے تو اس کا دل کبھی راضی نہ ہوگا، جب تک اسے نیا نہ بنائے، پھر تمھارے رب کا گھر تو اس سے کہیں افضل ہے، اس کا کیا حال ہے؟ میں اپنے رب سے تین بار استخارہ کرتا ہوں، پھر اپنے کام کا مصمم ارادہ کرتا ہوں، پھر جب تین بار استخارہ کر چکے تو ان کی رائے میں آیا کہ خانہ کعبہ کو توڑ کر بنائیں اور لوگ خوف کرنے لگے کہ ایسا نہ ہو کہ جو شخص پہلے خانہ کعبہ کے اوپر توڑنے کو چڑھے، اس پر کوئی بلائے آسمانی نازل ہو جائے، (اس سے معلوم ہوا کہ مالک اس گھر کا اوپر ہے اور تمام صحابہ کا یہی عقیدہ تھا) یہاں تک کہ ایک شخص چڑھا اور اس میں سے ایک پتھر گرا دیا۔

''پھر جب لوگوں نے دیکھا کہ اس پر کوئی بلا نہیں اُتری تو ایک دوسرے پر گرنے لگے اور خانہ مبارک کو ڈھا کر زمین تک پہنچا دیا اور سیدنا ابن زبیر نے چند ستون کھڑے کر کے ان پر پردہ ڈال دیا (تاکہ لوگ اسی پردے کی طرف نماز پڑھتے رہیں اور مقامِ کعبہ کو جانتے رہیں اور وہ پردے پڑے رہے) یہاں تک کہ اس کی دیواریں اونچی ہوگئیں اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہے کہ وہ کہتی تھیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر لوگ نئے نئے کفر نہ چھوڑے ہوتے اور میرے پاس بھی اتنا خرچ نہیں ہے کہ اس کو بنا سکوں، ورنہ میں حطیم سے پانچ ہاتھ کعبہ میں داخل کر دیتا اور ایک دروازہ اس میں ایسا بنا دیتا کہ لوگ اس میں داخل ہوتے اور دوسرا ایسا بناتا کہ لوگ اس سے باہر جاتے۔ پھر ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم آج کے دن اتنا خرچ بھی رکھتے ہیں کہ اسے صَرف کریں اور لوگوں کا خوف بھی نہیں۔

''راوی نے کہا کہ پھر ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کی دیواریں حطیم کی جانب سے پانچ ہاتھ زیادہ کر دیں، یہاں تک کہ وہاں پر ایک نیو (بنیاد) نکلی کہ لوگوں نے اسے اچھی طرح دیکھا

(اور وہ بنیاد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تھی) پھر اسی بنیاد پر سے دیوار اُٹھانا شروع کی اور کعبہ کی لمبائی اٹھارہ ذراع تھی۔ پھر جب اس میں زیادہ کیا تو چھوٹا نظر آنے لگا، (یعنی چوڑائی زیادہ ہوگئی اور لمبائی کم نظر آنے لگی) پس اس کی لمبائی میں بھی دس ذراع زیادہ کر دیے اور اس کے دو دروازے رکھے، ایک میں سے اندر جائیں اور دوسرے سے باہر آئیں۔

''پھر جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو حجاج نے عبدالملک بن مروان کو یہ خبر لکھ بھیجی کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے جو بنیاد رکھی ہے، وہ انہی بنیادوں پر رکھی ہے، جس کو مکے کے معتبر لوگ دیکھ چکے ہیں، (یعنی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر بنیاد رکھی)۔ عبدالملک نے اس کو جواب لکھا کہ ہمیں ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے تغیر و تبدل سے کچھ کام نہیں، (تم ایسا کرو کہ) جو انھوں نے طول میں زیادہ کر دیا ہے، وہ رہنے دو اور جو حطیم کی طرف سے زیادہ کیا ہے، اس کو نکال ڈالو اور پھر حالت اولیٰ پر بنا دو اور وہ دروازہ بند کر دو، انھوں نے زیادہ کھولا ہے۔ غرض حجاج نے اسے توڑ کر بنائے (بنیاد) اول پر بنا دیا۔''

قارئین! اس حدیث کو بار بار پڑھیں اور بتلائیں کہ مذکورہ دعوے میں جن تین باتوں کی نشاندہی کی گئی ہے، ان میں سے کوئی ایک بات بھی اس روایت میں موجود ہے؟ ہاں! اس روایت میں اتنا ضرور ہے کہ خانہ کعبہ میں آگ لگی تھی، لیکن کیا کسی نے جان بوجھ کر یہ آگ لگائی تھی؟ یا یزید نے یہ آگ لگائی تھی؟ یا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ آگ لگائی تھی؟ ان میں سے کسی بات کی بھی دلیل اس روایت میں قطعاً نہیں ہے۔ بلکہ امام عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ کا آگ لگنے کی ذمے داری کسی پر نہ ڈالنا، اس بات کی دلیل ہے کہ آگ کسی نے لگائی نہیں تھی، بلکہ تیز ہوا کے سبب دوسری جگہ کی آگ یہاں پہنچ گئی تھی، جس کے نتیجے میں کعبہ کا بعض حصہ جل گیا۔ دکتور محمد بن ہادی شیبانی لکھتے ہیں:

''حَتّٰی اَنَّ اَحَدَ کِبَار التَّابِعِین مِنْ رُوَاۃِ مُسْلِم لَمْ یَتَّهِمْ اَحداً بِإحرَاقِ الْكَعبَة''[1]

''حتیٰ کہ مسلم کے رواۃ میں سے ایک بہت بڑے تابعی (امام عطاء بن ابی رباح) نے کعبہ کو جلانے کا الزام کسی بھی فریق پر نہیں لگایا ہے۔''

[1] مواقف المعارضة في عهد يزيد بن معاوية (ص: ٦٧٩)

نوٹ:

اہلِ شام نے بے شک عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا، لیکن یہ بات دوسرے مقامات پر مذکور ہے، محولہ روایت میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے محاصرے کا ذکر نہیں، یعنی تین باتوں میں سے کوئی بات بھی اس روایت میں نہیں ہے، جس کا حوالہ دیا گیا ہے۔

آگ لگنے کے ذمے دار کون: اہلِ شام یا اصحابِ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ؟

بعض جھوٹی و مردود روایات کی بنیاد پر اہلِ شام پر یہ تہمت لگائی جاتی ہے کہ کعبہ میں انھوں نے ہی آگ لگائی، حالاں کہ حقیقت اس کے خلاف ہے، بلکہ متعدد روایات میں اس کے برعکس بات ملتی ہے اور وہ یہ صراحت کرتی ہیں کہ کعبے میں آگ لگنے کے ذمے دار اہلِ شام نہیں، بلکہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اصحاب ہی ہیں، انھیں کی وجہ سے کعبہ میں آگ لگی، اگرچہ انھوں نے دانستہ ایسا نہیں کیا، بلکہ ایک روایت کے مطابق تو خود عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اعتراف کیا کہ انھیں کی وجہ سے کعبہ میں آگ لگی۔ ابو الفرج الاصفہانی (المتوفی: ۳۵۶ھ) نے کہا:

"أخبرني محمد بن عبيد الله بن محمد الرازي قال: حدثنا أحمد بن الحارث الخراز عن المدائني، وذكر إسحاق عن المدائني عن أبي بكر الهذلي قال: كان سبب بناء ابن الزبير الكعبة لما احترقت أن أهل الشام لما حاصروه سمع أصواتا بالليل فوق الجبل فخاف أن يكون أهل الشام قد وصلوا إليه، وكانت ليلة ظلماء ذات ريح شديدة صعبة ورعد وبرق فرفع نارا علىٰ رأس رمح لينظر إلىٰ الناس فأطارتها الريح فوقعت علىٰ أستار الكعبة فأحرقتها واستطالت فيها، وجهد الناس في إطفائها فلم يقدروا، وأصبحت الكعبة تتهافت، وماتت امرأة من قريش فخرج الناس كلهم في جنازتها خوفا من أن ينزل العذاب عليهم، وأصبح ابن الزبير ساجدا يدعو ويقول: **اللهم إني لم أتعمد ما جرىٰ** فلا تهلك عبادك بذنبي، وهذه ناصيتي بين يديك"[1]

[1] الأغاني لأبي الفرج الأصبهاني (٣/ ٢٧٤) ونقله ابن الجوزي من كتاب المدائني في المنتظم (٦/ ٢٣)

''ابوبکر الہذلی سے روایت ہے کہ جب اہلِ شام نکلے تو انھوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کر لیا۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ڈرے کہ اہلِ شام ان تک پہنچ گئے، اس وقت رات کا عالم تھا اور بجلی وکڑک کے ساتھ تیز ہوا چل رہی تھی تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک نیزے کے سرے پر آگ لگا کر اسے بلند کیا، تا کہ لوگوں کا معاینہ کریں، پھر تیز ہوا اس آگ کو لے اُڑی اور خانہ کعبہ کے پردوں تک گئی اور اسے جلا دیا۔ لوگوں نے اسے بجھانے کی بہت کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہوئے اور کعبہ جلتا رہا، اسی دوران قریش کی ایک خاتون کا انتقال ہوگیا تو اس کے جنازے میں تمام لوگوں نے شرکت کی، اس خوف سے کہ ان پر کوئی آفت نہ ٹوٹ پڑے اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سجدے میں یہ دعا کرتے رہے کہ اے اللہ! یہ جو کچھ ہوا، میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا، پس اے اللہ! تو میری غلطی کی وجہ سے اپنے بندوں کو ہلاک نہ کر میں سربسجود ہو کر تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ یہ میں تیرے سامنے حاضر ہوں۔''

اس روایات اور اس جیسی اور روایتوں کی سندوں پر ہم آگے بات کریں گے، فی الحال بتلانا یہ مقصود ہے کہ ایسی روایت بھی موجود ہیں، جن کی رو سے خانہ کعبہ میں آگ لگنے کی ذمے داری عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کے سر جاتی ہے اور انصاف کی بات یہ ہے کہ خانہ کعبہ کی جو بھی بے حرمتی ہوئی، اس کی اصل ذمے داری عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے گروہ ہی پر آتی ہے۔ اگر یہ لوگ خلیفہ وقت کے خلاف خروج نہ کرتے اور خانہ کعبہ میں پناہ نہ لیتے تو خانہ کعبہ کے ساتھ یہ سانحہ پیش نہ آتا اور اہلِ شام کی طرف سے کوئی محاصرہ نہ ہوتا، نیز یزید رحمہ اللہ کی خلافت پر پوری امت متفق ہو چکی تھی اور تمام صحابہ ان کی بیعت کر چکے تھے، ایسی صورت میں ان کی مخالفت کا کوئی جواز نہ تھا، بلکہ متعدد احادیث میں ایسے اقدام کی مذمت کی گئی ہے، اسی لیے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اس طرزِ عمل کی سخت مخالفت کی اور اس کی بھرپور مذمت کی۔ یہ حوالے ہم صحیح سندوں سے آگے پیش کریں گے۔

سردست ہم ان روایات کو دیکھتے ہیں جو خانہ کعبہ میں آگ لگنے کا ذمے دار اہلِ شام یا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بتلاتی ہیں۔ سب سے پہلے وہ روایات دیکھتے ہیں، جن میں اہلِ شام پر الزام لگایا گیا ہے کہ ان کی وجہ سے خانہ کعبہ میں آگ لگی۔

اہلِ شام پر الزام سے متعلق پہلی روایت:

اہلِ سنت کے مصادر میں سند کے ساتھ منقول ان روایات کی حقیقت ملاحظہ ہو، جن میں ذکر ہے کہ کعبہ میں آگ لگنے کا سبب اہلِ شام ہیں:

”قَالَ هِشَامُ بْنُ مُحَمَّد الكَلبِي: وَذَكَر عَوَانَةَ أَنَّ مُسْلِمَ بْنَ عُقْبَةَ شَخُص يُرِيدُ ابْن الزُّبَيْر...حَتىّٰ إِذَا مَضَتْ ثَلاثَةُ ايَّام مِن شَهرِ رَبِيْع الأَوَّل يَوْمَ السَّبْت سَنةَ أربع وسِتينَ قَذفُوا البَيْتَ بِالمَجانِيق، وحرقُوه بِالنَّار“[1]

”مسلم بن عقبہ، عبداللہ بن زبیر کی خاطر مکے روانہ ہوئے... (آگے لمبی روایت ہے اور اخیر میں ہے) یہاں تک کہ جب ربیع الاول کے تین دور بعد ہفتے ۶۴ھ کا روز آیا تو اُن لوگوں نے بیت اللہ پر گولے برسائے اور آگ سے اسے جلا دیا۔“

یہ روایت موضوع ومن گھڑت ہے، اس میں درج ذیل علتیں ہیں:

پہلی علت:

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۰ھ) نے اس روایت کو ہشام بن محمد کلبی (المتوفی: ۲۰۴ھ) سے نقل کیا ہے اور اپنا ماخذ نہیں بتایا ہے اور اس کتاب میں امام طبری نے ہشام بن محمد کلبی کی بہت ساری مرویات کسی واسطے سے نقل کی ہیں، جیسا کہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

”وأما هِشَام بن مُحَمَّد الكَلبِى فإِنَّه قَالَ فِيُ سن يَزِيد خلاف الَّذِى ذكره الزُّهرِىّ، والَّذِى قَالَ هِشَام فِيُ ذَلِكَ فِيمَا حدَّثنا عَنهُ“[2]

یہاں یہ معلوم نہیں ہے کہ موصوف نے ابن الکلبی سے یہ روایت کس واسطے سے نقل کی ہے؟

دوسری علت:

ہشام بن محمد الکلبی کذاب اور رافضی ہے۔

❁ امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴ھ) نے کہا:

---

[1] تاريخ الأمم والرسل والملوك الطبري (٣/ ٣٦١)
[2] تاريخ الطبري (٥/ ٤٩٩)

"وَكَانَ غَالِياً فِيُ التَّشَيعِ"[1] ''یہ شیعیت میں غلو کرتا تھا۔''

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸ھ) نے کہا:

"وَأَكْثَرُ الْمَنْقُولِ مِنَ الْمَطَاعِنِ الصَّرِيحَةِ هُوَ مِنْ هَذَا الْبَابِ يَرْوِيهَا الْكَذَّابُونَ الْمَعْرُوفُونَ بِالْكَذِبِ، مِثْلَ أَبِي مُخَنَّفٍ لُوطِ بْنِ يَحْيَى، وَمِثْلُ هِشَامِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ السَّائِبِ الْكَلْبِيِّ وَأَمْثَالِهِمَا مِنَ الْكَذَّابِينَ"[2]

''جو صریح طعن کی باتیں منقول ہیں، وہ اسی قبیل کی ہیں، انھیں وہ جھوٹے لوگ نقل کرتے ہیں، جو جھوٹ بولنے میں معروف ہیں، جیسے ابو مخنف لوط بن یحییٰ، ہشام بن محمد بن سائب کلبی اور اس جیسے جھوٹے لوگ۔''

❁ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) نے کہا: "وَاهٍ"[3] ''یہ سخت ضعیف ہے۔''

نیز اسے رافضی قرار دیتے ہوئے کہا:

"لَمْ يَكُنْ بِثِقَةٍ، وَفِيهِ رفض"[4] ''یہ ثقہ نہیں تھا، اس میں رافضیت تھی۔''

❁ امام ابن العراق الکنانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۶۳ھ) نے کہا:

"اُتُّهِمَ بِالْكَذِبِ"[5] ''یہ جھوٹ کے ساتھ متہم ہے۔''

تیسری علت:

"عَوَانَةَ بنِ الحَكم بنِ عَوانَةَ بنِ عِيَاض" مختلف فیہ ہیں۔ بعض نے آپ کو صدوق کہا، جبکہ بعض نے آپ کو متہم قرار دیا ہے۔[6] لیکن اس سے قطع نظر آپ کی وفات سن ۱۵۸ ہجری ہے اور احتراقِ کعبہ کا واقعہ سن ۶۴ھ کا ہے، یعنی بیچ میں لمبا فاصلہ ہے اور اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ موصوف نے اپنی سن تمیز میں یہ دور پایا ہو، لہٰذا ان کا ماخذ بھی نامعلوم ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔

---

[1] المجروحين لسابن حبان (۳/ ۹۱)
[2] منهاج السنة النبوية لابن تيمية (۵/ ۸۱)
[3] المعين في طبقات المحدثين للذهبي (ص: ۱۸)
[4] تاريخ الإسلام للذهبي (۵/ ۲۱۱)
[5] تنزيه الشريعة المرفوعة لابن العراق (۱/ ۱۲۳)
[6] الأعلام للزركلي (۵/ ۹۳)

اہلِ شام پر الزام سے متعلق دوسری روایت:

امام خلیفہ بن خیاط شیبانی العصفری (المتوفی: ۲۴۰ھ) نے کہا:

"حَدَّثَنَا الأنصَارِيُّ وغَندر قَالا: نَا ابنُ جُرَيج قَالَ: اِتَّخَذَ ابن الزُّبيرِ المَسْجِد حِصناً فَكَانَتْ فِيه الفَسَاطِيط وَالْخِيَامُ، فَحرقَ رَجلٌ مِّن أهْلِ الشَّامِ بَاب بَنى جمَح فَفَشا الحَرِيقُ حَتىّٰ أخذَ فِيُ بَابِ الْكَعبَةِ فَاحترقَت"[1]

"ابن جریج کہتے ہیں کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے مسجد حرام کو اپنی پناہ گاہ بنا رکھا تھا، جس میں ٹینٹ اور خیمے تھے، چناں چہ ایک شامی شخص نے بنو جمح کے دروازے کو جلایا، پھر یہ آگ پھیل گئی، یہاں تک کہ کعبہ کے دروازے تک پہنچ گئی اور کعبہ جل گیا۔"

اس کی سند میں ابن جریج مدلس ہیں اور یہ کذاب راویوں سے تدلیس کرتے ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب یہ بغیر سماع کی صراحت کے روایت بیان کریں تو وہ روایت منکر ہوتی ہے، چناں چہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱ھ) نے کہا:

"إذَا قَالَ ابنُ جُرِيُج: قَالَ فُلان، وَقَالَ فُلانٌ، وَأُخبِرتُ، جَاءَ بِمَنَاكِير"[2]

"جب ان جریج کہیں کہ فلاں نے کہا، فلاں نے کہا، فلاں کے ذریعے مجھے خبر ملی تو یہ منکر باتیں لاتے ہیں۔"

بلکہ امام احمد رحمہ اللہ نے دوسرے مقام پر ان کی بعض تدلیس کردہ روایات کو موضوع اور من گھڑت کہا ہے، چناں چہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱ھ) نے کہا:

"بَعضُ هٰذِهِ الأَحَادِيُث الَتِى كَانَ يرسِلهَا ابن جُرَيج أحَادِيثُ مَوضُوعَة، كَان ابنُ جُرَيج لا يُبَالِي مِن أينَ يأخذُه يَعنِي قَوله أُخبرَت وَحُدّثتُ عَنُ فُلان"[3]

"بعض ایسی احادیث جنھیں ابن جریج مرسل بیان کرتے تھے، موضوع اور من گھڑت ہیں، ابن جریج اس کی پروا نہیں کرتے تھے کہ کہاں سے روایت اخذ کر رہے ہیں، یعنی جب یہ کہتے کہ مجھے فلاں کے ذریعے خبر دی گئی اور فلاں کے حوالے سے مجھ سے بیان کیا گیا۔"

---

[1] تاريخ خليفة بن خياط (ص: ٦٤)

[2] تاريخ بغداد للخطيب البغدادي (١٢/ ١٤٢) و إسناده صحيح و رواية الجوهري عن الأثرم من كتاب.

[3] العلل ومعرفة الرجال لأحمد۔ رواية ابنه عبد الله (٢/ ٥٥١)

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی یہی صراحت کی ہے کہ ابن جریج سخت مجروح رواۃ سے تدلیس کرتے ہیں، چناں چہ امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵ھ) نے کہا:

"يُتَجَنَّبُ تَدلِيسُهٗ فَإِنَّهٗ وحشُ التّدلِيس، لا يدَلّس إلا فِيمَا سَمِعَه مِنْ مَجْرُوحٍ، مثُل إِبْرَاهِيمَ بن أَبِي يَحْيىٰ ومُوسىٰ بن عُبيدَة وَغَيرهمَا"[1]

''ابن جریج کی تدلیس سے اجتناب کیا جائے، کیوں کہ وہ خطرناک قسم کی تدلیس کرتے ہیں اور جب تدلیس کرتے ہیں کو مجروح ہی سے تدلیس کرتے ہیں، جیسے ابراہیم بن ابی یحییٰ اور موسیٰ بن عبیدہ وغیرہ۔''

غور فرمائیں! جس راوی کا یہ معمول ہو کہ کذاب اور سخت مجروح رواۃ سے تدلیس کرے تو اس کی غیر مصرح بالسماع روایت کا کیا مرتبہ ہونا چاہیے۔ یقیناً ایسی روایت قابلِ حجت تو درکنار شواہد و متابعات میں بھی قابلِ قبول نہیں ہے، کیوں کہ ایسی روایات سخت ضعیف کے حکم میں ہیں۔

علامہ البانی رحمہ اللہ بھی پوری صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ ابن جریج کی تدلیس کردہ روایات حسن لغیرہ بننے کے قابل بھی نہیں ہیں، چناں چہ علامہ البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

"فَتَبَيَّنَ مِن كَلِمَاتِ هٰؤلاءِ الأَئِمَّةِ أَنَّ حَدِيثَ ابْنِ جُرَيْجٍ المُعَنْعَن ضَعِيف، شَدِيد الضُّعف، لا يُسْتَشْهدُ بِه؛ لقُبْحِ تَدْلِيسِه"[2]

''ان ائمہ کے کلام سے واضح ہوا کہ ابن جریج کی معنعن روایت ضعیف اور سخت ضعیف ہے اور قبیح تدلیس کے سبب یہ استشہاد کے بھی قابل نہیں۔''

نیز ابن جریج نے احتراق کعبہ کا دور نہیں پایا اس لئے یہ روایت منقطع بھی ہے۔

تنبیہ:

یہ دوسری روایت غیر ثابت ہونے کے باوجود پہلی روایت سے مختلف ہے۔ پہلی روایت میں اہلِ شام پر یہ تہمت لگائی گئی ہے کہ انھوں نے کعبہ پر حملہ کر کے اسے جلا دیا، جبکہ اس دوسری روایت میں یہ ہے کہ اہلِ شام کے ایک فرد نے باب بنی جمح میں آگ لگائی تھی، لیکن وہ آگ ہوا کے ساتھ اڑ کر خانہ کعبہ تک پہنچ گئی، یعنی اس دوسری روایت میں اہلِ شام پر آگ لگنے کی ذمے داری عائد کی گئی ہے، لیکن ساتھ میں یہ بھی وضاحت ہے کہ اہلِ شام نے ایسا دانستہ نہیں کیا تھا۔

---

[1] سؤالات الحاكم للدارقطني (ص: ١٧٤)

[2] جلباب المرأة المسلمة في الكتاب و السنة (ص: ٤٦)

اہلِ شام پر الزام سے متعلق تیسری روایت:

امام ابو العرب محمد بن احمد بن تمیم (المتوفی: ۳۳۳ھ) نے کہا:

”حَدَّثَنِي أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدُ بْنُ أُسَامَةَ قَالا: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عُبَيْدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ عَنْ أَبِي مَعْشَرٍ... وَكَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ قَدْ ضَرَبَ فُسْطَاطًا فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَكُلَّمَا جُرِحَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ أدخلهُ ذَلِكَ الْفُسْطَاط، قَالَ: فجَاء رجل من أهل الشَّام، وَ فِي طرف سِنَان رمحه نَار، فأشعلها فِي الْفُسْطَاط وَكَانَ يَوْمًا شَدِيدَ الرِّيحِ فَوَقَعَتِ النَّارُ عَلَى الْكَعْبَةِ فَاحْتَرَقَ الْبَيْتُ...“[1]

”ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے مسجد کے گوشے میں خیمہ نصب کر رکھا تھا اور جب بھی ان کے ساتھیوں میں کوئی زخمی ہوتا تو اسے اس میں داخل کردیتے، پھر ایک شامی شخص آیا، جس کے نیزے کے سرے پر آگ تھی، اس نے خیمے میں آگ لگا دی اور اس دن ہوا بہت تیز تھی، جس کے سبب آگ خانہ کعبہ تک پہنچ گئی اور خانہ کعبہ جل گیا۔“

یہ روایت ضعیف ہے، اس میں درج ذیل علتیں ہیں:

پہلی علت:

امام ابو العرب کے دونوں اساتذہ ”ابو یوسف“ اور ”محمد بن اسامہ“ کو میں نہیں جان سکا۔ ان کا تعین بادلائل اور ان کی توثیق مطلوب ہے۔

دوسری علت:

”نجيح بن عبد الرحمن السندي أبو معشر المدني“ سخت ضعیف ہیں۔

❁ امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۹۸ھ) نے اسے ضعیف کہا:

”كَانَ يَحْيىٰ بْنُ سَعِيدٍ لا يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي مَعْشَر، وَيضعفهُ وَيضْحك إِذَا ذكَرَهُ“[2]

”یحییٰ بن سعید اس سے روایت نہیں کرتے تھے اور اسے ضعیف قرار دیتے اور اس کا

[1] المحن لأبي العرب (ص: ۲۰۳) و إسناده ضعيف و منقطع.

[2] الجرح و التعديل لابن أبي حاتم (۸/ ۴۹۴) و إسناده صحيح.

تذکرہ ہونے پر ہنستے تھے۔‘‘

❁ امام مظفر بن مدرک رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۰۷ھ) نے کہا:

’’كَانَ أَبُو معشر رَجُلا لَا يضُبط الْإِسُنَاد‘‘[1]

’’ابومعشر ایسا آدمی تھا جو سندوں کو ضبط نہیں کر پاتا تھا۔‘‘

❁ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰ھ) نے کہا:

’’كَانَ كَثِيرَ الْحَدِيث ضَعِيفاً‘‘[2] ’’یہ کثیر الحدیث اور ضعیف تھا۔‘‘

❁ امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳ھ) نے کہا:

’’أَبُو معُشَر لَيُسَ بِشَيِئٍ‘‘[3] ’’ابومعشر کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔‘‘

نوٹ:

واضح رہے کہ ’’لَيسَ بِشَيُئ‘‘ یہ سخت قسم کی جرح ہے، جیسا کہ متعدد محدثین نے صراحت کی ہے۔[4] ابن معین کے نزدیک بھی عام حالات میں یہ اسی معنی میں ہے، بلکہ بسااوقات آپ نے کذاب اور وضاع راویوں پر بھی انھیں الفاظ میں جرح کی ہے، مثلاً ایک کذاب کے بارے میں فرماتے ہیں: ’’كَذَّابٌ لَيسَ بِشَى‘‘ یہ کذاب ہے، اس کی کوئی حیثیت نہیں۔[5] ایک وضاع کے بارے میں فرماتے ہیں: ’’لَيسَ بِشَيِئٍ يضعُ الاحَادِيثَ‘‘ ’’اس کی کوئی حیثیت نہیں، یہ احادیث گھڑتا تھا۔‘‘[6]

زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

’’امام ابن معین عام طور پر جس راوی کو ’’ليس بشيئ‘‘ کہتے ہیں تو وہ شدید جرح ہوتی ہے۔‘‘[7]

❁ امام علی بن المدینی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۴ھ) نے کہا:

[1] العلل ومعرفة الرجال (٢/ ٥٥٣) و إسناده صحيح.

[2] الطبقات الكبرى لابن سعد، العلمية (٥/ ٤٨٨)

[3] تاريخ ابن معين، رواية الدوري (٣/ ١٦٠)

[4] دیکھیں: ألفاظ و عبارات الجرح والتعديل (ص: ٣٠٧) فتح المغيث (٢/ ١٢٣) تدريب الراوي (١/ ٤٠٩_ ٤١٠)

[5] سؤالات ابن الجنيد، رقم الحديث (٥٣٥) و أيضا أرقام (٢٩٣، ٤١٧، ٤٨٤)

[6] تاريخه، رواية الدوري، رقم الحديث (٤٢١٣)

[7] ماہنامہ ’’الحدیث‘‘ حضرو (شمارہ: ۵۵، ص: ۱۸)

”كَانَ ذَلِك شَيخا ضَعِيفا ضَعِيفا“[1] ”یہ شیخ تھا اور ضعیف تھا، ضعیف تھا۔“

نوٹ:

ضعیف ضعیف کی تکرار سخت جرح ہے۔

❁ **امام احمد بن حنبل** رحمہ اللہ (المتوفی (۲۴۱ھ) نے کہا:

”عِندِیُ حَدِیُثهٗ مُضطَربُ، لا یقِیمُ الإسُنَاد، وَلٰکِنُ أکُتُبُ حَدِیُثهٗ أعتبرُ بِهِ“[2]

”میرے نزدیک اس کی حدیث مضطرب ہے، یہ سندوں کو ٹھیک طرح سے بیان نہیں کر پاتا ہے، لیکن میں اعتبار کے لیے اس کی حدیث لکھتا ہوں۔“

نوٹ:

امام احمد رحمہ اللہ نے اسے ”أعتبر بِه“ کہا ہے۔ امام احمد یا دیگر محدثین جب اعتبار کے لیے کسی مجروح راوی کی روایت لکھیں تو ہر جگہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے نزدیک اس کی روایت استشہاد میں پیش کی جاسکتی ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس کی روایات کی جانچ پڑتال میں آسانی ہو، مثلاً اگر کسی نے سند سے اس کو ساقط کر دیا اور ہمارے پاس دوسری سند اس کے نام کے اثبات کے ساتھ موجود رہے گی تو یہ معلوم ہو جائے گا کہ فلاں سند سے فلاں کو ساقط کیا گیا۔

یہی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جابر جعفی، جیسے کذاب وضاع راوی کے بارے میں کہتے ہیں:

”قَدُ کُنُتُ لا اَکتُبُ حَدیُثَه، ثُمَّ کَتبتُ أَعُتَبرُ بِهِ“

”میں اس کی حدیث نہیں لکھتا تھا، پھر اعتبار کے لیے لکھنے لگا۔“

یاد رہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے خود جابر جعفی کو کذب سے متہم کیا ہے، امام مروزی نے ان سے پوچھا:

”قُلتُ: جَابِر الجُعفِی؟ قَالَ لِیُ: کَانَ یَری التَّشَیُّع. قُلتُ: یَتهِم فِيُ حَدِیثَه بِالُکَذِب؟ فَقَالَ لِی: منُ طعن، فَإنَّمَا یطعَن بِمَا خَافَ مِنَ الکَذِبِ، قُلتُ: الکَذِب، فَقَالَ: أیُ وَاللّٰهِ۔ وَذَاكَ فِيُ حَدیُثَه بَیِّنٌ، اذَا نظرَت الیُهَا“[4]

---

[1] سؤالات ابن أبي شيبة لابن المديني (ص: ۱۰۰)

[2] تاريخ بغداد للخطيب البغدادي (۱۵/ ۵۹۱) و سنده صحيح، ورواية الجوهرى عن الأثرم من الكتاب.

[3] علل أحمد رواية المروزي (ص: ۷۰)

[4] علل أحمد رواية المروزي (ص: ۲۳۶)

''امام مروزی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: جابر جعفی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ امام احمد رحمہ اللہ نے مجھے بتایا: جنھوں نے اس پر طعن کیا ہے، انھوں نے اس کے جھوٹ کے خوف سے طعن کیا۔ میں نے کہا: جھوٹ کی وجہ سے؟ آپ نے کہا: ہاں اللہ کی قسم! یہ چیز تو اس کی حدیث میں واضح ہے، اگر تم اسے دیکھو۔''

- امام عمرو بن علی الفلاس رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۹ھ) نے کہا:

''أَبُو مَعُشَر ضَعِيف''[1] ''ابومعشر ضعیف ہے۔''

- امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶ھ) نے کہا:

''مُنكَرُ الحديثِ''[2] ''یہ منکر الحدیث ہے۔''

نوٹ:

امام بخاری رحمہ اللہ کا منکر الحدیث کہنا سخت جرح ہے، ایسے رواۃ سے امام بخاری رحمہ اللہ روایت لینا بھی جائز نہیں سمجھتے، بلکہ زیر تبصرہ راوی کے بارے میں تو امام بخاری رحمہ اللہ نے صراحت بھی کر دی ہے کہ وہ اس سے روایت نہیں لیتے، چناں چہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے:

''قَالَ مُحَمَّد: عَبْدُ الْكَرِيمِ أَبُو أُمَيَّةَ مُقَارِبُ الْحَدِيثِ، وَأَبُو مَعْشَرٍ الْمَدِينِيُّ نَجِيحٌ مَوْلَىٰ بَنِي هَاشِمٍ ضَعِيفٌ لَا أَرْوِي عَنْهُ شَيْئًا وَلَا أَكْتُبُ حَدِيثَهُ''[3]

''امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا: عبدالکریم ابو امیہ مقارب الحدیث ہے اور ابومعشر ضعیف ہے۔ میں اس سے نہ تو کچھ روایت کرتا ہوں اور نہ اس کی حدیث لکھتا ہوں۔''

- امام نسائی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۰۳ھ) نے کہا:

''أَبُو مِعشَرُ الْمَدنِي اسْمُهُ نَجِيحٌ وَهُوَ ضَعِيفٌ وَمَع ضعُفه أَيُضاً كَانَ قَدُ اخُتَلَطَ''[4]

''ابومعشر مدنی اس کا نام نجیح ہے۔ یہ ضعیف ہے اور ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ یہ

---

[1] تاريخ بغداد للخطيب البغدادي (١٥/ ٥٩١) و إسناده صحيح.

[2] التاريخ الكبير للبخاري (٨/ ١١٤)

[3] علل الترمذي الكبير (ص: ١٥٦)

[4] سنن النسائي الكبرى (٢/ ٩٦)

مختلط بھی ہو گیا تھا۔“

❁ امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵ھ) نے کہا:

”وَأَبُو مِعْشَر اسْمُهُ نَجِيح وَهُوَ ضَعِيفٌ“[1]

”ابومعشر، اس کا نام نجیح ہے، یہ ضعیف ہے۔“

❁ امام ابونعیم رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۳۰ھ) نے کہا:

”روى عَن نَافِع وَابْن الْمُنْكَدر وَهِشَام بن عُرْوَة وَمُحَمّد بن عَمْرو الموضوعات لَا شَيْءَ“[2]

”اس نے نافع، ابن المنکدر، ہشام بن عروہ اور محمد بن عمرو سے من گھڑت روایات بیان کی ہیں، اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔“

❁ امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۸ھ) نے کہا:

”أَبُو مِعشَرٍ هٰذَا نَجِيح السِّندِى مَدْنِى ضَعِيفٌ“[3]

”ابومعشر یہ نجیح السندی ہے اور یہ ضعیف ہے۔“

❁ امام ابن القیسرانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۰۷ھ) نے کہا:

”وَأَبُو مِعشَر هٰذَا هُوَ نَجِيح ضَعِيفٌ جِدًّا“[4]

ابومعشر یہ نجیح ہے اور یہ سخت ضعیف ہے۔“

❁ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) نے کہا:

”وَهُوَ واهٍ“[5] ”یہ سخت ضعیف ہے۔“

نوٹ:

امام ذہبی رحمہ اللہ کا ”واهٍ“ کہنا سخت جرح ہے۔

[1] سنن الدارقطني (٢/ ١٦)

[2] الضعفاء لأبي نعيم (ص: ١٥٣)

[3] السنن الكبرى للبيهقي (٥/ ١٨٠) و الدر النقي من كلام الإمام البيهقي (ص: ٣٧٦)

[4] ذخيرة الحفاظ لابن القيسراني (١/ ٤٨٥)

[5] تلخيص كتاب الموضوعات للذهبي (ص: ٢٠٣)

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) نے کہا:

"ضَعِيفٌ مِنَ السَّادِسَةِ أسَن وَاختَلَط"[1]

''یہ چھٹے طبقہ کا ضعیف راوی ہے۔ یہ معمر ہونے کے بعد مختلط بھی ہوگیا تھا۔''

تیسری علت:

نجیح بن عبد الرحمٰن السندی ابومعشر المدنی کی وفات ۱۷۰ ہجری ہے اور احتراقِ کعبہ کا واقعہ سن ۶۴ھ کا ہے، یعنی درمیان میں ایک صدی سے بھی زائد کا فاصلہ ہے، لہٰذا احتراقِ مکہ کے وقت ان کا موجود ہونا بہت بعید ہے۔ نیز کتاب "المحن" میں مذکورہ روایت سے متصل ہی اگلی روایت میں ہے:

"قَالَ أَبُو عُبَيْدٍ: قَالَ حَجَّاجٌ: حَدَّثَنِي أَبُو مَعْشَرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي بَعْضُ المشيخة الَّذين حَضَرُوا قِتَالَ ابْنِ الزُّبَيْرِ"[2]

''ابومعشر نے کہا کہ مجھ سے بعض ان مشائخ نے بیان کیا جو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے قتال کے وقت حاضر تھے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ احتراقِ مکہ وغیرہ کا واقعہ انھوں نے کسی واسطے سے روایت کیا ہے، یعنی یہ سند منقطع بھی ہے۔

تنبیہ:

اس تیسری روایت میں بھی دوسری روایت کی طرح یہ صراحت ہے کہ اہلِ شام نے کعبہ میں دانستہ آگ نہیں لگائی، بلکہ آگ تو کہیں اور لگائی تھی، لیکن تیز ہوا کے ساتھ وہ آگ خانہ کعبہ تک پہنچ گئی۔

اہلِ شام پر الزام سے متعلق چوتھی روایت:

امام حاکم رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۰۵ھ) نے کہا:

"حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْأَصْبَهَانِيُّ، ثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الْجَهْمِ، ثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ الْفَرَجِ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ، حَدَّثَنِي مَسْلَمَةُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِى يَقُول ... فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ: أَنَا، فَلَمَّا

---

[1] تقريب التهذيب لابن حجر (١/ ٤٧٣)

[2] المحن لأبي العرب (ص: ٢٠٤)

جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ وَضَعَ شَمْعَةً فِي طَرَفِ رُمْحِهِ، ثُمَّ ضَرَبَ فَرَسَهُ، ثُمَّ طَعَنَ الْفُسْطَاطَ فَالْتَهَبَ نَارًا، وَالْكَعْبَةُ يَوْمَئِذٍ مُؤَزَّرَةٌ فِي الطَّنَافِسِ، وَعَلَى أَعْلَاهَا الْجَرَّةُ، فَطَارَتِ الرِّيحُ بِاللَّهَبِ عَلَى الْكَعْبَةِ حَتَّى احْتَرَقَتْ...''[1]

''...ایک شامی شخص نے اپنے نیزے کے سرے میں آگ جلائی اور گھوڑے پر سوار ہوا، پھر اس نے اس نیزے سے خیمے پر وار کیا اور خیمے میں آگ لگ گئی۔ ان دنوں کعبہ کپڑوں سے لپیٹا ہوا تھا، جس کے اوپر لکڑیاں تھیں۔ پھر ہوا کے جھونکے سے آگ کعبہ تک گئی اور کعبہ جل گیا۔''

یہ روایت موضوع و من گھڑت اور مسلسل بالعلل ہے۔

پہلی علت:

محمد بن عمر الواقدی، کذاب راوی ہے۔ اس کے بارے میں پوری تفصیل گزر چکی ہے۔ اسی کتاب کا صفحہ (۳۰۶۔ ۳۰۷) دیکھیں۔

دوسری علت:

الحسین بن الفرج، یہ بھی کذاب راوی ہے۔

- امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳ھ) نے کہا:
''کَذَّابٌ''[2] ''یہ بہت بڑا جھوٹا ہے۔''
- امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷ھ) نے کہا:
''تَكَلَّمَ النَّاسُ فِيهِ''[3] ''لوگوں نے اس کے بارے میں کلام کیا ہے۔''
- امام ابو زرعہ الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۴ھ) نے کہا:
''لا شَيْئٌ لا أحدث عَنْه''[4]
''اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، میں اس سے روایت نہیں کرتا۔''

---

[1] المستدرك للحاكم (٣/ ٦٣٤) رقم الحديث (٦٣٣٩)
[2] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٣/ ٦٢)
[3] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٣/ ٦٢)
[4] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٣/ ٦٢) و إسناده صحيح.

تیسری علت:

الحسن بن الجہم، یہ راوی مجہول ہے، اس کی توثیق کہیں نہیں ملی۔

تنبیہ:

اس روایت میں بھی یہ صراحت ہے کہ اہلِ شام نے کعبہ میں دانستہ آگ نہیں لگائی، بلکہ آگ تو کہیں اور لگائی تھی، لیکن تیز ہوا کے ساتھ وہ آگ خانہ کعبہ تک پہنچ گئی۔

اہلِ شام پر الزام سے متعلق پانچویں روایت:

امام محمد بن اسحاق مکی الفاکہی (المتوفی: ۲۷۲ھ) نے کہا:

"حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: ثنا مَهْدِيُّ بْنُ أَبِي الْمَهْدِيِّ قَالَ: ثنا عَبْدُ الْمَلِكِ الذِّمَارِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي الْقَاسِمُ بْنُ مَعْنٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ قَالَ: ... ثُمَّ رَجَعْنَا إِلَى حَدِيثِ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، قَالَ: قَالَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ: أَنَا. قَالَ: فَلَمَّا جَنَّ اللَّيْلُ وَضَعَ شَمْعَةً فِي طَرَفِ رُمْحٍ، ثُمَّ ضَرَبَ فَرَسَهُ حَتَّى طَعَنَ الْفُسْطَاطَ فَالْتَهَبَ نَارًا قَالَ: وَالْكَعْبَةُ يَوْمَئِذٍ مُؤَزَّرَةٌ بِطَنَافِسَ حَتَّى احْتَرَقَتِ الْكَعْبَةُ..."[1]

"ایک شامی شخص نے اپنے نیزے کے سرے میں آگ جلائی اور گھوڑے پر سوار ہوا، پھر اس نے اس نیزے سے خیمہ پر وار کیا اور خیمہ میں آگ لگ گئی۔ان دنوں کعبہ کپڑوں سے لپیٹا ہوا تھا، اس طرح کعبہ جل گیا...۔"

یہ روایت بھی سخت ضعیف ہے، اس میں درج ذیل علتیں ہیں:

پہلی علت:

"عبدالملک الذماری" ضعیف ہے۔

[1] أخبار مكة للفاكهي (٢/ ٣٣٧) وأخرجه أيضاً الطبراني في المعجم الكبير (١٤/ ١٨٢) وعنه ابن عساكر في تاريخ مدينة دمشق (٢٨/ ٢٣٠) و أبو نعيم في حلية الأولياء (١/ ٣٣١) كلهم من طريق علي بن المبارك، قال: ثنا زيد بن المبارك، قال: ثنا عبدالملك بن عبدالرحمن الذماري به، ولكنهم زادوا: عن أبيه. بعد هشام بن عروة، و أخرجه الحاكم في المستدرك (٣/ ٦٣٤) من نفس الطريق، لكن سقط زيد بن المبارك من إسناده.

امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷ھ) نے کہا:

"لَيسَ بِقَوِي"[1] "یہ قوی نہیں ہے۔"

امام ابو زرعہ الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۴ھ) نے کہا:

"منكر الحديث"[2] "یہ منکر حدیثیں بیان کرنے والا ہے۔"

امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵ھ) نے کہا: "لَيسَ بِقَوِي"[3] "یہ قوی نہیں ہے۔"

دوسری علت:

مہدی بن ابی مہدی۔ یہ راوی غیر متعین ہے، اس کے نام کے دو راوی ہیں اور ان کے اساتذہ ایک ہی دور کے ہیں۔ خطیب بغدادی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

"مهْدِى بن أَبِى مهْدِى اثْنَانِ أَحَدهُمَا مهْدِى بنِ أَبِى مهْدِى الْعَبدِى حَدَّثَ عَنْ عِكرَمَةَ مَولٰى ابنِ عَبّاسٍ (المُتوَفىٰ: ۱۰٤ھ) روى عَنه أَبُو عُبيْدَةَ عبْد الْمُؤمن بْن عُبيْد اللّٰه السَّدُوسِي... وَالآخر حَدَّثَ عَنْ هشَامِ بنِ يوُسف الصَّنعَانِى (۱۹۷ھ) روى عَنه يَعْقُوب بْن سُفْيَانَ الفَسوِى"[4]

"مہدی بن ابی مہدی، دو لوگ ہیں۔ ایک مہدی بن ابی مہدی العبدی ہے، اس نے عکرمہ سے روایت کی ہے اور اس سے ابو عبیدہ عبدالمومن بن عبیداللہ سدوسی نے روایت کیا ہے اور دوسرے نے ہشام بن یوسف صنعانی سے روایت کیا ہے اور اس سے یعقوب الفسوی نے روایت کیا ہے۔"

لیکن ان دونوں میں کسی کے اساتذہ میں بھی ذماری کا نام نہیں ملتا اور نہ ان کے تلامذہ میں محمد بن اسماعیل کا نام ملتا ہے۔ نیز یہ دونوں کے دونوں راوی مجہول ہیں۔ صرف مہدی بن ابی مہدی الہجری کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے، لیکن دیگر ائمہ فن نے صراحتاً اسے مجہول قرار دیا ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے مجہول ہی مانا ہے۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

---

[1] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٥/ ٣٥٥)

[2] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٥/ ٣٥٥)

[3] سنن الدارقطني (٣/ ٢٣٤)

[4] المتفق والمفترق للخطيب البغدادي (٣/ ٣٠٦)

"وَتَوثِيُقُ ابنِ حبَّانَ إيَّاهُ مِمَّا لا يُعتَدُّ بِه، كَمَا نَبَّهتُ عَلَيهِ مِراراً، وَكَذَا تَصُحِيُحُ ابُنِ خُزَيُمَةَ لحَدِيثِه لا يعتَدُّ به، لأنَّه مُتسَاهِلٌ فيهِ، وَلِذٰلِكَ لَم يعتَمد الحَافِظ عَلٰى تَوثِيقِهِمَا إيَّاهُ، فَقَالَ فِيُ تَرجُمَةِ الهجُرِى هٰذَا: مَقبُولٌ يَعنِى عِنُدَ المتَابعَةِ، وَإلا فَهُوَ لَيِّنُ الُحَديُث"[1]

''ابن حبان کی توثیق کا کوئی اعتبار نہیں، جیسا کہ بارہا وضاحت کی گئی ہے، اسی طرح ابن خزیمہ کا ان کی حدیث کی تصحیح کرنا بھی غیرمعتبر ہے، کیوں کہ اس سلسلے میں وہ متساہل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان دونوں کی توثیق پر اعتماد نہیں کیا ہے اور اس ہجری کے ترجمے میں اسے ''مقبول'' کہا ہے، یعنی یہ متابعت کے وقت مقبول ہے، ورنہ لین الحدیث ہے۔''

ایک مقام پر صرف اور صرف اسی راوی کی وجہ سے ایک حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قُلتُ: وهٰذَا إسُنَاد ضَعِيفٌ، وَرِجَالهٗ ثِقَاتٌ؛ غَيُر مهُدِى۔وَهُوَ ابُنُ حَرب الهجُرى۔ قَالَ ابُنُ معِيُن: "لا أعرفه" وَنقلَ مثُله الذَّهبِىُّ عَنُ أَبِى حَاتِم، وإنَّمَا رَوَاهُ ابُنه فِي "الُجَرُحِ والتَّعُدِيلِ" (٤/ ١/ ٣٣٧) عَنُ ابنِ معيُنٍ. وقَالَ ابُنُ حَزمٍ فِيُ "المحَلى" (٧/ ١٨): مجُهُولٌ، لا يُحُتَجُّ به. وقَالَ الحافِظُ فِيُ "التَّقرِيُبِ": "مقُبُولٌ" يَعُنِى: عنُدَ الُمُتَابعَةِ، وَلذٰلِك ضَعَّفَ الحَدِيث ابُن القَيّم فِيُ "زَادِ الُمَعَادِ"[2]

''میں کہتا ہوں کہ یہ سند ضعیف ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں سوائے مہدی کے اور یہ ابن حرب الہجری ہے۔ ابن معین رحمہ اللہ نے فرمایا: میں اسے نہیں پہچانتا اور امام ذہبی نے اسی طرح کی بات ابو حاتم سے بھی نقل کی ہے اور ابو حاتم کے بیٹے نے یہ بات "الجرح والتعدیل" (٤/ ١/ ٣٣٧) میں ابن معین سے نقل کی ہے اور ابن حزم نے "المحَلی" (٧/ ١٨) میں کہا: یہ مجہول ہے اور حافظ ابن حجر نے ''تقریب'' میں کہا: یہ مقبول ہے یعنی متابعت کے وقت۔ اسی وجہ سے ابن قیم نے زاد المعاد میں اس حدیث

[1] سلسلة الأحاديث الضعيفة (١/ ٥٨١)

[2] ضَعِيُف سنن أَبِى دَاود (الأم) لِلالُبَانِي (٢/ ٢٨٧)

کو ضعیف کہا ہے۔“

یہ بھی معلوم ہوا کہ علامہ البانی رحمہ اللہ کے اصول کے مطابق بھی یہ روایت غیر مستند ہے، کیوں کہ اس نام کا ایک راوی تو مجہول ہے ہی اور دوسرے راوی کو علامہ البانی رحمہ اللہ نے مجہول ہی مانا ہے اور ابن حبان کی توثیق اور ابن خزیمہ وغیرہ کی تصحیح کو رد کر دیا ہے۔

تیسری علت:

سند میں اضطراب ہے۔ امام فاکہی کی سند میں مہدی بن ابی المہدی نے یہ روایت ہشام سے منقطعاً نقل کی ہے اور ہشام بن عروہ کے بعد کسی واسطے کا ذکر نہیں کیا ہے، جبکہ طبرانی وغیرہ کی سند میں زید بن المبارک نے یہی روایت موصولاً نقل کی ہے، یعنی ہشام بن عروہ کے بعد ان کے والد کا واسطہ ذکر کیا ہے اور یہاں ترجیح کی کوئی صورت نہیں، کیوں کہ دونوں طریق ضعیف ہیں۔ پہلے طریق میں ”مہدی بن ابی المہدی“ مجہول ہے اور دوسرے طریق کا دارومدار ”علی بن المبارک“ پر ہے اور یہ بھی مجہول ہے اور اس کے شیخ ”زید بن مبارک“ بھی غیر معروف ہیں اور اگر مہدی بن ابی المہدی سے متعلق ابن حبان کی توثیق اور ابن خزیمہ وغیرہ کی تصحیح کو کچھ اہمیت دی جائے تو انھیں کا طریق راجح قرار پائے گا، دریں صورت مذکوہ روایت منقطع ٹھہرے گی۔

نکارت:

ان علتوں کے علاوہ اس روایت کے مضمون میں یہ بھی ہے:

”لَمَّا تَثَاقَلَ ابنُ الزُّبَيرُ رضي الله عنهما عَلى يَزِيد بْنِ معَاوِيةَ وَأَظْهَر شَتَمَه“

یعنی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے یزید بن معاویہ کے خلاف گالی گلوج کا اظہار کیا۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جیسے صحابی سے یہ قطعاً اُمید نہیں کہ وہ گالی گلوج پر اُتر آئیں۔ یہ بات ماننے کے لیے صحیح سند لازم ہے۔

تنبیہ

اخبار مکۃ للفاکہی کے محقق نے اس سند کو حسن کہا ہے۔ عرض ہے:

اولاً: یہ سند حسن نہیں، بلکہ ضعیف ہے، جیسا کہ گذشتہ سطور میں تفصیل پیش کی گئی، لہٰذا محقق موصوف کا اُسے حسن قرار دینا درست نہیں، نیز محقق موصوف کی اس تحسین کو دکتور محمد بن عمر شیبانی نے

"مواقف المعارضة" میں غلط قرار دیا ہے۔ دیکھیں: "مواقف المعارضة في عهد يزيد بن معاوية" (ص: ٦٧٦) علامہ البانی رحمہ اللہ کے اصول سے بھی یہ روایت ضعیف ہے۔ کما مضی[1].

ثانیاً: محقق موصوف نے ہشام بن عروہ تک سند کو حسن کہا ہے۔ اب اگر یہ تحسین مان لی جائے، تب بھی یہ حدیث ضعیف ہوگی، کیوں کہ ہشام بن عروہ نے اپنا ماخذ نہیں بتایا ہے، یعنی یہ روایت منقطع ہے۔

فائدہ:

اس روایت میں بھی یہ صراحت ہے کہ اہلِ شام نے کعبہ میں دانستہ آگ نہیں لگائی، بلکہ آگ تو کہیں اور لگائی تھی، لیکن تیز ہوا کے ساتھ وہ آگ خانہ کعبہ تک پہنچ گئی۔

تنبیہ بلیغ:

مذکورہ روایت کے مصادر کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا کہ اسے ایک ہی طریق سے امام فاکہی، امام طبرانی، امام ابن عساکر، امام ابونعیم اور امام حاکم نے روایت کیا ہے۔ ابونعیم کے علاوہ سب کی روایت میں یہ تفصیل ہے کہ اہلِ شام کے کسی فرد نے کہیں اور آگ لگائی، لیکن ہوا کے ساتھ یہ آگ کعبہ تک پہنچ گئی، لیکن ابونعیم کی روایت میں مذکورہ تفصیل کو حد درجہ اختصار کے ساتھ یوں بیان کیا گیا:

"فَوَرَدَ حُصَيْنٌ مَكَّةَ فَقَاتَلَ بِهَا ابْنَ الزُّبَيْرِ، وَأَحْرَقَ الْكَعْبَةَ"[1]

"پھر حصین مکے آیا اور وہاں ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے قتال کیا اور کعبہ کو جلا دیا۔"

عرض ہے کہ یہ اختصار اور روایت بالمعنی ہے، کیوں کہ ابونعیم نے بھی اسے اسی طریق سے روایت کیا ہے، جس طریق سے دیگر لوگوں نے نقل کیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ اس روایت کے مردود ہونے کے ساتھ اس میں بھی یہی مذکور ہے کہ اہلِ شام نے دانستہ کعبہ کو آگ نہیں لگائی، بلکہ کہیں اور آگ لگائی اور ہوا سے آگ کعبہ تک پہنچ گئی۔

اہلِ شام پر الزام سے متعلق چھٹی روایت:

امام ازرقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۰ھ) نے کہا:

[1] حلية الأولياء (١/ ٣٣١)

"حَدَّثَنِي جَدِّي، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سَالِمٍ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ سَاجٍ، قَالَ: بَلَغَنِي أَنَّهُ لَمَّا قَدِمَ جَيْشُ الْحُصَيْنِ بْنِ نُمَيْرٍ، أَحْرَقَ بَعْضُ أَهْلِ الشَّامِ عَلَى بَابِ بَنِي جُمَحٍ، وَالْمَسْجِدُ يَوْمَئِذٍ خِيَامٌ وَفَسَاطِيطُ، فَمَشَى الْحَرِيقُ حَتَّى أَخَذَ فِي الْبَيْتِ، فَظَنَّ الْفَرِيقَانِ كِلَاهُمَا أَنَّهُمْ هَالِكُونَ..."[1]

''اہلِ شام میں سے کسی نے باب بنی جمح پر آگ لگائی اور ان دنوں مسجد خیموں کی تھی، پھر آگ پھیل گئی، یہاں تک کہ خانہ کعبہ تک پہنچ گئی۔ یہ دیکھ کر فریقین نے سمجھا کہ وہ سب ہلاک وبرباد ہونے والے ہیں....''

یہ روایت بھی سخت ضعیف ہے، اس میں کئی علتیں ہیں:

پہلی علت:

''عثمان بن عمرو بن ساج'' نے "بلغني" سے بیان کیا ہے، یعنی اپنے ماخذ کی وضاحت نہیں کی ہے، لہٰذا یہ روایت منقطع ہے۔

دوسری علت:

''عثمان بن عمرو بن ساج القرشی'' یہ ضعیف ہیں۔

- امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷ھ) نے کہا:

"عُثْمَانُ وَالْوَلِيدُ ابْنِي عَمْرِو بْنِ سَاجٍ، يُكْتَبُ حَدِيثُهُمَا وَلَا يُحْتَجُّ بِهِمْ"[2]

''عمرو بن ساج کے بیٹوں عثمان اور ولید کی احادیث لکھی جائیں، لیکن ان سے حجت نہ پکڑی جائے۔''

- امام عقیلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۲ھ) نے کہا:

"لا يُتَابَعُ عَلَيْهِ"[3] ''اس کی متابعت نہیں کی جاتی ہے۔''

- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) نے کہا:

---

[1] أخبار مكة للأزرقي (١/ ١٩٩)

[2] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٦/ ١٦٢)

[3] الضعفاء الكبير للعقيلي (٣/ ٢٠٤)

"فِيهِ ضُعُفٌ"[1] "اس میں ضعف ہے۔"

❁ "تحرير التقريب" کے مولفین (دکتور بشار عواد اور شعیب ارناؤوط) نے کہا:

"ضَعِيف يعْتَبر بِهِ فِيْ الْمُتَابعَاتِ وَالشَّوَاهِدِ"[2]

"یہ ضعیف ہے، البتہ متابعات اور شواہد میں قابلِ اعتبار ہے۔"

فائدہ:

اس روایت میں بھی یہ صراحت ہے کہ اہلِ شام نے کعبہ میں دانستہ آگ نہیں لگائی، بلکہ آگ تو کہیں اور لگائی تھی، لیکن تیز ہوا کے ساتھ وہ آگ خانہ کعبہ تک پہنچ گئی۔

اہلِ شام پر الزام سے متعلق روایات کا خلاصہ

اہلِ سنت کی کتابوں میں ہمیں کل چھے روایات سند کے ساتھ ملیں، جن میں یہ بات منقول ہے کہ خانہ کعبہ میں آگ لگنے کے ذمے دار اہلِ شام تھے، گذشتہ سطور میں ان تمام روایات پر تفصیلی بحث کی گئی، جس کا خلاصہ یہ ہے:

پہلی روایت:

سند میں تین علتیں: ① ایک کذاب و رافضی راوی۔ ② سند کے ابتدائی حصے میں انقطاع۔ ③ سند کے آخری حصے میں انقطاع۔

دوسری روایت:

سند میں دو علتیں: ① کذاب راویوں سے تدلیس کرنے والا راوی۔ ② سند میں انقطاع۔

تیسری روایت:

سند میں تین علتیں: ① مصنف کے شیوخ نامعلوم۔ ② ایک سخت ضعیف راوی۔ ③ سند میں انقطاع۔

چوتھی روایت:

سند میں تین علتیں: ① ایک کذاب راوی۔ ② ایک وضاع راوی۔ ③ ایک مجہول راوی۔

---

[1] تقريب التهذيب لابن حجر، رقم (٤٥٠٦)

[2] تحرير التقريب، رقم (٤٥٠٦)

پانچویں روایت:

سند میں تین علتیں: ① ایک سخت ضعیف متروک راوی۔ ② دوسرا مجہول راوی۔ ③ سند میں اضطراب۔

چھٹی روایت:

سند میں دو علتیں: ① ایک ضعیف راوی۔ ② سند میں انقطاع۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ سندیں سخت ضعیف ہیں، لہٰذا یہ سب مل کر حسن لغیرہ بننے کے بھی قابل نہیں۔

اصحاب ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر الزام سے متعلق پہلی روایت (حکماً مرفوع حدیث):

اہلِ شام پر الزام سے متعلق جو بھی روایات ہیں، وہ غیر مستند ہونے کے ساتھ ساتھ مقطوع روایات ہیں، لیکن جن روایات میں کعبے میں آگ لگنے کی ذمے داری عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اصحاب پر ڈالی گئی ہے، ان میں ایک روایت حکماً مرفوع بھی ہے، ملاحظہ ہو۔

امام ازرقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۰ھ) نے کہا:

”حَدَّثَنَا مَهْدِيُّ بْنُ أَبِي الْمَهْدِيِّ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ الذِّمَارِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ عُلَيْمٍ الْكِنْدِيِّ، قَال: قَالَ سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ: لَتُحْرَقَنَّ هَذِهِ الْكَعْبَةُ عَلَى يَدَيْ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الزُّبَيْرِ“[1]

”سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، آپ نے فرمایا کہ یقیناً یہ کعبہ اہلِ زبیر میں سے کسی شخص کے ہاتھوں جلے گا۔“

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی اس بات میں رائے و قیاس کا دخل نہیں، لہٰذا یہ حکماً مرفوع ہے، لیکن اس کی سند صحیح نہیں، اس میں درج ذیل علتیں ہیں:

پہلی علت:

”مہدی بن ابی مہدی“ یہ نامعلوم راوی ہے، اس کے بارے میں تفصیل گزر چکی ہے۔[2]

[1] أخبار مكة للأزرقي (١/ ١٩٧)

[2] دیکھیں: اہلِ شام پر الزام سے متعلق پانچویں روایت (ص: ۵۱۷۔ ۵۱۹)

دوسری علت:

''عبد الملک الذماری'' یہ ضعیف ہے، اس کے بارے میں بھی تفصیل گزر چکی ہے۔[1]

تیسری علت:

''علیم الکندی'' کو صرف ابن حبان رحمہ اللہ نے ثقہ کہا ہے اور یہ توثیق معتبر نہیں۔[2]

فائدہ:

اسی سند کے بعض راویوں نے ہشام بن عروہ تابعی سے ایک روایت ایسی بھی نقل کی ہے، جس میں اہلِ شام کو آگ لگنے کا ذمے دار بتایا گیا ہے، یہ روایت گذشتہ سطور میں نقل کی جا چکی ہے۔[3]

اصحاب ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر الزام سے متعلق دوسری روایت:

ابو الفرج الاصفہانی (المتوفی: ۳۵۶ھ) نے کہا:

''أخبَرَنِي مُحمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْن مُحَمّد الرَّازِي قَالَ: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الحَارِث الخَرَاز عَن **المَدَائِنِي** وَذَكَرَ إِسْحَاق عَنِ الْمَدائِنِي عَن أَبِي بَكر الْهَذلِي قَالَ: كَانَ سَبَب بنَاءِ ابْنِ الزُّبيْر الكَعبَةَ لَمَّا احْترقَت أَنَّ أَهْلَ الشَّامِ لَمَّا حَاصرُوْهُ سَمِعَ أَصْوَاتاً بِاللَّيلِ فَوقَ الْجبلِ فَخَافَ أَن يَّكُونَ أَهْلَ الشَّامِ قَدْ وصلُوْا إِلَيْهِ، وَكَانَتْ لَيلَة ظُلمَاء ذَاتَ رِيح شَدِيْدَة صعْبَة وَرَعَد وَّبَرَق فَرفَعَ نَاراً عَلىٰ رَأسِ رمْح لِينْظُر إِلَى النَّاسِ فَأَطَارتَهَا الرِّيحُ فَوقَعَتْ عَلىٰ أَسْتَارِ الْكَعبَةِ فَأحْرَقتهَا وَاسْتطَالَت فِيهَا وَجهَد النَّاسِ فِيْ إِطْفَائهَا فَلَمْ يَقْدِرُوا، وَأَصْبَحت الكَعْبَة تتَهَافَت وَمَاتَت امرَأة مِّن قُرَيْشٍ فَخرَجَ النَّاسُ كُلُّهمُ فِيْ جنَازَتها خَوفاً مِّن أن يَّنزلَ الْعذَاب عَلَيهِمْ، وأَصْبَحَ ابْنُ الزُّبيْر سَاجِداً يَدعُو وَيقُولُ: اللّٰهُمَّ إِنِّي لَمْ أتعَمد مَا جَرى فَلا تَهْلِك عِبَادكَ بِذنْبِي، وَهٰذِهِ نَاصِيَتِي بيْن يَدَيك''[4]

[1] دیکھیں: اہلِ شام پر الزام سے متعلق پانچویں روایت (ص: ۵۱۷)

[2] دیکھیں: الثقات لابن حبان (۵/ ۲۸۶) رقم الحدیث (۴۸۶۸)

[3] ملاحظہ ہو: اہلِ شام پر الزام سے متعلق پانچویں روایت۔ اسی کتاب کا صفحہ (۵۱۶) دیکھیں۔

[4] الأغانی لأبي الفرج الأصبهاني (۳/ ۲۷٤) ونقله ابن الجوزی من كتاب المدائني في المنتظم (٦/ ۲۳)

’’ابوبکر الہذلی سے روایت ہے کہ جب اہلِ شام نکلے تو انھوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کر لیا، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ڈرے کہ اہلِ شام ان تک پہنچ گئے، اس وقت رات کا عالم تھا اور بجلی و کڑک کے ساتھ تیز ہوا چل رہی تھی تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک نیزے کے سرے پر آگ لگا کر اسے بلند کیا، تاکہ لوگوں کا معاینہ کریں، پھر تیز ہوا اس آگ کو لے اُڑی اور خانہ کعبہ کے پردوں تک گئی اور اسے جلا دیا۔ لوگوں نے اُسے بجھانے کی بہت کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہوئے اور کعبہ جلتا رہا، اسی دوران قریش کی ایک خاتون کا انتقال ہوگیا تو اس کے جنازے میں تمام لوگوں نے شرکت کی، اس خوف سے کہ ان پر کوئی آفت نہ ٹوٹ پڑے اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سجدے میں یہ دعا کرتے رہے کہ اے اللہ! **یہ جو کچھ ہوا، میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا،** پس اے اللہ! تو میری غلطی کی وجہ سے اپنے بندوں کو ہلاک نہ کر، میں سربسجود ہو کر تجھ سے التجا کرتا ہوں اور میں تیرے سامنے حاضر ہوں۔‘‘

اس روایت کو امام مدائنی کی کتاب سے براہِ راست ابن الجوزی رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے۔[1] لہٰذا امام مدائنی رحمہ اللہ سے نچلے رواۃ کے مطالعہ کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ یہ روایت امام مدائنی رحمہ اللہ کی کتاب میں موجود ہے، لیکن امام مدائنی سے اوپر اس کی سند صحیح نہیں ہے، اس کی درج ذیل علتیں ہیں:

پہلی علت:

’’ابوبکر الہذلی‘‘ سخت ضعیف راوی ہے۔

- امام جوزجانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۹ھ) نے کہا:

’’أَبُو بَكر الْهُذَلِي سُلْمي: يضعفُ حَدِيْثه‘‘[2]

’’ابوبکر ہذلی سلمی، اس کی حدیث ضعیف ہے۔‘‘

- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) نے کہا:

’’أَخْبَارِي مَتْرُوْكُ الْحَدِيث‘‘[3] ’’یہ اخباری اور متروک الحدیث ہے۔‘‘

[1] ملاحظہ ہو: المنتظم لابن الجوزي (٦/ ٢٣)

[2] أحوال الرجال للجوزجاني (ص: ٢٠٨)

[3] تقريب التهذيب لابن حجر (١/ ٥٣٥)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے علاوہ اور بھی بہت سے ناقدین نے اس راوی پر جرح کی ہے۔

دوسری علت:

ابوبکر الہذلی کی تاریخ وفات ١٦٧ ہجری ہے، یعنی اسے احتراقِ کعبہ کا دور نہیں ملا، لہٰذا سند منقطع ہے۔

اصحاب ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر الزام سے متعلق تیسری روایت:

امام ازرقی رحمہ اللہ (المتوفی: ٢٥٠ھ) نے کہا:

''حَدَّثَنِي جَدِّي، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سَالِمٍ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ سَاجٍ، قَالَ: أَخْبَرَتْنِي عَجُوزٌ، مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ كَانَتْ مَعَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ بِمَكَّةَ، فَقُلْتُ لَهَا: أَخْبِرِينِي عَنِ احْتِرَاقِ الْكَعْبَةِ كَيْفَ كَانَ؟ قَالَتْ: كَانَ الْمَسْجِدُ فِيهِ خِيَامٌ كَثِيرَةٌ، فَطَارَتِ النَّارُ مِنْ خَيْمَةٍ مِنْهَا فَاحْتَرَقَتِ الْخِيَامُ، وَالْتَهَبَ الْمَسْجِدُ، حَتَّى تَعَلَّقَتِ النَّارُ بِالْبَيْتِ فَاحْتَرَقَ'' [1]

''عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہنے والی ایک عورت سے عثمان بن ساج نے دریافت کیا کہ خانہ کعبہ میں آگ کیسے لگی؟ تو اس عورت نے جواب دیا کہ مسجد حرام میں (عبداللہ بن زبیر کے ساتھیوں کے) بہت سے خیمے لگے ہوئے تھے، انھیں خیموں میں سے کسی ایک سے آگ اڑی اور کئی خیمے جل گئے اور مسجد میں آگ پھیل گئی، یہاں تک کہ آگ خانہ کعبہ تک پہنچ گئی، جس سے خانہ کعبہ جل گیا۔''

یہ سند ضعیف ہے، اس میں دو علتیں ہیں:

پہلی علت:

عثمان بن عمرو بن ساج نے ''عجوز'' (ایک عورت) سے یہ روایت نقل کی ہے اور اس عورت کا نام و حال نامعلوم ہے۔

دوسری علت:

''عثمان بن عمرو بن ساج القرشی'' یہ ضعیف ہے۔ اس کے بارے میں تفصیل گزر چکی ہے۔ [2]

---

[1] أخبار مكة للأزرقي (١/ ١٩٩)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (٥٢١۔٥٢٢) دیکھیں۔

فائدہ:

بالکل اسی سند سے ایک روایت ایسی بھی منقول ہے، جس میں اہلِ شام کو آگ لگنے کا ذمے دار بتایا گیا ہے، یہ روایت گذشتہ سطور میں نقل کی جا چکی ہے۔[1]

اصحاب ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر الزام سے متعلق چوتھی روایت:

امام احمد بن یحییٰ البلاذری (المتوفی: ۲۷۹ھ) نے کہا:

”حَدَّثنِي عَفَّان، وَالعَبَّاس بُن الوَلِيد النرسِي، قَال: حَدَّثَنَا عَبد الْوَاحِد بُن زِيَاد، قَالَ: حَدَّثَنَا لَيْث، قَالَ كَان عَطَاءُ... قَالَ: وَلَمَّا تحَصَّنَ عَبد اللَّهِ بُن الزُّبَيْر بُن العَوَّامِ فِيْ المَسْجِدِ الْحَرامِ، وَاسْتَعاذَ بِهِ، وَالحصَيْن بُن نُمَيْر السكُونِي إِذْ ذَاكَ يقَاتلهُ فِيْ أَهْلِ الشَّامِ، أَخَذ ذَاتَ يَومٍ رَجلٌ مِّن أَصْحَابِه نَاراً عَلَىٰ ليفة فِيْ رَأسِ رمح، وَكَانَت الرِيْحُ عَاصِفاً، فَطَارَتْ شِرَارَة فَتعَلقَت بِأَسْتَارِ الْكَعبَةَ فَأَحْرقَتهَا“[2]

”عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جب مسجدِ حرام میں پناہ لی جس وقت کہ حصین بن نمیر اہلِ شام کی طرف سے ان سے جنگ کر رہے تھے، اسی دوران میں ایک دن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ایک ساتھی نے اپنے نیزے کے سرے پر آگ روشن کی اور اس وقت طوفانی ہوا چل رہی تھی، پھر اچانک اس آگ سے چنگاری اُڑی اور خانہ کعبہ کو اپنے لپیٹ میں لے لیا اور اسے جلا ڈالا۔“

یہ روایت بھی ضعیف ہے، اس کی سند میں ”لیث بن ابی سلیم“ ہے اور یہ ضعیف ہے۔

- امام نووی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۷۶ھ) نے کہا:

”أَمَّا لَيْثُ بْنُ أَبِى سليم فَضَعَّفَهُ الْجَماهِيْرُ“[3]

”لیث بن ابی سلیم کو جمہور نے ضعیف کہا ہے۔“

---

[1] ملاحظہ ہو: اہلِ شام پر الزام سے متعلق چھٹی روایت۔ اسی کتاب کا صفحہ (۵۲۱) دیکھیں۔

[2] فتوح البلدان للبلاذري (ص: ٥٥)

[3] شرح النووي على مسلم (١/ ٥٢)

❁ امام ابن الملقن رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۰۴ھ) نے کہا:

”(لَيْثُ) بْنُ أَبِی سلیم، وَقدْ ضَعَّفهُ الْجُمْهُور“[1]

”لیث بن ابی سلیم کو جمہور نے ضعیف کہا ہے۔“

❁ امام زین الدین العراقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۰۶ھ) نے کہا:

”لَيْثُ بنُ أَبِی سليم، وَضَعفه الْجُمْهُورُ“[2]

”لیث بن ابی سلیم کو جمہور نے ضعیف کہا ہے۔“

❁ امام ہیثمی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۰۷ھ) نے کہا:

”فِيهِ لَيْثُ بْنُ أَبِی سَلِيم، وَالأَكْثَر عَلىٰ ضُعفِه“[3]

”لیث بن ابی سلیم کو اکثر نے ضعیف کہا ہے۔“

❁ امام بوصیری رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۴۰ھ) نے کہا:

”لَيْث بن أبیُ سليم، وَقد ضَعَّفه الْجُمْهُورُ، وَهُوَ مُدَلّس“[4]

”لیث بن ابی سلیم کو جمہور نے ضعیف کہا ہے اور یہ مدلس بھی ہے۔“

امام بوصیری کے قول سے معلوم ہوا کہ لیث مدلس بھی ہیں۔

❁ امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴ھ) نے کہا:

”مَا سَمِعَ التَّفسِيرَ عَن مُجَاهِد أحَد غَيْر الْقَاسِم بْنِ أبِی بزةَ، نَظر الْحَكَم بْن عُتَيْبَةَ وَلَيْث بْنَ أبِی سلِيْم وَابن أبِی نَجِيح وَابْن جُرَيْج وَابْن عُيَيْنَة فِيْ كِتَابِ الْقَاسِمِ وَنسخوه، ثُمَّ دَلسوه عَن مُجَاهِد“[5]

”مجاہد سے قاسم بن ابی بزہ کے علاوہ کسی نے تفسیر نہیں سنی، حکم بن عتیبہ، لیث بن ابی سلیم، ابن ابی نجیح، ابن جریج اور ابن عیینہ نے قاسم کی کتاب میں دیکھا اور اسے لکھ لیا، پھر مجاہد سے تدلیس کرنے لگے۔“

---

[1] البدر المنير لابن الملقن (۷/ ۲۲۷)

[2] تخريج أحاديث الإحياء (ص: ٦٣٧)

[3] مجمع الزوائد للهيثمي (۱/ ۱۰۷)

[4] مصباح الزجاجة للبوصيري (۱/ ۳۲)

[5] مشاهير علماء الأمصار لابن حبان (ص: ١٤٦)

✿ امام ہیثمی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۷۰ھ) نے کہا:

”وَفِيهِ لَيْثُ بْنُ أَبِى سَلِيم وَهُوَ مُدَلسٌ وَبَقِية رِجَالهٔ ثِقَاتٌ“[1]

”اس میں لیث بن ابی سلیم ہے اور یہ مدلس ہے اور بقیہ رجال ثقہ ہیں۔“

اس کے علاوہ سند منقطع بھی ہے، کیوں کہ لیث بن سعد (المتوفی: ۱۴۸ھ) نے احتراقِ کعبہ کا دور نہیں پایا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

اصحاب ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر الزام سے متعلق پانچویں روایت:

امام ازرقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۰ھ) نے کہا:

حَدَّثَنِى مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى قَالَ: قَالَ الْوَاقِدِيُّ: حَدَّثَنِى عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يَزِيدَ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ أُذَيْنَةَ قَالَ: قَدِمتُ مَكَّةَ مَعَ أَبِى يَوْمَ احْتَرَقَتِ الْكَعْبَةُ، فَرَأَيْتُ الْخَشَبَ قَدْ خَلَصَتْ إِلَيْهِ النَّارُ، وَرَأَيْتُهَا مُجَرَّدَةً مِنَ الْحَرِيقِ، وَرَأَيْتُ الرُّكْنَ قَدِ اسْوَدَّ، فَقُلْتُ: مَا أَصَابَ الْكَعْبَةَ؟ فَأَشَارُوا إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ ابْنِ الزُّبَيْرِ، فَقَالُوا: هَذَا احْتَرَقَتِ الْكَعْبَةُ فِي سَبَبِهِ، أَخَذَ نَارًا فِي رَأْسِ رُمْحٍ لَهُ، فَطَارَتْ بِهِ الرِّيحُ، فَضَرَبَتْ أَسْتَارَ الْكَعْبَةِ فِيمَا بَيْنَ الرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ إِلَى الرُّكْنِ الْأَسْوَدِ“[2]

”عروہ بن اذینہ کہتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ اس دن مکے میں آیا، جس دن خانہ کعبہ جل گیا اور اسے آگ لگ گئی اور میں نے اسے غلاف سے خالی پایا اور میں نے اس کے رکن کو دیکھا جو کالا ہو گیا تھا اور اس کے تین حصے متاثر ہوئے تھے تو میں نے پوچھا: یہ کعبہ کو کیا ہوا ہے؟ تو لوگوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ایک ساتھی کی طرف اشارہ کیا اور کہا یہی وہ شخص ہے، جس کے سبب خانہ کعبہ جلا، اس نے ایک نیزے کے سرے سے آگ اٹھائی، پھر ہوا اس آگ کو اڑا لے گئی، جس سے حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کے بیچ کا غلاف جل گیا۔“

[1] مجمع الزوائد للهيثمي (٢/ ٣٤٤)

[2] أخبار مكة للأزرقي (١/ ١٩٨) و أخرجه أيضاً أبو الفرج الأصفهاني في الأغاني (٨١/ ٣٣٢) من طريق الواقدي به، وذكره الطبري في تاريخه (٥/ ٤٩٩)

یہ سند متصل ہے، لیکن عبد اللہ بن یزید اللیثی المدنی کو ابن حبان کے علاوہ کسی نے ثقہ نہیں کہا۔[1] نیز محمد بن عمر الواقدی کذاب ہے، جس کے بارے میں تفصیل گزر چکی ہے۔[2]

اصحاب ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر الزام سے متعلق چھٹی روایت:

امام ازرقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۰ھ) نے کہا:

"قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَىٰ قَالَ: قَالَ الْوَاقِدِيّ: حَدَّثَنِي رَبَاحُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانُوا يُوقِدُونَ حَولَ الْكَعبَة، فَأقبَلَت شَرَرَةٌ هَبَّتْ بِهَا الرِّيحُ، فَاحْترقَت ثِيَابُ الْكَعبَة"[3]

''رباح بن مسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر کے ساتھی کعبہ کے پاس آگ جلا رہے تھے، اتنے میں ایک چنگاری اُٹھی، جسے ہوا اڑا لے گئی اور اس سے خانہ کعبہ کا پردہ جل گیا۔''

یہ روایت بھی سخت ضعیف ہے، سند میں واقدی کذاب ہے، جس کے بارے میں تفصیل گزر چکی ہے۔[4]

اصحاب ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر الزام سے متعلق ساتویں، آٹھویں، نویں اور دسویں روایت:

امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰ھ) نے کہا:

"قَالَ: وَأَخبَرنَا مُحَمَّدُ بنُ عُمرَ قَال: حَدَّثَنَا مُوسىٰ بنُ يَعقُوبَ، عَن عَمِّهِ أَبِى الْحَارِث بْنِ عَبدِ اللّٰهِ بِن وَهبِ بْنِ زَمعَةَ (ح) قَالَ: وأَخبَرنَا شَرحُبِيلُ بْنُ أَبِى عَوْن، وَعَبْد اللّٰه بْن جَعْفَر، عَنْ أَبِى عَوْن (ح) قَالَ: وَأَخبَرنَا إِبْراهِيُم بنُ مُوسىٰ، عَن عِكرَمَةَ بنِ خَالَدٍ (ح) قَالَ: وأَخبَرنَا أَبُو صَفوَان الْعطاف بْن خَالِد، عَنْ أَخِيهِ، قَالُوا: لَمَّا ارْتَحَلَ الْحُصَيْنُ بنُ نُمَيرٍ منْ مَكةَ لِخَمْس لِيَالٍ خَلون مِن شَهرِ رَبيعِ الآخرِ سَنَةَ أَربَع وَستِّين، أَمَرَ عَبدُ

[1] الثقات لابن حبان (۸/ ۳۳۳)
[2] اسی کتاب کا صفحہ (۳۵۱۔ ۳۱۶) دیکھیں۔
[3] أخبار مكة للأزرقي (۱/ ۱۹۸) وذكره الطبري في تاريخه (۵/ ٤۹۸) واللفظ له.
[4] اسی کتاب کا صفحہ (۳۱۵۔ ۳۱۶) دیکھیں۔

اللّٰهِ بنِ الزُّبيُر بتِلُكَ الخَصَاصِ التِى كَانَتُ حَولَ الُكَعُبَة فَهدمَت، فَبَدت الُكَعُبَة، وَأمر بِالُمَسجِدِ فَكنَسَ مَا فِيهِ مِنَ الُحِجَارةِ وَالدِّمَاءِ، فَإذَا الُكَعبَة تَنغَض متوهنة مِن أعُلاهَا إلٰى أسُفَلهَا، فِيهَا أمثَالُ جُيُوبِ النِّسَاءِ مِن حِجَارةِ الُمنجَنِيق، وإذَا الرُّكنُ قَد اسُوَد وَاحُتَرق مِن الحَرِيقِ الَّذِىُ كَانَ حَولَ الُكعُبَة، فَشَاوَرَ ابُنُ الزُّبَيرُ النَّاسَ فِيُ هَدمِهَا وَبَنَائِهَا، فَأشَارَ عَليهِ جَابِر بُن عَبدِ اللّٰهِ بنِ عُمَيُر وَغَيُرهِمَا بِأن يَّهُدمَهَا وَيبنِيهَا۔ وَأبى ذٰلكَ عَلَيُهِ عَبُد اللّٰهِ بنِ عَباسٍ وَقَالَ: أخُشَى أن يَّأتى مِن بَّعُدِك فَيهدمهَا فَلا تَزَال تهدَم، فَيَتهَاوَنَ النَّاسُ بِحُرمَتِها فَلا أحبُّ لَك[1]"

"جب حصین بن نمیر مکے سے ۵/ ربیع الاخر۶۴ھ کو روانہ ہوئے تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے حکم سے کعبہ کے اردگرد بنی جھوپڑیوں کو منہدم کر دیا گیا، جس کے بعد کعبہ نظر آنے لگا اور مسجد حرام سے خون اور پتھروں کو بھی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے حکم سے صاف کر دیا گیا، اس کے بعد دیکھا گیا کہ کعبہ کمزوری کی وجہ سے اوپر سے نیچے تک ہل رہا تھا، اس پر خواتین کے گریبانوں کے مانند منجنیق کے پتھر تھے اور رکنِ یمانی سیاہ ہوگیا تھا اور اس آگ سے جھلس گیا تھا، جو خانہ کعبہ کے پاس (ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کے پاس) جل رہی تھی، پھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے منہدم کرکے نئے سرے سے تعمیر کرنے کے لیے لوگوں سے مشورہ لیا تو جابر بن عبداللہ اور دیگر لوگوں نے مشورہ دیا کہ اسے منہدم کرکے از سرنو تعمیر کر دیا جائے، جبکہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی دوسرا آئے گا اور وہ بھی اسے منہدم کرے گا، ایسی صورت میں لوگوں کی نظروں میں اس کی حرمت کم ہو جائے گی، لہٰذا میں اسے پسند نہیں کرتا۔"

ان تمام روایات میں مرکزی راوی واقدی کذاب ہے، جس کے بارے میں تفصیل گزر چکی ہے۔[2] بعض سندوں میں مزید علتیں بھی ہیں۔

---

[1] الطبقات الکبری (۲/ ۷۲)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۳۱۵۔ ۳۱۶) دیکھیں۔

اصحاب ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر الزام سے متعلق روایات کا خلاصہ:

اہلِ سنت کی کتابوں میں ہمیں کل دس (۱۰) روایات سند کے ساتھ ملیں، جن میں یہ بات منقول ہے کہ خانہ کعبہ میں آگ لگنے کے ذمے دار عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اصحاب تھے، گذشتہ سطور میں ان تمام روایات پر تفصیلی بحث کی گئی، جس کا خلاصہ یہ ہے:

پہلی روایت:

سند میں تین علتیں: ① ایک نامعلوم راوی۔ ② ضعیف راوی۔ ③ صرف ابن حبان کی توثیق والا راوی۔

دوسری روایت:

سند میں دو علتیں: ① ایک سخت ضعیف راوی۔ ② سند میں انقطاع۔

تیسری روایت:

سند میں دو علتیں: ① ایک مجہول راوی۔ ② ایک ضعیف راوی۔

چوتھی روایت:

سند میں دو علتیں: ① ایک ضعیف راوی۔ ② سند میں انقطاع۔

پانچویں روایت:

سند میں دو علتیں: ① صرف ابن حبان کی توثیق والا راوی۔ ② واقدی کذاب راوی۔

چھٹی روایت:

سند میں ایک علت: ① واقدی کذاب راوی۔

ساتویں، آٹھویں، نویں اور دسویں روایت:

ساری سندوں میں واقدی کذاب راوی، نیز بعض میں مزید علتیں ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ ساری سندیں ضعیف ہیں، لیکن یہ روایات حسن لغیرہ بن سکتی ہیں، کیونکہ، تیسری اور چوتھی روایات کی سندوں میں سخت ضعف نہیں ہے اور اہلِ علم ایسی سندوں کو

حسن لغیرہ کے باب میں قبول کرتے ہیں۔ علامہ البانی رحمہ اللہ بھی حسن لغیرہ کے باب میں ایسی روایات کو قبول کر لیتے ہیں، جن میں اس طرح کا خفیف ضعف ہو۔

امام طبری رحمہ اللہ کا موقف:

امام طبری رحمہ اللہ نے مذکورہ روایت پیش کرنے کے بعد عنوان قائم کیا:

"ذِكْرُ الْخبرِ عَنْ حرقِ الْكَعْبَه وَ فِيْ هَذِهِ السنَة حرقَت الْكَعبَة، ذكر السَّبَب فِيْ إِحْرَاقِهَا"[1]

یعنی خانہ کعبہ کیسے جلا، اس کے سبب کا بیان۔ اس عنوان کے تحت امام طبری رحمہ اللہ نے صرف انھیں روایات کو پیش کیا ہے جن میں کعبہ میں آگ لگنے کی ذمے داری عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اصحاب پر ڈالی گئی اور اس جھوٹی روایت کو اس عنوان کے تحت قطعاً ذکر نہیں کیا، جس میں آگ لگنے کا ذمے دار اہلِ شام کو بتایا گیا ہے، حالاں کہ اس سے قبل وہ اس روایت کو پیش کر چکے ہیں، اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ امام طبری رحمہ اللہ کا رجحان اسی طرف ہے کہ یہ آگ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اصحاب ہی کی طرف سے لگی ہے۔

امام ابن الاثیر رحمہ اللہ کا موقف:

امام ابن الاثیر رحمہ اللہ نے آگ لگنے کے سبب سے متعلق بغیر سند کے دونوں طرح کی روایات کو نقل کیا، یعنی وہ روایات بھی جن میں آگ لگنے کا ذمے دار اہلِ شام کو بتایا گیا اور وہ روایات بھی، جن میں آگ لگنے کی ذمے داری عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پر ڈالی گئی ہے، لیکن یہ دونوں روایات پیش کرنے کے بعد امام ابن الاثیر نے اس روایت کو راجح قرار دیا ہے، جس میں اس کی ذمے داری اہلِ شام پر ڈالی گئی ہے اور وجہ ترجیح بتلاتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"وَقِيلَ: إِنَّ الْكَعْبَةَ احْتَرَقَتْ مِنْ نَارٍ كَانَ يُوقِدُهَا أَصْحَابُ عَبْدِ اللّٰهِ حَوْلَ الْكَعْبَةِ وَأَقْبَلَتْ شَرَرَةٌ هَبَّتْ بِهَا الرِّيحُ فَاحْتَرَقَتْ ثِيَابُ الْكَعْبَةِ وَاحْتَرَقَ خَشَبُ الْبَيْتِ، وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ، لِأَنَّ الْبُخَارِيَّ قَدْ ذَكَرَ فِيْ صَحِيحِهِ أَنَّ ابْنَ الزُّبَيْرِ تَرَكَ الْكَعْبَةَ لِيَرَاهَا النَّاسُ مُحْتَرِقَةً يُحَرِّضُهُمْ عَلَى أَهْلِ الشَّامِ"[2]

[1] تاريخ الطبري (٥/ ٤٩٨)

[2] الكامل في التاريخ (٢/ ١٩٣)

''اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خانہ کعبہ اس آگ سے جلا، جسے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھی خانہ کعبہ کے پاس جلارہے تھے، چناں چہ اس میں سے ایک چنگاری اُٹھی، جسے ہوا اُڑا لے گئی اور اس سے خانہ کعبہ کا پردہ اور اس کی لکڑیاں جل گئیں، لیکن پہلی بات (اہل الشام کے سبب کعبہ جلا) ہی زیادہ صحیح ہے، کیوں کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کعبہ کو (اسی حالت) میں چھوڑے رکھا، تا کہ لوگ اسے دیکھیں، مقصد اہلِ شام کے خلاف لوگوں کو ابھارنا تھا۔''

عرض ہے کہ اول تو جس روایت کو امام ابن الاثیر رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کی روایات بتلایا ہے، اس کا صحیح بخاری میں کوئی نام ونشان نہیں ہے، البتہ یہ روایت صحیح مسلم میں ہے اور یہ وہی روایت ہے، جسے اوپر صحیح مسلم کے حوالے سے مکمل نقل کیا جا چکا ہے، لیکن عرض ہے کہ صحیح مسلم کی اس روایت سے بھی درج ذیل وجوہات کی بنا پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اہلِ شام نے خانہ کعبہ کو جلایا:

اولاً: مستدل ٹکڑا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا اپنا قول نہیں ہے، بلکہ یہ ان کے طرزِ عمل (خانہ کعبہ کی اصلاح میں تاخیر) کی توجیہ ہے، جسے امام عطا یا اس کے بعد کے کسی راوی نے پیش کیا ہے، افسوس کہ ان الفاظ کے ساتھ کسی دوسرے طریق سے یہ روایت ہمیں نہیں مل سکی، جس سے یہ اندازہ ہو کہ یہ توجیہ کس کی پیش کردہ ہے؟ آیا امام عطاء رحمہ اللہ کی یا بعد کے کسی راوی کی۔ لیکن بہر صورت یہ توجیہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے براہِ راست ثابت نہیں ہے اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے اس کی توقع بھی نہیں ہے، کیوں کہ

الف: عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب مسلم ہیں، ان سے یہ قطعاً توقع نہیں کی جاسکتی ہے کہ انھوں نے محض اہلِ شام کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے کے لیے خانہ کعبہ کی اصلاح میں تاخیر کی، اس طرح خود عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر بھی حرف آتا ہے کہ انھوں نے محض لوگوں کو مشتعل کرنے کے لیے خانہ کعبہ کا استعمال کیا اور ایک لمبی مدت تک اسے شکستہ حالت میں چھوڑے رکھا۔

ب: اسی روایت میں آگے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ امام مسلم رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۱ھ) نے کہا:

"لَوْ كَانَ أَحَدُكُمُ احْتَرَقَ بَيْتُهُ، مَا رَضِيَ حَتَّى يُجِدَّهُ، فَكَيْفَ بَيْتُ رَبِّكُمْ؟"[1]

''اگر تم میں سے کسی کا گھر جل جائے تو وہ اسے ٹھیک کیے بغیر راضی نہیں ہوگا تو پھر تمھارے رب کے گھر کے بارے میں کیا کہنا۔''

اس تمثیل پر غور فرمائیں کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ جو بات تم اپنے گھروں سے متعلق پسند نہیں کرتے، اسے خانہ کعبہ سے متعلق کیسے برداشت کر لیا؟ جو صحابی رسول خانہ کعبہ کا اس حد تک احترام کرتے ہیں، ان کے بارے میں یہ کیسے توقع کر لی جائے کہ انھوں نے محض لوگوں کو مشتعل کرنے کے لیے ایک لمبی مدت تک خانہ کعبہ کی اصلاح کو ملتوی کر دیا؟

ج: جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کعبہ کی تعمیرِ نو کا کام شروع ہوا تو کسی کو ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ خانہ کعبہ کی ایک اینٹ کو بھی ہلائے۔ صحیح مسلم کی اسی روایت میں ہے:

"فَلَمَّا مَضَى الثَّلَاثُ أَجْمَعَ رَأْيَهُ عَلَى أَنْ يَنْقُضَهَا، فَتَحَامَاهُ النَّاسُ أَنْ يَنْزِلَ بِأَوَّلِ النَّاسِ يَصْعَدُ فِيهِ أَمْرٌ مِنَ السَّمَاءِ، حَتَّى صَعِدَهُ رَجُلٌ، فَأَلْقَى مِنْهُ حِجَارَةً، فَلَمَّا لَمْ يَرَهُ النَّاسُ أَصَابَهُ شَيْءٌ تَتَابَعُوا فَنَقَضُوهُ حَتَّى بَلَغُوا بِهِ الْأَرْضَ"[2]

''جب انھوں نے تین مرتبہ استخارہ کر لیا تو انھوں نے اسے توڑنے کا ارادہ کیا تو لوگوں کو خطرہ پیدا ہوا کہ جو آدمی سب سے پہلے بیت اللہ کو توڑنے کے لیے اس پر چڑھے گا تو اس پر آسمان سے کوئی بلا نازل نہ ہو جائے تو ایک آدمی اس پر چڑھا اور اس نے اس میں سے ایک پتھر گرایا تو جب لوگوں نے اس پر دیکھا کہ کوئی تکلیف نہیں پہنچی تو سب لوگوں نے اسے مل کر توڑ ڈالا، یہاں تک کہ اسے زمین کے برابر کر دیا۔''

غور کریں! اگر اہلِ شام نے خانہ کعبہ پر آتش باری کی ہوتی تو سب کے علم میں یہ بات ہوتی کہ اہلِ شام نے کعبے پر آتش باری کی اور ان پر کوئی آسمانی آفت نہیں آئی۔ ایسی صورت میں کعبے کو تعمیرِ نو کی غرض سے نیک نیتی کے ساتھ ڈھاتے وقت وہ اس درجہ خوف کے شکار نہ ہوتے، کیوں کہ جب ان کے مشاہدے میں ہے کہ اہلِ شام نے کعبے کو بد نیتی سے گرایا اور اُن کا کچھ نہ بگڑا تو پھر ہم تو نیک جذبے سے اُسے گرا رہے ہیں، اس سے ہم پر بدرجہ اولیٰ کوئی آفت آ نہیں سکتی،

[1] صحيح مسلم (٢/ ٩٧٠) ترقيم فواد عبد الباقي (١٣٣٣) وترقيم آخر (٣٢٤٥)
[2] صحيح مسلم (٢/ ٩٧٠) ترقيم فؤاد عبدالباقي (١٣٣٣) وترقيم آخر (٣٢٤٥)

لیکن اس صورت میں بھی ان کا ڈرنا، اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ماضی میں ان کے سامنے ایسا کوئی مشاہدہ نہیں ہے کہ کسی نے خانہ کعبہ کو شہید بھی کیا ہو اور صحیح سلامت واپس بھی چلا گیا ہو۔

د: اگر خانہ کعبہ کی تاخیر کا مقصد حجاج کرام کو اہلِ شام کے خلاف بھڑکانا ہوتا تو حج کے موقع پر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ یہ کام ضرور کرتے، لیکن کسی بھی روایت سے اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حج کے موقع پر خانہ کعبہ کی شکستہ حالت کا حوالہ دے کر اہلِ شام کے خلاف کوئی اشتعال انگیز خطاب کیا ہو یا انفرادی طور پر بھی کسی کو بھڑکایا ہو۔

ہ: حج کے بعد حجاج کرام اور دیگر افرادِ امت کی طرف سے بھی اہلِ شام کے خلاف کسی طرح کی نفرت انگیزی کا ماحول نہیں دیکھا گیا اور کسی روایت میں ایسی کوئی بات منقول نہیں ہوئی۔

و: حج کے موقع پر جب حجاج کرام تشریف لائے تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کے سامنے اہلِ شام کے خلاف کوئی تقریر نہیں کی، بلکہ ان سے کعبے کی تعمیرِ نو سے متعلق مشورہ لیا:

”فَلَمَّا صَدَرَ النَّاسُ، قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَشِيرُوا عَلَيَّ فِي الْكَعْبَةِ، أَنْقُضُهَا ثُمَّ أَبْنِي بِنَاءَهَا؟ أَوْ أُصْلِحُ مَا وَهَىٰ مِنْهَا؟“[1]

”جب لوگ حاضر ہوئے تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگو! مجھے کعبے کے سلسلے میں مشورہ دو! میں اسے توڑ کر دوبارہ تعمیر کراؤں یا اس کا جو حصہ کمزور ہوگیا، صرف اسے ہی ٹھیک کر دوں؟“

اس سے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اصلاحِ کعبہ میں تاخیر اس لیے کی تھی، تاکہ اُمت کے اکابرین سے اس کی اصلاح کے بارے میں مشورہ لیا جائے، دراصل عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کعبے کی از سرِ نو تعمیر کرنا چاہتے تھے اور یہ اقدام غیر معمولی تھا، اس لیے انھوں نے اس میں جلد بازی نہ کی، بلکہ تھوڑا انتظار کیا، تاکہ امت کے دیگر اکابرین کی رائے بھی سامنے آجائے۔

ثانیاً: اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ایک جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ نے محض لوگوں کو مشتعل کرنے کے لیے خانہ کعبہ کی اصلاح میں تاخیر کی تو اس سے بھی اس بات کا کوئی قطعی ثبوت نہیں ملتا کہ اہلِ شام ہی نے خانہ کعبہ کو جلایا، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ خانہ کعبہ اصحابِ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہی کی

[1] صحيح مسلم (٢/ ٩٧٠) ترقيم فؤاد عبدالباقي (١٣٣٣) وترقيم آخر (٣٢٤٥)

کارروائی سے غیر ارادی طور پر جلا ہو (كما في بعض الروايات) لیکن چونکہ یہ نوبت اہلِ شام کے حصار کی بنا پر آئی تھی، اس لیے اس کی اصل ذمے داری بھی اہلِ شام ہی پر ڈالی گئی اور لوگوں کو یہی باور کرایا گیا کہ اہلِ شام کے حملے کی وجہ سے کعبہ بھی آگ کا شکار ہوگیا، اس پہلو سے بھی اہلِ شام کے خلاف لوگوں کو مشتعل کرنے کی راہ موجود ہے، لہٰذا محض اشتعال دلانے والی بات اس چیز کی دلیل نہیں بن سکتی کہ اہلِ شام ہی کی کارروائی سے خانہ کعبہ جلا۔

ثالثاً: اگر ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ خانہ کعبہ اہلِ شام ہی کی کارروائی سے جلا تو بھی اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ اہلِ شام نے جان بوجھ کر خانہ کعبہ پر آتش باری کی اور اسے شہید کر دیا؟

یہ بھی تو ممکن ہے اور بعض ضعیف روایات میں منقول بھی ہے کہ اہلِ شام کے کسی فرد نے کہیں اور آگ لگائی، لیکن تیز ہوا کے سبب آگ خانہ کعبہ تک پہنچ گئی اور خانہ کعبہ جل گیا اور اسی بات کو لے کر اہلِ شام کے خلاف لوگوں کو مشتعل کرنے کا منصوبہ بنا لیا گیا۔

دکتور احمد بن محمد العریان امام ابن الاثیر رحمہ اللہ کے مذکورہ استدلال پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وَهٰذَا الدَّلِيلُ، كَمَا هُوَ وَاضِحٌ، لَا يَعنِي بِالضَّرُورَةِ انَّ مَجَانِيق الجَيش الامَوِيُ هِي الَّتِي تَسبَّبَت فِيُ حَرِيقِ الكَعبَةِ، وَلَيسَ فِيُ تَركِ ابُنِ الزُّبَيُر الكَعبَة تَحتَرِق دَلِيل عَلٰى حِراقِ بَنِى أُمَيةَ لَهَا؛ بَل رُبَّمَا استعُمَل هٰذَا الدَّلِيُلُ ضد ابُن الزُّبَيُر، كيف يترك البَيُت الحَرَام تَلُتَهمَه النَّار لِمُجَرَّد تَحُرِيُض جَيُشِهِ عَلىٰ القِتَالِ“[1]

”یہ دلیل جیسا کہ واضح ہے، اس بات پر قطعی دلالت نہیں کرتی کہ اہلِ شام کی منجنیقیں ہی خانہ کعبہ کے جلنے کا سبب بنی تھیں اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے جو کعبہ کو جلتا ہوا چھوڑ دیا تو اس میں اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ بنو اُمیہ ہی نے اسے جلایا تھا، بلکہ یہ دلیل تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف بھی استعمال کی جاسکتی ہے کہ موصوف نے کیسے محض اپنے لشکر کو جنگ پر اُبھارنے کی خاطر خانہ کعبہ کو آگ کی لپٹ میں چھوڑ دیا؟“

---

[1] إباحة المدينة وحريق الكعبة في عهد يزيد بن معاوية بين المصادر القديمة والحديثة (ص: ١٥)

فائدہ:

دکتور موصوف نے محولہ کتاب میں یہ ثابت کیا ہے کہ خانہ کعبہ میں آگ لگنے کے معاملے سے اہلِ شام بالکل بَری ہیں۔ موصوف نے اس سلسلے کی تمام روایات نقل کر کے محاکمہ کیا ہے، لیکن چند روایات ان سے بھی چھوٹ گئی ہیں اور ان کی حقیقت ہم نے اس کتاب میں بیان کردی ہے۔

آگ دانستہ نہیں لگائی گئی، بلکہ غیرارادی طور پر لگ گئی:

گذشتہ سطور میں دونوں طرف کی تمام روایات پیش کی جاچکی ہیں اور ان تمام روایات میں مشترک بات یہ ہے کہ کسی بھی فریق نے قصداً آگ نہیں لگائی، بلکہ آگ کہیں اور لگی تھی، جو ہوا کے جھونکے سے خانہ کعبہ تک پہنچ گئی۔ اس لیے اہلِ شام پر یہ الزام لگانا کہ انھوں نے جان بوجھ کرخانہ کعبہ میں آگ لگائی، یہ قطعاً درست نہیں، جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اس کی وضاحت کی ہے۔ کما مضیٰ[1].

اگرتھوڑی دیر کے لیے مان لیں کہ خانہ کعبہ میں آگ کسی شامی فوجی نے لگائی تو بھی یہ محض اس کا جرم ہوگا، جس نے ایسا کیا ہے، لیکن یزید رحمہ اللہ پر تو یہ الزام قطعاً نہیں آسکتا، کیوں کہ یزید رحمہ اللہ نے ایسا کرنے کا حکم قطعاً نہیں دیا تھا، کیوں کہ کسی ضعیف وموضوع روایت میں بھی نہیں ملتا کہ یزید نے خانہ کعبہ میں آگ لگانے کا حکم دیا ہو، لہٰذا اس سلسلے میں یزید رحمہ اللہ کا نام لینا کسی بھی صورت میں درست نہیں ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا موقف

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل پر دیگر اجلہ صحابہ کی سخت تنقید:

اگرانصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو خانہ کعبہ کی جو بھی بے حرمتی ہوئی، اس کی اصل ذمے داری عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے گروہ ہی پر آتی ہے۔ اگر یہ لوگ خلیفہ وقت کے خلاف خروج نہ کرتے اور خانہ کعبہ میں پناہ نہ لیتے تو خانہ کعبہ کے ساتھ یہ سانحہ پیش نہ آتا اور اہلِ شام کی طرف سے کارروائی نہ ہوتی، نیز یزید رحمہ اللہ کی خلافت پر پوری امت متفق ہو چکی تھی اور تمام صحابہ ان کی بیعت کرچکے تھے، ایسی صورت میں ان کی مخالفت کا کوئی جواز نہ تھا، بلکہ متعدد احادیث میں ایسے اقدام

کی مذمت کی گئی ہے۔ اسی لیے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اس طرز عمل کی سخت مخالفت کی اور اس کی بھرپور مذمت کی۔ ملاحظہ ہوں چند حوالے صحیح سندوں کے ساتھ:

صحابیِ رسول عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فضل و شرف معروف ہے اور آپ کے علم میں برکت کے لیے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی دعا بھی کی ہے۔ آپ بھی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی سرگرمی کے سخت مخالف تھے، بلکہ مکے کی جو بے حرمتی ہوئی، اس کی بابت آپ کی رائے یہ تھی کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہی کی سرگرمیوں کے سبب مکہ کی حرمت پامال کی گئی، چناں چہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو اس کا ذمے دار ٹھہرایا ہے اور بنو اُمیہ پر بھی اس کی ذمے داری ڈالی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶ھ) نے کہا:

”حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيىٰ بْنُ مَعِينٍ، حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ، قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: قَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ: وَكَانَ بَيْنَهُمَا شَيْءٌ، فَغَدَوْتُ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، فَقُلْتُ: أَتُرِيدُ أَنْ تُقَاتِلَ ابْنَ الزُّبَيْرِ، فَتُحِلَّ حَرَمَ اللَّهِ؟ فَقَالَ: مَعَاذَ اللَّهِ، إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ ابْنَ الزُّبَيْرِ وَبَنِي أُمَيَّةَ مُحِلِّينَ، وَإِنِّي وَاللَّهِ لَا أُحِلُّهُ أَبَدًا، قَالَ: قَالَ النَّاسُ: بَايِعْ لِابْنِ الزُّبَيْرِ فَقُلْتُ: وَأَيْنَ بِهَذَا الْأَمْرِ عَنْهُ؟ أَمَّا أَبُوهُ: فَحَوَارِيُّ النَّبِيِّ ﷺ يُرِيدُ الزُّبَيْرَ، وَأَمَّا جَدُّهُ: فَصَاحِبُ الغَارِ يُرِيدُ أَبَا بَكْرٍ، وَأُمُّهُ: فَذَاتُ النِّطَاقِ يُرِيدُ أَسْمَاءَ وَأَمَّا خَالَتُهُ: فَأُمُّ المُؤْمِنِينَ يُرِيدُ عَائِشَةَ، وَأَمَّا عَمَّتُهُ: فَزَوْجُ النَّبِيِّ ﷺ يُرِيدُ خَدِيجَةَ، وَأَمَّا عَمَّةُ النَّبِيِّ ﷺ: فَجَدَّتُهُ يُرِيدُ صَفِيَّةَ، ثُمَّ عَفِيفٌ فِي الإِسْلَامِ، قَارِئٌ لِلْقُرْآنِ، وَاللَّهِ إِنْ وَصَلُونِي وَصَلُونِي مِنْ قَرِيبٍ، وَإِنْ رَبُّونِي رَبُّونِي أَكْفَاءٌ كِرَامٌ، فَآثَرَ التُّوَيْتَاتِ وَالْأُسَامَاتِ وَالْحُمَيْدَاتِ يُرِيدُ أَبْطُنًا مِنْ بَنِي أَسَدٍ: بَنِي تُوَيْتٍ وَبَنِي أُسَامَةَ وَبَنِي أَسَدٍ، إِنَّ ابْنَ أَبِي العَاصِ بَرَزَ يَمْشِي القُدَمِيَّةَ يَعْنِي عَبْدَ المَلِكِ بْنَ مَرْوَانَ وَإِنَّهُ لَوَّى ذَنَبَهُ يَعْنِي ابْنَ الزُّبَيْرِ“[1]

---

[1] صحيح البخاري (٦/ ٦٦) كتاب تفسير القرآن: باب قوله: ﴿ثاني اثنين اذهما في الغار..﴾ رقم الحديث (٤٦٦٥) ترجمہ: داود راز رحمہ اللہ.

''ابن ابی ملیکہ نے بیان کیا کہ ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم کے درمیان بیعت کا جھگڑا پیدا ہو گیا تھا، میں صبح کو ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: آپ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے جنگ کرنا چاہتے ہیں، اس کے باوجود کہ اللہ کے حرم کی بے حرمتی ہو گی؟ **ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: معاذ اللہ! یہ تو اللہ تعالیٰ نے ابن زبیر اور بنو امیہ ہی کے مقدر میں لکھ دیا ہے کہ وہ حرم کی بے حرمتی کریں۔** خدا کی قسم! میں کسی صورت میں بھی اس بے حرمتی کے لیے تیار نہیں ہوں۔ ابن عباس نے بیان کیا کہ لوگوں نے مجھ سے کہا تھا کہ ابن زبیر سے بیعت کر لو۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھے ان کی خلافت کو تسلیم کرنے میں کیا تامل ہو سکتا ہے، ان کے والد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری تھے، آپ کی مراد زبیر بن عوام سے تھی۔ ان کے نانا صاحبِ غار تھے، اشارہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف تھا۔ ان کی والدہ صاحبۂ نطاقین تھیں، یعنی حضرت اسماء۔ ان کی خالہ اُم المومنین تھیں، مراد حضرت عائشہ سے تھی۔ ان کی پھوپھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ تھیں، مراد خدیجہ سے تھی۔ حضرت ابن عباس کی مراد ان باتوں سے یہ تھی کہ وہ بہت سی خوبیوں کے مالک ہیں اور حضور اکرم کی پھوپھی ان کی دادی ہیں، اشارہ صفیہ کی طرف تھا۔ اس کے علاوہ وہ خود اسلام میں ہمیشہ صاف کردار اور پاک دامن رہے اور قرآن کے عالم ہیں اور خدا کی قسم! اگر وہ مجھ سے اچھا برتاؤ کریں تو ان کو کرنا ہی چاہیے، وہ میرے بہت قریب کے رشتے دار ہیں اور اگر وہ مجھ پر حکومت کریں تو خیر کی حکومت کریں، وہ ہمارے برابر کے عزت والے ہیں۔ لیکن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے تو تویت، اسامہ اور حمید کے لوگوں کو ہم پر ترجیح دی ہے۔ ان کی مراد مختلف قبائل یعنی بنو تویت، بنو اسامہ اور بنو اسد سے تھی۔ ادھر ابن ابی العاص بڑی عمدگی سے چل رہا ہے، یعنی عبدالملک بن مروان مسلسل پیش قدمی کر رہا ہے اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس کے سامنے....''

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حسب و نسب کے اعتبار سے عبداللہ بن عباس، ابن زبیر رضی اللہ عنہم کی فضیلت کے قائل تھے، لیکن ان کی سیاسی سرگرمیوں سے نالاں تھے اور مکے کی بے حرمتی میں انھیں ذمے دار ٹھہراتے تھے اور اسی طرح بنو اُمیہ کو بھی مکے کی بے حرمتی کا ذمے دار ٹھہراتے تھے۔

لیکن بنو امیہ کے افراد کی جانب سے بھی مکہ کی جو بے حرمتی ہوئی اس کے اصل سبب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ اگر آپ حکومتِ وقت کی مخالفت کر کے مکے میں پناہ نہ لیتے تو بنو اُمیہ وہاں پر کوئی کارروائی قطعاً نہ کرتے۔

واضح رہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بنوامیہ کی جانب سے بے حرمتی سے عہد یزید نہیں بلکہ وفات یزید کے بعد ہونے والی بے حرمتی مراد لی ہے جیسا کہ روایت کے آخری الفاظ سے ظاہر ہے۔ جہاں تک یزید کے دور کی بات ہے تو اس دور میں بنوامیہ نے مکہ کا صرف محاصرہ کیا تھا پھر اسی دوران وفات یزید کی خبر سن کر محاصرہ اٹھالیا تھا اور کسی کاروائی کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ جیسا کہ ماقبل میں وضاحت کی گئی ہے۔

صحیح بخاری ہی کی ایک روایت کے مطابق عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حسب ونسب کے اعتبار سے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی فضیلت تسلیم کرنے کے باوجود بھی ان کی حکومت پر بنو اُمیہ کی حکومت کو فوقیت دیتے تھے۔ چناں چہ امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶ھ) نے کہا:

”حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ مَيْمُونٍ، حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيدٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ، دَخَلْنَا عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، فَقَالَ: أَلَا تَعْجَبُونَ لِابْنِ الزُّبَيْرِ قَامَ فِي أَمْرِهِ هَذَا، فَقُلْتُ: لَأُحَاسِبَنَّ نَفْسِي لَهُ مَا حَاسَبْتُهَا لِأَبِي بَكْرٍ، وَلَا لِعُمَرَ، وَلَهُمَا كَانَا أَوْلَى بِكُلِّ خَيْرٍ مِنْهُ، وَقُلْتُ: ابْنُ عَمَّةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، وَابْنُ الزُّبَيْرِ، وَابْنُ أَبِي بَكْرٍ، وَابْنُ أَخِي خَدِيجَةَ، وَابْنُ أُخْتِ عَائِشَةَ، فَإِذَا هُوَ يَتَعَلَّى عَنِّي، وَلَا يُرِيدُ ذَلِكَ، فَقُلْتُ: مَا كُنْتُ أَظُنُّ أَنِّي أَعْرِضُ هَذَا مِنْ نَفْسِي، فَيَدَعُهُ وَمَا أُرَاهُ يُرِيدُ خَيْرًا، وَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ لَأَنْ يَرُبَّنِي بَنُو عَمِّي أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَرُبَّنِي غَيْرُهُمْ“[1]

”ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے کہا کہ ابن زبیر پر تمھیں حیرت نہیں ہوتی۔ وہ اب خلافت کے لیے کھڑے ہو گئے ہیں تو میں نے ارادہ کر لیا کہ ان کے لیے محنت مشقت کروں گا کہ ایسی محنت اور مشقت میں نے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے لیے بھی نہیں کی، حالاں کہ وہ دونوں ان سے ہر حیثیت سے بہتر تھے۔ میں نے لوگوں سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی اولاد میں سے ہیں۔ زبیر کے بیٹے اور ابوبکر کے نواسے، خدیجہ کے بھائی کے بیٹے، عائشہ کی

[1] صحيح البخاري (٦/ ٦٦) كتاب تفسير القرآن، رقم الحديث (٤٦٦٦)

بہن کے بیٹے۔ لیکن عبداللہ بن زبیر نے کہا: کیا وہ مجھ سے غرور کرنے لگے۔ انھوں نے نہیں چاہا کہ میں ان کے خاص مصاحبوں میں رہوں (اپنے دل میں کہا) مجھ کو ہرگز یہ گمان نہ تھا کہ میں تو ان سے ایسی عاجزی کروں گا اور وہ اس پر بھی مجھ سے راضی نہ ہوں گے۔ خیر اب مجھے امید نہیں کہ وہ میرے ساتھ بھلائی کریں گے جو ہونا تھا وہ ہوا، **اب بنی امیہ جو میرے چچا زاد بھائی ہیں، اگر مجھ پر حکومت کریں تو یہ مجھ کو اوروں کے حکومت کرنے سے زیادہ پسند ہے۔**'' (ترجمہ: داود راز رحمہ اللہ)

اسی طرح ایک اور صحیح روایت میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو تنگ نظر اور متعصب قرار دیا ہے، چناں چہ امام عبدالرزاق رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۱۱ھ) نے کہا:

''أنا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامٍ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، يَقُولُ: مَا رَأَيْتُ رَجُلًا كَانَ أَخْلَقَ لِلْمُلْكِ مِنْ مُعَاوِيَةَ كَانَ النَّاسُ يَرِدُونَ مِنْهُ عَلَى أَرْجَاءِ وَادٍ رَحْبٍ لَيْسَ كَالضَّيِّقِ (الْحَصَصِ) الْحَصِرِ الْمُتَعَصِّبِ يَعْنِي ابْنَ الزُّبَيْرِ''[1]

''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے حکومت کے لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر شخص نہیں دیکھا۔ آپ کو تمام لوگوں نے حد درجہ سخی اور کشادہ دل پایا۔ آپ عبداللہ بن زبیر کی طرح تنگ نظر، تنگ دل، بخیل اور متعصب نہ تھے۔''

صحابی رسول عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا موقف:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مقام و مرتبہ بیان کا محتاج نہیں ہے۔[2]

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یزید کے مخالف سرگرمیوں کو فتنہ قرار دیا ہے۔ چناں چہ امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶ھ) نے کہا:

''حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الوَهَّابِ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ، عَنْ

---

[1] الأمالي في آثار الصحابة لعبد الرزاق (ص: ٧٤) و إسناده صحيح، المصنف لعبد الرزاق (١١/ ٤٥٣) رقم الحديث (٢٠٩٨٥) وأخرجه أيضاً ابن سعد في الطبقات الكبرىٰ (٤٨/ ١٠) من طريق معمر به، و إسناده صحيح.

[2] جیسا کہ گذشتہ صفحات میں گزر چکا ہے اور یزید کی بیعت توڑنے والوں کے متعلق بھی ان کا موقف تفصیلاً ذکر ہو چکا ہے۔ اسی کتاب کا صفحہ (۴۷۹-۴۸۰) دیکھیں۔

نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما، أَتَاهُ رَجُلَانِ فِي فِتْنَةِ ابْنِ الزُّبَيْرِ فَقَالَا: إِنَّ النَّاسَ صَنَعُوا وَأَنْتَ ابْنُ عُمَرَ، وَصَاحِبُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم، فَمَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَخْرُجَ؟ فَقَالَ: يَمْنَعُنِي أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ دَمَ أَخِي فقَالَا: أَلَمْ يَقُلِ اللَّهُ: ﴿**وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ**﴾، فَقَالَ: قَاتَلْنَا حَتَّى لَمْ تَكُنْ فِتْنَةٌ، وَكَانَ الدِّينُ لِلَّهِ، وَأَنْتُمْ تُرِيدُونَ أَنْ تُقَاتِلُوا حَتَّى تَكُونَ فِتْنَةٌ، وَيَكُونَ الدِّينُ لِغَيْرِ اللَّهِ"[1]

''نافع بیان کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے فتنے کے زمانے میں (جب ان پر حجاج ظالم نے حملہ کیا اور مکہ کا محاصرہ کیا) دو آدمی (علاء بن عرار اور حبان سلمی) آئے اور کہا کہ لوگ آپس میں لڑ کر تباہ ہو رہے ہیں۔ آپ عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، پھر آپ کیوں خاموش ہیں؟ اس فساد کو رفع کیوں نہیں کرتے؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میری خاموشی کی وجہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے کسی بھی مسلمان بھائی کا خون مجھ پر حرام قرار دیا ہے۔ اس پر انھوں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا ہے کہ اور ان سے لڑو، یہاں تک کہ فساد باقی نہ رہے؟ **ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم (قرآن کے حکم کے مطابق) لڑے ہیں، یہاں تک کہ فتنہ یعنی شرک و کفر باقی نہیں رہا اور دین خالص اللہ کے لیے ہو گیا، لیکن تم لوگ چاہتے ہو کہ تم اس لیے لڑو کہ فتنہ اور فساد پیدا ہو اور دینِ اسلام ضعیف ہو، کافروں کو جیت ہو اور خدا کے برخلاف دوسروں کا حکم سنا جائے۔''**

حتیٰ کہ مسند احمد کی صحیح روایت کے مطابق عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یزید کے خلاف لڑنے والوں کو ملوکیت کی خاطر لڑنے والا قرار دیا ہے، چناں چہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱ھ) نے کہا:

"حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا خَالِدٌ يَعْنِي الطَّحَّانَ، حَدَّثَنَا بَيَانٌ، عَنْ وَبَرَةَ، عَنِ ابْنِ جُبَيْرٍ يَعْنِي سَعِيدًا، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: خَرَجَ إِلَيْنَا ابْنُ عُمَرَ وَنَحْنُ نَرْجُو أَنْ يُحَدِّثَنَا بِحَدِيثٍ يُعْجِبُنَا فَبَدَرَنَا إِلَيْهِ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ: مَا تَقُولُ فِي الْقِتَالِ فِي الْفِتْنَةِ؟ فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ: ﴿**وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ**﴾ قَالَ: وَيْحَكَ أَتَدْرِي مَا الْفِتْنَةُ؟ إِنَّمَا كَانَ

[1] صحيح البخاري (٦/ ٢٦) رقم الحديث (٤٥١٣)

رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُقَاتِلُ الْمُشْرِكِينَ، وَكَانَ الدُّخُولُ فِيْ دِينِهِمْ فِتْنَةً، وَلَيْسَ بِقِتَالِكُمْ عَلَى الْمُلْكِ"[1]

"سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہمارے پاس تشریف لائے، ہمیں امید تھی کہ وہ ہم سے عمدہ احادیث بیان کریں گے، لیکن ہم سے پہلے ہی ایک آدمی، جن کا نام حکم تھا، بول پڑا اور کہنے لگا: اے ابوعبدالرحمٰن! فتنے کے ایام میں قتال کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان سے اس قت تک قتال کرو، جب تک فتنہ باقی رہے؟ **عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تیری ماں تجھے روئے، کیا تجھے معلوم ہے کہ فتنہ کیا چیز ہے؟ نبی ﷺ مشرکین سے قتال کیا کرتے تھے، اس وقت مشرکین کے دین میں داخل ہونا فتنہ تھا، ایسا نہیں تھا، جیسا آج تم حکومت وملوکیت کی خاطر قتال کرتے ہو۔"**

ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی سرگرمی کے سخت خلاف تھے اور اسے غیر شرعی سمجھتے تھے اور علی الاعلان لوگوں سے بھی یہی کہتے تھے، بلکہ ایک روایت کے مطابق تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس بات پر افسوس کیا کہ انھوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے گروہ سے قتال کیوں نہیں کیا، کیوں کہ ان لوگوں نے بغاوت کی تھی اور اللہ نے ایسے لوگوں سے قتال کا حکم دیا ہے۔ چناں چہ امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۵۸ھ) نے کہا:

"حدثنا أبو عبد اللّٰه الحافظ، إملاء. ثنا أبو عبد اللّٰه محمد بن عبد اللّٰه الزاهد، ثنا أحمد بن محمد بن مهدي بن رستم، ثنا بشر بن شعيب بن أبي حمزة القرشي، حدثنى أبي ح، وأخبرنا أبو الحسين بن الفضل القطان، ببغداد، أنبأ عبد اللّٰه بن جعفر بن درستويه، ثنا يعقوب بن سفيان، ثنا الحجاج بن أبي منيع، ثنا جدي، وثنا يعقوب، حدثني محمد بن يحيىٰ بن إسماعيل، عن ابن وهب، عن يونس، جميعا عن الزهري، وهذا لفظ حديث شعيب بن أبي حمزة، عن الزهري، أخبرني حمزة بن عبد اللّٰه بن عمر: أنه بينما هو جالس مع عبد اللّٰه بن عمر إذ

[1] مسند أحمد (٢/ ٩٤) رقم الحديث (٥٦٩٠) و إسناده صحيح.

جاءه رجل من أهل العراق، فقال: يا أبا عبد الرحمن إني والله لقد حرصت أن اتسمت بسمتك، وأقتدى بك في أمر فرقة الناس، وأعتزل الشر ما استطعت، وإني أقرأ آية من كتاب الله محكمة قد أخذت بقلبي، فأخبرنى عنها، أرأيت قول الله تبارك وتعالى: ﴿**وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ**﴾ [الحجرات: ٩] أخبرني عن هذه الآية، فقال عبد الله: ومالك ولذلك، انصرف عني، فانطلق حتى توارىٰ عنا سواده، أقبل علينا عبد الله بن عمر فقال: ما وجدت في نفسي من شيئ من أمر هذه الأمة ما وجدت في نفسي أني لم أقاتل هذه الفئة الباغية كما أمرني الله عز وجل. زاد القطان في روايته: قال حمزة: فقلنا له: ومن ترى الفئة الباغية؟ قال ابن عمر: ابن الزبير بغىٰ علىٰ هؤلاء القوم، فأخرجهم من ديارهم، ونكث عهدهم...''[1]

''حمزہ بن عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ ایک دفعہ وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے پاس عراق سے ایک شخص آیا اور کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! واللہ میں اس بات کا حریص ہوں کہ آپ کے نقشِ قدم پر چلوں اور لوگوں کے اختلاف کے معاملے میں آپ کی پیروی کروں اور جہاں تک ہوسکے فساد سے الگ تھلگ رہوں، لیکن میں قرآن مجید کی ایک محکم آیت پڑھتا ہوں تو دل میں کچھ کھٹکتا ہے تو آپ اس آیت کے بارے میں مجھے بتا دیں! آپ کا اس آیت کے بارے میں کیا خیال ہے: ﴿**وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ**﴾ *(اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس*

---

[1] السنن الكبرى للبيهقي (٨/ ٢٩٨) و إسناده صحيح، وأخرجه أيضاً ابن عساكر في تاريخه (٣١/ ١٩٣) من طرق عن الزهري به، ونقله الحافظ في الفتح (١٣/ ٧٢)

میں لڑ پڑیں تو ان میں تم ملاپ کرا دیا کرو، پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم (سب) اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، اگر لوٹ آئے تو پھر انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور عدل کرو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے) اس آیت کی تفسیر مجھے بتلائیں! تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ جان کر کیا کرو گے؟ جاؤ یہاں سے۔ پھر وہ شخص چلا گیا، یہاں تک کہ ہماری نظروں سے اُوجھل ہوگیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہماری جانب متوجہ ہوئے اور کہا: اس امت کے معاملات میں سے کسی معاملے پر مجھے اتنا افسوس نہیں ہوا جتنا اس بات پر افسوس ہوا کہ میں نے اس باغی جماعت سے قتال کیوں نہیں کیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ حسین بن قطان نے مزید بیان کیا کہ حمزہ نے کہا: ہم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پوچھا: آپ کس کو باغی جماعت سمجھتے ہیں؟ تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس قوم کے خلاف بغاوت کی ہے، انھیں ان کے گھروں سے نکال دیا اور ان کا عہد توڑ دیا...۔‘‘[1]

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے روایت کے ابتدائی حصے کو شعیب بن ابی حمزہ کے طریق سے نقل کیا ہے اور آخری حصے کو ابن القطان کے طریق سے نقل کیا ہے اور ان دونوں طریق کی مکمل سند بالکل صحیح ہے۔

’’احمد بن محمد بن مهدی بن رستم‘‘ یہ ’’احمد بن مهدی بن رستم ابوجعفر الاصبهانی المدنی‘‘ ہیں۔

’’حجاج بن ابی منیع‘‘ یہ ’’حجاج بن یوسف بن عبید اللہ بن ابی زیاد‘‘ ہیں۔ ان کے دادا ’’عبید اللہ بن ابی زیاد الرصافی‘‘ ہیں۔ بقیہ رجال معروف ومشہور ہیں اور یہ سب کے سب ثقہ راوی ہیں۔

واضح رہے کہ ایک روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اس بیان کو بدل کر یوں کر دیا گیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین کو باغی سمجھ کر اُن کے خلاف قتال نہ کرنے پر افسوس کرتے تھے۔ یہ روایت مذکورہ صحیح روایت کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ ضعیف ومنکر و باطل ہے۔

چناں چہ امام طبرانی رحمہ اللہ نے متعدد طرق سے نقل کرتے ہوئے کہا:

[1] یہاں ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا نام لیا ہے، لیکن ان کی مراد ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا پورا گروہ ہے، جیسا کہ ’’الفئة الباغية‘‘ (باغی گروہ) کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

”حدثنا محمد بن عبد الله الحضرمي ثنا علي بن حكيم الأودي و حدثنا الحسين بن جعفر القتات الكوفي ثنا منجاب بن الحارث و حدثنا أحمد بن عمرو القطراني ثنا محمد بن الطفيل ثنا شريك عن فطر بن خليفة عن حبيب بن أبي ثابت عن ابن عمر قال ما أجدني آسى على شيئ إلا أني لم أقاتل الفئة الباغية مع علي“[1]

”عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا: مجھے اس سے زیادہ کسی پر افسوس نہیں کہ میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ باغی گروہ سے قتال نہیں کر سکا۔

عرض ہے کہ اس کے تمام طرق کا دار و مدار حبیب بن ابی ثابت پر ہے اور حبیب کا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے، اس لیے یہ روایت منقطع ہے۔اسی لیے امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا:

”فهذا منقطع“[2] ”یہ روایت منقطع ہے۔“

بلکہ اسی روایت کے ایک طریق میں حبیب نے اپنے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بیچ ایک نامعلوم واسطے کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

”بلغني عن ابن عمر“[3]

یعنی کسی شخص کے ذریعے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات مجھ تک پہنچی ہے۔“

یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ یہ روایت منقطع ہے اور ساقط راوی نامعلوم ہے۔ مزید یہ کہ حبیب بن ابی ثابت نے ”عن“ سے روایت کیا ہے اور یہ بہ کثرت تدلیس کرنے والے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے انھیں تیسرے طبقے میں ذکر کرتے ہوئے کہا:

”يكثر التدليس“[4] ”یہ کثرت سے تدلیس کرتے تھے۔“

رہی بات یہ ہے کہ امام ہیثمی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ”مجمع الزوائد“ میں نقل کرتے ہوئے کہا:

”رواه الطبراني بأسانيد، وأحدها رجاله رجال الصحيح“[5]

---

[1] المعجم الكبير للطبراني (١٣/ ١٤٥)

[2] سير أعلام النبلاء للذهبي (٣/ ٢٣١)

[3] الطبقات الكبرىٰ (٤/ ١٨٧، ط دار صادر)

[4] طبقات المدلسين لابن حجر ت القريوتي (ص: ٣٧)

[5] مجمع الزوائد و منبع الفوائد (٧/ ٢٤٢)

''اسے طبرانی نے کئی سندوں سے روایت کیا ہے اور اس کے ایک رجال صحیح کے رجال ہیں۔''

تو عرض ہے کہ اول تو اس کے تمام رجال صحیح کے رجال نہیں ہیں، لہٰذا یہ امام ہیثمی رحمہ اللہ کا وہم ہے۔ دوسرے یہ کہ صحیح کے رجال بتلانا یہ روایت کی تصحیح نہیں ہے، کیونکہ سند منقطع بھی ہوسکتی ہے اور یہاں سند منقطع ہے، جیسا کہ وضاحت کی گئی اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اس سند کو منقطع بتلایا ہے۔

واضح رہے کہ ایک دوسری روایت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ باغی گروہ سے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مراد حجاج کا گروہ تھا، لیکن یہ روایت بھی ثابت نہیں، بلکہ بعض شیعی رواۃ کی یہ اپنی تفسیر ہے، جو خود ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اپنے صریح بیان کے خلاف ہے۔ اسی لیے امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس دوسری روایت کے بارے میں کہا:

''قلت هذا ظن من بعض الرواة، وإلا فهو قد قال الفئة الباغية ابن الزبير كما تقدم، والله أعلم''[1]

''میں (امام ذہبی) کہتا ہوں کہ یہ بعض رواۃ کا اپنا خیال ہے، ورنہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے خود یہ کہا ہے کہ باغی گروہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا گروہ ہے، جیسا کہ گزرا، واللہ اعلم۔''

خلاصہ یہ کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے صریح الفاظ میں ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے گروہ ہی کو باغی کہا ہے اور ان سے قتال نہ کرنے پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔ یہ روایت بالکل صحیح سند سے ثابت ہے اور اس کے برخلاف جن روایات میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مراد علی رضی اللہ عنہ کے مخالف گروہ یا حجاج کے گروہ کو بتلایا گیا ہے، وہ شیعی رواۃ کا بیان ہے اور اصولِ حدیث کی روشنی میں ثابت بھی نہیں۔''

صحابیِ رسول ابو برزۃ الاسلمی رضی اللہ عنہ کا موقف:

صحابیِ رسول ابو برزۃ الاسلمی رضی اللہ عنہ تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی لڑائی کے اس قدر خلاف تھے کہ اللہ کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ صرف دنیا کے لیے لڑ رہے ہیں۔ یہ بات صحیح بخاری میں منقول ہے، چناں چہ امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶ھ) نے کہا:

''حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، حَدَّثَنَا أَبُو شِهَابٍ، عَنْ عَوْفٍ، عَنْ أَبِي المِنْهَالِ، قَالَ: لَمَّا كَانَ ابْنُ زِيَادٍ وَمَرْوَانُ بِالشَّامِ، وَوَثَبَ ابْنُ الزُّبَيْرِ بِمَكَّةَ، وَوَثَبَ

[1] تاريخ الإسلام للذهبي ت تدمري (٤/ ٤٦٥)

الْقُرَّاءُ بِالْبَصْرَةِ، فَانْطَلَقْتُ مَعَ أَبِي إِلَى أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ، حَتَّى دَخَلْنَا عَلَيْهِ فِيْ دَارِهِ، وَهُوَ جَالِسٌ فِيْ ظِلِّ عُلِّيَّةٍ لَهُ مِنْ قَصَبٍ، فَجَلَسْنَا إِلَيْهِ، فَأَنْشَأَ أَبِي يَسْتَطْعِمُهُ الْحَدِيثَ فَقَالَ: يَا أَبَا بَرْزَةَ، أَلَا تَرَى مَا وَقَعَ فِيهِ النَّاسُ؟ فَأَوَّلُ شَيْئٍ سَمِعْتُهُ تَكَلَّمَ بِهِ: إِنِّي احْتَسَبْتُ عِنْدَ اللَّهِ أَنِّي أَصْبَحْتُ سَاخِطًا عَلَى أَحْيَاءِ قُرَيْشٍ، إِنَّكُمْ يَا مَعْشَرَ الْعَرَبِ، كُنْتُمْ عَلَى الْحَالِ الَّذِي عَلِمْتُمْ مِنَ الذِّلَّةِ وَالْقِلَّةِ وَالضَّلَالَةِ، وَإِنَّ اللَّهَ أَنْقَذَكُمْ بِالْإِسْلَامِ وَبِمُحَمَّدٍ ﷺ، حَتَّى بَلَغَ بِكُمْ مَا تَرَوْنَ، وَهَذِهِ الدُّنْيَا الَّتِي أَفْسَدَتْ بَيْنَكُمْ، إِنَّ ذَاكَ الَّذِي بِالشَّامِ، وَاللَّهِ إِنْ يُقَاتِلُ إِلَّا عَلَى الدُّنْيَا، وَإِنَّ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ، وَاللَّهِ إِنْ يُقَاتِلُونَ إِلَّا عَلَى الدُّنْيَا، وَإِنْ ذَاكَ الَّذِي بِمَكَّةَ وَاللَّهِ إِنْ يُقَاتِلُ إِلَّا عَلَى الدُّنْيَا“[1]

’’جب عبداللہ بن زیاد اور مروان شام میں تھے اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے مکے میں اور خوارج نے بصرہ میں قبضہ کر لیا تھا تو میں اپنے والد کے ساتھ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ جب ہم ان کے یہاں ایک کمرے کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے، جو بانس کا بنا ہوا تھا، ہم ان کے پاس بیٹھ گئے اور میرے والد ان سے بات کرنے لگے اور کہا: اے ابو برزہ! آپ نہیں دیکھتے لوگ کن باتوں میں آفت اور اختلاف میں اُلجھ گئے ہیں؟ میں نے ان کی زبان سے سب سے پہلی بات یہ سنی کہ میں جو اُن قریش کے لوگوں سے ناراض ہوں تو محض اللہ کی رضا مندی کے لیے اور اللہ میرا اجر دینے والا ہے۔ عرب کے لوگو! تم جانتے ہو، پہلے تمھارا کیا حال تھا؟ تم گمراہی میں گرفتار تھے، اللہ نے اسلام کے ذریعے اور حضرت محمد ﷺ کے ذریعے تم کو اس بُری حالت سے نجات دی۔ یہاں تک کہ تم اس رتبے کو پہنچے۔ (دنیا کے حاکم اور سردار بن گئے) پھر اسی دنیا نے تم کو خراب کر دیا۔ دیکھو! یہ شخص جو شام میں حاکم بن بیٹھا ہے، یعنی مروان دنیا کے لیے لڑ رہا ہے۔ یہ لوگ جو تمھارے سامنے ہیں (خوارج) واللہ! یہ لوگ صرف دنیا کے لیے لڑ رہے ہیں اور وہ جو مکے میں ہے **(عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما) واللہ! وہ بھی صرف دنیا**

[1] صحیح البخاري، کتاب الفتن: باب إذا قال عند قوم شيئا، ثم خرج فقال بخلافه: رقم الحدیث (۷۱۱۲)

کے لیے لڑ رہا ہے۔" (ترجمہ: داود راز رحمہ اللہ)

یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی صحیح سند کے ساتھ ہے اور اس کے اخیر میں مذکور ہے:

"وَإِنَّ ذَاكَ الَّذِي بِمَكَّةَ يَعْنِي ابْنَ الزُّبَيْرِ وَاللَّهِ إِنْ يُقَاتِلُ إِلَّا عَلَى الدُّنْيَا"[1]

"اور وہ جو مکے میں ہے، یعنی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، اللہ کی قسم! وہ بھی صرف دنیا کے لیے لڑ رہا ہے۔"

نیز یہی روایت مستدرک حاکم میں بھی صحیح سند کے ساتھ مذکور ہے اور اس میں ہے:

"اِنَّ ذٰلِكَ الَّذِي بِمَكَةَ يَعْنِي ابْنَ الزُّبَيْرِ أَنْ يُّقَاتِلُ إِلَّا عَلٰى الدُّنيَا"[2]

"وہ جو مکے میں ہے یعنی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، اللہ کی قسم! وہ بھی صرف دنیا کے لیے لڑ رہا ہے۔"

غور فرمائیں کہ صحابی رسول ابو برزۃ اسلمی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی لڑائی کو قتال فی سبیل اللہ نہیں، بلکہ قتال فی سبیل الدنیا قرار دیا ہے اور یہ بات اللہ کی قسم کھا کر پوری تاکید سے کہی ہے۔

صحابی رسول جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا موقف:

صحابیِ رسول جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی لڑائی کے سخت خلاف تھے، بلکہ اس لڑائی کو ملوکیت کی لڑائی بتاتے تھے، چناں چہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱ھ) نے کہا:

"حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي عِمْرَانَ قَالَ: قُلْتُ لِجُنْدُبٍ: إِنِّي قَدْ بَايَعْتُ هَؤُلَاءِ يَعْنِي ابْنَ الزُّبَيْرِ وَإِنَّهُمْ يُرِيدُونَ أَنْ أَخْرُجَ مَعَهُمْ إِلَى الشَّامِ، فَقَالَ: أَمْسِكْ، فَقُلْتُ: إِنَّهُمْ يَأْبَوْنَ، فَقَالَ: افْتَدِ بِمَالِكَ، قَالَ: قُلْتُ: إِنَّهُمْ يَأْبَوْنَ إِلَّا أَنْ أَضْرِبَ مَعَهُمْ بِالسَّيْفِ، فَقَالَ جُنْدُبٌ: حَدَّثَنِي فُلَانٌ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: "يَجِيءُ الْمَقْتُولُ بِقَاتِلِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ، سَلْ هَذَا فِيمَ قَتَلَنِي؟ قَالَ: شُعْبَةُ: فَأَحْسِبُهُ قَالَ: فَيَقُولُ: عَلَامَ قَتَلْتَهُ؟ فَيَقُولُ: قَتَلْتُهُ عَلَى مُلْكِ فُلَانٍ" قَالَ: فَقَالَ جُنْدُبٌ: فَاتَّقِهَا"[3]

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة (٧/ ٤٤٩) و إسناده صحيح.

[2] المستدرك للحاكم (٤/ ٥١٧) و إسناده صحيح.

[3] مسند أحمد (٢٧/ ١٤٥) وقال المعلقون علىٰ المسند: و إسناده صحيح على شرط الشيخين، وهو كذلك.

''ابو عمران عبدالملک بن حبیب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا: میں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے بیعت کرلی ہے اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ شام جاؤں، تو جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ایسا مت کرنا۔ میں نے کہا: وہ لوگ اس پر راضی نہیں ہیں۔ جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: مالی فدیہ دے کر جان چھڑا لو، میں نے کہا: وہ لوگ اس کے علاوہ کسی بات پر راضی نہیں کہ میں ان کے ساتھ تلوار لے کر نکلوں، اس پر جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: فلاں شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن مقتول اپنے قاتل کے ساتھ آئے گا اور کہے گا: اے میرے رب! اس سے پوچھ، اس نے مجھے کیوں قتل کیا تو اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تو نے اسے کیوں قتل کیا؟ **تو وہ کہے گا کہ میں نے اسے فلاں شخص کی ملوکیت کے لیے قتل کیا، اس کے بعد جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس لیے ابو عمران تم اس سے بچو۔''**

غور فرمائیں کہ ملوکیت کی خاطر کسی کو قتل کرنے پر جو وعید حدیث میں بیان ہوئی ہے، اس وعید اور حدیث کو صحابی رسول جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے سامنے بیان کرتے، جو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی میں شرکت کا ارادہ ظاہر کرتے۔

صحابی رسول عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا موقف:

آپ رضی اللہ عنہ بھی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی سرگرمی کے سخت خلاف تھے اور اسے فساد و الحاد کا نام دیتے تھے، چناں چہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱ھ) نے کہا:

"حَدَّثَنَا هَاشِمٌ، حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، يَعْنِي ابْنَ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَمْرٍو، قَالَ: أَتَى عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو، ابْنَ الزُّبَيْرِ، وَهُوَ جَالِسٌ فِي الْحِجْرِ، فَقَالَ: يَا ابْنَ الزُّبَيْرِ، إِيَّاكَ وَالإِلْحَادَ فِي حَرَمِ اللّٰهِ، فَإِنِّي أَشْهَدُ لَسَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: يُحِلُّهَا وَيَحُلُّ بِهِ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ، لَوْ وُزِنَتْ ذُنُوبُهُ بِذُنُوبِ الثَّقَلَيْنِ لَوَزَنَتْهَا، قَالَ: فَانْظُرْ أَنْ لَا تَكُونَ هُوَ يَا ابْنَ عَمْرٍو، فَإِنَّكَ قَدْ قَرَأْتَ الْكُتُبَ، وَصَحِبْتَ الرَّسُولَ ﷺ قَالَ: فَإِنِّي أُشْهِدُكَ أَنَّ هَذَا وَجْهِي إِلَى الشَّامِ مُجَاهِدًا"[1]

---

[1] مسند أحمد (٢/ ٢١٩) و إسناده صحيح على شرط الشيخين.

''صحابی رسول عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو اس وقت وہ حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے، **انھوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابن زبیر رضی اللہ عنہ! آپ حرم میں فساد و الحاد سے بچیں، کیوں کہ میں گواہی دے رہا ہوں کہ میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قریش کا ایک شخص مکے کو حلال کر لے گا اور اس کے حلال کیے جانے کا سبب بنے گا،** اگر اس کے گناہ جن و انس کے گناہوں کے بالمقابل وزن کیے جائیں تو اس کے گناہ بھاری پڑ جائیں گے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر اے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ! آپ وہ آدمی نہ بننا، کیوں کہ آپ نے صحیفے پڑھے ہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بھی اختیار کی ہے۔ اس پر عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں جہاد کے لیے شام جا رہا ہوں۔''

اس روایت میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو روایت نقل کی ہے وہ صحیح وثابت اور مرفوع ہے۔ اسے موقوف قرار دینا درست نہیں۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے مرفوعاً صحیح قرار دیتے ہوئے کہا: ''هٰذَا إِسْنَاد صَحِيح عَلىٰ شَرطِ الشَّيخَينِ''[1]

اس مرفوع حدیث کے بعض طرق میں رجل کا نام عبداللہ بتلایا گیا ہے۔ کما مضیٰ.

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل غیر مناسب تھا اور اسی سبب اہلِ شام ان کے خلاف کارروائی کرنے پر مجبور ہوئے۔ اگر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے یزید کی مخالفت نہ کی ہوتی تو اہلِ شام بھی مکے میں ان کا محاصرہ نہ کرتے۔

دریں صورت مکے میں جو کچھ بھی ہوا اور خانہ کعبہ کو جو بھی نقصان پہنچا، اس کے اصل ذمے دار ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی ہی تھے، کیوں کہ اہلِ شام کا اصل مقصد مکے یا خانہ کعبہ پر حملہ نہ تھا، بلکہ ان کا مقصد ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو گرفتار کرنا تھا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

''وَأَمَّا مُلُوكُ الْمُسْلِمِينَ، مِنْ بَنِي أُمَيَّةَ وَبَنِي الْعَبَّاسِ (وَنُوَّابُهُمْ)، فَلَا رَيْبَ أَنَّ أَحَدًا مِنْهُمْ لَمْ يَقْصِدْ إِهَانَةَ الْكَعْبَةِ: لَا نَائِبُ يَزِيدَ، وَلَا نَائِبُ عَبْدِ

[1] السلسلة الصحيحة (٥/ ٥٩٤) رقم الحديث (٢٤٦٢)

الْمَلِكِ الْحَجَّاجُ بْنُ يُوسُفَ، وَلَا غَيْرُهُمَا، بَلْ كُلُّ الْمُسْلِمِينَ كَانُوا مُعَظِّمِينَ لِلْكَعْبَةِ، وَإِنَّمَا كَانَ مَقْصُودُهُمْ حِصَارَ ابْنِ الزُّبَيْرِ، وَالضَّرْبُ بِالْمَنْجَنِيقِ[1] كَانَ لَهُ لَا لِلْكَعْبَةِ، وَيَزِيدُ لَمْ يَهْدِمِ الْكَعْبَةَ، وَلَمْ يَقْصِدْ إِحْرَاقَهَا، لَا هُوَ وَلَا نُوَّابُهُ بِاتِّفَاقِ الْمُسْلِمِينَ"[2]

''جہاں تک مسلم بادشاہوں بنو اُمیہ، بنوعباس اور ان کے نائبین کی بات ہے تو بلاشبہ **ان میں سے کسی نے بھی خانہ کعبہ کی اہانت کبھی نہ کی، نہ تو یزید کے نائب نے نہ** عبدالملک کے نائب الحجاج بن یوسف نے اور نہ ان کے علاوہ کسی نے، بلکہ مسلمان تو ہمیشہ سے کعبۃ اللہ کی تعظیم ہی کرتے آئے ہیں، ان میں سے بعض کا مقصود صرف یہ تھا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو گرفتار کیا جائے اور منجنیق[1] کا استعمال عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہی کی خاطر ہوا تھا نہ کہ خانہ کعبہ کی خاطر **اور یزید نے ہرگز بیت اللہ کو منہدم (شہید) نہیں کیا اور نہ اسے جلانے کا ارادہ کیا، یقیناً نہ تو ایسا اقدام یزید نے کیا اور نہ اس کے نائبین نے کیا، اس بات پر تمام مسلمانوں کا اتفاق واجماع ہے۔''**

یاد رہے کہ کچھ لوگ جذباتی انداز میں سوچتے ہیں اور ایک طرف ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو رکھ کر اور دوسری طرف یزید اور ان کے اصحاب کو رکھ کر یہ سوچتے ہیں کہ ان میں حق پر کون تھا؟ پھر جذبات سے مغلوب ہوجاتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں، اس لیے یہی حق پر تھے۔ اول تو یہ حق و باطل کا معرکہ ہرگز نہیں تھا، بلکہ ایک سیاسی اختلاف تھا۔ دوم: موازنہ صرف ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور یزید اور ان کے اصحاب ہی کے مابین ہی نہیں ہے، بلکہ موازنہ ابن زبیراور دیگر صحابہ کرام کے مابین بھی ہے۔

یعنی اگر ابن زبیر رضی اللہ عنہ حکومتِ یزید کی مخالفت میں سرگرم ہیں تو دیگر صحابہ جن کا تذکرہ اوپر ہوا، یعنی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، ابو برزۃ الاسلمی رضی اللہ عنہ، جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، یہ تمام کے تمام صحابہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے اس طرزِعمل کی مذمت کر رہے ہیں۔ اب سنجیدگی سے غور کیا جائے اور بتلایا جائے کہ حق پر کون ہے؟ آیا ابن زبیر رضی اللہ عنہ یا وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ جو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی سرگرمی کے خلاف تھے؟

---

[1] دیکھیے اسی کتاب کے صفحہ(۴۹۸) کا حاشیہ نمبر(۱) [2] منهاج السنة النبوية (٤/ ٥٧٧)

آخر میں ہم یہ بھی واضح کردیں کہ یزیدی حکومت سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی جو مخالفت تھی، وہ اس وجہ سے نہ تھی کہ یزید اس کے لیے مناسب نہ تھے یا وہ بدکردار تھے نعوذ باللہ، بلکہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت محض اس بنا پر تھی کہ باپ کے بعد بیٹے کا خلیفہ بننا درست نہیں، کیوں کہ اس سے ملوکیت کی راہ ہموار ہوسکتی ہے، لیکن چونکہ یزید کو خلیفہ بنانے میں یہ مقصد کارفرما نہ تھا، نیز امت نے یزید رحمہ اللہ کی خلافت پر اتفاق کر لیا تھا، لہٰذا ان حالات میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی مخالف سرگرمیوں کا کوئی جواز نہ تھا، اسی لیے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی اس مخالفت کی مذمت کی، لیکن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بہرحال ایک جلیل القدر صحابی ہیں، اس لیے ظاہر ہے کہ ان کا مقصد نیک ہی تھا، لہٰذا ان کا یہ اقدام ان کی طرف سے اجتہادی امر تھا، جس میں عدمِ صواب کے باوجود وہ ایک اجر کے مستحق ہیں، رضی اللہ عنہ۔

کعبہ کی حرمت اور مومن کی حرمت:

جس طرح کعبہ قابلِ احترام ہے، ایسے ہی مسلمانوں کی عزتیں بھی قابلِ احترام ہیں، بلکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بسند صحیح مروی ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۹ھ) نے کہا:

''حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَكْثَمَ، وَالجَارُودُ بْنُ مُعَاذٍ قَالَا: حَدَّثَنَا الفَضْلُ بْنُ مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا الحُسَيْنُ بْنُ وَاقِدٍ، عَنْ أَوْفَى بْنِ دَلْهَمٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: صَعِدَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم المِنْبَرَ فَنَادَى بِصَوْتٍ رَفِيعٍ، فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ مَنْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يُفْضِ الإِيمَانُ إِلَى قَلْبِهِ، لَا تُؤْذُوا المُسْلِمِينَ وَلَا تُعَيِّرُوهُمْ وَلَا تَتَبَّعُوا عَوْرَاتِهِمْ، فَإِنَّهُ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَةَ أَخِيهِ المُسْلِمِ تَتَبَّعَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ، وَمَنْ تَتَبَّعَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِي جَوْفِ رَحْلِهِ. قَالَ: وَنَظَرَ ابْنُ عُمَرَ يَوْمًا إِلَى البَيْتِ أَوْ إِلَى الكَعْبَةِ فَقَالَ: مَا أَعْظَمَكِ وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكِ، وَالمُؤْمِنُ أَعْظَمُ حُرْمَةً عِنْدَ اللَّهِ مِنْكِ''[1]

''صحابی رسول ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور بلند آواز سے فرمایا: اے لوگوں کے وہ گروہ، جو صرف زبانوں سے اسلام لائے ہیں اور

[1] سنن الترمذي (٤/ ٣٧٨) رقم الحديث (٢٠٣٢) و إسناده صحيح.

ایمان ان کے دلوں میں نہیں پہنچا! مسلمان کو اذیت دو نہ انھیں عار دلاؤ اور ان میں عیوب مت تلاش کرو، کیوں کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی عیب جوئی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی عیب گیری کرتا ہے اور جس کی عیب گیری اللہ تعالیٰ کرنے لگے، وہ ذلیل ہو جائے گا، اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر ہی کیوں نہ ہو۔ پھر راوی کہتے ہیں کہ **ایک دن ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیت اللہ، کعبہ پر نظر ڈالی اور فرمایا: تو کتنا عظیم ہے، تیری حرمت بھی کتنی عظیم ہے، لیکن مومن کی حرمت اللہ کے نزدیک تیری عزت سے بھی زیادہ ہے۔''**

❀❀❀❀

باب 8

یزید کے اخلاق وکردار

فصل اول: یزید کے اخلاق وکردار پر خیرالقرون کی گواہیاں

- (الف): زبانِ رسالت سے گواہی۔
  - بارہ خلفا تک اسلام کا غلبہ۔
  - قسطنطنیہ پر پہلا حملہ اور مغفرت کی بشارت۔
- (ب) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گواہیاں۔
- (ج) تابعین کرام کی گواہیاں۔

فصل دوم: یزید پر ترکِ صلاۃ، شرب نوشی اور دیگر بداخلاقیوں کی تہمت کا جائزہ۔

فصل اول

یزید کے اخلاق وکردار پر خیر القرون کی گواہیاں

یزید کے بداخلاق و بدکار ہونے سے متعلق جو باتیں بھی بیان کی جاتی ہیں، ان میں کچھ بھی ثابت نہیں ہے۔ روایات کے انبار میں کوئی ایک روایت بھی صحیح سند کے ساتھ نہیں ملتی، جس سے یزید کا بد اخلاق یا بدکردار ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس کے برعکس صحیح و مستند روایات سے یزید کی صالحیت اور حسنِ کردار ہی کا ثبوت ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

الف: زبانِ رسالت سے گواہی

اللہ کے نبی ﷺ کی احادیث سے بھی یزید کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، اس سلسلے میں اللہ کے نبی ﷺ کی دو احادیث پیشِ خدمت ہیں:

زبانِ رسالت سے پہلی گواہی (بارہ خلفا تک اسلام کا غلبہ):

اللہ کے نبی ﷺ نے بارہ خلفا تک اسلام کا غلبہ بتلایا ہے، اس سے ان بارہ خلفا کی بھی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور انھیں خلفا میں ایک یزید بھی ہے۔ ملاحظہ ہو:

امام مسلم رحمہ اللہ (المتوفی ۲۶۱) نے کہا:

”حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ، ح وحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ النَّوْفَلِيُّ، وَاللَّفْظُ لَهُ، حَدَّثَنَا أَزْهَرُ، حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: انْطَلَقْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَمَعِي أَبِي، فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: لَا يَزَالُ هَذَا الدِّينُ عَزِيزًا مَنِيعًا إِلَى اثْنَيْ عَشَرَ خَلِيفَةً، فَقَالَ كَلِمَةً صَمَّنِيهَا النَّاسُ، فَقُلْتُ لِأَبِي: مَا قَالَ؟ قَالَ: كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ“[1]

[1] صحيح مسلم (٣/ ١٤٥٣)

"صحابیِ رسول جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے چلا اور میرے ساتھ میرے والد تھے تو میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: یہ دین ہمیشہ بارہ خلفا کے پورا ہونے تک غالب و بلند رہے گا۔ پھر آپ ﷺ نے کوئی کلمہ ارشاد فرمایا، لیکن لوگوں نے مجھے سننے نہ دیا تو میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ ﷺ نے کیا فرمایا؟ تو انھوں نے کہا: سب خلفا قریش کے خاندان سے ہوں گے۔"

اس حدیث میں بارہ خلفا تک دین کی سلامتی اور اس کے قیام کی بات کہی گئی ہے اور یزید بن معاویہ چھٹے نمبر پر خلیفہ تھے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یزید کو چھٹا خلیفہ بتایا ہے اور اس حدیث میں مذکور تعداد میں انھیں بھی شمار کیا ہے۔[1] اسی طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی یزید کو چھٹا خلیفہ بتایا ہے اور اس حدیث میں مذکور تعداد میں انھیں بھی شمار کیا ہے۔[2] ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بھی یزید کو چھٹا خلیفہ مانا ہے اور اس حدیث میں مذکور تعداد میں انہیں بھی شمار کیا ہے۔[3]

اس حدیث سے یزید کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، کیوں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی خلافت میں اسلام کو غالب بتلایا ہے۔

ب: زبانِ رسالت سے دوسری گواہی (جیش مغفور لہم):

اللہ کے نبی ﷺ نے قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والے پہلے لشکر کے لیے یہ بشارت دی ہے کہ وہ سب کے سب بخشے ہوئے ہوں گے اور قسطنطنیہ پر پہلے حملے میں نہ صرف یہ کہ یزید شریک تھے، بلکہ اس کے امیر بھی تھے۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

قسطنطنیہ پر پہلا حملہ اور مغفرت کی بشارت:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶) نے کہا:

"حدثني إسحاق بن يزيد الدمشقي، حدثنا يحيىٰ بن حمزة، قال: حدثني ثور بن يزيد، عن خالد بن معدان، أن عمير بن الأسود العنسي، حدثه ـأنه أتىٰ عبادة بن الصامت وهو نازل في ساحة حمص وهو في بناء له، ومعه أم حرام، قال عمير: فحدثتنا أم حرام: أنها سمعت النبي ﷺ، يقول:

---

[1] دیکھیں: منهاج السنة النبوية (۸/ ۲۳۸) [2] دیکھیں: فتح الباري لابن حجر (۱۳/ ۲۱۲)
[3] دیکھیں: شرح الفقه الأكبر :ص (۲۰۶)

أول جيش من أمتي يغزون البحر قد أوجبوا، قالت أم حرام: قلت: يا رسول الله أنا فيهم؟ قال: أنتِ فيهم، ثم قال النبيﷺ: أول جيش من أمتي يغزون مدينة قيصر مغفور لهم، فقلت: أنا فيهم يا رسول الله؟ قال: لا"[1]

''عمیر بن اسود عنسی نے بیان کیا کہ وہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کا قیام ساحلِ حمص پر اپنے ہی ایک مکان میں تھا اور آپ کے ساتھ (آپ کی بیوی) اُم حرام رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ عمیر نے بیان کیا کہ ہم سے اُم حرام رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میری امت کا سب سے پہلا لشکر جو دریائی سفر کر کے جہاد کے لیے جائے گا، اس نے (اپنے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت) واجب کر لی۔ اُم حرام رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میں بھی ان کے ساتھ ہوں گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں، تم بھی ان کے ساتھ ہوگی۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کا پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا، وہ سب کے سب مغفور (بخشے ہوئے) ہوں گے۔ میں نے کہا: میں بھی ان کے ساتھ ہوں گی یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں۔''

صحیح بخاری کی اس حدیث میں یہ بشارت ہے کہ مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر سب سے پہلے لشکر کشی کرنے والے سب مغفور (بخشے ہوئے) یعنی جنتی ہوں گے اور اس پہلے حملے کے امیر یزید تھے، یہ بھی صحیح بخاری ہی میں ہے، ملاحظہ ہو:

"قال محمود بن الربيع: فحدثتها قوما فيهم أبو أيوب صاحب رسول اللهﷺ في غزوته التي توفي فيها، ويزيد بن معاوية عليهم بأرض الروم"[2]

''محمود بن ربیع نے بیان کیا کہ میں نے یہ حدیث ایک ایسی جگہ میں بیان کی، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ یہ روم کے اس جہاد کا ذکر ہے، جس میں آپ کی موت واقع ہوئی تھی اور فوج کے سردار یزید بن معاویہ تھے۔ (ترجمہ داود راز)''

---

[1] صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب ما قيل في قتال الروم، رقم الحديث (٢٩٢٤)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (١١٨٦)

صحیح بخاری کی اس روایت میں پوری صراحت ہے کہ لشکر کے امیر یزید بن معاویہ تھے اور صحیح بخاری کی اسی روایت میں یہ بھی صراحت ہے کہ یہ لشکر ''ارضِ روم'' (سرزمینِ روم) میں جہاد کر رہا تھا اور اس سے مراد قسطنطنیہ ہی ہے، کیوں کہ صحیح بخاری کی یہی روایت بتلاتی ہے کہ ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ اس غزوے میں فوت ہوگئے تھے اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات غزوہ قسطنطنیہ ہی کے دوران میں ہوئی ہے، جیسا کہ بہت ساری صحیح روایات میں اس کی صراحت آئی ہے، مثلاً ابو داود کی ایک روایت میں ہے:

''فلم يزل أبو أيوب يجاهد في سبيل الله حتى دفن بالقسطنطينية''[1]

''ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ، اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے، حتیٰ کہ قسطنطنیہ ہی میں دفن ہوئے۔''

یہ روایت صاف بتلاتی ہے کہ جس آخری غزوہ میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فوت ہوئے، وہ قسطنطنیہ کا غزوہ تھا اور صحیح بخاری کی درج بالا حدیث میں صراحت ہے کہ اس غزوے کے امیر یزید بن معاویہ تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یزید بن معاویہ نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا، جس میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فوت ہوئے۔ اب اس سے پہلے قسطنطنیہ پر کسی بھی حملے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، اس لیے صحیح بخاری وغیرہ کی اس روایت سے ثابت ہوا کہ یزید بن معاویہ ہی کی امارت میں مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر سب سے پہلے حملہ ہوا۔

بعض لوگ کچھ غیر متعلق اور جھوٹی روایات پیش کر کے کہتے ہیں کہ قسطنطنیہ پر یزید کے حملے سے پہلے بھی حملہ ہوا۔ یہ ساری روایات غیر متعلق ہونے کے ساتھ ساتھ من گھڑت اور جھوٹی ہیں، جن کی بھرپور وضاحت آگے آ رہی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ یزید سے پہلے قسطنطنیہ پر کسی حملے کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں ہے۔ بخاری کی شرح کرنے والے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس پر پوری امت کا اتفاق نقل کیا ہے کہ یزید بن معاویہ ہی کی امارت میں سب سے پہلے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ ہوا۔

۱۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲) نے کہا:

''فإنه كان أمير ذلك الجيش بالإتفاق''[2]

---

[1] سنن أبي داود (۳/ ۱۳) و إسناده صحيح.

[2] فتح الباري (٦/ ١٠٣)

''یزید اس (پہلے [1]) لشکر کا امیر تھا، اس پر سب کا اتفاق ہے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے قول کی روشنی میں اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ سب سے پہلے جس لشکر نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا، اس کے امیر یزید بن معاویہ تھے۔ اس اجماع کے خلاف نہ تو کسی کا کوئی قول ثابت ہے اور نہ اس کے خلاف کوئی صحیح روایت ہی موجود ہے۔

الغرض اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیث میں جس لشکر کو مغفور اور بخشا ہوا کہا ہے، یزید بن معاویہ نہ صرف یہ کہ اس لشکر میں شریک تھے، بلکہ اس لشکر کے امیر بھی تھے۔ اس سے یزید بن معاویہ کی زبردست فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ چناں چہ بہت سارے علما نے یزید بن معاویہ کو اس حدیث کا مصداق بتلاتے ہوئے یزید کی فضیلت بیان کی ہے۔

۲۔ چناں چہ امام مہلب بن احمد اسدی (۴۳۵ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"من هذا الحديث ثبتت خلافة يزيد، و فيه أنه من أهل الجنة، وفي هذا الحديث منقبة لمعاوية، لأنه أول من غزا البحر، ومنقبة لولده يزيد لأنه أول من غزا مدينة قيصر" [2]

''اس حدیث سے یزید کی خلافت ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی پتا چلتا ہے کہ وہ جنتی ہے، نیز اس حدیث میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھی منقبت ہے، کیوں کہ سب سے پہلے انھوں نے سمندری لڑائی لڑی اور ان کے لڑکے یزید کے لیے بھی منقبت ہے، کیوں کہ یزید ہی نے سب سے پہلے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کیا۔''

تنبیہ: — ایک صاحب فرماتے ہیں کہ امام مہلب رحمہ اللہ کی وفات ۴۳۵ ہجری میں ہوئی ہے اور مذکورہ غزوہ ۵۲ ہجری میں ہوا تھا، درمیان میں سے سلسلہ سند غائب ہے۔

عرض ہے کہ امام مہلب یہاں کسی روایت کے راوی نہیں ہیں، بلکہ روایت کی شرح کر رہے ہیں اور روایت دوسرے ذرائع سے ثابت شدہ ہے، جیسا کہ اوپر وضاحت کی گئی اور مزید وضاحت آ رہی ہے، اس لیے یہاں پر شارح کی سند تلاش کرنا ہی مضحکہ خیز ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے، جیسے

---

[1] ''ذلك الجيش'' سے ابن حجر رحمہ اللہ نے پہلے لشکر ہی کو مراد لیا ہے دیکھیے: فتح الباری (۶/ ۱۰۲ -۱۰۳)

[2] قيد الشريد (ص: ۵۷) نیز دیکھیں: فتح الباري لابن حجر (۶/ ۱۰۲)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بخاری کی شرح کرتے ہوئے ایک روایت کی شرح میں دوسری روایت پیش کرتے ہیں۔ اب کوئی یہ اعتراض ہے کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے سند پیش نہیں کی ہے تو یہ سوائے مضحکہ خیزی کے اور کچھ نہیں ہے۔

واضح رہے کہ امام مہلب نے بھی صحیح بخاری کی شرح لکھی ہے اور ظاہر ہے کہ ابن حجر رحمہ اللہ بخاری کی اپنی شرح میں امام مہلب کی شرح ہی سے ان کی بات نقل کی ہے۔

۳۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸) نے کہا:

”ولهٰذا كان الصحابة رضي الله عنهم يغزون مع يزيد وغيره، فإنه غزا القسطنطينية في حياة أبيه معاوية رضي الله عنه وكان معهم في الجيش أبو أيوب الأنصاري رضي الله عنه وذلك الجيش أول جيش غزا القسطنطينية، وفي صحيح البخاري عن ابن عمر رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: أول جيش يغزو القسطنطينية مغفور لهم“[1]

”اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یزید وغیرہ کے ساتھ جہاد کرتے تھے۔ چناں چہ یزید نے اپنے والد معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور اس کے ساتھ لشکر میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے اور یہ پہلا لشکر تھا، جس نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور صحیح بخاری میں ابن عمر (صحیح اُم حرام ہے) رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کا پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا، وہ سب کے سب مغفور (بخشے ہوئے) ہوں گے۔“

۴۔ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸) نے کہا:

”له علىٰ هناته حسنة، وهي غزو القسطنطينية، وكان أمير ذلك الجيش، وفيهم مثل أبي أيوب الأنصاري“[2]

”یزید کی کوتاہیوں کے باوجود اس کی ایک نیکی ہے اور وہ قسطنطنیہ پر حملہ ہے، یزید اس لشکر کا امیر تھا اور اس لشکر میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ جیسے لوگ تھے۔“

۵۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴) نے کہا:

---

[1] منهاج السنة النبوية (٤/ ٥٤٤)

[2] سير أعلام النبلاء للذهبي (٤/ ٣٦)

"كانت وفاته وهو محاصر القسطنطينية مع يزيد بن معاوية وهو أول جيش غزاها وهم، مبشرون بالجنة والمغفرة"[1]

''ان (ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ) کی وفات اس حالت میں ہوئی کہ وہ یزید بن معاویہ کے ساتھ قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔اور یہ پہلا لشکر تھا جو قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوا، اور اس لشکر والے جنت اور مغفرت کی بشارت یافتہ ہیں''

۶۔ امام قسطلانی (المتوفی: ۹۲۳) فرماتے ہیں:

"وكان أول من غزا مدينة قيصر: يزيد بن معاوية، ومعه جماعة من سادات الصحابة كابن عمر، و ابن عباس وابن الزبير وأبي أيوب الأنصاري، وتوفي بها سنة اثنتين وخمسين من الهجرة، واستدلّ به المهلب علىٰ ثبوت خلافة يزيد، وأنه من أهل الجنة لدخوله في عموم قوله: مغفور لهم"[2]

''مدینہ قیصر پر سب سے پہلے جس نے حملہ کیا، وہ یزید بن معاویہ ہے، اس کے ساتھ جلیل القدر صحابہ کی جماعت تھی، جیسے عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ یہیں پر ۵۲ ہجری میں فوت ہوئے اور اس حدیث سے مہلب نے یزید کی خلافت پر استدلال کیا ہے اور اس بات پر کہ یزید اہلِ جنت میں سے ہے کیونکہ ''مغفور لھم'' کے عموم میں وہ بھی داخل ہے۔''

۷۔ امام ابن عساکر رحمہ اللہ نے بھی "مغفور لھم" والی ایک روایت کی تشریح کرتے ہوئے یزید بن معاویہ کو قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والا بتلایا ہے۔[3]

۸۔ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"استدل به علىٰ خلافة يزيد، وأنه من أهل الجنة"[4]

---

[1] جامع المسانيد والسنن لابن كثير (٩/ ٣٩)، وانظر: البداية والنهاية، مكتبة المعارف (٨/ ٢٢٩)

[2] إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري (٥/ ١٠٤)

[3] تاریخ ابن عساکر (٧٠/ ٣٨٠) نیز ہماری اسی کتاب کا صفحہ (۶۱۲) دیکھئے۔

[4] عون الباري لحال أدلة البخاري (٤/ ٣٩١)

''اس حدیث سے یزید کی خلافت پر استدلال کیا گیا ہے اور اس بات پر کہ یزید اہلِ جنت میں سے ہے۔''

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یزید کو سب سے پہلے جنتی کہنے والے شخص محمود عباسی ہیں، مذکورہ حوالہ جات کی روشنی میں یہ بات غلط ہے، کیوں کہ محمود عباسی سے قبل بھی اہلِ علم نے یزید کے جنتی ہونی کی بات کہی ہے۔اورزبیرعلی زئی صاحب کے بقول یہ بہت بڑی توثیق ہے موصوف نے ایک جگہ لکھا:

''احمد بن یونس رحمہ اللہ امام احمد کو اپنے خیال میں جنتی سمجھتے تھے۔ **یہ بہت بڑی توثیق ہے کیونکہ جنتی ہونا اعلی درجے کی توثیق ہے**'' [1]

چند شبہات کا ازالہ:

بعض لوگ حدیث جیش مغفور سے متعلق چند شبہات پیش کرکے یہ کہنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس حدیث سے یزید کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی، ہم نے ان تمام شبہات کا جائزہ لیا تو کل پانچ شبہات سامنے آئے:

الف: حدیث میں جس مدینہ قیصر کی بات ہے، اس سے مراد قسطنطنیہ نہیں، بلکہ حمص ہے اور اس پر حملہ کرنے والوں میں یزید نہیں تھا۔

ب: اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ اس حدیث میں مدینہ قیصر سے مراد قسطنطنیہ ہے تو بھی اس میں سب سے پہلے حملہ کرنے والے لشکر کی فضیلت ہے اور یزید کا قسطنطنیہ پر حملہ پہلا حملہ نہیں تھا، بلکہ اس سے قبل بھی کئی حملے ہو چکے تھے۔

ج: اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ یزید ہی نے سب سے پہلے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا تو بھی اس میں صرف مغفرت کی بات ہے، اس سے کوئی فضیلت ثابت نہیں ہوتی، کیوں کہ بہت سی احادیث میں مختلف اعمال کی انجام دہی پر مغفرت کا وعدہ ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ اعمال انجام دینے والے سب کے سب بخشے بخشائے ہوں گئے۔

د: اگر یہ بھی تسلیم کرلیں کہ یہ لشکر بخشا ہوا ہوگا تو بھی اس فضیلت میں یزید داخل نہیں ہوگا، کیوں کہ وہ صحیح نیت سے اس لشکر میں شریک نہیں ہوا تھا، بلکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جبراً اسے اس میں شامل کیا تھا اور بغیر صحیح نیت کے کوئی عمل معتبر نہیں۔

---

[1] مقالات (۱/ ۳۴۷) نیز دیکھیں: رسالہ ''الحدیث'' شمارہ نمبر۲۵ صفحہ ۲۱۔

و: اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ صحیح نیت ہی سے یزید اس لشکر میں شامل تھا تو بھی بشارت اس بات کے ساتھ مشروط ہوگی کہ بعد میں وہ غلط کام نہ کرے، لیکن یزید نے بعد میں بہت سارے غلط کام کیے، جس کے سبب وہ اس بشارت سے مستثنیٰ ہوگیا۔

اب بالترتیب ان شبہات کا ازالہ پیشِ خدمت ہے:

پہلا شبہہ: مدینہ قیصر سے مراد قسطنطنیہ یا حمص؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲) نے کہا:

"وجوز بعضهم أن المراد بمدينة قيصر المدينة التي كان بها يوم قال النبي ﷺ تلك المقالة، وهي حمص وكانت دار مملكته إذ ذاك"[1]

''بعض نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ شہرِ قیصر سے مراد وہ شہر ہوسکتا ہے، جو آپ ﷺ کے اس ارشاد کے وقت قیصر کا شہر تھا اور وہ حمص ہے۔ یہ اس وقت قیصر کا دارالخلافہ تھا۔''

عرض ہے:

اولاً: آپ ﷺ نے قیصر کا نام لیا ہے، لیکن اس کے شہر کا نام نہیں لیا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کا مقصود جغرافیائی لحاظ سے قیصر کے زیرِ تسلط کوئی مخصوص شہر نہیں، بلکہ زمانے کے لحاظ سے اس کا کوئی بھی دار السلطنت ہے۔ اب آپ کی زندگی میں قیصر کا دار السلطنت کہاں تھا؟ بعد میں کہاں ہوا؟ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیوں کہ ''مدینہ'' لفظ سے اصل مقصود کوئی مخصوص شہر نہیں، بلکہ قیصر کا دار المملکت ہے۔

اس لحاظ سے ممکن ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی میں حمص قیصر کا شہر تھا اور بعد میں اس کا شہر بدل گیا ہو اور یہ بدلاؤ حمص کی فتح سے پہلے ہی ہوا ہو، یعنی فتح حمص کے وقت قیصر کا شہر قسطنطنیہ بن گیا ہو، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا جواب اس پر دلالت کرتا ہے، جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔ بلکہ اگلی روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی ہی میں قسطنطنیہ قیصر کا شہر بن چکا تھا۔

ثانیاً: قیصر یہ ہرقل کا لقب ہے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ نے کہا:

"قَيْصَر لقب هِرقل"[2] ''قیصر، یہ ہرقل کا لقب ہے۔''

---

[1] فتح الباري لابن حجر (٦/ ١٠٣)

[2] عمدة القاري شرح صحيح البخاري (١٤/ ١٩٩)

ایک دوسری حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے ''مدینہ قیصر'' ہی کے ہم معنی ''مدینہ ہرقل'' کا لفظ استعمال کیا ہے اور اسی حدیث میں یہ صراحت ہے کہ اس سے مراد قسطنطنیہ ہے، چناں چہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱) نے کہا:

''حدثنا يحيىٰ بن إسحاق، حدثنا يحيىٰ بن أيوب، حدثني أبو قبيل، قال: كنا عند عبد الله بن عمرو بن العاص، وسئل: أي المدينتين تفتح أولا: القسطنطينية أو رومية؟ فدعا عبد الله بصندوق له حلق، قال: فأخرج منه كتابا، قال: فقال عبد الله: بينما نحن حول رسول الله ﷺ نكتب، إذ سئل رسول الله ﷺ: أي المدينتين تفتح أولا: قسطنطينية أو رومية؟ فقال رسول الله ﷺ: مدينة هرقل تفتح أولا، يعني قسطنطينية''[1]

''عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کون سا شہر سب سے پہلے فتح ہوگا: قسطنطنیہ یا رومیہ؟ تو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے ایک صندوق منگوایا، جس کے ارد گرد حلقے لگے تھے، اس میں سے ایک کتاب نکالی اور کہا: ہم اللہ کے رسول ﷺ کے پاس بیٹھ کر لکھ رہے تھے تو اسی دوران میں اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا گیا: کون سا شہر سب سے پہلے فتح ہوگا: قسطنطنیہ یا رومیہ؟ تو اللہ کے رسول ﷺ نے کہا: ہرقل کا شہر یعنی قسطنطنیہ سب سے پہلے فتح ہوگا۔''

علامہ احمد شاکر نے مسند احمد کی تحقیق میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ دیکھیں: ''مسند أحمد'' ت شاكر (٦/ ٢٠٢) رقم الحديث (٦٦٤٥) علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ دیکھیں: ''سلسلة الأحاديث الصحيحة'' (١/ ٣٣) رقم الحديث (٤) امام حاکم نے بھی اسے صحیح کہا ہے اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ دیکھیں: ''المستدرك للحاكم مع تعليق الذهبي'' (٤/ ٥٩٨) زبیر علی زئی صاحب نے اس کی سند کو حسن لذاتہ کہا ہے۔ دیکھیں: ''موطأ برواية بن القاسم، مترجم (ص: ٥٠ مقدمه)

قیصر اور ہرقل یہ دونوں ایک ہی چیز ہے، کیوں کہ قیصر، ہرقل ہی کا لقب ہے اور اس حدیث میں مدینہ ہرقل سے مراد قسطنطنیہ کو بتلایا گیا ہے۔ یہ نص صریح ہے کہ مدینہ قیصر سے آپ ﷺ کی مراد قسطنطنیہ ہی ہے۔ اس سے یہ بھی پتا چلا کہ آپ ﷺ کی زندگی ہی میں قسطنطنیہ قیصر کا شہر بن چکا تھا۔

[1] مسند أحمد (٢/ ١٧٦) ط الميمنية، و إسناده صحيح.

تنبیہ:

"تاریخ المدینة لابن شبة" میں ایک روایت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے شام کے لیے کسی نے مدینہ قیصر کہا،[1] لیکن یہ روایت سخت ضعیف ہے، کیوں کہ اس کی سند میں علی بن زید بن جدعان ہے اور یہ سخت ضعیف ہے۔ امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳) نے کہا:

"ضعیف في کل شيئ"[2] "یہ ہر چیز میں ضعیف ہے۔"

ابن معین کے علاوہ اور بھی بہت سارے محدثین نے اسے ضعیف کہا ہے اور بعض نے اس پر سخت جرح کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تہذیب کے اقوال کا خلاصہ کرتے ہوئے اسے ضعیف کہا ہے۔[3]

ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ یہ شیعہ بھی تھا، چناں چہ امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷) نے اس پر جرح کرنے کے ساتھ کہا: "کان یتشیع"[4] "اس کے اندر شیعیت تھی۔" بلکہ امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۵ھ) نے کہا: "وکان یغالي في التشیع"[5] "یہ شیعیت میں غلو کرتا تھا۔" معلوم ہوا کہ یہ روایت ثابت ہی نہیں۔

ثالثاً: "سنن أبي داود" (۳/ ۱۲) رقم الحدیث (۲۵۱۲) میں اسلم، ابو عمران کی ایک روایت میں قسطنطنیہ کا ذکر ہے اور یہی روایت "صحیح ابن حبان" (۱۱/ ۹) رقم الحدیث (٤٧١١) میں اسی سند سے ہے اور اس میں قسطنطنیہ کی جگہ "مدینة الروم" کے الفاظ ہیں۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ مدینہ قیصر سے قسطنطنیہ ہی مراد ہے۔ ابو داود کی یہ روایت آگے آ رہی ہے۔[6]

رابعاً: درج بالا اعتراض حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اور نقل کرنے کے فوراً بعد ہی اس کی تردید بھی کردی ہے، چناں چہ کہا:

"وهذا یندفع بأن في الحدیث أن الذین یغزون البحر قبل ذلك وأن أم حرام

---

[1] دیکھیں: تاریخ المدینة لابن شبة (۳/ ۸٥٤)

[2] تاریخ ابن أبي خیثمة (۱/ ٤٩١) و إسناده صحیح.

[3] تقریب التهذیب لابن حجر، رقم (٤٧٣٤)

[4] الجرح والتعدیل لابن أبي حاتم (٦/ ١٨٦)

[5] الکامل في ضعفاء الرجال لابن عدي (٦/ ٣٤٤)

[6] اسی کتاب کا صفحہ (۵۸۳) دیکھیں۔

فيهم وحمص كانت قد فتحت قبل الغزوة التي كانت فيها أم حرام"[1]

''یہ احتمال اس وجہ سے مردود قرار پاتا ہے، کیوں کہ اس حدیث میں سمندری غزوے کو جیش مغفور کے غزوے سے قبل بتایا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اُم حرام اس سمندری غزوے میں موجود ہوں گی اور حمص اس سمندری غزوے سے پہلے ہی فتح ہوگیا تھا، جس سمندری غزوے میں اُم حرام شامل تھیں۔''

ہم کہتے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا یہ جواب بھی اس بات کی دلیل ہے کہ حمص جب فتح ہوا اس وقت وہ قیصر کا شہر نہیں تھا۔

دوسرا شبہہ: قسطنطنیہ پر سب سے پہلے حملہ کس کا تھا؟

❁ پہلی روایت: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سولہ حملے۔

جناب زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''سیدنا معاویہ نے رومیوں کی زمین پر سولہ مرتبہ فوج کشی کی ہے (البدایۃ والنہایۃ ۸/۱۳۳)۔''[2]

جواباً عرض ہے:

اولاً: سب سے پہلی بات تو یہ کہ زبیر علی زئی صاحب نے اس روایت کی سند پیش نہیں کی اور نہ اس کا درجہ بتانے کی زحمت گوارا کی ہے، حالاں کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کی سند بھی پیش کی ہے۔ ملاحظہ ہو: امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴) نے کہا:

"<u>وقال أبو زرعة عن دحيم عن الوليد عن سعيد بن عبد العزيز</u> قال: لما قتل عثمان لم يكن للناس غازية تغزو حتى كان عام الجماعة فأغزوا معاوية أرض الروم ست عشرة غزوة تذهب سرية في الصيف ويشتوا بأرض الروم ثم تقفل وتعقبها أخرى، وكان في جملة من أغزى ابنه يزيد، ومعه خلق من الصحابة فجاز بهم الخليج وقاتلوا أهل القسطنطينية علىٰ بابها ثم قفل بهم راجعا إلىٰ الشام"[3]

---

[1] فتح الباري لابن حجر (٦/ ١٠٣)

[2] مقالات (۱/ ۳۱۱) رسالہ ''الحدیث'' (٦، ص: ٨)

[3] البداية والنهاية (٨/ ١٣٣)

اس روایت کا ترجمہ آگے آرہا ہے۔[1]

قارئین دیکھ سکتے ہیں کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس روایت کو امام ابو زرعہ کے حوالے سے نقل کیا اور پوری سند بھی ذکر کر دی ہے۔ یہ روایت امام ابو زرعہ کی تاریخ میں اسی سند سے موجود ہے۔ آیئے ہم اصل کتاب سے یہ روایت سند و متن کے ساتھ دیکھتے ہیں۔

چناں چہ امام ابو زرعہ دمشقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۸۱) نے کہا:

"حدثني عبد الرحمن بن إبراهيم عن الوليد بن مسلم عن سعيد بن عبد العزيز قال: لما قتل عثمان، واختلف الناس، لم تكن للناس غازية، ولا صائفة، حتى اجتمعت الأمة علىٰ معاوية سنة أربعين، وسموها سنة الجماعة. قال سعيد بن عبد العزيز: فأغزا معاوية الصوائف، وشتاهم بأرض الروم ست عشرة صائفة، تصيف بها وتشتو، ثم تقفل وتدخل معقبتها، ثم أغزاهم معاوية ابنه يزيد في سنة خمس وخمسين في جماعة من أصحاب رسول الله ﷺ في البر والبحر حتى جاز بهم الخليج، وقاتلوا أهل القسطنطينية علىٰ بابها، ثم قفل"[2]

"سعید بن عبدالعزیز تنوخی کہتے ہیں کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور لوگوں میں اختلاف ہوگیا تو لوگوں کے پاس دشمن کے خلاف لڑنے کے لیے کوئی فوج تھی ہی نہیں، یہاں تک کہ پوری اُمت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متفق ہوگئی اور لوگوں نے اس سال کو جماعت کا سال کہا۔ سعید بن عبدالعزیز کہتے ہیں کہ پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے غزوات شروع کیے، چناں چہ سرزمینِ روم پر سولہ لشکر بھیجے، ایک لشکر موسم گرما میں جاتا اور موسم سرما بھی گزارتا، پھر واپس ہوتا، پھر اس کے بعد دوسرا لشکر اس مہم پر نکلتا۔ پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سن ۵۵ھ (!) میں صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ اپنے بیٹے یزید بن معاویہ کو ان کی طرف بحر و بر کے راستے سے بھیجا، یہاں تک کہ یہ لشکر خلیج کو پار کر گیا اور اس نے قسطنطنیہ کے دروازے تک پہنچ کر اہلِ قسطنطنیہ سے قتال کیا، پھر واپس آ گیا۔"

---

[1] نیز دیکھیں: البداية والنهاية اردو ترجمه (۸/ ۱۷۵)

[2] تاريخ أبي زرعة الدمشقي (ص: ۱۸۸)

قارئین یہ ہے اس روایت کی سند، جسے نہ تو زبیر علی زئی صاحب نے نقل کیا ہے اور نہ ہی اس پر کوئی حکم لگایا ہے۔ دراصل یہ سند صحیح ہے ہی نہیں، اسی لیے اس سے نظر پوشی کی گئی۔

ذیل میں ہم اس سند کی خرابی واضح کرتے ہیں:

الف: اس روایت کو بیان کرنے والے ''سعید بن عبد العزیز تنوخی'' ہیں، ان کی پیدائش امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے تقریباً تیس سال بعد ہوئی،[1] لہٰذا یہ روایت مرسل و منقطع ہے۔

ب: سند میں ولید بن مسلم معروف و مشہور مدلس ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے انھیں چوتھے طبقے کا مدلس کہا ہے، جن کی معنعن روایات بالاتفاق رد ہوتی ہیں۔[2]

نیز خود زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''امام دارقطنی کے اس قول سے معلوم ہوا کہ ولید بن مسلم تدلیس تسویہ کرتے تھے۔ ولید بن مسلم کو حافظ ابن حجر، العلائی، ابو زرعہ ابن العراقی، ذہبی، حلبی، مقدسی اور سیوطی وغیرہم نے مدلس قرار دیا ہے اور ان کا کوئی مخالف مجھے معلوم نہیں ہے،[3] لہٰذا تدلیسِ ولید پر اجماع ہے۔''[4]

غور کیا جائے کہ مذکورہ روایت میں ولید بن مسلم ہیں اور یہ عن سے روایت کرتے ہیں اور زبیر علی زئی صاحب خود ہی دوسرے مقام پر انھیں بالاجماع مدلس بتلاتے ہیں۔ پھر بھی موصوف نے یزید کی مخالفت میں اس عیب سے آنکھیں بند کر لیں؟!

ثانیاً: اس روایت کے ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ، اس میں اس بات کی بھی دلیل نہیں ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے یہ سترہ حملے قسطنطنیہ پر تھے، بلکہ اسی روایت میں پوری صراحت ہے کہ ان حملوں میں صرف اور صرف ایک ہی حملہ قسطنطنیہ پر ہوا تھا اور وہ وہی حملہ تھا جو یزید کی امارت میں ہوا تھا، چناں چہ پوری روایت ترجمہ کے ساتھ ہم اوپر نقل کر چکے ہیں۔ ذرا پلٹ کر اس روایت میں دوبارہ غور کریں، اس میں کہا جا رہا ہے کہ امیر معاویہ نے روم کی سرزمین پر کئی لشکر

---

[1] سير أعلام النبلاء للذهبي (٨/ ٣٢)

[2] دیکھیں: طبقات المدلسين لابن حجر. ت: القريوتی (ص:٥١)

[3] دیکھیں: الفتح المبين (ص: ٧٣)

[4] تحقيق مشكاة (ص: ٢٧٨) رقم الحديث (٢١٢) و مجلة ''الحديث'' (شمارہ: ٧٠، ص: ٨)

بھیجے اور اس کے بعد مذکور ہے کہ پھر ایک لشکر یزید کی امارت میں بھیجا۔ یہ لشکر سرزمین روم میں اس قدر آگے بڑھا کہ قسطنطنیہ تک پہنچ گیا، چناں چہ روایت کے الفاظ ہیں:

”ثم أغزاهم معاوية ابنه يزيد في سنة خمس وخمسين في جماعة من أصحاب رسول الله ﷺ في البر والبحر حتى جاز بهم الخليج، وقاتلوا أهل القسطنطينية علىٰ بابها، ثم قفل“[1]

پھر امیر معاویہ نے سن ۵۵ ہجری میں صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ اپنے بیٹے یزید بن معاویہ کو ان کی طرف بحر و بر کے راستے سے بھیجا، یہاں تک کہ یہ لشکر خلیج کو پار کر گیا اور اس نے قسطنطنیہ کے دروازے تک پہنچ کر اہلِ قسطنطنیہ سے قتال کیا، پھر واپس آ گیا۔“

روایت کے یہ آخری الفاظ صاف بتلاتے ہیں کہ لشکرِ یزید کے علاوہ ان لشکروں میں کوئی لشکر بھی قسطنطنیہ تک نہیں پہنچ سکا، لیکن جو لشکر یزید کی امارت میں آیا، وہ اس قدر آگے بڑھا کہ قسطنطنیہ تک پہنچ گیا اور قسطنطنیہ کے دروازے پر پہنچ کر اہلِ قسطنطنیہ سے قتال کیا۔

لیجیے جناب! خود اس روایت سے بھی ثابت ہوگیا کہ قسطنطنیہ پر سب سے پہلا حملہ یزید ہی نے کیا تھا اور ساتھ میں یہ بھی ثابت ہوگیا کہ یزید سے پہلے رومی سرزمین پر جتنی بار بھی لشکر کشی ہوئی ہے، ان میں سے کوئی بھی لشکر قسطنطنیہ تک نہیں پہنچ سکا تھا۔

دوسری روایت: مضیق قسطنطنیہ پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حملہ:

جناب زبیر علی زئی صاحب نے کہا:

”بلکہ ان تمام لشکروں سے پہلے بھی ایک لشکر کے حملے کا ثبوت ملتا ہے، جس میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ یہ حملہ ۳۲ ہجری مطابق ۶۵۲۔۶۵۳ء میں ہوا تھا۔“[2]

عرض ہے:

اولاً: یہ بات سب سے پہلے امام طبری رحمہ اللہ نے ذکر کی اور انھوں نے اس کی سند اس طرح پیش کی ہے۔ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۰) نے کہا:

---

[1] تاريخ أبي زرعة الدمشقي (ص: ۱۸۸)

[2] دیکھیں: تاريخ طبري (٤/ ٣٠٤) العبر للذهبي (١/ ٢٤) المنتظم لابن الجوزي (٥/ ١٩) ط: ١٩٩٢ء، البداية والنهاية (٧/ ١٦٩، ٨/ ١٢٦) تاريخ الإسلام للذهبي وغيره، مقالات: (١/ ٣١١)

”سنة اثنتين و ثلاثين: ذكر ما كان فيها من الأحداث المذكورة. فمن ذلك غزوة معاوية بن أبي سفيان المضيق، مضيق القسطنطينية، ومعه زوجته عاتكة ابنة قرطة بن عبد عمرو بن نوفل بن عبد مناف، وقيل: فاختة، حدثني بذلك أحمد بن ثابت، عمن ذكره، عن إسحاق، عن أبي معشر“[1]

”سن ۳۲ ہجری (اس سن میں مذکور واقعات کا بیان) انھیں واقعات میں سے معاویہ رضی اللہ عنہ کا مضیق قسطنطنیہ کا غزوہ ہے۔ آپ کے ساتھ آپ کی اہلیہ قرطہ بن عبد عمرو بن نوفل بن عبد مناف کی بیٹی تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فاختہ تھیں، مجھ سے اس روایت کو احمد بن ثابت نے بیان کیا ہے، انھوں نے اپنے استاذ سے اور انھوں نے اسحاق سے اور انھوں نے ابومعشر سے۔“

امام طبری نے یہ بات کہہ کر اخیر میں سند بیان کر دی ہے، جس کی رو سے یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے:

الف: امام طبری کا استاذ ”احمد بن ثابت“ یہ ”احمد بن ثابت بن عتاب الرازی المعروف بفرخویہ“ ہے اور یہ بہت بڑا جھوٹا شخص ہے، چناں چہ ابو العباس بن ابوعبداللہ الطہرانی (المتوفی: ۴۶۹) نے کہا:

”لا يشكون أن فرخويه كذاب“[2]

”محدثین کو ”(احمد بن ثابت) فرخویہ“ کے بارے میں کوئی شک نہیں تھا کہ یہ بہت بڑا جھوٹا ہے۔“

علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے کذاب کہا ہے اور اس کی وجہ سے ایک روایت کو موضوع اور من گھڑت کہا ہے۔[3]

ب: احمد بن ثابت کذاب کے استاذ کا نام بھی مذکور نہیں۔

---

[1] تاريخ الطبري (٤/ ٣٠٤)

[2] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٢/ ٤٤) و إسناده صحيح.

[3] **دیکھیں**: سلسلة الأحاديث الضعيفة (٤/ ٢٩٥) رقم الحديث (١٨١٦) **نیز دیکھیں**: معجم شيوخ الطبري (ص: ٧٥)

ج: اسی طرح ''ابومعشر نجیح'' بھی سخت ضعیف ہے، اس کے بارے میں تفصیل گزر چکی ہے۔[1]

طبری کی اسی روایت کو امام ذہبی، ابن الجوزی اور ابن کثیر وغیرہ نے سند ذکر کیے بغیر نقل کیا ہے اور ہم بتا چکے ہیں کہ سنداً یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ اس حملے کا ثبوت ملتا ہے، سراسر باطل ہے۔

ثانیاً: اس روایت میں قسطنطنیہ پر حملے کی بات نہیں ہے، بلکہ مضیق قسطنطنیہ پر حملے کی بات ہے اور یہ دونوں علاحدعلاحدہ مقامات ہیں اور ایک پر حملہ کرنے سے دوسرے پر حملہ کرنا لازم نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مورخین مثلاً امام ابن کثیر وغیرہ نے یہ بات نقل کرنے کے باوجود بھی یہی کہا ہے کہ قسطنطنیہ پر سب سے پہلے یزید نے حملہ کیا تھا۔ كما مضىٰ.

تیسری روایت: بسر بن ابی ارطاۃ رضی اللہ عنہ کا حملہ:

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۰) نے کہا:

"فمن ذلك غزوة بسر بن أبي أرطاة الروم، ومشتاه بأرضهم حتى بلغ القسطنطينية ـفيما زعم الواقدي ـ وقد أنكر ذاك قوم من أهل الأخبار، فقالوا: لم يكن لبسر بأرض الروم مشتىً قط"[2]

''سن ۴۳ ہجری میں بسر بن ابی ارطاۃ رضی اللہ عنہ نے روم میں جہاد کیا اور موسم سرما میں ان پر حملہ کیا، یہاں تک کہ قسطنطنیہ تک پہنچ گیا۔ یہ واقدی کا دعویٰ ہے اور مورخین کی ایک جماعت نے اس کی تردید کی اور کہا ہے کہ بسر نے سرزمین روم پر کبھی حملہ نہیں کیا۔''

عرض ہے کہ یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔ امام طبری نے صراحت کر دی ہے کہ اس چیز کا دعویٰ واقدی نے کیا ہے اور واقدی مشہور کذاب ہے، اس کے بارے میں تفصیل گزر چکی ہے۔ نیز امام طبری رحمہ اللہ نے یہ بات ذکر کرکے یہ بھی کہا ہے کہ مورخین کی ایک جماعت نے اس کی تردید کی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ بات سفید جھوٹ ہے۔

چوتھی روایت: معن بن یزید رضی اللہ عنہ کا حملہ:

امام ابو داود رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۵ھ) نے کہا:

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۵۰۹-۵۱۴) دیکھیں۔

[2] تاريخ الطبري (۵/ ۱۸۱)

"حدثنا أبو صالح محبوب بن موسٰی، أخبرنا أبو إسحاق الفزاري، عن عاصم بن كليب، عن أبي الجويرية الجرمي، قال: أصبت بأرض الروم جرة حمراء، فيها دنانير في إمرة معاوية، وعلينا رجل من أصحاب النبيﷺ من بني سليم يقال له: معن بن يزيد، فأتيته بها فقسمها بين المسلمين وأعطاني منها مثل ما أعطیٰ رجلا منهم، ثم قال: لولا أني سمعت رسول اللهﷺ يقول: لا نفل إلا بعد الخمس لأعطيتك، ثم أخذ يعرض عليَّ من نصيبه فأبيتُ"[1]

"سیدنا ابو جویریہ جرمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مجھے رومی علاقے میں سرخ رنگ کا ایک گھڑا ملا، جس میں دینار تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے بنی سلیم کے ایک فرد سیدنا معن بن یزید رضی اللہ عنہ ہمارے امیر تھے، وہ گھڑا میں ان کے پاس لے آیا تو انھوں نے اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا اور مجھے بھی اتنا ہی دیا جتنا کہ دوسروں میں سے ہر ایک کو دیا۔ پھر کہا: اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ "اضافی انعام (نفل) خمس نکالنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔" تو میں تمھیں سارا دے دیتا، پھر وہ اپنا حصہ مجھے دینے کی کوشش کرتے رہے، مگر میں نے انکار کر دیا۔"

عرض ہے:

اولاً: یہ روایت بالکل غیر واضح ہے، اس میں تو سرے سے لشکر کشی اور حملہ کرنے کا ذکر ہی نہیں ہے۔

ثانیاً: اگر تسلیم کر لیں کہ یہ غزوہ تھا تو اس میں یہ صراحت نہیں ہے کہ اس لشکر نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا، اس میں تو صرف رومی زمین کا ذکر ہے، رومی زمین کے ذکر سے قسطنطنیہ پر حملہ تو ثابت نہیں ہوتا۔

اگر کوئی کہے کہ بخاری میں محمود بن ربیع والی روایت، جس سے لشکرِ قسطنطنیہ میں یزید کی امارت پر استدلال کیا جاتا ہے، اس میں بھی تو صرف ارضِ روم یعنی رومی سرزمین کا ذکر ہے تو عرض ہے کہ صحیح بخاری کی اس روایت میں صرف ارضِ روم یعنی رومی سرزمین ہی کا ذکر نہیں ہے، بلکہ ساتھ

[1] سنن أبي داود (٣/ ٨١) رقم الحديث (٢٧٥٣)

میں یہ بھی وضاحت ہے کہ اسی غزوہ میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے تھے اور اس روایت میں یہ بیان اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صحیح بخاری کی روایت میں ارض روم سے قسطنطنیہ مراد ہے، کیوں کہ یہ بات متفق علیہ ہے کہ ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ کی وفات لشکرِ قسطنطنیہ کے وقت ہی ہوئی، نیز صحیح اور صریح روایات میں اس کی صراحت بھی ہے۔[1]

لیکن یہاں ابو داود کی روایت میں صرف رومی سر زمین کا ذکر ہے اور اس کے علاوہ یہاں کوئی ایسی دلیل نہیں ہے، جس سے ثابت ہو کہ یہاں روم سے مراد قسطنطنیہ ہے، اس لیے یہ روایت غیر واضح ہے۔

پانچویں روایت: ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا حملہ:

امام حاکم رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۰۵) نے کہا:

”حدثنا أبو محمد أحمد بن عبد الله المزني، ثنا محمد بن عبد الله المخرمي، ثنا أبو كريب، ثنا فردوس الأشعري، ثنا مسعود بن سليم، عن حبيب بن أبي ثابت، عن محمد بن علي بن عبد الله بن عباس، عن أبيه، عن ابن عباس، أن أبا أيوب خالد بن زيد الذي كان رسول الله ﷺ نزل في داره غزا أرض الروم...“[2]

”عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ جن کے گھر میں آپ ﷺ اترے تھے، انھوں نے روم میں جہاد کیا...“

عرض ہے:

اولاً: یہ روایت سخت ضعیف ہے۔ اس کے اندر بہت ساری علتیں، مثلاً سند میں موجود مسعود بن سلیم اور بعض طریق کے مطابق مسعود بن سلیمان مجہول ہے۔ کسی بھی محدث نے اسے ثقہ نہیں کہا۔ اسی طرح فردوس الاشعری بھی مجہول و نا معلوم ہے۔ اس سند میں اور بھی خرابیاں ہیں، لیکن اس کے مردود ہونے کے لیے ان دو رواۃ کا مجہول ہونا ہی کافی ہے۔

---

[1] دیکھیں: سنن أبي داود (۳/ ۱۳) و إسناده صحيح. نیز اسی کتاب کا صفحہ (۵۸۴) دیکھیں۔

[2] المستدرك على الصحيحين للحاكم (۳/ ٥٦٥) ط: مقبل.

ثانیاً: اس میں بھی یہ صراحت نہیں ہے کہ اس لشکر نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا، اس میں تو صرف رومی زمین کا ذکر ہے اور رومی زمین کے ذکر سے قسطنطنیہ پر حملہ تو ثابت نہیں ہوتا۔[1]

چھٹی روایت: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے فوج کی روانگی:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶ھ) نے کہا:

"حدثنا عبد الله بن صالح حدثني معاوية عن عبد الرحمن بن جبير بن نفير عن أبيه عن أبي ثعلبة الخشني قال: سمعته في خلافة معاوية بالقسطنطينية، وكان معاوية غزا الناس بالقسطنطينية: إن الله لا يعجز هذه الأمة من نصف يوم"[2]

"عبدالرحمٰن بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے امیر معاویہ کی خلافت میں صحابی رسول ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ کو قسطنطنیہ میں فرماتے ہوئے سنا اور امیر معاویہ نے لوگوں کو قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ چناں چہ انھوں نے کہا: یہ امت آدھے دن کی مہلت سے عاجز نہیں رہے گی۔"

عرض ہے:

اولاً: اس روایت سے استدلال کی بنیاد ان الفاظ پر ہے: "سمعته في خلافة معاوية بالقسطنطينية" یعنی صحابی سے یہ بات قسطنطنیہ میں سنی اور اس وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ پر حملہ کے لیے فوج بھیجا تھا۔ لیکن یہ الفاظ ثابت ہی نہیں ہیں، کیوں کہ اسے عبد اللہ بن صالح الجہنی نے بیان کیا ہے، جو سیئ الحفظ ہیں اور سند ومتن دونوں میں غلطیاں کرنے والے ہیں۔[3] انھوں نے معاویہ بن صالح کے طریق سے بیان کیا، جبکہ معاویہ بن صالح ہی کے طریق سے ثقہ وثبت اور عظیم محدث امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے اسے بیان کیا، جیسا کہ مسند احمد میں ہے تو اس مقام پر قسطنطنیہ کا ذکر نہیں کیا، بلکہ فسطاط (خیمہ) کا ذکر کیا ہے، چناں چہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱) نے کہا:

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۵۷۶۔۵۷۷) دیکھیں۔

[2] التاريخ الأوسط للبخاري (١/ ٩٧) و إسناده ضعيف.

[3] الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي (٥/ ٣٤٧)

"حدثنا هاشم، قال: حدثنا ليث، عن معاوية بن صالح، عن عبد الرحمن بن جبير، عن أبيه، قال: سمعت أبا ثعلبة الخشنى، صاحب رسول اللهﷺ، أنه سمعه يقول، وهو بالفسطاط في خلافة معاوية، وكان معاوية أغزىٰ الناس القسطنطينية، فقال: والله لا تعجز هذه الأمة من نصف يوم إذا رأيت الشام مائدة رجل واحد وأهل بيته، فعند ذلك فتح القسطنطينية"[1]

''عبدالرحمٰن بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے صحابیِ رسول ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہ کی خلافت میں خیمہ میں فرماتے ہوئے سنا اور امیر معاویہ نے لوگوں کو قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ چناں چہ انھوں نے کہا: یہ اُمت آدھے دن کی مہلت سے عاجز نہیں رہے گی اور جب تم شام کو ایک ہی شخص اور اس کے اہلِ خانہ کے زیرِ تسلط دیکھو تو اس وقت قسطنطنیہ فتح ہوگا۔''

معلوم ہوا کہ اس روایت میں اس بات کا ثبوت ہی نہیں ہے کہ یہ فوج قسطنطنیہ پہنچی تھی، بلکہ یہ فوج کہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوئی تھی؟ اس روایت میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ فوج قسطنطنیہ تک پہنچی ہی نہیں اور اس احتمال کو دور کرنے یا اسے مرجوح قرار دینے کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے، لہٰذا جب تک یہ صراحت نہیں مل جاتی کہ یہ فوج قسطنطنیہ پہنچی تھی، اس سے استدلال درست نہیں ہے۔

ثانیاً: اس روایت میں حملہ کرنے کا ذکر بھی نہیں ہے، بلکہ صرف حملہ کرنے کے لیے فوج کی روانگی کا ذکر ہے۔ اس میں ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ فوج بھیج رہے تھے، لیکن اس فوج نے کیا کارنامہ انجام دیا؟ اس کا اس روایت میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا لشکرِ قسطنطنیہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

ثالثاً: پیچھے ایک ضعیف روایت گزر چکی ہے، جس میں یہ وضاحت ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سولہ بار فوج بھیجی تھی، لیکن قسطنطنیہ تک کوئی بھی فوج نہیں پہنچ سکی سوائے اس فوج کے جس کے امیر یزید بن معاویہ تھے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ فوج قسطنطنیہ تک نہیں پہنچ سکی تھی۔

---

[1] مسند أحمد (٤/ ١٩٣) و إسناده صحيح.

یاد رہے کہ ہماری نظر میں یہ روایت ضعیف ہے، لیکن چونکہ فریق مخالف نے اس سے استدلال کیا ہے، اس لیے بطور الزام ہم اسے پیش کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

ساتویں روایت: سفیان بن عوف کا حملہ:

جناب زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

سابقہ حملوں کے علاوہ ایک اور حملہ بھی ہوا ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ”واستعمل معاوية سفيان بن عوف علىٰ الصوائف، وكان يعظمه“[1] اور معاویہ نے سفیان بن عوف کو قسطنطنیہ پر صیفی حملوں میں امیر بنایا اور آپ ان کی تعظیم کرتے تھے۔“

عرض ہے:

اولاً: زبیر علی زئی صاحب نے جن الفاظ کا ترجمہ کیا ہے، ان میں قسطنطنیہ کی کوئی صراحت نہیں ہے نہ اس کی طرف اشارہ ہے، البتہ اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک روایت ذکر کی ہے، چناں چہ کہا:

”وروى ابن عائذ، من طريق صفوان بن عمرو، عن الفرج بن محمد، عن بعض أشياخه، قال: كنّا مع سفيان بن عوف الغامديّ سارين بأرض الرّوم...“[2]

ابن عساکر نے اس کی پوری سند اس طرح نقل کی ہے۔ امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۷۱) نے کہا:

”أخبرنا أبو محمد بن الأكفاني بقراءتي عليه نا عبد العزيز بن أحمد أنا أبو محمد بن أبي نصر أنا أبو القاسم بن أبي العقب أنا أحمد بن إبراهيم القرشي نا ابن عائذ نا الوليد بن مسلم نا إسماعيل بن عياش عن صفوان بن عمرو عن الفرج بن يحمد عن بعض أشياخه قال: كنا مع سفيان بن عوف الغامدي شاتين بأرض الروم فلما صفنا دعا سفيان الخيول فاختار ثلاثة آلاف فأغار بنا علىٰ باب الذهب حتى فزع أهل القسطنطينية“[3]

[1] الإصابة (۲/ ۵٦) مقالات (۱/ ۳۱۱) ماهنامه ”الحديث“ (شماره: ٦، ص: ۸)

[2] الإصابة في تمييز الصحابة (۳/ ۱۰۷)

[3] تاريخ دمشق لابن عساكر (۲۱/ ۳۵۰)

"فرج بن یحمد کے بعض مشائخ نے کہا کہ ہم سفیان بن عوف غامدی کے ساتھ سرزمینِ روم میں موسم سرما کی لڑائی لڑ رہے تھے اور جب موسم گرما کی لڑائی کا وقت آیا تو سفیان بن عوف نے گھوڑے طلب کیے اور تین ہزار کا انتخاب کیا اور ہم سب کے ساتھ باب الذہب پر حملہ کر دیا، یہاں تک کہ قسطنطنیہ والے گھبرا گئے۔"

اولاً: یہ سند سخت ضعیف ہے، کیوں کہ

الف: "فرج بن یحمد" نے جس سے نقل کیا ہے، اس کا نام نہیں لیا ہے، لہٰذا یہ روایت بیان کرنے والا مجہول ہے، اس کی ثقاہت تو دور کی بات؛ اس کا نام تک معلوم نہیں۔

ب: اسی طرح خود فرج بن یحمد بھی مجہول ہے، ابن حبان کے علاوہ کسی نے اسے ثقہ نہیں کہا ہے۔

ج: نیز سند میں ولید بن مسلم ہیں جو تدلیس تسویہ سے متصف ہیں۔[1] انھوں نے سند کے تمام طبقات میں سماع یا تحدیث کی صراحت نہیں کی ہے۔

ان علتوں کی بنا پر یہ روایت سخت ضعیف ہے۔ زبیر علی زئی صاحب اپنی تائید میں مزید لکھتے ہیں:

محمد الخضیری کی "محاضرات الأمم الإسلامية" (ج: ۲، ص: ۱۱۴) میں ہے:

"وفي ٤٨هـ جهز معاوية جيشا عظيما لفتح قسطنطنية، وكان علىٰ الجيش سفيان بن عوف"[2]

"اور ۴۸ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ کی فتح کے لیے ایک عظیم لشکر بھیجا، جس کے امیر سفیان بن عوف رضی اللہ عنہ تھے۔"

یہ الفاظ نقل کرنے کے بعد زبیر علی زئی صاحب آگے لکھتے ہیں:

"محاضرات کا حوالہ ایک دوسری کتاب سے لیا گیا ہے۔"[3]

لیکن موصوف نے اس دوسری کتاب کا نام نہیں بتایا، جس سے حوالہ لیا تھا۔ ہماری نظر اس وضاحت پر پڑی تو ہم سوچنے پر مجبور ہوگئے کہ موصوف نے اصل کتاب سے عبارت کیوں نہیں نقل کی؟ نیز جس دوسری کتاب سے یہ عبارت نقل کی، اس کا نام کیوں نہیں بتایا؟ ذہن میں اٹھنے والے

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۵۷۲۔ ۵۹۹) دیکھیں۔

[2] مقالات (۱/ ۳۱۲)

[3] مقالات (۱/ ۳۱۲)

ان سوالات نے تجسس پر مجبور کیا اور ہمیں یقین ہو چلا کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ پھر ہم نے اصل کتاب کی طرف رجوع کیا تو بات سمجھ میں آئی کہ اتنی پردے داری کیوں کی جارہی تھی، کیوں کہ اصل کتاب میں اس عبارت کے فوراً ہی بعد محمد الخضیر ی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس لشکر میں یزید بن معاویہ بھی موجود تھے۔ آیئے ہم محاضرات سے پوری بات نقل کرتے ہیں: محمدالخضیر ی لکھتے ہیں۔

”وفي ٤٨هـ جهز معاوية جيشا عظيما لفتح قسطنطينية، وكان علیٰ الجيش سفيان بن عوف، وأمر ابنه يزيد أن يغزو معهم، وكان في هذ الجيش ابن عباس وابن عمر وابن الزبير و أبو أيوب الأنصاري وغيرهم و عبد العزيز بن زرارة الكلأبي فساروا حتى بلغوا القسطنطينية“[1]

”۴۸ھ میں معاویہ نے قسطنطنیہ کی فتح کے لیے ایک عظیم لشکر بھیجا، جس کے امیر سفیان بن عوف تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو بھی حکم دیا کہ ان لوگوں کے ساتھ لشکر میں شامل ہوں اور اس لشکر میں ابن عباس، ابن عمر، ابن زبیر اور ابو ایوب وغیرہم رضی اللہ عنہم بھی تھے اور عبدالعزیز بن زرارۃ الکلابی بھی تھے۔ یہ لوگ روانہ ہوئے، یہاں تک کہ قسطنطنیہ تک پہنچ گئے۔“

اگراللہ نے کسی کو ذرہ برابر بھی عقل دی ہوگی تو وہ بھی محمدالخضیر ی کی پوری بات پڑھ کر اچھی طرح سمجھ جائے گا کہ ان کی اصل کتاب کو چھوڑ کر دوسری کتاب کے واسطے سے ان کی عبارت نقل کرنے کا دعویٰ کیوں کیا گیا؟ نیز اس دوسری کتاب کا نام بھی کیوں مخفی رکھا گیا؟

صاف ظاہر ہے کہ اس کے پیچھے یہ سوچ کارفرما ہے کہ کل کو اگر کوئی اصل کتاب میں یہ عبارت چیک کرے اور آگے یہ دیکھے کہ اس لشکر میں تو یزید کی شمولیت کی بھی بات ہے تو خیانت کی ذمے داری دوسری کتاب والے کے سر ڈال دے، لیکن میرے خیال سے کوئی اتنا بے وقوف نہیں ہے، جو اس طرح کی امیدوں پر پورا اترے۔

بہرحال اول تو یہ روایت ثابت نہیں، دوسرے یہ کہ اس روایت کے مفہوم کی وضاحت میں محمدالخضیر ی کی جو عبارت نقل کی گئی ہے، عین اسی عبارت میں آگے فوراً ہی محمدالخضیر ی نے اس لشکر

[1] محاضرات تاريخ الأمم الإسلامية (ص: ٤٤٢) تحقيق محمدالعثماني.

میں یزید کی شمولیت بیان کی ہے۔

ثانیاً: بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ اس حملے میں سفیان بن عوف کے ساتھ یزید بن معاویہ بھی شریک تھے، جیسا کہ محمد الخضیری نے بھی لکھا ہے اور اس طرح کی ایک روایت آگے بھی آ رہی ہے۔[1]

ہماری نظر میں تو یہ روایت بھی ثابت نہیں اور نہ صرف سفیان بن عوف کے حملے والی روایت ثابت ہے، لیکن جو لوگ پہلی روایت کو قبول کرتے ہیں، انھیں دوسری روایت بھی قبول کرنی چاہیے۔

آٹھویں روایت: عبدالرحمٰن بن خالد کا حملہ:

امام ابو داود رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۵) نے کہا:

"حدثنا أحمد بن عمرو بن السرح، حدثنا ابن وهب، عن حيوة بن شريح، وابن لهيعة عن يزيد بن أبي حبيب، عن أسلم أبي عمران قال: غزونا من المدينة نريد القسطنطينية، وعلىٰ الجماعة عبد الرحمن بن خالد بن الوليد، والروم ملصقو ظهورهم بحائط المدينة، فحمل رجل على العدو، فقال الناس: مه مه لا إله إلا الله، يلقى بيديه إلى التهلكة، فقال أبو أيوب: إنما نزلت هذه الآية فينا معشر الأنصار لما نصر الله نبيه، وأظهر الإسلام، قلنا: هلم نقيم في أموالنا ونصلحها، فأنزل الله تعالى: ﴿وَ اَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّهۡلُکَةِ﴾ [البقرة: ١٩٥] فالإلقاء بالأيدى إلىٰ التهلكة أن نقيم في أموالنا ونصلحها وندع الجهاد، قال أبو عمران: فلم يزل أبو أيوب يجاهد في سبيل الله حتى دفن بالقسطنطينية"[2]

"اسلم ابو عمران رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ منورہ سے جہاد کے لیے روانہ ہوئے، ہم قسطنطنیہ جانا چاہتے تھے اور جناب عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید ہمارے امیر جماعت تھے۔ رومی لوگ اپنی پشت فصیلِ شہر کی طرف کیے ہمارے مدمقابل تھے۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے دشمن پر ہلہ بول دیا تو لوگوں نے کہا: رکو، ٹھہرو! لا الہ الا اللہ یہ

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۶۱۹) دیکھیں۔

[2] سنن أبي داود (٣/ ١٢) رقم (٢٥١٢)

شخص اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتا ہے تو سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت ہم انصاریوں ہی کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ جب اللہ ذوالجلال نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت فرمائی اور اسلام کو غالب کر دیا تو ہم نے کہا: چلو اب ذرا اپنے اموال و جائیداد میں رک جائیں اور ان کو درست کر لیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔'' ہلاکت میں ڈالنا یہ تھا کہ ہم اپنے مالوں میں رک جائیں، ان کی اصلاح میں مشغول ہو جائیں اور جہاد چھوڑ دیں۔ ابو عمران نے کہا: چناں چہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے، یہاں تک کہ قسطنطنیہ ہی میں دفن ہوئے۔''

اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ قسطنطنیہ پر حملہ عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید نے کیا تھا، کیوں کہ اس روایت میں لشکر کا امیر عبدالرحمٰن بن خالد کو بتلایا گیا ہے، لیکن یہ استدلال غلط فہمی پر مبنی ہے اور حدیث میں عدمِ تدبر اور تمام طرق کو سامنے نہ رکھنے کا نتیجہ ہے۔

عبدالرحمٰن بن خالد صرف اہلِ مدینہ کے امیر تھے:

دراصل اس حدیث میں عبدالرحمٰن بن خالد کو اس جماعت کا امیر کہا گیا ہے، جو جماعت مدینے سے نکلی تھی، چناں چہ اس حدیث کے ابتدائی الفاظ دیکھیں:

”عن أسلم أبي عمران قال غزونا من المدينة نريد القسطنطينية، وعلىٰ الجماعة عبد الرحمن بن خالد بن الوليد“

''اسلم، ابوعمران رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ منورہ سے جہاد کے لیے روانہ ہوئے، ہم قسطنطنیہ جانا چاہتے تھے اور جناب عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید ہمارے امیرِ جماعت تھے۔'' (حدیث مذکور)

یہ سیاق صاف طور سے بتلاتا ہے کہ عبدالرحمان بن خالد صرف اس جماعت کے امیر تھے، جو مدینے سے نکلی تھی۔ اس کی مزید تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اسی روایت کے دوسرے طرق میں دیگر شہروں سے آنی والی ہر جماعت کے ساتھ اس کے امیر کا ذکر ہے، چناں چہ امام نسائی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۰۳) نے کہا:

"أخبرنا محمد بن حاتم، أخبرنا حبان، أخبرنا عبد الله، عن حيوة، أخبرني يزيد بن أبي حبيب، حدثنا أسلم أبو عمران، قال: كنا بالقسطنطينة، وعلىٰ أهل مصر عقبة بن عامر، وعلىٰ أهل الشام فضالة بن عبيد"[1]

''اسلم ابو عمران بیان کرتے ہیں کہ ہم قسطنطنیہ میں تھے اور اہلِ مصر کے امیر عقبہ بن عامر جہنی تھے اور اہلِ شام کے امیر فضالہ بن عبید انصاری تھے...''

اس روایت میں غور کریں! اس میں اہلِ مصر کی جماعت کا امیر عقبہ بن عامر کو بتلایا گیا ہے اور اہلِ شام کی جماعت کا امیر فضالہ بن عبیدانصاری کو بتلایا گیا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ جس طرح اہلِ مصر کی جماعت کے لیے ایک امیر بنایا گیا اور اہلِ شام کی جماعت کے لیے ایک امیر بنایا گیا، ٹھیک اسی طرح مدینے سے نکلنے والی جماعت کے لیے بھی کوئی امیر ہونا چاہیے اور وہ عبدالرحمٰن بن خالد ہی ہیں۔ چناں چہ دوبارہ ابو داود کی روایت اور اس کے سیاق پر غور کریں۔

سنن کبریٰ للنسائی کی روایت پڑھنے کے بعد ان الفاظ کو پڑھیں تو روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا کہ یہاں عبدالرحمٰن بن خالد کو اہلِ مدینہ کی جماعت کا امیر بتایا جا رہا ہے، جس طرح سنن کبریٰ للنسائی کی روایت میں اہلِ مصر کے لیے عقبہ بن عامر جہنی کو اور اہلِ شام کے لیے فضالہ بن عبید انصاری کو امیر بتلایا گیا۔ شیخ علی بن محمد الصلابی ابو داود کی اسی روایت کونقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وعلىٰ الجماعة عبد الرحمن بن خالد بن الوليد. يعني الجماعة الذين غزوا من المدينة"[2]

''اس جماعت کے امیر عبدالرحمٰن بن خالدبن الولید تھے، یعنی اس جماعت کے جو مدینے سے نکلی تھی۔''

اگر یہ تسلیم نہ کیا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ مدینے سے نکلنے والی جماعت کا کوئی امیر تھا ہی نہیں اور یہ ناممکن ہے، کیوں کہ جب اہلِ مصر کی جماعت کے لیے امیر بنایا گیا اور اہلِ شام کی

---

[1] السنن الكبرى للنسائي (١٠/ ٢٨) و إسناده صحيح.

[2] الدولة الأموية (١/ ٣٥٢)

جماعت کے لیے امیر بنایا گیا تو پھر کیوں کر ممکن ہے کہ اہلِ مدینہ کی جماعت کا کوئی امیر ہی نہ ہو؟!

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ابو داود کی روایت میں عبدالرحمٰن بن خالد کی جس امارت کا ذکر ہے، وہ ذیلی امارت ہے اور اس کا تعلق خاص اہلِ مدینہ ہی سے ہے۔ یعنی ابو داود کی اس روایت میں ان کی امارت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ پورے لشکر کے امیر تھے۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر وہ پورے لشکر کے امیر ہوتے تو اس حدیث کے ہر طریق میں ان کا ذکر ہونا چاہیے تھا یا پھر کسی بھی طریق میں ان کا ذکر نہیں ہونا چاہیے تھا۔

غور کرنے کی بات ہے کہ اگر عبدالرحمٰن بن خالد پورے لشکر کے عمومی امیر تھے تو صرف اہلِ مدینہ ہی کے گروہ کے ساتھ ان کا تذکرہ کیوں ہوا اور جس روایت میں اہلِ مصر اور اہلِ شام کی بات آئی، ان کے ساتھ ان کا ذکر کیوں نہیں ہوا؟ کیا یہ ان کے امیر نہیں تھے؟ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اگر اہلِ مدینہ کے ذکر کے ساتھ ان کا بھی ذکر کیا گیا، کیوں کہ یہ عمومی امیر تھے تو اہلِ مصر اور اہلِ شام کے ذکر کے ساتھ بھی ان کا ذکر ہونا چاہیے تھا، کیوں کہ یہ ان کے بھی عمومی امیر تھے۔ لیکن تمام طرق کو دیکھنے کے بعد پتا چلتا ہے کہ بعض میں ان کی امارت کا ذکر ہی نہیں ہے، بلکہ دیگر لوگوں کی امارت کا ذکر ہے، جس کی وجہ یہی ہے کہ جس جس روایت میں جس جس جماعت کا ذکر آیا، ان کے امراء کو بھی بتایا گیا۔ چناں چہ جس روایت میں اہلِ شام اور اہلِ مصر کا ذکر آیا، اس میں ان کے امیروں کا بھی ذکر کیا گیا اور جس روایت میں اہلِ مدینہ کا ذکر آیا، اس میں ان کے امیر یعنی عبدالرحمٰن بن خالد کا ذکر ہوا۔

راویوں کا یہ اندازِ بیان بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس حدیث میں ذیلی امراء کا ذکر ہے یعنی الگ الگ جماعت کے الگ الگ امیروں کا ذکر ہے اور یہ ذیلی امارت ہے اور خاص حلقے تک محدود ہے۔

اس لشکر کے عمومی امیر یزید بن معاویہ تھے:

رہی یہ بات کہ پھر اس لشکر کے عمومی امیر کا ذکر اس حدیث میں کیوں نہیں ہے اور وہ کون تھے؟ تو عرض ہے کہ جہاں تک عمومی امیر کے ذکر نہ ہونے کی بات ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کے کسی بھی طریق میں عمومی طور پر پورے لشکر کا ذکر ہوا ہی نہیں، بلکہ ہر طریق میں جزوی

طور پر لشکر سے بعض جماعتوں کا ذکر ہوا ہے، چناں چہ کسی میں اہلِ مدینہ کا ذکر ہوا تو کسی میں اہلِ مصر اور اہلِ شام کا ذکر ہوا۔ پھر جس جس جماعت کا ذکر ہوا، خاص اس جماعت کے امیر کا بھی تذکرہ کر دیا گیا، مگر چونکہ اس روایت کے کسی بھی طریق میں پورے لشکر کا اجتماعی تذکرہ ہوا ہی نہیں، اسی لیے اس پورے لشکر کے مجموعی امیر کا تذکرہ بھی نہیں ہوا۔ اب رہا یہ سوال کہ پھر اس لشکر کے عمومی امیر کون تھے اور اس کی کیا دلیل ہے؟ تو عرض ہے کہ اس لشکر کے عمومی امیر یزید بن معاویہ تھے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ابو داود کی اسی حدیث کے اخیر میں یہ بھی صراحت ہے:

"فلم يزل أبو أيوب يجاهد في سبيل الله حتى دفن بالقسطنطينية"

"ابو عمران نے کہا کہ چناں چہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے، یہاں تک کہ قسطنطنیہ ہی میں دفن ہوئے۔" (حدیث مذکور)

اس جملے سے پتا چلا کہ اسی غزوے میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ مسلسل جہاد کرتے ہوئے فوت ہوگئے تھے اور صحیح بخاری کی ایک حدیث میں یہ صراحت موجود ہے کہ جس غزوے میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فوت ہوئے، اس غزوے کے امیر یزید بن معاویہ تھے:

"قال محمود بن الربيع: فحدثتها قوما فيهم أبو أيوب صاحب رسول الله ﷺ في غزوته التي توفي فيها، ويزيد بن معاوية عليهم بأرض الروم"[1]

"محمود بن ربیع نے بیان کیا کہ میں نے یہ حدیث ایک ایسی جگہ میں بیان کی، جس میں آنحضرت ﷺ کے مشہور صحابی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ یہ روم کے اس جہاد کا ذکر ہے، جس میں آپ کی موت واقع ہوئی تھی اور فوج کے سردار یزید بن معاویہ تھے۔" (ترجمہ داود راز رحمہ اللہ)

سنن ابو داود کی روایت کے آخری حصے کے ساتھ ساتھ صحیح بخاری کی روایت کی یہ تصریح سامنے رکھی جائے تو روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ ابو داود کی اس حدیث میں جس لشکرِ قسطنطنیہ کا ذکر ہے یہ وہی لشکر ہے جس کے مرکزی امیر یزید بن معاویہ تھے اور جس میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١١٨٦)

بعض لوگ یزید کو نبوی بشارت سے محروم کرنے کے لیے سنن ابو داود کی روایت کے آخری حصے کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اس غزوے سے واپس آ گئے تھے اور بعد میں یزید بن معاویہ کے ساتھ دوبارہ لشکر قسطنطنیہ میں شریک ہوئے تھے، لیکن یہ بات بے دلیل ہے۔ اول تو کسی بھی روایت میں یہ نہیں ملتا کہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ واپس آ گئے تھے اور یزید کے ساتھ دوبارہ لشکرِ قسطنطنیہ میں شرکت کی تھی۔ دوسرے کسی بھی روایت میں یہ صراحت نہیں ملتی کہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے دو بار لشکر قسطنطنیہ میں شرکت کی ہے۔ بلکہ اسی حدیث کے ایک طریق میں یہ الفاظ ہیں:

"عن أبي عمران التجيبي قال: فلم يزل أبو أيوب يجاهد في سبيل الله حتىٰ غزا القسطنطينية وتوفي بها فدفن بها"[1]

"ابو عمران نے کہا کہ چناں چہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے، یہاں تک کہ قسطنطنیہ پر لشکر کشی کی اور وہیں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔"

اس روایت میں ان الفاظ پر غور کیجیے "حتى غزا القسطنطينية" یعنی یہاں تک کہ انھوں نے قسطنطنیہ میں جہاد کیا، مطلب یہ کہ اس سے قبل انھوں نے قسطنطنیہ پہنچ کر جہاد نہیں کیا۔ یہاں پر بالکل صراحت ہے کہ ان کے جہاد کی آخری کڑی لشکر قسطنطنیہ میں شرکت اور وفات تھی اور اس سے قبل وہ قسطنطنیہ تک نہیں پہنچ سکے تھے۔ ثابت ہوا کہ یہ وہی لشکر تھا، جس کے عمومی امیر یزید بن معاویہ تھے۔

ابن عساکر کی اس روایت کی سند ابن لہیعہ اور ولید کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے، لیکن چونکہ یہ مفہوم دیگر روایات کا بھی ہے اور اس روایت کی سند میں ابن لہیعہ کا ضعف معمولی ہے، کیوں کہ وہ سچے ہیں، صرف حافظہ کی خرابی ہے اور ولید نے اپنے شیخ سے تحدیث کی صراحت کر دی، البتہ اس سے آگے عنعنہ موجود ہے، اس لیے یہ بھی بڑا ضعف نہیں، لہٰذا اس روایت کے الفاظ سے مفہوم طے کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ نیز زبیر علی زئی صاحب نے کہا:

"اس مسئلے میں میری تحقیق یہی ہے کہ صرف صحیح اور حسن حدیث سے ہی استدلال کرنا چاہیے، یہ علاحدہ بات ہے کہ کسی صحیح محتمل الوجہین روایت کا مفہوم معمولی ضعیف (جس

[1] تاريخ دمشق لابن عساكر (١٦/ ٦٢) في المطبوع "الوليد بن لهيعة" وهو خطأ والصواب الوليد عن ابن لهيعة كما فى الطرق الأخرى، ففى الإسناد ابن لهيعة وعنعنة الوليد في بعض الطبقات.

کا ضعیف شدید نہ ہو) سے متعین کیا جاسکتا ہے۔“[1]

ایک اور مقام پر کسی اور کا قول اپنی تائید میں نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حاشیہ پر لکھا ہوا ہے کہ ”لا بأس بضعف الرواية فإنها تكفي لتعيين أحد المحتملات“ یعنی ضعیف حدیث سے دو محتمل معنوں میں سے ایک معنی کا تعین کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔“[2]

الغرض اس صریح اور بہت ہی واضح روایت سے بھی وہی مفہوم نکلتا ہے، جسے اوپر پیش کیا گیا۔ بعض لوگوں کو جب کچھ سجھائی نہیں دیتا تو جذباتی دلائل کے سہارے اپنی بات منوانے کی کوشش کرتے ہیں، چناں چہ ایک صاحب جذباتی دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لوگ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے جہاد کو عبدالرحمٰن بن خالد اور یزید تک محدود کرنا چاہتے ہیں۔

یاللعجب! قارئین غور کریں کہ یہ کہہ دینے سے کہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ لشکرِ قسطنطنیہ میں وفات تک جہاد کرتے رہے، یہ کہاں لازم آ گیا کہ اس سے پہلے انھوں نے جہاد ہی نہیں کیا؟ یہاں تو صرف یہ بات ہو رہی ہے کہ لشکرِ قسطنطنیہ میں ان کا جہاد جاری رہا، اس میں ان کے سابقہ غزوات کا انکار کہاں ہے؟

اگر موصوف ابو داود کی حدیث کے آخری ٹکڑے کا یہ مطلب لے رہے ہیں کہ اس میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی میں مسلسل جہاد کی بات کہی گئی ہے تو اس سے تو ہمارا مفہوم اور قوی ہو جاتا ہے، کیوں کہ ہم لشکرِ قسطنطنیہ کو ان کی جہادی سرگرمی کی آخری کڑی مان رہے ہیں تو تسلسل کا حکم تبھی لگ سکتا ہے، جب عین حکم کے وقت وفات متحقق ہو جائے۔ اگر اس غزوے میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی ہی نہیں تو پھر اسی مناسبت سے یہ کیسے کہہ دیا گیا کہ وہ مسلسل جہاد کرتے رہے، جب کہ ابھی ان کی زندگی باقی ہے اور مزید غزوات کے مواقع ممکن ہیں اور پتا نہیں، ان میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی شرکت ہوگی یا نہیں؟

یقیناً اس طرح کی شہادت اسی وقت کی مناسبت سے دی جاسکتی ہے، جو ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت ہو؟ اگر یہ وفات کا وقت نہیں تھا تو پھر یہ شہادت اسی غزوے کی

---

[1] مجلہ ”الحدیث“ (شمارہ: ۷، ص: ۱۰)

[2] مجلہ ”الحدیث“ (شمارہ: ۱۸، ص: ۲۷)

مناسبت سے دی جانی چاہیے، جو ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا آخری غزوہ ہو۔ بھلا کسی درمیانی غزوے میں یہ کہنے کی کیا مناسبت ہے کہ آپ زندگی بھر جہاد کرتے رہے؟

دریں صورت یہ بھی اس بات کی دلیل ہوگئی کہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا آخری غزوہ یہی تھا اور اسی کے عمومی امیر یزید بن معاویہ تھے۔ بہرحال ہماری نظر میں ابو داود کی حدیث کے آخری ٹکڑے کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ اس میں جہادِ قسطنطنیہ میں ابو ایوب رضی اللہ عنہ کی دائمی شرکت اور وفات بتلائی گئی ہے اور یہاں ان کے سابقہ غزوات کا ذکر ہی نہیں تو ان کا انکار کیسے لازم آ سکتا ہے؟

الغرض اس ٹکڑے کا جو بھی مفہوم لیا جائے، ہر مفہوم اسی پر دلالت کرے گا کہ یہ غزوہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا آخری غزوہ تھا اور اسی کے امیر عام یزید بن معاویہ تھے۔ بطور فائدہ عرض ہے کہ عرب کے عالم دکتور صلابی نے بھی یہ رائے پیش کی ہے کہ اس غزوے میں عبدالرحمٰن بن خالد مدینے کی جماعت کے امیر تھے اور پورے لشکر کے عمومی امیر یزید بن معاویہ ہی تھے، چناں چہ موصوف نے کہا:

"وكان القائد العام لهذه الفرقة هو يزيد بن معاوية بن أبي سفيان"[1]

"اس لشکر کے عمومی امیر یزید بن معاویہ بن ابی سفیان تھے۔"

سنن ابو داود کی حدیث میں عبدالرحمٰن بن خالد کی امارت سے متعلق ان کا قول نقل کیا جاچکا ہے کہ ان کی نظر میں وہ اہلِ مدینہ کے امیر تھے نہ کہ پورے لشکر کے عمومی امیر۔

عبدالرحمٰن بن خالد کی تاریخِ وفات پر بحث:

بعض حضرات کا کہنا ہے مورخین نے عبدالرحمٰن بن خالد کے حملے کی تاریخ ۴۴، ۴۵، ۴۶ ہجری بتلائی ہے اور ۴۶ ہجری میں عبدالرحمان بن خالد کو زہر دے دیا گیا تھا اور ابو ایوب کی وفات ۵۲ ہجری کو ہوئی ہے، یہی اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ عبدالرحمٰن بن خالد کا حملہ یزید کے لشکر سے پہلے تھا۔

عرض ہے کہ جن مورخین نے ۴۴، ۴۵، ۴۶ ہجری کی تاریخ بتلائی ہے، انھوں نے عبدالرحمٰن بن خالد کے صیفی اور شتائی، یعنی موسم گرما اور موسم سرما کے، تین الگ الگ حملوں کی الگ الگ تاریخ

[1] الدولة الأموية (١/ ٣٥٠)

بتائی ہے، نہ کہ اس لشکر کی تاریخ جس میں عبدالرحمٰن بن خالد، اہلِ مدینہ کے ساتھ نکلے تھے، جس کا تذکرہ ابو داود کی روایت میں ہے۔

دراصل عبدالرحمٰن بن خالد کے یہ تین حملے صیفی یا شتائی حملے تھے اور تین الگ الگ حملے تھے، لیکن بدقسمتی سے ان تین الگ الگ حملوں کو ایک ہی سمجھ لیا گیا اور یہ باور کر لیا گیا کہ مورخین نے اس حملے کی تاریخ بتانے میں اختلاف کیا ہے اور اس پر مزید بدحواسی یہ کہ اس حملے کو ان تینوں جگہوں سے اٹھا کر ابو داود میں مذکور لشکر قسطنطنیہ سے جوڑ دیا گیا۔ حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تین الگ الگ حملے ہیں، نیز یہ تینوں حملے ابو داود کی حدیث میں مذکور لشکر قسطنطنیہ سے قبل کے ہیں، کیوں کہ ان تین حملوں میں سے کسی بھی حملے میں یہ صراحت نہیں ہے کہ فوج قسطنطنیہ تک پہنچ گئی تھی، بلکہ اس کے برعکس یہ صراحت ہے کہ ان حملوں میں فوج قسطنطنیہ تک پہنچ ہی نہیں سکی تھی۔

- چناں چہ ۴۴ ہجری میں عبدالرحمٰن بن خالد کے حملے میں بعض مورخین نے اس بات کی صراحت بھی کی ہے کہ اس وقت لوگ صرف قلونیہ تک پہنچ سکے تھے، چناں چہ یعقوبی نے کہا:

"سنة أربع وأربعون غزا عبد الرحمن بن خالد بن الوليد حتى بلغ قلونية"[1]

"۴۴ ہجری میں عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید نے غزوہ کیا، یہاں تک کہ قلونیہ تک پہنچ گے۔"

- پھر ۴۵ ہجری میں ان کے غزوے سے متعلق کہا:

"سنة خمس وأربعون عبد الرحمن بن خالد بن الوليد وشتا بأرض الروم وبلغ أنطاكية"[2]

"۴۵ ہجری میں عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید نے ارضِ روم میں شتائی حملے کیے، یہاں تک کہ انطاکیہ تک پہنچ گئے۔"

- ۴۶ ہجری میں ان کے حملے کو شتائی حملہ بتاتے ہوئے ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا:

"سنة ست وأربعين فيها شتىٰ المسلمون ببلاد الروم مع أميرهم عبد الرحمن بن خالد بن الوليد، وقيل كان أميرهم غيره"[3]

---

[1] تاريخ اليعقوبي (ص: ٢٠٥)

[2] تاريخ اليعقوبي (ص: ٢٠٥)

[3] البداية والنهاية، مكتبة المعارف (٨/ ٣٠)

''۴۶ ہجری میں مسلمانوں نے اپنے امیر عبدالرحمٰن بن خالد کے ساتھ سرزمین روم میں شتائی حملے کیے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس حملے میں امیر کوئی دوسرے تھے۔''

غور کریں ان تینوں تاریخوں میں سے پہلی دو تاریخوں میں یہ واضح ہے کہ اس وقت یہ فوج قلونیہ اور انطاکیہ ہی تک پہنچ سکی تھی اور تیسری تاریخ میں بھی مطلق ارضِ روم کا ذکر ہے، نیز حملے کو شتائی کہا گیا ہے اور قسطنطنیہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ نیز اس میں عبدالرحمٰن بن خالد کی امارت سے متعلق بھی اختلاف ہے اور امام طبری نے اس تاریخ یعنی ۴۶ھ کے اس حملے میں بطور امیر مالک بن عبداللہ کا نام بتلایا ہے اور اس کے بعد کہا:

''وقيل: بل كان ذلك عبد الرحمن بن خالد بن الوليد، وقيل: بل كان مالك بن هبيرة السكوني''[1]

''اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے امیر عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے امیر مالک بن ہبیرہ تھے۔''

معلوم ہوا کہ ان تینوں تاریخوں میں مورخین نے عبدالرحمٰن بن خالد کے جن حملوں کا ذکر کیا ہے، اس سے مراد صیفی اور شتائی حملے ہیں، نیز یہ تین الگ الگ حملے ہیں، جو الگ الگ تاریخوں میں ہوئے اور ان میں کسی بار بھی فوج قسطنطنیہ تک نہیں پہنچ سکی، لہٰذا ان تین الگ الگ حملوں کو ایک سمجھنا ہی بہت بڑا لطیفہ ہے اور اس پر مزید مضحکہ خیزی یہ کہ اسے قسطنطنیہ پر حملہ کہہ دیا گیا۔ یہ حددرجہ ناسمجھی اور بدحواسی ہے۔

رہی بات یہ کہ ۴۶ ہجری ہی میں عبدالرحمٰن بن خالد کی وفات ہوگئی تھی، کیوں کہ انھیں زہر دے دیا گیا تھا تو عرض ہے کہ زہر دینے والی بات بالکل گپ اور سبائیوں کی بنائی ہوئی ہے اور اگر ہم اس بات پر یقین کرلیں تو یہی بات اس بات کی دلیل بن جائے گی کہ عبدالرحمٰن بن خالد کی وفات ۴۶ ہجری میں نہیں ہوئی ہے، بلکہ ۵۷ ہجری میں ہوئی ہے۔

دراصل لوگ صرف اتنی بات نقل کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن خالد کو زہر دے دیا گیا، لیکن یہ نہیں بتاتے کہ انھیں زہر کس نے دیا تھا اور کیوں زہر دیا تھا؟

[1] تاريخ الطبري (٥/ ٢٢٧)

قارئین کرام! یہ جان کر آپ حیران ہوں گے کہ جس روایت میں یہ ملتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن خالد کو زہر دے دیا گیا، اسی روایت میں یہ بھی ملتا ہے کہ یہ زہر دینے والے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی تھے، انھوں نے ایک دشمنِ اسلام ''ابن اثال'' کے ذریعے سے عبدالرحمٰن بن خالد کو زہر دلوا کر اُن کا قصہ ختم کر دیا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسا کیوں کیا؟ اس کی صراحت بھی اسی روایت میں ملتی ہے اور وہ یہ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب یزید کے لیے ولی عہدی کی بیعت کی خاطر اہلِ شام سے مشورہ کیا تو انھوں نے عبدالرحمٰن بن خالد کا نام پیش کیا، اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کے لیے راستہ صاف کرنے کی خاطر ابن اثال نامی شخص کے ذریعے سے عبدالرحمٰن بن خالد کو زہر دے دیا، جس سے وہ فوت ہوگئے، چناں چہ ابو الفرج الاصفہانی (المتوفی: ۳۵۶) نے کہا:

"أخبرني عمي قال: حدثني أحمد بن الحارث الخراز قال: حدثنا المدائني عن شيخ من أهل الحجاز عن زيد بن رافع مولى المهاجرين خالد بن الوليد وعن أبي ذئب عن أبي سهيل أو ابن سهيل أن معاوية لما أراد أن يظهر العهد ليزيد قال لأهل الشام: إن أمير المؤمنين قد كبرت سنه، ورق جلده، ودق عظمه، واقترب أجله، ويريد أن يستخلف عليكم فمن ترون؟ فقالوا: عبد الرحمن بن خالد بن الوليد. فسكت وأضمرها، ودس ابن أثال الطبيب إليه فسقاه سما فمات"[1]

''ابو سہیل یا ابن سہیل سے مروی ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب یزید کے لیے ولیِ عہدی کی بیعت لینے کا ارادہ کیا تو اہلِ شام سے کہا: امیر المومنین (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) بوڑھے ہوچکے ہیں، ان کی جلد نرم پڑ گئی ہے، ان کی ہڈیاں لاغر ہوگئی ہیں اور ان کی موت کا وقت قریب آ چکا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ اپنے بعد کسی کو ولیِ عہد مقرر کر دیں تو تمھاری کیا رائے ہے؟ تو لوگوں نے عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کا نام پیش کیا۔ یہ سن کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خاموش ہوگئے اور یہ معاملہ اپنے دل میں چھپا لیا اور ابن اثال نامی حکیم کو زہر دے کر عبدالرحمٰن بن خالد کے پاس بھیجا، چناں چہ اس نے انھیں زہر پلا دیا، جس سے وہ فوت ہوگئے۔''

[1] الأغاني لأبي الفرج الأصبهاني (١٦/ ٢٠٩) و إسناده مظلم.

اس بکواس اور سبائیوں کی بنائی ہوئی روایت میں یہ صراحت ہے کہ عبدالرحمٰن بن خالد کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی نے زہر دیا اور یہ کام انھوں نے اپنی زندگی کے اخیر میں اس وقت کیا، جب وہ یزید کی بیعت کے لیے لوگوں سے مشورہ کر رہے تھے اور مورخین بتلاتے ہیں کہ یزید کی بیعت کے لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سن ۵۷ ہجری میں مشورہ کیا تھا۔[1] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن خالد کی وفات ۵۷ ہجری ہی میں ہوئی ہے، لہٰذا اسی زہر والی روایت سے یہ بات غلط ثابت ہوئی کہ عبدالرحمٰن بن خالد کی وفات سن ۴۶ ہجری میں ہوئی ہے۔

بہرحال عبدالرحمٰن بن خالد کو زہر دینے والی بات بالکل گپ ہے، بلکہ کسی سبائی کی بنائی ہوئی کہانی ہے اور ایسی کوئی بھی صحیح روایت موجود نہیں ہے، جس سے یہ ثابت ہو کہ عبدالرحمٰن بن خالد کو زہر دیا گیا اور جب غیرفطری موت کا ثبوت نہ ملے تو انسان کی اصل حالت فطری موت ہے، اس لیے اسی اصل حالت ہی کا اعتبار ہوگا بالخصوص جبکہ کئی ایک نے ان کی فطری وفات کی بھی صراحت کی ہے۔ جب یہ واضح ہوگیا کہ ان کو زہر دینا ثابت نہیں تو اب سوال یہ ہے کہ ان کی وفات کب ہوئی؟ تو عرض ہے کہ ان کی تاریخ وفات سے متعلق بھی مختلف روایات ہیں۔

❁ امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۷۱) نے کہا:

"وذكر الواقدي في كتاب الصوائف أن عبد الرحمن مات سنة سبع وأربعين"[2]

"واقدی نے کتاب الصوائف میں کہا ہے کہ ان کی وفات ۴۷ ہجری کو ہوئی تھی۔"

بلکہ ۴۷ ہجری میں عبدالرحمان کے ایک غزوہ کا بھی تذکرہ ملتا ہے، چناں چہ امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۷۱) نے نقل کیا:

"وفي سنة سبع وأربعين غزوة عقبة بن عامر وعبد الرحمن بن خالد بن الوليد قبرس"[3]

"اور سن ۴۷ ہجری میں عقبہ بن عامر کا غزوہ اور عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید کا قبرس

---

[1] تاريخ الطبري (٥/ ٣٠١)

[2] تاريخ دمشق لابن عساكر (٣٤/ ٣٣٤) نیز دیکھیں: أسد الغابة (٣/ ٤٣٦) ط: العلمية.

[3] تاريخ دمشق لابن عساكر (٣٤/ ٣٢٩)

میں غزوہ ہوا۔‘‘

❁ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی وفات ۵۲ ہجری کے بعد ہوئی ہے، چناں چہ امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۷۱ھ) نے نقل کیا:

’’وولىٰ سفيان بن عوف الغامدي حتى مات سفيان فولىٰ معاويةُ عبدَ الرحمن بن خالد بن الوليد‘‘[1]

’’معاویہ رضی اللہ عنہ نے سفیان بن عوف غامدی کو صیفی حملوں کی ذمے داری دی اور جب ان کا انتقال ہوا تو یہ ذمے داری عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید کو دی۔‘‘

نیز ابن عساکر نے کہا:

’’فلم يزل كذلك حتى مات سفيان فولىٰ معاوية عبدَ الرحمن بن خالد بن الوليد‘‘[2]

’’موسم گرما کے حملے میں سفیان بن عوف غامدی برابر مصروف رہے، یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی اور ان کی وفات کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ ذمے داری عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید کو دے دی۔‘‘

ان روایات سے معلوم ہوا کہ عبدالرحمٰن بن خالد، سفیان بن عوف غامدی کی وفات کے وقت باحیات تھے اور سفیان بن عوف غامدی کی وفات ۵۲ ہجری میں ہوئی ہے، چناں چہ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸) نے کہا:

’’سفيان بن عوف، الأزدي الغامدي الأمير، شهد فتح دمشق، وولي غزو الصائفة لمعاوية، وتوفي مرابطا بأرض الروم سنة اثنتين وخمسين‘‘[3]

’’سفیان بن عوف الازدی الغامدی، یہ امیر تھے۔ یہ دمشق کی فتح میں تھے، انھوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں صیفی حملوں کی ذمے داری سنبھالی اور سرزمینِ روم میں جہاد کرتے ہوئے سن ۵۲ ہجری وفات پائی۔‘‘

---

[1] تاريخ دمشق لابن عساكر (٣٤/ ٣٢٩)

[2] تاريخ دمشق لابن عساكر (٢١/ ٣٤٩)

[3] تاريخ الإسلام (٢/ ٥٠١)

اس سے ثابت ہوا کہ سن ۵۲ ہجری کے بعد ہی عبدالرحمٰن بن خالد کی وفات ہوئی ہے، بلکہ ایک اور روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سن ٦١ ہجری تک بھی عبدالرحمٰن بن خالد باحیات تھے، چناں چہ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰) نے روایت کیا:

”عن يزيد بن الأصم قال: حضرت قبر ميمونة فنزل فيه ابن عباس وعبد الرحمن بن خالد بن الوليد و أنا و عبيد الله الخولانى وصلى عليها ابن عباس. قال محمد بن عمر: توفيت سنة إحدى وستين في خلافة يزيد بن معاوية“[1]

”یزید بن الاصم سے مروی ہے کہ میں میمونہ رضی اللہ عنہا کی تدفین کے وقت حاضر تھا، ان کی قبر میں عبداللہ بن عباس اور عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید اور میں اور عبیداللہ الخولانی اُترے اور ان کی نماز جنازہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے پڑھائی۔ محمد بن عمر نے کہا کہ ان کی وفات سن ٦١ ہجری میں یزید بن معاویہ کی خلافت میں ہوئی۔“

یاد رہے کہ روایات کی بنیاد پر بھی تاریخِ وفات طے کی جاتی ہے، بلکہ روایت کی بنیاد پر کسی اور کی ذکر کردہ تاریخِ وفات کو رد بھی کر دیا جاتا ہے، چناں چہ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی۷۴۸) نے کہا:

”قد ذكرناه في عشر الثمانين علىٰ ما نقله بعضهم من أنه توفي في خلافة المعتمد، ثم وجدت أن أبا أحمد ابن عدي قد روى عنه، علىٰ ما ذكره الحافظ ابن عساكر، فيحرر هذا“[2]

”ہم نے ان (بلاذری) کا ذکر اسّی (۸۰) کی دہائی میں کیا تھا، اس وجہ سے کیوں کہ بعض نے یہ نقل کیا تھا کہ معتمد کی خلافت میں ان کی وفات ہوئی ہے، لیکن پھر مجھے ملا کہ ابن عدی نے ان سے روایت بیان کی ہے، جیسا کہ ابن عساکر نے ذکر کیا ہے، اس لیے اس کی اصلاح کر لی جائے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ روایات سے بھی تاریخِ پیدائش اور تاریخِ وفات طے کی جاتی ہے۔ الغرض تمام روایات کی روشنی میں عبدالرحمٰن بن خالد کی وفات سے متعلق یہ باتیں معلوم ہوئیں:

---

[1] الطبقات الكبرى (٨/ ١٤٠) ط: دار صادر.

[2] تاريخ الإسلام (٦/ ٩٠٥)

الف: ان کی وفات سن ۴۶ ہجری میں ہوئی۔

ب: ان کی وفات سن ۴۷ ہجری میں ہوئی۔

ج: ان کی وفات سن ۵۲ ہجری کے بعد ہوئی۔

د: ان کی وفات سن ۶۱ ہجری کے بعد ہوئی۔

ان روایات میں سے کسی ایک روایت کی بھی کوئی صحیح سند موجود نہیں ہے، لہٰذا ان تاریخوں میں کسی بھی ایک ہی تاریخ کو بالجزم عبدالرحمٰن بن خالد کی تاریخِ وفات بتلانا درست نہیں۔ آگے ہم جناب زبیر علی زئی صاحب کا یہ موقف نقل کریں گے کہ جب کسی کی تاریخِ وفات سے متعلق اختلاف ہو تو کسی ایک ہی تاریخ کو بالجزم تاریخِ وفات نہیں بتلا سکتے۔[1]

دریں صورت عبدالرحمٰن بن خالد کی اصل اور صحیح تاریخِ وفات نا معلوم ہے اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات سے قبل ان کے فوت ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس لیے سنن ابو داود کی روایت میں جس لشکر میں ان کی شرکت کی بات ہے، اس لشکر کے یزید والے لشکر ہونے اور اسی میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہے، بلکہ روایت کے سیاق و سباق اور اس کے تمام طرق کی روشنی میں یہی بات طے ہوجاتی ہے کہ یہ عین وہی لشکر ہے، جس میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فوت ہوئے اور جس کے عمومی امیر یزید بن معاویہ تھے، جیسا کہ گذشتہ سطور میں مکمل تفصیل پیش کی گئی اور یہ تفصیل بجائے خود اس بات کی دلیل بنتی ہے کہ عبدالرحمٰن بن خالد کی وفات، یزید والے لشکرِ قسطنطنیہ سے قبل نہیں ہوئی ہے اور اس ثابت شدہ چیز کی بنیاد پر غیر ثابت تاریخِ وفات ہی کا رد ہوگا نہ کہ غیر ثابت تاریخِ وفات سے ثابت شدہ واقعہ کا رد کیا جائے گا۔

یعنی ثابت شدہ واقعہ کی بنیاد پر عبدالرحمٰن بن خالد کی تاریخِ وفات سے متعلق وہ روایات مردود قرار پائیں گی، جن میں ان کی تاریخِ وفات، یزید والے لشکرِ قسطنطنیہ سے قبل بتائی جاتی ہے اور انھیں روایات کو ترجیح دی جائی گی، جن میں ان کی تاریخِ وفات، یزید والے لشکرِ قسطنطنیہ کے بعد بتلائی جاتی ہے۔ یعنی سن ۵۲ ہجری کے بعد عبدالرحمٰن بن خالد کی وفات بتانے والی روایات راجح قرار پائیں گی۔

یاد رہے کہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی تاریخِ وفات سے متعلق محمد بن عمر واقدی، امام یحییٰ بن

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۱۷۰-۱۷۱) دیکھیں۔

بکر، امام عمرو بن علی، امام ابن مندہ، امام ابراہیم بن منذر، امام ابن سعد، امام ابوسعید یونس، امام ابوحفص الفلاس اور امام ترمذی وغیرہم سے ۵۲ ہجری ہی کا قول منقول ہے۔[1] اور یزید کی امارت میں قسطنطنیہ پر حملے کی بھی صحیح تاریخ ۵۲ ہجری ہی ہے۔ اس کی ایک دلیل تو اسی تاریخ میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات ہے، اس کے علاوہ علامہ عینی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۵) نے کہا:

''وَقَالَ صَاحب (الْمِرْآة): وَالْأَصَحُّ أَن يزِيدَ بن مُعَاوِيَة غزا القسطنطينية فِي سنة اثْنَتَيْنِ وَخمسين''[2]

''صاحب مرآۃ نے کہا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ یزید بن معاویہ نے سن ۵۲ ہجری میں قسطنطنیہ پر حملہ کیا۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲) نے کہا:

''قلت: وكانت غزوة يزيد المذكورة في سنة اثنتين وخمسين من الهجرة''[3]

''میں کہتا ہوں کہ یزید بن معاویہ کا مذکورہ غزوہ (غزوہ قسطنطنیہ) سن ۵۲ ہجری میں ہوا۔''

ماقبل میں بتایا جا چکا ہے کہ بعض روایات کی رو سے عبدالرحمٰن بن خالد کی وفات بھی سن ۵۲ ہجری کے بعد ہوئی ہے۔

تنبیہ بلیغ:

ابو داود کی یہ روایت صحیح ہے، اس سے انکار نہیں، لیکن زبیر علی زئی صاحب نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ابن وہب کی اس سند کی متابعت بھی موجود ہے، چناں چہ موصوف نے کہا:

''ابن وہب کی سند کی متابعت بھی موجود ہے۔ حافظ ابن عساکر نے کہا: ''أخبرنا أبو محمد بن الأكفاني بقراءتي عليه قال ثنا عبد العزيز بن أحمد أنبا أبو محمد بن أبي نصر أنبا أبو القاسم بن أبي العقب أنا أحمد بن إبراهيم القرشي نا ابن عائذ نا الوليد نا عبد الله بن لهيعة والليث بن سعد عن يزيد عن أبي عمران التجيبي قال: غزونا القسطنطينية، و علىٰ أهل مصر

[1] دیکھیں: تهذيب الكمال للمزي (۸/ ۷۰) تاريخ دمشق لابن عساكر (۱٦/ ۳۳۔ ٦۱)

[2] عمدة القاري شرح صحيح البخاري (۱٤/ ۱۹۸)

[3] فتح الباري لابن حجر (٦/ ۱۰۳)

عقبة بن عامر الجهني، وعلیٰ الجماعة عبد الرحمن بن خالد بن الولید"[1]

"اس سند میں لیث بن سعد صحاح ستہ کے مرکزی راوی اور "ثقة ثبت فقیہ امام مشہور" تھے۔[2] لیث بن سعد نے ابن وہب کے استاذ حیوہ بن شریح کی متابعت تامہ کر رکھی ہے۔ والحمد للہ"[3]

عرض ہے کہ یہ متابعت قطعاً ثابت نہیں ہے، کیوں کہ ابن عساکر کی سند میں لیث بن سعد سے نیچے ضعف موجود ہے اور وہ ولید بن مسلم القرشی ہیں، جو تدلیسِ تسویہ کرتے تھے اور انھوں نے اپنے سے اوپر سند کے تمام طبقات میں سماع کی صراحت نہیں کی ہے، جب کہ تدلیسِ تسویہ سے متصف راوی کی سند صحیح ہونے کے لیے شرط ہے کہ وہ اپنے سے اوپر تمام طبقات میں سماع یا تحدیث کی صراحت کرے، چناں چہ خود زبیر علی زئی صاحب ہی ایک مقام پر ایک دوسری روایت کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس روایت کے ایک راوی ولید بن مسلم مدلس تھے، آپ تدلیسِ تسویہ کرتے تھے۔[4] تدلیس تسویہ کرنے والے راوی کی صرف وہی روایت مقبول ہوتی ہے، جس میں وہ آخر تک سماعِ مسلسل کی تصریح کرے۔"

معلوم ہوا کہ خود زبیر علی زئی صاحب کے اصول کی روشنی میں بھی یہ روایت ضعیف ہے اور یہ متابعت ثابت ہی نہیں، بلکہ زبیر علی زئی صاحب کے ایک اور اصول سے، جو ہماری نظر میں غلط ہے، بھی یہ روایت ضعیف ثابت ہوتی ہے۔ چناں چہ زبیر علی زئی صاحب کا اصول ہے کہ سند میں کوئی راوی اپنے دو ایسے استادوں سے روایت کرے، جس میں ایک ضعیف اور ایک ثقہ ہو تو یہ روایت بھی ضعیف ہوگی، کیوں کہ یہاں یہ معلوم نہیں کہ اس نے کس استاذ کے الفاظ بیان کیے ہیں؟ اسی اصول کے تحت موصوف نے علامہ البانی رحمہ اللہ کی صحیح قرار دی ہوئی ایک روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، جس کی تردید ہم پچھلے صفحات میں کر چکے ہیں۔[5]

---

[1] تاریخ دمشق منصور (۹/ ۹۲۹)

[2] تقریب (ص: ۸۱۷)

[3] ماهنامه "الحدیث" (شماره: ٦، ص٦) مشكاة بتحقیق زبیر علی زئی (۱/ ٦٨ تحت الرقم: ۳۲)

[4] مجله "الحدیث" (شماره: ۲۰، ص: ۵)

[5] اسی کتاب کا صفحہ (۴۷۳۔۴۷۶) دیکھیں۔

عرض ہے کہ یہاں بھی ولید بن مسلم اپنے دو استادوں سے نقل کر رہے ہیں۔ ایک لیث بن سعد ہیں اور دوسرے ابن لہیعہ ہیں اور ابن لہیعہ اخیر میں مختلط وضعیف ہوگئے تھے اور اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ ولید بن مسلم نے ان سے اختلاط سے قبل روایت کیا ہے۔ خود زبیر علی زئی صاحب نے ابن لہیعہ سے ان کے اختلاط سے قبل روایت کرنے والوں کی جو فہرست اپنی کتاب "الفتح المبین" (ص: ۷۷۔ ۷۸) میں پیش کی ہے، ان میں ولید بن مسلم کا نام نہیں پیش کیا ہے۔ مزید یہ کہ یہاں ابن لہیعہ کا عنعنہ بھی ہے، لہٰذا زبیر علی زئی صاحب کے اپنے اس اصول سے بھی یہ روایت ضعیف قرار پاتی ہے، لہٰذا متابعت تامہ کا دعویٰ درست نہیں ہے۔

نویں روایت: منذر بن زبیر کا حملہ:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱) نے کہا:

"حدثنا عبد الرزاق، حدثنا معمر، عن زيد بن أسلم، عن عطاء بن يسار، أن امرأة، حدثته قالت: نام رسول الله ﷺ ثم استيقظ، وهو يضحك، فقلت: تضحك مني يا رسول الله؟ قال: لا، ولكن من قوم من أمتي يخرجون غزاة في البحر، مثلهم مثل الملوك علىٰ الأسرة. قالت: ثم نام، ثم استيقظ أيضا يضحك، فقلت: تضحك يا رسول الله مني؟ قال: لا، ولكن من قوم من أمتي يخرجون غزاة في البحر فيرجعون قليلة غنائمهم مغفورا لهم. قالت: ادع الله أن يجعلني منهم، فدعا لها، قال: فأخبرني عطاء بن يسار قال: فرأيتها في غزاة غزاها المنذر بن الزبير إلىٰ أرض الروم هي معنا فماتت بأرض الروم"[1]

"ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سوئے، پھر بیدار ہوئے اور ہنس رہے تھے تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ مجھ پر ہنس رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! بلکہ اپنی امت کی اس قوم پر ہنس رہا ہوں، جو سمندر میں جہاد کے لیے اسی طرح نکلیں گے، جیسے باشاہ اپنے تختوں پر بیٹھے ہوں۔ یہ کہتی ہیں کہ پھر آپ سوگئے اور پھر دوبارہ بیدار ہو کر ہنسنے لگے تو میں نے کہا: اے اللہ کے

[1] مسند أحمد (٦/ ٤٣٥) ط: الميمنية.

رسول ﷺ! کیا آپ مجھ پر ہنس رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! بلکہ اپنی امت کی اس قوم پر ہنس رہا ہوں، جو سمندر میں جہاد کے لیے نکلیں گے اور تھوڑا مالِ غنیمت لے کر واپس ہوں گے، یہ سب کے سب مغفور ہوں گے۔ انھوں نے کہا: آپ میرے لیے دعا فرما دیں کہ اللہ مجھے بھی ان لوگوں میں سے بنا دے تو اللہ کے نبی ﷺ نے دعا کی۔ پھر مجھے عطا نے بتاتے ہوئے کہا کہ میں نے انھیں اس غزوے میں دیکھا، جس میں منذر ابن زبیر سرزمینِ روم کی جانب نکلے تھے، اس میں یہ ہمارے ساتھ تھیں اور سرزمین روم ہی میں فوت ہوگئیں۔‘‘

اس روایت کو پیش کر کے ایک صاحب کہتے ہیں کہ اس میں بھی دو غزوات کا ذکر ہے اور دوسرا غزوہ وہی ہے، جو اُم حرام کی حدیث میں ہے اور یہاں اس روایت میں وضاحت ہے کہ یہ غزوہ منذر بن زبیر نے کیا، اس سے ثابت ہوا کہ یزید اس لشکر کا امیر نہیں تھا۔

عرض ہے:

اولاً: یہ روایت ضعیف و مردود ہے، کیوں کہ یہ اصلاً اُم حرام ہی کے واقعہ والی حدیث ہے، لیکن راوی کی غلطی سے یہ علاحدہ روایت بن گئی ہے۔ اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

(الف): امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵) کی کتاب العلل میں ہے:

’’وسئل عن حديث عطاء بن يسار، عن أم حرام الأنصارية: كنت عند النبيﷺ وهو نائم فضحك، فاستيقظ فسألته فقال: عرض عليَّ قوم من أمتي يركبون البحر... الحديث. فقال: يرويه زيد بن أسلم، واختلف عنه: فرواه حفص بن ميسرة، عن زيد بن أسلم، عن عطاء بن يسار، عن أم حرام. قال ذلك زهير بن عباد عنه، وقال ابن وهب، عن حفص بن ميسرة، عن زيد بن أسلم، عن عطاء، أو امرأة كانت عند النبىﷺ وأم فضل أم حرام، وقال معمر: عن زيد بن أسلم، عن عطاء أن امرأة حذيفة، قالت: نام رسول اللهﷺ۔ ووهم فيه، وإنما هي أم حرام بنت ملحان امرأة عبادة بن الصامت‘‘[1]

[1] علل الدارقطني (١٥/ ٤١٤)

''امام دارقطنی رحمہ اللہ سے عطاء بن یسار کے طریق سے مروی اُم حرام انصاریہ کی اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا: ''میں اللہ کے نبی ﷺ کے پاس تھی تو وہ سو رہے تھے، پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے تو میں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا: مجھ پر میری اُمت کے وہ لوگ پیش کیے گئے، جو سمندر میں جہاد کریں گے...'' تو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے کہا: اس روایت کو زید بن اسلم روایت کرتے ہیں اور ان کے بعد ان سے روایت کرنے والوں نے مختلف الفاظ سے روایت کیا ہے۔ چناں چہ حفص بن میسرہ نے "زيد بن أسلم عن عطاء بن يسار عن أم حرام" کے طریق سے روایت کیا، اسے زہیر بن عباد نے حفص بن میسرہ سے بیان کیا ہے اور ابن وہب نے "عن حفص بن ميسرة عن زيد بن أسلم عن عطاء أو امرأة كانت عند النبي ﷺ وأم فضل أم حرام" سے روایت کیا ہے اور معمر نے "عن زيد بن أسلم عن عطاء" کے طریق سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیوی نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ سوئے تھے۔ اس روایت کو بیان کرنے میں معمر وہم کا شکار ہوئے ہیں، حقیقتاً یہ روایت اُم حرام بنت ملحان سے مروی ہے، جو عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں۔''

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے یہاں معمر کے بیان "امرأة حذيفة" کو غلط اور مبنی بر وہم قرار دیا ہے۔ بعض معاصرین کی تحقیق یہ ہے کہ مصنف عبدالرزاق ہی میں تصحیف ہوئی ہے اور یہاں اصل الفاظ "ان امرأة حديثته" ہیں۔[1]

لیکن تاریخِ ابنِ عساکر میں عبدالرزاق ہی کے ایک دوسرے طریق میں بھی "امرأة حذيفة" کے الفاظ ہیں اور اس میں یہ بھی ہے کہ حذیفہ کی بیوی نے یہ روایت اُم حرام ہی سے نقل کی ہے۔ آگے یہ روایت بھی آ رہی ہے۔ بہرحال معاملہ کچھ بھی ہو، بہرصورت امام دارقطنی رحمہ اللہ نے یہ صراحت کر دی ہے کہ یہ روایت اصلاً اُم حرام ہی کی روایت ہے، لہٰذا اُم حرام رضی اللہ عنہا کی معروف و مشہور حدیث کے خلاف جو کچھ بھی اس روایت میں ملے گا، وہ امام دارقطنی کی نظر میں معمر کا وہم قرار پائے گا۔

ب: امام ابو داود رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو اُم حرام ہی کی حدیث قرار دیا ہے، چناں چہ معمر ہی کے

---

[1] دیکھیں: حاشيه مسند أحمد (٤٥/ ٤٤٥) ط: الرسالة.

طریق سے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد امام ابو داود رحمہ اللہ نے کہا:

"وساق هذا الخبر يزيد وينقص"[1]

"اس روایت میں راوی نے یہی حدیث (حدیث اُم حرام) بیان کی ہے اور کچھ گھٹا بڑھا دیا ہے۔"

ج: اسی طریق کی ایک روایت میں اُم حرام کے نام "رمیصاء" کی صراحت ہے، چناں چہ امام ابو داود رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۵) نے کہا:

"حدثنا يحيىٰ بن معين، حدثنا هشام بن يوسف، عن معمر، عن زيد بن أسلم، عن عطاء بن يسار، عن أخت أم سليم الرميصاء قالت: نام النبي ﷺ فاستيقظ، وكانت تغسل رأسها فاستيقظ، وهو يضحك، فقالت: يا رسول الله، أتضحك من رأسي؟ قال: لا، وساق هذا الخبر يزيد وينقص، قال أبو داود: الرميصاء أخت أم سليم من الرضاعة"[2]

"سیدہ اُم سلیم رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ رمیصاء سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سو گئے، پھر جاگے، جبکہ یہ اپنا سر دھو رہی تھیں، آپ ﷺ جاگے تو ہنس رہے تھے، اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ میرے سر پر ہنس رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ پھر پوری حدیث بیان کی، جس میں کچھ کمی بیشی کی ہے۔ امام ابو داود رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رمیصاء اُم سلیم رضی اللہ عنہا کی رضاعی بہن ہیں۔"

اس روایت میں اُم سلیم کی بہن کا نام "رمیصاء" مذکور ہے، جیسا کہ روایت کے اخیر میں امام ابو داود نے بھی مزید صراحت کی ہے۔ سنن ابو داود کی اس حدیث کی شرح میں علامہ عظیم آبادی فرماتے ہیں:

"وَالرُّمَيْصَاءُ هَذِهِ هِيَ أُمُّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ"[3]

"اس روایت میں مذکور "رمیصاء" یہ اُم حرام بنت ملحان ہیں۔"

---

[1] سنن أبي داود (٣/ ٧)

[2] سنن أبي داود (٣/ ٧)رقم الحديث (٢٤٩٢)

[3] عون المعبود (٧/ ١٢٢)

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اُم سلیم کا نام رمیصاء بتلایا تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کی تردید کرتے ہوئے کہا:

"وقال بن عبد البر: الغميصاء والرميصاء هي أم سليم، ويرده ما أخرج أبو داود بسند صحيح عن عطاء بن يسار عن الرميصاء أخت أم سليم"[1]

''ابن عبدالبر نے کہا کہ غمیصاء اور رمیصاء یہ اُم سلیم ہیں، لیکن اس کی تردید اس روایت سے ہوتی ہے جسے امام ابو داود نے صحیح سند سے عطاء بن یسار کے طریق سے نقل کیا ہے اور وہ رمیصاء یعنی اُم سلیم کی بہن سے روایت کرتے ہیں۔''

الغرض یہ روایت بھی اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ معمر کی بیان کردہ یہ حدیث بھی اُم حرام ہی کی حدیث ہے، لہٰذا اگر اُم حرام کی معروف ومشہور حدیث کے خلاف اس میں کوئی بات ملے گی تو وہ شاذ ہو کر مردود قرار پائے گی۔

د: عطاء بن یسار والی روایت کے بعض طرق میں اُم حرام نام کی مکمل صراحت ہے، جیسا کہ امام دارقطنی نے کہا ہے اور حافظ ابن حجر نے بھی یہی بات کہی ہے۔ کما سیأتي۔ اس کے خلاف اس کے کسی ایک بھی طریق میں اُم حرام کے علاوہ کسی اور خاتون کا نام ذکر نہیں ہے۔

ھ: قابلِ غور بات یہ بھی ہے کہ اس روایت میں مذکور صحابیہ خاتون اللہ کے نبی ﷺ کو سوتے اور اٹھتے دیکھ رہی ہیں۔ نیز سنن ابو داود میں یہ الفاظ بھی ہیں:

"وكانت تغسل رأسها فاستيقظ، وهو يضحك، فقالت: يا رسول الله، أتضحك من رأسي؟"[2]

''یعنی یہ عورت اپنا سر دھو رہی تھیں، اسی دوران میں اللہ کے نبی مکرم ﷺ جاگ گئے تو انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ میرے سر پر ہنس رہے ہیں؟''

یہ پورا سیاق بتلاتا ہے کہ اس صحابیہ کے ساتھ آپ ﷺ کا برتاؤ محرم جیسا تھا اور ایسا ہی معاملہ اُم حرام والی حدیث میں بھی ہے اور اس کی تشریح میں بعض اہلِ علم نے یہی کہا ہے کہ اُم حرام

---

[1] فتح الباري لابن حجر (١١/ ٧٢)

[2] سنن أبي داود (٣/ ٧) رقم الحديث (٢٤٩٢)

کے لیے آپ ﷺ محرم تھے، اس لیے ایسا برتاؤ تھا۔[1]

سوال یہ ہے کہ اگر یہ واقعہ الگ ہے تو یہ کون صحابیہ تھیں جس کے ساتھ آپ ﷺ محرم جیسا برتاؤ کر رہے تھے؟ یقیناً اُم حرام اور ان کے گھرانے کے علاوہ کسی اور غیر محرم عورت کے ساتھ آپ ﷺ کا ایسا برتاؤ قطعاً نہیں ہوسکتا۔ اس لیے آپ ﷺ کا یہ برتاؤ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اس حدیث میں بھی اُم حرام ہی کا واقعہ ہے۔ چناں چہ سنن ابو داود کی روایت میں صراحت بھی ہے کہ یہ اُم سلیم کی بہن تھیں اور اُم سلیم کی بہن اُم حرام ہی ہیں، جیسا کہ اسی روایت کے دیگر طرق میں صراحت کے ساتھ اُم حرام ہی کا ذکر ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو الگ واقعہ مان کر یہ کہا ہے کہ یہ دوسری خاتون اُم سلیم کی دوسری بہن اُم عبداللہ بن ملحان تھیں، لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی کوئی دلیل ذکر نہیں کی ہے، بلکہ صرف یہ کہا ہے:

"ولعلها أختها أم عبد الله بن ملحان، فقد ذكرها ابن سعد في الصحابيات، وقال: إنها أسلمت وبايعت، ولم أقف علىٰ شيئ من خبرها إلا ما ذكر ابن سعد"[2]

''شاید یہ اُم سلیم کی بہن اُم عبداللہ بن ملحان تھیں، چناں چہ ابن سعد نے انھیں صحابیات میں ذکر کیا اور کہا کہ انھوں نے اسلام قبول کیا تھا اور بیعت کی تھی، لیکن میں ابن سعد کی ذکر کردہ بات کے علاوہ اس صحابیہ کے بارے میں کسی اور معلومات پر واقف نہیں ہو سکا۔''

لیکن اُم سلیم کی ایک اور بہن ہونے سے یہ کہاں لازم آ گیا کہ اس حدیث میں مذکور خاتون یہی ہیں؟ سنن ابو داود کی مذکورہ روایت میں جو یہ مذکور ہے کہ "عن أخت أم سليم الرميصاء"، یعنی یہ روایت اُم سلیم کی بہن رمیصاء سے مروی ہے تو اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ خاتون اُم سلیم کی بہن تھی، لیکن یہ کہاں ثابت ہوا کہ یہ دوسری بہن اُم عبداللہ بن ملحان تھیں؟ بلکہ سنن ابو داود کی

[1] دیکھیں: إشكال وجوابه في حديث أم حرام بنت ملحان. تاليف: أبو عمر علي بن عبد الله بن شديد الصياح المطيري.

[2] فتح الباري (١١/ ٧٧)

اسی روایت میں اُم سلیم کی اس بہن کے نام رمیصاء کی بھی صراحت ہے اور گذشتہ سطور میں سنن ابو داود کی یہ حدیث پیش کرکے اہلِ علم کے اقوال سے واضح کیا گیا ہے کہ اس حدیث میں اُم سلیم کی بہن رمیصاء ہیں اور یہ اُم حرام ہی ہیں۔ بلکہ خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا قول بھی پیش کیا جا چکا ہے کہ موصوف نے سنن ابو داود کی اسی روایت کی بنیاد پر حافظ ابن عبدالبر پر رد کیا ہے، نیز اسی روایت کے دیگر طرق میں یہاں اُم سلیم کی بہن اُم حرام کا صراحت کے ساتھ ذکر ہے، جیسا کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے کہا، بلکہ خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اُم حرام کی صراحت والے طرق کو ذکر کیا ہے۔ كما سيأتي۔ یہ طرق اس بات کی قطعی دلیل ہیں کہ یہ بہن اُم حرام ہی تھیں نہ کہ اُم عبداللہ بن ملحان۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے چونکہ اس واقعہ کو الگ واقعہ مانا ہے، اس لیے وہ اس بات پر مجبور ہیں کہ اس صحابیہ کو کوئی اور صحابیہ ثابت کریں اور اُم سلیم سے اس کا رشتہ بھی ثابت کریں، لیکن اس سلسلے میں موصوف کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ دلیل تو ان کے مخالف ہے، کیوں کہ خود انھیں کے بقول اس روایت کے بعض طرق میں اُم حرام کی پوری صراحت ہے، لیکن حافظ موصوف نے بغیر کسی دلیل کے اسے وہم کا نتیجہ کہہ دیا، چناں چہ لکھتے ہیں:

"وأخرجه ابن وهب عن حفص بن ميسرة عن زيد بن أسلم فقال في روايته: عن أم حرام، وكذا قال زهير بن عباد عن زيد بن أسلم، والذي يظهر لي أن قول من قال في حديث عطاء بن يسار هذا: عن أم حرام: وهم" [1]

''ابن وہب نے عن حفص بن میسرۃ عن زید بن اسلم کے طریق سے روایت کیا اور اپنی روایت میں عن اُم حرام کہا ہے اور اسی طرح زہیر بن عباد نے زید بن اسلم کے طریق سے روایت کرتے ہوئے اُم حرام کہا ہے، لیکن مجھے بظاہر جو بات معلوم ہوتی ہے، وہ یہ کہ جن لوگوں نے عطا بن یسار کی اس حدیث میں ''عن اُم حرام'' کہا ہے، انھیں وہم ہوا ہے۔''

عرض ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے محض اس واقعہ کو الگ ثابت کرنے کے لیے بغیر کسی دلیل کے رواۃ کے متفقہ بیان کو وہم قرار دیا ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ اس روایت کے کسی بھی طریق میں اُم حرام کے علاوہ کسی دوسری خاتون کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہے اور جن جن لوگوں نے نام

---

[1] فتح الباري لابن حجر (۱۱/ ۷٦)

ذکر کیا ہے، سب نے متفقہ طور پر اُم حرام ہی کا نام ذکر کیا ہے تو پھر ایک نام جس کے بیان پر رواۃ کی ایک جماعت متفق ہے اور اس کی مخالفت کا کوئی وجود ہی نہیں، اس میں وہم کی گنجایش کہاں سے آ گئی؟

بلکہ رواۃ کے اس متفقہ بیان کے خلاف اگر کسی ایک روایت میں کوئی اور نام مل بھی جائے تو بھی اس منفرد بیان ہی کو وہم کہا جائے گا نہ کہ رواۃ متفقہ بیان کو، جیسا کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ایک روایت میں "امرأة حذيفة" کے الفاظ دیکھے تو اسے راوی کا وہم قرار دیا، کیوں کہ دیگر رواۃ نے متفقہ طور پر ''ام حرام'' ہی کا ذکر کیا ہے، جو عبادہ رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ لیکن اسی روایت کے اندر ایک دوسرے طریق میں یہ بھی وضاحت کہ حذیفہ کی بیوی نے یہ روایت اُم حرام ہی سے نقل کی ہے۔ دریں صورت اس روایت میں بھی اُم حرام ہی کی صراحت ہے۔ ممکن ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس بات کو بنیاد بنایا ہو کہ اگر اس روایت میں اُم حرام کو مان لیں تو عطاء بن یسار سے ان کا سماع محل نظر ہے، چناں چہ موصوف نے کہا:

"إن عطاء بن يسار ذكر أنها حدثته، وهو يصغر عن إدراك أم حرام، وعن أن يغزو في سنة ثمان وعشرين، بل وفي سنة ثلاث و ثلاثين، لأن مولده على ما جزم به عمرو بن علي وغيره كان في سنة تسع عشرة" [1]

عطاء بن یسار نے ذکر کیا ہے کہ اس خاتون نے انھیں بیان کیا، حالاں کہ وہ اُم حرام سے روایت کرنے میں بہت چھوٹے ہیں، نیز سن ۲۸ ہجری میں، بلکہ ۳۳ ہجری میں ان کا غزوے میں اس چھوٹی عمر میں شریک ہونا بھی محلِ نظر ہے، کیوں کہ عمرو بن علی وغیرہ نے ان کی تاریخِ پیدایش ۱۹ ہجری بتلائی ہے۔''

غرض کہ جہاں تک اُم حرام سے عطاء بن یسار کے سننے کی بات ہے تو خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ عطاء کی پیدایش ۱۹ ہجری ہے اور اُم حرام کی وفات ۲۸ ہجری میں ہوئی ہے، پھر نو سال کی عمر میں اُم حرام کی معاصرت ان کو حاصل ہے، ایسی صورت میں اُم حرام سے ان کے سماع میں کیا دشواری ہے؟ بلکہ نو سال سے کم عمر میں بھی ان کے سماع میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔ رہی یہ بات کہ اس روایت میں غزوے میں جس خاتون کی وفات بتلائی گی ہے، اگر یہ اُم حرام ہیں تو یہ غزوہ

[1] فتح الباري لابن حجر (١١/ ٧٧)

۲۸ ہجری میں ہوا اور اس میں عطاء بن یسار کی شرکت محلِ نظر ہے تو عرض ہے کہ اس روایت میں اُم حرام کے غزوے کا ذکر ہی نہیں، بلکہ کسی اور خاتون اور منذر بن زبیر کا ذکر ہے اور یہ چیز راوی کا وہم ہے، یعنی غزوے میں منذر بن زبیر اور دوسری خاتون کا ذکر ہی مبنی بر وہم ہے، لہٰذا وہم کو بنیاد بنا کر حقائق کا رد نہیں کیا جائے گا، بلکہ حقائق کو بنیاد بنا کر وہم کو رد کیا جائے گا۔

نیز اگر ہم یہ بھی مان لیں کہ غزوے میں جس خاتون کا ذکر ہے، وہ صحابیہ اُم حرام رضی اللہ عنہا ہی ہیں تو اس صورت میں ممکن ہے کہ عطاء بن یسار نے روایت کا یہ حصہ کسی اور واسطے سے سنا ہو اور اسی نے اس غزوے میں شرکت کی ہو اور راوی کے وہم سے اس بات کی نسبت عطاء کی طرف ہوگئی ہو۔ اس احتمال کی گنجایش اس لیے ہے، کیوں کہ اسی طریق کی ایک روایت میں یہ بھی صراحت ہے کہ عطاء بن یسار نے یہ روایت ایک خاتون کے واسطے سے بیان کی اور اس خاتون نے اُم حرام کی اصل حدیث بیان کی ہے، جیسا کہ آگے یہ روایت آ رہی ہے۔

ز: امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۷۱) نے کہا:

”أخبرنا أبو الحسن علي بن محمد الخطيب أنا محمد بن الحسن بن محمد أنا أحمد بن الحسين بن زنبيل أنا عبد الله بن محمد بن عبد الرحمن بن الخليل نا محمد بن إسماعيل نا محمد بن عبدالله نا عبد الرزاق نا معمر عن زيد بن أسلم عن عطاء بن يسار أن امرأة حذيفة حدثته بحديث أم حرام في الغزو. قال: فأخبرنا عطاء بن يسار قال: فرأيتها في غزاة المنذر بن الزبير إلىٰ أرض الروم، وهي معنا، فماتت بأرض الروم“[1]

”عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ حذیفہ کی بیوی نے انھیں اُم حرام کی حدیث بیان کی غزوے کے سلسلے میں، راوی کہتے ہیں کہ پھر عطاء نے کہا: پھر میں نے اسے دیکھا اس غزوے میں، جس میں منذر بن زبیر روم کی طرف نکلے تھے اور یہ عورت ہمارے ساتھ تھی، پھر سرزمین روم ہی میں اس کی وفات ہوگئی۔“

اولاً: یہ روایت سند کے اعتبار سے عطاء بن یسار تک بالکل صحیح ہے۔ عطاء سے عبدالرزاق تک سارے رجال ثقہ ہیں اور عبدالرزاق سے اسے محمد بن عبداللہ نے نقل کیا ہے۔ یہ محمد بن یحییٰ

[1] تاریخ دمشق لابن عساکر (۷۰/ ۲۸۰)

بن عبداللہ الذہلی ہیں، جو عبدالرزاق کے شاگرد اور امام بخاری کے استاذ ہیں۔ یہ بہت بڑے محدث، جرح وتعدیل کے امام، بلکہ امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔ان سے یہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے لے کر اپنی کتاب ”التاریخ الصغیر“ میں درج کی اور پھر اس کتاب کو لوگوں نے روایت کرنا شروع کیا اور یہاں امام بخاری سے لے کر ابن عساکر تک جو سند ہے، وہ امام بخاری کی کتاب ”التاریخ الصغیر“ کی سند ہے۔[1]

مزید یہ کہ اس کتاب کی سند بھی صحیح ہے اور اس کے سارے رجال ثقہ ہیں۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی کتاب کی ایک روایت نقل کرتے ہوئے ”بإسناد لا بأس به“ کہا ہے۔[2] یہ روایت بھی ابن عساکر میں ”التاریخ الصغیر“ کی اسی سند کے ساتھ موجود ہے۔[3] معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی نظر میں بھی اس التاریخ الصغیر کے نسخہ کی سند صحیح ہے۔

اب اس روایت پر غور کریں! اس روایت میں بالکل صراحت ہے کہ عطاء بن یسار نے اُم حرام ہی کی روایت بیان کی ہے، یہ روایت بھی اسی بات کی دلیل ہے کہ عطاء بن یسار کی روایت حقیقتاً اُم حرام والی روایت ہی ہے، لہٰذا اس روایت کے اندر اُم حرام کی معروف ومشہور اور محفوظ حدیث کے خلاف جو کچھ بھی ملے گا، وہ شاذ قرار پا کر ضعیف و مردود ہوگا۔

ثانیاً: اگر ہم معمر کی اس روایت کو صحیح مان کر یہ کہیں کہ یہ الگ واقعہ ہے تو پھر اس واقعہ کو پوری طرح سے الگ واقعہ ماننا ہوگا اور اُم حرام کے واقعے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا، کیوں کہ اگر اُم حرام کے واقعہ سے اسے جوڑا گیا تو یہ روایت صحیح ترین روایات کے خلاف ہونے کے سبب شاذ ہوکر مردود قرار پائے گی، یہی وجہ ہے کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو اُم حرام ہی کا واقعہ مانا اور پھر اس کے اندر اُم حرام کی حدیث کے خلاف جو چیز نظر آئی، اسے معمر کا وہم قرار دے کر مردود قرار دیا ہے۔ كما مضى. حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو الگ مانا ہے تو کلی طور سے اسے الگ مانا ہے اور اُم حرام کے واقعے سے اس کا کوئی تعلق نہیں جوڑا ہے۔ چناں چہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان دونوں واقعات میں تفریق کے جو دلائل دیے ہیں، وہ اس

---

[1] دیکھیں: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (٣/ ١٧٠٠)

[2] دیکھیں: تهذيب التهذيب لابن حجر (٦/ ٢١٦) طبقات المدلسين لابن حجر (ص: ٤٠)

[3] تاريخ دمشق لابن عساكر (٣٥/ ٧١) نیز دیکھیں: المعجم المفهرس للحافظ ابن حجر (١/ ٢٥٢)

بات پر غماز ہیں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس واقعے کو پورے طور سے الگ واقعہ مانتے ہیں۔ مثلاً حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس واقعے کے الگ ہونے کی دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”الثاني: ظاهر رواية أم حرام أن الفرقة الثانية تغزو في البر، وظاهر رواية الأخرىٰ أنها تغزو في البحر“[1]

”اُم حرام کے واقعے میں یہ ہے کہ دوسرا لشکر خشکی میں جہاد کرے گا، جبکہ دوسرے واقعہ میں یہ ہے کہ دوسرا لشکر سمندر میں جہاد کرے گا۔“

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ تفریق اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ دوسرے واقعہ کو کلی طور پر دوسرا واقعہ مانتے ہیں، یعنی اس میں جس دوسرے لشکر کا ذکر ہے، اس سے مراد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی نظر میں وہ دوسرا لشکر یعنی اول جیش نہیں ہے، جس کا ذکر اُم حرام کے واقعہ میں ہے۔ اس کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اول جیش والے الفاظ کی شرح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے معمر کی روایت میں مذکور اس دوسرے لشکر کا نام تک نہیں لیا اور نہ اس کی طرف کوئی ادنیٰ اشارہ کیا ہے، بلکہ اول جیش کی تشریح میں تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یزید کو بالاتفاق اس لشکر کا امیر قرار دیا ہے، جس نے سب سے پہلے قسطنطنیہ پر حملہ کیا، جیسا کہ گذشتہ سطور میں گزرا ہے۔[2]

اگر معمر کی روایت میں دوسرے نمبر پر بیان کردہ لشکر کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے وہی لشکر سمجھا ہوتا، جس کا ذکر اُم حرام کی روایت میں دوسرے نمبر پر اول جیش کے الفاظ میں ہے تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اول جیش کی تشریح کرتے ہوئے یہ بھی کہتے کہ اس میں منذر بن الزبیر کے ساتھ اُم حرام کی بہن اُم عبداللہ بھی شریک تھیں، لیکن آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اول جیش سے متعلق منذر بن زبیر اور کسی عورت کا نام تک نہیں لیا ہے، بلکہ اس کے برعکس صرف یزید کا تذکرہ کیا ہے اور اسے اس کا امیر بتلایا ہے، بلکہ اس پر امت کا اتفاق نقل کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ معمر کی روایت میں دوسرے نمبر پر مذکور لشکر کو ”مغفور لهم“ ضرور کہا گیا، لیکن اس کے ساتھ نہ تو اسے مدینہ قیصر پر حملہ کرنے والا بتلایا گیا ہے اور نہ اس کام میں اسے اول جیش کہا گیا ہے اور چونکہ یہ طے کر دیا گیا کہ یہ الگ واقعہ ہے، لہٰذا اس واقعے کو الگ ماننے کے

---

[1] فتح الباري لابن حجر (١١/ ٧٧)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (٥٦٢۔٥٦٣) دیکھیں۔

بعد اس میں مذکور لشکر سے اُم حرام والی روایت میں مذکور لشکر کو مراد لینا محتاجِ دلیل ہے اور اس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے، جس سے ثابت ہوا کہ یہ بالکل الگ لشکر ہے۔

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ معمر کی بیان کردہ روایت میں، جس دوسرے لشکر کا ذکر ہے، اس کا اس لشکر سے کوئی تعلق نہیں ہے، جس کا ذکر اُم حرام کی روایت میں اول جیش کے الفاظ میں دوسرے نمبر پر مذکور ہے، تو یہیں سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ معمر کی روایت میں مذکور دوسرے لشکر سے اول جیش مراد ہو ہی نہیں سکتا، کیوں کہ اول جیش تو اُم حرام والی روایت میں مذکور لشکر کو کہا گیا ہے اور معمر والی روایت میں مذکور لشکر کوئی اور لشکر ہے، کیوں کہ یہ کلی طور سے الگ واقعہ ہے اور اسے مدینہ قیصر پر حملہ کرنے والا اول لشکر نہیں کہا گیا ہے، اس لیے یہ لشکر لازمی طور پر اول جیش کے علاوہ کوئی لشکر ہے۔

نیز معمر والی روایت میں اللہ کے نبی ﷺ کے الفاظ میں دوسرے لشکر کو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرنے والا نہیں بتلایا گیا ہے اور اخیر میں راوی نے جو صراحت کی ہے، وہ بھی صرف اس قدر ہے کہ مذکورہ خاتون کی وفات سرزمینِ روم میں ہوئی ہے، یہاں بھی مدینہ قیصر یا قسطنطنیہ کا ذکر نہیں ہے، لہٰذا اول جیش سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

اب یہ واقعہ کسی بھی سن کا رہا ہو اور اس کے امیر کوئی بھی رہے ہوں۔ اس سے کچھ لینا دینا نہیں، کیوں کہ اس لشکر کا مدینہ قیصر یعنی قسطنطنیہ پر حملہ کرنا ثابت ہی نہیں ہے اور نہ اس سے متعلق حدیث میں اس کا کوئی ذکر ہے۔

ثالثاً: اگر ہم اس واقعے کو دوسرا واقعہ ماننے کے ساتھ ساتھ یہ بھی تسلیم کر لیں کہ اس میں جس دوسرے لشکر کا بیان ہوا ہے، وہ اول جیش ہی ہے تو بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس لشکر میں یزید بن معاویہ شریک نہیں تھے یا وہ اس لشکر کے امیر نہیں تھے، کیوں کہ اس پوری روایت میں کہیں یہ ذکر نہیں ہے کہ اس لشکر کے امیر منذر بن زبیر تھے، بلکہ روایت میں صرف یہ ذکر ہے کہ منذر بن زبیر نے غزوہ کیا اور ان کے ساتھ یہ خاتون تھیں۔ ان الفاظ سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس غزوے میں منذر بن زبیر بھی تھے، ان کے امیر ہونے کی بات یہاں نہیں ہے، بلکہ انھیں امیر بھی مان لیں تو یہ بھی احتمال ہے کہ وہ کسی خاص گروہ کے امیر رہے

ہوں نہ کہ پورے غزوے کے عمومی امیر ہوں۔

دریں صورت جب دیگر صحیح روایت میں یہ واضح ثبوت مل رہا ہے کہ اس غزوے کے امیر یزید تھے تو صحیح روایات کے پیش نظر یہ ماننا لازم ہے کہ یہ لشکر وہی لشکر تھا، جس نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور اس کے اصل امیر یزید بن معاویہ تھے۔ چناں چہ امام ابن عساکر رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو دوسرا واقعہ ماننے کے بعد یہی صراحت کی ہے کہ یہ وہی لشکر ہے، جس نے یزید بن معاویہ کے ساتھ قسطنطنیہ پر حملہ کیا، چناں چہ امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۷۱) نے کہا:

"أم حرام كانت من الفوج الأول الذين غزوا قبرس في خلافة عثمان، وهذه من الفوج الآخر، وإنما غزا المنذر بن الزبير القسطنطنية مع يزيد بن معاوية في أيام أبيه"[1]

"ام حرام اس پہلے لشکر میں تھیں، جس نے عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں قبرس پر حملہ کیا اور یہ خاتون دوسرے لشکر میں تھیں اور منذر بن الزبیر نے یزید بن معاویہ کے ساتھ ان کے والد کے دور میں قسطنطنیہ پر حملہ کیا۔"

اسی طرح امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸) جنھوں نے یزید کی مذمت بھی کی ہے، وہ بھی فرماتے ہیں:

"المنذر بن الزبير الأسدي أبو عثمان، الأمير، أبو عثمان، أحد الأبطال ـولد زمن عمرـ وكان ممن غزا القسطنطينية مع يزيد"[2]

"منذر بن زبیر اسدی ابو عثمان، یہ امیر تھے۔ بہادروں میں سے ایک تھے، ان کی پیدایش عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئی اور یہ ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے یزید کے ساتھ قسطنطنیہ پر حملہ کیا۔"

جن صاحب نے یزید کو اول جیش سے خارج کرنے کے لیے یہ نئی اور بے مطلب کی دلیل تلاش کی ہے، وہ صاحب بڑی خوش فہمی میں کہتے ہیں کہ جن علما نے بھی یزید کو اس لشکر میں شامل مانا ہے، ان سے غلطی ہوئی، کیوں کہ ان کی نظر اس روایت پر نہیں تھی، اگر انھوں نے یہ روایت دیکھ لی

[1] تاريخ دمشق لابن عساكر (۷۰/ ۲۸۰)

[2] سير أعلام النبلاء للذهبي (۳/ ۳۸۱)

ہوتی تو ان سے یہ غلطی نہ ہوتی۔ اب ان صاحب کوکون بتلائے کہ امام ابن عساکر رحمہ اللہ نہ صرف یہ کہ اس روایت کو دیکھ رہے ہیں، بلکہ روایت بیان بھی کر رہے ہیں اور ان سب کے باوجود بھی وہ یہی خلاصہ ذکر کر رہے ہیں کہ یہ لشکر بھی وہی لشکر ہے، جس میں یزید بن معاویہ شریک تھے اور ان کی معیت میں منذر بن زبیر نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا، بلکہ امام ذہبی رحمہ اللہ، جن کے بعض اقوال یزید کی مذمت میں بڑے زور وشور سے پیش کیے جاتے ہیں، وہ بھی صراحت کرتے ہیں کہ منذر بن زبیر نے یزید بن معاویہ کے ساتھ قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا۔

تیسرا شبہہ: مغفرت کا وعدہ بہت سارے اعمال پر ہے:

ایک صاحب نے یزید کو جیشِ مغفور کی بشارت سے محروم کرنے کے لیے انتہائی بھونڈی اور بھدی بات کہہ ڈالی اور وہ یہ کہ اس حدیث میں مغفرت کی بات ایسے ہی ہے، جیسے بہت سارے اعمال پر مغفرت کی بشارت ہے، مثلاً: جو سنت کے مطابق وضو کر کے مسجد میں نماز کے لیے آئے، اس کے لیے مغفرت کی بات کہی گئی ہے۔ اسی طرح حج کرنے والے کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ جس نے حج کیا اس کے گناہ معاف ہوجائیں گے تو ان احادیث کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ ہر حاجی جنتی ہے یا ہر نمازی جنتی ہے۔

عرض ہے کہ یہ جہالت آمیز توجیہ ایسے ہی ہے، جیسے کوئی خلفاے راشدین ابوبکر، عمر فاروق، عثمان، علی رضی اللہ عنہم اور بقیہ عشرہ مبشرہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بشارتِ جنت کے بارے میں یہ بکواس کرے کہ ان سے متعلق بشارت والی احادیث ایسے ہی ہیں، جیسے اور بھی کئی دیگر اعمال پر جنت کی بشارت دی گئی ہے، مثلاً:

❁ امام مسلم رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۱) نے کہا:

”حدثني محمد بن حاتم بن ميمون، حدثنا عبد الرحمن بن مهدي، حدثنا معاوية بن صالح، عن ربيعة يعنى ابن يزيد، عن أبي إدريس الخولاني، عن عقبة بن عامر، ح، وحدثني أبو عثمان، عن جبير بن نفير، عن عقبة بن عامر، قال: كانت علينا رعاية الإبل فجاءت نوبتي فروحتها بعشي فأدركت رسول اللهﷺ قائما يحدث الناس فأدركت

من قوله: ما من مسلم يتوضأ فيحسن وضوءه، ثم يقوم فيصلي ركعتين، مقبل عليهما بقلبه ووجهه، إلا **وجبت له الجنة**"[1]

''عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ ہمارے اوپر اونٹوں کا چرانا لازم تھا، پس جب میری باری آئی تو میں اونٹوں کو شام کو واپس لے کر لوٹا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو کھڑے ہوئے لوگوں کے سامنے باتیں کرتے ہوئے پایا، میں نے بھی آپ ﷺ کے قول میں سے یہ بات معلوم کی کہ جو مسلمان وضو کرے، پس اچھی طرح ہو اس کا وضو اور پھر کھڑا ہو، پس دو رکعتیں نماز ادا کرے، اس طرح کہ اپنے دل اور چہرے سے پوری توجہ کرنے والا ہو تو **اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔**''

❁ امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶) نے کہا:

"حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ سُمَيٍّ، مَوْلىٰ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: اَلْعُمْرَةُ إِلىٰ الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا، وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ **لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ**"[2]

''ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہم کو امام مالک نے خبر دی، انھیں ابوبکر بن عبدالرحمٰن کے غلام سمی نے خبر دی، انھیں ابو صالح سمان نے خبر دی اور انھیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک عمرے کے بعد دوسرا عمرہ دونوں کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے **اور حج مبرور کی جزا جنت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔**''

❁ امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶) نے کہا:

"حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، حَدَّثَنِي أَبُو جَمْرَةَ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي مُوسىٰ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ **دَخَلَ الْجَنَّةَ**"[3]

---

[1] صحيح مسلم (١/ ٢٠٩) رقم الحديث (٢٣٤)

[2] صحيح البخاري (٣/ ٢) رقم الحديث (١٧٧٣)

[3] صحيح البخاري (١/ ١١٩) رقم الحديث (٥٧٤)

''ہم سے ہدبہ بن خالد نے بیان کیا، کہا ہم سے ہمام نے، انھوں نے کہا کہ ہم سے ابو جمرہ نے بیان کیا، انھوں نے ابوبکر بن ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے، انھوں نے اپنے باپ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ٹھنڈے وقت کی دو نمازیں (وقت پر) پڑھیں (فجر اور عصر) تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

اب ان روایات کی بنیاد پر کوئی خلفاے راشدین اور عشرہ مبشرہ جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم کے جنتی ہونے کی بشارت کا انکار کر دے اور یہ کہے کہ ان کے لیے جنت کی بشارت ایسے ہی ہے، جیسے دیگر احادیث میں حاجی اور نمازی کے لیے جنت کی بشارت ہے تو بھلا بتلائیے ایسے شخص کی جہالت میں کیا شک وشبہہ رہ جاتا ہے؟

یہ منفرد شخصیات کی مثال تھی۔ اجتماعی بشارت کی مثال میں اہلِ بدر اور اہلِ حدیبیہ کی بشارت کو لیجیے۔ ان تمام صحابہ کرام کو جو بدر و حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے، ان کے لیے مغفرت کی بشارت ہے، چناں چہ امام مسلم رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۱) نے کہا:

''حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا ليث، ح، وحدثنا محمد بن رمح، أخبرنا الليث، عن أبي الزبير، عن جابر، أن عبدا لحاطب جاء رسول الله ﷺ يشكو حاطبا فقال: يا رسول الله ليدخلن حاطب النار، فقال رسول الله ﷺ: كذبت لا يدخلها، فإنه شهد بدرا والحديبية''[1]

''صحابیِ رسول جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حاطب رضی اللہ عنہ کا ایک غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاطب رضی اللہ عنہ کی شکایت کرنے کے لیے حاضر ہوا تو اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! حاطب تو جہنم میں داخل ہو جائے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو نے غلط کہا، وہ جہنم میں داخل نہ ہوں گے، کیوں کہ وہ بدر اور حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے۔''

اسی طرح صحیح بخاری کی روایت کے مطابق عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب حاطب رضی اللہ عنہ کی جاسوسی پر انھیں قتل کرنے کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''وما يدريك لعل الله أن يكون قد اطلع علىٰ أهل بدر فقال: اعملوا ما

---

[1] صحيح مسلم (٣/ ١٩٤٢) رقم الحديث (٢٤٩٥)

شئتم فقد غفرت لكم"[1]

''تمھیں کیا پتا کہ اللہ تعالیٰ اہلِ بدر کے معاملات پر آ گاہ ہوا اور اس کے بعد کہا: تم کیسا بھی عمل کرو، میں نے تمھاری مغفرت کر دی ہے۔''

اب کوئی یہ بکواس کرے کہ اہلِ بدر کی مغفرت کی بات ایسے ہی ہے، جیسے بہت سارے اعمال پر مغفرت کی بشارت ہے تو بھلا بتلائیے جہالت کی اس سے بڑھ کر مثال اور کیا ہوسکتی ہے؟

دراصل اس طرح کی بات کہنے والا عمل سے متعلق بشارت اور شخصیت و جماعت سے متعلق بشارت کے فرق کو نہیں سمجھ پا رہا ہے اور دونوں کو خلط ملط کر رہا ہے۔ دراصل قرآن وحدیث میں بشارتیں دو قسم کی ہیں۔ پہلی قسم کی بشارت کا تعلق مخصوص اعمال سے ہے اور دوسری قسم کی بشارت کا تعلق مخصوص افراد یا جماعت سے ہے۔ پہلی قسم کی بشارت کا مقصد مخصوص اعمال کی فضیلت بتلانا ہوتا ہے اور دوسری قسم کی بشارت کا مقصد مخصوص افراد یا جماعت کی فضیلت بتلانا ہوتا ہے۔

بشارت کی پہلی قسم میں جن مخصوص اعمال سے متعلق بشارت ہوتی ہے، ان اعمال کا تعلق کسی خاص شخصیت یا جماعت یا کسی خاص علاقے یا کسی خاص زمانے سے نہیں ہوتا، بلکہ قیامت تک پیدا ہونے والے تمام لوگوں کے لیے اس پر عمل ممکن ہوتا ہے، جو بھی ان اعمال کے تقاضوں کو پورا کرے گا وہ اس بشارت کا مستحق ہوگا اور اس استحقاق کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا، کیوں کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس نے کما حقہ ان اعمال کو انجام دیا ہے اور کون اس کا مستحق ہے۔ الغرض یہ بشارت اعمال سے متعلق ہوتی ہے اور اس کا مقصد اعمال کی فضیلت بتلانا ہوتا ہے، جیسے حج کی فضیلت اور نماز و روزے وغیرہ کی فضیلت ہے۔ لیکن بشارت کی دوسری قسم جس میں مخصوص افراد یا جماعت سے متعلق بشارت ہوتی ہے، وہ صرف خاص افراد اور خاص جماعت ہی کے لیے ہوتی ہے، اسی طرح وہ خاص زمانے اور خاص علاقے ہی کے لیے ہوتی ہے۔ اس بشارت میں خاص زمانے اور خاص علاقے کے خاص افراد یا خاص جماعت کو متعین کر دیا جاتا ہے، جیسے خلفاے راشدین اور عشرۂ مبشرہ سے متعلق بشارت یا اصحابِ بدر اور اصحابِ حدیبیہ سے متعلق بشارت ہے۔

پہلی قسم کی بشارت میں اعمال کی فضیلت طے ہوتی ہے، لیکن افراد متعین نہیں ہوتے، اس

---

[1] صحيح البخاري (٤/ ٦٠) رقم الحديث (٣٠٠٧)

لیے ہر فرد کو اس کا مستحق نہیں کہا جاسکتا، لیکن دوسری قسم کی بشارت میں افراد ہی کو متعین کر دیا جاتا ہے، اس لیے جن افراد کو متعین کر دیا گیا، ان کا اس بشارت سے خارج ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پہلی قسم کی بشارت میں جن اعمال کی فضیلت بتائی ہوتی ہے، ان اعمال کی پوری حقیقت سے اللہ اچھی طرح واقف ہوتا ہے، اسی لیے ناممکن ہے کہ یہ اعمال کسی بھی زمانے اور کسی بھی دور میں اپنی حقیقت کھو بیٹھیں۔

دوسری قسم کی بشارت میں جن افراد یا جماعت کی فضیلت بتائی جاتی ہے، ان افراد یا جماعت کی حقیقت اور ان کی پوری زندگی کے کارناموں سے اللہ تعالیٰ اچھی طرح واقف ہوتا ہے، اس لیے ناممکن ہے کہ ان میں سے کسی کے ساتھ کوئی ایسی برائی جڑ جائے، جو انھیں اس بشارت سے محروم کر دے، کیوں کہ ایسی صورت میں اللہ کے علم میں نقص لازم آئے گا، جو ناممکن ہے۔

پہلی قسم کی بشارت میں شرط کی صورت میں فضیلت بیان ہوتی ہے، لہٰذا جب شرط پائی جائے گی، تبھی فضیلت حاصل ہوگی اور دوسری قسم کی بشارت میں خبر کی صورت میں فضیلت بیان ہوتی ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خبر کبھی غلط ہو ہی نہیں سکتی۔

پہلی قسم کی بشارت میں شرطیہ بات ہوتی ہے، جبکہ دوسری قسم کی بشارت میں خبر ہوتی ہے۔ یہ فرق سمجھنا بہت ضروری ہے، اسی فرق کی وجہ سے پہلی قسم کی بشارت میں مغفرت کا مطلب ہر عامل کا قطعی طور سے جنتی نہیں ہوتا ہے، کیوں کہ عامل کے یہاں شرط کی تکمیل ٹھیک طرح سے ہوئی ہے یا نہیں؟ اس کا علم ہمیں نہیں ہوتا، لیکن دوسری قسم کی بشارت میں مغفرت کا مطلب قطعی طور پر جنتی ہوتا ہے، کیوں کہ اس میں اللہ کی طرف سے خبر ہوتی ہے، جو مغفرت کی قطعیت پر دلالت کرتی ہے۔

بشارت کی ان دونوں قسموں کو اچھی طرح واضح کرنے کے بعد عرض ہے کہ حدیثِ قسطنطنیہ میں جو بشارت دی گئی ہے، وہ دوسری قسم میں سے ہے۔ یعنی اس بشارت کا تعلق مخصوص افراد و جماعت سے ہے، جس کا مقصد مخصوص افراد اور جماعت کی فضیلت بتانا ہے۔ نیز اس کا تعلق خاص علاقے، خاص زمانے اور خاص افراد و جماعت سے ہے، جس میں افراد و جماعت کا تعین کر دیا گیا ہے۔ اس میں بتائے گئے افراد کی پوری حقیقت اللہ کے علم میں ہے اور اس میں خبر ہے جو کبھی غلط ہو ہی نہیں سکتی، اس لیے یہ مغفرت کی قطعیت پر یعنی ان افراد کے جنتی ہونے پر دلالت کرتی ہے، جیسے اہلِ بدر کی

مغفرت کا معاملہ ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

"والجیش عدد معین لا مطلق"[1]

"جیش (لشکر) یہ معین اور خاص عدد ہے، یہ مطلق اور عام نہیں ہے۔"

اس وضاحت سے بعض لوگوں کی اس بات کی بھی تردید ہوگئی، جو یہ کہتے ہیں کہ یہاں یزید کی مغفرت مان بھی لیں تو صغائر کی مغفرت ہے، کبائر کی نہیں، کیوں کہ علما نے مغفرت کی احادیث سے متعلق صغائر کی مغفرت ہی کی بات کہی ہے۔

عرض ہے کہ صغائر و کبائر کی جو بحث ہے، وہ پہلی قسم کی بشارت سے متعلق ہے، یعنی جن آیات و احادیث میں مخصوص اعمال پر مغفرت کی بات ہے، اس سے متعلق بعض علما نے صغائر و کبائر کی بحث کی ہے، لیکن جن آیات و احادیث میں بشارت کی دوسری قسم ہے، یعنی مخصوص افراد اور جماعت کی مغفرت کی بات ہے، وہاں علما نے صغائر و کبار کی بحث نہیں کی ہے، بلکہ یہاں بالاتفاق کلی مغفرت یعنی جنتی ہونا مراد ہے، جیسے اہلِ بدر کا معاملہ ہے۔

صحیح بخاری ہی میں ایسی بہت ساری احادیث ہیں، جن میں کسی خاص شخص کے لیے اللہ تعالیٰ نے مغفرت کی بات کہی ہے اور اس سے کلی مغفرت یعنی اس کا جنتی ہونا ہی مراد ہے، مثلاً صحیح بخاری میں سو قتل کرنے والے شخص کا جو واقعہ بیان ہوا ہے، جسے اللہ نے معاف کر دیا، اس کے لیے "فغفر له" کے الفاظ ہیں، لیکن اس کا مطلب کلی مغفرت اور جنتی ہونا ہی ہے۔ معلوم ہوا کہ جب افراد اور جماعت کے لیے مغفرت کی بات ہو تو اس سے کلی مغفرت ہی مراد ہوتی ہے۔ اہلِ بدر کے لیے بھی "فقد غفرت لکم" ہی کے الفاظ ہیں، لیکن یہاں کلی مغفرت ہی مراد ہے۔ کوئی احمق ہی ہوگا، جو یہ کہے گا کہ اہلِ بدر کی مغفرت سے مراد صرف صغائر کی مغفرت مراد ہے۔

واضح رہے کہ پہلی قسم کی بشارت سے متعلق بھی یہ کہنا محلِ نظر ہے کہ ان اعمال سے صرف صغائر معاف ہوں گے۔ ہماری نظر میں اس قسم کی بشارت سے متعلق جب نصوص میں کوئی تفریق نہیں ہے تو ہمیں بھی کوئی تفریق نہیں کرنی چاہیے اور معاملہ اللہ پر چھوڑ دینا چاہیے، اللہ چاہے تو صغائر بھی معاف کر سکتا ہے اور کبائر بھی معاف کر سکتا ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔[2]

---

[1] منهاج السنة (٤/ ٥٧٢)

[2] دیکھیں: صحيح الترغيب للألباني (١/ ٢٦٤) مكتبة المعارف.

نیز علی الاطلاق یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ حقوق العباد والے گناہ ازخود معاف نہیں کر سکتا، کیوں کہ ابھی ہم نے بخاری کی حدیث کا حوالہ دیا کہ بنو اسرائیل کے ایک شخص نے سو قتل کیے تھے، لیکن اللہ نے از خود اسے معاف کر دیا، حالاں کہ سو لوگوں کا قتل واضح طور پر حقوق العباد سے متعلق گناہ ہے۔ بہرحال چونکہ جیشِ مغفور کی بشارت اس قسم سے ہے ہی نہیں، اس لیے ہم اس سلسلے میں تفصیل پیش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ تفصیل کے خواہش مند حضرات ہماری کتاب ''ماہِ رمضان اور سنن و بدعات'' کی طرف رجوع فرمائیں۔

چوتھا شبہہ: جبراً اور بغیر صحیح نیت کے یزید کی شرکت:

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جیش مغفور میں یزید کی شرکت صحیح نیت سے نہیں ہوئی تھی، بلکہ ان کے والد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جبراً انھیں اس لشکر میں شرکت پر مجبور کیا تھا، لہٰذا جب نیت ہی صحیح نہیں ہے تو کوئی بھی عمل بے کار ہے۔

عرض ہے:

اولاً: یہ بات جس روایت کی بنیاد پر کہی جاتی ہے، وہ جھوٹی اور من گھڑت اور یزید بن معاویہ پر سبائی تہمت ہے۔ ذیل میں ہم اس روایت کی استنادی حیثیت واضح کرتے ہیں۔ اس روایت کی سند ذکر کرتے ہوئے امام احمد بن یحییٰ البلاذری (المتوفی: ۲۷۹ھ) نے کہا:

''حدثني أبو مسعود الكوفي عن عوانة عن أبيه قال: أغزىٰ معاوية الناس في سنة خمسين، و عليهم سفيان بن عوف، وأمر يزيد بالغزو فتثاقل، واعتل فأمسك عنه، وأصاب الناس في غزاتهم جوع و أمراض، فأنشأ يزيد يقول: ما إن أبالي بما لاقت جموعهم... بالقرقذونة من جوع ومن موم... إذا اتكأت علىٰ الأنماط في غرف... بدير مران عندي أم كلثوم... وأم كلثوم امرأته، وهي بنت عبد الله بن عامر بن كريز، فبلغ معاوية شعره، فأقسم عليه ليلحقن بسفيان في أرض الروم ليصيبه ما أصاب الناس، ولو مات، فلحق به...''[1]

[1] أنساب الأشراف للبلاذري (٥/ ٨٦)

''معاویہ نے ۵۰ ہجری میں لوگوں کو غزوے کے لیے بھیجا تو امیر سفیان بن عوف کو بنایا اور یزید کو حکم دیا کہ وہ بھی ان میں شامل ہو، لیکن یزید نے ٹال مٹول کیا اور شامل نہیں ہوا، اس غزوے میں لوگوں کو بھوک اور بیماریاں لاحق ہوئیں تو یزید نے کہا: مجھے کوئی فکر نہیں کہ لوگ مقام قرقذونہ میں بھوک اور بیماریوں سے مر رہے ہیں، جبکہ میں دیرمران کے کمروں میں تکیہ لگائے آرام فرما ہوں اور میرے پاس اُم کلثوم بھی ہے۔ ام کلثوم یزید کی بیوی تھی اور یہ بنت عبداللہ بن عامر بن کریز تھی۔ جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو یزید کے ان اشعار کا پتا چلا تو انھوں نے قسم کھائی کہ وہ یزید کو بھی روم میں اسی جگہ بھیج دیں گے، تاکہ جو تکالیف دوسرے مسلمانوں کو لاحق ہوئی ہیں، وہ اسے بھی لاحق ہوں، خواہ یہ مر ہی کیوں نہ جائے۔ پھر (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے جبر کے بعد) یزید بھی اس فوج سے جا ملا...۔''

یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔ اس کی سند کا کوئی ایک راوی بھی ثقہ نہیں ہے:

الف: ابومسعود ابن لقتات الکوفی کا ترجمہ کہیں نہیں ملتا۔ یہ مجہول اور نا معلوم شخص ہے۔

ب: عوانہ بن الحکم بھی مختلف فیہ ہے، بعض نے تو اسے متہم بھی کہا ہے۔[1]

ج: عوانہ کا باپ یعنی حکم بن عوانہ بھی نامعلوم شخص ہے۔

لہٰذا یہ روایت خود ساختہ اور من گھڑت ہے۔ ابو الفرج الاصفہانی (المتوفی: ۳۶۵ھ) نے اس روایت کی ایک دوسری سند پیش کرتے ہوئے کہا ہے:

"أخبرني علي بن سليمان الأخفش قال: حدثني السكري والمبرد عن دماذ أبي غسان، واسمه رفيع بن سلمة عن أبي عبيدة أن معاوية..."[2]

یہ سند بھی سخت ضعیف بلکہ باطل ہے۔ ''دماذ رفیع بن سلمہ عبدی'' بہت ہی بدزبان شاعر تھا۔ یاقوت، الحموی (المتوفی: ۶۲۶) نے کہا:

"وكان شاعرا هجّاء خبيث اللسان"[3]

''یہ لوگوں کی برائیاں بیان کرنے والا اور اور بدزبان تھا۔''

---

[1] أعلام للزركلي (٥/ ٩٣)

[2] الأغاني لأبي الفرج الأصبهاني (١٧/ ٢١١)

[3] إرشاد الأريب (٣/ ١٣٠٧)

نیز ابو عبیدہ کی پیدائش ۱۱۰ ہجری میں ہوئی ہے،[1] جبکہ قسطنطنیہ پر حملے کا واقعہ ۵۲ ہجری کا ہے۔ درمیان میں ۵۸ سال کا فاصلہ ہے۔ معلوم ہوا کہ ابو عبیدہ نے یہ بات کسی مجہول شخص کے واسطے سے بیان کی ہے اور اس مجہول شخص کا حال تو دور کی بات، اس کا نام تک معلوم نہیں۔

امام ابن عساکر نے اسے ایک تیسری سند سے روایت کیا ہے، لیکن اس میں اصل روایت کو بیان کرنے والا ''محمد بن داب'' کذاب ہے۔ كما سيأتي.[2]

ثانیاً: اگر لشکرِ قسطنطنیہ میں یزید کی شرکت صحیح نیت سے نہ ہوئی ہوتی تو جیش مغفور میں اس کا استثنا کر دیا جاتا، کیوں کہ جیش مغفور والی حدیث میں مغفرت کا وعدہ نہیں، بلکہ مغفرت کی خبر ہے، یعنی یہ بشارت کی دوسری قسم ہے، جس کی تفصیل اس سے قبل پیش کی جا چکی ہے، لہٰذا جب اس لشکر کی مغفرت کی خبر دے دی گئی تو یہ بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ اس لشکر میں سب کی نیت خالص تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جن کی نیت بھی خالص نہ ہوتی ان کا استثنا کر دیا جاتا اور مغفرت کی خبر میں انھیں شامل نہ کیا جاتا۔

چناں چہ ایک اور حدیث میں ایک خاص جماعت کے لیے مغفرت کی بشارت ہے، لیکن چونکہ اس جماعت میں ایک شخص مغفرت کا مستحق نہیں تھا، کیوں کہ وہ صحیح نیت والا نہیں تھا، بعض محدثین کے بقول وہ منافق تھا، اس لیے اسی حدیث کے اندر ہی اس شخص کا استثنا بھی ذکر کر دیا گیا، چناں چہ امام مسلم رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۱) نے کہا:

''حدثنا عبيد الله بن معاذ العنبري، حدثنا أبي، حدثنا قرة بن خالد، عن أبي الزبير، عن جابر بن عبد الله، قال: قال رسول الله ﷺ: من يصعد الثنية، ثنية المرار، فإنه يحط عنه ما حط عن بني إسرائيل؟ قال: فكان أول من صعدها خيلنا، خيل بني الخزرج، ثم تتام الناس، فقال رسول الله ﷺ: وكلكم مغفور له، إلا صاحب الجمل الأحمر، فأتيناه فقلنا له: تعال، يستغفر لك رسول الله ﷺ، فقال: والله لأن أجد ضالتي أحب إلي

---

[1] سير أعلام النبلاء (۹/ ٤٤٥) ط الرسالة.

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۶۴۲) دیکھیں۔

من أن يستغفر لي صاحبكم. قال: وكان رجل ينشد ضالة له"[1]

''سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو ثنیہ المرار گھاٹی پر چڑھے گا، اس کے گناہ اس سے اسی طرح ختم ہو جائیں گے، جس طرح بنی اسرائیل سے ان کے گناہ ختم ہوئے تھے، پس سب سے پہلے اس پر چڑھنے والا ہمارا شہسوار یعنی بنو خزرج کے گھوڑے چڑھے، پھر دوسرے لوگ یکے بعد دیگر ے چڑھنا شروع ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سب کے سب بخش دیے گئے ہو، سوائے سرخ اونٹ والے آدمی کے۔ ہم اس کے پاس گئے اور اس سے کہا: چلو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرے لیے مغفرت طلب کریں گے، اس نے کہا: اللہ کی قسم! اگر میں اپنی گمشدہ چیز کو حاصل کروں تو جو میرے نزدیک تمھارے ساتھی کی میرے لیے مغفرت مانگنے سے زیادہ پسندیدہ ہے اور وہ آدمی اپنی گمشدہ چیز تلاش کر رہا تھا۔''

اس حدیث میں غور کیجیے کہ ایک خاص جماعت سے متعلق مغفرت کی بشارت دینے کے ساتھ ساتھ ایک شخص کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے، کیوں کہ وہ مغفرت کا اہل نہیں تھا، اس لیے اس خبر میں اس کی مغفرت کو شامل نہیں کیا گیا۔ لیکن جیش مغفور میں کسی بھی شخص کا استثنا نہیں ہے، بلکہ بالعموم سب کے لیے مغفرت کی خبر ہے، جو اس بات دلیل ہے کہ اس جماعت سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس لشکر میں شرکت کرنے والے سارے لوگوں کی نیت خالص تھی اور وہ مغفور ہیں۔

پانچواں شبہہ: بعد کی بداعمالیوں کے سبب یزید کا استثناء:

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ جیشِ مغفور کی بشارتِ مغفرت میں شامل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ مغفرت کی شرط بھی پائی جائے، یعنی آدمی مغفرت کے قابل ہو، لیکن اگر کسی نے اس لشکر میں شرکت کی اور بعد میں مرتد ہوگیا یا مغفرت کے منافی امور انجام دیے تو وہ اس بشارت سے محروم ہو جائے گا اور یزید نے بعد میں بہت سارے جرائم کا ارتکاب کرکے اپنے آپ کو اس بشارت سے محروم کر دیا ہے۔

عرض ہے کہ اس غلط فہمی کی بنیاد بھی یہی ہے کہ جیشِ مغفور کی بشارت کو پہلی قسم کی بشارت

---

[1] صحيح مسلم (٣/ ٢١٤٤) رقم الحديث (٢٧٨٠)

مانی جا رہی ہے، جس میں افراد یا جماعت کا تعین نہیں ہوتا ہے، حالاں کہ ہم اوپر واضح کر چکے ہیں کہ یہ دوسری قسم کی بشارت ہے، جس میں افراد و جماعت کا تعین کر دیا گیا ہے اور اس قسم کی بشارت میں خاص افراد یا جماعت کی مغفرت کی خبر ہوتی ہے، جو مغفرت کی قطعیت پر دلالت کرتی ہے، کیوں کہ یہ بشارت اللہ کی طرف سے خبر ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان افراد و جماعت کے ماضی و مستقبل کا پورا حال معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے سابقہ اور مستقبل کے اعمال پر مطلع ہونے کی وجہ سے بشارت دی ہے۔

اگر ان لوگوں میں سے کوئی بھی بعد میں مرتد ہونے والا تھا یا مغفرت کے منافی امور انجام دینے والا تھا تو یہ بات اللہ کے علم سے باہر نہیں ہوتی اور اللہ کی طرف سے زبانِ رسالت سے ان لوگوں کا استثنا ہو جاتا، جیسا کہ ماقبل میں صحیح مسلم کے حوالے سے اس طرح کے استثنا کی ایک مثال پیش کی گئی ہے، لیکن جیشِ مغفور میں کسی بھی شخص کا استثنا نہیں ہے، بلکہ بالعموم سب کے لیے مغفرت کی خبر ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس جماعت سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہے، ورنہ بغیر استثنا کے سارے لوگوں کے لیے مغفرت کی خبر نہ دی جاتی۔

یاد رہے جیش مغفور میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مغفرت کی خبر ہے، اس لیے استثنائی دلیل بھی ایسی ہی ہونی چاہیے، جس میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے عدمِ مغفرت کی خبر ہو، کیوں کہ خبر دینے والا ہی استثنا کا حق رکھتا ہے، لہٰذا جو لوگ تاریخی کتب سے امتیوں کی باتیں، وہ بھی عدمِ مغفرت کی نہیں، بلکہ گناہوں کی فہرست اور وہ بھی جھوٹی اور من گھڑت پیش کر کے یہ کہتے ہیں کہ ان کی بنیاد پر یزید اس بشارت سے خارج ہے، وہ بہت بڑی حماقت اور جہالت میں ہیں:

اولاً: یہ امتیوں کی باتیں ہیں اور امتی کی بات سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات میں استثنا نہیں ہوسکتا۔

ثانیاً: یہ باتیں بھی عدمِ مغفرت کی خبر نہیں، بلکہ محض چند برے اعمال کی فہرست ہوتی ہے اور ان دونوں میں کوئی مناسبت ہی نہیں ہے، کہاں مغفرت کی خبر اور کہاں گناہوں کی فہرست؟ بھلا ان دونوں میں کیا مناسبت ہے؟

ثالثاً: یہ باتیں سچے انسانوں کی بھی نہیں ہیں، بلکہ دشمنانِ اسلام کی من گھڑت اور خود ساختہ روایات

ہیں۔ لہٰذا اس طرح کی باتیں پیش کرکے یہ دعویٰ کرنا کہ یزید جیش مغفور کی بشارت سے مستثنیٰ ہے، ہماری نظر میں نری جہالت اور بہت بڑی حماقت ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے، جیسے کوئی شخص اصحابِ بدر میں سے کسی بدری صحابی سے متعلق تاریخ سے جھوٹی باتیں اکٹھا کرکے یہ کہنے لگ جائے کہ یہ بدری صحابی اصحابِ بدر سے متعلق مغفرت کی بشارت سے مستثنیٰ ہیں۔

یاد رہے کہ بعض بدری صحابہ سے متعلق تاریخ میں جھوٹی باتیں درج ہیں، جن کے سہارے روافض ان کی توہین کرتے اور اُن کے جنتی ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ یہاں پر ہم یہی کہیں گے کہ یہ ساری باتیں جھوٹی اور من گھڑت ہیں اور جو کچھ بھی ہیں، انسانوں کی بیان کردہ باتیں ہیں، جن کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے دی گئی خبر کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

نیز اگر ان باتوں میں کچھ باتیں ثابت بھی ہو جائیں تو بھی ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے مغفرت کی خبر نہیں جھٹلا سکتے، کیوں کہ اللہ نے جب ان کی مغفرت کی خبر دی ہے تو ظاہر ہے کہ اللہ نے یہ خبر ان کے ماضی اور مستقبل کے تمام اعمال جاننے کے بعد ہی دی ہے، لہٰذا ان باتوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے، کیوں کہ یہ باتیں اللہ کو پہلے ہی سے معلوم تھیں، پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ذریعے سے ان کی مغفرت کی خبر دے دی ہے۔

چناں چہ حاطب بن ابی بلتعہ ایک بدری صحابی ہیں۔ بدر سے ایک عرصے کے بعد انھوں نے جاسوسی کرتے ہوئے مسلمانوں کے خفیہ راز سے مشرکین کو آگاہ کر دیا تو اس پر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انھیں منافق کہا اور ان کی گردن مارنے کی اجازت طلب کی، لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"إنه قد شهد بدرا، وما يدريك لعل الله أن يكون قد اطلع علىٰ أهل بدر فقال: اعملوا ما شئتم، فقد غفرت لكم"[1]

"انھوں نے بدر میں شرکت کی ہے اور تمھیں کیا پتا کہ اللہ تعالیٰ اہلِ بدر کے معاملات پر آگاہ ہوا اور اس کے بعد کہا: تم کیسا بھی عمل کرو، میں نے تمھاری مغفرت کر دی ہے۔"

ٹھیک اسی طرح جیشِ مغفور میں شرکت کرنے والے ہر فرد کے بارے میں بھی ہم یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ماضی اور مستقبل کے تمام کارناموں پر مطلع ہوکر مغفرت کی خبر دی ہے،

[1] صحيح البخاري (٤/ ٦٠) رقم الحديث (٣٠٠٧)

اس لیے اگر یزید کی سیرت میں بالفرض کچھ غیر مناسب باتیں مل بھی جائیں تو بھی ہم یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی سے اس کا علم تھا، اس کے باوجود بھی اللہ نے اس گروہ کے لیے مغفرت کی بشارت دی ہے، لہٰذا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بعد کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ یزید کو اس عمومی مغفرت سے باہر نکالنے کی جرأت کرے۔ وہ بھی جھوٹی اور من گھڑت باتوں کا سہارا لے کر!!

ب: صحابہ کرام کی گواہیاں

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ولی عہد مقرر کرنا:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے باہم مشورہ اور غور وفکر کرنے کے بعد یزید بن معاویہ کو ولی عہد مقرر کر دیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر اور صاحبِ فضیلت صحابی ہیں۔ آپ اپنے بیٹے یزید کی پوری سیرت سے اچھی طرح آگاہ تھے، لہٰذا آپ کی طرف سے یزید کی ولی عہدی کا فیصلہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی نظر میں یزید اخلاق و کردار کے حساب سے ایک اچھے انسان تھے۔

صحابی رسول ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ یزید کے زیرِ امارت:

یہ بات متفق علیہ ہے کہ صحابی رسول ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے یزید بن معاویہ کی زیر امارت لشکر میں قسطنطنیہ پر حملہ کیا۔ آپ کا یزید بن معاویہ کی امارت میں جہاد کرنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی نظر میں یزید امارت کی اہلیت رکھتے تھے اور یزید کے اخلاق و کردار میں کوئی قابلِ اعتراض بات نہ تھی، ورنہ اس موقع پر ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے انکار ضرور منقول ہوتا، لیکن ایسا کچھ منقول نہیں۔

تنبیہ:

بعض لوگ ایک روایت پیش کرکے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے یزید بن معاویہ کو لشکرِ قسطنطنیہ کا امیر بنائے جانے پر اعتراض کیا تھا۔

چناں چہ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰) نے کہا:

”أخبرنا إسماعيل بن إبراهيم الأسدي، عن أيوب، عن محمد قال: ”شهد أبو أيوب بدرا، ثم لم يتخلف عن غزاة للمسلمين إلا هو في أخرى، إلا عاما واحدا فإنه استعمل علىٰ الجيش رجل شاب فقعد

ذلك العام، فجعل بعد ذاك العام يتلهف، ويقول: ما عليَّ من استعمل علي، وما على من استعمل علي، وما على من استعمل علي. قال: فمرض، وعلىٰ الجيش يزيد بن معاوية، فأتاه يعوده فقال: حاجتك؟ قال: نعم، حاجتي إذا أنا مت فاركب بي، ثم سغ بي في أرض العدو ما وجدت مساغا، فإذا لم تجد مساغا فادفني، ثم ارجع، فلما مات ركب به، ثم سار به في أرض العدو ما وجد مساغا، ثم دفنه، ثم رجع"[1]

''محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے بدر میں شرکت کی، پھر آپ مسلمانوں کے کسی بھی غزوے سے پیچھے نہیں رہے، بلکہ سب میں شریک رہے، سوائے ایک سال کے جب لشکر پر ایک نوجوان شخص کو امیر بنا دیا گیا تو اس سال ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ گھر پر ہی بیٹھے رہے، لیکن اس سال کے بعد آپ کہنے لگے: مجھے اس سے کیا لینا دینا کہ مجھ پر کسے امیر بنایا جاتا ہے؟ مجھے اس سے کیا لینا دینا کہ مجھ پر کسے امیر بنایا جاتا ہے؟ مجھے اس سے کیا لینا دینا کہ مجھ پر کسے امیر بنایا جاتا ہے؟ راوی کہتے ہیں کہ چناں چہ ایک بار ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ جہاد ہی کے دوران میں بیمار ہوگئے اور لشکر کے امیر یزید بن معاویہ تھے تو یزید بن معاویہ ان کی عیادت کے لیے آئے اور کہا: آپ کی کوئی خواہش ہے؟ تو ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں! جب میری وفات ہو جائے تو مجھے اُٹھا کر دشمن کی زمین کی طرف لے جانا، جہاں تک لے جاسکو اور جہاں سے آگے نہ جاسکو، وہیں پر مجھے دفن کرکے واپس آ جانا۔ چناں چہ جب آپ کی وفات ہوئی تو یزید بن معاویہ آپ کو لے کر دشمن کی زمین کی طرف جہاں تک لے جاسکتے تھے، لے گئے اور آپ کو وہیں دفن کیا، پھر واپس آ گئے۔''

عرض ہے:

اولاً: یہ روایت ضعیف ہے، کیوں کہ اس کی سند مرسل و منقطع ہے۔ اسے بیان کرنے والے محمد بن سیرین ہیں اور آپ ارسال کرنے میں معروف ہیں۔[2]

---

[1] الطبقات الكبرى (٣/ ٤٨٥) و إسناده ضعيف.

[2] جامع التحصيل للعلائي (ص: ٢٦٤)

آپ نے ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا دور نہیں پایا ہے۔ محدثین نے ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں ان کا تذکرہ نہیں کیا، بلکہ وہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث افلح مولی ابو ایوب کے واسطے سے بیان کرتے ہیں۔[1] یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کا سماع ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں۔

ثانیاً: اس روایت میں جس نوجوان کی امارت پر ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا اعتراض منقول ہے، اس سے مراد یزید بن معاویہ نہیں ہیں، کیوں کہ اسی روایت کے دوسرے طریق میں یہ صراحت ہے کہ اس سے مراد ''عبدالملک بن مروان'' ہے، چناں چہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲) نے کہا:

''ورواه أبو إسحاق الفزاري عن هشام عن محمد، وسمىٰ الشاب: عبد الملك بن مروان''[2]

''امام ابو اسحاق فزاری نے اسی روایت کو ہشام کے ذریعے سے محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے اور اس میں اس نوجوان امیر کا نام ''عبدالملک بن مروان'' بتایا ہے۔''

معلوم ہوا کہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے جس نوجوان کی امارت پر اعتراض کیا تھا، وہ یزید نہیں تھے۔ اس روایت سے تو یزید کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، کیوں کہ یزید کی امارت میں آپ نے آخری جہاد کیا ہے اور اس موقع پر آپ نے یزید کی امارت پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

صحابیِ رسول عبداللہ بن عباس کا یزید کو نیک اور صالح قرار دینا:

امام احمد بن یحییٰ البلاذری (المتوفی: ۲۷۹) اپنے استاذ امام مدائنی (المتوفی: ۲۱۵) سے نقل کرتے ہیں:

''الْمَدَائِنِيّ عَنْ عبد الرحمن بْن مُعَاوِيَة قَالَ: قَالَ عامر بْن مسعود الجمحي: إنا لبمكة إذ مر بنا بريد ينعى مُعَاوِيَة، فنهضنا إلىٰ ابن عباس، وهو بمكة، وعنده جماعة، وقد وضعت المائدة، ولم يؤت بالطعام، فقلنا له: يا أبا العباس! جاء البريد بموت معاوية فوجم طويلًا، ثم قَالَ: اللّهم أوسع لِمُعَاوِيَةَ، أما واللّه ما كان مثل من قبله، ولا

[1] مصنف ابن أبي شيبة (١/ ١٦١)

[2] الإصابة لابن حجر (٢/ ٢٣٤) و كذا قال ابن عساكر في تاريخ دمشق لابن عساكر (١٦/ ٥٩) و إسناده صحيح إلىٰ ابن سيرين.

يأتي بعده مثله، وإن ابنه يزيد لمن صالحي أهله فالزموا مجالسكم، وأعطوا طاعتكم وبيعتكم، هاتِ طعامَك يا غلام، قَالَ: فبينا نحن كذلك إذ جاء رسول خالد بُن العاص، وهو علىٰ مَكَّة يدعوه للبيعة فَقَالَ: قل له: اِقض حاجتَك فيما بينك وبين من حضرك فإذا أمسينا جئتك، فرجع الرسول فَقَالَ: لا بدّ من حضورك فمضىٰ فبايع"[1]

''عامر بن مسعود کہتے ہیں کہ ہم مکے میں تھے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر دینے والا ہمارے پاس سے گزرا تو ہم عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس پہنچے، وہ بھی مکے ہی میں تھے، ان کے ساتھ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور دسترخوان لگایا جا چکا تھا، لیکن ابھی کھانا نہیں آیا تھا تو ہم نے ان سے کہا: اے ابو العباس! ایک قاصد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر لایا ہے۔ یہ سن کر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کچھ دیر تک خاموش رہے، پھر فرمایا: اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ پر اپنی رحمت وسیع فرما۔ یقیناً آپ ان لوگوں کے مثل تو نہ تھے، جو آپ سے پہلے گزر چکے، لیکن آپ کے بعد بھی آپ جیسا کوئی نہ دیکھنے کو ملے گا اور آپ کے صاحبزادے یزید بن معاویہ آپ کے خاندان کے نیک وصالح شخص ہیں، اس لیے آپ لوگ اپنی اپنی جگہ اطمینان رکھیے اور ان کی اطاعت اور بیعت کر لیجیے! (اس کے بعد غلام سے کہا) اے غلام! کھانا لے آؤ۔ عامر بن مسعود کہتے ہیں کہ ہم اسی حالت میں تھے کہ خالد بن العاص مخزومی رضی اللہ عنہ کا قاصد آیا، وہ اس وقت مکے کے عامل تھے، اس نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بیعت کے لیے بلایا تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان سے کہہ دو کہ پہلے دوسرے لوگوں کے ساتھ اپنا کام ختم کر لیں اور شام ہوگی تو ہم ان کے پاس آ جائیں گے۔ (یہ سن کر قاصد چلا گیا) اور پھر واپس آیا اور کہا: آپ کا حاضر ہونا ضروری ہے، **پھر آپ گئے اور (یزید کی) بیعت کر لی۔**''

اس روایت کی سند کم از کم حسن لذاتہ ہے۔ معاصرین میں سے دکتور محمد بن ہادی الشیبانی اور شیخ شحاتہ محمد صقر نے بھی اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔ كما سيأتي.

اس سند کے تمام راویوں کا تعارف ملاحظہ ہو:

---

[1] أنساب الأشراف للبلاذري (٥/ ٣٠٢ـ ٣٠٣) و إسناده حسن لذاته.

عامر بن مسعود بن امیہ بن خلف بن وہب القرشی الجمحی:

❁ امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۴۵) نے انھیں ثقہ کہا ہے، چناں چہ آپ نے انھیں ثقات میں ذکر کرتے ہوئے کہا: ”عامر بن مسعود“[1]

نیز ان سے کئی ثقات نے روایت لی ہے، علامہ البانی رحمہ اللہ کا اصول ہے کہ جسے امام ابن حبان ثقہ کہہ دیں اور متعدد ثقات اس سے روایت لے لیں (اور اس کی مرویات میں نکارت نہ ملے) تو وہ ثقہ ہوتا ہے۔

❁ امام ہیثمی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۰۷ھ) نے بھی انھیں ثقہ کہا ہے، چناں چہ آپ نے کہا:

”رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِيُ الْكَبِيرِ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، إِلَّا أَنَّ عَامِرَ بُنَ مَسُعُودٍ اُخُتُلِفَ فِيُ صُحُبَتِهِ“[2]

”اسے طبرانی نے ”المعجم الكبير“ میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں، مگر عامر بن مسعود کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔“

❁ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۱ھ) نے آپ کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔[3] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲) نے کہا:

”قلت: صحح ابن خزيمة حديثه، ومقتضاه أن يكون عنده من الثقات“[4]

”حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابن خزیمہ نے ان کی حدیث کو صحیح کہا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ ثقہ ہیں۔“

❁ امام ضیاء المقدسی رحمہ اللہ (المتوفی: ٦٤٣) نے بھی ”الأحاديث المختارة“ میں ان کی روایت لی ہے۔[5]

---

[1] الثقات لابن حبان (٥/ ١٩٠)

[2] مجمع الزوائد ومنبع الفوائد (٢/ ٩٢)

[3] ملاحظہ ہو: صحيح ابن خزيمة (٣/ ٣٠٩) رقم الحديث (٢١٤٥)

[4] تعجيل المنفعة لابن حجر (ص: ٢٤٨)

[5] دیکھیں: المستخرج من الأحاديث المختارة مما لم يخرجه البخاري ومسلم في صحيحيهما (٨/ ٢٠٨) وقال المحقق: إسناده حسن.

فائدہ:

عامر بن مسعود رحمہ اللہ کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، چناں چہ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸) نے کہا:

”عامر بن مسعود أبو سعد، وقيل: أبو سعيد الزرقي الأنصاري المدني مختلف في صحبته“[1]

”عامر بن مسعود، ان کی کنیت ابو سعد ہے اور بعض نے ابو سعید کہا ہے۔ یہ زرقی اور انصاری ہیں، ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔“

لیکن راجح یہی ہے کہ یہ صحابی نہیں ہیں۔

- چناں چہ امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳) نے کہا: ”ليس له صحبة“[2] ”یہ صحابی نہیں ہیں۔“
- امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶) نے کہا:

”عامر بن مسعود لا صحبة له، ولا سماع من النبي ﷺ“[3]

یہ نہ تو اللہ کے نبی ﷺ کے صحابی ہیں اور نہ انھوں نے اللہ کے نبی ﷺ سے کچھ سنا ہے۔

- امام فسوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷ھ) نے کہا:

”ليس له صحبة“[4] ”یہ صحابی نہیں ہیں۔“

- امام ترمذی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۹ھ) نے کہا:

”هذا حديث مرسل، عامر بن مسعود لم يدرك النبي ﷺ“[5]

”یہ مرسل حدیث ہے۔ عامر بن مسعود نے اللہ کے نبی ﷺ کو نہیں پایا ہے۔“

- امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴ھ) نے کہا:

”ومن زعم أن له صحبة بلا دلالة فقد وهم“[6]

---

[1] تاريخ الإسلام للذهبي (٥/ ١٤٣)

[2] تاريخ ابن معين۔ رواية الدوري (٣/ ١٢٠)

[3] العلل الكبير للترمذي (ص: ١٢٧)

[4] المعرفة والتاريخ (٣/ ١٥٢)

[5] سنن الترمذي (٣/ ١٥٣)

[6] الثقات لابن حبان (٥/ ١٩٠)

''جس نے بغیر دلیل کے یہ سمجھ لیا ہے کہ عامر بن مسعود صحابی ہیں، وہ وہم کا شکار ہے۔''

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

''والأكثرون قالوا: إن حديثه مرسل، فتكون الصحبة لأبيه''[1]

''اکثریت نے کہا ہے کہ ان کی حدیث مرسل ہے، لہٰذا صحبت ان کے والد کو حاصل ہے۔''

یاد رہے کہ بعض لوگوں کا یہ اصول ہے کہ جس راوی کے صحابی ہونے میں اختلاف ہو، ایسا راوی حسن الحدیث ہوتا ہے، خواہ اس کی صحابیت ثابت ہو یا نہ ہو۔ جو لوگ اس اصول کو صحیح سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک صحابیت کا اختلاف بھی عامر بن مسعود کے ثقہ یا کم از کم حسن الحدیث ہونے کی دلیل ہے۔ زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''جس کے صحابی ہونے میں اختلاف ہو اور جرح مفسر ثابت نہ ہو تو وہ حسن الحدیث راوی ہوتا ہے۔''[2]

عرض ہے کہ عامر بن مسعود پر جرح مفسر تو دور کی بات، سرے سے کوئی جرح ہی ثابت نہیں۔ لہٰذا زبیر علی زئی صاحب کے اصول کے مطابق عامر بن مسعود کے حسن الحدیث ہونے کی یہ بھی ایک دلیل ہے۔ واضح رہے کہ ہمارے نزدیک یہ کہنا کہ جس راوی کے صحابی ہونے میں اختلاف ہو، وہ راوی کم از کم حسن الحدیث ضرور ہوتا ہے، محل نظر ہے۔ ہمیں اصولِ حدیث کی کسی کتاب میں یہ قاعدہ نہیں ملا، بلکہ اس سلسلے میں زبیر علی زئی صاحب نے صرف حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی درج ذیل عبارت کا حوالہ دیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ''اسماء بنت سعید بن زید بن عمرو'' کے بارے میں فرماتے ہیں:

''وَأَمَّا حَالُهَا فَقَدْ ذُكِرَتْ فِي الصَّحَابَةِ، وَإِنْ لَمْ يَثْبُتْ لَهَا صُحْبَةٌ فَمِثْلُهَا لَا يُسْأَلُ عَنْ حَالِهَا''[3]

''جہاں تک ان کی حالت کی بات ہے تو انھیں صحابہ میں ذکر کیا گیا ہے اور اگرچہ ان کی صحابیت ثابت نہ ہو، پھر بھی آپ جیسے لوگوں کی حالت تعارف کی محتاج نہیں ہے۔''

---

[1] الإصابة لابن حجر (٦/ ٩٤)

[2] دیکھیں: التلخيص الحبير (١/ ٧٤) رقم الحديث (٧٠) وغيره (فتاوى علمية: ١/ ٤٨٤)

[3] تلخيص الحبير (١/ ٧٤)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی اسی عبارت سے یہ اصول اخذ کیا جا رہا ہے کہ جس راوی کے صحابی ہونے میں اختلاف ہو، وہ ثقہ یا حسن الحدیث ہوتا ہے۔ عرض ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مذکورہ بات بطور اصول نہیں کہی ہے، بلکہ خاص ''اسماء بنت سعید بن زید بن عمرو'' کے بارے میں ایسا کہا ہے اور یہ بات قرائن کی بنیاد پر کہی ہے نہ کہ صرف اس بنیاد پر کہ ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔

اس بات کی دلیل یہ ہے کہ خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی متعدد مقامات پر مختلف فیہ صحابیت والے ایسے رواۃ کو مجہول کہا ہے، جن پر کوئی جرح نہیں ملتی ہے۔[1] بہر حال ہمارے نزدیک راجح بات یہی ہے کہ عامر بن مسعود رحمہ اللہ صحابی نہیں، بلکہ تابعی ہیں اور ان کی توثیق ہم نے اوپر پیش کر دی ہے۔

عبد الرحمٰن بن معاویہ، ابو الحویرث:

''عبدالرحمان بن معاویہ'' سے مراد ''عبدالرحمان بن معاویہ ابو الحویرث'' ہیں، کیوں کہ اس طبقے میں عبدالرحمان بن معاویہ کے نام سے صرف یہی مشہور ہیں اور کسی طبقے میں مطلق جب کسی راوی کا نام ذکر ہو تو اس نام سے جو مشہور راوی ہوتا ہے، وہی مراد ہوتا ہے۔

نیز ''عبدالرحمٰن بن معاویہ ابو الحویرث'' یہ انصاری، زرقی اور مدنی ہیں۔[2] اور یہاں یہ ''عامر بن مسعود'' سے روایت کر رہے ہیں اور عامر بن مسعود بھی انصاری، زرقی اور مدنی ہیں۔[3]

قبیلہ، نسبت اور علاقے کی یکسانیت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں یہی مراد ہیں۔ اس بابت مزید تفصیل پیش کی جا سکتی ہے، لیکن چونکہ اس روایت پر بحث کرنے والے تمام لوگوں نے یہاں بالاتفاق اسی راوی کو مراد لیا ہے، اس لیے مزید تفصیل پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔

یہ راوی ''عبدالرحمٰن بن معاویہ ابو الحویرث'' ثقہ ہیں یا کم ازکم حسن الحدیث ضرور ہیں، جمہور محدثین نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے، ان پر کی گئی جرح غیر مفسر ہے، نیز عام طور سے متشددین نے ان پر جرح کی ہے اور بعض جروح ان کی تضعیف پر دلالت ہی نہیں کرتیں۔ ہم نے ان کی توثیق پر الگ سے ایک مفصل مقالہ ''التائیدات السماویة في توثیق عبدالرحمن بن معاویة'' لکھا ہے،

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: تحفة الأبرار في تحقيق أثر مالك الدار (ص: ٥٢ تا ٨٥)

[2] دیکھیں: تهذيب الكمال للمزي (١٧/ ٤١٤)

[3] دیکھیں: تاريخ الإسلام (٢/ ٦٥٦)

جن میں جمہور اہلِ علم سے اس راوی کی توثیق پیش کی ہے اور اس راوی پر کی گئی جروح کا جائزہ لیا ہے۔ تفصیل کے لیے اس مقالے کی طرف رجوع کریں۔ [1]

علی بن محمد، القرشی، المدائنی:

آپ زبردست ثقہ اور امام ہیں۔ کئی کتب کے مصنف ہیں۔ کسی بھی محدث نے انھیں ضعیف نہیں کہا ہے۔

- امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳) نے کہا:

"ثقة ثقة ثقة" [2] "آپ ثقہ ہیں، آپ ثقہ ہیں، آپ ثقہ ہیں۔"

- امام ابن الجوزی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۹۷) نے کہا:

"وَكَانَ من الثقات، أهل الخير" [3]

"آپ ثقات اور اہلِ خیر لوگوں میں سے تھے۔"

- ابوعبداللہ یاقوت بن عبداللہ الحموی رحمہ اللہ (المتوفی: ٦٢٦) نے کہا:

"كان ثقة" [4] "یہ ثقہ تھے۔"

- امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸) نے کہا:

"صدوق فيما ينقله" [5] "آپ اپنی نقل کردہ روایات میں سچے ہیں۔"

- امام صفدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۶۴) نے کہا:

"وكان ثقة" [6] "اور یہ ثقہ تھے۔"

- یوسف بن تغری رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۷۴) نے کہا:

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (٦٦٠۔ ٦٨٦) دیکھیں۔

[2] تاريخ مدينة السلام للخطيب البغدادي (١٣/ ٥١٧) و إسناده حسن.

[3] المنتظم لابن الجوزي (١١/ ٩٥)

[4] إرشاد الأريب إلى معرفة الأديب (٤/ ١٨٥٢)

[5] تاريخ الإسلام (٥/ ٦٣٨)

[6] الوافي بالوفيات للصفدي (٢٢/ ٢٩)

”كان إماما، عالماً، حافظاً، ثقة، وهو صاحب التاريخ؛ وتاريخه أحسن التواريخ“[1]

”یہ امام، عالم، حافظ، ثقہ تھے اور یہ صاحبِ تاریخ تھے، ان کی تاریخ سب سے بہترین تاریخ ہے۔“

فائدہ:

امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۵) نے کہا:

”ليس بالقوي في الحديث“[2] ”یہ حدیث میں قوی نہیں ہیں۔“

عرض ہے کہ اول تو دیگر محدثین کی واضح توثیق کے بالمقابل اس قول کی کوئی حیثیت نہیں، دوسرے یہ کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ کا یہ قول تضعیف پر دلالت نہیں کرتا، کیوں کہ انھوں نے ”ليس بقوي“ نہیں، بلکہ ”ليس بالقوي“ کہا ہے اور ان دونوں صیغوں میں فرق ہے۔ ”ليس بقوي“ بے شک راوی کے ضعیف ہونے پر دلالت کرتا ہے، لیکن امام ابن عدی رحمہ اللہ نے ”ليس بقوي“ نہیں کہا، بلکہ ”ليس بالقوي“ کہا ہے اور یہ ضعیف ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔

چناں چہ امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵) نے کہا:

”وهو إسناد متصل حسن إلا أن ابن عقيل ليس بالقوي“[3]

”یہ سند متصل اور حسن ہے مگر ابن عقیل بہت زیادہ قوی نہیں ہے۔“

غور کریں کہ یہاں امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ابن عقیل کو ”ليس بالقوي“ بھی کہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کی سند کو حسن بھی کہا ہے۔ معلوم ہوا کہ کسی راوی کا ”ليس بالقوي“ ہونا، اس کے حسن الحدیث ہونے کے منافی نہیں ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸) نے کہا:

”ليس بالقوى ليس بجَرْحٍ مُفْسِد“[4]

---

[1] النجوم الزاهرة لابن تغري (۲/ ۲۵۹)

[2] الكامل في الضعفاء (۵/ ۲۱۳)

[3] علل الدارقطني (۱/ ۱۲۹)

[4] الموقظة في علم مصطلح الحديث (ص: ۸۲)

"''لیس بالقوي" فاسد جرح نہیں ہے۔''

❁ امام الجرح والتعدیل علامہ معلّمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وكلمة: ليس بالقوي. إنما تنفي الدرجة الكاملة من القوة"[1]

"''لیس بالقوي" کے الفاظ سے کامل درجے کی قوت کی نفی ہوتی ہے۔''

❁ عظیم محدث علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وأما الآخر فهو قول أبي حاتم: ليس بالقوي، فهذا لا يعني أنه ضعيف، لأنه ليس بمعنىٰ: ليس بقوي، فبين هذا وبين ما قال فرق ظاهر عند أهل العلم"[2]

''امام ابو حاتم کے قول "لیس بالقوي" کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ضعیف ہے، کیوں کہ یہ "لیس بقوي" کے معنی میں نہیں ہے اور اہلِ علم کے نزدیک ان دونوں کے درمیان واضح فرق ہے۔''

❁ مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں:

"مجرد الجرح بكون الراوي: ليس بالقوي، لا ينافي كون حديثه حسناً، إن لم يكن صحيحاً"[3]

''راوی پر محض "لیس بالقوي" کی جرح اس کی حدیث کے صحیح نہیں تو کم از کم حسن ہونے کے منافی نہیں ہے۔''

❁ زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

تیسرے یہ کہ "القوي" نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ قوی بھی نہیں ہیں، واللہ اعلم۔''[4]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس سند کے تمام رواۃ ثقہ ہیں، والحمدللہ۔ امام بلاذری رحمہ اللہ کی توثیق کے لیے اسی کتاب کا صفحہ (۳۵۴ ـ ۳۵۸) دیکھیں۔

---

[1] التنكيل بما في تأنيب الكوثري من الأباطيل (١/ ٤٤٢)

[2] النصيحة بالتحذير من تخريب ابن عبد المنان لكتب الأئمة الرجيحة للشيخ الألباني (ص: ١٨٣)

[3] غيث الغمام علىٰ حواشي إمام الكلام (٤/ ٢٩)

[4] نور العينين، طبع جديد (ص: ٣٨)

اس روایت پر زبیر علی زئی صاحب کے اعتراضات کا جائزہ:

یزید کے بعض مخالفین نے میرے اس مضمون کو زبیر علی زئی صاحب کے سامنے پیش کیا اور موصوف نے اس کی سند پر دو اعتراض کیے۔ اگلی سطور میں اللہ کے فضل وکرم سے ان دونوں اعتراضات کی مفصل تردید پیشِ خدمت ہے۔

پہلا اعتراض:

زبیر علی زئی صاحب نے کہا:

''اس روایت کے راوی ابو الحویرث عبدالرحمٰن بن معاویہ بن الحویرث الانصاری الزرقی المدنی کے بارے میں حافظ ہیثمی نے فرمایا: "والأكثر علىٰ تضعيفه" (مجمع الزوائد: ۱/ ۳۲) اور اکثر (جمہور) نے انھیں ضعیف قرار دیا ہے۔''[1]

عرض ہے:

اولاً: خود امام ہیثمی رحمہ اللہ نے ابو الحویرث عبدالرحمٰن بن معاویہ کو ثقہ قرار دیا ہے، چناں چہ آپ نے ابو الحویرث عبدالرحمٰن بن معاویہ کی ایک حدیث کے بارے میں کہا:

"رواه أبو يعلىٰ، و رجاله ثقات"[2]

''اسے ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اور اس کے سارے رجال ثقہ ہیں۔''

ابو یعلی کی یہ روایت مسند میں موجود ہے اور اس کی سند میں ابو الحویرث عبدالرحمٰن بن معاویہ بھی ہیں۔[3]

امام ہیثمی رحمہ اللہ کی اس توثیق سے معلوم ہوا کہ ان کی معلومات کی حد تک جو اکثر نے اس راوی کو ضعیف کہا ہے تو امام ہیثمی رحمہ اللہ نے اکثر کی بات نہیں لی ہے، کیوں کہ ان کے اپنے الفاظ میں اس راوی کی توثیق ملتی ہے، لہٰذا یہ راوی ان کے نزدیک ضعیف نہیں ہے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام ہیثمی رحمہ اللہ ہر جگہ جمہور کی توثیق پر اعتماد نہیں کرتے تھے، بلکہ جو راجح موقف ہوتا تھا، اسے

---

[1] مجلہ "الحديث" (شمارہ: ۱۰۷، ص: ۱۲)

[2] مجمع الزوائد للهيثمي: ٦/ ٤٨)

[3] مسند أبي يعلى الموصلي (١/ ٣٧٩)

ترجیح دیتے تھے، خواہ وہ جمہور کے موافق ہو یا جمہور کے خلاف۔

زبیر علی زئی صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''تنبیہ: حافظ ہیثمی لکھتے ہیں کہ ''وھو ضعیف عند الأکثرین'' (مجمع الزوائد: ۱/ ۹٦) اور وہ (قاسم ابو عبدالرحمٰن) جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔''[1] یہ قول دو وجہ سے غلط ہے: ① تحقیق کر کے یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ قاسم مذکور جمہور کے نزدیک موثق ہے۔ ② خود ہیثمی بذاتِ خود اسے ثقہ کہتے ہیں۔ کما تقدم آنفا۔''

عرض ہے کہ عبدالرحمٰن معاویہ سے متعلق بھی حافظ ہیثمی کا قول انھیں دونوں وجوہات کی وجہ سے غلط ہے، کیوں کہ ① عبدالرحمٰن بن معاویہ کے بارے میں تحقیق کر کے ثابت کر دیا گیا ہے کہ یہ جمہور کے نزدیک موثق ہے۔ دیکھیں ہمارا مقالہ: ''التائیدات السماویة في توثیق عبد الرحمن بن معاویة'' نیز اسی کتاب کا صفحہ (٦٦٧۔ ٦٩٥) دیکھیں۔ ② علاوہ ازیں خود حافظ ہیثمی رحمہ اللہ بھی اسے بذاتِ خود ثقہ کہتے ہیں، جیسا کہ اوپر ہم نے حوالہ پیش کیا ہے۔

ثانیاً: امام ہیثمی رحمہ اللہ کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ اکثر نے ان کی تضعیف کی ہے، کیوں کہ حقیقت یہ ہے کہ اکثر اور جمہور محدثین نے اس راوی کو ثقہ قرار دیا ہے۔[2]

امام ہیثمی نے تضعیف کے قول کو اکثر کا قول قرار دیا ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ انھوں نے غلطی سے اس راوی کی تضعیف کرنے والوں میں انھیں بھی شامل کر لیا ہے، جنھوں نے اس راوی کو ثقہ کہا ہے، مثلاً:

امام ہیثمی رحمہ اللہ نے کہا:

''رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِيْ الْكَبِيرِ، وَفِيهِ أَبُو الْحُوَيْرِثِ ضَعَّفَهُ أَحْمَدُ وَغَيْرُهُ''[3]

''اسے طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور اس میں ابولحویرث ہیں، جنھیں امام احمد وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔''

---

[1] ماهنامه ''الحدیث'' (شماره: ۲۲، ص: ٤)

[2] تفصیل کے لیے دیکھیں ہمارا مقالہ: ''التائیدات السماویة في توثیق عبدالرحمن بن معاویة'' نیز اسی کتاب کا صفحہ (٦٦٠۔ ٦٨٦) دیکھیں۔

[3] مجمع الزوائد ومنبع الفوائد (٤/ ١٨٨)

حالاں کہ امام احمد رحمہ اللہ نے انھیں ہرگز ضعیف نہیں کہا۔ یہ بات امام احمد رحمہ اللہ سے سرے سے منقول ہی نہیں ہے، حتیٰ کہ کسی ضعیف ومردود سند سے بھی یہ قول منقول نہیں، نیز کتبِ جرح وتعدیل میں بھی امام احمد کی طرف ایسی کسی تضعیف کی نسبت نہیں کی گئی ہے، بلکہ اس کے بالکل برعکس کتبِ جرح وتعدیل میں امام احمد کی توثیق نقل کی گئی ہے۔[1]

بہرحال معاملہ کچھ بھی ہو، جب یہ ثابت ہے کہ جمہور نے اس راوی کی توثیق کی ہے تو پھر امام ہیثمی کا یہ کہنا کہ جمہور نے اس کی تضعیف کی ہے، خلافِ حقیقت اور خلافِ دلیل ہے، اس لیے غیر مقبول ہے۔

ثالثاً: نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے سے متعلق صحیح ابن خزیمہ والی حدیث کے راوی ''مومل بن اسماعیل'' کے بارے میں بھی امام ہیثمی رحمہ اللہ نے کہا:

''مُؤَمَّلُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، وَثَّقَهُ ابْنُ مَعِينٍ، وَضَعَّفَهُ الْجَمْهُورُ''[2]

''مومل بن اسماعیل کو امام ابن معین نے ثقہ کہا ہے اور جمہور نے اسے ضعیف کہا ہے۔''

حالاں کہ مومل بن اسماعیل کے بارے میں امام ہیثمی رحمہ اللہ کا یہ بیان حقیقت کے خلاف ہے، اس لیے غیر مقبول ہے۔ حافظ زبیر علی زئی نے بھی مومل بن اسماعیل کو جمہور کے نزدیک ثقہ ہی بتلایا ہے، بلکہ اس پر ایک مقالہ بھی لکھا ہے۔ عرض ہے کہ جس طرح مومل بن اسماعیل کے بارے میں امام ہیثمی رحمہ اللہ کا یہ قول درست نہیں ہے، اسی طرح عبدالرحمٰن بن معاویہ کے بارے میں بھی امام ہیثمی رحمہ اللہ کا یہ قول درست نہیں ہے۔

رابعاً: مزے کی بات یہ ہے کہ خود زبیر علی زئی صاحب نے بہت پہلے امام ہیثمی کے اس قول کی تردید کرتے ہوئے کہا تھا:

''أبو الحويرث عبد الرحمن بن معاوية، قال الهيثمي: والأكثر علىٰ تضعيفه'' قلت: بل وثقه الجمهور.[3]

''ابو الحویرث عبدالرحمٰن بن معاویہ کے بارے میں امام ہیثمی نے کہا: اکثر نے اسے ضعیف

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۶۷۸۔۶۸۰) دیکھیں۔

[2] مجمع الزوائد و منبع الفوائد (٥/ ٤٩)

[3] دیکھیں: تحقیقی مقالات (٣/ ٣٨٥)

قرار دیا ہے۔[1] میں (زبیر علی زئی) کہتا ہوں: بلکہ جمہور نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔[2]"

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ جب ان کے سامنے میری تحریر پیش کی گئی اور انھوں نے یہ دیکھا کہ اس راوی نے تو یزید کی تعریف میں ایک روایت نقل کی ہے تو یہ دیکھتے ہی موصوف کی "جمہوریت" اقلیت میں بدل گئی اور امام ہیثمی کے جس قول کو وہ خود ہی غلط و مردود قرار دے چکے تھے، اس سے توبہ کر لی اور امام ہیثمی رحمہ اللہ کے قول کو گلے سے لگا لیا۔ فإلی اللہ المشتکیٰ!!

زبیر علی زئی صاحب آگے لکھتے ہیں: "ابو الحویرث عبدالرحمٰن بن معاویہ کے ضعیف عند الجمہور ہونے کے لیے دیکھیں راقم الحروف کا مضمون: عبدالرحمٰن بن معاویہ بن الحویرث اور جمہور محدثین۔"[3]

عرض ہے کہ ابو الحویرث عبدالرحمٰن بن معاویہ کے ثقہ عند الجمہور ہونے کے لیے دیکھیں ہمارا مقالہ: "التائیدات السماویة في توثیق عبدالرحمن بن معاویة"

مزید تسلی کے لیے عرض ہے کہ عصر حاضر میں ایک عظیم محدث علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ بھی گزرے ہیں، آپ نے زیر بحث راوی "عبدالرحمٰن بن معاویہ" کو متعدد مقامات پر ثقہ قرار دیا ہے اور اس پر کی گئی جروح کو مردود قرار دیا ہے۔ چناں چہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"أبو الحويرث: هو عبد الرحمن بن معاوية بن الحويرث الأنصاري، اختلف فيه، والراجح أنه ثقة، وثقه يحيىٰ بن معين، وروى عنه شعبة"[4]

"ابو الحویرث یہ عبدالرحمٰن بن معاویہ بن الحویرث الانصاری ہیں، ان کے بارے میں اختلاف ہے اور راجح یہی ہے کہ یہ ثقہ ہیں۔ امام ابن معین رحمہ اللہ نے انھیں ثقہ کہا ہے اور امام شعبہ رحمہ اللہ نے ان سے روایت لی ہے۔"

ان کے علاوہ معاصرین میں اور بھی محققین ہیں، جو عبدالرحمٰن بن معاویہ کو ثقہ مانتے ہیں۔

دوسرا اعتراض:

زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں کہ عامر بن مسعود بن امیہ بن خلف الجمحی رضی اللہ عنہ کے صحابی یا تابعی

---

[1] مجمع الزوائد (١/ ٣٢)

[2] دیکھیں: مجلہ "الحدیث" (شمارہ: ١٠٧، ص: ٤٨)

[3] مجلہ "الحدیث" (شمارہ: ١٠٧، ص: ١٣)

[4] مسند أحمد (١/ ١٨٢)

ہونے میں اختلاف ہے۔ اگر وہ صحابی ہیں تو عبدالرحمٰن بن معاویہ سے ان کی روایت منقطع ہے، کیوں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"السادسة: طبقة عاصروا الخامسة، لكن لم يثبت لهم لقاء أحد من الصحابة، كابن جريج"[1]

عرض ہے کہ جن لوگوں نے عامر بن مسعود کو صحابی کہا ہے، ممکن ہے انھوں نے فقط رؤیت کے لحاظ سے صحابی کہا ہو، بالخصوص جبکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا:

"وولد له عامر قبل الفتح بقليل فلذلك لم يثبت له صحبة السماع من النبي صلی اللہ علیہ وسلم وإن كان معدودا في الصحابة لأن له رؤية"[2]

"مسعود بن امیہ کے بیٹے عامر فتح مکہ سے کچھ قبل پیدا ہوئے، اس لیے انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کی صحبت حاصل نہیں ہے، اگرچہ رؤیت کے لحاظ سے انھیں صحابہ میں شمار کیا گیا ہے۔"

جن لوگوں کو رؤیت کے لحاظ سے صحابی کہا گیا ہے، وہ طبقہ ثانیہ میں شمار ہوتے ہیں، چناں چہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی ایک راوی کو "له رؤية" کہا ہے اور انھیں طبقہ ثانیہ کا بتلایا ہے، چناں چہ کہا:

"عبد الله بن عبد -بغير إضافة- القاري -بتشديد التحتانية- له رؤية، <u>من الثانية</u>"[3]

"عبداللہ بن عبد کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت حاصل ہے <u>اور یہ طبقہ ثانیہ کے ہیں۔</u>"

طبقہ ثانیہ والوں سے طبقہ سادسہ والوں کی متصل روایات ثابت ہیں، اس کی بہت ساری مثالیں ہیں، حتیٰ کہ جن لوگوں کو بالصراحت رؤیت کے لحاظ سے صحابہ میں شمار کیا گیا ہے، ان سے بھی طبقہ سادسہ والوں کی متصل روایات ثابت ہیں، مثلاً کتبِ ستہ کے ایک راوی "قبیصہ بن ذؤیب الخزاعی" ہیں، بعض نے انھیں صحابہ میں شمار کیا ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کے لیے بالصراحت "له رؤية" کہتے ہوئے کہا:

---

[1] مقدمة التقريب (ص: ١٥، مجله "الحديث" (شماره: ١٠٧، ص: ١٣)

[2] الإصابة لابن حجر (٦/ ٩٤)

[3] تقريب التهذيب لابن حجر، رقم (٣٤٥٠)

”قبيصة بن ذؤيب ـبالمعجمةـ مصغر، بن حلحلة ـبمهملتين مفتوحتين بينهما لام ساكنةـ الخزاعي أبو سعيد أو أبو إسحاق المدني، نزيل دمشق، من أولاد الصحابة، وله رؤية، مات سنة بضع وثمانين ع“[1]

”یعنی قبیصہ بن ذؤیب کو اللہ کے نبی ﷺ کی رؤیت حاصل ہے۔“

ان سے طبقہ ثانیہ والوں کی متصل روایت ثابت ہے، چناں چہ ان کے بیٹے اسحاق بن قبیصۃ بن ذؤیب الخزاعی کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے طبقہ سادسہ کا راوی بتلایا ہے۔[2] انھوں نے ایک روایت بھی اپنے والد قبیصۃ بن ذؤیب الخزاعی سے بیان کی ہے، چناں چہ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۳) نے کہا:

”حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ قَال: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمْزَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي بُرْدُ بْنُ سِنَانٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ قَبِيصَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ الْأَنْصَارِيَّ النَّقِيبَ، صَاحِبَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ... الحديث“[3]

اس روایت کی سند کو قبیصہ تک اہلِ علم نے بالاتفاق صحیح کہا ہے، حتیٰ کہ خود زبیر علی زئی صاحب نے بھی اس روایت کے بارے میں کہا: ”إسناده حسن“[4]

معاصرین میں جن لوگوں نے اس روایت کو منقطع کہا ہے، انھوں نے اسحاق اور قبیصہ کے مابین انقطاع نہیں بتایا ہے، بلکہ ان سے اوپر قبیصہ اور عبادہ بن صامت کے مابین انقطاع بتلایا ہے اور اس سے ہمارے استدلال پر فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ ہماری بات اسحاق اور قبیصہ کے بیچ اتصالِ سند سے ہے اور حیرت ہے کہ زبیر علی زئی صاحب نے اس پوری سند کو حسن قرار دیتے ہوئے کہا:

”إسناده حسن. قبيصه له رؤية، فالسند متصل أو من مراسيل الصحابة“[5]

”اس کی سند حسن ہے۔ قبیصہ کو اللہ کے نبی ﷺ کی رؤیت حاصل ہے، اس لیے یہ سند متصل ہے یا صحابہ کے مراسیل میں سے ہیں۔“

---

[1] تقريب التهذيب لابن حجر، رقم (۵۵۱۲)

[2] دیکھیں: تقريب لابن حجر، رقم (۳۷۹)

[3] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (۱۸)

[4] سنن ابن ماجه مترجم مع أحكام زبير على زئى، رقم الحديث (۱۸)

[5] سنن ابن ماجه مترجم مع أحكام زبير على زئى، رقم الحديث (۱۸)

قارئین کرام! غور کریں کہ اس حکم میں زبیر علی زئی صاحب قبیصہ کو صحابی مان رہے ہیں اور کہنا یہ چاہتے ہیں کہ قبیصہ صحابی ہیں، اس لیے یہ روایت متصل ہے یا صحابہ کی مراسیل میں سے ہے اور صحابہ کی مراسیل قابلِ قبول ہوتی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر قبیصہ صحابی ہیں تو ان سے یہاں پر روایت کرنے والے اسحاق ہیں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے انھیں طبقہ سادسہ میں گنایا ہے اور زبیر علی زئی صاحب کا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہی کے حوالے سے یہ ماننا ہے کہ طبقہ سادسہ والوں کی صحابہ سے ملاقات نہیں ہے، اس لیے طبقہ سادسہ والوں کی صحابہ سے بیان کردہ روایات منقطع ہیں تو پھر زبیر علی زئی صاحب نے ابن ماجہ کی اس سند کو متصل کیسے کہہ دیا؟

یہاں پر زبیر علی زئی صاحب نے قبیصہ کو صحابی مان کر ان سے اوپر سند کی حالت تو بزعم خویش درست کر دی، لیکن اس تصرف سے سند کے نیچے یہ خرابی پیدا ہوگئی کہ اس صحابی سے اس روایت کو نقل کرنے والے طبقہ سادسہ کے ہیں۔ اگر زبیر علی زئی صاحب کے ایسا کرنے کے باوجود بھی سند کے نیچے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی تو گویا زبیر علی زئی صاحب کے نزدیک طبقہ سادسہ والوں کی صحابہ سے ملاقات ثابت ہے اور جب یہ معاملہ تھا تو آں جناب نے ہماری پیش کردہ روایت پر یہ اعتراض کیوں جڑ دیا کہ اگر وہ صحابی ہیں تو عبدالرحمٰن بن معاویہ سے ان کی روایت منقطع ہے، کیوں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"السادسة: طبقة عاصروا الخامسة، لكن لم يثبت لهم لقاء أحد من الصحابة، كابن جريج" [1]

کیا ابن ماجہ کی محولہ بالا حدیث کی تحقیق کرتے وقت انھیں یہ اصول یاد نہیں تھا؟ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک مقام پر اپنے نزدیک تسلیم شدہ صحابی سے طبقہ سادسہ کی روایت والی سند کو متصل کہا جائے اور دوسرے مقام پر بڑے جوش وخروش سے کہا جائے کہ طبقہ سادسہ کے راوی کی صحابی سے روایت منقطع ہے؟ سبحان اللہ!

سنن ابن ماجہ کی محولہ بالا حدیث کی سند سے متعلق زبیر علی زئی صاحب نے جو طرزِ عمل اختیار

[1] مقدمة التقريب (ص: ١٥) مجلہ "الحدیث" (شمارہ: ١٠٧، ص: ١٣)

کیا ہے، اس روشنی میں تو عامر بن مسعود رضی اللہ عنہ کو صرف رؤیت کے لحاظ سے نہیں، بلکہ عام اصطلاحی مفہوم میں بھی صحابی مان لیا جائے تو بھی ان سے طبقہ سادسہ کے راوی عبدالرحمٰن بن معاویہ کی روایت کو منقطع نہیں قرار دیا جاسکتا، چہ جائے کہ اگر انھیں صرف رؤیت کے لحاظ سے تشریفی طور پر صحابی کہا جائے؟!

الغرض یہ عامر بن مسعود کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ رؤیت کے لحاظ سے ان کا تذکرہ صحابہ میں ہوا ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ایسے رواۃ کو طبقہ ثانیہ کا راوی مانتے ہیں، جیسا کہ اوپر حوالہ گزرا۔ دریں صورت خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہی کے اصول کی روشنی میں یہاں طبقاتی لحاظ سے سند میں انقطاع کے دعوے کی کوئی گنجایش قطعاً نہیں ہے۔ بہرحال راجح قول کے مطابق عامر بن مسعود رحمہ اللہ تابعین میں سے ہیں، جیسا کہ ان کے تعارف کے مقام پر تفصیل پیش کی جاچکی ہے، اس لیے ان سے طبقہ سادسہ والوں کی روایات کو منقطع بتلانا سرے سے ہی غلط ہے۔

زبیر علی زئی صاحب آگے لکھتے ہیں:

"اگر وہ (عامر بن مسعود) تابعی ہیں تو عبدالرحمٰن بن معاویہ کی ان سے ملاقات کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور نہ معاصرت ثابت ہے۔ حافظ مزی نے "تہذیب الکمال" میں دونوں کے تراجم میں ایک دوسرے سے استاذی و شاگردی کا تعلق بھی بیان نہیں کیا اور نہ کسی اور کتاب میں ایسی کوئی صراحت ملی ہے، لہٰذا اس سند میں انقطاع کا شبہہ ہے۔"[1]

عرض ہے کہ جہاں تک استاذی وشاگردی کی صراحت کی بات ہے تو کسی بھی محدث نے یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ وہ کسی راوی کے تمام اساتذہ یا تمام تلامذہ کا بالاستیعاب ذکر کریں گے۔ خود زبیر علی زئی صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"حالاں کہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ تہذیب الکمال میں تمام شاگردوں کا استیعاب نہیں کیا گیا ہے۔ احمد بن عبدالرحمٰن بن بکار ایک راوی ہے، جس سے محمد بن نصر المروزی نے روایت بیان کی ہے۔ (كتاب الصلاة للمروزي، رقم الحديث: ٩٤٥) حالاں کہ

[1] مجلہ "الحدیث" (شمارہ: ۱۰۷، ص: ۱۳)

تہذیب الکمال وتہذیب التہذیب وغیرہما میں اس کے شاگردوں میں مروزی کا نام مذکور نہیں ہے۔ کیا کوئی شخص یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ امام مروزی رحمہ اللہ احمد بن عبدالرحمٰن بن بکار کے شاگرد نہیں ہیں؟''[1]

رہی بات معاصرت کے انکار کی تو اس کے جوابات درج ذیل ہیں:

اولاً: عبدالرحمٰن بن معاویہ اور عامر بن مسعود کے درمیان لمبا فاصلہ ثابت نہیں ہے اور نہ کسی محدث سے ان کی معاصرت کا انکار منقول ہے۔ ایسی صورت میں جب ایک روایت میں عبدالرحمٰن بن معاویہ براہِ راست عامر بن مسعود سے روایت کر رہے ہیں اور یہ مدلس بھی نہیں ہیں، بلکہ ان پر کسی نے تدلیس کا الزام تک نہیں لگایا اور خاص اس عنعنہ پر کسی محدث نے تنقید بھی نہیں کی ہے تو یہ روایت بجائے خود اس بات کا ثبوت ہے کہ دونوں کے مابین معاصرت ثابت ہے، کیوں کہ غیر مدلس کا عنعنہ اتصال پر محمول ہوتا ہے، الا یہ کہ انقطاع کی دلیل مل جائے۔

امام حاکم رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۰۵) نے کہا:

''معرفة الأحاديث المعنعنة، وليس فيها تدليس، وهي متصلة بإجماع أئمة أهل النقل علىٰ تورع رواتها عن أنواع التدليس''[2]

''معنعن احادیث کی معرفت جن میں تدلیس ثابت نہ ہو؛ یہ باجماعِ محدثین اتصال پر محمول ہوتی ہیں، بشرطیکہ اس کے رواۃ تدلیس سے بری ہوں۔''

عرض ہے کہ جب اصلاً غیر مدلس کی معنعن احادیث باجماعِ محدثین اتصال پر محمول ہوتی ہیں تو بغیر کسی واضح ثبوت کے اس اصل کی مخالفت درست نہیں ہے۔ دریں صورت کسی غیر مدلس راوی کا تصریحِ سماع کے ساتھ روایت کرنا اور عن سے روایت کرنا دونوں اتصال اور معاصرت پر دلالت کریں گے اور یہ بھی یاد رہے کہ معاصرت کے ثبوت میں محدثین سے جو یہ نقل کیا جاتا ہے کہ فلاں نے فلاں سے سنا ہے تو محدث کے اس فیصلے کا مرجع بھی عام طور سے راوی کی روایات ہی ہوتی ہیں اور اس مرجع میں معنعن روایات بھی شامل ہوتی ہیں۔ اب یہ کتنی بڑی ناانصافی کی بات ہوگی کہ

---

[1] مسئله فاتحة خلف الإمام (ص: ٧٦)

[2] معرفة علوم الحديث للحاكم (ص: ٧٨)

محدثین کی طرف سے اثباتِ سماع کو معاصرت کی دلیل مانا جائے، لیکن جن بنیادوں پر محدث نے سماع کی گواہی دی ہے، اس بنیاد ہی کو سماع و معاصرت کے لیے نا کافی سمجھا جائے؟!

یاد رہے کہ جب کوئی راوی کسی سے سماع کی صراحت کے ساتھ روایت نقل کرتا ہے تو زبیر علی زئی صاحب تصریحِ سماع ہی کو معاصرت اور لقا کی دلیل قرار دیتے ہیں۔ كما سيأتي.

عرض ہے کہ جس طرح تصریحِ سماع کے ساتھ روایت سماع و معاصرت کی دلیل ہے، ٹھیک اسی طرح غیر مدلس کی عن کے ساتھ روایت بھی سماع اور معاصرت کی دلیل ہے، کیوں کہ غیر مدلس کا عنعنہ اتصال پر محمول ہوتا ہے، گویا غیر مدلس کی طرف سے تصریحِ سماع اور عنعنہ دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔

ہاں اگر کسی عنعنہ سے متعلق یہ ثبوت مل جائے کہ یہاں سند متصل نہیں تو یہ خاص عنعنہ اتصال پر محمول نہیں ہوگا اور یہ معاملہ صرف عنعنہ سے متعلق نہیں، بلکہ تصریحِ سماع کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے، چناں چہ اگر کسی راوی کے تصریحِ سماع کے خلاف بھی ثبوت مل جائے تو وہاں راوی کی طرف سے سماع و تحدیث کی صراحت بھی اتصال پر دلالت نہیں کرے گی، بلکہ سماع و تحدیث کی واضح صراحت کے باوجود انقطاع کا حکم لگے گا۔

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۶۳) نے ایک مقام پر کہا:

”فأما حديث ثوبان فإنه يرويه يحيىٰ بن أبي كثير قال: حدثنا أبو سلام عن أبي أسماء الرحبي عن ثوبان، ولم يسمعه يحيىٰ بن أبي سلام، ولا يصح“[1]

”رہی ثوبان کی حدیث تو اسے یحییٰ بن ابی کثیر روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”حدثنا“ (ہم سے ابو سلام نے بیان کیا) انھوں نے ابو اسماء الرحبی سے نقل کیا اور انھوں نے ثوبان سے۔ لیکن یحییٰ نے ابو سلام سے نہیں سنا اور یہ حدیث صحیح نہیں۔“

امام ابن رجب رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۹۵) فرماتے ہیں:

”ولا يعتبر بمجرد ذكر السماع والتحديث في الأسانيد، فقد ذكر ابن المديني أن شعبة وجدوا له غير شيئ يذكر فيه الإخبار عن شيوخه، ويكون منقطعا، وذكر أحمد أن ابن مهدي حدث بحديث عن هشيم

[1] التمهيد لابن عبد البر (١٦/ ١١٥)

أنا منصور بن زاذان قال أحمد: ولم يسمعه هشيم من منصور"[1]

''سندوں میں محض سماع اورتحدیث کی صراحت کا اعتبارنہیں ہوگا، کیوں کہ ابن مدینی نے ذکر کیا ہے کہ شعبہ سے محدثین کو بہت سی روایات ملیں، جن میں وہ اپنے مشائخ سے اِخباراً بیان کرتے ہیں، لیکن وہ منقطع ہوتی ہیں، نیز امام احمد رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ ابن مہدی نے ہشیم کی ایک روایت بیان کی کہ ہشیم نے کہا: "أنا منصور بن زاذان" (ہم کو منصور بن زاذان نے خبر دی) امام احمد رحمہ اللہ نے کہا کہ اس روایت کو ہشیم نے منصور سے نہیں سنا۔''

معلوم ہوا کہ جب کسی سند میں انقطاع کا ثبوت مل جائے تو مقامِ انقطاع پر سماع کی صراحت سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ثابت ہوا کہ غیر مدلس کا عنعنہ اور غیر مدلس کا سماع کی تصریح کرنا، دونوں صیغوں کا ایک ہی حکم ہے۔ عمومی طور پر دونوں صیغے اتصالِ سند پر دلالت کرتے ہیں اور خاص دلائل ملنے کی صورت میں دونوں اتصالِ سند کے ثبوت میں غیر مفید ہوتے ہیں۔

ان وضاحتوں کے بعد بھی اگر کوئی اس بات پر مصر ہے کہ غیر مدلس کا عنعنہ سماع و معاصرت کی دلیل نہیں ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اگر غیر مدلس کا عنعنہ سماع ومعاصرت کی دلیل نہیں ہے تو پھر غیر مدلس کا سماع وتحدیث کی صراحت کرنا بھی سماع و معاصرت کی دلیل نہیں۔

اگر کوئی کہے کہ ایک ثقہ راوی نے سننے کی بات کہی ہے تو اس کی اس صراحت کو نا ماننا بغیر دلیل کے اسے جھٹلانا ہے تو ہم کہتے کہ ٹھیک اسی طرح ثقہ غیر مدلس نے کسی سے براہِ راست کوئی بات نقل کی ہے تو اس کے اس نقل پر اعتبار نہ کرنا بھی اس راوی کو بے دلیل مدلس یا مرسل قرار دینا ہے۔ پھر اگر بغیر دلیل کے کسی کو جھوٹا نہیں کہا جاسکتا تو ٹھیک اسی طرح بغیر دلیل کے کسی کو تدلیس یا ارسال کرنے والا بھی نہیں کہا جاسکتا۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس روایت میں عبدالرحمٰن بن معاویہ کا عامر بن مسعود سے براہِ راست روایت کرنا اور اس کے برخلاف عدمِ معاصرت کا ثبوت نہ ملنا، اسی طرح کسی محدث کا اس عنعنہ پر تنقید نہ کرنا، یہ بات ہی اس چیز کی دلیل ہے کہ دونوں کی معاصرت ثابت ہے۔ ہاں اس روایت

[1] شرح علل الترمذي لابن رجب (ص: ٥٩)

سے معاصرت کے ثبوت پر اس وقت اعتراض کرنا درست ہوگا، جب دیگر حوالوں سے ان دونوں کی عدمِ معاصرت کا ثبوت فراہم کر دیا جائے یا اس عنعنہ پر کسی ناقد محدث کی طرف سے انقطاع کی جرح ثابت کر دی جائے۔ وإذ ليس فليس.

ثانیاً: عبدالرحمٰن بن معاویہ کی وفات ۱۳۰ ہجری بھی بتائی جاتی ہے۔[1] عبدالعزیز بن رفیع الاسدی کی بھی تاریخِ وفات ۱۳۰ ہجری ہے۔[2] عبدالعزیز بن رفیع الاسدی کا عامر بن مسعود سے معاصرت صراحتاً ثابت ہے، چناں چہ امام ضیاء المقدسی رحمہ اللہ (المتوفی: ٦٤٣) نے کہا:

"أخبرنا أبو جعفر محمد بن أحمد أن فاطمة بنت عبد الله أخبرتهم أنبأ محمد أنبأ سليمان بن أحمد الطبراني ثنا أحمد بن عمرو بن خالد الحراني ثنا أبي (ح) قال الطبراني: وحدثنا علي بن عبد العزيز ثنا أحمد بن يونس قالا: ثنا زهير ثنا عبد العزيز بن رفيع حدثني عامر بن مسعود القرشي، وزاحمني بمكة أيام ابن الزبير عند المقام في الصف الأول، قال: قلت له: أكان يقال في الصف خيرا؟ قال: أجل، لقد قال فيه رسول الله ﷺ: لو يعلم الناس ما في الصف الأول ما صفوا فيه إلا بقرعة أو سهمة"[3]

عرض ہے کہ جب سن ۱۳۰ ہجری میں وفات پانے والے عبدالعزیز بن رفیع الاسدی کی معاصرت عامر بن مسعود رحمہ اللہ سے ثابت ہے تو اسی سن میں وفات پانے والے عبدالرحمٰن بن معاویہ کی معاصرت عامر بن مسعود سے کیوں ناممکن ہے؟

زبیر علی زئی صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''طبقہ رابعہ کے راوی ابو الزبیر محمد بن مسلم بن تدرس المکی نے کہا: سمعت أبا أسيد الساعدي و ابن عباس... الخ'' (المعجم الكبير للطبراني: ١٩/ ٢٦٨۔ ٢٦٩، رقم الحديث: ٥٩٥، وسنده حسن، وقال الهيثمي في مجمع الزوائد: ٤/ ١١٤، و إسناده حسن)

---

[1] تاريخ الإسلام للذهبي (٨/ ٢٦)

[2] سير أعلام النبلاء للذهبي (٥/ ٢٢٨)

[3] الأحاديث المختارة (٨/ ٢١٠) و إسناده صحيح.

''جب طبقہ رابعہ والے تابعی کا سماع سیدنا اسید رضی اللہ عنہ سے صحیح ثابت ہے تو طبقہ ثالثہ والے تابعی کا کیوں ناممکن ہے؟''[1]

عرض ہے کہ اسی طرز پر ہم بھی کہتے ہیں کہ جب ۱۳۰ ہجری میں وفات پانے والے عبد العزیز بن رفیع الاسدی کی ملاقات عامر بن مسعود سے ثابت ہے تو پھر اسی سن میں وفات پانے والے عبدالرحمٰن بن معاویہ کی ملاقات عامر بن مسعود سے کیوں ناممکن ہے؟

نوٹ:

موخر الذکر اقتباس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی راوی کسی سے سماع کی صراحت کے ساتھ روایت نقل کرتا ہے تو زبیر علی زئی صاحب تصریحِ سماع ہی کو معاصرت اور لقا کی دلیل قرار دیتے ہیں۔

ثالثاً: عامر بن مسعود کی وفات سن ۷۰ ہجری کے آس پاس ہوئی ہے، چناں چہ امام صفدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۶۴) نے کہا:

''عامر بن مسعود الزرقي الأنصاري، وهو مختلف في صحبته، وتوفي في حدود السبعين للهجرة''[2]

''عامر بن مسعود الزرقی الانصاری، ان کی صحابیت کے بارے میں اختلاف ہے، ان کی وفات سن ۷۰ ہجری کے آس پاس ہوئی ہے۔''

نیز یہ جابر رضی اللہ عنہ کے جنازے میں شریک تھے، چناں چہ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) نے کہا:

''عبد الرحمن بن معاوية، أبو الحويرث الزرقي المدني، شهد جنازة جابر بن عبد الله''[3]

''عبدالرحمٰن بن معاویہ، ابو الحویرث زرقی انصاری، انھوں نے جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کے جنازے میں شرکت کی ہے۔''

جابر رضی اللہ عنہ کی تاریخِ وفات میں اختلاف ہے، جن میں ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ سن ۷۲ ہجری

---

[1] نور العینین (ص: ۲٦۹) جدید اڈیشن، نیز دیکھیں: مجلہ ''الحدیث'' (شمارہ ۱۸، ص: ۲۸)

[2] الوافي بالوفيات للصفدي (١٦/ ٣٣٥)

[3] تاريخ الإسلام (٣/ ٤٥٣)

میں فوت ہوئے۔[1] اگر اس تاریخِ وفات کا اعتبار کریں تو عبدالرحمٰن بن معاویہ کی عامر بن مسعود سے معاصرت ثابت ہوتی ہے، کیوں کہ جو راوی سن ۷۲ میں فوت ہونے والے کے جنازے میں شرکت کر سکتا ہے، وہ سن ۷۰ ہجری کے قریب فوت ہونے والے سے کیوں کر نہیں مل سکتا؟ واضح رہے کہ جس کی تاریخِ وفات میں کئی اقوال ہوں، ان سے متعلق زبیر علی زئی صاحب کا ماننا ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو بالجزم تاریخِ وفات بتانا درست نہیں ہے، چناں چہ موصوف ایک مقام پر لکھتے ہیں:

سیدنا ابو اسید مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی تاریخِ وفات میں سخت اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں: ۳۰ھ، بعض کہتے ہیں: ۶۰ھ یا ۷۰ھ یا ۸۰ھ یا ۴۰ھ۔[2] لہٰذا بعض الناس کا بالجزم آپ کی وفات ۳۰ ہجری قرار دینا غلط ہے۔"[3]

مزید لکھتے ہیں:

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی تاریخِ وفات میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے ۴۳ھ اور بعض نے ۴۶ھ اور بعض نے ۴۷ھ کہا ہے۔[4] آپ کی صحیح تاریخِ وفات نامعلوم ہے۔ یہ کہنا کہ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ۴۰ھ میں فوت ہو گئے تھے، دعویٰ بلا دلیل ہے۔"[5]

عرض ہے کہ اس اصول کے تحت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کی بھی اصل تاریخِ وفات نامعلوم ہے اور یہ بات طے ہے کہ سن ۷۰ھ کے بعد اُن کی وفات ہوئی ہے۔ اس بنا پر جب عبدالرحمٰن بن معاویہ نے ان کے جنازے میں شرکت کی ہے تو ظاہر ہے وہ ۷۰ھ کے قریب فوت ہونے والے عامر بن مسعود کے بھی معاصر ہیں۔

رابعاً: امام حاکم رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۰۵) نے کہا:

"حدثنا علي بن حمشاذ العدل، ثنا العباس بن الفضل الأسفاطي، ثنا إسماعيل بن أبي أويس، حدثني الزبير بن موسىٰ، عن أبي الحويرث،

---

[1] تهذيب الكمال للمزي (٤/ ٤٥٣)

[2] دیکھیں: تقريب التهذيب، رقم (٦٤٣٦) و الإصابة (١١٥٥، ١١٥٦)

[3] نور العینین (ص: ٢٦٩، جدید اڈیشن) نیز دیکھیں: مجلہ "الحدیث" (شمارہ: ١٨، ص: ٢٨)

[4] دیکھیں: تهذيب الكمال (١٧/ ٢٤٠)

[5] نور العینین (ص: ٢٦٩ جدید اڈیشن) نیز دیکھیں: مجلہ "الحدیث" (شمارہ: ١٨، ص: ٢٨، ٢٩)

قال: سمعت عبد الملك بن مروان، يقول للقباث بن أشيم: يا قباث! أنت أكبر أم رسول اللهﷺ، فقال: بل رسول اللهﷺ أكبر مني، وأنا أسن منه، ولد رسول اللهﷺ عام الفيل، وتنبأ علىٰ رأس الأربعين من الفيل"[1]

''عبدالرحمٰن بن معاویہ ابو الحویرث کہتے ہیں کہ میں نے عبدالملک بن مروان کو کہتے ہوئے سنا، انھوں نے صحابی رسول قباث بن اشیم رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ بڑے ہیں یا اللہ کے رسول ﷺ؟ تو انھوں نے جواب دیا: بلکہ اللہ کے رسول ﷺ مجھ سے بڑے ہیں، البتہ میری عمر اُن سے زیادہ ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی پیدایش عام الفیل میں ہوئی اور عام الفیل کے چالیس سال بعد آپ ﷺ کو نبوت ملی۔''

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ''عبدالرحمٰن بن معاویہ'' نے صحابیِ رسول قباث بن اشیم رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہے۔ اگرچہ ان سے کوئی روایت نہیں لی ہے، یعنی انھوں نے رؤیت کے اعتبار سے ایک صحابی کا دور پایا ہے، لیکن ان سے یا کسی صحابی سے ان کا روایت کرنا ثابت نہیں ہے۔

واضح رہے کہ یہ بات حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے اس قول کے منافی نہیں ہے کہ طبقہ سادسہ کے راویوں نے صحابہ سے ملاقات نہیں کی ہے، کیوں کہ عام طور سے ملاقات کی نفی سے روایت ہی کی نفی مراد ہوتی ہے نہ کہ رؤیت کی نفی۔ مثلاً حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ابن مدینی رحمہ اللہ کا ایک قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وقال بن المديني: لم يلق أبا بكر ولا عليا، وإنما رآه رؤية"[2]

''امام ابن المدینی نے کہا: انھوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں کیا اور نہ علی رضی اللہ عنہ سے، بلکہ صرف انھیں دیکھا ہے۔''

غور کریں! اس قول میں ملاقات کے انکار کے ساتھ ساتھ رؤیت کا اثبات ہے۔ معلوم ہوا کہ انکارِ لقا سے انکارِ رؤیت لازم نہیں آتا۔ بہرحال صحابیِ رسول ''قباث بن اشیم رضی اللہ عنہ'' کو عبدالرحمان بن معاویہ نے دیکھا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے دور میں عبدالرحمٰن بن معاویہ موجود تھے اور ان کا سن ۴۷ ہجری کے بعد فوت ہونا ناممکن ہے، کیوں کہ امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۶) نے کہا:

---

[1] المستدرك علىٰ الصحيحين للحاكم (٣/ ٧٢٤) و إسناده صحيح.

[2] تهذيب التهذيب لابن حجر (٨/ ٤٥٨)

”حدثني سعيد بن أبي مريم، قال: أخبرني يحییٰ بن أيوب، عنِ ابن حرملة، قال: حَدَّثَنِي محمد بن عَبد الله بن حصين سمع عُمَر بن عَبد الله بن جرهد سمعت رجلا يقول لجابر بن عَبد الله: من بقي معك من أصحاب النبي ﷺ؟ قال: بقي أنس بن مالك وسلمة بن الأكوع، فقال رجل...“[1]

’’عمر بن عبدالرحمٰن بن جرہد کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو صحابیِ رسول جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ آپ کے ساتھ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کون کون باقی رہ گیا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: انس بن مالک اور سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہما باقی ہیں...۔‘‘

اس روایت سے پتا چلا کہ عبدالرحمٰن بن معایہ نے جس صحابی یعنی قباث بن اشیم رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا، وہ جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ، انس رضی اللہ عنہ اور سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے، کیوں کہ اس روایت میں جابر رضی اللہ عنہ نے اس وقت موجود صحابہ میں ان کا تذکرہ نہیں کیا۔

نوٹ:

جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے بعض صحابہ کے استثنا کے لیے ٹھوس ثبوت کی ضرورت ہے اور قباث ابن اشیم رضی اللہ عنہ کے استثنا کی کوئی دلیل ہمارے علم نہیں ہے۔ واللّٰہ أعلم. ان تینوں صحابہ میں سب سے پہلے وفات پانے والے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ ہیں ان کی وفات سن۶۴ ہجری یا سن۷۴ ہجری میں ہوئی ہے۔[2]

ہم سن۷۴ ہجری ہی کو وفات مان لیں تو بھی ثابت ہوا کہ سن۷۴ ہجری سے پہلے ہی صحابیِ رسول قباث بن اشیم رضی اللہ عنہ وفات پا چکے تھے اور امام صفدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۶۴) نے کہا:

”قباث بن أشيم الليثي صحابي، شهد اليرموك، وتوفي في حدود السبعين للهجرة“[3]

---

[1] التاريخ الأوسط للبخاري (۲/ ۹۹۸) و إسناده حسن، وحسنه الحافظ ابن حجر في الفتح (۱۳/ ٤۱) محمد بن عبدالله و شيخه و ثقهما ابن حبان، وحسن حديثهما ابن حجر في الفتح.

[2] دیکھیں: معرفة الصحابة لأبي نعيم (۳/ ۱۳۳۹) أسد الغابة (۲/ ۲۷۲)

[3] الوافي بالوفيات للصفدي (۲٤/ ۱۳۲)

”قباث بن اشیم لیثی صحابی رسول ہیں۔ غزوہ یرموک میں حاضر تھے اور ان کی وفات سن ۷۰ ہجری کے آس پاس ہوئی ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ صحابیِ رسول قباث بن اشیم رضی اللہ عنہ کی وفات سن ۷۰ ہجری کے آس پاس ہوئی ہے۔ اگر ہم ان کی وفات سن ۷۰ ہجری ہی مان لیں تو ثابت ہوا کہ سن ۷۰ ہجری میں عبدالرحمان بن معاویہ موجود تھے اور چونکہ سن ۷۰ ہجری میں انھوں نے درج بالا روایت بھی بیان کی اور عام طور سے سن تمییز پانچ سال ہوتی ہے، اس اعتبار سے اس وقت اگر ہم عبدالرحمٰن بن معاویہ کی کم سے کم عمر تسلیم کریں تو بھی اس وقت وہ پانچ سال کے ضرور تھے۔ یعنی وہ سن ٦٥ ہجری میں موجود تھے اور عامر بن مسعود رضی اللہ عنہ کا سن ٦٥ ہجری سے پہلے فوت ہونا ناممکن ہے، کیوں کہ سن ٦٥ ہجری ہی میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے انھیں کوفے کی امارت سے معزول کیا تھا۔[1]

اب معاصرت تو قطعی طور پر ثابت ہوگئی۔ اب یہ دیکھ لیتے ہیں کہ عامر بن مسعود رحمہ اللہ کی وفات کب ہے؟ تو عرض ہے کہ امام صفدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷٦٤) نے کہا:

”عامر بن مسعود الزرقي الأنصاري، وهو مختلف في صحبته، وتوفي في حدود السبعين للهجرة“[2]

”عامر بن مسعود الزرقی الانصاری، ان کی صحابیت کے بارے میں اختلاف ہے، ان کی وفات سن ۷۰ ہجری کے آس پاس ہوئی ہے۔“

اگر ہم ان کی وفات سن ۷۰ ہجری ہی مان لیں تو بھی ثابت ہوا کہ ان کی وفات سے پانچ سال قبل عبدالرحمٰن بن معاویہ لازمی طور پر باحیات تھے۔ اس لیے عبدالرحمان بن معاویہ اور عامر بن مسعود کے درمیان معاصرت ثابت ہوگئی اور یہ دونوں کے علاقہ، نسبت اور قبیلے میں یکسانیت ہے، اس لیے معاصرت کے ساتھ ساتھ ملاقات کا بھی امکان ثابت ہوگیا۔ والحمد لله.

زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

”جو شخص اس روایت کو حسن یا صحیح سمجھتا ہے، اس پر ضروری ہے کہ وہ عبدالرحمٰن بن

[1] إكمال تهذيب الكمال (۷/ ۱۵۰)

[2] الوافي بالوفيات للصفدي (١٦/ ٣٣٥)

معاویہ کی عامر بن مسعود سے ملاقات یا معاصرت ثابت کرے، نیز عبدالرحمٰن بن معاویہ کا جمہور کے نزدیک موثق ہونا بھی ثابت کرے، ورنہ علمی میدان میں بے دلیل دعووں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ واللہ أعلم۔"[1]

عرض ہے کہ ہم نے اللہ کے فضل و کرم سے زبیر علی زئی صاحب کے ان دونوں مطالبات کو پورا کر دیا ہے، اس لیے یہ روایت صحیح یا کم از کم حسن ضرور ہے۔

ترکش کا آخری تیر:

زبیر علی زئی صاحب نے درج بالا دونوں اعتراضات کے بعد آخر میں چلتے چلتے امام بلاذری کی موجودہ کتاب "أنساب الأشراف" پر ہی ہاتھ صاف کرنے کی تمہید بنائی اور کہا:

"تنبیہ: انساب الاشراف للبلاذری کے موجودہ مطبوعہ نسخہ کے بارے میں صحیح تحقیق کی ضرورت ہے کہ کیا واقعی یہی نسخہ بلاذری سے ثابت ہے؟"[2]

بالآخر کچھ دنوں کے بعد انساب الاشراف کی ایک دوسری روایت، جس سے یزید کی فضیلت ثابت ہوتی تھی، اس پر بات کرتے ہوئے موصوف نے یک قلم اس پوری کتاب ہی پر ہاتھ صاف کر دیا، کیوں کہ اس روایت کی سند میں کہیں بھی اعتراض کرنے کی گنجایش وہ قطعاً نہیں پا سکے۔ حالاں کہ زبیر علی زئی صاحب پوری زندگی اس کتاب کو ثابت مانتے تھے اور اس کی روایات سے ڈنکے کی چوٹ پر استدلال بھی کرتے تھے، بلکہ خطباتِ جمعہ میں ممبر پر اس روایت سے اپنے عمل پر دلیل بھی دیتے تھے، لیکن جب موصوف کے سامنے میرے مضامین پیش کیے گئے اور انھیں یہ معلوم ہوا کہ اس کتاب میں یزید کی فضیلت میں مذکور روایات سے کچھ لوگ یزید کا دفاع کرتے ہیں تو موصوف نے اس پوری کتاب ہی کا یک قلم انکار کر دیا۔

چونکہ اس روایت پر بات کرتے ہوئے آں جناب نے یہاں اس کتاب کا انکار نہیں کیا ہے، اس لیے ہم یہاں اس کتاب کے ثبوت پر بات نہیں کریں گے، البتہ جس روایت پر بات کرتے ہوئے آں جناب نے اس کتاب کا انکار کیا ہے، اس روایت کے دفاع میں ہم نے موصوف کے

[1] مجلہ "الحدیث" (شمارہ: ۱۰۷، ص: ۱۳)

[2] مجلہ "الحدیث" (شمارہ: ۱۰۷، ص: ۱۳)

اس انکار کی تردید کر دی ہے۔[1]

واضح رہے کہ زبیر علی زئی صاحب نے ایسی کتابوں کا بھی انکار کر دیا ہے، جسے پوری دنیا ثابت مانتی ہے اور اس سے حجت پکڑتی ہے، جیسے امام ترمذی کی العلل الکبیر وغیرہ۔ بلکہ حد ہوگئی کہ آں جناب نے ایک صاحب سے فون پر بات کرتے ہوئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے مجموع الفتاویٰ ہی کو مشکوک قرار دے دیا ہے۔[2] إنا للّٰه و إنا إلیه راجعون.

اس روایت کی صحت پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا طرزِ عمل بھی شاہد ہے، کیوں کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا نام یزید کے مخالفین میں نہیں ملتا، نیز یہ بھی نہیں ملتا کہ آپ نے حرہ وغیرہ کے موقع پر بھی بیعت شکنی کی ہو۔

تنبیہ:

زبیر علی زئی صاحب نے اپنی زندگی میں اس روایت پر جو اعتراضات کیے تھے، اس کے جوابات تفصیل سے دیے جا چکے ہیں۔ ان کی وفات کے بعد بعض بھائیوں نے کسی نامعلوم شخص کا اس روایت پر ایک اور اعتراض پیش کیا ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ اس روایت کی سند میں مدائنی رحمہ اللہ، عبدالرحمٰن بن معاویہ ابو الحویرث سے روایت کرتے ہیں اور عبدالرحمٰن بن معاویہ ابو الحویرث، مدائنی کی پیدایش سے پہلے ہی فوت ہوگئے تھے۔ اس لیے یہ روایت منقطع ہے۔

معترض نے دلیل یہ دی ہے کہ عبدالرحمٰن بن معاویہ ابوالحویرث کی وفات ۱۲۸ ہجری ہے، جیسا کہ "تهذيب الكمال" میں ہے اور مدائنی کی پیدایش ۱۳۲ ہجری ہے، جیسا کہ "سير أعلام النبلاء" میں ہے۔

عرض ہے کہ سب سے پہلے یہ واضح کر دیا جائے کہ عبدالرحمٰن بن معاویہ ابو الحویرث کی تاریخ وفات میں ایک ہی قول نہیں، بلکہ کئی اقوال ہیں۔[3] اسی طرح امام مدائنی کی تاریخ وفات اور تاریخ

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۳۶۰۔۳۶۴) دیکھیں۔

[2] درج ذیل الفاظ لکھ کر یوٹیوب پر سرچ کریں اور زبیر علی زئی صاحب ہی کی آواز میں یہ بات سماعت فرمائیں:
PHONE CALL :(Sheik Hafiz ZUBAIR Ali Zai & Engr ALI Bhai about bn-e -Tamia r.a and his Muqallideen)

[3] تهذيب التهذيب لابن حجر، ط بيروت:٦/٢٤٥)

پیدایش سے متعلق بھی کئی اقوال ہیں۔ کما سیأتی.

اب اعتراض کا جواب ملاحظہ ہو:

۱۔ امام مدائنی کی عمر کے بارے میں یہ بات متفق علیہ ہے کہ انھوں نے ترانوے (۹۳) سال کی عمر پائی ہے۔[1]

لیکن ان کی تاریخ پیدایش اور تاریخ وفات میں زبردست اختلاف ہے اور بعض نے ان کی تاریخ وفات کو بنیاد بنا پر ان کی عمر کے حساب سے ان کی تاریخ پیدایش ذکر کی ہے اور بعض نے ان کی تاریخ پیدایش کو بنیاد بنا کر ان کی عمر کے حساب سے ان کی تاریخ وفات درج کی ہے۔ ان کی تاریخ وفات کے بارے میں درج ذیل اقوال ہیں:

- علی بن حسین مسعودی (المتوفی: ۳۴۶ھ) نے ان کی تاریخ وفات ۲۳۴ ہجری نقل کی ہے۔[2] اس قول کی بنیاد پر ان کی عمر کے حساب سے ان کی تاریخ پیدایش ۱۴۱ ھ ہوگی۔
- یوسف بن تغری رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۷۴ھ) نے ان کی تاریخ وفات ۲۳۱ ہجری نقل کی ہے۔[3] اس قول کی بنیاد پر اُن کی عمر کے حساب سے ان کی تاریخ پیدایش ۱۳۸ ہجری ہوگی۔
- امام طبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۰ھ) نے ان کی تاریخ وفات ۲۲۸ھ نقل کی ہے۔[4] اس قول کی بنیاد پر اُن کی عمر کے حساب سے ان کی تاریخ پیدایش ۱۳۵ ہجری ہوگی۔
- امام یاقوت بن عبداللہ حموی (المتوفی: ۶۲۶ھ) نے ان کی تاریخ وفات ۲۲۵ ہجری نقل کی ہے۔[5] اس قول کی بنیاد پر اُن کی عمر کے حساب سے ان کی تاریخ پیدایش ۱۳۲ ہجری ہوگی۔
- ابن جوزی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۹۷ھ) نے ان کی تاریخ وفات ۲۲۴ ہجری نقل کی ہے۔[6] اس قول کی بنیاد پر اُن کی عمر کے حساب سے ان کی تاریخ پیدایش ۱۳۱ ہجری ہوگی۔

---

[1] دیکھیں: المنتظم لابن الجوزي (١١/ ٩٥) الكامل في التاريخ (٦٨/ ٦) الأنساب للسمعاني: (١١/ ٤٢٢) العبر في خبر من غبر (١/ ٣٩١) الفهرست (ص: ١٣٠، دوسرا نسخہ، ص: ١١٣)

[2] مروج الذهب للمسعودي (٤/ ٤٤)

[3] النجوم الزاهرة لابن تغري (٢/ ٢٥٩)

[4] تاريخ الطبري (٩/ ١٢٤)

[5] إرشاد الأريب إلىٰ معرفة الأديب (٤/ ١٨٥٢)

[6] المنتظم لابن الجوزي (١١/ ٩٥)

۞ امام مدائنی کے معاصر و شاگرد حسین بن الفہم (المتوفی: ۲۸۷ھ) نے ان کی تاریخ وفات ۲۱۵ ہجری بتلائی ہے۔[1] اس قول کی بنیاد پر ان کی عمر کے حساب سے ان کی تاریخ پیدایش ۱۲۲ ہجری ہوگی۔ اس قول کے اعتبار سے امام مدائنی رحمہ اللہ کی عبدالرحمٰن بن معاویہ سے معاصرت ثابت ہوتی ہے۔

ان میں سے کوئی بھی قول صحیح سند سے ثابت نہیں ہے، لیکن ہمارے نزدیک آخری قول دیگر اقوال کی بہ نسبت راجح ہے، کیونکہ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ امام مدائنی نے عبدالرحمٰن بن معاویہ ابو الحویرث سے کئی روایات نقل کی ہیں اور کسی روایت میں بھی ان کے اور عبدالرحمٰن بن معاویہ ابو الحویرث کے مابین کوئی واسطہ موجود نہیں ہے اور یہ مدلس بھی نہیں اور عبدالرحمٰن بن معاویہ ابو الحویرث سے ان کی روایت پر کسی امام کی تنقید بھی نہیں ملتی اور نہ ہی اس کے خلاف کوئی دوسرا طریق ملتا ہے۔ لہٰذا امام مدائنی کی عبدالرحمٰن بن معاویہ سے روایت بھی اس کا بات کا ثبوت ہے کہ انھیں عبدالرحمٰن بن معاویہ کی معاصرت حاصل ہے اور اُن کی وہی تاریخ وفات راجح ہے، جس کی رو سے یہ عبدالرحمٰن بن معاویہ کے معاصر ثابت ہوتے ہیں۔ ہاں اگر کسی دوسرے طریق میں یہاں پر واسطہ مل جائے یا کسی امام فن سے اس مقام پر تنقید مل جائے تو بلاشبہہ اس بات سے تائید نہیں لی جاسکتی۔

واضح رہے کہ حسین بن الفہم نے امام مدائنی کی مذکورہ تاریخ وفات بتلانے کے ساتھ ساتھ امام مدائنی ہی سے ان کی تاریخ پیدایش ۱۳۵ھ نقل کی ہے، لیکن یہ دونوں باتیں ایک ساتھ صحیح نہیں ہوسکتیں، کیونکہ اہلِ تاریخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام مدائنی نے ترانوے (۹۳) سال کی عمر پائی ہے۔ اس بنیاد پر اگر اُن کی تاریخ وفات ۲۱۵ھ ہے تو ان کی تاریخ پیدایش ۱۲۲ھ ہونی چاہیے اور اگر اُن کی تاریخ پیدایش ۱۳۵ ہجری ہے تو ان کی تاریخ وفات ۲۲۸ھ ہونی چاہیے، جیسا کہ بعض نے اسی تاریخ پیدایش کو بنیاد بنا کر ان کے عمر کے حساب سے ان کی یہی تاریخ وفات ذکر کی ہے۔

چوں کہ امام مدائنی کی عمر بالاتفاق ترانوے (۹۳) سال ہے، اس لیے ان کی تاریخ پیدایش اور تاریخ وفات سے متعلق یہ دونوں باتیں بیک وقت صحیح نہیں ہوسکتیں، اس لیے ان دونوں میں سے کسی ایک کو راجح قرار دینا لازمی ہے اور ترجیح ان کی تاریخ وفات ۲۱۵ ہجری ہی کو حاصل ہوگی،

[1] الفهرست (ص: ۱۳۰، دوسرا نسخه، ص: ۱۱۳)

کیونکہ یہ حسین بن فہیم کا اپنا بیان ہے، جو ان کے معاصر ہیں اور ان کے شاگرد ہیں۔ جیسا کہ محمد بن اسحاق ندیم کی نقل کردہ روایت سے واضح ہے۔

گویا یہ ان کا اپنا ذاتی مشاہدہ ہے۔ اس کے برخلاف ان کی تاریخ پیدایش یہ ان کی ذاتی معلومات نہیں ہے، بلکہ انھوں نے اسے امام مدائنی سے نقل کیا ہے اور امام مدائنی نے بھی یہ بات کسی سے سنی ہے، کیونکہ ظاہر ہے کہ وہ اپنی تاریخ پیدایش خود نہیں بتلا سکتے ہیں۔ اس لیے اصل تاریخ پیدایش بتلانے والا نامعلوم ہے۔ لہٰذا ذاتی مشاہدہ پر مبنی معلومات کو نامعلوم شخص کے بیان پر راجح قرار دیا جائے گا۔ نیز یاد رہے کہ اس دور میں تاریخ وفات کی بنسبت تاریخ پیدائش یادرکھنے کا اہتمام زیادہ نہیں تھا۔

ممکن ہے کہ کوئی اعتراض کرے کہ حسین بن فہیم کے اس قول کے ناقل محمد بن اسحاق ندیم پر تشیع وغیرہ کی جرح ہے تو عرض ہے کہ اول تو ہم اس قول کو ثابت شدہ نہیں مان رہے ہیں، بلکہ دیگر اقوال کی بہ نسبت اسے ترجیح دے رہے ہیں اور وجہ ترجیح اوپر ذکر کی جاچکی ہے۔ دوسرے یہ کہ محمد بن اسحاق ندیم کا غالی شیعہ ہونا ثابت نہیں ہے اور زیادہ سے زیادہ ان کے بدعتی ہونے کی بات کہی جاسکتی ہے اور محض اس بنیاد پر ان کی روایات اور بالخصوص کتاب سے ان کے نقول کو رد نہیں کیا جاسکتا، یہی وجہ ہے کہ محدثین نے ان کے نقول پر اعتماد کیا ہے اور بہت سارے رواۃ کے حالات میں ان کے اقوال نقل کیے، جیسا کہ کتبِ رجال اس پر شاہد ہیں۔ حتی کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ جنھوں نے ان پر جرح کی ہے، انھوں نے بھی اپنی کتب میں مختلف مقامات پر ان کے نقول ذکر کیے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ درج بالا تفصیل کی روشنی میں ہمارے نزدیک راجح یہی ہے کہ امام مدائنی رحمہ اللہ کی تاریخ وفات ۲۱۵ھ ہے، جیسا کہ ان کے معاصر و شاگرد حسین بن فہیم نے بیان کیا ہے اور چونکہ امام مدائنی نے بالاتفاق ترانوے (۹۳) سال کی عمر پائی ہے، اس لیے اس حساب سے ان کی تاریخ پیدایش ۱۲۲ھ ہے اور عبدالرحمٰن بن معاویہ کی وفات ۱۳۲ ھ یا ۱۳۰ یا ۱۲۸ھ ہے۔ لہٰذا امام مدائنی کو عبدالرحمٰن بن حویرث کے ساتھ دس یا آٹھ یا چھے سال کی معاصرت حاصل ہے۔ لہٰذا یہ سند متصل ہے۔

۲۔ اگر کوئی شخص ہماری اس ترجیح سے متفق نہیں ہے تو اس کی خدمت میں عرض ہے کہ امام مدائنی کی تاریخ وفات سے متعلق کوئی ایک بیان بھی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا ان کی اصل تاریخ وفات نامعلوم تصور کی جائے اور چونکہ ان کی عمر بالاتفاق ترانوے (۹۳) سال ہے اور

اس حساب سے ان کی تاریخ پیدایش بھی الگ الگ ثابت ہوئی، جیسا کہ ناقلین کے بیان میں بھی اختلاف ہے۔ لہٰذا ان کی تاریخ پیدایش بھی نامعلوم ہے۔ ایسی صورت میں کسی بھی تاریخ وفات اور کسی بھی تاریخ پیدایش کو جزم کے ساتھ نہیں اپنایا جا سکتا اور نہ اس کی بنیاد پر زیرِ بحث روایت میں انقطاع کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے۔

بطورِ فائدہ عرض ہے کہ جس کی تاریخ وفات میں کئی اقوال ہوں، ان سے متعلق زبیر علی زئی صاحب کا ماننا ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو بالجزم تاریخ وفات بتانا درست نہیں ہے، چنانچہ موصوف ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''سیدنا ابو اسید مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات میں سخت اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں: ۳۰ھ، بعض کہتے ہیں: ۶۰ھ یا ۷۰ھ یا ۸۰ھ یا ۴۰ھ دیکھئے تقریب التہذیب (۶۴۳۶) و الإصابۃ (ص ۱۱۵۵، ۱۱۵۶) لہٰذا بعض الناس کا بالجزم آپ کی وفات ۳۰ ہجری قرار دینا غلط ہے۔''[1]

مزید لکھتے ہیں:

''سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات میں بھی اختلاف ہے، بعض نے ۴۳ھ اور بعض نے ۴۶ھ اور بعض نے ۴۷ھ کہا ہے۔ دیکھئے تہذیب الکمال (۱۷/ ۲۴۰) آپ کی صحیح تاریخ وفات نامعلوم ہے۔ یہ کہنا کہ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ۴۰ھ میں فوت ہو گئے تھے، دعویٰ بلا دلیل ہے۔''[2]

عرض ہے کہ اس اصول کے تحت امام مدائنی کی بھی اصل تاریخ وفات نامعلوم ہے اور چونکہ ان کی عمر بالاتفاق ترانوے (۹۳) سال ہے، اس لیے ان کی اصل تاریخ پیدایش بھی نامعلوم ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ ان کی پیدایش سے پہلے عبدالرحمٰن بن معاویہ فوت ہو گئے تھے، دعوی بلا دلیل ہے۔

واضح رہے کہ خود عبدالرحمٰن بن معاویہ کی تاریخ وفات میں بھی اختلاف ہے، بعض نے ۱۳۲ھ، بعض نے ۱۳۰ھ، اور بعض نے ۱۲۸ھ کہا ہے۔[3] کوئی تاریخ وفات صحیح سند سے ثابت نہیں

---

[1] نور العینین (ص: ۲۶۹ جدید اڈیشن) نیز دیکھیں: مجلہ "الحدیث" (۱۸، ص: ۲۸)

[2] نور العینین (ص: ۲۶۹ جدید اڈیشن) نیز دیکھیں: مجلہ "الحدیث" (۱۸، ص: ۲۸۔ ۲۹)

[3] تھذیب التھذیب لابن حجر، ت بیروت (۶/ ۲۴۵)

ہے، لہٰذا ان کی صحیح تاریخ وفات بھی نامعلوم ہے۔ لہٰذا کسی بھی تاریخ وفات کو بالجزم تاریخ وفات قرار دے کر انقطاع کا اعتراض باطل ہے۔

فائدہ:

دکتور محمد بن ہادی الشیبانی نے بھی اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔[1] شیخ شحاتہ محمد صقر نے بھی اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔[2]

---

[1] دیکھیں: مواقف المعارضة في عهد يزيد بن معاوية (ص: ١٦٤)

[2] دیکھیں: معاوية بن أبي سفيان أمير المؤمنين (ص: ٢١٨)

التائیدات السماویۃ
في
توثیق عبدالرحمن بن معاویۃ

ایک روایت میں آیا ہے کہ صحابیِ رسول اور مفسرِ قرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یزید بن معاویہ کو صالح و نیک قرار دیا ہے، اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یزید بن معاویہ کو نیک اور صالح سمجھتے تھے۔ ہم نے بہت عرصہ قبل اس روایت کی تحقیق پیش کی تھی اور اس کے ہر ہر راوی کی توثیق ثابت کی تھی، پھر کچھ دنوں بعد یزید بن معاویہ کے بعض مخالفین نے میرے اس مضمون کو حافظ زبیر علی زئی کے سامنے پیش کیا اور ان کا فیصلہ طلب کیا، موصوف چونکہ یزید کی شدید مذمت کرتے تھے، اس لیے ظاہر ہے کہ یہ روایت ان کے لیے پریشان کن ثابت ہوئی، اس لیے موصوف نے حد درجہ تکلفات سے کام لیتے ہوئے اس روایت کو ضعیف ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی۔

اس ضمن میں موصوف نے اس کی سند کے ایک راوی عبدالرحمٰن بن معاویہ کے بارے میں دعویٰ کیا کہ جمہور نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، اس لیے یہ راوی ضعیف ہے، اس سلسلے میں موصوف نے امام ہیثمی رحمہ اللہ کا قول بطور تائید پیش کیا کہ امام ہیثمی رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے کہ اکثر نے اس راوی کو ضعیف کہا ہے۔ حالاں کہ اس سے پہلے خود موصوف ہی نے امام ہیثمی کے اس قول کو مردود قرار دیا تھا اور اس کے خلاف اپنی یہ تحقیق پیش کی تھی کہ جمہور نے اس راوی کو ثقہ کہا ہے۔[1]

لیکن شاید یہ تحقیق پیش کرتے وقت انھیں یہ علم نہیں تھا کہ اسی راوی نے ایک عظیم صحابی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یزید بن معاویہ کی تعریف نقل کی ہے اور جوں ہی آں جناب کے سامنے میری تحریر پیش ہوئی اور یہ حقیقت سامنے آئی کہ اس راوی نے ایک عظیم صحابی سے یزید بن معاویہ کی تعریف نقل کی ہے۔ پھر کیا تھا؟ تحقیق کی پوری کایا پلٹ گئی اور توثیق کرنے والے جمہور کی پوری

[1] دیکھیں: تحقیقی مقالات (۳/ ۳۸۵) نیز دیکھیں: مجلہ ''الحدیث'' (شمارہ ۱۰۷، ص: ۴۸)

عمارت منہدم ہوگئی۔ اب دوبارہ الیکشن ہوا، نئے سرے سے ووٹنگ ہوئی اور اس بار ٹوٹے پھوٹے ووٹ حاصل کر کے نام نہاد جمہوریت کی تلوار اٹھائی گئی اور مدحِ یزید میں روایت بیان کرنے کی پاداش میں بے چارے عبدالرحمٰن بن معاویہ کی ثقاہت کا بڑی ہی بے دردی اور بے رحمی سے خون کر دیا گیا۔

عرض ہے کہ اول تو محض جمہوریت اور نمبر شماری سے کسی راوی کی توثیق وتضعیف والا اصول ہی مضحکہ خیز ہے۔ دوم یہ کہ خود جمہور ہی نے اس راوی کو ثقہ و صدوق اور حسن الحدیث مانا ہے۔ ثبوت میں درج ذیل سطور پیشِ خدمت ہیں:

اقوالِ جارحین:

صحابیِ رسول عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی زبانی یزید بن معاویہ کو صالح و نیک قرار دینے والی بلاذری رحمہ اللہ کی روایت کو ضعیف ثابت کرنے کے لیے محمد مہدی الخرسان رافضی لکھتا ہے:

”والراوي عنه: عبد الرحمن بن معاوية، هو ابن الحويرث الأنصاري الزرقي أبو الحويرث المدني الّذى قال فيه مالك: ليس بثقة، قال ابن عدى: ليس له كثير حديث، ومالك أعلم به لأنّه مدني، ولم يرو عنه شيئا، وقال أبو حاتم: ليس بقوي يكتب حديثه ولا يحتج به، وعن ابن معين: ليس يحتج بحديثه، وقال مالك: قدم علينا سفيان فكتب عن قوم يرمون بالتخنيث يعني أبا الحويرث منهم، قال أبو داود: وكان يخضب رجليه، وكان من مرجيئ أهل المدينة، وقال النسائي: ليس بذاك“[1]

عامر بن مسعود رحمہ اللہ سے اس روایت کو نقل کرنے والا عبدالرحمٰن بن معاویہ ہے اور یہ ابن الحویرث انصاری، زرقی، مدنی ابو الحویرث ہے، جس کے بارے میں امام مالک نے کہا: یہ ثقہ نہیں ہے۔ ابن عدی نے کہا: اس کی زیادہ حدیثیں نہیں ہیں اور امام مالک اس کے بارے میں بہتر جانتے ہیں، کیوں کہ یہ مدنی ہے اور امام مالک نے اس سے کچھ روایت نہیں کیا۔ ابو حاتم نے کہا: یہ قوی نہیں ہے، اس کی حدیث لکھی جائے گی، لیکن اس سے حجت نہیں پکڑی جائے گی۔ ابن معین نے کہا: اس سے حجت نہیں پکڑی جائے گی۔ امام

[1] موسوعة عبد الله بن عباس (٥/ ٢١١)

مالک کہتے ہیں کہ ہمارے پاس سفیان آئے تو وہ ایسے لوگوں سے روایت لکھتے تھے، جن پر ہجڑے پن کی تہمت لگائی جاتی تھی، یہ ان میں ابو الحویرث کو بھی مراد لیتے تھے اور امام ابو داود نے کہا کہ یہ اپنے پاؤں میں منہدی لگاتا تھا اور یہ اہلِ مدینہ کے مرجیہ میں سے تھا اور امام نسائی نے کہا کہ یہ بہت زیادہ قوی نہیں ہے۔''

عرض ہے کہ جارحین کے اقوال پر تبصرہ ہم آگے کریں گے، لیکن اس سے قبل یہ واضح ہو کہ اس رافضی کی ذکر کردہ باتوں میں سے کچھ باتیں جرح کے باب میں سرے سے غیر مقبول ہیں، مثلاً امام مالک نے ابو الحویرث پر لگائی گئی ہجڑے پن کی تہمت کا ذکر کیا ہے، لیکن انھوں نے ''یُرمَوْنَ'' (ان پر تہمت لگائی جاتی تھی) کہا ہے اور یہ صراحت نہیں کی ہے کہ یہ تہمت لگانے والے کون لوگ ہیں؟ وہ ثقہ ہیں یا نہیں؟ اسی طرح انھوں نے خود یہ بات دیکھی ہے یا نہیں؟ اس لیے امام مالک رحمہ اللہ کی یہ جرح بھی بغیر شہادت وثبوت کے ہے، جو غیر مسموع ہے۔

پھر اس طرح کی چیزوں کا ماخذ راوی کی روایات نہیں ہوتی ہیں، بلکہ اس کے لیے شہادت وثبوت کی ضرورت ہوتی ہے، لہٰذا اگر کوئی محدث بغیر شہادت وثبوت کے اس طرح کا الزام لگائے تو اسے رد کر دیا جاتا ہے۔ بعض راویان پر گانا، باجا وغیرہ سننے کا بھی الزام ہے، لیکن چونکہ اس سے متعلق کوئی گواہی اور ثبوت موجود نہیں ہے، اس لیے اہلِ فن نے اس طرح کے الزامات کو رد کر دیا ہے۔

یہی حال امام ابو داود کے تبصرے کا بھی ہے، اس کی بنیاد ابولحویرث کی طرف منسوب عقیدہ و عمل ہے اور ابو الحویرث سے اس طرح کے عقیدہ یا اس طرح کے عمل کا کوئی ٹھوس ثبوت موجود نہیں۔ لہٰذا اصل بنیاد منہدم ہونے کے سبب یہ جرح بھی منہدم ہے۔ زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''حافظ ذہبی نے بھی عمرو بن یحییٰ کو ابن معین کی طرف منسوب غیر ثابت جرح کی وجہ سے [1] ضعفاء وغیرہ میں ذکر کیا ہے اور اصل بنیاد منہدم ہونے کی وجہ سے یہ جرح بھی منہدم ہے۔'' [2]

نیز ان باتوں کو نقل کرنے والے ابو عبید الآجری ہیں اور بعض کے نزدیک ابو عبید الآجری

[1] دیوان الضعفاء والمتروکین (۲/ ۲۱۲) رقم الحدیث (۹۲۲۳)

[2] مجلہ ''الحدیث'' (شمارہ ۹۵، ص: ۸۲)

مجہول ہیں، اس لیے ان کے اصول کے تحت یہ باتیں ثابت ہی نہیں۔اس کے علاوہ امام ابو داود رحمہ اللہ نے امام مالک کی یہ بات کس کے ذریعے سنی ہے؟ اس کا بھی نام نہیں بتایا ہے، لہٰذا امام مالک سے بھی یہ بات بسند صحیح ثابت نہیں ہے اور امام ابو داود نے اپنے الزام کا بھی کوئی حوالہ نہیں دیا ہے کہ یہ بات انھیں کیسے معلوم ہوئی؟ لہٰذا ان سب باتوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اب اس رافضی کے ذکر کردہ دیگر اقوال اور اس کے ساتھ ساتھ زبیر علی زئی صاحب کی پیش کردہ جروح، اسی طرح بعض دیگر اقوالِ جرح پر تبصرہ ملاحظہ ہو:

① امام مالک رحمہ اللہ:

امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۷ھ) نے کہا:

”أنا عبد الله بن أحمد بن محمد بن حنبل فيما كتب إلي قال: قال أبي: أبو الحويرث روىٰ عنه سفيان الثورى وشعبة، فقلت: إن بشر بن عمر زعم أنه سأل مالك بن أنس عنه فقال: ليس بثقة؟ فأنكره فقال: لا، وقد حدث عنه شعبة“[1]

”امام احمد کے بیٹے عبداللہ کہتے ہیں کہ میرے والد نے کہا: ابو الحویرث سے سفیان ثوری اور شعبہ نے روایت کیا ہے۔ میں نے کہا: بشر بن عمر کا کہنا ہے کہ انھوں نے امام مالک سے ان کے بارے میں پوچھا تو امام مالک نے کہا: یہ ثقہ نہیں ہے۔تو میرے والد (امام احمد) نے اس کی تردید کی اور کہا: نہیں، ان سے تو شعبہ نے روایت کیا ہے۔“

امام مالک رحمہ اللہ جرح کرنے میں متشدد ہیں اور آپ کی جرح غیر مفسر ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جمہور محدثین کے خلاف بھی ہے، لہٰذا غیر مسموع ہے، اسی لیے امام احمد رحمہ اللہ نے اسے رد کر دیا ہے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ کی توثیق کا مدار امام شعبہ کی توثیق پر ہے اور اگر امام شعبہ کا قول امام مالک کے تعارض میں آ جائے تو امام مالک کے قول کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ امام شعبہ کے قول کا۔عرض ہے کہ یہاں امام مالک کے بالمقابل امام احمد رحمہ اللہ کی توثیق کئی لحاظ سے راجح ہے:

ا۔ امام مالک رحمہ اللہ کی جرح غیر مفسر ہے اور توثیق کے خلاف جرح غیر مفسر نا قابلِ قبول ہے۔

[1] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٥/ ٢٤٨) وسنده صحيح.

۲۔ امام شعبہ رحمہ اللہ امام مالک رحمہ اللہ سے زیادہ متشدد ہیں، بلکہ اس قدر متشدد ہیں کہ مدلسین کی وہی احادیث روایت کرتے تھے، جن میں ان کے سماع کی صراحت ہو اور یہ خوبی امام مالک سے منقول نہیں ہے۔ ثابت ہوا کہ امام شعبہ رحمہ اللہ امام مالک سے زیادہ متشدد ہیں اور جب ایک متشدد توثیق کردے تو اس کی توثیق زیادہ اہم ہوتی ہے بالخصوص متشدد کے خلاف۔

۳۔ یہاں صرف جرح و تعدیل کا تعارض نہیں، بلکہ جرح کا انکار اور اس پر رد ہے۔

یعنی صرف یہ بات نہیں ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے ایک راوی کو ضعیف کہا اور اسی راوی کو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ثقہ کہا ہے اور دونوں میں تعارض ہے، بلکہ معاملہ یہ ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے براہِ راست امام مالک کی جرح کی تردید کی ہے۔یعنی ایک ناقد امام نے ایک دوسرے ناقد امام کی جرح کو رد کر دیا ہے، لہٰذا یہاں صرف تعارض کی بات نہیں ہے، بلکہ جرح کی تردید کی بات ہے اور یہ بہت اہم بات ہے، جو عبدالرحمٰن بن معاویہ کی توثیق کو مزید راجح قرار دیتی ہے، کیوں کہ یہ ترجیح ایک بہت بڑے ناقد امام کی طرف سے مل رہی ہے۔

۴۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ امام مالک رحمہ اللہ کی طرف یہ بھی منسوب ہے کہ ابو الحویرث پر ہجڑے پن کی لگائی گئی، جس کی وجہ سے وہ ان سے روایت لکھنے کو معیوب سمجھتے تھے۔ اگر یہ بات ثابت ہو جائے تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ امام مالک رحمہ اللہ نے ایسی چیز کی بنا پر جرح کی ہے، جو بے بنیاد ہے۔ لہٰذا یہ جرح غیر مسموع ہے۔ یاد رہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے امام المغازی محمد بن اسحاق رحمہ اللہ پر بھی شدید جرح کی ہے، لیکن اہلِ علم نے اسے رد کر دیا ہے، کیوں کہ یہ صحیح بنیاد پر قائم نہیں ہے۔

② امام ابو حاتم رحمہ اللہ:

امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۷ھ) نے کہا:

"سألت أبي عن أبي الحويرث؟ فقال: ليس بقوي، يكتب حديثه ولا يحتج به"[1]

"ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے ابو الحویرث کے بارے میں پوچھا تو

[1] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٥/ ٢٨٤)

انھوں نے کہا: یہ قوی نہیں ہے، اس کی حدیث لکھی جائے گی اور اس سے حجت نہیں پکڑی جائے گی۔''

اول تو یہ جرح جمہور کے خلاف ہے۔ دوم ثابت شدہ توثیق کے بالمقابل ابو حاتم کا یہ جملہ غیر مسموع ہے، کیوں کہ وہ متشدد ہیں اور ثقات کے بارے میں بھی یہ جملہ عام طور پر بولتے ہیں۔

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) نے کہا:

''إِذَا وَثَّقَ أَبُو حَاتِمٍ رَجُلًا فَتَمَسَّكْ بِقَوله، فَإِنَّهُ لَا يُوَثِّقُ إِلَّا رَجُلًا صَحِيحَ الحَدِيثِ، وَإِذَا لَيَّنَ رَجُلًا، أَوْ قَالَ فِيهِ: لَا يُحْتَجُّ بِهِ، فَتَوَقَّفْ حَتَّى تَرَى مَا قَالَ غَيْرُهُ فِيهِ، فَإِنْ وَثَّقَهُ أَحَدٌ، فَلَا تَبْنِ عَلَى تَجْرِيحِ أَبِي حَاتِمٍ، فَإِنَّهُ مُتَعَنِّتٌ فِي الرِّجَالِ، قَدْ قَالَ فِي طَائِفَةٍ مِنْ رِجَالِ (الصِّحَاحِ): لَيْسَ بِحُجَّةٍ، لَيْسَ بِقَوِيٍّ، أَوْ نَحْوِ ذَلِكَ''[1]

''جب امام ابو حاتم کسی راوی کو ثقہ کہہ دیں تو اسے لازم پکڑ لو، کیوں کہ وہ صرف صحیح الحدیث شخص ہی کی توثیق کرتے ہیں اور جب وہ کسی شخص کو لین قرار دیں یا اس کے بارے میں یہ کہیں کہ اس سے حجت نہیں پکڑی جائے گی تو اس جرح میں توقف اختیار کرو، یہاں تک کہ دیکھ لو کہ دوسرے ائمہ نے اس کے بارے میں کیا کہا ہے؟ پھر اگر کسی نے اس راوی کی توثیق کی ہے تو ابو حاتم کی جرح کا اعتبار مت کرو، کیوں کہ وہ رواۃ پر جرح کرنے میں متشدد ہیں، انھوں نے صحیحین کے کئی راویوں کے بارے میں یہ کہہ دیا کہ یہ حجت نہیں ہیں، یہ قوی نہیں ہیں، وغیرہ وغیرہ۔''

امام زیلعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۶۲ھ) نے کہا:

''قَوْلُ أَبِي حَاتِمٍ: لَا يُحْتَجُّ بِهِ، غَيْرُ قَادِحٍ أَيْضًا، فَإِنَّهُ لَمْ يَذْكُرِ السَّبَبَ، وَقَدْ تَكَرَّرَتْ هَذِهِ اللَّفْظَةُ مِنْهُ فِي رِجَالٍ كَثِيرِينَ مِنْ أصحاب الثِّقَاتِ الْأَثْبَاتِ مِنْ غَيْرِ بَيَانِ السَّبَبِ، كَخَالِدٍ الْحَذَّاءِ، وَغَيْرِهِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ''[2]

''امام ابو حاتم کا یہ فرمانا: ''اس سے حجت نہیں لی جائے گی'' غیر قادح ہے، کیوں کہ

---

[1] سير أعلام النبلاء للذهبي (١٣/ ٢٦٠)

[2] نصب الراية للزيلعي (٢/ ٤٣٩)

انھوں نے سبب ذکر نہیں کیا اور اس طرح کی جرح ان سے بغیر کسی تفسیر کے بڑے بڑے ثقات کے بارے میں صادر ہوئی ہے، جیسے خالد الحذاء وغیرہ واللہ اعلم۔''

③ امام نسائی رحمہ اللہ:

آپ نے کہا:

''عبد الرَّحْمَن بن مُعَاوِيَة أَبُو الْحُوَيْرِث لَيْسَ بِثِقَة''[1]

''عبدالرحمٰن بن معاویہ ابوالحویرث ثقہ نہیں ہیں۔''

امام نسائی بھی متشددین میں سے ہیں، نیز ان کی جرح غیر مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ جمہور کے خلاف ہے، لہٰذا غیر مسموع ہے۔

④ امام زکریا بن یحییٰ الساجی رحمہ اللہ:

آپ نے ابوالحویرث کو اپنی کتاب ''الضعفاء'' میں ذکر کیا ہے۔[2]

عرض ہے کہ ضعفا کے مولفین کبھی کبھی ثقہ رواۃ کو بھی یہ بتانے کے لیے ضعفاء میں ذکر کر دیتے ہیں کہ ان پر فلاں نے یہ جرح کی ہے اور ان کا مقصد اس راوی کو ضعیف بتلانا نہیں ہوتا ہے۔ امام ساجی نے اس راوی کو ضعفا میں کس طرح ذکر کیا ہے؟ یہ معلوم نہیں ہے، کیوں کہ ان کی کتاب مفقود ہے اور ان کے الفاظ کو بھی کسی نے نقل نہیں کیا ہے۔

⑤ امام بوصیری رحمہ اللہ:

آپ فرماتے ہیں:

''رَوَاهُ أَبُو يَعْلَىٰ الْمَوْصِلِيُّ بِسَنَدٍ ضَعِيف لِضَعْفِ أَبِي الْحُوَيْرِثِ''[3]

''اسے ابویعلیٰ موصلی نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے، کیونکہ ابوالحویرث ضعیف ہے۔''

یہ جرح بھی غیر مفسر ہے، نیز جمہور اور کبار ائمہ فن کے خلاف ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صرف پانچ محدثین سے عبدالرحمٰن بن معاویہ کی تضعیف ثابت ہے اور ان پانچ میں چار محدثین

---

[1] الضعفاء والمتروكون للنسائي (ص: ٦٨)

[2] بحواله إكمال تهذيب الكمال للمغلطائي (٨/ ٢٢٩)

[3] إتحاف الخيرة المهرة (٧/ ١٩٥)

جرح میں متشدد ہیں اور انھوں نے یہاں مفسر جرح نہیں کی ہے اور پانچویں امام بوصیری ہیں، جو بہت بعد کے اور متاخر عالم ہیں۔ اس کے برخلاف بیس (۲۰) محدثین سے اس راوی کی توثیق ثابت ہے، جیسا کہ تفصیل آگے آ رہی ہے۔ نیز درج ذیل اقوال سے تضعیف ثابت نہیں ہوتی:

① امام ابن معین رحمہ اللہ:

امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے کہا:

"قرء علیٰ العباس بن محمد الدوري عن یحییٰ بن معین أنه قال: أبو الحويرث ليس يحتج بحديثه"[1]

"ابو الحویرث سے حجت نہیں لی جائے گی۔"

ابن معین کے صرف ایک شاگرد نے جرح نقل کی ہے اور ان کے تین شاگردوں نے توثیق نقل کی ہے۔ كما سيأتي۔ لہٰذا ان کی توثیق ہی راجح ہے۔

ایک شخص نے راقم الحروف پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے:

"پھر اس کی سب سے اچھی تطبیق یہ ہے کہ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کے "ثقہ" کہنے سے ایسا شخص بھی مراد ہوتا ہے، جو کذاب نہ ہو، لہٰذا یہاں ان کی یہی مراد ہے اور کفایت اللہ بھی اس بات کے قائل ہیں۔"

عرض ہے کہ ابن معین رحمہ اللہ کے اقوال میں یہ تطبیق بھی ہوسکتی ہے اور ہم اس کے قائل بھی ہیں، لیکن ہم نے یہاں یہ تطبیق اس لیے نہیں اختیار کی کہ ہمیں قرینہ یہ مل رہا ہے کہ توثیق کا قول ہی راجح ہے، کیوں کہ جرح کا قول صرف ایک شاگرد نے نقل کیا ہے اور توثیق کا قول تین شاگردوں نے نقل کیا ہے۔ كما سيأتي۔ اصولِ حدیث میں یہ بات آپ کو بھی معلوم ہوگی کہ ثقہ اوثق یا اکثر کے خلاف روایت کرے تو اوثق یا اکثر کی بات ہی لی جائے گی اور ثقہ کے تفرد کو رد کر دیا جائے گا اور اسی اصول پر ہم نے یہاں عمل کیا ہے۔

② امام ابن عدی رحمہ اللہ:

آپ نے کہا:

---

[1] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٥/ ٢٨٤)

”وأبو الحويرث هذا ليس له كثير حديث، ومالك أعلم به، لأنه مدني، ولم يرو عنه شيئا“[1]

”ابوالحویرث کی زیادہ احادیث نہیں ہیں اور امام مالک ان کے بارے میں بہتر جانتے ہیں کہ وہ مدنی ہیں اور انھوں نے اس سے روایت نہیں کیا۔“

ان کی جرح کی بنیاد امام مالک کی جرح ہے، ان کو اس راوی کی مرویات زیادہ ملی ہی نہیں، لہٰذا ان کی یہ کوئی اپنی تحقیق نہیں ہے، جیسا کہ انھوں نے خود یہ کہہ کر واضح کر دیا ہے کہ اس کی احادیث زیادہ نہیں ہیں، اس لیے جب ابن عدی رحمہ اللہ اپنی تحقیق کی نفی کر رہے ہیں تو انھیں جارحین کی فہرست میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ اگر امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اپنی تحقیق کی نفی کے بغیر امام مالک کی جرح کا حوالہ دیا ہوتا تو کہا جاسکتا تھا کہ امام ابن عدی نے خود تحقیق کی ہے اور امام مالک کا قول بطور تائید پیش کیا ہے، لیکن یہاں ایسا معاملہ نہیں ہے۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں۔

③ امام ابوجعفر عقیلی رحمہ اللہ:

آپ نے کہا:

”عبد الرحمن بن معاوية أبو الحويرث حدثنا محمد بن أحمد قال: حدثنا العباس قال: سمعت يحيىٰ قال: أبو الحويرث ليس يحتج بحديثه. حدثنا محمد بن إسماعيل قال: حدثنا الحسن بن علي، ح وحدثنا عبد الله بن أحمد قال: حدثنا عباس بن عبد العظيم، ح وحدثنا زكريا بن يحيىٰ قال: حدثنا محمد بن المثنى قالوا: حدثنا بشر بن عمر قال: سألت مالكا عن أبي الحويرث، فقال: ليس بثقة، قال عبد الله: قال أبي: روى عنه سفيان وشعبة، وأنكر أبي هذا من قول مالك“[2]

”عبدالرحمٰن بن معاویہ کے بارے میں امام ابن معین نے کہا: اس سے حجت نہیں لی جائے گی۔ بشر بن عمر نے کہا کہ میں نے امام مالک سے ابوالحویرث کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا: یہ ثقہ نہیں ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے بیٹے عبداللہ نے کہا کہ میرے والد

[1] الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي (٥/ ٥٠٢)
[2] الضعفاء الكبير للعقيلي (٢/ ٣٤٤)

احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عبدالرحمٰن بن معاویہ سے امام سفیان اور امام شعبہ نے روایت کیا ہے۔ اس کے بعد میرے والد نے امام مالک کے قول کی تردید کی۔"

④ ابن الجوزی رحمہ اللہ:

آپ نے کہا:

"عبد الرحمن بن معاوية أبو الحويرث الزرقي المديني، يروي عن ابن عباس. قال مالك والنسائي: ليس بثقة، وقال يحيىٰ والرازي: لا يحدث بحديثه، وقال مرة: ثقة، وقال أحمد: روى عنه سفيان وشعبة، و أنكر قول مالك. قال المصنف: قلت: وثم آخران يقال لهما: عبد الرحمن بن معاوية، لا نعرف فيهما طعنا"[1]

"عبدالرحمٰن بن معاویہ کے بارے میں امام مالک اور امام نسائی نے کہا: یہ ثقہ نہیں ہیں۔ امام ابن معین اور امام رازی نے کہا: ان سے حدیث نہ بیان کی جائے اور دوسرے مقام پر امام ابن معین نے انھیں ثقہ بھی کہا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: ان سے سفیان اور امام شعبہ نے روایت بیان کی ہے اور اس کے بعد امام احمد رحمہ اللہ نے امام مالک کے قول کی تردید کی۔ ابن الجوزی کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن معاویہ نام کے دو اور شخص ہیں، ہم ان کے بارے میں کوئی جرح نہیں جانتے۔"

عرض ہے کہ امام عقیلی رحمہ اللہ اور ابن الجوزی رحمہ اللہ کو جارحین کی فہرست میں شمار کرنا درست نہیں، کیوں کہ انھوں نے اسے "ضعفاء" میں نقل کرنے کے بعد اپنا کوئی فیصلہ نہیں پیش کیا ہے، بلکہ ان سے متعلق جرح و توثیق دونوں طرح کی بات نقل کی ہے، جیسا کہ اوپر ہم نے ان کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ بلکہ غور کریں کہ دونوں نے زیر بحث راوی سے متعلق جرح نقل کرنے کے بعد اخیر میں امام احمد سے اس کی تردید نقل کی ہے اور اس میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ ان کی تضعیف کو غیر معتمد سمجھتے ہیں۔

دراصل ضعفاء کے مصنفین اگر کسی راوی کو ضعفاء میں نقل کر دیں تو اس کا یہ لازمی مطلب

---

[1] الضعفاء والمتروكين لابن الجوزي (٢/ ١٠٠)

نہیں ہوتا کہ ان کی نظر میں یہ راوی ضعیف ہی ہے، بلکہ ضعفاء کے مصنفین ثقہ رواۃ کا تذکرہ بھی ضعفاء میں یہ بتانے کے لیے کرتے ہیں کہ ان پر جرح بھی ہوئی ہے۔ بلکہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کے آخری جملے پر غور کیجیے۔ کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن معاویہ نام کے دو راوی اور ہیں اور ہم ان کے بارے میں کوئی جرح نہیں جانتے۔ گویا اس کتاب میں ابن الجوزی کا مقصد صرف یہی ہے کہ ان رواۃ کا تذکرہ کیا جائے جن پر جرح ہوئی ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ جرح مقبول ہے یا مردود؟

الغرض محض ضعفا میں ذکر کر دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ذکر کرنے والے کے نزدیک یہ ضعیف ہے۔ اس لیے ثابت شدہ توثیق کے خلاف اس طرح کے حوالے غیر مسموع ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ امام عقیلی اور ابن الجوزی دونوں متشددین میں سے ہیں۔

⑤ امام ابو احمد الحاکم رحمہ اللہ:

آپ نے کہا: "ليس بالقوي عندهم"[1] "یہ محدثین کے نزدیک بہت زیادہ قوی نہیں ہیں۔"

⑥ امام ابن عبد البر رحمہ اللہ:

آپ نے فرمایا: "ليس بالقوی عندهم"[2] "یہ محدثین کے نزدیک بہت زیادہ قوی نہیں ہیں۔"

عرض ہے کہ امام ابو احمد الحاکم اور امام ابن عبدالبر رحمہما اللہ کے یہ اقوال اس راوی کی تضعیف پر دلالت نہیں کرتے، کیوں کہ ان دونوں ائمہ نے "ليس بقوي" نہیں، بلکہ "ليس بالقوي" کہا ہے اور ان دونوں صیغوں میں فرق ہے۔ "ليس بقوي" بے شک راوی کے ضعیف ہونے پر دلالت کرتا ہے، لیکن ان دونوں ائمہ نے "ليس بقوي" نہیں کہا، بلکہ "ليس بالقوي" کہا ہے، جو ضعیف ہونے پر دلالت نہیں کرتا، چناں چہ امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵ھ) نے کہا:

"وهو إسناد متصل حسن إلا أن ابن عقيل ليس بالقوي"[3]

"یہ سند متصل اور حسن ہے، مگر ابن عقیل بہت زیادہ قوی نہیں ہے۔"

غور کریں کہ یہاں امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ابن عقیل کو "ليس بالقوي" بھی کہا ہے اور ساتھ

---

[1] الأسامي والكنى لأبي أحمد الحاكم (٤/ ٥٠)

[2] الاستغناء في معرفة المشهورين من حملة العلم بالكنىٰ لابن عبد البر (٦٣٣)

[3] علل الدارقطني (١/ ١٢٩)

ہی ساتھ اس کی سند کو حسن بھی کہا ہے۔ معلوم ہوا کہ کسی راوی کا "ليس بالقوي" ہونا اس کے "حسن الحديث" ہونے کے منافی نہیں ہے۔ اس کے بارے میں تفصیل گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ اسی کتاب کا صفحہ (۶۳۴۔ ۶۳۵) دیکھیں۔

⑦ امام ذہبی رحمہ اللہ:

آپ نے کہا: "ضُعِّفَ" [1] یعنی ان کی تضعیف کی گئی ہے۔

عرض ہے کہ امام ذہبی نے صیغہ تمریض سے تضعیف کا ذکر کیا اور اس کے بعد آنے والے راوی عبدالرحمٰن بن معقل کی توثیق بھی صیغہ تمریض سے ذکر کی ہے اور آپ کاشف میں صیغہ تمریض سے تضعیف یا توثیق کا ذکر کریں تو یہ اشارہ ہوتا ہے کہ یہاں تضعیف یا توثیق معتبر نہیں ہے۔

چناں چہ علامہ البانی رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"ولذلك أشار الذهبي في "الكاشف" إلىٰ أن التوثيق المذكور غير موثوق به، فقال: وُثِّق" [2]

''اسی لیے امام ذہبی رحمہ اللہ نے ''کاشف'' میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مذکورہ توثیق غیر معتبر ہے، چناں چہ انھوں نے صیغہ تمریض کے ساتھ کہا کہ ان کی توثیق کی گئی ہے۔''

علامہ البانی رحمہ اللہ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام ذہبی جب "وُثِّق" کہیں تو اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ اس راوی کی جو توثیق کی گئی ہے، وہ غیر معتبر ہے۔ یہی معاملہ تضعیف میں صیغہ تمریض کا بھی ہونا چاہیے۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام ذہبی نے رجال ابن ماجہ میں جو "لَيِّنٌ" کہا ہے، اس سے بھی ہلکی جرح مراد ہے، جس کی مزید تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی توثیق بھی کی ہے۔ كما سيأتي.

⑧ حافظ ابن الملقن رحمہ اللہ:

آپ ایک حدیث پر حکم لگاتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

[1] الكاشف (١/ ٦٤٤)

[2] سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيئ في الأمة (٣/ ٣٧٧)

''وفي إسناده اثنان قد ضعفا، أحدهما: أبو الحويرث؛ الثاني: أبو معشر نجيح'' [1]

''اس کی سند میں دو لوگ ہیں، جن کی تضعیف کی گئی ہے، ان میں سے ایک ابولحویرث ہے اور دوسرے ابومعشر نجیح ہیں۔''

یہاں پر ابن الملقن نے محض ابو الحویرث کی وجہ سے حدیث کی تضعیف نہیں کی ہے، بلکہ اس کے ساتھ ایک اور راوی ابومعشر کے ضعف کا بھی تذکرہ کیا ہے علاوہ بریں یہ نقد ایک مرسل سند پر ہے اور اس میں ارسال بھی ایک ضعف ہے، یعنی اس سند میں کئی طرح کے ضعف موجود ہیں اور جب سند میں کئی ضعف ہوں تو بعض غیرقادح ضعف کا بھی تائیداً ذکر کر دیا جاتا ہے، اگرچہ وہ ضعف منفرد ہونے کی صورت میں روایت کی تضعیف کے لیے کافی نہ ہو۔ علامہ البانی رحمہ اللہ کے سلسلتین میں ایسی متعدد مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں، لہٰذا ممکن ہے کہ یہاں پر حافظ ابن الملقن رحمہ اللہ نے محض ضعف کی تائید میں ابو الحویرث کی تضعیف کا حوالہ دیا ہو، بلکہ یہ جان کر یہ بات طے ہوجاتی ہے کہ دوسرے مقام پر خود ابن الملقن ہی نے ابو الحویرث کی حدیث کو صحیح بھی کہا ہے، چناں چہ ایک دوسرے مقام پر آپ نے فرمایا:

''قَالَ الْحَاكِم: هَذَا حَدِيث صَحِيح عَلىٰ شَرط الشَّيْخَيْنِ وَلم يخرجَاهُ، وَهُوَ كَمَا قَالَ'' [2]

''حاکم نے کہا کہ یہ حدیث شیخین کی شرط پر ہے اور انھوں نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔ امام ابن الملقن نے کہا ہے: یہ حدیث اسی طرح ہے، جس طرح حاکم نے کہا ہے۔''

یہ حدیث عبدالرحمٰن بن معاویہ ابو الحویرث ہی کی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ حافظ ابن الملقن رحمہ اللہ کے نزدیک اصل میں ابو الحویرث کی توثیق ہی راجح ہے۔

⑨ امام ابن کثیر رحمہ اللہ:

آپ نے ابوالحویرث کی ایک مرسل روایت کے بارے میں کہا:

[1] البدر المنير (٢/ ٨)

[2] البدر المنير لابن الملقن (٤/ ٢٧٨)

"هذا مُرسَل، أبو الحُوَيرِثِ اسمُهُ: عبدُالرحمن بنُ مُعاويةَ، فيهِ ضعفٌ"[1]

''یہ حدیث مرسل ہے اور ابولحویرث کا نام عبدالرحمٰن بن معاویہ ہے، اس میں ضعف ہے۔''

عرض ہے کہ اس سند کے ضعیف ہونے کے لیے اس کا مرسل ہونا ہی کافی ہے اور اس کے بعد امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابولحویرث کا تعارف پیش کیا اور اس کا پورا نام بتایا ہے اور چونکہ اس پر بعض محدثین نے جرح کی ہے، اس لیے تعارف پیش کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اس میں ضعف ہے۔ یہ جملہ راوی کی مطلق تضعیف پر ہرگز دلالت نہیں کرتا، اس سے صرف اور صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس راوی میں ضعف ہے، لیکن کیا یہ ضعف اس قدر ہے کہ راوی کو ضعیف بنا دے؟ اس بات کی صراحت یہاں نہیں ہے، لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے نزدیک یہ راوی ضعیف ہے۔

⑩ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ:

آپ نے کہا:

"صدوق سيئ الحفظ، رمي بالإرجاء"[2]

''ابوالحویرث سچے ہیں، برے حافظہ والے ہیں، ان پر ارجاء کی تہمت لگائی گئی ہے۔''

عرض ہے کہ ارجاء کی تہمت کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور اس طرح کے الزامات سے راوی کی ثقاہت پر کوئی فرق بھی نہیں پڑتا۔ نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے انھیں صدوق تو کہا ہے اور صدوق راوی حسن الحدیث ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے انھیں جو "سيئ الحفظ" کہا ہے تو خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ "سيئ الحفظ" سے ضعیف مراد نہیں لیتے، بلکہ ایسے راوی کو وہ حسن الحدیث مانتے ہیں۔ چناں چہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"وابن عقيل سيئ الحفظ يصلح حديثه للمتابعات فأما إذا انفرد فيحسن"[3]

''ابن عقیل "سيئ الحفظ" ہیں، ان کی حدیث متابعات کے قابل ہوں گی اور جب یہ منفرد ہوں گے تو ان کی حدیث حسن ہوگی۔''

---

[1] إرشاد الفقيه لابن كثير (١/ ٢٠٤)

[2] تقريب التهذيب لابن حجر، رقم (٤٠١١)

[3] تلخيص الحبير (٢/ ١٠٨)

معلوم ہوا کہ صدوق "سیئ الحفظ" راوی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک حسن الحدیث ہوتا ہے۔ اب اگر کسی مقام پر یہ ملتا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس راوی کو ضعیف کہا ہے تو ان کی تضعیف اس توثیق کے معارض ہوگی، پھر بعض لوگوں کے اصول کے مطابق دونوں اقوال ساقط ہوجائیں گے۔

بعض معاصرین کا موقف:

ایک شخص نے لکھا:

"محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی یہ راوی ضعیف ہی ہے:

"قلت: و أبو الحويرث هذا اسمه: عبدالرحمن بن معاوية بن الحويرث الأنصاري، و هو ضعيف لسوء حفظه" اسی طرح شیخ شعیب الارناؤوط رحمہ اللہ کی تحقیق میں بھی یہ راوی ضعیف ہی ہے، چناں چہ ایک حدیث کی تحقیق میں فرماتے ہیں: "وهذا إسناد ضعيف لضعف عبد الرحمن بن معاوية""

عرض ہے کہ انھیں دونوں شخصیات علامہ البانی رحمہ اللہ اور شیخ شعیب الارناؤوط نے نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے سے متعلق صحیح ابن خزیمہ والی حدیث کے راوی "مومل بن اسماعیل" کو بھی ضعیف کہا ہے اور وہ بھی اسی انداز میں۔ چناں چہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے کہا:

"مؤمل ابن إسماعيل فإنه ضعيف لسوء حفظه وكثرة خطأه"[1]

"مومل بن اسماعیل، یہ برے حافظہ اور بکثرت غلطیاں کرنے کے سبب ضعیف ہے۔"

شیخ شعیب الارناؤوط نے کہا:

"وهذا إسناد ضعيف لضعف مؤمل بن إسماعيل"[2]

"اس کی سند ضعیف ہے، مومل بن اسماعیل کے ضعیف ہونے کے سبب۔"

اب کیا خیال ہے؟ کیا مومل بن اسماعیل کو ضعیف تسلیم کرلیا جائے؟ زبیر علی زئی صاحب نے تو مومل بن اسماعیل کی توثیق پر مکمل ایک مقالہ تحریر کیا ہے۔ کیا انھیں نہیں معلوم تھا کہ علامہ البانی رحمہ اللہ

---

[1] سلسلة الأحاديث الضعيفة (۲/ ۲۹۳)

[2] مسند أحمد (۲۱/ ۱٦٦)

اور شعیب الارناؤوط نے تو مؤمل بن اسماعیل کو ضعیف کہا ہے؟

اگر کہا جائے کہ مؤمل بن اسماعیل کے بارے میں علامہ البانی وغیرہ کا ضعیف کہنا درست نہیں ہے تو عرض ہے کہ عبدالرحمٰن بن معاویہ کے بارے میں بھی علامہ البانی وغیرہ کا ضعیف کہنا درست نہیں۔

یاد رہے خود علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی ایک مقام پر عبدالرحمٰن بن معاویہ کی ایک منفرد حدیث کو حسن قرار دیا ہے، چناں چہ آپ نے ارواء الغلیل میں کہا:

”وأما حديث سهل بن سعد فقال: ما رأيت رسول اللهﷺ شاهرا يديه قط يدعو علىٰ منبره، ولا علىٰ غيره، لكن رأيته يقول هكذا، وأشار بالسبابة وعقد الوسطىٰ والإبهام. أخرجه أبو داود (رقم الحديث: ١١٠٥) بإسناد حسن“[1]

یعنی سہل بن سعد کی جو یہ حدیث ہے، جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ نے منبر پر یا اس کے علاوہ دعا کرتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوں۔ میں نے آپ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ ﷺ یوں کرتے تھے اور اشارہ کر کے دکھایا کہ آپ ﷺ انگشتِ شہادت اُٹھاتے اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا لیتے۔ اسے امام ابو داود نے حدیث نمبر (١١٠٥) کے تحت حسن سند سے روایت کیا ہے۔

زبیر علی زئی صاحب کا اصول ہے کہ جب ایک ہی راوی سے متعلق کسی امام سے دو طرح کے فیصلے ملیں تو دونوں ساقط ہیں، اس اصول پر ایمان رکھنے والوں کو زیر بحث راوی کی تضعیف میں علامہ البانی رحمہ اللہ کا حوالہ نہیں دینا چاہیے، کیوں کہ ایک مقام پر علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس راوی کی حدیث کو حسن بھی کہا ہے۔

کچھ لوگ علامہ البانی اور شیخ شعیب الارناؤوط کا حوالہ دے کر شاید یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ عصرِ حاضر کے محققین بھی زیر بحث راوی کو ضعیف ہی مانتے ہیں، جب کہ حقیقت ایسی نہیں، خود علامہ البانی رحمہ اللہ ہی سے ہم نے اس راوی کی حدیث کی تحسین پیش کر دی ہے۔

---

[1] إرواء الغليل للألباني (٣/ ٧٧)

اس کے علاوہ عصرِ حاضر میں ایک عظیم محدث علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ بھی گزرے ہیں، آپ نے زیرِ بحث راوی عبدالرحمٰن بن معاویہ کو متعدد مقامات پر ثقہ قرار دیا ہے اور اس پر کی گئی جروح کو مردود قرار دیا ہے۔ چناں چہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"أبو الحويرث: هو عبد الرحمن بن معاوية بن الحويرث الأنصاري، اختلف فيه، والراجح أنه ثقة، وثقه يحيىٰ بن معين، وروىٰ عنه شعبة"[1]

"ابو الحویرث؛ یہ عبدالرحمٰن بن معاویہ بن الحویرث الانصاری ہیں، ان کے بارے میں اختلاف ہے اور راجح یہی ہے کہ یہ ثقہ ہیں۔ امام ابن معین رحمہ اللہ نے انھیں ثقہ کہا ہے اور امام شعبہ رحمہ اللہ نے ان سے روایت لی ہے۔"

اس کے علاوہ معاصرین میں اور محققین بھی ہیں، جو عبدالرحمٰن بن معاویہ کو ثقہ مانتے ہیں۔

اقوالِ توثیق

پہلی توثیق: از امام شعبة بن الحجاج رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۶۰ھ):

امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۷ھ) نے کہا:

"عبد الرحمن بن معاوية الزرقي أبو الحويرث المديني، روى عن ابن عباس و علي بن الحسين ونافع بن جبير بن مطعم ومحمد بن عمار المؤذن، روى عنه الثوري و شعبة، سمعت أبي يقول ذلك"[2]

یعنی عبدالرحمٰن بن معاویہ سے امام شعبہ نے روایت کیا ہے اور امام شعبہ رحمہ اللہ صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں، چناں چہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا:

"شيوخ شعبة جياد"[3] "شعبہ کے شیوخ حسن الحدیث ہیں۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا:

"أن يكون الرجل قد عرف من حاله أنه لا يروي إلا عن ثقة، فإنني أذكر

[1] مسند أحمد (١/ ١٨٢)

[2] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٥/ ٢٨٤)

[3] ميزان الاعتدال للذهبي (٤٥٠٤)

جميع شيوخه أو أكثرهم، كشعبة ومالك وغيرهما"[1]

''جس کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں تو میں ان کے تمام شیوخ یا اکثر شیوخ کا تذکرہ کروں گا، جیسے امام شعبہ اور امام مالک وغیرہما ہیں۔''

''ابو صدقہ، توبہ بن عبداللہ'' کو امام ازدی نے "لا يحتج به" کہا تو امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا: "قلت: ثقة، روى عنه شعبة"[2]

یعنی یہ راوی ثقہ ہے، کیوں کہ امام شعبہ نے اس سے روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر امام ذہبی کی اس عبارت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وقرأت بخط الذهبي: بل هو ثقة، روى عنه شعبة، يعني وروايته عنه توثيق له"[3]

یعنی میں نے امام ذہبی کی تحریر پڑھی، جس میں امام ذہبی نے مذکورہ راوی کے بارے میں کہا ہے کہ وہ ثقہ ہے، کیوں کہ امام شعبہ نے اس سے روایت کیا ہے، یعنی امام شعبہ کا ان سے روایت کرنا ان کی توثیق ہے۔

دوسری توثیق: از امام شافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۰۴ھ):

آپ نے کہا:

"أبو الحويرث ثقة"[4] ''ابو الحویرث یعنی عبدالرحمٰن بن معاویہ ثقہ ہیں۔''

تیسری توثیق: از امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳ھ):

آپ کے تین شاگردوں نے زیرتذکرہ راوی سے متعلق آپ کی توثیق نقل کی ہے:

۱۔ احمد بن سعد بن ابی مریم رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۵۳ھ):

"عن يحيىٰ بن معين قال: أبو الحويرث ثقة، واسمه: عبد الرحمن بن معاوية"[5]

---

[1] تهذيب التهذيب لابن حجر (٥١)

[2] ميزان الاعتدال للذهبي (٣٦١١)

[3] تهذيب التهذيب لابن حجر (٥١٦١)

[4] الأم للشافعي، اختلاف الحديث (١٠/ ٤٧، ط: دار الوفاء)

[5] الكامل لابن عدي (٥/ ٥٠٢) و إسناده صحيح.

''ابو الحویرث ثقہ ہیں اور ان کا نام عبدالرحمٰن بن معاویہ ہے۔''

۲۔ امام ابن ابی خیثمہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۹ھ) نے کہا:

''سَأَلْتُ يَحْيَى بن مَعِيْن: عن أبي الحويرث؟ فقال: اسمه عَبْد الرَّحْمَن بن مُعَاوِيَة، روى عنه ابن عُيَيْنَة، مدنيٌّ ثقة''[1]

''میں نے امام یحییٰ بن معین سے ابو الحویرث کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے جواب دیا: ان کا نام عبدالرحمٰن بن معاویہ ہے، ان سے ابن عیینہ نے روایت کیا ہے اور یہ مدنی ثقہ ہیں۔''

۳۔ امام عثمان الدارمی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۸۰ھ) نے کہا:

''سألته عن عبد الرحمن بن معاوية الذي يروى عن ابن أبي ذباب؟ فقال: هو أبو الحويرث ثقة''[2]

''میں نے عبدالرحمٰن بن معاویہ، جو ابن ابی ذباب سے روایت کرتے ہیں ان کے بارے میں امام ابن معین رحمہ اللہ سے سوال کیا تو انھوں نے کہا: یہ ابو الحویرث ثقہ ہیں۔''

چوتھی توثیق: از امام علی بن المدینی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۴ھ):

محمد بن عثمان بن ابی شیبہ نے کہا:

''سَأَلت عليا عَن أبي الْحُوَيْرِث فَقَالَ: كَانَ عندنَا ثقة، قد روىٰ عَنهُ الثَّوْرِيّ وَشعْبَة وسُفْيَان بن عيينة''[3]

''میں نے امام علی ابن المدینی سے ابو الحویرث کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا: یہ ہمارے نزدیک ثقہ تھے، ان سے سفیان ثوری، شعبہ اور سفیان بن عیینہ نے روایت لی ہے۔''

پانچویں توثیق: از امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱ھ):

امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۷ھ) نے کہا:

---

[1] تاريخ ابن أبي خيثمة (٤/ ٢٧٠)

[2] تاريخ ابن معين- رواية الدارمي (ص: ١٦٨)

[3] سؤالات ابن أبي شيبة لابن المديني (ص: ٩٢)

"أنا عبد الله بن أحمد بن محمد بن حنبل فيما كتب إلي قال: قال أبي: أبو الحويرث روى عنه سفيان الثورى وشعبة. فقلت: إن بشر بن عمر زعم أنه سأل مالك بن أنس عنه فقال: ليس بثقة؟ فأنكره فقال: لا، وقد حدث عنه شعبة"[1]

''امام احمد رحمہ اللہ کے بیٹے عبداللہ کہتے ہیں کہ میرے والد محترم نے کہا کہ ابو الحویرث سے سفیان ثوری اور امام شعبہ نے روایت کیا ہے تو میں نے کہا: بشر بن عمر کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے امام مالک سے اس کے بارے پوچھا تو امام مالک نے کہا: یہ ثقہ نہیں ہیں؟ تو میرے والد (امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ) نے کہا: نہیں، یعنی یہ موقف درست نہیں، جب کہ امام شعبہ رحمہ اللہ نے ان سے روایت کیا ہے۔''

امام عقیلی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۲ھ) نے کہا:

"حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ، ح وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَحْمَدَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيمِ، ح وَحَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالُوا: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: سَأَلْتُ مَالِكًا عَنْ أَبِي الْحُوَيْرِثِ، فَقَالَ: لَيْسَ بِثِقَةٍ، قَالَ عَبْدُ اللَّه: قَالَ أَبِي: رَوَى عَنْهُ سُفْيَانُ وَشُعْبَةُ، وَأَنْكَرَ أَبِي هَذَا مِنْ قَوْلِ مَالِكٍ"[2]

''بشر بن عمر نے کہا کہ میں نے امام مالک سے ابو الحویرث کے بارے میں پوچھا تو امام مالک نے کہا: یہ ثقہ نہیں ہیں۔ تو میرے والد (امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ) نے کہا: ان سے امام سفیان بن عیینہ اور امام شعبہ نے روایت لی ہے اور میرے والد نے امام مالک کے اس قول کو مردود قرار دیا۔''

امام احمد رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ امام شعبہ نے ان سے روایت کیا ہے، یہ امام احمد رحمہ اللہ کی طرف سے اس راوی کی توثیق ہے۔ اگر امام احمد کا مقصد توثیق کے بجائے صرف جرح کو ہلکا کرنا ہوتا

---

[1] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٥/ ٢٨٤) و سنده صحيح.

[2] الضعفاء الكبير للعقيلي (٢/ ٣٤٤) وسنده صحيح.

توامام شعبہ رحمہ اللہ کا حوالہ نہ دیتے، کیوں کہ امام شعبہ کی روایت کا حوالہ دینے سے توثیق مقصود ہوتی ہے۔جیسا کہ امام ذہبی رحمہ اللہ کے حوالے سے گزرا ہے۔[1]

چھٹی توثیق: ازامام بزار (المتوفی: ۲۹۲ھ) رحمہ اللہ:

آپ نے عبدالرحمٰن بن معاویہ کی ایک حدیث سے متعلق فرمایا:

"وهذا الحديث لا نعلمه يروىٰ عن أنس من وجه أحسن من هذا الوجه، ولا نعلم أسند نعيم المجمر، عن أنس، إلا هذا الحديث، واسم أبي الحويرث عبد الرحمن بن معاوية، رجل مشهور من أهل المدينة"[2]

''اس حدیث کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ یہ انس رضی اللہ عنہ سے اس سے احسن سند سے مروی ہے اور نہ ہم یہ جانتے ہیں کہ نعیم المجمر نے انس رضی اللہ عنہ سے اس کے علاوہ کوئی حدیث مسند بیان کی ہے اور ابوالحویرث عبدالرحمٰن بن معاویہ مدینے کے مشہور شخص ہیں۔''

حافظ زبیرعلی زئی نے نعیم بن حماد کی توثیق میں طحاوی کا قول پیش کرتے ہوئے کہا:

طحاوی نے... ان کی ایک روایت کو باب میں سب سے بہتر "أحسن ما ذكرناه في هذا الباب" قرار دیا ہے۔[3]

ساتویں توثیق: از امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۰ھ)

آپ نے کہا:

"وأبو الحويرث، وأسمه عبد الرحمن بن معاوية، روى عنه ابن عيينة قال يحيىٰ: هو مديني ثقة"[4]

''ابوالحویرث کا نام عبدالرحمٰن بن معاویہ ہے، ان سے سفیان بن عیینہ نے روایت کی ہے اور امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ مدنی ثقہ ہیں۔''

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (٦٧٧) دیکھیں۔ نیز دیکھیں: صفحہ (٦٧٨۔٦٧٩)

[2] مسند البزار (١٢/ ٣٤٠)

[3] مجله "الحديث" (شماره: ٤٩، ص: ٤١)

[4] تاريخ الطبري (١١/ ٦٤٨)

آٹھویں توثیق: از امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۱ھ):

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۱ھ) نے آپ کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔[1] کسی راوی کی روایت کی تصحیح یا تحسین اس راوی کی توثیق ہوتی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) نے کہا:

''قلت: صحح ابن خزيمة حديثه، ومقتضاه أن يكون عنده من الثقات''[2]

''حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابن خزیمہ نے ان کی حدیث کو صحیح کہا ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ ثقہ ہیں۔''

نویں توثیق: از امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴ھ):

آپ نے اس راوی کو ثقات میں ذکر کیا ہے:

''أبو الحويرث اسمه: عبد الرحمن بن معاوية''[3]

دسویں توثیق: از امام ابن شاہین رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵ھ):

آپ نے اس راوی کو ثقات میں ذکر کیا ہے:

''عبد الرَّحْمَن بن مُعَاوِيَة أَبُو الْحُوَيرِث، روى عَنهُ ابن عُيَيْنَة، مديني ثِقَة''[4]

''عبدالرحمٰن بن معاویہ ابو الحویرث ان سے سفیان بن عیینہ نے روایت کیا ہے اور یہ مدنی ثقہ ہیں۔''

گیارھویں توثیق: از امام حاکم رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۰۵ھ):

امام حاکم رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۰۵ھ) نے آپ کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔[5]

کسی راوی کی روایت کی تصحیح یا تحسین اس راوی کی توثیق ہوتی ہے، جیسا کہ اوپر گزرا ہے، نیز امام ابن الملقن فرماتے ہیں:

---

[1] ملاحظہ ہو: صحيح ابن خزيمة (٢/ ٣٥١) رقم الحديث (١٤٥٠)

[2] تعجيل المنفعة (ص: ٢٤٨)

[3] الثقات لابن حبان (٥/ ١٠٤)

[4] تاريخ أسماء الثقات لابن ابن شاهين (ص: ١٤٥)

[5] ملاحظہ ہو: المستدرك علىٰ الصحيحين للحاكم (١/ ٧١٨) رقم الحديث (١٩٦٤)

"وَقَالَ غَيره: فِيهِ جَهَالَة، مَا رَوَى عَنهُ سوَى ابُن خُنَيُس. وَجزم بِهَذَا الذَّهَبِيّ فِيُ الُمُغنِي فَقَالَ: لَا يُعرف، لَكِن صحّح الُحَاكِم حَدِيثه -كَمَا ترَى- وَكَذَا ابُن حبَان، وَهُوَ مُؤذن بمعرفته وثقته"[1]

''ان کے علاوہ دوسروں نے کہا: یہ غیر معروف ہیں، ان سے ابن خنیس کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا اور ذہبی نے مغنی میں یہی بات بالجزم کہی ہے۔ چناں چہ کہا: یہ معروف نہیں ہے، لیکن امام حاکم نے اس کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، اسی طرح ابن حبان نے بھی ان کی حدیث کی تصحیح کی ہے اور یہ ان کے معروف اور ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔''

بارھویں توثیق: از امام ابن حزم رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۶ھ):

آپ نے اپنی کتاب ''المحلیٰ'' میں ابو الحویرث عبدالرحمٰن بن معاویہ کی ایک حدیث کو بطورِ حجت پیش کیا۔[2] آپ اپنی اس کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وليعلم من قرأ كتابنا هذا أننا لم نحتج إلا بخبر صحيح من رواية الثقات مسند، ولا خالفنا إلا خبرا ضعيفا فبينا ضعفه"[3]

''جو ہماری اس کتاب کو پڑھے، اسے جان لینا چاہیے کہ اس میں ہم نے صرف ان صحیح احادیث سے حجت پکڑی ہے، جنھیں ثقہ لوگوں نے روایت کیا ہے اور اس کی سند متصل ہے اور ہم نے اس کتاب میں صرف ضعیف روایات ہی کی مخالفت کی ہے اور اس کا ضعف بیان کر دیا ہے۔''

تیرھویں توثیق: از امام ابو محمد البغوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۱۶ھ):

آپ نے ابو الحویرث عبدالرحمٰن بن معاویہ کی ایک روایت کے بارے میں کہا:

"هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ"[4] ''یہ حدیث حسن ہے۔''

[1] البدر المنير لابن الملقن (٤/ ٢٦٩)
[2] دیکھیں: المحلیٰ لابن حزم (٤/ ٢٥٧)
[3] المحلى لابن حزم (١/ ٢١)
[4] شرح السنة للبغوي (٢/ ١١٥)

چودھویں توثیق: از امام ضیاء المقدسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۴۳ھ):

امام ضیاء المقدسی رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۴۳ھ) نے بھی "الأحاديث المختارة" میں ان کی روایت لی۔[1]

پندرھویں توثیق: از امام منذری رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۵۶ھ):

آپ نے ابوالحویرث عبدالرحمٰن بن معاویہ کی ایک حدیث کے بارے میں کہا:

"رَوَاهُ أَحْمد، وَ إِسْنَاده جيد حسن"[2]

''اسے احمد نے روایت کیا اور اس کی سند عمدہ اور حسن ہے۔''

سولھویں توثیق: از امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ):

آپ نے ابوالحویرث عبدالرحمٰن بن معاویہ کی دو حدیثوں کی تصحیح میں امام حاکم کی موافقت کی ہے۔[3]

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام ذہبی رحمہ اللہ سے جو ہلکی سی جرح منقول ہے، اس سے ضعیف مراد نہیں ہے۔

سترھویں توثیق: از امام صلاح الدین علائی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۶۱ھ):

آپ نے ابوالحویرث عبدالرحمٰن بن معاویہ کی ایک حدیث کے بارے میں کہا:

"وَهَذَا إِسْنَادٌ حَسَنٌ جَيِّدٌ"[4] ''یہ سند حسن اور عمدہ ہے۔''

اٹھارویں توثیق: از امام ابن الملقن رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۰۴ھ):

آپ نے عبدالرحمٰن بن معاویہ کی ایک حدیث سے متعلق فرمایا:

"قَالَ الْحَاكِم: هَذَا حَدِيث صَحِيح عَلَىٰ شَرط الشَّيْخَيْنِ وَلم يخرجَاهُ،

---

[1] دیکھیں: المستخرج من الأحاديث المختارة مما لم يخرجه البخاري و مسلم في صحيحيهما (۳/ ۱۲۹) رقم الحديث (۹۳۱) وقال المحقق: إسناده حسن.

[2] الترغيب والترهيب للمنذري (۲/ ۳۰۷)

[3] پہلے حوالہ کے لیے دیکھیں: "المستدرك للحاكم مع تعليق الذهبي" (۱/ ۳٤٤) رقم الحديث (۸۱۰) دوسرے حوالے کے لیے دیکھیں: "المستدرك للحاكم مع تعليق الذهبي" (۱/ ۷۱۸) رقم الحديث (۱۹٦٤)

[4] بغية الملتمس في سباعيات حديث الإمام مالك بن أنس (ص: ۳۲)

وَهُوَ كَمَا قَالَ"[1]

''حاکم نے کہا کہ یہ حدیث شیخین کی شرط پر ہے اور انھوں نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔
امام ابن الملقن نے کہا ہے: یہ حدیث اسی طرح ہے، جس طرح حاکم نے کہا ہے۔''

انیسویں توثیق: از امام زین الدین العراقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۰۶ھ):

آپ نے عبدالرحمٰن بن معاویہ کی ایک حدیث سے متعلق فرمایا:

"هذا حديثٌ حسنٌ، أخرجه الطبراني في الكبير"[2]

''یہ حدیث حسن ہے، اسے طبرانی نے "المعجم الكبير" میں روایت کیا ہے۔''

بیسویں توثیق: از امام ہیثمی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۰۷ھ):

آپ نے ابو الحویرث عبدالرحمٰن بن معاویہ کی ایک حدیث کے بارے میں کہا:

"رواه أبو يعلىٰ ورجاله ثقات"[3]

''اسے ابو یعلی نے روایت کیا ہے اور اس کے سارے رجال ثقہ ہیں۔''

ابو یعلیٰ کی یہ روایت "مسند أبي يعلى الموصلي" (۱/ ۳۷۹) میں موجود ہے اور اس کی سند میں ابو الحویرث عبدالرحمٰن بن معاویہ بھی ہیں۔ امام ہیثمی رحمہ اللہ کی اس توثیق سے معلوم ہوا کہ ان کی معلومات کی حد تک جو اکثر نے اس راوی کو ضعیف کہا ہے تو امام ہیثمی رحمہ اللہ نے اکثر کی بات نہیں لی ہے، کیوں کہ ان کے اپنے الفاظ میں اس راوی کی توثیق ملتی ہے، لہٰذا یہ راوی ان کے نزدیک ضعیف نہیں ہے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام ہیثمی رحمہ اللہ ہر جگہ جمہور کی توثیق پر اعتماد نہیں کرتے تھے، بلکہ جو راجح موقف ہوتا تھا، اسے ترجیح دیتے تھے، خواہ وہ جمہور کے موافق ہو یا جمہور کے خلاف۔

واضح رہے کہ امام ہیثمی رحمہ اللہ کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ اکثر نے اس کی تضعیف کی ہے، کیوں کہ ہم نے اوپر اکثر سے اس راوی کی توثیق پیش کر دی ہے۔ والحمد لله۔ امام ہیثمی نے

---

[1] البدر المنير لابن الملقن (٤/ ٢٧٨)

[2] محجة القرب إلى محبة العرب للعراقي (ص: ٣١١)

[3] مجمع الزوائد للهيثمي (٦/ ٤٨)

تضعیف کے قول کو اکثر کا قول قرار دیا ہے، جس کی ایک وجہ یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ انھوں نے اس راوی کی تضعیف کرنے والوں میں انھیں بھی شامل کر لیا ہے، جنھوں نے اس راوی کو ثقہ کہا ہے، مثلاً امام ہیثمی رحمہ اللہ نے کہا:

"رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ، وَفِيهِ أَبُو الْحُوَيْرِثِ ضَعَّفَهُ أَحْمَدُ وَغَيْرُهُ"[1]

"اسے طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے، اس میں ابولحویرث ہیں، جنھیں امام احمد وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔"

حالاں کہ امام احمد رحمہ اللہ نے انھیں ہرگز ضعیف نہیں کہا۔ یہ بات امام احمد رحمہ اللہ سے سرے سے منقول ہی نہیں ہے، حتیٰ کہ کسی ضعیف ومردود سند سے بھی یہ قول منقول نہیں، نیز کتبِ جرح و تعدیل میں بھی امام احمد کی طرف ایسی کسی تضعیف کی نسبت نہیں کی گئی ہے، بلکہ اس کے بالکل برعکس کتبِ جرح وتعدیل میں امام احمد کی توثیق نقل کی گئی ہے، جیسا کہ گذشتہ سطور میں پیش کیا گیا۔ بہرحال معاملہ کچھ بھی ہو، جب یہ ثابت ہوگیا کہ جمہور نے اس راوی کی توثیق کی ہے تو پھر امام ہیثمی کا یہ کہنا کہ جمہور نے اس کی تضعیف کی ہے، خلافِ حقیقت اور خلافِ دلیل ہے، اس لیے غیر مقبول ہے۔

مزید تسلی کے لیے عرض ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھنے والی حدیث کے راوی مومل بن اسماعیل کے بارے میں بھی امام ہیثمی رحمہ اللہ نے کہا:

"مُؤَمَّلُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، وَثَّقَهُ ابْنُ مَعِينٍ وَضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ"[2]

"مومل بن اسماعیل کو امام ابن معین نے ثقہ کہا ہے اور جمہور نے اسے ضعیف کہا ہے۔"

حالاں کہ مومل بن اسماعیل کے بارے میں امام ہیثمی رحمہ اللہ کا یہ بیان حقیقت کے خلاف ہے، اس لیے غیر مقبول ہے، حافظ زبیر علی زئی صاحب نے بھی مومل بن اسماعیل کو جمہور کے نزدیک ثقہ ہی بتلایا ہے، بلکہ اس پر ایک مقالہ بھی لکھا ہے۔ یاد رہے کہ امام ہیثمی رحمہ اللہ نے اگرچہ یہ کہہ دیا کہ جمہور نے ابو الحویرث عبدالرحمٰن بن معاویہ کو ضعیف کہا ہے، لیکن اس کے باوجود بھی امام ہیثمی نے اپنے نزدیک اس راوی کو ثقہ ہی مانا ہے۔ کما مضیٰ.

---

[1] مجمع الزوائد و منبع الفوائد (٤/ ١٨٨)

[2] مجمع الزوائد و منبع الفوائد (٥/ ٤٩)

زبیر علی زئی صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''تنبیہ: حافظ ہیثمی لکھتے ہیں کہ "وھو ضعیف عند الأکثرین" اور وہ (قاسم ابو عبدالرحمٰن) جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد: ۱/ ۹۶)۔ یہ قول دو وجہ سے غلط ہے: ① تحقیق کرکے یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ قاسم مذکور جمہور کے نزدیک موثق ہے۔ ② خود ہیثمی بذات خود اسے ثقہ کہتے ہیں۔ کما تقدم آنفا.''[1]

عرض ہے کہ عبدالرحمٰن معاویہ سے متعلق بھی حافظ ہیثمی کا قول انھیں دونوں وجوہات کی وجہ سے غلط ہے:

۱۔ عبدالرحمٰن بن معاویہ کے بارے میں تحقیق کرکے ثابت کر دیا گیا ہے کہ یہ جمہور کے نزدیک موثق ہے۔

۲۔ نیز خود حافظ ہیثمی رحمہ اللہ بھی اسے بذاتِ خود ثقہ کہتے ہیں، جیسا کہ اس مقالے ہم نے حوالہ پیش کیا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جمہور نے اس راوی کو ثقہ ہی کہا ہے اور یہی بات درست ہے۔ عصرِ حاضر کے عظیم محدث علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ کی بھی یہی تحقیق ہے۔ جیسا کہ ہم نے گذشتہ صفحات میں ان کا قول ذکر کیا ہے، اس کے علاوہ معاصرین میں اور محققین بھی ہیں، جو عبدالرحمٰن بن معاویہ کو ثقہ مانتے ہیں۔

---

[1] مجلہ "الحدیث" (شمارہ: ۲۲، ص: ٤)

نواسۂ رسول حسین رضی اللہ عنہ کا یزید کو ''امیر المومنین'' کہنا

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۰ھ) نے کہا:

''حدثنا محمد بن عمار الرازي قال: حدثنا سعيد بن سليمان قال: حدثنا عباد بن العوام قال: حدثنا حصين... قال حصين: فحدثني هلال بن يساف أن ابن زياد أمر بأخذ ما بين واقصة إلى طريق الشام إلىٰ طريق البصرة فلا يدعون أحدا يلج، ولا أحدا يخرج فأقبل الحسين، ولا يشعر بشيئ حتى لقي الأعراب فسألهم فقالوا: لا والله ما ندري غير أنا لا نستطيع أن نلج ولا نخرج. قال: فانطلق يسير نحو طريق الشام نحو يزيد فلقيته الخيول بكربلاء فنزل يناشدهم اللّٰهَ والإسلام: قال: وكان بعث إليه عمر بن سعد وشمر بن ذي الجوشن وحصين بن نمير فناشدهم الحسين اللّٰهَ والإسلامَ أن يسيروه إلىٰ **أمير المؤمنين** فيضع يده في يده''[1]

''ہلال بن یساف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عبیداللہ بن زیاد نے حکم دیا کہ واقصہ اور شام وبصرہ کے درمیان پہرہ لگا دیا جائے اور ہر ایک کو بھی آنے جانے سے روک دیا جائے، چناں چہ حسین رضی اللہ عنہ ان باتوں سے بے خبر آگے بڑھے، یہاں تک کہ بعض اعرابیوں سے آپ کی ملاقات ہوئی تو آپ نے ان سے پوچھ تاچھ کی تو انھوں نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! ہمیں کچھ نہیں معلوم سوائے اس کے کہ ہم نہ وہاں جاسکتے ہیں اور نہ وہاں سے نکل سکتے ہیں۔ پھر حسین رضی اللہ عنہ شام کے راستے پر یزید بن معاویہ کی طرف چل پڑے، پھر راستے میں گھوڑ سواروں نے انھیں کربلا کے مقام پر روک لیا اور وہ رک گئے تو انھیں اللہ

[1] تاريخ الأمم والرسل الطبري (۳/ ۲۹۹) و إسناده صحيح لا غبار عليه.

اور اسلام کا واسطہ دینے لگے، عبیداللہ بن زیاد نے عمر بن سعد بن ابی وقاص، شمر بن ذی الجوشن اور حصین بن نمیر کو ان کی جانب بھیجا تھا۔ حسین رضی اللہ عنہ نے ان سے اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر کہا: وہ انھیں **امیر المومنین** یزید بن معاویہ کے پاس لے چلیں، تاکہ وہ یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں۔''

یہ روایت بالکل صحیح ہے، اس کی سند پر تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ حسین رضی اللہ عنہ کی نظر میں یزید خلافت کے اہل تھے اور اخلاق و کردار کے اعتبار سے ان کے اندر کوئی قابلِ اعتراض بات نہ تھی، ورنہ حسین رضی اللہ عنہ انھیں امیر المومنین جیسے مقدس لفظ سے متصف نہ کرتے۔

عمر بن عبدالعزیز سے مروی ایک روایت کی حقیقت:

اس صحیح روایت سے اس جھوٹی بات کا جھوٹ مزید واضح ہوگیا، جسے لوگ عمر بن عبدالعزیز کے حوالے سے بولتے اور کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز کے سامنے کسی نے یزید کو ''امیر المومنین'' کہہ دیا تو عمر بن عبدالعزیز نے اسے بیس کوڑے لگوائے، چناں چہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا:

''قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ أَبِی السَّرِیِّ: ثنا یَحْییٰ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِی غُنْیَةٍ، عَنْ نَوْفَلِ بْنِ أَبِي الْفُرَاتِ قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ، فَذَكَرَ رَجُلٌ يَزِيدَ فَقَالَ: قَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ يَزِيدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ، فَقَالَ: تَقُولُ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ! وَأَمَرَ بِهِ فَضُرِبَ عِشْرِينَ سَوْطًا''[2]

''نوفل بن فرات کا کہنا ہے کہ میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس تھا تو اس دوران میں ایک شخص نے یزید رحمہ اللہ کا تذکرہ کیا اور کہا: امیر المومنین یزید بن معاویہ نے فرمایا۔ یہ سن کر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کہا: تم امیر المومنین کہتے ہو! پھر اُن کے حکم پر اس شخص کو

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۳۵۰۔ ۳۵۸) دیکھیں۔ نیز صفحہ (۳۶۵) دیکھیں۔

[2] تاريخ الإسلام للذهبي (٥/ ٢٧٥) وهو أيضا باختلاف السند في تهذيب التهذيب (١١/ ٣٦١) و لسان الميزان (٦/ ٢٩٤) وبدون السند في النجوم الزاهرة في ملوك مصر والقاهرة (١/ ١٦٣) و شذرات الذهب في أخبار من ذهب (١/ ٢٧٨) و تاريخ الخلفاء (ص: ١٥٨) والروض الباسم لابن الوزير (١/ ٥٧) و ينابيع المودة لذوي القربى للقندوزي (٣/ ٣٢)

بیس کوڑے لگائے گئے۔‘‘

اس روایت کو بہت سارے لوگ یزید بن معاویہ رحمہ اللہ کی مذمت میں بیان کرتے ہیں، حالاں کہ یہ روایت ثابت ہی نہیں اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ایسی مضحکہ خیز حرکت سے بری ہیں۔ درج بالا روایت تین علتوں کی بنا پر ضعیف ہے:

پہلی علت:

اس روایت کی مکمل سند نامعلوم ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس روایت کو محمد بن ابی السری سے نقل کیا ہے۔ محمد بن المتوکل المعروف بابن ابی السری کی وفات ۲۳۸ھ ہے۔[1] جبکہ امام ذہبی رحمہ اللہ کی پیدایش ۶۷۳ھ ہے۔[2] یعنی درمیان میں ساڑھے چار صدی کا فاصلہ ہے۔

تنبیہ:

یہاں پر یہ بات نہیں کہی جاسکتی کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے مذکورہ روایت کو محمد بن ابی السری کی کتاب سے نقل کیا ہے، کیوں کہ محمد بن ابی السری کے بارے میں یہ ملتا ہی نہیں کہ انھوں نے کوئی کتاب لکھی تھی، نیز امام ذہبی نے محمد بن ابی السری کے ترجمے میں بھی ان کی کسی کتاب کا تذکرہ نہیں کیا ہے اور نہ کسی اور مقام پر ان کی کسی کتاب کا ذکر ملتا ہے۔ دوسری طرف اسی روایت کو حافظ ابن حجر نے بیان کیا تو محمد بن ابی السری کا نام بھی ساقط کر دیا اور کہا:

’’وقال يحيىٰ بن عبد الملك بن أبي غنية أحد الثقات: ثنا نوفل بن أبي عقرب ثقة قال: كنت عند عمر بن عبد العزيز فذكر رجل يزيد بن معاوية فقال: أمير المؤمنين يزيد. فقال عمر: تقول أمير المؤمنين يزيد! وأمر به فضرب عشرين سوطاً‘‘[3]

پھر اسی روایت کو امام سیوطی نے بیان کیا تو پوری سند ہی غائب کردی، چناں چہ امام سیوطی نے کہا:

’’قال نوفل بن أبي الفرات: كنت عند عمر بن عبد العزيز، فذكر رجل

---

[1] الثقات لابن حبان (۹/ ۸۸)

[2] ذيل التقييد في رواة السنن والأسانيد (۱ / ۵٤)

[3] تهذيب التهذيب لابن حجر (۳۷/ ۱۹۰) لسان الميزان لابن حجر (٦/ ۲۹٤)

يزيد، فقال: قال أمير المؤمنين يزيد بن معاوية. فقال: تقول أمير المؤمنين! وأمر به، فضرب عشرين سوطاً"[1]

اسی طرح سلیمان بن خوجہ القندوزی نے بھی کہا:

"وقال نوفل بن أبي الفرات: كنت عند عمر بن عبد العزيز فقال رجل: أمير المؤمنين يزيد بن معاوية. فقال عمر: تقول أمير المؤمنين! وأمر به فضربه عشرين سوطا"[2]

ان تمام اقوال سے ظاہر ہے کہ مذکورہ اہلِ علم میں سے کسی ایک نے بھی اس روایت کی مکمل سند بیان نہیں کی ہے، لہٰذا اس روایت کے غیر ثابت شدہ ہونے کی یہ پہلی علت ہے۔

دوسری علت:

امام ذہبی رحمہ اللہ نے مذکورہ روایت جس راوی کے حوالے سے نقل کیا ہے، وہ محمد بن المتوکل المعروف بابن ابی السری ہے۔ اس کے بارے میں ناقدین کے اقوال مختلف ہیں اور راجح یہی ہے کہ یہ راوی ضعیف ہے۔

معدلین کے اقوال:

۱۔ امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۷ھ) نے کہا: "ثقة"[3] "یہ ثقہ ہیں۔"

۲۔ امام حاکم رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۰۵ھ) نے کہا: "ثقة"[4] "یہ ثقہ ہیں۔"

۳۔ امام ابن القطان رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۲۸ھ) نے کہا: "ثِقَة حَافظ"[5] "یہ ثقہ ہیں حافظ ہیں۔"

۴۔ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) نے کہا:

"الحافظ، العالم، الصادق"[6] "آپ حافظ، عالم اور سچے ہیں۔"

---

[1] تاريخ الخلفاء (ص: ۱۵۸)

[2] ينابيع المودة لذوي القربى (۳/ ۳۲)

[3] سؤالات ابن الجنيد لابن معين (ص: ۳۸۸)

[4] المستدرك علىٰ الصحيحين للحاكم (۳/ ۷۰۰)

[5] بيان الوهم والإيهام في كتاب الأحكام (۵/ ۲۱۸)

[6] سير أعلام النبلاء للذهبي (۱۱/ ۱۶۱)

یعنی صرف چار ناقدین نے اس راوی کو ثقہ کہا ہے، ان میں بھی امام ابن معین رحمہ اللہ کی توثیق دیانت داری کے معنی میں ہوسکتی ہے، کیوں کہ وہ اکثر دیانت داری کے معنی میں بھی راوی کو ثقہ کہہ دیتے ہیں۔ علامہ معلّمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وقد اختلف كلام ابن معين في جماعة، يوثق أحدهم تارة، ويضعفه أخرى، منهم إسماعيل بن زكريا الخُلقاني، وأشعث بن سوار، والجراح بن مليح الرؤاسي، وزيد بن أبي العالية، والحسن بن يحيىٰ الخُشَني، والزبير بن سعيد، وزهير بن محمد التميمي، وزيد بن حبان الرقي، وسلم العلوي، وعافية القاضي، وعبد الله الحسين أبو حريز، وعبد الله بن عقيل أبو عقيل، وعبد الله بن عمر بن حفص العمري، وعبد الله بن واقد أبو قتادة الحراني، وعبد الواحد بن غياث، وعبيد الله بن عبد الرحمن بن موهب، وعتبة بن أبي حكيم، وغيرهم.

”وجاء عنه توثيق جماعة ضعفهم الأكثرون، منهم تمام بن نجيح، ودراج بن سمعان، والربيع بن حبيب الملاح، وعباد بن كثير الرملي، ومسلم بن خالد الزنجي، ومسلمة بن علقمة، وموسىٰ بن يعقوب الزمعي، و مؤمل بن إسماعيل، ويحيىٰ بن عبد الحميد الحماني، وهذا يشعر بأن ابن معين كان ربما يطلق كلمة ”ثقة“ لا يريد بها أكثر من أن الراوي لا يتعمد الكذب“[1]

”بہت سے رواۃ کے بارے میں امام ابن معین نے دوطرح کا کلام کیا ہے، چناں چہ کسی کو کبھی ثقہ کہتے ہیں تو اسی کو دوسری بار ضعیف کہہ دیتے ہیں، اس طرح کے رواۃ میں: اسماعیل بن زکریا الخُلقانی، اشعث بن سوار، الجراح بن ملیح الرواسی، زید بن ابی العالیۃ، الحسن بن یحییٰ الخُشَنی، الزبیر بن سعید، زہیر بن محمد التمیمی، زید بن حبان الرقی، سلم العلوی، عافیۃ القاضی، عبد اللہ الحسین ابو حریز، عبد اللہ بن عقیل ابو عقیل، عبد اللہ بن عمر بن حفص العمری، عبد اللہ بن واقد ابو قتادۃ الحرانی، عبد الواحد بن غیاث، عبید اللہ بن عبد الرحمٰن

[1] التنكيل بما في تأنيب الكوثري من الأباطيل (١/ ١٦٤)

بن موہب اور عتبہ بن ابی حکیم وغیرہم ہیں، اسی طرح امام ابن معین رحمہ اللہ سے ایسے رواۃ کی توثیق منقول ہیں، جنھیں اکثریت نے ضعیف قرار دیا ہے، ان میں سے: تمام بن نجیح، و دراج بن سمعان، الربیع بن حبیب الملاح، عباد بن کثیر الرملی، مسلم بن خالد الزنجی، مسلمہ بن علقمہ، موسی بن یعقوب الزمعی، مومل بن اسماعیل اور یحییٰ بن عبدالحمید الحمانی ہیں۔ ان باتوں سے پتا چلتا ہے کہ امام ابن معین رحمہ اللہ کبھی کبھی کسی راوی کے بارے میں لفظ ''ثقہ'' بول کر صرف یہ مراد لیتے تھے کہ یہ راوی جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتا۔''

امام ذہبی رحمہ اللہ کی توثیق میں صرف دیانت و عدالت کی بات ہے۔ نیز امام ذہبی رحمہ اللہ ہی نے اس راوی کی تضعیف بھی کی ہے۔ كما سيأتي.

جارحین کے اقوال:

۱۔ امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷ھ) نے کہا:

"لين الحديث"[1] ''یہ کمزور حدیث والے ہیں۔''

۲۔ امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۵ھ) نے کہا:

"وابن أَبِی السري العسقلاني كثير الغلط"[2]

''ابن ابی السری یہ بہت زیادہ غلطی کرنے والے ہیں۔''

۳۔ امام ابوعلی الغسانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۹۸ھ) نے کہا:

"كثير الحفظ وكثير الغلط"[3]

''یہ بہت ساری چیزیں یاد کرنے والے ہیں اور بہت زیادہ غلطیاں کرنے والے بھی ہیں۔''

۴۔ امام ابن القیسرانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۰۷ھ) نے کہا:

"وابن أبي السرى كثير الغلط"[4]

''ابن ابی السری یہ بہت زیادہ غلطی کرنے والے ہیں۔''

---

[1] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٨/ ١٠٥)

[2] الكامل لابن عدي (٧/ ٢٨٨)

[3] تسمية شيوخ أبي داود لأبي على الغساني (ص: ٩٦)

[4] ذخيرة الحفاظ لابن القيسراني (٤/ ١٩١٢)

۵۔ امام ابن الجوزی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۹۷ھ) نے کہا:

"محمد بن المتوکل العسقلاني قال الرازي: لين الحديث"[1]

"ان کے بارے میں امام رازی نے کہا کہ یہ کمزور حدیث والے ہیں۔"

۶۔ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) نے کہا:

"محمد بن أبي السرى العسقلاني، هو ابن المتوكل، له مناكير"[2]

"محمد بن ابی السری العسقلانی، یہ ابن المتوکل ہیں، ان کے پاس مناکیر ہیں۔"

نیز کہا:

"ولمحمد هذا أحاديث تستنكر"[3] "اس کی کئی احادیث میں نکارت ہے۔"

نیز کہا:

"حافظ وُثِّق، ولينه أبو حاتم"[4]

"یہ حافظ ہیں، ان کی توثیق کی گئی ہے اور ابو حاتم نے انھیں کمزور حدیث والا کہا ہے۔"

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ولذلك أشار الذهبی في "الكاشف" إلىٰ أن التوثيق المذكور غير موثوق به، فقال: وثق"[5]

"اسی لیے امام ذہبی نے "کاشف" میں اشارہ کیا ہے کہ مذکورہ توثیق غیر معتبر ہے، چناں چہ (صیغہ تمریض کے ساتھ کہا) کہا: "وُثِّق" یعنی ان کی توثیق کی گئی ہے۔"

علامہ البانی کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام ذہبی جب "وُثِّق" کہیں تو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ اس راوی کی جو توثیق کی گئی ہے، وہ غیر معتبر ہے۔

۷۔ امام ابن رجب رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۹۵ھ) نے کہا:

"ومنها: أن مُحَمَّد بُن المتوكل لَمْ يخرج لَهُ فِيُ (الصحيح)، وقد تكلم

---

[1] الضعفاء والمتروكين لابن الجوزي (٣/ ٩٥)

[2] ميزان الاعتدال للذهبي (٣/ ٥٦٠)

[3] ميزان الاعتدال للذهبي (٤/ ٢٤)

[4] الكاشف للذهبي (٢/ ٢١٤)

[5] سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيئ في الأمة (٣/ ٣٧٧)

فِيهِ أبو حاتم الرَّازي وغيره، ولينوه، وَهُوَ كثير الوهم"[1]

''محمد بن متوکل کی احادیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں نہیں لیا ہے۔ اس کے بارے میں ابو حاتم وغیرہ نے کلام کیا ہے اور اسے حدیث میں کمزور قرار دیا ہے اور یہ بہت زیادہ وہم کا شکار ہونے والا ہے۔''

۸۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲ھ) نے کہا:

" صدوق عارف له أوهام كثيرة"[2]

''یہ سچا اور جانکار ہے، لیکن یہ بہت زیادہ وہم کا شکار ہونے والا ہے۔''

۹۔ علامہ البانی رحمہ اللہ کا موقف:

علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس راوی کو ضعیف کہا ہے، بلکہ بعض مقامات پر سخت ضعیف قرار دیتے ہوئے اسے متہم بھی قرار دیا ہے، چند حوالے ملاحظہ ہوں:

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وابن أبي السري، هو محمد بن المتوكل، وهو ضعيف حتى اتهمه بعضهم"[3]

''ابن ابی السری: یہ محمد بن متوکل ہے اور یہ ضعیف ہے، حتی کہ بعض نے اسے متہم قرار دیا ہے۔''

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"وهذا سند ضعيف من أجل ابن أبي السري، واسمه محمد بن المتوكل العسقلاني، فإنه ضعيف، وقد اتهم"[4]

''یہ سند ابن ابی السری کی وجہ سے ضعیف ہے، اس کا نام محمد بن متوکل عسقلانی ہے، یہ ضعیف ہے، بلکہ بعض نے اسے متہم قرار دیا ہے۔''

---

[1] فتح الباري لابن رجب (٦/ ٤٠٥)

[2] تقريب التهذيب لابن حجر (١/ ٤١٨)

[3] سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيئ في الأمة (٣/ ١٦٢)

[4] إرواء الغليل (٤/ ٢٤٤) مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: معجم أسامي الرواة الذين ترجم لهم الألباني (٤/ ٢٠۔ ٢١)

تیسری علت:

نوفل بن ابی الفرات مجہول راوی ہے، کسی بھی ناقد امام سے اس کی مستند توثیق نہیں ملتی۔

تنبیہ اول:

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے ثقہ کہا ہے۔ عرض ہے کہ جمہور محدثین کے نزدیک ابن حبان رحمہ اللہ اگر توثیق میں منفرد ہوں تو ان کی توثیق غیر معتبر ہے۔

تنبیہ دوم:

یہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے عامل تھے، چناں چہ امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۷۱ھ) نے کہا:

"أخبرنا أبو القاسم بن السمرقندي أنا أبو الحسين بن النقور أنا عيسىٰ بن علي أخبرنا عبد الله بن محمد نا داود بن عمرو نا يحيىٰ بن عبد الملك بن حميد بن أبي غنية نا نوفل بن الفرات عامل عمر بن عبد العزيز قال: وكان رجلا من كتاب الشام مأمونا"[1]

یعنی نوفل بن الفرات، یہ عمر بن عبدالعزیز کے عامل تھے اور یہ مامون شخص تھے۔

عرض ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا عامل ہونا بھی ان کی ثقاہت کی دلیل نہیں ہے۔

غور کریں کہ نوفل بن الفرات عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے عامل تھے، لیکن مالک الدار خلیفہ دوم عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خازن تھے، انھیں بھی امام ابن حبان نے ثقہ کہا ہے اور ان سے وسیلہ کے بارے میں ایک بہت ہی منکر روایت مروی ہے۔ لیکن اہلِ علم نے اس روایت کو ضعیف کہا اور مالک الدار کو مجہول قرار دیا ہے۔

- علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"عدمِ التسليم بصحة هذه القصة، لأن مالك الدار غير معروف العدالة والضبط"[2]

"اس قصے کی صحت ناقابلِ تسلیم ہے، کیوں کہ مالک دار کی عدالت اور اس کا ضبط معلوم نہیں۔"

---

[1] تاريخ دمشق لابن عساكر (٦٢/ ٢٩٢) و إسناده صحيح.

[2] التوسل للالباني (ص: ١٢٠)

علامہ البانی رحمہ اللہ سے قبل بھی اہلِ علم نے اسے مجہول قرار دیا ہے۔

❁ چناں چہ امام منذری رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۵۶ھ) نے کہا:

"مَالك الدَّار لَا أعرفهُ"[1] "مالک دار کو میں نہیں جانتا۔"

❁ امام ہیثمی رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۰۷ھ) نے کہا:

"ومالك الدار لم أعرفه"[2] "مالک الدار کو میں نہیں پہچان سکا۔"

تنبیہ سوم:

تاریخ ابن عساکر کی مذکورہ روایت میں یہ بھی ہے کہ نوفل بن ابی الفرات "مامون" تھے۔ عرض ہے کہ "مأمون" سے زیادہ سے زیادہ دیانت داری کا پتا چل سکتا ہے، اس سے ثقہ ہونا لازم نہیں آتا۔ امام مسلم رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۱ھ) نے کہا:

"حدثنا نصر بن علي الجهضمي حدثنا الأصمعي عن ابن أبي الزناد عن أبيه قال: أدركت بالمدينة مائة، كلهم مأمون، ما يؤخذ عنهم الحديث، يقال: ليس من أهله"[3]

یعنی امام ابو الزناد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے مدینے میں سیکڑوں لوگوں کو پایا، جو مامون تھے، لیکن ان سے حدیث کی روایت نہیں کی جاتی تھی، کیوں کہ بقول اہلِ علم وہ اس کے قابل نہ تھے۔

تنبیہ چہارم:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مذکورہ روایت کی سند میں "نوفل بن ابی الفرات" کی جگہ "نوفل بن ابی عقرب" کا نام لکھا ہے اور اسے ثقہ کہا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"قال يحيىٰ بن عبد الملك بن أبي غنية أحد الثقات ثنا نوفل بن أبي عقرب ثقة قال: كنت عند عمر بن عبد العزيز فذكر رجل يزيدَ بن

---

[1] الترغيب والترهيب للمنذري (٢/ ٢٩)

[2] مجمع الزوائد للهيثمي (٣/ ١٦٦)

[3] صحيح مسلم، المقدمه (١/ ١٢) و إسناده صحيح.

معاوية فقال: أمير المؤمنين يزيد. فقال عمر: تقول: أمير المؤمنين يزيد! وأمر به فضرب عشرين سوطا"[1]

یاد رہے کہ یہ کتابت کی غلطی نہیں ہے، کیوں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی دوسری کتاب "لسان المیزان" میں بھی یہ سند اسی طرح درج کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

"قال يحيىٰ بن عبد الملك بن أبي عتبة: حدثنا نوفل بن أبي عقرب كنت عند عمر بن عبد العزيز فذكر رجل يزيد بن معاوية فقال: أمير المؤمنين يزيد. فقال له عمر: تقول: أمير المؤمنين! وأمر به فضربه عشرين سوطا"[2]

معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس روایت کی سند میں نوفل بن ابی الفرات کی جگہ نوفل بن ابی عقرب کا نام لکھا ہے۔ عرض ہے کہ اس نام کے کسی بھی راوی کا نام ونشان مجھے کتبِ جرح و تعدیل میں نہیں مل سکا۔ البتہ ابونوفل بن ابی عقرب البکری نام کے ایک ثقہ راوی موجود ہیں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے غالبًا زیرِ بحث راوی کو یہی راوی سمجھ لیا اور اسے ثقہ کہہ دیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سند میں ابونوفل بن ابی عقرب البکری نہیں ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ سند غالبًا اپنے حافظے سے لکھی ہے اور سند میں وہم کا شکار ہوگئے یا جس مرجع سے نقل کیا ہے، وہیں پر غلطی تھی، بہرحال جو بھی وجہ ہے، بہرصورت اس سند میں نوفل بن ابی عقرب کے بجائے نوفل بن ابی الفرات ہی ہیں، جس کے دلائل درج ذیل ہیں:

پہلی دلیل:

امام ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی دو کتابوں میں یہ سند نقل کی ہے اور دونوں میں نوفل بن ابی الفرات ہی درج کیا ہے۔ کما مضیٰ.

دوسری دلیل:

امام ذہبی رحمہ اللہ کے علاوہ امام سیوطی نے بھی اس سند میں نوفل بن ابی الفرات ہی کا نام نقل کیا ہے۔ کما مضیٰ.

---

[1] تهذيب التهذيب لابن حجر (٣٧/ ١٩٠)

[2] لسان الميزان لابن حجر (٦/ ٢٩٤)

تیسری دلیل:

عمر بن عبدالعزیز سے روایت کرنے والوں میں نوفل بن ابی عقرب کا نام نہیں ملتا، بلکہ نوفل بن ابی الفرات ہی کا نام ملتا ہے۔ امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۷۱ھ) نے کہا:

"نوفل بن الفرات بن مسلم، ويقال: ابن سالم، ويقال: نوفل بن أبي الفرات أبو الجراح العقيلي مولىٰ بني عقيل الجزري الرقي قدم علىٰ عمر بن عبد العزيز مع أبيه، وروىٰ عنه"[1]

امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴ھ) نے کہا:

"نوفل بن الفرات يروي عن عمر بن عبد العزيز، روى عنه مبشر بن إسماعيل الحلبي"[2]

چوتھی دلیل:

یحییٰ بن عبد الملک بن ابی عتبہ کے استاذوں میں بھی نوفل بن ابی عقرب کا نام نہیں ملتا، بلکہ نوفل بن ابی الفرات ہی کا نام ملتا ہے۔ امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۷۱ھ) نے کہا:

"نوفل بن الفرات بن مسلم ... روى عنه الليث ... و ... ويحيىٰ بن عبد الملك بن أبي غنية"[3]

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ اس سند میں نوفل بن ابی الفرات ہی ہے اور یہ مجہول ہے۔

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے یزید کے والد معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے والے کو کوڑے لگائے:

امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۷۱ھ) نے کہا:

"أخبرتنا أم البهاء فاطمة بنت محمد قالت أنا أبو الفضل الرازي أنا جعفر بن عبد الله نا محمد بن هارون نا أبو كريب نا ابن المبارك عن محمد بن مسلم عن إبراهيم بن ميسرة قال: ما رأيت عمر بن عبد

---

[1] تاريخ دمشق لابن عساكر (٦٢/ ٢٩٠)

[2] الثقات لابن حبان (٩/ ٢٢١)

[3] تاريخ دمشق لابن عساكر (٦٢/ ٢٩٠)

العزيز ضرب إنسانا قط إلا إنسانا شتم معاوية فإنه ضربه أسواطا“[1]

”ابراہیم بن میسرہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ عمر بن عبدالعزیز نے کسی شخص کو مارا ہو، سوائے ایک شخص کے جس نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا تو اسے عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے کئی کوڑے لگائے۔“

غور فرمائیں! حقیقت کیا ہے اور لوگ کیا بیان کرتے پھرتے ہیں؟ بہرحال یہ بات سفید جھوٹ ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے یزید بن معاویہ کو امیر المومنین کہنے والے کو بیس کوڑے لگوائے۔ عمر بن عبدالعزیز سے پہلے بھی یزید کو امیر المومنین کہا گیا اور جیسا کہ حسین رضی اللہ عنہ سے یہ بات پیش کی گئی اور عمر بن عبدالعزیز کے بعد بھی یزید کو امیر المومنین کہا گیا۔

امام لیث بن سعد نے یزید کو امیر المومنین کہا:

چناں چہ امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے یزید بن معاویہ کو امیر المومنین کہا۔ امام خلیفہ بن خیاط (المتوفی: ۲۴۰ھ) نے کہا:

”قرئَ عَلَى ابُن بكير، وَأَنا أسمع، عَن اللَّيْث قَالَ: توفّى **أَمِير الْمُؤمنِينَ** يَزِيد فِيُ سنة أَربع وَسِتِّينَ“[2]

”امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے فرمایا: **امیر المومنین** یزید سن ۶۴ھ میں فوت ہوئے۔“

امام ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۴۳ھ) بجا طور پر فرماتے ہیں:

”فإن قيل: كان يزيد خمارًا. قلنا: لا يحل إلا بشاهدين، فمن شهد بذلك عليه؟ بل شهد العدل بعدالته، فروى يحيىٰ بن بكير، عن الليث بن سعد، قال الليث: ”توفي أمير المؤمنين يزيد في تاريخ كذا“ فسماه الليث ”أمير المؤمنين“ بعد ذهاب ملكهم وانقراض دولتهم، ولولا كونه عنده كذلك ما قال إلا: توفي يزيد“[3]

---

[1] تاريخ دمشق لابن عساكر (۵۹/ ۲۱۱) و إسناده صحيح. زبیر علی زئی صاحب نے بھی اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھیں: ”فضائل صحابہ صحیح روایات کی روشنی میں“ (ص: ۱۲۹)

[2] تاريخ خليفة بن خياط (ص: ۲۵۳) و إسناده صحيح.

[3] العواصم من القواصم (ص: ۲۲۸) ط: الأوقاف السعودية.

''اگر کہا جائے کہ یزید شرابی تھا تو ہم کہتے ہیں کہ بغیر دو گواہ کے یہ بات ثابت نہیں ہوسکتی تو کس نے اس بات کی گواہی دی ہے؟ بلکہ عادل نے تو یزید کی عدالت کی گواہی دی ہے۔ چناں چہ یحییٰ بن بکیر نے روایت کیا کہ امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے کہا: امیر المومنین یزید فلاں تاریخ میں فوت ہوئے تو یہاں پر امام لیث رحمہ اللہ نے یزید کو ''امیر المومنین'' کہا ہے، ان کی حکومت اور ان کا دور ختم ہونے کے بعد۔ اگر اُن کے نزدیک یزید اس درجے قابلِ احترام نہ ہوتا تو یہ صرف یوں کہتے کہ یزید فوت ہوا۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے یزید کو امیر المومنین کہا:

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی یزید بن معاویہ کو ''امیر المومنین'' کہا، چناں چہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴ھ) نے کہا:

"وهذه ترجمة يزيد بن معاوية هو يزيد بن معاوية بن أبي سفيان بن صخر بن حرب بن أمية بن عبد شمس **أمير المؤمنين** أبو خالد الأموي"[1]

''یہ یزید بن معاویہ کا تعارف ہے، یہ یزید بن معاویہ بن ابوسفیان بن صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس، **امیر المومنین** ابو خالد اموی ہیں۔''

قارئین کرام! غور کریں کہ یہ نا قابلِ انکار حقیقت ہے کہ صحابہ میں حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کو امیر المومنین کہا، محدثین وفقہا میں امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے یزید کو امیر المومنین کہا، مؤرخین میں ابن کثیر رحمہ اللہ نے یزید کو امیر المومنین کہا۔اس کے باوجود بھی یہ گپ ہانکی جا رہی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ایسا کہنے والے کو بیس کوڑے لگوائے۔

کیا ہم ان حضرات سے پوچھ سکتے ہیں کہ اگر یزید کو امیر المومنین کہنا اتنا بڑا ظلم ہے اور ایسا کہنے والا بیس کوڑوں کا مستحق ہے تو یہی طرزِ عمل حسین رضی اللہ عنہ، امام لیث سعد رحمہ اللہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اختیار کیا، اب ان مقدس ہستیوں پر کیا فتوی لگے گا؟

لطیفہ:

بعض لوگوں کا یہ عجیب و غریب طرزِ عمل ہے کہ وہ یزید کی مذمت میں یہ جھوٹی بات پیش

---

[1] البداية والنهاية (٨/ ٢٢٦)

کرتے ہیں کہ انھیں ''امیر المومنین'' کہنے والے کو بیس کوڑے لگوائے گئے، لیکن انھیں جب یہ بتلایا جاتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ نے انھیں ''امیر المومنین'' کہا ہے تو یہ پینترا بدل کر کہنے لگتے ہیں کہ ''امیر المومنین'' کا لقب مدح پر دلالت نہیں کرتا!

عرض ہے کہ یہ لقب مدح پر دلالت نہیں کرتا تو انھیں حضرات کے بقول ایسا لقب دینے والے کو بیس کوڑے کیوں لگوائے گئے؟ ہم یہ تسلیم کرتے کہ کسی کے کلام میں ''امیر المومنین'' کا لقب بطورِ مدح کے بغیر بھی مستعمل ہوسکتا ہے، لیکن اس کے لیے الگ سے دلیل درکار ہوگی، بغیر دلیل کے ہم اس لقب کو مدح سے الگ نہیں کر سکتے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے، جیسے بعض محدثین کسی کو ثقہ کہہ دیتے ہیں، لیکن اس سے اصل توثیق مراد نہیں ہوتی ہے، بلکہ محض اسے دیانت دار بتلانا مقصود ہوتا ہے، لیکن اس بنیاد پر ہم ہر توثیق کو محض اس احتمال کی بنا پر رد نہیں کرسکتے کہ یہاں ثقہ سے کچھ اور مراد ہوسکتا ہے، بلکہ کچھ اور مراد لینے کے لیے الگ سے دلیل درکار ہے۔

واضح رہے کہ امام ابن العربی رحمہ اللہ نے بھی امام لیث کے ذریعے سے یزید کو امیر المومنین کہے جانے کو مدح ہی پر محمول کیا ہے اور صحیح بخاری وغیرہ کی طویل روایت ہے کہ عباس رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ نے جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث مانگی تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان دونوں صحابہ سے کہا:

''جئتني تسألني نصيبك من ابن أخيك، وأتىٰ هذا يسألني نصيب امرأته من أبيها''[1]

''(اے عباس رضی اللہ عنہ!) تم اپنے بھتیجے سے ملنے والا حصہ مانگنے آئے ہو اور یہ (علی رضی اللہ عنہ) اپنی بیوی کے لیے ان کے والد سے ملنے والا حصہ مانگنے آئے ہیں۔''

چناں چہ امام عقیلی کی روایت کے مطابق جب امام عبدالرزاق کے سامنے یہ حدیث پڑھی گئی اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ پڑھے گئے تو امام عبدالرزاق نے کہا:

''انظروا إلىٰ الأَنْوَك، يقول: تطلب أنت ميراثك من ابن أخيك، ويطلب هذا ميراث زوجته من أبيها، لا يقول: رسول الله ﷺ''[2]

''دیکھو اس احمق کو! یہ کہتا ہے: تم اپنے بھتیجے کا حصہ مانگنے آئے ہو اور یہ (علی رضی اللہ عنہ) اپنی

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٣٥٨)

[2] الضعفاء الكبير للعقيلي (٣/ ١١٠) سير أعلام النبلاء للذهبي (٩/ ٥٧٢)

بیوی کے لیے ان کے والد کا حصہ مانگنے آئے ہیں اور اللہ کا رسول ﷺ نہیں کہتا۔''

امام عبدالرزاق کی اس بات پر گرفت کرتے ہوئے امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا:

''قلت: هذه عظيمة، وما فهم قولَ أمير المؤمنين عمر، فإنك يا هذا لو سكتَّ، لكان أولىٰ بك، فإن عمر إنما كان في مقام تبيين العمومة والبنوة، وإلا فعمر رضي الله عنه أعلم بحق المصطفىٰ، وبتوقيره، وتعظيمه من كل متحذلق متنطع، بل الصواب أن نقول عنك: انظروا إلىٰ هذا الأَنْوَكِ الفاعل ـعفا الله عنهـ كيف يقول عن عمر هذا، ولا يقول: قال أمير المؤمنين الفاروق؟ وبكل حال، فنستغفر الله لنا ولعبدالرزاق، فإنه مأمون علىٰ حديث رسول الله ﷺ صادق''[1]

میں کہتا ہوں: یہ بہت بڑی بات ہے اور عبدالرزاق نے امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بات سمجھی ہی نہیں۔ اے عبدالرزاق! اگر تو یہاں پر چپ ہی رہتا تو بہتر تھا، کیوں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس قول کا مقصد عمومت اور بنوت کا رشتہ بتلانا تھا۔ ورنہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ اللہ کے نبی ﷺ کے حق، ان کی عزت اور ان کی تعظیم، ہر ڈینگ مارنے والے اور بڑی بڑی بات کرنے والے سے کہیں بہتر جانتے ہیں۔ بلکہ عبدالرزاق! خود تیرے بارے میں ہمارا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اس احمق کو دیکھو! یہ کیسے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس طرح کی بات کہتا ہے اور ان کے نام کے ساتھ ''امیر المومنین فاروق'' نہیں کہتا؟ بہر حال ہم اللہ سے اپنے لیے اور عبدالرزاق کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں، کیوں کہ یہ حدیثِ رسول کے سلسلے میں مامون اور سچا ہے۔''

امام ذہبی رحمہ اللہ نے یہاں پر الزامی طور پر ایک بات کہی ہے، لیکن اس سے یہ تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ ''امیر المومنین'' کا لقب کوئی معمولی لقب نہیں ہے، بلکہ مدح و تعریف والا لفظ ہے۔[2]

---

[1] سير أعلام النبلاء للذهبي (٩/ ٥٧٢)

[2] واضح رہے کہ امام عبدالرزاق کی طرف منسوب مذکورہ بات صحیح سند سے ثابت نہیں ہے، اس کی سند منقطع وضعیف ہے، لیکن ہمارا استدلال امام ذہبی کے کلام سے ہیں، جس سے لقب ''امیر المومنین'' کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

صحابی رسول عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف سے یزید کا دفاع:

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی ۲۵۶) نے کہا:

”حدثنا سليمان بن حرب، حدثنا حماد بن زيد، عن أيوب، عن نافع، قال: لما خلع أهل المدينة يزيدَ بنَ معاوية، جمع ابن عمر حشمه وولده، فقال: إني سمعت النبي ﷺ يقول: ينصب لكل غادر لواء يوم القيامة، وإنا قد بايعنا هذا الرجل علىٰ بيع الله ورسوله، وإني لا أعلم غدرا أعظم من أن يبايع رجل علىٰ بيع الله ورسوله، ثم ينصب له القتال، وإني لا أعلم أحدا منكم خلعه، ولا بايع في هذا الأمر، إلا كانت الفيصل بيني وبينه“[1]

”نافع روایت کرتے ہیں کہ جب اہلِ مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے ساتھیوں اور بچوں کو اکٹھا کیا اور کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہر وعدہ توڑنے والے کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور ہم اس (یزید) کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کے موافق کر چکے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ اس سے بڑھ کر کوئی بے وفائی ہوسکتی ہے کہ ایک شخص کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کے موافق ہو جائے، پھر اس سے جنگ کی جائے۔ تم میں سے جو شخص یزید کی بیعت توڑے گا اور اس کی اطاعت سے روگردانی کرے گا تو میرا اس سے کوئی رشتہ باقی نہیں رہے گا۔“

یہ روایت پچھلے صفحات میں بھی پوری وضاحت وتفصیل اور ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی کی مزید روایات کے ساتھ گزر چکی ہے۔[2]

---

[1] صحيح البخاري (۹/ ۵۷) رقم الحديث (۷۱۱۱)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۵۴۲۔۵۴۶) دیکھیں۔

(ج): تابعین کرام کی گواہیاں

محمد بن حنفیہ کی طرف سے دفاعِ یزید اور اتہامات کی تردید:

امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴ھ) نے امام مدائنی کی روایت مع سند نقل کرتے ہوئے کہا:

”وقد رواه أبو الحسن علي بن محمد بن عبد الله بن أبي سيف المدائني عن صخر بن جويرية عن نافع... ولما رجع أهل المدينة من عند يزيد مشىٰ عبد الله بن مطيع وأصحابه إلىٰ محمد بن الحنفية فأرادوه علىٰ خلع يزيد فأبىٰ عليهم فقال ابن مطيع: إن يزيد يشرب الخمر ويترك الصلاة ويتعدىٰ حكم الكتاب! فقال لهم: ما رأيت منه ما تذكرون، وقد حضرته، وأقمت عنده فرأيته مواظبا علىٰ الصلاة، متحريا للخير، يسأل عن الفقه، ملازما للسنة. قالوا: فإن ذلك كان منه تصنعا لك، فقال: وما الذي خاف مني أو رجا حتى يظهر إليَّ الخشوع؟ أفأطلعكم علىٰ ما تذكرون من شرب الخمر؟ فلئن كان أطلعكم علىٰ ذلك إنكم لشركاؤه، وإن لم يطلعكم فما يحل لكم أن تشهدوا بما لم تعلموا. قالوا: إنه عندنا لحق، وإن لم يكن رأيناه، فقال لهم: أبىٰ الله ذلك علىٰ أهل الشهادة فقال: ﴿إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ ولست من أمركم في شيئ. قالوا: فلعلك تكره أن يتولىٰ الأمر غيرك فنحن نوليك أمرنا، قال: ما أستحل القتال علىٰ ما تريدونني عليه تابعا ولا متبوعا. قالوا: فقد قاتلت مع أبيك؟ قال: جيئونى بمثل أبي أقاتل علىٰ مثل ما قاتل عليه! فقالوا: فمر ابنيك أبا القاسم والقاسم بالقتال معنا! قال: لو أمرتهما قاتلت. قالوا: فقم معنا مقاما تحض الناس فيه علىٰ القتال! قال: سبحان الله! آمر الناس بما لا أفعله ولا أرضاه؟ إذاً ما نصحت لله في عباده: قالوا! إذاً نكرهك! قال: إذاً آمر الناس بتقوىٰ الله، ولا يرضون المخلوق بسخط الخالق“

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) نے بھی اس روایت کو مع سند نقل کرتے ہوئے کہا:

"وَزَادَ فِيهِ الْمَدَائِنِيُّ، عَنْ صَخْرٍ، عَنْ نَافِعٍ: فَمَشَى عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُطِيعٍ وَأَصْحَابُهُ إِلَىٰ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ، فَأَرَادُوهُ عَلَىٰ خَلْعِ يَزِيدَ، فَأَبَىٰ، وَقَالَ ابْنُ مُطِيعٍ: إِنَّ يَزِيدَ يَشْرَبُ الْخَمْرَ، وَيَتْرُكُ الصَّلَاةَ، وَيَتَعَدَّىٰ حُكْمَ الْكِتَابِ! قَالَ: مَا رَأَيْتُ مِنْهُ مَا تَذْكُرُونَ، وَقَدْ أَقَمْتُ عِنْدَهُ، فَرَأَيْتُهُ مُوَاظِبًا لِلصَّلَاةِ، مُتَحَرِّيًا لِلْخَيْرِ، يَسْأَلُ عَنِ الْفِقْهِ..."[1]

"جب اہلِ مدینہ یزید کے پاس سے واپس آئے تو عبداللہ بن مطیع اور ان کے ساتھی محمد بن حنفیہ کے پاس آئے اور یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ یزید کی بیعت توڑ دیں، لیکن محمد بن حنفیہ نے ان کی اس بات سے انکار کر دیا تو عبداللہ بن مطیع نے کہا: یزید شراب پیتا ہے، نماز چھوڑتا ہے اور کتاب اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے تو **محمد بن حنفیہ نے کہا کہ میں نے تو اس کے اندر ایسا کچھ نہیں دیکھا، جیسا تم کہہ رہے ہو، جبکہ میں اس کے پاس جا چکا ہوں اور اس کے ساتھ قیام کر چکا ہوں، اس دوران میں مَیں نے تو اسے نماز کا پابند، خیر کا متلاشی، علمِ دین کا طالب اور سنت کا ہمیشہ پاسدار پایا** تو لوگوں نے کہا کہ یزید ایسا آپ کو دکھانے کے لیے کر رہا تھا تو محمد بن حنفیہ نے کہا: اسے مجھ سے کیا خوف تھا یا مجھ سے کیا چاہتا تھا کہ اسے میرے سامنے نیکی ظاہر کرنے کی ضرورت پیش آئی؟ کیا تم لوگ شراب پینے کی جو بات کرتے ہو، اس بات سے خود یزید نے تمھیں آگاہ کیا؟ اگر ایسا ہے تو تم سب بھی اس کے گناہ میں شریک ہو اور اگر خود یزید نے تمھیں یہ سب نہیں بتایا ہے تو تمھارے لیے جائز نہیں کہ ایسی بات کی گواہی دو، جس کا تمھیں علم ہی نہیں۔ لوگوں نے کہا: یہ بات ہمارے نزدیک سچ ہے، اگرچہ ہم نے نہیں دیکھا ہے، تو محمد بن حنفیہ نے کہا: اللہ تعالیٰ اس طرح گواہی دینے کو تسلیم نہیں کرتا، کیوں کہ اللہ کا فرمان ہے: "جو حق بات کی گواہی دیں اور انھیں اس کا علم بھی ہو۔" لہٰذا میں تمھاری ان سرگرمیوں میں کوئی شرکت نہیں کر سکتا تو انھوں نے کہا کہ شاید آپ یہ ناپسند کرتے ہیں

[1] البداية والنهاية (٨/ ٢٣٣) تاريخ الإسلام للذهبي (٥/ ٢٧٤) نقلاً عن المدائني، و إسناده صحيح.

کہ آپ کے علاوہ کوئی اور امیر بن جائے تو ہم آپ ہی کو اپنا امیر بناتے ہیں، تو محمد بن حنفیہ نے کہا: تم جس چیز پر قتال کر رہے ہو، میں تو اس کو سرے سے جائز نہیں سمجھتا: مجھے کسی کے پیچھے لگنے یا لوگوں کو اپنے پیچھے لگانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: آپ تو اپنے والد کے ساتھ مل کر لڑائی لڑ چکے ہیں؟ تو محمد بن حنفیہ نے کہا کہ پھر میرے والد جیسا شخص اور انھوں نے جن کے ساتھ جنگ کی ہے، ایسے لوگ لے کر تو آؤ! وہ کہنے لگے: آپ اپنے صاحبزادوں قاسم اور اور ابو القاسم ہی کو ہمارے ساتھ لڑائی کی اجازت دے دیں! محمد بن حنفیہ نے کہا: میں اگر ان کو اس طرح کا حکم دوں تو خود نہ تمھارے ساتھ شریک ہو جاؤں! لوگوں نے کہا: اچھا آپ صرف ہمارے ساتھ چل کر لوگوں کو لڑائی پر تیار کریں۔ محمد بن حنفیہ نے کہا: سبحان اللہ! جس کو میں خود ناپسند کرتا ہوں اور اس سے مجتنب ہوں، لوگوں کو اس کا حکم کیسے دوں؟ اگر میں ایسا کروں تو میں اللہ کے معاملوں میں اس کے بندوں کا خیر خواہ نہیں ہوں۔ وہ کہنے لگے: پھر ہم آپ کو مجبور کریں گے۔ محمد بن حنفیہ نے کہا: میں اس وقت بھی لوگوں سے یہی کہوں گا کہ اللہ سے ڈرو اور مخلوق کی رضا کے لیے خالق کو ناراض نہ کرو۔''

اس روایت کو امام ابن کثیر اور امام ذہبی رحمہما اللہ نے امام مدائنی کی کتاب سے سند کے ساتھ نقل کر دیا ہے اور یہ سند بالکل صحیح ہے۔ سند کے تمام رواۃ کا تعارف ملاحظہ ہو:

نافع مولیٰ عبد اللہ بن عمر بن الخطاب القرشی، المدنی:

آپ بخاری ومسلم وموطا ودیگر سنن کے راوی اور زبردست ثقہ امام ہیں۔ آپ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں، آپ کی اسناد: ''مالک، عن نافع، عن ابن عمر'' کو ''اصح الاسانید'' اور ''سلسلۃ الذہب'' کہا جاتا ہے۔ کسی ایک بھی محدث نے ان پر جرح نہیں کی ہے اور تمام محدثین نے بالاتفاق انھیں ثقہ وحجت قرار دیا ہے۔ آپ تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں ائمہ رجال کے اقوال کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے کہا:

''ثقة ثبت فقيه مشهور''[1] ''آپ ثقہ وثبت اور مشہور فقیہ ہیں۔''

[1] تقريب التهذيب لابن حجر، رقم (٧٠٨٦)

صخر بن جویریہ البصری:

آپ بخاری ومسلم کے راوی اور بالاتفاق ثقہ ہیں:

- امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰) نے کہا: "كان ثبتا ثقة"[1] "آپ ثقہ اور ثبت تھے۔"
- امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳) نے کہا: "ثقة"[2] "آپ ثقہ تھے۔"
- امام احمد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱) نے کہا: "ثقة ثقة"[3] "آپ ثقہ تھے، آپ ثقہ تھے۔"
- امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸) نے کہا: "ثقة"[4] "آپ ثقہ تھے۔"

فائدہ: ان پر کسی بھی ناقد کی جرح ثابت نہیں۔

علی بن محمد القرشی المدائنی:

آپ زبردست ثقہ اور امام ہیں، کئی کتب کے مصنف ہیں۔ کسی بھی محدث نے انھیں ضعیف نہیں کہا اور کئی محدثین نے ان کی توثیق کی ہے، اس بارے میں گذشتہ صفحات میں تفصیل گزر چکی ہے۔[5]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس سند کے تمام رواۃ ثقہ ہیں۔ والحمد لله۔ الغرض مذکورہ بالا روایت سنداً صحیح ہے۔ دکتور محمد بن ہادی الشیبانی نے بھی اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔[6]

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی محمد بن حنفیہ کی نظر میں یزید نماز کے پابند، خیر کے متلاشی، دینی علوم سے شغف رکھنے والے اور سنت سے حد درجہ محبت کرنے والے تھے، ان کے خلاف شراب نوشی وغیرہ کی تہمت لگانے والوں کے پاس کوئی ثبوت نہیں، بس محض افواہوں پر کچھ لوگ یقین کر بیٹھے تھے۔

مذکورہ روایت پر زبیر علی زئی صاحب کے شبہات واعتراضات کا ازالہ:

ہماری اس تحریر کو یزید کے مخالفین نے اس امید پر زبیر علی زئی صاحب کے سامنے پیش کیا

---

[1] الطبقات لابن سعد (۷/ ۲۰۳)

[2] سؤالات ابن الجنيد لابن معين (ص: ٤٤٢)

[3] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٤/ ٤٢٧) و إسناده صحيح.

[4] الكاشف للذهبي (١/ ٥٠٠) مزید توثیق کے لیے دیکھیں: الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٤/ ٤٢٧)

[5] اسی کتاب کا صفحہ (۶۳۳۔۶۳۵) دیکھیں۔

[6] دیکھیں: مواقف المعارضة في عهد يزيد بن معاوية (ص: ٣٨٤)

کہ وہ اس کا جواب دیں تو زبیر علی زئی صاحب نے بھی ان کی امید پوری کردی اور اس روایت کو خواہ مخواہ منقطع کہہ کر رد کر دیا۔ ہم اگلی سطور میں اس کا جواب دے رہے ہیں، لیکن اس سے قبل یہ واضح کر دیں کہ ہمارے اس مضمون کا عنوان تھا: ''برادرِ حسین رضی اللہ عنہ محمد بن حنفیہ کی طرف سے یزید بن معاویہ کی مدح و ثنا بسند صحیح۔'' لیکن زبیر علی زئی صاحب نے جب اس روایت کو رد کیا تو اس کا عنوان قائم کیا: ''کیا یزید شرابی اور تارکِ صلاۃ تھا؟''[1]

یہ عنوان پڑھ کر بادی النظر میں ہر قاری یہی سمجھے گا کہ شاید کسی روایت سے استدلال کرتے ہوئے کسی نے یزید کو شرابی اور تارکِ صلاۃ کہا ہے اور زبیر علی زئی صاحب اس کی تردید کر رہے ہیں، حالاں کہ معاملہ ایسا ہرگز نہیں ہے، بلکہ سچائی یہ ہے کہ اس روایت کی بنیاد پر ہم نے یہ کہا تھا کہ یزید رحمہ اللہ نماز کے پابند، خیر کے متلاشی، علمِ دین کے طالب اور سنت کے ہمیشہ پاسدار تھے۔

اب اگر زبیر علی زئی صاحب کو ہماری تردید میں عنوان ہی قائم کرنا تھا تو انھیں یہ عنوان لگانا چاہیے تھا: ''کیا یزید نماز کا پابند، سنت کا پاسدار اور علم و خیر کا متلاشی تھا؟'' یا ہمارے عنوان کے حساب سے یہ عنوان لگانا چاہیے تھا: ''کیا محمد بن حنفیہ نے یزید بن معاویہ کی مدح و ثنا کی ہے؟'' لیکن موصوف نے ایسا نہ کرکے یہ عنوان لگایا ''کیا یزید شرابی اور تارکِ صلاۃ تھا؟''

بہ آسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ اس طرح کا عنوان قائم کرکے زبیر علی زئی صاحب نے اس روایت کو رد کرنے کے لیے جذباتی دلیل دینے کی کوشش کی ہے، وہ اس طرح کہ لوگوں کو جب یہ معلوم ہوگا کہ اس روایت سے تو یزید کا شرابی اور تارکِ صلات ہونا ثابت ہوتا ہے تو یہ بات جانتے ہی لوگ اس روایت سے متنفر ہو جائیں گے اور اسی روایت کے اندر یزید کی جو خوبیاں بیان ہوئی ہیں، اس سے لوگ دست بردار ہو جائیں گے۔ یعنی اصل مقصد یزید بن معاویہ سے شراب نوشی اور ترکِ صلاۃ کی تہمت کا ازالہ نہیں، بلکہ اصل مقصد تو یزید بن معاویہ کی ثابت شدہ خوبیوں کا انکار ہے، لیکن چالاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس انکار کو دفاعِ یزید کے لبادے میں چھپانے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔ حالاں کہ اس روایت کو مکمل پڑھنے کے بعد ہر شخص بہ آسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس روایت میں مجہول و نامعلوم ذریعے سے ابن مطیع اور ان کے ساتھیوں نے یزید کو شرابی اور تارکِ

---

[1] مجله ''الحديث'' (شماره ۱۰۷، ص: ۱۴)

صلاۃ کہا تو محمد بن حنفیہ نے یزید کا دفاع کیا اور اپنی چشم دید گواہی پیش کی کہ میں نے بذات خود یزید کو نماز کا پابند، علم و خیر کا متلاشی اور سنت پر سختی سے عمل کرنے والا پایا ہے۔

یہ چشم دید گواہی دینے کے بعد محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے ابن مطیع اور ان کے ساتھیوں سے ان کی طرف سے یزید پر لگائے گئے الزامات کی گواہی طلب کی، لیکن ابن مطیع اور ان کے ساتھی محمد بن حنفیہ کا مطالبہ پورا نہ کر سکے، وہ یزید کے شرابی یا تارکِ صلاۃ ہونے پر کوئی گواہی پیش نہ کر سکے، نہ اپنی طرف سے نہ کسی دوسرے معتبر شخص کی طرف سے۔ حتیٰ کہ ابن مطیع کے ساتھ ان کی ایک ٹیم بھی موجود تھی اور ان میں سے کسی ایک نے بھی اپنی چشم دید گواہی نہیں دی، بلکہ الٹا یہ اعتراف کیا ہے کہ ہم نے ایسا کچھ نہیں دیکھا، لیکن ہمارے نزدیک یہ بات سچ ہے!

اس پر محمد بن حنفیہ نے ان کی اس بے دلیل اور بے سر پیر والی بات کی سختی کے ساتھ تردید کی اور قرآنی آیت پڑھ کر ان پر حجت قائم کی کہ اس طرح کی باتوں سے گواہی ثابت نہیں ہوتی۔ محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کے اس استدلال پر ابن مطیع اور ان کے تمام ساتھی مبہوت ہو کر رہ گئے اور اس کے خلاف کوئی معتبر بات پیش کرنے سے یکسر عاجز و قاصر رہے۔

غور کریں! یہ پوری روایت جہاں ایک طرف یہ ثبوت فراہم کرتی ہے کہ یزید سنت کے پاسدار، نماز کے پابند، علم و خیر کے متلاشی تھے، وہیں دوسری طرف یہ روایت یزید پر لگائے گئے الزامات کی بھرپور تردید کرتی ہے اور اس حقیقت کی نقاب کشائی کرتی ہے کہ یزید پر الزامات لگانے والے سرکردہ افراد کے پاس بھی ان الزامات کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔ لیکن دنیائے تعصب وتعسف کی کج اندیشی دیکھیں کہ بے سر پیر کی بات پر ایمان لانے کی دعوت دی جا رہی ہے اور کتاب و سنت کے مطابق ثابت شدہ گواہی سے آنکھ بند کرنے کی بات کہی جا رہی ہے۔

مزید برآں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ بے سر پیر کی بات بھی صرف ایسی نہیں کہ کسی نے بغیر دلیل کے بیان کر دیا ہو، بلکہ یہاں معاملہ یہ ہے کہ اس طرح سے بے سر پیر کی بات کرنے والوں سے دلیل کا مطالبہ کیا گیا، لیکن اس مطالبے پر کوئی دلیل سرے سے پیش ہی نہیں کی گئی۔ اس کے باوجود بھی اس بے سر پیر اور بے دلیل والی بے بنیاد بات کو راجح بتا کر اندھی تقلید کی طرف دعوت دی جا رہی ہے۔ فإلیٰ اللّٰہ المشتکیٰ.

پہلا اعتراض:

زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''مدائنی تو ۲۲۴ھ میں فوت ہوئے اور حافظ ابن کثیر ۷۰۱ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ حافظ ذہبی ۶۷۳ھ میں پیدا ہوئے اور دونوں (ابن کثیر و ذہبی) نے یہ وضاحت وصراحت نہیں کی کہ انھوں نے یہ روایت مدائنی کی کسی کتاب یا کسی دوسری کتاب سے مدائنی کی سند سے نقل کی ہے، لہٰذا یہ روایت سخت منقطع و بے سند یعنی مردود ہے۔

''جناب کفایت اللہ سنابلی صاحب کا یہ کہنا: ''اس روایت کو امام ابن کثیر اور امام ذہبی رحمہما اللہ نے امام مدائنی کی کتاب سے سند کے ساتھ نقل کر دیا ہے''... بالکل عجیب وغریب ہے۔ سنابلی صاحب کو کس نے بتایا ہے کہ حافظ ابن کثیر اور حافظ ذہبی نے یہ روایت مدائنی کی فلاں کتاب سے نقل کی ہے؟ حوالہ پیش کریں اور مدائنی کی کتاب کا نام بھی بتائیں کہ اصل کتاب تلاش کر کے یہ روایت دیکھی جا سکے۔''[1]

اصل اعتراض کا جواب دینے سے قبل عرض ہے کہ امام مدائنی رحمہ اللہ کی تاریخِ وفات بالجزم ۲۲۴ھ بتلانا خود زبیر علی زئی صاحب ہی کے اصول کی روشنی میں غلط ہے، کیوں کہ امام مدائنی کی تاریخِ وفات میں شدید اختلاف ہے۔ بعض نے ۲۱۵ھ، بعض نے ۲۲۴ھ، بعض نے ۲۲۵ھ، بعض نے ۲۲۸ھ اور بعض نے ۲۳۴ھ کہا ہے۔ دیکھیں: عام کتبِ رجال۔

جبکہ زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''سیدنا ابو اسید مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی تاریخِ وفات میں سخت اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں: ۳۰ھ، بعض کہتے ہیں: ۶۰ھ یا ۷۰ھ یا ۸۰ھ یا ۴۰ھ۔ (دیکھیں: تقریب التهذيب، رقم: ٦٤٣٦، و الإصابة، رقم: ١١٥٥، ١١٥٦) لہٰذا بعض الناس کا بالجزم آپ کی وفات ۳۰ ہجری قرار دینا غلط ہے۔''[2]

مزید لکھتے ہیں:

---

[1] مجلہ ''الحدیث'' (شمارہ ۱۰۷، ص: ١٤، ١٥)

[2] نور العینین (ص: ٢٦٩ جدید اڈیشن) نیز دیکھیں: مجلہ ''الحدیث'' (شمارہ ۱۸، ص: ٢٨)

''سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی تاریخِ وفات میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے ۴۳ھ اور بعض نے ۴۶ھ اور ۴۷ھ کہا ہے۔ (تهذيب الكمال: ١٧/ ٢٤٠) آپ کی صحیح تاریخِ وفات نامعلوم ہے۔ یہ کہنا کہ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ۴۰ھ میں فوت ہوگئے تھے، دعویٰ بلا دلیل ہے۔''[1]

ہمارے نزدیک بعض دلائل کے پیشِ نظر راجح یہی ہے کہ امام مدائنی کی تاریخِ وفات ۲۱۵ھ یا اس کے قریب ہی ہے، بہرحال اب ہم اصل اعتراض پر آتے ہیں۔

زبیر علی زئی صاحب کا کہنا ہے کہ سنابلی صاحب کو کس نے بتایا ہے کہ حافظ ابن کثیر اور حافظ ذہبی نے یہ روایت مدائنی کی فلاں کتاب سے نقل کی ہے؟ اس کے جواب میں عرض ہے کہ زبیر علی زئی صاحب امام ابن معین رحمہ اللہ کا ایک قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ابن رجب حنبلی نے ''شرح علل الترمذي'' میں یہ قول عثمان بن سعید دارمی کی کتاب سے نقل کیا ہے۔'' دیکھیں: (۲/ ۶۴۱ وفی نسخہ اخری، ص: ۳۸۴، ۳۸۵)[2]

عرض ہے کہ ابن رجب حنبلی نے یہ قول ''وقال عثمان بن سعيد'' (اور عثمان بن سعید نے کہا) کے الفاظ سے نقل کیا ہے اور ان کے کتاب کی صراحت نہیں کی ہے نہ ان کی کتاب کا نام لیا ہے۔ اب کیا ہم یہ پوچھ سکتے ہیں کہ زبیر علی زئی صاحب کو کس نے بتایا کہ ابن رجب حنبلی نے یہ قول عثمان بن سعید دارمی کی کتاب سے نقل کیا ہے؟ فما كان جوابكم فهو جوابنا.

بعد ازیں عرض ہے کہ امام مدائنی بہت بڑے مورخ اور تاریخ سے متعلق مشہور کتابوں کے مصنف ہیں، ان کا ترجمہ پیش کرنے والے اہلِ علم نے انھیں متعدد مشہور کتابوں کا مولف قرار دیا ہے۔ مثلاً خود امام ذہبی نے کہا:

''وهو صاحب المصنّفات المشهورة''[3] یعنی امام مدائنی مشہور کتابوں کے مصنف ہیں۔ بلکہ انھیں میں سے ایک ''کتاب الحرۃ'' بھی ہے۔ یزید کی مذمت کرنے والے ابن الجوزی نے بھی اس کتاب کا ذکر کیا اور اس سے اقتباس لیا ہے۔[4]

---

[1] نور العينين (ص: ٢٦٩ جديد اڈیشن) نیز دیکھیں: مجلہ ''الحدیث'' (شمارہ ۱۸، ص: ۲۸، ۲۹)

[2] نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام (ص: ۳۱، ۳۲)

[3] تاريخ الإسلام (٥/ ٦٣٨)

[4] دیکھیں: الرد على المتعصب العنيد (ص: ٦٧)

امام ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں کئی جگہ اس کتاب سے استفادہ کیا ہے اور دو مقامات پر واضح طور پر اس کتاب کا نام ''کتاب الحرہ'' درج کیا ہے۔[1] بلکہ جس روایت پر ہم بحث کر رہے ہیں، عین اسی روایت کو انھیں الفاظ کے ساتھ ابن عساکر نے بھی روایت کیا ہے، لیکن تاریخِ دمشق کے مطبوعہ نسخے سے یہ حصہ مفقود ہے، مگر اصل کتاب میں یہ روایت موجود ہے، جیسا کہ مختصر تاریخ دمشق لابن المنظور (۲۸/ ۲۷۔ ۲۸) میں مندرج ہے۔

یہ اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ یہ روایت امام مدائنی کی کتاب میں ہے اور ابن عساکر نے ان کی کتاب سے اپنی تاریخ میں اسے نقل کیا ہے، کیوں کہ امام ذہبی اور حافظ ابن کثیر رحمہما اللہ کے نقل کرنے سے قطعی طور پر ثابت ہوا کہ یہ روایت امام مدائنی کی ہے اور یہی روایت انھیں الفاظ کے ساتھ تاریخِ دمشق میں ابن عساکر نے بھی نقل کی ہے، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ابن عساکر نے بھی مدائنی ہی کی اس روایت کو نقل کیا ہے اور ابن عساکر کے پاس امام مدائنی کی ''کتاب الحرہ'' موجود تھی اور یہ روایت حرہ ہی سے متعلق ہے۔

دریں صورت اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ امام ذہبی اور امام ابن کثیر نے اس روایت کو امام مدائنی کی کتاب سے نقل نہیں کیا ہے تو بھی کم ازکم اتنی بات کا تو کوئی انکارنہیں کرسکتا ہے کہ امام ذہبی اور ابن کثیر نے مدائنی سے اوپر پوری سند نقل کی ہے۔ پھر جب مدائنی کی اسی روایت کو ابن عساکر نے بھی نقل کیا ہے، جن کے پاس مدائنی کی کتاب موجود تھی تو اب مدائنی سے یہ روایت ثابت ہوگئی اور مدائنی سے اوپر سند صحیح ہے، لہٰذا یہ روایت بھی بلاشک و شبہہ صحیح ہے۔ تاہم ہماری نظر میں درست بات یہی ہے کہ امام ذہبی و امام ابن کثیر نے بھی اسے کتاب ہی سے نقل کیا ہے اور صاحبِ تصنیف سے لے کر اصل روایت تک پوری سند نقل کرنا ہی اس بات کا قوی قرینہ ہے کہ ناقل نے یہ روایت مصنف کی کتاب سے نقل کی ہے۔

عصرِ حاضر کے محققین بھی اس طرح کے نقول کو حجت سمجھتے ہیں۔ مثلاً دکتور شیبانی نے اپنی کتاب ''مواقف المعارضة'' میں اس طرح کی کئی روایات کو امام ذہبی وغیرہ سے نقل کرکے اس

---

[1] دیکھیں: تاریخ دمشق (٥٧ / ١٣٢، و ٦٢/ ٣٨٢) نیز ملاحظہ ہو: موارد ابن عساكر في تاريخ مدينه دمشق (١/ ٣٩٠)

کی سندوں پر صحیح یا حسن کا حکم لگایا ہے اور دیگر اہلِ علم نے اس پر اعتبار کیا اور اس کا حوالہ دیا ہے۔ محدثِ عصر علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب میں متعدد مقامات پر ایسی روایت کی تصحیح کی ہے، جو اصل مصنف کی کتاب میں موجود نہیں، بلکہ دیگر ناقلین نے اسے اپنی کتاب میں سند کے ساتھ نقل کر دیا ہے، مثلاً ارواء میں علامہ البانی رحمہ اللہ نے قنوت سے متعلق ایک روایت کو اس لیے ثابت کہا، کیوں کہ اس کی ایک سند کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے نقل کر رکھا ہے اور اصل کتاب مفقود ہے۔[1]

خود زبیر علی زئی صاحب نے بھی دو رکعت میں تورک والی حدیث کو حسن کہا ہے، کیوں کہ ابن سید الناس نے اس کی سند کو نقل کر رکھا ہے۔[2] اسی طرح موصوف نے ابن بطال کی شرح بخاری سے بزار کی ایک روایت کو نقل کر کے حسن کہا ہے اور ابن بطال نے یہاں پر محض بزار کے حوالے سے ایک سند ذکر کی ہے اور بزار کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔ چناں چہ امام ابن بطال (المتوفی: ۴۴۹ھ) نے کہا:

”ذكر البزار، قال: حدثنا بشر بن آدم، قال: حدثنا أبو عاصم، عن ابن جريج قال: حدثني عبد الكريم الجزري أن مجاهدًا أخبره عن ابن عباس قال: أتيت أنا و الفضل علىٰ أتانٍ، فمررنا بين يدي رسول الله (ﷺ) بعرفة، وهو يصلي المكتوبة، ليس بشيئ يستره يحول بيننا وبينه“[3]

یہ روایت اور بھی کتب میں ہے، لیکن اس میں عبدالکریم کا نام بغیر کسی لقب اور بغیر کسی نسبت کے منقول ہے اور یہ عبد الکریم کون ہے؟ اس کا تعین ایک مشکل کام ہے، کیوں کہ اسی نام کا ایک اور ضعیف راوی ہے اور یہ بھی اتفاق سے مجاہد کا شاگرد اور ابن جریج کا استاذ ہے، اس لیے یہ پریشان کن بات ہے کہ یہ راوی کون ہے؟ لیکن زبیر علی زئی صاحب نے اس کا تعین ”عبد الکریم الجزری“ سے کیا ہے۔ اسی وجہ سے موصوف نے اس سند کو حسن کہا ہے اور تعین کے لیے موصوف نے اس بات کو دلیل بنایا ہے کہ امام ابن بطال نے بزار کی اسی روایت کو سند کے ساتھ نقل کیا اور ان کی نقل میں سند کے اندر ”عبدالکریم“ کی ”الجزری“ سے تعیین موجود ہے۔[4]

---

[1] دیکھیں: إرواء الغليل في تخريج أحاديث منار السبيل (١٦٩٢)
[2] دیکھیں: نورالعینین (ص: ٢٠١ طبع جديد)
[3] شرح صحيح البخاري لابن بطال (١٢٩٢)
[4] دیکھیں: موطا امام مالك مترجم از زبير على زئي (ص: ٢٦٦)

عرض ہے کہ ''عبد الکریم'' کی تعیین کرنے والا یہ لفظ ''الجزری'' اصل کتاب مسندِ بزار میں یا اس وقت اس کے کسی بھی دستیاب مخطوطے میں موجود نہیں ہے تو کیا یہ کہہ دیا جائے کہ امام ابن بطال کی نقل کردہ سند و روایت غیر معتبر ہے؟ کیوں کہ انھوں نے بزار کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا اور ان کی وفات اور امام بزار کی وفات میں لمبا فاصلہ ہے؟

ہم نے موصوف کی زندگی میں ان پر رد کرتے ہوئے یہ بات کہی تھی، لیکن موصوف نے اپنے اس استدلال سے نہ تو براءت ظاہر کی نہ اس کا انکار کیا نہ بزار کی سند میں عبدالکریم کے تعیین کی کوئی اور توجیہ پیش کی۔ اب ہم کہتے ہیں کہ زبیر علی زئی صاحب کو کس نے بتایا کہ امام ابن بطال نے یہ روایت امام بزار کی فلاں کتاب سے نقل کی ہے یا کسی اور کتاب سے بزار کی سند سے نقل کی ہے؟

اسی طرح زبیر علی زئی صاحب ایک مقام پر ایک جرح کو ثابت مانتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ابو احمد الحاکم نے کہا: "ربما يخالف في بعض حديثه" (تهذيب التهذيب: ١٠/ ٤٦٩) بعض اوقات اس کی بعض حدیث میں اس کی مخالفت کی جاتی ہے۔ **ممکن ہے یہ قول ابو احمد الحاکم الکبیر کی کتاب میں ہو۔** واللہ اعلم''[1]

عرض ہے کہ اگر یہ قول ابو حاکم کی کتاب میں ہوسکتا ہے، کیوں کہ انھوں نے اسماء الرجال پر کتاب لکھی ہے تو زیرِ بحث سند اور روایت بھی امام مدائنی کی کتاب میں کیوں نہیں ہوسکتی، جبکہ امام مدائنی نے بھی تاریخ پر مشہور کتابیں لکھی ہیں، بالخصوص ''کتاب الحرۃ'' نامی کتاب۔ كما مضىٰ.

اسی طرح زبیر علی زئی صاحب نے ایک اور مقام پر لکھا:

''حافظ ابن حجر بذاتِ خود لکھتے ہیں کہ "وقال الدوري عن ابن معين: روايته عن حذيفه مرسلة" (تهذيب التهذيب: ١/ ٤٤٣) اور (عباس) الدوری نے یحییٰ بن معین سے نقل کیا کہ بلال مذکور کی حذیفہ سے **روایت مرسل ہے۔ یہ روایت عباس دوری کی تاریخ میں نہیں ملی، لیکن بغیر قوی دلیل کے حافظ ابن حجر کی نقل کو رد کرنا محلِ نظر ہے۔**''[2]

عرض ہے کہ ٹھیک اسی طرح بغیر کسی قوی دلیل کے امام ذہبی اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی نقل کو

---

[1] مجله "الحديث" (شماره: ٤٩، ص: ٣٤، ٣٥)

[2] مجله "الحديث" (شماره: ١١، ص: ١٩)

بھی رد کرنا محل نظر ہے۔ ورنہ ہم بھی کہہ سکتے ہیں:

''زبیر علی زئی صاحب کو کس نے بتایا ہے کہ حافظ ابن حجر نے یہ روایت عباس دوری کی فلاں کتاب سے نقل کی ہے یا کسی اور کتاب سے عباس دوری کی سند سے نقل کی ہے؟''

واضح رہے کہ عباس دوری کی سند سے امام عقیلی وغیرہ نے بھی ابن معین کے اقوال نقل کیے ہیں۔ کیا یہاں یہ کہنا درست ہوگا کہ حافظ ابن حجر نے یہ وضاحت وصراحت نہیں کی کہ انھوں نے یہ روایت عباس دوری کی کسی کتاب یا کسی دوسری کتاب سے عباس دوری کی سند سے نقل کی ہے، لہٰذا یہ روایت سخت منقطع و بے سند یعنی مردود ہے؟ اگر نہیں تو زبیر علی زئی صاحب نے ہماری پیش کردہ روایت پر یہ اعتراض کیوں کر دیا؟

حافظ ابن حجر اور ابن سید الناس اور ابن بطال تو بہت پرانے دور کے اہلِ علم اور محدثین ہیں، آج حال تو یہ ہے کہ عصر حاضر کے محدث علامہ البانی رحمہ اللہ نے مدرکِ رکوع سے متعلق ایک روایت کو مع سند مسائلِ احمد و اسحاق سے نقل کیا اور اسے بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ لیکن یہ روایت مسائلِ احمد و اسحاق کے مطبوعہ نسخے میں نہیں ہے، اسی طرح مسائلِ احمد کے جتنے بھی مخطوطات عام ہیں، ان میں بھی یہ روایت نہیں ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے صرف ایک مخطوطہ سے اسے مع سند نقل کیا، لیکن محققین ان کی نقل کو بھی کافی سمجھتے ہیں۔[1]

موجودہ دور میں بریلوی حضرات تاریخِ میلاد سے متعلق مصنف ابن ابی شیبہ سے ایک روایت پیش کرتے ہیں، لیکن ابن ابی شیبہ کی کتاب میں یہ روایت موجود ہی نہیں ہے، بلکہ امام ابن کثیر نے اسے ابن ابی شیبہ کے حوالے سے نقل کیا ہے، چناں چہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴ھ) نے کہا:

''وَقَالَ اَبُو بَكْرِ بْنُ اَبِی شَیْبَةَ: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ عَنْ سَعِیدِ بْنِ مِینَا عَنْ جَابِرٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَا: وُلِدَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَامَ الْفِیلِ یَوْمَ الِاثْنَیْنِ الثَّانِی عَشَرَ مِنْ رَبِیعِ الْاَوَّلِ، وَفِیهِ بعث، وفیه عُرِجَ بِهٖ إِلَى السَّمَآءِ، وفیه هَاجَرَ، وَفِیهِ مَاتَ. فِیهِ انْقِطَاع''[2]

''جابر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی پیدایش عام الفیل،

---

[1] دیکھیں: سلسلة الأحادیث الصحیحة وشیئ من فقهها وفوائدها (۱۸۵۳، رقم: ۱۱۸۸)

[2] البدایة والنهایة لابن کثیر، رقم (۱۰۹۳)

بروز پیر بتاریخ ۱۲/ ربیع الاول کو ہوئی، اسی تاریخ کو آپ ﷺ کی بعثت ہوئی، اسی تاریخ کو آپ ﷺ کو معراج کرائی گئی، اسی تاریخ کو آپ ﷺ نے ہجرت کی اور اسی تاریخ کو آپ ﷺ کی وفات بھی ہوئی۔اس روایت میں انقطاع ہے۔''

یہ روایت بریلوی حضرات ربیع الاول میں بڑے زور وشور سے پیش کرتے ہیں، لیکن کیا کوئی بھی بریلوی اس روایت کو ابن ابی شیبہ کی کتاب میں دکھا سکتا ہے؟ یاد رہے کہ میلاد سے متعلق ابن کثیر رحمہ اللہ کی مع سند نقل کردہ روایت کو ہم ضعیف کہتے ہیں، لیکن اس لیے نہیں کہ یہ روایت اصل کتاب میں موجود نہیں، بلکہ اس لیے کہ نقل کردہ یہ سند ہی ضعیف ہے۔[1]

الغرض امام ذہبی اور امام ابن کثیر نے زیرِ بحث روایت کو امام مدائنی کے حوالے سے پوری سند کے ساتھ نقل کیا ہے اور امام مدائنی تاریخ کی مشہور کتابوں کے مصنف ہیں، لہٰذا یہ قرینہ ہی اس بات کی دلیل ہے کہ امام ذہبی اور امام ابن کثیر رحمہما اللہ نے اس روایت کو امام مدائنی کی کتاب سے نقل کیا ہے۔ دریں صورت بغیر کسی قوی دلیل کے اس روایت کو رد نہیں کیا جاسکتا، جیسا کہ ہم نے خود زبیر علی زئی صاحب ہی کی تحریروں کی روشنی میں اسے واضح کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں ابن عساکر رحمہ اللہ نے بھی تاریخ دمشق میں مدائنی کی اسی روایت کو نقل کیا ہے اور ان کے پاس مدائنی کی ''کتاب الحرۃ'' موجود تھی، جیسا کہ تفصیل پیش کی جاچکی ہے اور یہ روایت واقعہ حرہ ہی سے متعلق ہے۔

دوسرا اعتراض:

زبیر علی زئی صاحب بطورِ الزام ایک دوسرا اعتراض پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نیز بطورِ الزام عرض ہے کہ اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کیا جائے تو یزید بن معاویہ کا شرابی اور تارک الصلاۃ ہونا ثابت ہوجاتا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ عبداللہ بن مطیع بن الاسود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے، یعنی وہ رؤیت کے لحاظ سے صحابی ہیں۔ انھیں حافظ ابن حبان، ابن الاثیر، ذہبی اور ابن حجر وغیرہم نے صحابہ میں ذکر کیا۔(دیکھیں: کتاب الثقات لابن حبان: ۲۱۹۳، أسد الغابة: ۲۶۲۳، تجرید اسماء الصحابة للذهبي: ۳۳۵۱، فتح الباري: ٦١٥٦، تحت ۳٦۰۲) حافظ ابن حجر

[1] دیکھیں ہماری کتاب: ماہِ ربیع الاول اور سنن و بدعات (مخطوط)

نے ”تقریب التهذیب، رقم (۳٦۲٦)“ میں لکھا ہے: ”له رؤیة“ یعنی انھیں رؤیت حاصل ہے۔

”حافظ ابن کثیر نے بھی لکھا ہے: ”ولد في حیاة رسول اللّٰه، و حنکه ودعا له بالبرکة“ آپ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں پیدا ہوئے، آپ نے انھیں گھٹی دی اور ان کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ (البدایہ والنہایہ: ۱۲۶۹، وفات ۷۳ھ) جب صحابی رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ یزید شرابی ہے اور نمازیں بھی ترک کر دیتا ہے تو صحابی کے مقابلے میں تابعی کی بات کون سنتا ہے؟ دوسرے یہ کہ صحابی کی بات میں اثبات ہے اور تابعی کی بات میں نفی ہے اور مشہور اصول ہے کہ نفی پر اثبات مقدم ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک تو یہ روایت ہی ثابت نہیں، لہٰذا یزید بن معاویہ کا شرابی ہونا یا تارک الصلوٰۃ ہونا ثابت ہی نہیں۔ واللہ اعلم“[1]

عرض ہے کہ اس اقتباس میں زبیر علی زئی صاحب کو کئی غلط فہمیاں ہوئی ہیں، ذیل میں ہم بالتفصیل وضاحت کرتے ہیں۔

پہلی غلط فہمی:

عرض ہے کہ اول تو زبیر علی زئی صاحب نے اس بات کی کوئی صحیح سند پیش نہیں کی ہے کہ ابن مطیع نے اللہ کے نبی ﷺ کو دیکھا ہے اور ”البدایة والنهایة“ سے موصوف نے جو یہ پیش کیا ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں پیدا ہوئے، آپ نے انھیں گھٹی دی اور ان کے لیے برکت کی دعا فرمائی تو اس بات کے لیے امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے نہ تو کوئی حوالہ دیا ہے اور نہ اس کی سرے سے کوئی سند ذکر کی ہے۔ اب یہ کتنی عجیب بات ہے کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ ایک بات اسی کتاب میں بغیر حوالے اور بغیر سند کے بیان کریں اور زبیر علی زئی صاحب اس سے استدلال کرتے ہوئے ابن مطیع کو صحابی قرار دیں اور اسی کتاب میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ مدائنی کے حوالے سے سند کے ساتھ ایک روایت درج کریں اور زبیر علی زئی صاحب اس سے کسی کی صحابیت تو دور کسی کے نیک ہونے پر بھی استدلال درست نہ سمجھیں! معلوم نہیں یہ کہاں کا انصاف ہے؟!

---

[1] مجلہ ”الحدیث“ (شمارہ ۱۰۷، ص: ۱۵)

بہرحال اہلِ علم کے اقوال کی روشنی میں ہم یہ تسلیم کرلیں کہ ابن مطیع کو اللہ کے نبی ﷺ کی رؤیت حاصل ہے تو محض اتنی سی بات سے کوئی صحابی نہیں ہو جاتا، بلکہ صحابی ہونے کے لیے نبی ﷺ کی صحبت بھی ضروری ہے۔ یہ بات اہلِ علم میں اس قدر معروف ومشہور ہے کہ حدیث کا مبتدی طالب علم بھی اس بات سے اچھی طرح واقف ہے، لیکن پھر بھی ہم تسلی کے لیے کچھ حوالے پیش کرتے ہیں۔

❁ امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۳) نے ایک جواب میں کہا:

''عن إسحاق بن منصور قال: قلت ليحيى: محمد بن حاطب له رؤية أو صحبة؟ قال: رؤية''[1]

''اسحاق بن منصور کہتے ہیں کہ میں نے امام ابن معین رحمہ اللہ سے پوچھا: محمد بن حاطب کو رؤیت حاصل ہے یا وہ صحابی ہیں؟ تو امام ابن معین رحمہ اللہ نے جواب دیا: انھیں رؤیت حاصل ہے۔''

❁ ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۷) نے کہا:

''طارق بن شهاب له رؤية وليست له صحبة''[2]

''طارق بن شہاب کو رؤیت حاصل ہے یہ صحابی نہیں ہیں۔''

❁ نیز ان کے بیٹے نے کہا:

''سئل أبي عن عبد الرحمن بن عثمان التيمي: له صحبة؟ قال: لا، له رؤية''[3]

''میرے والد سے پوچھا گیا کہ عبدالرحمٰن بن عثمان تیمی کیا صحابی ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا: نہیں، انھیں رؤیت حاصل ہے۔''

❁ امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۲۷) نے کہا:

''محمود بن الربيع، ويقال: ابن ربيعة الخزرجي الأنصاري مديني،

---

[1] المراسيل لابن أبي حاتم (ص: ۱۸۳)

[2] المراسيل لابن أبي حاتم (ص: ۹۸)

[3] المراسيل لابن أبي حاتم (ص: ۱۲۳)

النبي ﷺ وهو صبى، ليست له صحبة، وله رؤية"[1]

"محمود بن ربیع، انھیں ابن ربیعہ خزرجی انصاری مدنی بھی کہا جاتا ہے، انھوں نے اللہ کے نبی ﷺ کو بچپن میں پایا ہے، یہ صحابی نہیں ہیں، بلکہ انھیں صرف رؤیت حاصل ہے۔"

❁ علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"الإدراك والرؤية أقل إفادة من قوله: له صحبة، لأن الصحبة، كما لا يخفاكم، يلاحظ فيها المعنى اللغوي، ولو في حدود ضيقة، أما له إدراك و له رؤية فذلك مما لا يستلزم، قد يكون رآه، وهو طفل صغير، أدرك الرسول وهو كذلك، لكن لا ينسحب عليه معنى الصحبة مهما ضيقت دائرتها، ولذلك فمن قيل فيه بأنه له صحبة، أقرب إلىٰ أن يحشر في الصحابة، ولا يحشر مما قيل فيه: له رؤية أو له أدراك"[2]

"فلاں کو ادراک حاصل ہے" یا "فلاں کو رؤیت حاصل ہے" یہ قول "فلاں کو صحبت حاصل ہے" سے افادے میں نہایت قلیل ہے، جیسا کہ ظاہر ہے، اس کے لغوی معنی کو پیش نظر رکھا جاتا ہے خواہ معمولی حد تک ہی سہی، رہی یہ بات کہ "فلاں نے نبی ﷺ کو پایا ہے" یا "فلاں نے نبی ﷺ کو دیکھا ہے" تو اس سے صحابی ہونا لازم نہیں آتا، کیوں کہ ممکن ہے کہ اس نے جب دیکھا ہے، اس وقت وہ چھوٹا بچہ رہا ہو اور یہی صورت نبی ﷺ کو پانے میں بھی ہے۔ ایسے لوگوں پر صحابی کا اطلاق نہیں ہوسکتا خواہ اس کا دائرہ کتنا ہی تنگ رکھا جائے۔ لہٰذا جس کے بارے میں یہ کہا گیا کہ "اسے صحبت حاصل ہے" تو یہ اس بات کے قریب ہے کہ اسے صحابہ میں شمار کیا جائے اور جن کے بارے میں یہ کہا گیا کہ "اسے رؤیت حاصل ہے" یا "اسے ادراک حاصل ہے" تو اس طرح کے لوگوں کا شمار صحابہ میں نہیں ہوسکتا۔"

معلوم ہوا کہ صحابی ہونے کے لیے محض رؤیت کافی نہیں ہے، اسی لیے امام ذہبی رحمہ اللہ نے ابن مطیع کا تذکرہ کیا تو انھیں صحابی نہیں کہا۔[3] اسی طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی ابن مطیع کا ذکر کیا

---

[1] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٨/ ٢٨٩)

[2] سؤالات أبي الحسن المأربي للعلامة المحدث الألباني (ص: ١١٩)

[3] دیکھیں: الكاشف للذهبي (١/ ٥٩٩)

تو انھیں صحابی نہیں کہا۔[1] واضح رہے کہ بعض اہلِ علم "له رؤية" والوں کو صحابی کہہ دیتے ہیں تو ان کی نظر میں صحابی کا عام اصطلاحی معنی مراد نہیں ہوتا، بلکہ تشریفی طور پر مقید صحبت ان کی مراد ہوتی ہے، چناں چہ ایسے ہی ایک شخص کے بارے میں امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَلَا صُحْبَةَ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ، بَلْ لَهُ رُؤْيَةٌ، وَتِلْكَ صُحْبَةٌ مُقَيَّدَةٌ"[2]

"عبدالرحمن صحابی نہیں ہیں، بلکہ انھیں رؤیت حاصل ہے اور یہ ایک مقید صحبت ہے۔"

یعنی صحابی ہونے اور صاحبِ رؤیت ہونے میں فرق ہے، الغرض ابن مطیع صحابی نہیں ہیں۔ میرے ناقص علم کی حد تک کسی نے بھی انھیں صحابی نہیں کہا ہے اور بعض اہلِ علم نے صحابہ والی کتاب میں جو ان کا تذکرہ کیا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ انھیں صحابی مانتے ہیں، بلکہ انھوں نے فقط رؤیت کا لحاظ کرتے ہوئے انھیں صحابہ والی کتاب میں ذکر کر دیا ہے اور اگر صحابہ والی کتاب میں کسی کے تذکرے سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ صحابی ہیں تو واقعہ حرہ میں مدینے پر حملہ کرنے والی فوج کے قائد مسلم بن عقبہ تھے، ان کا ذکر بھی صحابہ والی کتاب میں موجود ہے۔[3] اسی طرح علی رضی اللہ عنہ کے قاتل عبدالرحمن بن ملجم کا ذکر بھی صحابہ والی کتاب میں ہوا ہے۔[4] بلکہ لطف تو یہ ہے کہ مختار ثقفی جیسے کذاب ودجال کا ذکر بھی صحابہ والی کتاب میں ہوا ہے۔[5] تو کیا یہ سب کے سب صحابہ ہیں؟!

بطورِ فائدہ عرض ہے کہ محمد بن ابی بکر بھی ان لوگوں میں تھے، جو عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے ارادے سے عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر گئے تھے، بلکہ محمد بن ابی بکر نے قتل کا اقدام بھی کر دیا تھا، لیکن عثمان رضی اللہ عنہ کی بات سے شرمندہ ہو کر رک گئے۔[6]

ان کے بارے میں بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا:

"محمد بن أبي بكر الصديق أبو القاسم له رؤية"[7]

---

[1] دیکھیں: تقريب التهذيب لابن حجر، رقم (٣٦٢٦)

[2] سير أعلام النبلاء للذهبي (٣/ ٤٨٤)

[3] دیکھیں: الإصابة في تمييز الصحابة (٦/ ٢٣٢)

[4] دیکھیں: تجريد أسماء الصحابة للذهبي (١/ ٣٥٦) الإصابة في تمييز الصحابة (٥/ ٨٥)

[5] دیکھیں: أسد الغابة (٤/ ٣٤٦) الإستيعاب في معرفة الأصحاب (٤/ ١٤٦٥)

[6] تاريخ خليفة بن خياط (ص: ١٧٤ و إسناده صحيح)

[7] تقريب التهذيب لابن حجر، رقم (٥٧٦٤)

''محمد بن ابی بکر الصدیق ابو القاسم، انھیں رؤیت حاصل ہے۔''
یعنی انھوں نے بچپن میں اللہ کے نبی ﷺ کو دیکھا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہ بھی صحابی ہیں؟ اور پھر یہ بھی سوال اُٹھے گا کہ کیا بعض صحابہ بھی نعوذ باللہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی سازش میں شامل تھے؟

نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مروان بن الحکم کے صحابی ہونے کا انکار کرتے ہوئے کہا:

" فلم يثبت له أزيد من الرؤية"[1]

''پس ان کا صاحب رؤیت (له رؤية) ہونے سے زیادہ کچھ ثابت نہیں''

ابن حجر رحمہ اللہ کی اس تحقیق سے بھی معلوم ہوا کہ "له رؤية" والے صحابی نہیں ہوتے۔

صاف بات یہ ہے کہ "له رؤية" سے صحابی ہونا ثابت نہیں ہوتا، اس لیے محمد بن ابی بکر، مروان بن الحکم اوران جیسے اصحاب رؤیت صحابی نہیں ہیں، ٹھیک اسی طرح عبداللہ بن مطیع بھی صحابی نہیں ہیں۔

واضح رہے کہ "له رؤية"والے حضرات چونکہ صحابی نہیں ہوتے، اسی لیے یہ جب اللہ کے نبی ﷺ سے کوئی روایت بیان کرتے ہیں تو محدثین اس روایت کو مرسل قرار دیتے ہیں اور اسے متصل نہیں مانتے، جب کہ صحابہ جب اللہ کے نبی ﷺ سے کوئی روایت بیان کرتے ہیں تو انھیں متصل مانا جاتا ہے۔ اس بابت بھی کچھ حوالے ملاحظہ ہوں:

- امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸) نے کہا:

"فإن كان لم يكن له إلا مُجرَّدُ رُؤية، فقولُه: "قال رسول اللهﷺ" محمولٌ علىٰ الإرسال"[2]

''اگرکسی کو محض اللہ کے نبی ﷺ کی رؤیت حاصل ہے اور وہ کہے کہ ''اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا'' تو اس کی یہ روایت مرسل ہوگی۔''

- امام ابن رجب رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۹۵) نے کہا:

"وكذلك كثير من صبيان الصحابة رأوا النبي، ولم يصح لهم سماع، فرواياتهم عنه مرسلة، كطارق بن شهاب وغيره"[3]

''صحابہ کے بچوں میں سے کئی ایک نے اللہ کے نبی ﷺ کو دیکھا ہے، لیکن اللہ کے نبی ﷺ سے کچھ سنا نہیں، اس لیے اس طرح کے لوگوں کی نبی ﷺ سے روایت مرسل ہوتی ہے۔''

---

[1] الإصابة لابن حجر، ت ترکی (۱۰/ ۳۸۹) [2] الموقظة (ص۵۹) نیز دیکھیں: سير أعلام النبلاء (۳/ ۵۰۹)
[3] شرح علل الترمذي لابن رجب (ص: ۵۸)

❁ علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی یہی بات کہی ہے۔[1]

الغرض جس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ "له رؤية"، ان کو "صحابی"[2] کہنا کسی بھی صورت میں درست نہیں ہے، اس لیے زبیر علی زئی صاحب کا ابن مطیع کو صحابی کہنا اور ان پر صحابہ کے احکامات منطبق کرنا اصولِ حدیث کے سراسر خلاف ہے۔ ہمارے ناقص علم کی حد تک پوری تاریخِ اسلام میں کسی ایک بھی ثقہ و معروف محدث نے اس طرح کا موقف اختیار نہیں کیا ہے[3] اور معاصرین میں بھی زبیر علی زئی صاحب پوری دنیا میں واحد شخص ہیں، جنھوں نے نہ صرف یہ کہ ابن مطیع کو صحابی کہا ہے، بلکہ ان پر صحابہ کے احکامات بھی منطبق کر دیے۔

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ ابن مطیع رحمہ اللہ صحابی نہیں ہیں، لہٰذا انھیں صحابی کہنا سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔

دوسری غلط فہمی:

زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

> "جب صحابی رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ یزید شرابی ہے اور نمازیں بھی ترک کر دیتا ہے تو صحابی کے مقابلے میں تابعی کی بات کون سنتا ہے؟"[4]

عرض ہے کہ اول تو ابن مطیع صحابی ہے ہی نہیں، اسے صحابی کہنا یہ زبیر علی زئی صاحب کی غلط فہمی ہے، جیسا کہ اوپر وضاحت کی گئی۔ دوسری بات یہ کہ ابن مطیع نے شراب نوشی اور ترکِ صلاۃ کی جو بات کہی ہے، وہ ان کی اپنی بات یا ان کا اپنا مشاہدہ ہے ہی نہیں، بلکہ ابن مطیع نے کسی مجہول و نامعلوم شخص سے یہ بات سنی ہے، چناں چہ پوری روایت اوپر پیش کر دی گئی ہے، اسے دوبارہ پڑھیں اور دیکھیں کہ ابن مطیع اور ان کے ساتھیوں نے یہ بات کہی تو محمد بن حنفیہ نے ان سے شہادت طلب کی اور پوچھا کہ کیا تم لوگوں نے خود یہ بات دیکھی ہے تو انھوں نے صاف طور سے کہا کہ ہم نے یہ بات خود نہیں دیکھی ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہ بات سچ ہے۔ یعنی ابن مطیع اور ان کے ساتھی ان الزامات میں کسی اور کی بات پر یقین کر رہے ہیں، جس کا نام ان لوگوں نے نہیں بتایا۔

---

[1] دیکھیں: سؤالات أبي الحسن المأربي للعلامة المحدث الألباني (ص: ١١٩)

[2] یعنی عام اور اصطلاحی معنی میں "صحابی" کہنا کسی بھی صورت میں درست نہیں۔ دیکھیے صفحہ (٧٢٠) کی ابتدائی سطور۔

[3] یعنی کسی بھی محدث نے "له رؤية" والے راوی کو عام اصطلاحی معنی میں "صحابی" مان کر ان پر صحابہ کے احکامات (مثلاً اصطلاحی "صحابی" کا مقام دینا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی روایت کو متصل ماننا وغیرہ) منطبق نہیں کیا ہے۔

[4] مجلہ "الحدیث" (شمارہ ١٠٧، ص: ١٥)

معلوم ہوا کہ اس بات کو کہنے والا اصل شخص مجہول ہے، اس کا صحابی ہونا تو دور کی بات سرے سے مسلمان ہونا بھی ثابت نہیں ہے، کیوں کہ اس کا نام اور حال سب نامعلوم ہے بہت ممکن ہے یہ بات کہنے والا کوئی منافق سبائی ہو، جس سے ابن مطیع وغیرہ دھوکا کھا گئے ہوں۔

اس لیے یہ کہنا کہ یہ بات صحابی کی ہے، سراسر غلط بیانی اور بے دلیل بات ہے، کیوں کہ اصل الزامات لگانے والے شخص کا نام و حال سرے سے نامعلوم ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مجہول و نامعلوم شخص نے یزید پر شراب نوشی اور ترکِ صلاۃ کی تہمت لگائی ہے اور اس کے برخلاف محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ، جو جلیل القدر تابعی ہیں، انھوں نے ان الزامات کی تردید کی ہے اور اس کے برخلاف یزید کو علم و خیر کا متلاشی، سنت کا پاسدار اور نماز کا پابند بتلایا ہے۔ اب جلیل القدر تابعی کے مقابلے میں ایسے مجہول و نامعلوم شخص کی بات کون سنتا ہے، جس کا صحابی یا تابعی ہونا تو دور کی بات سرے سے مسلمان ہونا ہی ثابت نہیں ہے؟!

تیسری غلط فہمی:

زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

''دوسرے یہ کہ صحابی کی بات میں اثبات ہے اور تابعی کی بات میں نفی ہے اور مشہور اصول ہے کہ نفی پر اثبات مقدم ہوتا ہے۔''[1]

عرض ہے کہ ماقبل میں ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ یہ کسی صحابی کی بات نہیں ہے، دوسرے یہ کہ زبیر علی زئی صاحب نے یہاں بالکل اُلٹی بات کہہ دی ہے۔ موصوف کہتے ہیں کہ الزام لگانے والوں کی بات میں اثبات ہے اور اس کا رد کرنے والوں کی بات میں نفی ہے، حالاں کہ معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے اور حقیقت یہ ہے کہ الزامات کی تردید کرنے والوں کی بات میں اثبات ہے، کیوں کہ محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے یزید کو علم و خیر کا متلاشی، سنت کا پاسدار اور نماز کا پابند کہا ہے اور وہ بھی ذاتی مشاہدے کی بنیاد پر یعنی ان کی بات میں یزید کی خوبیوں کا اثبات ہے، وہ بھی معتبر دلیل کے ساتھ اور اس کے برخلاف ابن مطیع نے ان خوبیوں کا انکار کیا ہے، یعنی ابن مطیع کی بات میں نفی ہے، وہ بھی مجہول اور نامعلوم لوگوں کے کہنے پر یعنی بغیر کسی معتبر دلیل کے اور نفی پر اثبات والی بات

[1] مجلہ ''الحدیث'' (شمارہ ۱۰۷، ص: ۱۵)

کو مقدم کرنے والے اصول کے پیش نظر تو محمد بن حنفیہ کی بات مقدم ہوگی، بالخصوص جبکہ اثبات کرنے والے کے پاس ٹھوس دلیل موجود ہے اور انکار کرنے والے کے پاس سرے سے کوئی دلیل موجود ہی نہیں، بلکہ دلیل مانگنے پر وہ دلیل نہیں دے سکے۔ اب یہ کتنی عجیب بات ہے کہ بادلیل اثبات کے مقابل میں بے دلیل نفی کو مقدم کیا جائے؟!

واضح رہے ابن مطیع کے پاس یزید کے شرابی اور تارکِ صلاۃ ہونے کی کوئی معتبر دلیل نہیں تھی، اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب عبداللہ بن عمر انھیں سمجھانے آئے تو ابن مطیع عبداللہ بن عمر کے سامنے بھی یہ بات کہنے کی جراءت نہ کر سکے، جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے، چناں چہ امام مسلم رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۱) کہا:

”حدثنا عبيد الله بن معاذ العنبري، حدثنا أبي، حدثنا عاصم، وهو ابن محمد بن زيد، عن زيد بن محمد، عن نافع، قال: جاء عبد الله بن عمر إلى عبد الله بن مطيع حين كان من أمر الحرة ما كان، زمن يزيد بن معاوية، فقال: اطرحوا لأبي عبد الرحمن وسادة، فقال: إني لم آتك لأجلس، أتيتك لأحدثك حديثا سمعتُ رسول الله ﷺ يقوله، سمعت رسول الله ﷺ يقول: من خلع يدا من طاعة، لقي الله يوم القيامة لا حجة له، ومن مات وليس في عنقه بيعة، مات ميتة جاهلية“[1]

”نافع سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما واقعہ حرہ کے وقت، جو یزید بن معاویہ کے دورِ حکومت میں ہوا، عبداللہ بن مطیع کے پاس آئے تو ابن مطیع نے کہا: ابوعبدالرحمٰن کے لیے غالیچہ بچھاؤ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں آپ کے پاس بیٹھنے کے لیے نہیں آیا ہوں، میں تو آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ آپ کو ایسی حدیث بیان کروں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے اطاعتِ امیر سے ہاتھ نکال لیا تو وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی اور جو اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہ تھی تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔“

[1] صحيح مسلم (٣/ ١٤٧٨) رقم الحديث (١٨٥١)

اگر ابن مطیع کے پاس کوئی مضبوط دلیل ہوتی تو وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ضرور بتاتے، کیوں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما انھیں باغی بتلا رہے تھے، نیز انھیں جاہلیت کی موت والی حدیث کا مصداق بتلارہے تھے۔ خلاصہ کلام یہ کہ یہ روایت بالکل صحیح سند سے ثابت ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یزید بن معاویہ سنت کے پاسدار، علم وخیر کے متلاشی اور نماز کے پابند تھے۔

اسی طرح اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ یزید پر لگائے گئے الزامات کی تردید کرنا اور اس کے محاسن بیان کرنا سلف صالحین کا طریقہ رہا ہے، کیوں کہ محمد بن حنفیہ نے یزید کے محاسن کا تذکرہ کیا ہے اور یزید پر لگائے گئے الزامات کی تردید کی ہے۔

تنبیہ:

زبیر علی زئی صاحب نے اپنی زندگی میں اس روایت پر جو اعتراضات کیے تھے، اس کے جوابات تفصیل سے دیے جا چکے ہیں۔ ان کی وفات کے بعد بعض بھائیوں نے کسی نامعلوم شخص کا اس روایت پر انتہائی پُر جہالت اعتراض ہمارے پاس پہنچایا ہے، جو اس قابل بھی نہیں کہ اس کی طرف التفات کیا جائے، لیکن بعض لوگوں کی تسلی کے لیے ہم اس کی بھی وضاحت پیش کردیتے ہیں۔

❀ معترض نے امام ذہبی کے حوالے پر یہ اعتراض کیا ہے کہ امام ذہبی نے ''زاد المدائنی'' (مدائنی نے یہ مزید بیان کیا ہے) کے الفاظ سے روایت نقل کی ہے اور یہ زیادتی ثقہ ہے اور ناچیز زیادتی ثقہ کو نہیں مانتا، اس لیے یہ روایت صحیح کیسی ہوگئی؟

عرض ہے کہ ہم نے کہیں بھی یہ نہیں کہا ہے کہ ہم زیادتی ثقہ کو علی الاطلاق رد کرتے ہیں، بلکہ ہم نے قرائن کی روشنی میں زیادتی ثقہ کو رد کرنے کی بات کہی ہے اور یہاں اس روایت میں معترض نے زیادتی ثقہ کو رد کرنے کا کوئی قرینہ نہیں پیش کیا ہے، اس لیے یہاں یہ زیادتی بلاشک و شبہہ مقبول ہے۔ بالخصوص جبکہ یہ تاریخی روایت ہے اور تاریخی روایات کے راویوں کا طرزِ عمل ہی یہی ہوتا ہے کہ کوئی اختصار کے ساتھ بیان کرتا ہے، کوئی تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے، کوئی ایک حصہ کو بیان کرتا ہے، کوئی دوسرے حصے کو بیان کرتا ہے۔

رہی یزید سے متعلق تبدیل سنت والی روایت تو وہاں پر زیادتی، سند کے اندر کی گئی ہے اور اسی سند کو بیان کرتے وقت دیگر رواۃ نے اس راوی کی زیادتی نہیں کی ہے اور متعدد قرائن بتلاتے

ہیں کہ یہاں زیادتی بیان کرنے میں راوی سے وہم ہوا ہے، جس کی پوری تفصیل اسی کتاب کے پہلے باب میں موجود ہے۔

❁ معترض نے امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے حوالے پر اعتراض کیا ہے کہ امام ابن کثیر نے جو سند پیش کی ہے، وہ دوسری روایت کی سند ہے اور ہم نے جو متن پیش کیا ہے، اس کا اس سند سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

عرض ہے کہ معترض کو چاہیے کہ کسی طالب علم کے پاس جا کر پہلے عربی سیکھ لے اور سند و متن کے مطالعے کا طریقہ جان لے، پھر کسی پر اعتراض کرے۔ یہ پُر جہالت اعتراض اس بات کا مستحق ہی نہیں ہے کہ اس کا جواب دیا جائے، لیکن محض بعض حضرات کی تسلی کے لیے ہم اس کی حقیقت بھی بیان کر دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"وقد كان عبدالله بن عمر بن الخطاب و جماعات أهل بيت النبوة ممن لم ينقض العهد، ولا بايع أحدا بعد بيعته ليزيد"[1]

''اور عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور اہلِ بیت کے لوگ ان لوگوں میں سے تھے، جنھوں نے عہد شکنی نہیں کی اور یزید کی بیعت کرنے کے بعد کسی کی بیعت نہیں۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ یہ بات کہنے کے بعد اس کے فوراً بعد اس کی دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"كما قال الإمام أحمد: حدثنا إسماعيل بن علية، حدثني صخر بن جويرية، عن نافع قال: لما خلع الناس يزيد بن معاوية جمع ابن عمر بنيه وأهله، ثم تشهد، ثم قال: أما بعد، فإنا بايعنا هذا الرجل على بيع الله ورسوله، وإني سمعت رسول الله ﷺ يقول: إن الغادر ينصب له لواء يوم القيامة، يقال: هذه غدرة فلان. وإن من أعظم الغدر -إلا أن يكون الإشراك بالله- أن يبايع رجل رجلا على بيع الله ورسوله ثم ينكث بيعته، فلا يخلعن أحد منكم يزيد، ولا يشرفن أحد منكم في هذا

[1] البداية والنهاية ط هجر (١١/ ٦٥٢)

الأمر، فيكون الصيلم بيني وبينه.[1]

''جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: ہم سے اسماعیل بن علیہ نے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہم سے صخر بن جویرہ نے بیان کیا، انھوں نے نافع سے نقل کیا کہ نافع رحمہ اللہ نے کہا: جب لوگوں نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بچوں اور گھر والوں کو جمع کیا، پھر شہادتین پڑھا اور کہا: اما بعد! ہم اس شخص کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کے مطابق کر چکے ہیں اور میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے۔ ہر غدار کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور کہا جائے گا۔ یہ فلاں کی غداری ہے اور سب سے بڑی غداری۔ الا یہ کہ اللہ کے ساتھ شرک کیا جائے۔ یہ ہے کہ ایک شخص کی بیعت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق کی جائے اور اس کے بعد اس کی بیعت توڑ دی جائے تو تم میں سے کوئی بھی ہرگز یزید کی بیعت نہ توڑے اور تم میں سے کوئی بھی اس معاملے کے قریب بھی نہ جائے۔ ورنہ میرے اور اس کے درمیان کوئی تعلق نہیں رہے گا۔

اس کے بعد امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس روایت کی مزید تخریج کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وقد رواه مسلم والترمذي، من حديث صخر بن جويرية، وقال الترمذي -حسن صحيح-."[2]

''اسے مسلم اور ترمذی نے بھی صخر بن جویریہ کے طریق سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے۔''

اس کے فوراً بعد امام ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"وقد رواه أبو الحسن علي بن محمد بن عبد الله بن أبي سيف المدائني، عن صخر بن جويرية، عن نافع، عن ابن عمر، فذكره مثله. قال: ومشي عبد الله بن مطيع و أصحابه إلى..."[3]

[1] البداية والنهاية ط هجر (١١/ ٦٥٣)

[2] البداية والنهاية ط هجر (١١/ ٦٥٣)

[3] البداية والنهاية ط هجر (١١/ ٦٥٣)

''اور ابو الحسن علی بن محمد بن عبداللہ بن ابی سیف المدائنی نے صخر بن جوریہ عن نافع عن ابن عمر سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ انھوں نے کہا اور عبداللہ بن مطیع اور اُن کے ساتھ محمد بن حنفیہ کے پاس آئے۔''

غور طلب بات یہ ہے کہ اس سے قبل امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام احمد کی روایت سند و متن کے ساتھ پیش کرنے کے بعد امام مسلم اور امام ترمذی کو بھی اسے روایت کرنے والا بتلایا، مگر امام مسلم اور امام ترمذی کی سند پیش نہیں کی اور نہ ہی اس تخریج کے بعد کوئی متن پیش کیا۔ لیکن اس کے بعد امام مدائنی کی پوری سند پیش کر رہے ہیں اور اس کے فوراً بعد "قال" (انھوں نے کہا) کہہ کر متن بھی پیش کر رہے ہیں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس کی دوسری سند میں سابقہ روایت کا متن ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں کچھ مزید اضافہ ہے، یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ اہلِ بیت میں سے محمد بن حنفیہ کی جانب سے بیعت نہ توڑنے کی بات ہے۔ اس لیے اس اضافی متن پر مشتمل روایت کی سند بھی پیش کر رہے ہیں، کیوں کہ یہ متن دلیل ہے اس بات کی، جسے امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام احمد کی روایت پیش کرنے سے قبل کہا تھا اور وہ بات یہ تھی:

''عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور اہلِ بیت کے لوگ ان لوگوں میں سے تھے، جنھوں نے عہد شکنی نہیں کی اور یزید کی بیعت کرنے کے بعد کسی کی بیعت نہیں کی۔''

اس بات کے پہلے حصہ یعنی ابن عمر کی طرف سے بیعت نہ توڑنے کی دلیل میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام احمد کی روایت سند و متن کے ساتھ پیش کر دی۔ اس کے بعد اس بات کے دوسرے حصہ یعنی اہلِ بیت کے افراد کی طرف سے بیعت نہ توڑنے کی دلیل میں بھی امام ابن کثیر رحمہ اللہ ایک روایت سند و متن کے ساتھ پیش کر رہے ہیں اور یہ روایت امام مدائنی کی ہے، چونکہ امام مدائنی کی اس روایت میں گذشتہ روایت کا متن بھی تھا، اس لیے امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا اور اس کے فوراً بعد اس سند سے وارد متن کا وہ حصہ پیش کیا، جو اُن کے سابقہ کلام کے اگلے حصے کی دلیل تھا، چنانچہ کہا:

"قال: ومشى عبد الله بن مطيع و أصحابه إلىٰ محمد بن الحنفية..."[1]

[1] البداية والنهاية ط هجر (١١/ ٦٥٣)

''اور انھوں نے کہا: اور عبداللہ بن مطیع اور ان کے ساتھی محمد بن حنفیہ کے پاس چلے...''

سوال یہ ہے کہ یہاں ''قال'' (انھوں نے کہا) کا تعلق کہاں سے ہے؟ امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس قول کی نسبت کس کی طرف کر رہے ہیں؟

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے پورے کلام کا سیاق صاف بتلا رہا ہے کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس قول کی نسبت نافع کی طرف کر رہے ہیں۔ مسند احمد کی روایت کی طرف پلٹ کر دیکھیں، وہاں امام احمد کی روایت مع سند و متن اس طرح پیش کی گئی ہے:

''كما قال الإمام أحمد: حدثنا إسماعيل بن علية، حدثني صخر بن جويرية، عن نافع قال: لما خلع الناس يزيد بن معاوية''

یعنی نافع رحمہ اللہ نے کہا کہ جب لوگوں نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی۔

اب یہاں اسی طریق سے امام مدائنی کی سند سے ایک دوسری روایت پیش کی جا رہی ہے، اور چونکہ مدائنی والی روایت کے ابتدا میں وہی بات تھی، جسے امام ابن کثیر رحمہ اللہ مسند احمد کے حوالے سے پیش کر چکے ہیں، اس لیے اس کی طرف اشارہ پر اکتفا کیا، اس کے بعد اضافی متن کو اسی انداز سے پیش کیا، جس انداز سے مسند احمد کا متن پیش کیا تھا، چناں چہ کہا:

''قال: ومشى عبد الله بن مطيع و أصحابه إلىٰ محمد ابن الحنفية''

یعنی نافع رحمہ اللہ نے کہا کہ عبداللہ بن مطیع اور اُن کے ساتھ محمد بن حنفیہ کے پاس گئے...۔

اس کی مزید وضاحت اس بات سے ہوتی ہے کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے عین اسی متن کو اسی سند سے نقل کیا ہے۔ اس تفصیلی وضاحت کے بعد کوئی احمق ہی ہوگا، جو یہ کہے کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے محولہ متن کا تعلق اس سے قبل موجود سند سے نہیں ہے۔

اگر اب بھی کوئی اپنی حماقت پر اصرار کرے تو اس سے پوچھا جائے کہ ''قال: ومشى عبدالله بن مطيع و أصحابه إلىٰ محمد ابن الحنفية...'' میں، جو ''قال'' (انھوں نے کہا) ہے۔ تو یہ کہنے والے کون ہیں؟ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کس کا بیان نقل کر رہے ہیں؟ دوسرے الفاظ میں یہ پوچھیں کہ یہاں ''قال'' کا فاعل کون ہے؟ اگر وہ ''هو''، ضمیر کو فاعل بتلائے تو اس سے پوچھیں کہ یہ ضمیر کس کی طرف لوٹ رہی ہے؟

افسوس ہے کہ جو لوگ اس قدر جہالت کے شکار ہیں کہ انھیں تاریخی کتب کے مطالعے کا سلیقہ نہیں معلوم اور اتنی بھی اہلیت نہیں کہ یہ جان سکیں کہ کس متن کا تعلق کس سند سے ہیں، وہ نہ جانے کس منہ سے اعتراض کر بیٹھتے ہیں۔ اللہ ایسے لوگوں کو عقلِ سلیم عطا فرمائے۔ آمین

زین العابدین کی زبانی یزید کے حسنِ کردار کی گواہی:

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸) نے امام مدائنی کی روایت مع سند نقل کرتے ہوئے کہا:

”وقال المدائني عن إبراهيم بن محمد، عن عمرو بن دينار: حدثني محمد بن علي بن الحسين، عن أبيه قال: لما قتل الحسين، دخلنا الكوفة، فلقينا رجل، فدخلنا منزله فألحفنا، فنمت، فلم أستيقظ إلا بحس الخيل في الأزقة، فحملنا إلىٰ يزيد، فدمعت عينه حين رآنا، وأعطانا ما شئنا، وقال لي: إنه سيكون في قومك أمور، فلا تدخل معهم في شيء، فلما كان من أهل المدينة ما كان، كتب مع مسلم بن عقبة كتابا فيه أماني، فلما فرغ مسلم من الحرة، بعث إليَّ، فجئته، وقد كتبت وصيتي، فرمى إليَّ بالكتاب، فإذا فيه: استوصِ بعلي بن الحسين خيرا، وإن دخل معهم في أمرهم فأمنه واعف عنه، وإن لم يكن معهم فقد أصاب وأحسن“[1]

”علی بن حسین رحمہ اللہ (زین العابدین) کہتے ہیں کہ جب حسین رضی اللہ عنہ قتل کر دیے گئے تو ہم کوفہ پہنچے، ہم سے ایک آدمی نے ملاقات کی تو ہم اس کے گھر داخل ہوئے، اس نے ہمارے سونے کا بندوبست کیا اور میں سوگیا۔ پھر گلیوں میں گھوڑوں کی آواز سے میری نیند کھلی، پھر ہم یزید بن معاویہ کے پاس پہنچائے گئے تو جب یزید معاویہ نے ہمیں دیکھا تو ان کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں، یعنی وہ رو پڑے، پھر انھوں نے ہمیں وہ سب کچھ دیا جو ہم نے چاہا اور مجھ سے کہا: آپ کے یہاں کچھ معاملات پیش آئیں گے، آپ ان لوگوں کے کسی معاملے میں شرکت مت کیجیے گا۔ پھر جب اہلِ مدینہ کی

[1] تاريخ الإسلام (٢/ ٥٨٣) نقلا عن المدائني و إسناده صحيح.

طرف سے یزید کی مخالفت ہوئی تو مسلم بن عقبہ کو یزید بن معاویہ نے خط لکھا، جس میں انھوں نے مجھے امان دی اور جب مسلم حرہ کے واقعے سے فارغ ہوئے تو مجھے بلوایا تو میں ان کے پاس حاضر ہوا اور میں وصیت لکھ گیا تھا، انھوں نے مجھے وہ خط دیا تو اس میں لکھا ہوا تھا: علی بن حسین کے ساتھ خیر کا معاملہ کرنا۔ اگر وہ اہلِ مدینہ کے معاملے میں شریک ہوجائیں تو بھی انھیں امان دینا اور انھیں معاف کر دینا اور اگر وہ ان کے ساتھ شریک نہ ہوئے تو یہ انھوں نے بہت اچھا اور بہتر کیا۔''

اس روایت کی سند صحیح ہے، جس پر تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔[1]

اس صحیح روایت سے زین العابدین کی زبانی یزید بن معاویہ کی کئی خوبیاں معلوم ہوئیں، مثلاً:

۱۔ یزید بن معاویہ کو شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ سے بہت دکھ پہنچا تھا، اسی لیے پسماندگان کو دیکھتے ہی ان کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔

۲۔ بدبخت کوفیوں کے ہاتھوں حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب پسماندگان یزید کے پاس پہنچے تو یزید نے ان کا ہر طرح سے خیال رکھا، انھیں عطیات سے نوازا اور ان کی ہر خواہش اور مطالبہ پورا کیا۔

۳۔ یزید بن معاویہ کا قتلِ حسین میں کوئی ہاتھ نہیں تھا، ورنہ پسماندگان کو دیکھتے ہی ان کی آنکھیں اشکبار نہ ہوتیں، نیز حسین رضی اللہ عنہ کے بیٹے زین العابدین، یزید بن معاویہ کے عطیات کو قبول نہ کرتے اور نہ ہی ان سے کوئی مطالبہ کرتے، جبکہ یہ روایت صاف بتلاتی ہے کہ زین العابدین نے یزید بن معاویہ سے جو کچھ مانگا، وہ سب یزید بن معاویہ نے انھیں دیا۔

۴۔ اہلِ مدینہ کے ساتھ یزید کی شفقت و نرمی کا پتا چلتا ہے، کیوں کہ یزید بن معاویہ تک یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ مدینے میں ان کے خلاف ہوا چل رہی ہے، لیکن چونکہ بظاہر اب تک کوئی مخالفت نہیں ہوئی تھی، اس لیے یزید بن معاویہ نے محض ان باتوں کی وجہ سے اہلِ مدینہ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔

۵۔ اہلِ مدینہ پر حملے کے وقت صرف ان لوگوں کے خلاف کارروائی کا حکم تھا، جو بغاوت کے

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۳۳۸۔۳۴۳) دیکھیں۔

اصل ذمے دار تھے، کیوں کہ یزید بن معاویہ نے زین العابدین کو مخالفت سے روکا تھا اور حرہ کے وقت اپنے لشکر کو بھی ان کے خلاف کارروائی سے منع کر دیا تھا۔

٦۔ اہلِ مدینہ میں جو لوگ یزید کے مخالف تھے اور وہ صاحبِ فضل تھے، ان پر قابو پانے کے بعد انھیں معاف کرنے کا حکم تھا، جیسا کہ زین العابدین کے ساتھ خصوصی وصیت سے پتا چلتا ہے۔

فصل دوم:

یزید پر ترکِ صلاۃ اور شراب نوشی وغیرہ کی تہمت

یزید بن معاویہ پر ترک صلاۃ، شراب نوشی اور بے جا لہو ولعب کی جو بھی روایات نقل کی جاتی ہیں، وہ سب کی سب موضوع اور من گھڑت ہیں۔ ذیل میں ہم اس سلسلے کی تمام روایات کا جائزہ لیتے ہیں۔ اس سلسلے کی تمام روایات کے مرکزی راوی درج ذیل رواۃ ہیں:

- ابومخنف لوط بن یحییٰ۔ (کذاب)
- محمد بن عمر الواقدی۔ (کذاب)
- عوانہ بن الحکم الکوفی۔ (بلاسند)
- عمر بن شبۃ النمیری۔ (بلاسند)
- محمد بن زکریا الغلابی۔ (کذاب)
- یحییٰ بن فلیح بن سلیمان۔ (مجہول)
- محمد بن داب (کذاب)

روایاتِ ابومخنف لوط بن یحییٰ (کذاب)

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (المتوفی ۳۱۰) نے کہا:

”قال **لوط:** وحدثني أيضا محمد بن عبد العزيز بن عبد الرحمن بن عوف ... فأتىٰ أهل المدينة، فكان فيمن يحرض الناس علىٰ يزيد، وكان من قوله يومئذ: إن يزيد والله لقد أجازني بمائة ألف درهم، وإنه لا يمنعني ما صنع إليَّ أن أخبركم خبره، وأصدقكم عنه، والله إنه ليشرب الخمر، وإنه ليسكر حتى يدع الصلاة“[1]

[1] تاريخ الطبري (٥/ ٤٨١)

منذر بن زبیر اہلِ مدینہ کے پاس آئے تو یہ ان لوگوں میں سے تھے، جو لوگوں کو یزید بن معاویہ کے خلاف بھڑکا رہے تھے اور یہ اس دن کہتے تھے: اللہ کی قسم! یزید نے مجھے ایک لاکھ درہم دیے، لیکن اس نے مجھ پر جو نوازش کی ہے، وہ مجھے اس چیز سے نہیں روک سکتی کہ میں تمھیں اس کی خبر بتلاؤں اور اس کے متعلق سچائی بیان کر دوں۔ پھر انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! یزید شراب پیتا ہے اور شراب کے نشے میں نماز بھی چھوڑ دیتا ہے۔''

یہ روایت جھوٹی اور من گھڑت ہے۔ اسے بیان کرنے والا لوط بن یحییٰ ابو مخنف ہے، جو بہت بڑا کذاب اور جھوٹا ہے۔ اس کے بارے میں تفصیل گزر چکی ہے۔[1] طبری کی اسی روایت کو بلاذری نے واقدی ہی کے طریق نے نقل کیا ہے۔ اس میں ابو مخنف کے ساتھ ایک اور کذاب ہشام بن الکلبی بھی ہے۔[2]

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (المتوفی ۳۱۰) نے کہا:

''فيما **ذكر أبو مخنف،** عن عبد الملك بن نوفل بن مساحق، عن حميد بن حمزة...فلما قدم أولئك النفر الوفد المدينة قاموا فيهم فأظهروا شتم يزيد وعتبة، وقالوا: إنا قدمنا من عند رجل، ليس له دين، يشرب الخمر، ويعزف بالطنابير، ويضرب عنده القيان، ويلعب بالكلاب، ويسامر الخراب والفتيان، وإنا نشهدكم أنا قد خلعناه، فتابعهم الناس''[3]

''یزید کے پاس جانے والا وفد جب مدینے لوٹ کر آیا تو یہ لوگ مدینے میں کھڑے ہو کر یزید کو گالی دینے لگے اور اس کی مذمت کرنے لگے۔ ان لوگوں نے کہا: ہم ایک ایسے آدمی کے پاس سے آ رہے ہیں، جو بے دین ہے، شراب پیتا ہے، ڈھول باجے اور ناچ گانے کرتا ہے، کتوں کے ساتھ کھیلتا ہے، ڈاکوؤں اور لونڈوں کے ساتھ راتیں گزارتا ہے۔ ہم تمھیں گواہ بناتے ہیں کہ ہم نے اس کی بیعت توڑ دی ہے، پھر لوگوں نے بھی ان کی پیروی کی۔''

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۳۵۹۔۳۶۰) دیکھیں۔

[2] الأنساب الأشراف للبلاذري (٥/ ٣٣٨) ط، دار الفكر.

[3] تاريخ الطبري (٥/ ٤٨٠)

یہ روایت جھوٹی اور من گھڑت ہے۔ اسے بیان کرنے والا لوط بن یحییٰ ابومخنف ہے، جو بہت بڑا کذاب اور جھوٹا ہے۔ اس کے بارے میں تفصیل گزر چکی ہے۔[1] امام بلاذری نے بغیر سند کے ایک روایت نقل کی ہے، جس میں ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے یزید کے شرابی ہونے کی طرف اشارہ کیا۔[2]

عرض ہے کہ امام بلاذری نے اس کی سند ہی نہیں ذکر کی ہے، بلکہ ''قالوا'' کہہ کر مجہول لوگوں سے نقل کیا ہے اور بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ امام بلاذری جب ''قالوا'' کہہ کر روایت بیان کرتے ہیں تو وہ ابومخنف کی روایت ہوتی ہے۔

روایاتِ محمد بن عمر الواقدی (کذاب)

امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی ۲۳۰) نے کہا:

''أخبرنا محمد بن عمر قال: حدثنا إسماعيل بن إبراهيم بن عبد الرحمن بن عبد الله بن أبي ربيعة المخزومي، عن أبيه (ح) قال: وأخبرنا ابن أبي ذئب، عن صالح بن أبي حسان (ح) قال: وحدثنا سعيد بن محمد، عن عمرو بن يحيىٰ، عن عباد بن تميم، عن عمه عبد الله بن زيد، وعن غيرهم أيضا، كل قد حدثني قالوا: لما وثب أهل المدينة ليالي الحرة، فأخرجوا بني أمية عن المدينة، وأظهروا عيب يزيد بن معاوية وخلافه، أجمعوا علىٰ عبد الله بن حنظلة، فأسندوا أمرهم إليه، فبايعهم علىٰ الموت، وقال: يا قوم! اتقوا الله وحده لا شريك له، فوالله ما خرجنا علىٰ يزيد حتى خفنا أن نرمىٰ بالحجارة من السماء. إن رجلا ينكح الأمهات والبنات والأخوات، ويشرب الخمر، ويدع الصلاة...''[3]

''جب اہلِ مدینہ نے حرہ کے موقع پر فساد کیا تو بنو اُمیہ کو مدینے سے نکال دیا، یزید کے عیوب بیان کرکے اس کی مخالفت کی تو لوگوں نے عبداللہ بن حنظلہ کے پاس آ کر اپنے

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۳۵۹۔۳۶۰) دیکھیں۔
[2] الأنساب الأشراف للبلاذري (٥/ ٣١٩) ط، دار الفكر.
[3] الطبقات الكبرى (٥/ ٦٦) ط: دار صادر.

معاملات انھیں سونپ دیے تو عبداللہ بن حنظلہ نے ان سے موت پر بیعت کی اور کہا: لوگو! اللہ وحدہ لاشریک سے ڈرو! اللہ کی قسم! ہم نے یزید کے خلاف تبھی خروج کیا ہے، جب ہمیں یہ خوف لاحق ہوا کہ ہم پر کہیں آسمان سے پتھروں کی بارش نہ ہو جائے کہ ایک آدمی ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں سے نکاح کرتا ہے، شراب پیتا ہے اور نماز چھوڑتا ہے...۔''

یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے، اس کا مرکزی راوی محمد بن عمر واقدی ہے، جو بہت بڑا کذاب اور جھوٹا تھا۔ اس کے بارے میں تفصیل پیش کی جا چکی ہے۔[1]

امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی ۲۳۰) نے کہا:

"أخبرنا محمد بن عمر قال: حدثني عبد الرحمن بن عثمان بن زياد الأشجعي، عن أبيه قال: ... ذكر معقل بن سنان يزيد بن معاوية بن أبي سفيان، فقال: إني خرجت كرها ببيعة هذا الرجل، وقد كان من القضاء والقدر خروجي إليه، رجل يشرب الخمر وينكح الحرم..."[2]

''معقل بن سنان نے یزید بن معاویہ بن ابی سفیان کا ذکر کیا اور کہا: میں اس شخص کی بیعت سے کراہت کی وجہ سے نکلا ہوں اور اس کی طرف جانا یہ قضا و قدر میں تھا۔ یہ ایسا آدمی ہے، جو شراب پیتا ہے اور محرمات سے نکاح کرتا ہے...۔''

اس کی سند میں بھی محمد بن عمر واقدی کذاب اور بہت بڑا جھوٹا ہے۔ جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔[3]

امام بلاذری نے "قال الواقدي" (واقدی نے کہا) کہہ کر دو روایات ذکر کی ہیں، جس میں ہے کہ عبداللہ زبیر رضی اللہ عنہ نے یزید پر شراب نوشی کا الزام لگایا۔[4] عرض ہے کہ اول تو واقدی کذاب ہے اور بہت بڑا جھوٹا ہے، جس کے بارے میں تفصیل گزر چکی ہے۔[5] دوسرا یہ کہ واقدی نے اپنی سند بھی نہیں بیان کی ہے، لہٰذا یہ روایت بھی جھوٹی اور من گھڑت ہے۔

---

1. اسی کتاب کا صفحہ (۳۱۵۔ ۳۱۶) دیکھیں۔
2. الطبقات الكبرى (٤/ ٢٨٣) ط: دار صادر.
3. اسی کتاب کا صفحہ (۳۱۵۔ ۳۱۶) دیکھیں۔
4. أنساب الأشراف للبلاذري (٥/ ٣٢٤، ٥/ ٣٣٧) ط: دار الفكر.
5. اسی کتاب کا صفحہ (۳۱۵۔ ۳۱۶) دیکھیں۔

روایتِ عوانہ بن الحکم الکوفی (بلاسند):

امام احمد بن یحییٰ البلاذری (المتوفی ۲۷۹) نے کہا:

"وقال(؟) عوانة:(؟) كان مسور بُن مخرمة وفد إلىٰ يزيد قبل ولاية عثمان بُن محمد، فلما قدم، شهد عليه بالفسق وشرب الخمر، فكتب إلىٰ يزيد بذلك فكتب إلىٰ عامله يأمره أن يضرب مسورا الحدّ..."[1]

''عوانہ بن الحکم کوفی نے کہا کہ مسور بن مخرمہ، عثمان بن محمد کی ولایت سے پہلے یزید کے پاس آئے تھے، پھر جب واپس ہوئے تو انھوں نے یزید کے خلاف فسق اور شراب نوشی کی گواہی دی۔ مدینے کے عامل نے یہ بات لکھ کر یزید کو روانہ کیا تو یزید نے اپنے عامل سے کہا کہ مسور پر حد جاری کرو...''

یہ روایت بھی جھوٹی اور من گھڑت ہے۔ امام بلاذری نے اس کی کوئی سند بیان نہیں کی ہے، بلکہ صرف عوانہ بن الحکم کوفی سے نقل کیا ہے۔ عوانہ کو بعض نے صدوق کہا ہے، جبکہ بعض کے بقول یہ متہم ہے۔[2] نیز عوانہ نے بھی واقعہ حرہ کا دور نہیں پایا ہے، اس لیے اس سے اوپر بھی سند غائب ہے۔

روایت عمر بن شبہ النمیری (بلاسند)

امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی ۵۷۱) نے کہا:

"أنبأنا أبو الفرج الخطيب نا أبو بكر أحمد بن علي ثنا أبو نعيم الحافظ نا سليمان بن أحمد نا إبراهيم بن جميل الأندلسي نا عمر بن شبة قال: (؟) لما حج الناس في خلافة معاوية جلس يزيد بالمدينة علىٰ شراب فاستأذن عليه ابن عباس والحسين بن علي فأمر بشرابه فرفع، وقيل له: إن ابن عباس إن وجد ريح شرابك عرفه، فحجبه... هذه الحكاية منقطعة، عمر بن شبة بينه وبين يزيد زمان"[3]

---

[1] أنساب الأشراف للبلاذري (٥/ ٣٣٨) ط: دار الفكر.

[2] الأعلام للزركلي (٥/ ٩٣)

[3] تاريخ مدينة دمشق (٦٥/ ٤٠٧)

''عمر بن شبہ نے کہا کہ جب لوگوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں حج کیا تو یزید مدینے میں شراب لے کر بیٹھ گیا۔ پھر عبداللہ بن عباس اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے اس کے پاس آنے کی اجازت طلب کی تو یزید نے شراب کو وہاں سے ہٹانے کا حکم دیا، لیکن یزید سے کہا گیا کہ اگر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کے شراب کی بو محسوس کر لی تو سمجھ جائیں گے تو اس نے اسے چھپا دیا... ابن عساکر یہ روایت بیان کر کے کہتے ہیں کہ یہ روایت منقطع ہے، کیوں کہ عمر بن شبہ اور یزید کے درمیان لمبا زمانہ ہے۔''

یہ روایت بھی موضوع اور من گھڑت ہے، کیوں کہ عمر بن شبہ نے اس کی کوئی سند بیان ہی نہیں کی ہے۔ عمر بن شبہ کی پیدایش ۱۷۲ ہجری میں ہوئی ہے۔[1] جبکہ یزید کی وفات ۶۴ ہجری میں ہوئی ہے۔ یعنی درمیان میں پوری ایک صدی سے بھی زائد کا فاصلہ ہے۔ اسی لیے امام ابن عساکر رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل کرنے کے بعد فوراً کہا:

''هذه الحكاية منقطعة، عمر بن شبة بينه وبين يزيد زمان''[2]

''یہ روایت منقطع ہے، عمر بن شبہ اور یزید کے درمیان لمبا زمانہ ہے۔''

معلوم ہوا کہ یہ روایت بھی جھوٹی اور بے بنیاد ہے۔

روایت محمد بن زکریا الغلابی (کذاب):

امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی ۵۷۱) نے کہا:

''أنبأنا أبو الفرج غيث بن علي نا أبو بكر الخطيب أنا أبو نعيم الحافظ نا سليمان بن أحمد نا **محمد بن زكريا الغلابي** نا ابن عائشة عن **أبيه** قال: كان يزيد بن معاوية في حداثته صاحب شراب، يأخذ مآخذ الأحداث فأحسَّ معاوية بذلك فأحبَّ أن يعظه في رفق، فقال: يا بني! ما أقدرك علىٰ أن تصير إلىٰ حاجتك من غير تهتك يذهب بمروءك وقدرك! ثم قال: يا بني إني منشدك أبياتا فتأدب بها واحفظها فأنشده: انصب نهارا في طلاب العلا... واصبر علىٰ هجر الحبيب

[1] تهذيب الكمال (۲۱/ ۳۹۰)

[2] تاريخ دمشق (٦٥/ ٤٠٧)

القريب... حتى إذا الليل أتىٰ بالدجى...واكتحلت بالغمض عين الرقيب... فباشر الليل بما تشتهي فإنما الليل نهار الأريب“[1]

”حفص بن عائشہ سے مروی ہے کہ یزید بن معاویہ اپنی نوعمری میں شرابی تھا، اس سے لونڈے پن کی حرکتیں سرزد ہوتی تھیں تو معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کا پتا چلا تو انھوں نے چاہا کہ نرمی سے اس کی اصلاح کریں۔ چناں چہ انھوں نے کہا: اے بیٹے! تم اپنی خواہش کی تکمیل پر پوری طرح قادر ہو، بغیر اس کے کہ تم برسرعام ایسی آوارگی کرو، جو تمھاری قدر و منزلت کے لیے خطرہ بن جائے۔ پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے بیٹے! میں تمھیں چند اشعار سناتا ہوں، تم اس سے سیکھو اور اسے یاد کرلو۔ پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار کہے: جب رات کی تاریکی چھا جائے اور دشمن سو جائیں تو رات میں جو چاہوں کرو، کیوں کہ رات چالاک لوگوں کے لیے دن ہے۔“

یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے، اس میں صرف یزید پر ہی شراب نوشی کا الزام نہیں ہے، بلکہ ان کے والد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بھی یہ بہتان تراشی کی گئی ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو شراب پینے سے منع کرنے کے بجائے اس سے پیار سے یہ کہتے تھے کہ بیٹا دن میں نہیں، بلکہ رات میں شراب پیا کرو، تاکہ کسی کو پتا نہ چلے۔ سبحان اللّٰه هذا بهتان عظيم.

افسوس کہ اس قدر واضح جھوٹ کے باوجود بھی امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے محمد بن زکریا الغلابی ہی کی سند کے ساتھ اسے ذکر کر دیا۔[2] بلکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر لگائے گئے بہتان سے متعلق یہ کہہ دیا:

”قلت: وهذا كما جاء في الحديث: من ابتلي بشيئ من هذه القاذورات فليستتر بستر اللّٰه عز و جل“[3]

”میں کہتا ہوں کہ یہ (شراب نوشی کے عمل کو چھپانے والی بات) اس حدیث کے مطابق ہے، جس میں ہے کہ جو شخص بھی شراب نوشی میں مبتلا ہو تو اس پر پردہ ڈالے رہے، جس طرح اللہ نے پردہ ڈالا ہے۔“

---

[1] تاريخ مدينة دمشق (٦٥/ ٤٠٣)

[2] البداية والنهاية (٨/ ٢٢٨)

[3] البداية والنهاية (٨/ ٢٢٨)

بہرحال یہ روایت جھوٹی اور من گھڑت ہے۔ اس کی سند میں ''محمد بن زکریا الغلابی'' ہے، جو بہت بڑا کذاب اور جھوٹا ہے۔

❁ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۴۸ھ) نے کہا:

''محمد بن زكريا الغلابي كذاب''[1] ''محمد بن زکریا الغلابی بہت بڑا جھوٹا ہے۔''

❁ امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵ھ) نے کہا:

''محمد بن زكريا بن دينار الغلابي يضع الحديث''[2]

''محمد بن زکریا الغلابی حدیث گھڑتا تھا۔''

اس کے علاوہ حفص بن عائشہ بھی مجہول ہے، نیز اسے یزید کا دور بھی نہیں ملا، لہٰذا اس کے اور یزید کے درمیان ایک لمبا فاصلہ ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر یہ روایت باطل، موضوع اور من گھڑت ہے۔ کسی سبائی نے یزید بن معاویہ اور ان کے والد کو بدنام کرنے کے لیے اسے گھڑا ہے۔

روایت یحییٰ بن فلیح (مجہول):

امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۵۸ھ) نے کہا:

''أخبرنا أبو الحسين بن الفضل أخبرنا عبد الله بن جعفر حدثنا يعقوب بن سفيان قال: سمعت ابن عفير قال: أخبرنا <u>ابن فليح (؟)</u> أن أبا عمرو بن حفص بن المغيرة وفد علىٰ يزيد فأكرمه وأحسن جائزته، فلما قدم المدينة قام إلىٰ جنب المنبر، وكان مرضيا صالحا، فقال: ألم أحب أن أكرم؟ والله لرأيت يزيد بن معاوية يترك الصلاة سكرا فأجمع الناس علىٰ خلعانه بالمدينة فخلعوه''[3]

''ابن فلیح کہتے ہیں کہ ابو عمرو بن حفص بن مغیرہ، یزید کے پاس آئے تو یزید نے ان کی بڑی عزت کی اور انھیں بہترین انعام سے نوازا۔ پھر جب یہ مدینہ آئے تو منبر کی جانب کھڑے ہوئے اور یہ پسندیدہ اور نیک آدمی تھے۔ انھوں نے کہا: کیا میں نے نہیں چاہا

---

[1] ميزان الاعتدال للذهبي (٣/ ١٦٦)

[2] سؤالات الحاكم للدارقطني (ص: ١٤٨)

[3] دلائل النبوة للبيهقي (٦/ ٤٧٤) و من طريق يعقوب أخرجه ابن عساكر في تاريخ مدينة دمشق (١٨/ ٢٧)

کہ میری عزت کی جائے؟ اللہ کی قسم! میں نے یزید بن معاویہ کو نشے کی وجہ سے نماز چھوڑتے ہوئے دیکھا ہے تو لوگوں نے مدینے میں یزید کی بیعت توڑنے کا فیصلہ کیا اور بیعت توڑ دی۔''

یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔ یحییٰ بن فلیح کو کسی نے بھی ثقہ نہیں کہا۔ یہ مجہول شخص ہے۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ (المتوفی ۴۵۶) نے کہا:

''یحییٰ بن فلیح بن سلیمان، وھو مجھول البتة''[1]

''یحیٰ بن فلیح بن سلیمان بالکل مجہول ہے۔''

اس کے ساتھ ابن فلیح نے آگے کی سند بھی بیان نہیں کی ہے، کیوں کہ یہ واقعہ حرہ کے پچاسوں سال بعد پیدا ہوا ہے۔اس کے والد فلیح بن سلیمان الاسلمی کی پیدایش طبقہ صحابہ کے آخری دور میں ہوئی ہے۔[2] ظاہر ہے کہ جب اس کے باپ کو واقعہ حرہ کا دور نہیں ملا ہے تو یہ واقعہ حرہ کا دور کہاں سے پا سکتا ہے؟!

معلوم ہوا کہ ابن فلیح کے اوپر کم از کم دو رواۃ کا سلسلہ اور ہے، جن کا نام اس نے نہیں بتایا ہے، لہٰذا یہ روایت سخت ضعیف بلکہ باطل اور من گھڑت ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسی روایت کو نقل کیا، پھر اسی کو بنیاد بنا کر انھوں نے یزید کو تارکِ صلاۃ اور شرابی کہا ہے۔معلوم ہوا کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا یہ قول موضوع اور من گھڑت روایت پر مبنی ہے۔ یاد رہے کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہیں بھی اس روایت کو صحیح نہیں کہا ہے۔

روایت محمد بن داب (کذاب):

امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی ۵۷۱) نے کہا:

''أنبأنا أبو الفرج غيث بن علي أنا أبو بكر الخطيب أنا أبو نعيم الحافظ ثنا سليمان بن أحمد نا محمد بن موسىٰ بن حماد البربري نا يعقوب بن إبراهيم نا عمي علي بن صالح عن ابن داب قال: بعث معاوية جيشا إلىٰ الروم فنزلوا منزلا، يقال له: الفرقدونة، فأصابهم بها

[1] الإحكام في أصول الأحكام لابن حزم (٧/ ١٦٢)

[2] سير أعلام النبلاء للذهبي (٧/ ٣٥٢)

الموت وغلاء شديد فكبر ذلك على معاوية فاطلع يوما علىٰ ابنه يزيد وهو يشرب"[1]

''محمد بن داب (کذاب) بیان کرتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے روم کی طرف فوج بھیجی تو یہ لوگ فرقدونہ نامی علاقے میں ٹھہرے اور انھیں بیماریوں اور بھک مری کا سامنا کرنا پڑا، تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس سے بڑا دکھ پہنچا۔ پھر ایک دن ان کی نگاہ ان کے بیٹے یزید پر پڑی جو شراب پی رہا تھا (آگے روایت میں ہے کہ پھر یزید کو بھی فوج کے پاس بھیج دیا)۔''

یہ روایت جھوٹی ہے۔ اسے بیان کرنے والا ''محمد بن داب'' کذاب اور بہت بڑا جھوٹا شخص ہے۔ امام ابو زرعہ الرازی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۶۴) نے کہا: "کان یکذب"[2] ''یہ جھوٹ بولتا تھا۔'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲) نے کہا: "كذبه أبو زرعة"[3] ''امام ابو زرعہ نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے۔''

اس کے علاوہ اس کی سند میں اور بھی کئی خرابیاں ہیں۔

شراب نوشی کی روایات کے مبنی بر جھوٹ ہونے پر مزید شواہد:

درج ذیل امور بھی اس بات پر شاہد ہیں کہ یزید پر شراب نوشی کی تہمت لگانے والی تمام روایات جھوٹی اور من گھڑت ہیں:

الف: گذشتہ سطور میں حسن سند سے ایک روایت پیش کی جا چکی ہے کہ شراب نوشی کی جھوٹی افواہ پر کان دھر کے ابن مطیع کے ساتھ کچھ لوگ محمد بن حنفیہ کے پاس آئے اور یزید کی مذمت کرنے لگے، لیکن جب محمد بن حنفیہ نے ان لوگوں سے دلیل اور گواہی طلب کی وہ تو کوئی بھی گواہی نہ دے سکے، بلکہ انھوں نے مجہول لوگوں کی اُڑائی ہوئی باتوں کا ہی حوالہ دیا، جس کی محمد بن حنفیہ نے پر زور تردید کی اور یزید کے محاسن بیان کر کے یزید کا دفاع کیا۔[4]

ب: محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے جب ابن مطیع وغیرہ سے یزید کے شرابی ہونے کی دلیل طلب کی تو ابن مطیع کو اس قدر شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا کہ دوبارہ انھوں نے یزید کی مخالفت میں یزید کے

---

[1] تاريخ دمشق لابن عساكر (٦٥/ ٤٠٥)
[2] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٧/ ٢٥٠)
[3] تقريب التهذيب لابن حجر، رقم (٥٨٦٦)
[4] اسی کتاب کا صفحہ (۷۰۴۔۷۳۰) دیکھیں۔

شرابی ہونے کی بات نہیں کی، چناں چہ واقعہ حرہ کے وقت جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ابن مطیع کو سمجھانے آئے تو اس وقت ابن مطیع نہ تو یزید کے شرابی ہونے کا ذکر کر سکے اور نہ یزید کا کوئی جرم بتا سکے۔[1]

ج: گذشتہ سطور میں صحیح سند سے یہ روایت بھی گزر چکی ہے کہ زین العابدین علی بن حسین نے کافی دنوں تک یزید کے پاس قیام کیا اور بعد میں مدینے آ گئے، لیکن انھوں نے یزید سے متعلق ایسی کوئی بھی بات بیان نہیں کی۔[2]

امام ابوبکر ابن العربی (المتوفی ۵۴۳) رحمہ اللہ بجا طور پر فرماتے ہیں:

"فإن قيل: كان يزيد خمارًا. قلنا: لا يحل إلا بشاهدين، فمن شهد بذلك عليه؟ بل شهد العدل بعدالته، فروى يحيىٰ بن بكير، عن الليث بن سعد، قال الليث: "توفي أمير المؤمنين يزيد في تاريخ كذا "فسماه الليث: "أمير المؤمنين" بعد ذهاب ملكهم وانقراض دولتهم، ولولا كونه عنده كذلك ما قال إلا: "توفي يزيد"[3]

"اگر کہا جائے کہ یزید شرابی تھا تو ہم کہتے ہیں کہ بغیر دو گواہوں کے یہ بات ثابت نہیں ہوسکتی تو کس نے اس بات کی گواہی دی ہے؟ بلکہ عادل لوگوں نے تو یزید کے عدل کی گواہی دی ہے۔ چناں چہ یحییٰ بن بکیر نے روایت کیا کہ امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے کہا: امیر المومنین یزید فلاں تاریخ میں فوت ہوئے تو یہاں پر امام لیث رحمہ اللہ نے یزید کو "امیر المومنین" کہا ہے، اور وہ بھی ان کی حکومت اور ان کا دور ختم ہونے کے بعد۔ اگر اُن کے نزدیک یزید اس درجہ قابلِ احترام نہ ہوتا تو یہ صرف یوں کہتے کہ یزید فوت ہوئے تھے۔"

❀❀❀❀

---

1. اسی کتاب کا صفحہ (۴۲۷) دیکھیں۔
2. اسی کتاب کا صفحہ (۳۳۸۔۳۴۳) دیکھیں۔
3. العواصم من القواصم (ص: ٢٢٨) ط: الأوقاف السعودية.

باب 9

یزید بن معاویہ

جرح وتعدیل کے میزان میں

یزید بن معاویہ... جرح و تعدیل کے میزان میں

جرح و تعدیل کے میزان میں صرف ان رواۃ سے بحث ہوتی ہے، جنھوں نے احادیث کو بیان کرنے میں حصہ لیا ہے اور جن لوگوں نے احادیث بیان کرنے میں حصہ نہیں لیا، ایسے لوگوں پر اس فن میں بحث نہیں ہوتی، خواہ وہ اچھے ہوں یا برے۔ جب یہ بات واضح ہوگئی کہ جرح وتعدیل کے میزان میں ان رواۃ سے بحث ہوتی ہے، جنھوں نے احادیث کی روایت میں حصہ لیا ہے تو ظاہر ہے کہ اس میزان سے ان راویوں کو پرکھا ہی نہیں جاسکتا، جنھوں نے احادیث کو بیان کرنے میں حصہ ہی نہیں لیا۔

مثال کے طور پر یزید ہی کے معاصرین میں ایک عظیم شخصیت اویس بن عامر القرنی کا نام ملتاہے، انھیں ''سید التابعین'' کہا جاتا ہے، اس کے باوجود بھی انھوں نے احادیث روایت کی ہی نہیں اور ان کے حوالے سے جو روایات ملتی ہیں (جن کی تعداد صرف دو ہے) ان میں اویس کے نیچے کی سند صحیح نہیں ہے، یعنی اویس قرنی کا ان احادیث کو بیان کرنا ثابت ہی نہیں ہے۔ اسی لیے ان کا نام آنے پر اہلِ فن نے یہی کہا ہے کہ حدیث کی روایت میں انھوں نے حصہ نہیں لیا، اس لیے ان کے بارے میں جرح یا تعدیل کی کوئی بات نہیں کہی جاسکتی، چناں چہ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸) نے کہا:

"قلت: هذه عبارته، يريد أن الحديث الذي روي عن أويس، في الإسناد إلىٰ أويس نظر، ولولا أن البخاري ذكر أويساً في الضعفاء، لما ذكرته أصلا، فإنه من أولياء الله الصادقين، وما روى الرجل شيئا فيضعف أو يوثق من أجله"[1]

''یعنی اویس قرنی سے جو روایت نقل کی جاتی ہے، اس کا اویس قرنی سے بیان کرنا ثابت ہی نہیں ہے۔ اگر امام بخاری رحمہ اللہ نے انھیں ضعفا میں نہ ذکر کیا ہوتا تو میں بھی

[1] ميزان الاعتدال للذهبي (١/ ٢٧٩)

سرے سے ان کا تذکرہ ہی نہیں کرتا، کیوں کہ یہ اللہ کے سچے اولیا میں سے تھے اور انھوں نے کچھ روایت ہی نہیں کیا، لہٰذا اس پہلو سے انھیں ضعیف کہنے یا ثقہ کہنے کی کوئی بنیاد ہی نہیں۔''

عرض ہے کہ بالکل یہی معاملہ یزید بن معاویہ رحمہ اللہ کا بھی ہے۔ اویس قرنی ہی کی طرح انھوں نے بھی احادیث کی روایت کی ہی نہیں اور ان سے جو روایات منقول ہیں (جن کی تعداد دو ہے، یاد رہے اویس قرنی کی منقول مرویات کی بھی یہی تعداد ہے) ان میں یزید بن معاویہ سے نیچے کی سند صحیح نہیں ہے، اس لیے ان احادیث کا روایت کرنا یزید بن معاویہ رحمہ اللہ سے ثابت ہی نہیں۔ پھر امام ذہبی رحمہ اللہ کے پیش کردہ اصول کی روشنی میں اس پہلو سے یزید بن معاویہ رحمہ اللہ کو ضعیف کہنے یا ثقہ کہنے کی کوئی بنیاد ہے ہی نہیں۔

تنبیہ بلیغ:

واضح رہے کہ کسی کا روایت بیان نہ کرنا، اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ان کے پاس روایات تھی ہی نہیں، مثلاً اویس قرنی رحمہ اللہ ہی کی مثال لے لیں، انھوں نے کوئی روایت بیان نہیں کی ہے، لیکن یہ صاحبِ فضل تھے، تابعین کے دور کے تھے اور ناممکن ہے کہ اس دور میں انھوں نے اپنے دور کے اہلِ علم سے احادیث نہ سنی ہوں۔

یہی حال یزید بن معاویہ رحمہ اللہ کا بھی ہے، وہ بھی تابعین کے دور کے ہیں، بلکہ ایک عظیم صحابی کے بیٹے ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ ان کے گھر میں کبھی حدیث نہ سنائی گئی ہو، بلکہ آگے ہم ایک صحیح روایت پیش کریں گے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یزید بن معاویہ رحمہ اللہ باقاعدہ علمِ دین سے متعلق اہلِ علم سے پوچھتے بھی تھے، یعنی انھوں نے اپنے گھر میں بھی کتاب و سنت سنا اور دیگر لوگوں سے بھی استفادہ کیا۔ والحمد للہ.

توثیق کی بنیاد:

کسی راوی کو ثقہ کہنے کے لیے دو چیزوں کا ثبوت ضروری ہے:

① عدالت۔ ② ضبط۔

ان چیزوں کا فیصلہ یا تو ناقدین کے استقرا سے ہوتا ہے یا معاصرین کی شہادت سے۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

ناقدانہ استقرا:

عام طور سے ان دونوں کا فیصلہ راوی کی مرویات کو دیکھ کر ہوتا ہے۔ جب ایک راوی ایسی روایات بیان کرے، جو دوسرے ثقہ رواۃ کی مرویات کے موافق ہوں تو ایسے راوی کو ثقہ کہا جاتا ہے، کیوں کہ روایات کی موافقت جہاں ایک طرف اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ راوی ضابط ہے، یعنی اس کا حافظہ ٹھیک ہے، وہیں دوسری طرف اس میں اس بات کی بھی دلیل ہوتی ہے کہ راوی عادل بھی ہے، کیوں کہ اس نے ان روایات میں تبدیلی نہیں کی ہے۔ یعنی عام طور سے عدالت و ضبط کا فیصلہ راوی کی مرویات ہی کی بنا پر ہوتا ہے، جیسا کہ اوپر امام ذہبی رحمہ اللہ کا حوالہ گزرا۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ راوی کی توثیق یا تضعیف کے لیے عام طور سے راوی کی مرویات کو بنیاد بنایا جاتا ہے تو یہیں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کسی راوی کی توثیق یا تضعیف کے لیے ضروری نہیں ہے کہ توثیق یا تضعیف کرنے والا اس راوی کے دور کا ہو، کیوں کہ جب روایات دیکھ کر فیصلہ کیا جاتا ہے تو کسی بھی دور کا ناقد محدث کسی بھی دور کے راوی کی مرویات کا استقرا کرکے اس کے بارے میں ثقاہت یا ضعف کا فیصلہ کر دیتا ہے اور یہیں سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ راوی کی روایات کو پرکھ کر راوی کے بارے میں فیصلہ دینا اجتہادی معاملہ ہوتا ہے اور فقہی اجتہاد کی طرح جرح و تعدیل کے اس اجتہاد میں بھی مجتہد سے خطا و صواب دونوں باتوں کا احتمال ہوتا ہے، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی راوی سے متعلق ناقدین کے اقوال میں اختلاف ہو جاتا ہے، کیوں کہ ہر ناقد اپنے اپنے اجتہاد کی روشنی میں فیصلہ کرتا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا کہ اس معاملے کے اجتہادی ہونے سے متعلق بعض اہلِ علم کی تصریحات پیش کر دی جائیں:

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸) فرماتے ہیں:

”وكلام يحيىٰ بن معين و البخاري و مسلم و أبي حاتم و أبي زرعة و النسائي و أبي أحمد بن عدي و الدارقطني و أمثالهم في الرجال و

صحيح الحديث و ضعيفه هو مثل كلام مالك و الثوري و الأوزاعي و الشافعي و أمثالهم في الأحكام و معرفة الحلال من الحرام"[1]

''حدیث کی تصحیح و تضعیف اور راویوں سے متعلق امام یحییٰ بن معین، امام بخاری، امام مسلم، امام ابو حاتم، امام ابو زرعہ، امام نسائی، امام ابن عدی، امام دارقطنی اور ان جیسے ائمہ کا کلام ایسے ہی ہے، جیسے احکام اور حلال وحرام کی معرفت سے متعلق امام مالک، امام ثوری، امام اوزاعی، امام شافعی اور دیگر ائمہ کا کلام ہے۔''

امام منذری رحمہ اللہ نے اسی بات کو اور واضح انداز میں بیان کیا ہے۔ چناں چہ امام منذری رحمہ اللہ (المتوفی: ۶۵۶ھ) فرماتے ہیں:

"واختلاف هؤلاء كاختلاف الفقهاء، كل ذلك يقتضيه الاجتهاد، فإن الحاكم إذا شهد عنده بجرح شخص، اجتهد في أن ذلك القدر مؤثر أم لا؟ وكذلك المحدث إذا أراد الاحتجاج بحديث شخص ونقل إليه فيه جرح، اجتهد فيه: هل هو مؤثر أم لا؟ ويجري الكلام عنده فيما يكون جرحا، في تفسير الجرح وعدمه، وفي اشتراط العدد في ذلك، كما يجري عند الفقيه، ولا فرق بين أن يكون الجارح مخبرا بذلك للمحدث مشافهة أو ناقلا له عن غيره بطريقه، والله عز وجل أعلم"[2]

''ان محدثین کا اختلاف فقہا کے اختلاف کی طرح ہے۔ یہ سب کچھ اجتہاد کی بنا پر ہوتا ہے، کیوں کہ حاکم کے پاس جب کسی شخص سے متعلق جرح پیش ہوتی ہے تو وہ اجتہاد کرتا ہے کہ یہ جرح اثر انداز ہوگی یا نہیں؟ اسی طرح محدث جب کسی راوی کی حدیث سے حجت پکڑنا چاہتا ہے اور اور اس راوی سے متعلق اسے جرح ملتی ہے تو وہ اجتہاد کرتا ہے کہ یہ جرح اثر انداز ہوگی یا نہیں اور اس کے نزدیک اس بات کا فیصلہ یہ دیکھ کر ہوتا ہے کہ جرح مفسر ہے یا نہیں؟ اسی طرح جارحین کی تعداد کتنی ہے؟ ٹھیک ایسا ہی معاملہ فقیہ کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور اس بات سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ جارح اپنی جرح سے

---

[1] الرد على البكري لابن تيمية (١/ ٧٢)

[2] جواب الحافظ المنذري عن أسئلة في الجرح والتعديل (ص: ٨٣)

محدث کو براہِ راست خبر دیتا ہے یا دوسرے کی جرح اپنی سند سے پیش کرتا ہے۔‘‘

❁ امام سخاوی رحمہ اللہ بھی انھیں الفاظ میں اس بات کو بیان کرتے ہیں، چناں چہ امام سخاوی رحمہ اللہ (المتوفی: ۹۰۲ھ) فرماتے ہیں:

’’وولاة الجرح والتعديل بعد من ذكرنا يحيىٰ بن معين وقد سأله عن الرجال غير واحد من الحفاظ، ومن ثم اختلفت آراؤه وعباراته في بعض الرجال كاجتهاد الفقهاء، وصارت لهم الأقوال والوجوه فاجتهدوا في المسائل كما اجتهد ابن معين في الرجال‘‘[1]

’’مذکورہ ائمہ کے بعد جرح و تعدیل کے ائمہ میں سے امام یحییٰ بن معین بھی ہیں، ان سے راویوں کے بارے میں کئی حفاظ نے سوالات کیے، اسی لیے بعض راویوں سے متعلق ان کی آرا و عبارات میں اختلاف ہوا، جیسا کہ فقہا کا اختلاف ہوتا ہے اور ان سے کئی آرا و اقوال صادر ہوتے ہیں، پس فقہا نے مسائل میں جس طرح اجتہاد کیا، اسی طرح امام معین نے راویوں سے متعلق اجتہاد کیا۔‘‘

❁ امام ذہبی رحمہ اللہ کے تعارف کی ضرورت نہیں ہے، وہ بھی اسی اسلوب میں اسے بیان کرتے ہیں، چناں چہ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸) فرماتے ہیں:

’’يحيىٰ بن معين، وقد سأله عن الرجال عباس الدوري وعثمان الدرامي وأبو حاتم وطائفة، وأجاب كلَّ واحد منهم بحسب اجتهادات الفقهاء المجتهدين، وصارت لهم في المسالة أقوال‘‘[2]

’’امام یحییٰ بن معین سے راویوں کے بارے میں عباس دوری، عثمان دارمی، ابو حاتم اور بہت سارے لوگوں نے سوالات کیے اور امام ابن معین رحمہ اللہ نے مجتہدین فقہا کے اجتہاد کے مطابق ہر ایک کو جوابات دیے، پھر لوگوں کے پاس ایک ہی مسئلے میں ان کے کئی اقوال ہو گئے۔‘‘

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا جرح وتعدیل میں کیا مقام ہے، وہ محتاجِ تعارف نہیں۔ انھوں نے بھی

[1] الإعلان بالتوبيخ لمن ذم التاريخ للسخاوي (ص: ٢٨٩)
[2] ذكر من يعتمد قوله في الجرح والتعديل (ص: ١٨٥)

یہی کہا ہے، چناں چہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲) فرماتے ہیں:

"فأقام الله طائفة كثيرة من هذه الأمة للذب عن سنة نبيه ﷺ، فتكلموا في الرواة علىٰ قصد النصيحة، ولم يعد ذلك من الغيبة المذمومة، بل كان ذلك واجبا عليهم وجوب كفاية، ثم ألف الحفاظ في أسماء المجروحين كتبا كثيرة، كل منهم على مبلغ علمه، ومقدار ما وصل إليه اجتهاده"[1]

"اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی سنت کے تحفظ کے لیے اس امت میں کئی گروہ پیدا کیے، جنھوں نے راویوں کے بارے میں خیر خواہی کی نیت سے کلام کیا اور یہ مذموم غیبت میں شمار نہیں ہوتا، بلکہ ایسا کرنا تو ان پر فرضِ کفایہ تھا، پھر حفاظ نے مجروحین کے ناموں پر بہت سی کتابیں تالیف کیں، ان میں سے ہر ایک نے اپنے علم اور اپنے اجتہاد کے مطابق معلومات پیش کیں۔"

❁ امام بدر الدین زرکشی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۹۴) فرماتے ہیں:

"فلا شك أن في الجرح والتعديل ضربين من الاجتهاد، وأئمة النقل يختلفون في الأكثر فبعضهم يوثق الرجل إلىٰ الغاية، وبعضهم يوهنه إلىٰ الغاية"[2]

"اس میں کوئی شک نہیں کہ جرح و تعدیل میں بھی دو طرح کا اجتہاد ہوتا ہے اور ائمہ نقل کا اکثر اختلاف ہو جاتا ہے، چناں چہ بعض ایک راوی کی حد درجہ توثیق کر دیتے ہیں اور بعض اسی راوی کی حد درجہ تضعیف کر دیتے ہیں۔"

جس طرح فقہی امور میں مجتہد سے غلطی ہو جائے تو اس کے لیے ایک اجر ہے، اسی طرح جرح و تعدیل کے امور میں بھی کسی مجتہد سے غلطی ہو جائے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔ یہ بات ہماری نہیں امام ذہبی کی ہے، چناں چہ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

"ولكنَّ هذا الدين مؤيَّد محفوظ من الله تعالى، لم يَجتمع علماؤه علىٰ

---

[1] لسان الميزان لابن حجر (١/ ١٩١)

[2] النكت علىٰ مقدمة ابن الصلاح (٣/ ٣٤٢)

ضلالة، لا عَمْداً ولا خطأ، فلا يَجتمِعُ اثنانِ علىٰ توثيقِ ضعيف، ولا علىٰ تضعيفِ ثقة، وإنما يقعُ اختلافُهم في مراتبِ القُوَّةِ أو مراتبِ الضعف، والحَاكمُ منهم يَتكلَّمُ بحسبِ اجتهادِهِ وقُوَّةِ مَعارِفِه، فإن قُدِّرَ خطأُه في نقده، فله أجرٌ واحد، والله الموفق"[1]

''لیکن یہ دین موید اور اللہ کی طرف سے محفوظ ہے، اس فن کے علما گمراہی پر جمع نہیں ہوئے نہ جان بوجھ کر اور نہ غلطی ہی سے۔ پس کسی ضعیف راوی کی توثیق پر یا ثقہ راوی کی تضعیف پر دو امام جمع نہیں ہوسکتے، بلکہ ان کا اختلاف قوت وضعف کے مرتبے پر ہوتا ہے اور ان میں حکم لگانے والا اپنے اجتہاد اور اپنی معلومات کے مطابق کلام کرتا ہے، پس اگر اپنے نقد میں وہ غلطی کر جائے، تب بھی اسے ایک اجر ملے گا۔''

اہلِ علم کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ راوی کی توثیق یا تضعیف عام طور سے اجتہادی معاملہ ہوتا ہے اور ایک ناقد محدث کسی راوی کی تعدیل یا توثیق کرتا ہے تو یہ اس کا اجتہاد ہی ہوتا ہے نہ کہ اس کی شہادت۔ یہ اور بات ہے کہ لغوی اعتبار سے محدثین کے اس طرح کے فیصلے کو شہادت سے بھی تعبیر کر دیا جاتا ہے، لیکن محدثین کے یہ فیصلے درحقیقت اور فی نفسہٖ شہادت کی نوعیت کے نہیں ہوتے، بلکہ اجتہادی نوعیت کے ہوتے ہیں۔

شہادت اور گواہی:

تاہم اس عمومی طرزِ عمل کے ساتھ ساتھ کبھی کبھار راوی کی عدالت کے سلسلے میں راوی کے اخلاق و کردار کو بھی پیشِ نظر رکھ کر فیصلہ کیا جاتا ہے، مثلاً کسی راوی کے بارے میں یہ شہادت مل جائے کہ نمازی تھا، دیندار تھا، تقویٰ شعار تھا تو اس کی تعدیل کی جاتی ہے یا اس کے برعکس یہ مل جائے کہ وہ فاسق تھا یا شرابی تھا یا بد دین تھا وغیرہ وغیرہ، تو اس پر جرح کی جاتی ہے اور یہ معاملہ خالص شہادت پر مبنی ہوتا ہے نہ کہ اجتہاد پر، اس لیے اس معاملے میں شہادت اور گواہی کا ثابت شدہ ہونا ضروری ہے۔ نیز اس طرح کی شہادت اور گواہی دینے کا حق صرف انھیں لوگوں کو حاصل ہے، جو راوی کے ہم عصر ہوں اور اس کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے والے ہوں۔

[1] الموقظة في علم مصطلح الحديث للذهبي (ص: ٢٠)

یہی وجہ ہے کہ اس طرح کی شہادت کو بنیاد بنا کر جب محدثین جرح و تعدیل کرتے ہیں تو اس بارے میں صرف معاصرین ہی کی شہادت وگواہی قبول کرتے ہیں، نیز معاصرین سے بھی اس کا بسند صحیح نقل ہونا ضروری سمجھتے ہیں۔ بصورت دیگر اس طرح کی باتوں کو رد کر دیتے ہیں، خواہ اس کی ہم نوائی بعد کے کسی بڑے سے بڑے امام ہی نے کیوں نہ کی ہو۔ آیئے اس کو ایک مثال سے سمجھتے ہیں۔

احادیث کی روایت کرنے والوں میں ایک نام ''عمر بن سعد بن ابی وقاص'' کا بھی ملتا ہے، ان پر جرح و تعدیل کے ایک بہت بڑے امام ابن معین رحمہ اللہ نے جرح کی ہے اور انھیں غیر ثقہ قرار دیا ہے، لیکن امام ابن معین رحمہ اللہ نے ان پر جرح کے سلسلے میں جس چیز کو بنیاد بنایا ہے، اس کا تعلق اخلاق و کردار سے ہے، چناں چہ امام ابن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ راوی ثقہ نہیں ہے، کیوں کہ اس نے حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو؛ امام ابن ابی خیثمہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۹) نے کہا:

''سألت يحيىٰ بن معين عن عمر بن سعد: أثقة هو؟ فقال: كيف يكون من قتل الحسين بن علي رضی اللہ عنہ ثقة؟''[1]

''میں نے امام ابن معین رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ کیا عمر بن سعد ثقہ ہیں؟ تو امام ابن معین رحمہ اللہ نے جواب دیا: جس نے حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا وہ کیسے ثقہ ہوسکتا ہے؟''

یہاں پر امام ابن معین رحمہ اللہ نے عمر بن سعد رحمہ اللہ، جو کبار تابعین میں سے ہیں، انھیں غیر ثقہ کہہ دیا اور اس کے لیے عمر بن سعد رحمہ اللہ کی طرف منسوب ایک کردار (قتلِ حسین رضی اللہ عنہ) کو بنیاد بنایا، لیکن چونکہ عمر بن سعد رحمہ اللہ کا یہ کردار ثابت نہیں ہے، عمر بن سعد رحمہ اللہ کے معاصرین میں سے کسی نے بھی ان کے اس کردار کی گواہی نہیں دی ہے، اس لیے دیگر محدثین نے امام ابن معین رحمہ اللہ کی اس جرح کو رد کر دیا ہے اور عمر بن سعد رحمہ اللہ کو ثقہ وصدوق تسلیم کیا ہے۔

واضح رہے کہ عمر بن سعد رحمہ اللہ اس لشکر کے کمانڈر تھے جو حسین رضی اللہ عنہ سے کربلا میں ملا تھا اور بعد میں یہیں پر حسین رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عمر بن سعد رحمہ اللہ نے انھیں قتل کیا ہے یا ان کے قتل کا حکم دیا ہے، اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

صحابہ کرام نے اہلِ کوفہ وعراق کو حسین رضی اللہ عنہ کا قاتل قرار دیا ہے اور عمر بن سعد رحمہ اللہ کو فے

---

[1] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (٦/ ١١١، ت: ٥٩٢) و إسناده صحيح. نیز دیکھیں: تاريخ ابن أبي خيثمة (٢/ ٩٤٥، ت: ٤٠٣٣)

میں وارد ہوئے تھے، لیکن کوفی نہیں تھے، لہٰذا یہ قتل کے الزام سے بَری ہیں۔قتل کوفیوں نے کیا ہے، یہ کوفی یا تو کربلا میں کوفے سے پہنچ گئے تھے یا عمر بن سعد کے لشکر میں پہلے سے موجود تھے، جنھوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو دھوکے سے قتل کیا، لیکن عمر بن سعد رحمہ اللہ کے بارے میں اس چیز کا ثبوت نہیں ملتا کہ انھوں نے قتل کیا ہے یا ان کی مرضی سے ان کے لشکر کے آدمیوں نے حسین رضی اللہ عنہ کا قتل کیا ہے، اس لیے ہم بغیر کسی پختہ ثبوت کے قتلِ حسین رضی اللہ عنہ کی ذمے داری عمر بن سعد رحمہ اللہ پر نہیں ڈال سکتے۔

انھیں باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے محدثین نے عمر بن سعد رحمہ اللہ سے متعلق امام ابن معین رحمہ اللہ کی جرح کو غیر ثابت بات پر قائم ہونے کی وجہ سے یکسر رد کر دیا ہے۔

یزید بن معاویہ... جرح وتعدیل کے میزان میں:

اوپر بتایا جا چکاہے کہ سیدالتابعین اویس القرنی رحمہ اللہ ہی کی طرح امیر المومنین یزید بن معاویہ رحمہ اللہ نے بھی احادیث کی روایت کی ہی نہیں ہے، اس لیے جرح وتعدیل کی کسوٹی پر انھیں پرکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ تاہم اس کے باوجود بھی اگر کوئی انھیں جرح وتعدیل کی کسوٹی پر چڑھانا ہی چاہتاہے تو ان کے بارے میں بھی وہی نتائج سامنے آئیں گے جو سیدالتابعین اویس قرنی رحمہ اللہ کے بارے میں ملتے ہیں۔تفصیل ملاحظہ ہو:

ناقدانہ استقرا:

یزید بن معاویہ سے متعلق جرح وتعدیل میں ناقدانہ استقرا کی گنجایش ہی نہیں ہے، کیوں کہ ان سے کسی بھی حدیث کی روایت کرنے کا ثبوت نہیں ملتا اور جو روایات ان کے حوالے سے منقول ہیں، ان میں یزید کے نیچے کی سند صحیح نہیں ہے۔ تاہم اگر نیچے کی سند کو نظر انداز کر دیا جائے اور یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یزید نے ان روایات کو بیان کیا ہے تو امام ابن عدی رحمہ اللہ کے اصول کے مطابق یہ روایت یزید کی عدالت و ثقاہت پر دلالت کرتی ہے، کیوں کہ ان دونوں روایات کے شواہد موجود ہیں۔تفصیل ملاحظہ ہو:

یزید سے مروی پہلی حدیث:

امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۷۱) نے کہا:

”أخبرنا أبو محمد بن الأكفاني نا أبو محمد الكتاني أنا تمام بن

محمد حدثني أبي حدثني أبو بكر بن أبي قحافة الرملي نا سعيد بن نفيس، قال: وأنا تمام حدثني أبو محمد الحسن بن علي بن عمر الحلبي ثنا سعيد بن نفيس المصري بحلب نا عبدالرحمن بن خالد العمري حدثني أبي حدثني الهقل بن زياد عن حريز بن عثمان سمعه من عبد الملك بن مروان يخبره عن أبي خالد عن أبيه قال قال رسول اللهﷺ: من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين. أبو خالد هو يزيد بن معاوية"[1]

اس حدیث کو ابو خالد یعنی یزید بن معاویہ نے اپنے والد یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہی حدیث صحیح بخاری میں موجود ہے۔[2]

یزید سے مروی دوسری حدیث:

ابو القاسم تمام بن محمد الرازی ثم الدمشقی (المتوفی: ۴۱۴) نے کہا:

"حَدَّثَنِي أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ عَلَّانَ الْحَرَّانِيُّ ثنا أَبُو عَلِيٍّ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ ثنا عَبْدُ اللَّهِ الْمَقْدِسِيُّ بِبَغْدَادَ ثنا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَبَانَ الْفَضْلُ الْمِصْرِيُّ، حَدَّثَنِى أَبِي، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي حُمَيْلَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَرْوَانَ، حَدَّثَنِي أَبُو خَالِدٍ، حَدَّثَنِي أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِى سُفْيَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِﷺ تَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا، وَقَالَ: هَذَا وُضُوئِى، وَوُضُوءُ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي"

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی اعضاے وضو کو تین بار دھونے والی حدیث صحیح سند سے سنن ابو داود میں موجود ہے۔[4] **نیز** "هذا وضوئي و وضوء الأنبياء قبلي" **کا جملہ بھی دیگر احادیث سے ثابت ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے سلسلہ صحیحہ میں نقل کیا ہے۔**[5]

---

[1] تاريخ دمشق لابن عساكر (٦٥/ ٣٩٥)

[2] دیکھیں: صحيح البخاري، رقم الحديث (٧١)

[3] مسند المقلين من الأمراء و السلاطين لتمام بن محمد الدمشقي (ص: ٣١) رقم الحديث (١٤)

[4] دیکھیں: سنن أبي داود، رقم الحديث (١٢٥)

[5] دیکھیں: سلسلة الأحاديث الصحيحة وشيئ من فقهها و فوائدها (١/ ٥٢٣) رقم الحديث (٢٦١)

معلوم ہوا کہ یزید بن معاویہ رحمہ اللہ سے جو دو احادیث منقول ہیں، وہ ثابت شدہ ہیں۔ اب اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یزید بن معاویہ رحمہ اللہ نے ان احادیث کی روایت کی ہے تو چونکہ یزید بن معاویہ کی بیان کردہ یہ احادیث ثقہ رواۃ کے موافق ہیں اور اس کے شواہد و متابعات موجود ہیں، جو اس بات کی دلیل ہیں کہ ان احادیث کی روایت میں یزید بن معاویہ عادل اور ضابط ہیں، یعنی ثقہ و صدوق ہیں۔ اسی بنیاد پر امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اویس قرنی رحمہ اللہ کو بھی ثقہ قرار دیا ہے، چناں چہ ان سے بھی صرف دو احادیث منقول ہیں، ملاحظہ ہو:

اویس قرنی سے مروی پہلی حدیث:

امام ابونعیم رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۳۰) نے کہا:

”حدثنا محمد بن أبي يعقوب ثنا القاسم بن القاسم السياري المروزي ثنا أبو الموجه محمد بن عمرو بغير حديث وحدثنا محمد بن الحسين بن موسى ثنا عبدالواحد بن علي السياري ثنا خالي أبو العباس القاسم بن القاسم السياري ثنا أحمد بن عباد بن سلم وكان من الزهاد ثنا محمد بن عبيدة النافقاني ثنا عبدالله بن عبيدة العامري ثنا سورة بن شداد الزاهد عن سفيان النوري عن إبراهيم بن أدهم عن موسى بن يزيد عن أويس القرني عن على بن أبي طالب قال قال رسول الله ﷺ: إن لله تسعة وتسعين اسما مائة غير واحد ما من عبد يدعو بهذه الأسماء إلا وجبت له الجنة، إنه وتر يحب الوتر هو الله الذي لا إله إلا هو الرحمن الرحيم الملك القدوس السلام: إلىٰ قوله: الرشيد الصبور“[1]

اویس قرنی سے مروی دوسری حدیث:

امام ابونعیم رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۳۰) نے کہا:

”حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى، حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْهُذَيْلِ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ الْعَنْبَرِيُّ، ثنا عَمْرُو شَيْخٌ

[1] حلية الأولياء (١٠/ ٣٨٠)

كُوفِيٌّ، عَنْ أَبِي سِنَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ حُمَيْدَ بْنَ صَالِحٍ، يَقُولُ: سَمِعْتُ أُوَيْسًا الْقَرَنِيَّ، يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: احْفَظُونِي فِي أَصْحَابِي، فَإِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَلْعَنَ آخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَوَّلَهَا وَعِنْدَ ذَلِكَ يَقَعُ الْمَقْتُ عَلَىٰ الْأَرْضِ وَأَهْلِهَا فَمَنْ أَدْرَكَ ذَلِكَ فَلْيَضَعْ سَيْفَهُ عَلَىٰ عَاتِقِهِ، ثُمَّ لِيلْقَ رَبَّهُ تَعَالَى شَهِيدًا، فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ''[1]

امام ابن عدی رحمہ اللہ نے راجح اسی بات کو سمجھا ہے کہ اویس قرنی رحمہ اللہ نے کوئی حدیث روایت نہیں کی ہے، کیوں کہ ان سے مروی احادیث میں ان سے نیچے کی سند ثابت نہیں ہے، لیکن چونکہ ان سے منقول ان روایات کے بھی شواہد ومتابعات ملتے ہیں، اس لیے اس قلیل مقدار کی روایات کی روشنی میں بھی اویس قرنی ثقہ وصدوق قرار پاتے ہیں، چناں چہ امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۵) نے کہا:

''وَلَيْسَ لُاوَيْسٍ مِنَ الرِّوَايَةِ شَيئٌ، وإِنَّما لَهُ حِكَايَاتٌ وَنُتَفٌ وَأَخْبَارٌ فِي زُهْدِهِ، وَقَدْ شَكَّ قَوْمٌ فِيهِ إِلا أَنَّهُ مِنْ شُهْرَتِهِ فِي نَفْسِهِ وَشُهْرَةِ أَخْبَارِهِ لا يَجُوزُ أَنْ يُشَكَّ فيه، وليس لَهُ مِنَ الْأَحَادِيثِ إِلا الْقَلِيلُ فَلا يَتَهَيَّأُ أَنْ يُحْكَمَ عَلَيْهِ الضَّعْفُ، بَلْ هُوَ صَدُوقٌ ثِقَةٌ مِقْدَارَ مَا يُرْوَى عَنْهُ''[2]

''اویس قرنی کی ایک بھی روایت نہیں ہے، بلکہ ان سے متعلق حکایات وقصص اور ان کے زہد کی خبریں ہی ملتی ہیں۔بعض لوگوں نے ان کے وجود کے بارے میں شک کیا ہے، لیکن چونکہ یہ بذات خود مشہور ہیں اور ان کی خبریں بھی مشہور ہیں، اس لیے ان کے وجود کے بارے میں شک کرنا درست نہیں ہے اور ان سے منقول احادیث بہت کم ہیں، جس کے سبب ان پر ضعف کا حکم لگانے کی گنجایش نہیں ہے، بلکہ یہ اپنی روایات کی مقدار کے حساب سے سچے اور ثقہ ہیں۔''

عرض ہے کہ اگر اویس قرنی سے مروی صرف دو روایات کی مقدار اُن کے ثقہ و صدوق ہونے پر دلالت کرتی ہے تو ٹھیک اسی طرح یزید بن معاویہ رحمہ اللہ سے بھی مروی دو احادیث ان کے ثقہ وصدوق ہونے پر دلالت کرتی ہیں، بالخصوص جبکہ یزید بن معاویہ رحمہ اللہ کی مرویات کے صحیح شواہد

[1] حلية الأولياء و طبقات الأصفياء (٢/ ٨٧)

[2] الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي (٢/ ١١١)

ومتابعات موجود ہیں اور اگر یہ بات تسلیم کی جائے کہ یزید بن معاویہ رحمہ اللہ نے کوئی روایت بیان نہیں کی ہے، تب بھی ان کا وہی معاملہ ہوگا، جو اویس قرنی رحمہ اللہ کا ہے، چناں چہ راجح قول کے مطابق اویس قرنی رحمہ اللہ نے کوئی روایت بیان ہی نہیں کی، اس لیے اس پہلو سے انھیں ضعیف یا ثقہ کہنے کی گنجایش ہی نہیں ہے، جیسا کہ اوپر امام ذہبی رحمہ اللہ کے حوالے سے صراحت گزری ہے، لیکن چونکہ اویس قرنی کی خوبیاں منقول ہیں، اس لیے اس اعتبار سے انھیں ابن سعد رحمہ اللہ نے ثقہ کہا ہے، چناں چہ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰) نے کہا:

"وكان أويس ثقة، وليس له حديث عن أحد"[1]

"اویس ثقہ تھے اور کسی سے بھی ان کی کوئی روایت نہیں ہے۔"

عرض ہے کہ اگر روایت میں حصہ نہ لینے کے باوجود بھی بعض خوبیوں کے پیش نظر اویس قرنی رحمہ اللہ ثقہ ہیں تو اسی اصول کے تحت امیر المومنین یزید بن معاویہ رحمہ اللہ بھی ثقہ ہیں والحمدللہ، کیوں کہ یزید بن معاویہ رحمہ اللہ کی خوبیاں منقول ہیں ۔كما سيأتي۔ بلکہ ان کے لیے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت کی بشارت ثابت ہے، اس لیے یہ بھی ثقہ ہیں۔ بلکہ بقول زبیر علی زئی صاحب یہ بہت بڑی اور اعلی درجے کی توثیق ہے ،موصوف نے ایک جگہ لکھا:

"احمد بن یونس رحمہ اللہ امام احمد کو اپنے خیال میں جنتی سمجھتے تھے ۔ **یہ بہت بڑی توثیق ہے کیونکہ جنتی ہونا اعلی درجے کی توثیق ہے**"[2]

شہادت اور گواہی:

اولاً: صحیح بخاری کی حدیث کے مطابق اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسطنطنیہ پر سب سے پہلے حملہ کرنے والے لشکر کو بخشا ہوا(یعنی جنتی) قرار دیا ہے۔[3] صحیح بخاری ہی کی روایت کے مطابق یزید بن معاویہ رحمہ اللہ نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا۔[4] یزید سے قبل قسطنطنیہ پر کسی بھی حملے کا بسند صحیح کوئی ثبوت نہیں ملتا، لہٰذا صحیح بخاری ہی کی روایات سے ثابت ہوا کہ یزید ہی نے سب سے پہلے قسطنطنیہ پر حملہ کیا ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس بات پر اتفاق نقل کیا ہے۔[5]

ثانیاً: قسطنطنیہ پر حملہ کرتے وقت یزید اس لشکر کے اصل امیر تھے۔[6] ان کی زیرِ امارت صحابہ کرام

---

[1] الطبقات لابن سعد (٦/ ٢٠٧)

[2] مقالات (۱/ ۳۴۷) نیز دیکھیں: رسالہ "الحدیث" شمارہ نمبر۲۵صفحہ ۲۱۔

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٩٢٤) [4] صحيح البخاري، رقم الحديث (١١٨٦)

[5] فتح الباري (٦/ ١٠٣) نیز دیکھئے: اسی کتاب کا صفحہ:۵۶۳۔ [6] صحيح البخاري، رقم الحديث (١١٨٦)

تھے اور صحابہ کرام کا ان کی زیرِ امارت اس لشکر میں شامل ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ان حضرات کی نظر میں یزید بن معاویہ متدین اور معتبر شخص تھے۔

ثالثاً: صحیح سند سے ثابت ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ نے یزید بن معاویہ کو امیر المومنین کہا ہے۔[1] صحیح تاریخ طبری کے محققین نے بھی اس روایت کے رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے اور اسے صحیح تاریخ طبری میں نقل کیا ہے۔ دکتور شیبانی نے بھی طبری کی اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔[2]

حسین رضی اللہ عنہ جیسے صحابی کا یزید کو امیر المومنین جیسے مقدس لقب سے متصف کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کی نظر میں یزید نیک اور صالح اور معتبر شخص تھے۔ اسی وجہ سے امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے بھی یزید کو امیر المومنین کہا ہے۔[3]

امام ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۴۳) بجا طور پر فرماتے ہیں:

”فإن قيل: كان يزيد خمارًا. قلنا: لا يحل إلا بشاهدين، فمن شهد بذلك عليه؟ بل شهد العدل بعدالته، فروى يحيىٰ بن بكير، عن الليث بن سعد، قال الليث: ”توفي أمير المؤمنين يزيد في تاريخ كذا “ فسماه الليث: ”أمير المؤمنين“ بعد ذهاب ملكهم وانقراض دولتهم، ولولا كونه عنده كذلك ما قال إلا: توفي يزيد“[4]

”اگر کہا جائے کہ یزید شرابی تھا تو ہم کہتے ہیں کہ بغیر دو گواہوں کے یہ بات ثابت نہیں ہوسکتی تو کس نے اس بات کی گواہی دی ہے؟ بلکہ عادل لوگوں نے تو یزید کے عدل کی گواہی دی ہے۔ چناں چہ یحییٰ بن بکیر نے روایت کیا کہ امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے کہا: امیر المومنین یزید فلاں تاریخ میں فوت ہوئے تو یہاں پر امام لیث رحمہ اللہ نے یزید کو ”امیر المومنین“ کہا ہے اور وہ بھی ان کی حکومت اور ان کا دور ختم ہونے کے بعد۔ اگر اُن کے نزدیک یزید اس درجے قابلِ احترام نہ ہوتا تو یہ صرف یوں کہتے کہ یزید فوت ہوئے تھے۔“

---

[1] تاريخ الأمم والرسل والملوك الطبري (٣/ ٢٩٩) و إسناده صحيح.

[2] دیکھیں: مواقف المعارضة (ص: ٣٤٢)

[3] تاريخ خليفة بن خياط (ص: ٢٥٣) و إسناده صحيح.

[4] العواصم من القواصم. ط: الأوقاف السعودية (ص: ٢٢٨)

واضح رہے کہ یہ روایت بالکل جھوٹی اور من گھڑت ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کے سامنے کسی نے یزید بن معاویہ کو امیر المومنین کہہ دیا تو انھوں نے اسے بیس کوڑے لگانے کا حکم دیا۔[1] دراصل عمر بن عبدالعزیز نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرنے والے کو کوڑے لگوائے تھے، لیکن سبائیوں نے اس بات کو بدل کر پیش کر دیا۔[2]

لطیفہ:

بعض لوگوں کا یہ عجیب و غریب طرزِ عمل ہے کہ وہ یزید کی مذمت میں یہ جھوٹی بات پیش کرتے ہیں کہ انھیں ''امیر المومنین'' کہنے والے کو بیس کوڑے لگوائے گئے، لیکن انھیں جب یہ بتلایا جاتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ نے انھیں ''امیر المومنین'' کہا ہے تو یہ پینترا بدل کر کہنے لگتے ہیں کہ ''امیر المومنین'' کا لقب مدح پر دلالت نہیں کرتا!

عرض ہے کہ یہ لقب مدح پر دلالت نہیں کرتا تو انھیں حضرات کے بقول ایسا لقب دینے والے کو بیس کوڑے کیوں لگوائے گئے؟! ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ کسی کے کلام میں ''امیر المومنین'' کا لقب بطورِ مدح کے بغیر بھی مستعمل ہوسکتا ہے، لیکن اس کے لیے الگ سے دلیل درکار ہوگی، بغیر دلیل کے ہم اس لقب کو مدح سے الگ نہیں کر سکتے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے، جیسے بعض محدثین کسی کو ثقہ کہہ دیتے ہیں، لیکن اس سے اصل توثیق مراد نہیں ہوتی، بلکہ محض اسے دیانتدار بتلانا مقصود ہوتا ہے۔ لیکن اس بنیاد پر ہم ہر توثیق کو محض اس احتمال کی بنا پر رد نہیں کر سکتے کہ یہاں ثقہ سے کچھ اور مراد ہوسکتا ہے، بلکہ کچھ اور مراد لینے کے لیے الگ سے دلیل درکار ہے۔

رابعاً: صحابہ کرام میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے انھیں نیک اور صالح ترین شخص کہا ہے۔[3] دکتور محمد بن ہادی الشیبانی نے بھی اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔[4]

واضح رہے کہ صحابہ کا لفظ ''صالح'' کے ساتھ توثیق کرنا بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے، کیوں کہ یہ اندازِ توثیق انھوں نے اللہ کے نبی ﷺ ہی سے سیکھا ہے، چناں چہ اللہ کے نبی ﷺ نے بھی

---

[1] تفصیل کے لیے اسی کتاب کا صفحہ (۶۸۸ ۔ ۶۹۸) دیکھیں۔

[2] تفصیل کے لیے اسی کتاب کا صفحہ (۶۹۸ ۔ ۶۹۹) دیکھیں۔

[3] أنساب الأشراف للبلاذري (٥/ ٣٠٢- ٣٠٣) و إسناده حسن لذاته.

[4] دیکھیں: مواقف المعارضة (ص: ١٦٤)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی توثیق کرتے ہوئے انھیں صالح قرار دیا ہے۔[1]

خامساً: تابعین میں محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے انھیں عبادت گزار، خیر کا متلاشی، سنت کا پاسدار اور علم دین کا شیدائی کہا ہے۔[2] دکتور محمد بن ہادی الشیبانی نے بھی اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔[3]

فائدہ:

محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کی گواہی سے معلوم ہوا کہ یزید بن معاویہ کتاب و سنت کا علم رکھنے والے تھے اور ان کے پاس احادیث بھی تھیں، لیکن یہ اور بات ہے کہ انھوں نے احادیث روایت نہیں کیں، جس طرح اویس قرنی رحمہ اللہ نے بھی احادیث روایت نہیں کیں۔

یزید کی توثیق کی ایک اور دلیل:

یزید کے ثقہ و صدوق اور معتبر ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یزید کو خلافت کے لیے منتخب کیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی، اسی طرح خلافت سے قبل غزوہ قسطنطنیہ میں بھی صحابہ نے انھیں امیر بنایا اور ان کی ماتحتی میں جہاد کیا۔

یاد رہے کہ خلافت و امارت کے استحقاق کے لیے اہلِ علم نے جو شرطیں بیان کی ہیں، انھیں میں سے ایک شرط امیر کا عادل و معتبر ہونا بھی ہے۔[4] یعنی یہ لازم ہے کہ امیر بنانے کے لیے اسی شخص کا انتخاب کیا جائے، جو ثقہ و عادل ہو۔ البتہ اگر کوئی غیر ثقہ زبردستی امارت پر قبضہ کر لے تو اگرچہ یہ اس کا اہلِ نہیں ہے، لیکن اس کی مخالفت سے روکا گیا ہے اور اسے برداشت کرنے کی گنجایش دی گئی ہے، لیکن انتخاب کے وقت اس بات کی قطعاً گنجایش نہیں ہے کہ غیر ثقہ اور غیر عادل کو امارت و خلافت کے لیے منتخب کر لیا جائے۔[4]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یزید بن معاویہ رحمہ اللہ کو خلافت و امارت کی ذمے داری دینا، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یزید بن معاویہ ثقہ و صدوق تھے، ورنہ اس پہلو سے ان کے انتخاب پر اعتراض ضرور ہوتا، لیکن ہم جانتے ہیں کہ یزید بن معاویہ کی خلافت سے صرف گنتی کے دو صحابہ نے اختلاف کیا اور انھوں

---

[1] صحيح البخاري (٥/ ٢٥) رقم الحديث (٣٧٤٠) صحيح مسلم (٤/ ١٩٢٧) رقم الحديث (٢٤٧٨)

[2] البداية والنهاية (٨/ ٢٣٣) تاريخ الإسلام للذهبي (٥/ ٢٧٤) و إسناده صحيح. دیکھیں یہی کتاب (ص ۷۰۴ تا ۷۳۰)

[3] دیکھیں: مواقف المعارضة في عهد يزيد بن معاوية (ص: ٣٨٤)

[4] الأحكام السلطانية لأبي يعلى الفراء (ص: ٢٢) وعام كتب أحكام.

نے بھی اختلاف کی وجہ یزید کی نا اہلیت کونہیں بتایا، بلکہ وجہ یہ بتلائی کہ یزید موجودہ خلیفہ کے بیٹے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اب اصول ہی بن جائے کہ باپ کے بعد بیٹا خلیفہ بنے گا۔ یعنی فی نفسہٖ یزید کی ثقاہت و عدالت سے کسی کو اختلاف نہ تھا، بلکہ اختلاف باپ کے بعد بیٹے کو خلیفہ بنانے سے تھا۔

اس کی ایک زبردست دلیل یہ بھی ہے کہ اگر اختلاف کی وجہ یزید کی ثقاہت و عدالت ہوتی تو قسطنطنیہ پر حملے کے وقت بھی ان کی امارت پر اعتراض ہوتا، لیکن تاریخ میں ہمیں کہیں نہیں ملتا کہ قسطنطنیہ میں یزید کو امارت دیے جانے پر کسی نے اختلاف کرتے ہوئے ایک حرف بھی کہا ہو۔

توثیق یزید کی مزید تائید:

مومل بن اسماعیل کی توثیق کی تائید میں حافظ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

زمانہ تدوینِ حدیث کے محدثین کرام نے ضعیف و مجروح راویوں پر کتابیں لکھی ہیں، مثلاً:

- كتاب الضعفاء للإمام البخاري.
- كتاب الضعفاء للإمام النسائي.
- كتاب الضعفاء للإمام أبي زرعة الرازي.
- كتاب الضعفاء لابن شاهين.
- كتاب المجروحين لابن حبان.
- كتاب الضعفاء الكبير للعقيلي.
- كتاب الضعفاء والمتروكين للدارقطني.
- الكامل لابن عدي الجرجاني.
- أحوال الرجال للجوزجاني.

''یہ سب کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں (والحمد للہ) اور ان میں سے کسی ایک کتاب میں بھی مومل بن اسماعیل پر جرح کا تذکرہ نہیں ہے۔ گویا ان مذکورین کے نزدیک مومل پر جرح مردود ثابت نہیں ہے، حتیٰ کہ ابن جوزی نے ''كتاب الضعفاء والمتروكين'' (۳/ ۳۱، ۳۲) میں بھی مومل بن اسماعیل کا ذکر تک نہیں کیا ہے۔''[1]

---

[1] نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام (ص: ۳۶)

عرض ہے کہ بالکل یہی صورتِ حال یزید بن معاویہ سے متعلق بھی ہے، درج بالا کتابوں میں سے کسی ایک میں بھی یزید بن معاویہ کا تذکرہ نہیں، حتیٰ کہ ابن الجوزی نے ”کتاب الضعفاء والمتروکین“ میں بھی یزید بن معاویہ کا ذکر تک نہیں کیا ہے!!

فائدہ:

حافظ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

”امام دارقطنی کی ”کتاب الضعفاء والمتروکین“ میں مومل کا تذکرہ موجود نہیں ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ امام دارقطنی نے اپنی جرح سے رجوع کر لیا ہے۔“[1]

عرض ہے کہ اس اصول کے تحت ابن جوزی کا رجوع بھی ثابت ہوگیا، کیوں کہ ابن جوزی کی یزید کے خلاف لکھی گئی کتاب میں یزید پر جرح ہے، لیکن خاص ضعفا و متروکین پر لکھی گئی اپنی کتاب میں یزید بن معاویہ کا تذکرہ تک نہیں کیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ ابن جوزی نے اپنی جرح سے رجوع کر لیا ہے۔

جارحین کا بے بنیاد کلام

① امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ:

جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ کسی راوی پر جرح کی اصل بنیاد اس کی مرویات ہی ہوتی ہیں اور یزید نے چونکہ احادیث کی روایت میں حصہ لیا ہی نہیں، اس لیے اس کی روایات کی بنیاد پر یزید کی عدالت و ضبط پر کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔ یہی معاملہ اویس قرنی رحمہ اللہ کا ہے، جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔ جب یہ بات واضح ہوگئی کہ یزید پر جرح کے لیے اس کی مرویات کو دلیل بنانے کی گنجایش نہیں ہے تو ظاہر ہے اب اس پر جرح کرنے کا حق صرف اسی کو ہے جو یزید کے دور کا ہے اور اس کے کسی عیب کا چشم دید گواہ ہے یا بعد میں اس پر کوئی جرح کر رہا ہے تو اس کے پاس یزید کا کوئی عیب صحیح سند کے ساتھ مع ثبوت پہنچا ہو، اس کے بغیر بعد کے لوگوں کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس اصولی بات کی وضاحت کے بعد عرض ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے یزید پر جرح کرتے

[1] علمی مقالات (۱/ ۴۱۹)

ہوئے یہ دلیل دی کہ اس نے مدینے میں لوٹ مار کی ہے۔[1]

عرض ہے کہ لوٹ مار کی بات بسند صحیح ثابت ہی نہیں اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بھی اس کی کوئی دلیل ذکر نہیں کی ہے، اس لیے اصل بنیاد منہدم ہونے کے سبب یہ جرح بھی منہدم اور غیر مقبول ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں ہمارا مضمون: ''یزید بن معاویہ سے متعلق امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا اپنے سابق موقف سے رجوع۔''[2]

اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کرلیں کہ یزید کی فوج میں سے کچھ لوگوں نے مدینے میں لوٹ مار کی تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ ایسا یزید کے حکم سے ہوا؟ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں آپ کے لشکر کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کسی کو بلا وجہ قتل کر دیا تھا، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایسا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوا، چناں چہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اظہارِ براءت کیا۔[3] اسی طرح علی رضی اللہ عنہ کے دور میں انھیں کے گروہ میں سے ایک شخص نے جنت کے بشارت یافتہ صحابی زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور ان کا سر کاٹ کے علی رضی اللہ عنہ کے دروازے پر لایا۔[4] لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایسا علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے ہوا۔

اسی طرح عمر بن سعد کربلا میں لشکر کے کمانڈر تھے جہاں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کر

---

[1] ایک شخص نے کہا کہ امام احمد نے صرف لوٹ مار کی جرح نہیں کی ہے، بلکہ یہ بھی کہا ہے کہ اس نے مدینے میں صحابہ کو قتل کیا۔
عرض ہے کہ ہم نے لوٹ مار کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور ہم نے قتل اور لوٹ دونوں کو شامل مانا ہے اور دونوں باتیں امام احمد کے قول میں موجود ہیں اور ہم نے اس قول کو خود ہی نقل کیا ہے۔ اسی کتاب کا صفحہ (۷۷۹) دیکھیں۔ لیکن لوگ مغالطہ دے کر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ قتل کے الزام والا قول ہماری نظروں سے اوجھل ہے اور بے چارے یزید کے مخالفین اسے ایک زائد حوالہ کی شکل میں ہمارے سامنے پیش کر رہے ہیں۔
قارئین! ہم نے امام احمد کے قول پر جہاں تفصیلی بحث کی ہے، وہاں جا کر ملاحظہ فرما لیں۔ ہم نے خود جو قول نقل کیا ہے، اسی میں یہ سب کچھ ایک ساتھ موجود ہے اور اُن میں سے کوئی بھی چیز بہ سند صحیح ثابت نہیں ہے۔ اسی کتاب کا صفحہ (۷۷۹) دیکھیں۔

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۷۸۱۔۷۸۳) دیکھیں۔

[3] دیکھیں: صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٣٣٩)

[4] دیکھیں: الطبقات الكبرى لابن سعد (٣/ ١١٠) و إسناده صحيح، وأخرجه أيضاً ابن عساكر من طريق ابن سعد به.

دیا گیا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایسا عمر بن سعد کے حکم سے ہوا تھا، اسی لیے محدثین نے عمر بن سعد کو ثقہ و صدوق تسلیم کیا اور ابن معین نے جب انھیں اس وجہ سے غیر ثقہ کہا کہ انھوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے تو ابن معین رحمہ اللہ کی اس بات کو رد کر دیا گیا، کیوں کہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ ایسا عمر بن سعد کے حکم سے ہوا۔

الغرض اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ مدینے میں تھوڑی بہت لوٹ مار ہوئی تو بھی اس کے لیے یزید ذمے دار نہیں ہیں، کیوں کہ انھوں نے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا، اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے یزید پر جرح کے لیے جس چیز کو بنیاد بنایا ہے، وہ ثابت ہی نہیں، یہی وجہ ہے کہ بعد میں خود امام احمد رحمہ اللہ نے بھی اس جرح سے رجوع کر لیا۔[1]

② امام ذہبی رحمہ اللہ:

آپ نے کہا:

”يزيد بن معاوية بن أبي سفيان الأموي روى عن أبيه وعنه ابنه خالد، و عبد الملك بن مروان، مقدوح في عدالته، ليس بأهل أن يروى عنه، وقال أحمد بن حنبل: لا ينبغي أن يروىٰ عنه“[2]

عرض ہے کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی امام احمد ہی کے قول کو اپنی تائید میں پیش کیا ہے، جس کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ اسی طرح اپنی دوسری کتاب میں امام ذہبی رحمہ اللہ نے یزید کو شرابی کہا ہے، جس سے اشارہ ملتا ہے کہ اس بات سے بھی امام ذہبی نے استدلال کیا ہے اور ظاہر ہے کہ یزید کے شراب پینے والی بات اور اسی طرح دیگر الزامات محض گپ اور جھوٹ ہیں، یعنی اصل بنیاد ہی ثابت نہیں، اس لیے غیر ثابت بنیاد پر قائم جرح بھی مردود ہے۔

علاوہ بریں خود امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا:

”ويزيد ممن لا نسبُّه ولا نحبه، وله نظراء من خلفاء الدولتين، وكذلك في ملوك النواحي، بل فيهم من هو شر منه“[3]

---

[1] تفصیل کے لیے اسی کتاب کا صفحہ (۷۸۱۔۷۸۳) دیکھیں۔

[2] ميزان الاعتدال للذهبي (٤/ ٤٤٠)

[3] سير أعلام النبلاء للذهبي (٤/ ٣٦)

یعنی یزید ان لوگوں میں سے ہے جسے نہ ہم برا کہتے ہیں اور جس سے نہ ہم محبت کرتے ہیں اور بعد کے خلفا و بادشاہوں میں اس طرح کے اور بھی کئی لوگ ہیں، بلکہ ان میں کئی لوگ ایسے ہیں جو یزید سے کہیں زیادہ برے ہیں۔

معلوم ہوا کہ امام ذہبی کی طرف سے سکوت والے موقف اور ان کی جرح میں تعارض ہے، کیوں کہ جرح کی بنیاد پر یزید کو برا بھلا کہنے والی باتیں ہیں، لہٰذا خود امام ذہبی رحمہ اللہ کے اصول سے ان کی جرح منسوخ ہے یا پھر سکوت والی بات سے ٹکرا کر ان کے دونوں قول ساقط ہو گئے، جیسا کہ خود انھوں نے ہی یہ اصول پیش کیا ہے۔ چناں چہ آپ نے کہا:

"وقال ابن حبان: فحش خلافه للأثبات فاستحق الترك. وقال أبو حاتم الرازي: ليس عندي بمنكر الحديث، ليس بحديثه بأس۔ قلت: وروى عنه ابنه عبد الله، وذكره أيضا ابن حبان في الثقات فتساقط قولاه"[1]

اس اصول سے امام ذہبی رحمہ اللہ کے دونوں موقف ایک دوسرے سے ٹکرا کر ساقط ہو گئے۔

③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ:

آپ نے تقریب میں لکھا: "ليس بأهل أن يروىٰ عنه"[2]

عرض ہے کہ یہ ہو بہو وہی الفاظ ہیں، جو امام ذہبی نے لکھے ہیں۔ معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام ذہبی ہی کا قول یہاں پیش کیا ہے اور اوپر وضاحت کی جا چکی ہے کہ امام ذہبی کا یہ قول امام احمد کی جرح سے ماخوذ ہے اور اس جرح کی بنیاد ثابت نہیں ہے، لہٰذا اصل بنیاد منہدم ہونے کے سبب یہ جرح بھی منہدم ہے۔

خلاصہ بحث:

جرح و تعدیل کے اعتبار سے یزید بن معاویہ رحمہ اللہ کی مثال اویس قرنی رحمہ اللہ ہی کی طرح ہے۔ راجح قول کے مطابق ان دونوں میں سے کسی ایک سے بھی احادیث بیان کرنا بسند صحیح ثابت نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان حضرات کو احادیث کا بخوبی علم تھا۔

---

[1] ميزان الاعتدال (٢/ ٥٥٢)

[2] تقريب التهذيب لابن حجر، رقم الحديث (٧٧٧٧)

اب رہ جاتی ہیں معاصرین کی شہادتیں تو ان شہادتوں کی بنیاد پر اویس قرنی رحمہ اللہ بھی ثقہ ہیں اور یزید بن معاویہ رحمہ اللہ بھی ثقہ ہیں اور رہی یزید سے متعلق شراب نوشی، لوٹ مار وغیرہ کی باتیں تو یہ سب سبائیوں کی گھڑی ہوئی خرافات ہیں، جن میں سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے۔

❀❀❀❀

باب 10

اہلِ علم کے اقوال اور تبصرہ جات

- مخالف اقوال وتبصرے۔
  - امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۴۱ھ)
  - امام ابن الجوزی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۹۷ھ)
  - شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸ھ)
  - امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ)
  - امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴ھ)
- موافق اقوال وتبصرے۔
  - امام لیث بن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۷۵ھ)
  - امام مہلب بن احمد اسدی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۳۵ھ)
  - ابو حامد محمد بن محمد الغزالی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۰۵ھ)
  - امام ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۴۳ھ)
  - امام عبد المغیث بن زہیر علوی رحمہ اللہ (۵۸۳ھ)
  - حافظ عبد الغنی المقدسی رحمہ اللہ (۶۰۰ھ)

اہلِ علم کے اقوال اور تبصرہ جات

مخالف اقوال وتبصرے:

یزید کو برا ثابت کرنے کے لیے بعض حضرات ایسے لوگوں کے اقوال وتبصرے پیش کرتے ہیں، جو یزید کے دور میں تھے ہی نہیں، بلکہ یزید کی وفات کے کئی سو سال بعد پیدا ہوئے۔

سوال یہ ہے کہ جن لوگوں کی پیدائش یزید کی وفات کے صدیوں بعد ہوتی ہے، انھیں کیسے معلوم ہوگیا کہ یزید برا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ لوگ نہ تو عالم الغیب ہیں اور نہ ان پر وحی نازل ہوئی تھی۔ اس لیے ان حضرات نے یزید کے بارے میں جو کچھ بھی کہا ہے، وہ تاریخی روایات کی وجہ سے کہا ہے۔ اس لیے ان حضرات کے اقوال کی صحت کا دار و مدار ان تاریخی روایت کی صحت پر ہے۔ اگر یہ تاریخی روایات صحیح ہیں تو ان حضرات کے اقوال بھی صحیح ہوں گے اور اگر یہ تاریخی روایت جھوٹی اور من گھڑت ہیں تو ان کے اقول بھی جھوٹی روایات پر مبنی ہونے کے باعث قابلِ رد ہوں گے اور ہم نے اس کتاب میں اللہ کے فضل و کرم سے ثابت کر دیا ہے کہ یزید کی مذمت میں ملنے والی روایات میں سے کوئی ایک روایت بھی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا جب یہ روایات ہی ثابت نہیں ہیں تو ان روایات کی بنیاد پر صادر شدہ اقوال بھی معتبر نہیں ہیں۔

یزید کی مذمت اور راوی پر جرح میں فرق:

جب یہ کہا جاتا ہے کہ جن اہلِ علم نے یزید کے جرائم بیان کیے ہیں اور ان کی مذمت کی ہے، وہ یزید کے دور کے نہیں ہیں اور انھوں نے جن باتوں کو بنیاد بنا کر یزید کی مذمت کی ہے وہ باتیں صحیح سند سے ثابت نہیں ہیں، اس لیے بغیر ثبوت اور بغیر صحیح بنیاد کے ان اہلِ علم کی باتیں قابلِ قبول نہیں ہیں تو کچھ لوگ جہالت کی وجہ سے یا مغالطہ دیتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ محدثین اور ائمہ جرح و تعدیل نے ایسے جن رواۃ پر جرح کی ہے، جو ان کے دور کے نہیں ہیں تو

ان کی جرح کو رد کر دیا جائے۔ عرض ہے کہ یہ نری جہالت یا بدترین مغالطہ بازی ہے، کیوں کہ کردار کے لحاظ سے کسی پر طعن کرنا الگ معاملہ ہے اور روایت کے لحاظ سے کسی پر طعن کرنا دوسرا معاملہ ہے، دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

کردار کے لحاظ سے جب کسی پر طعن کیا جاتا ہے تو وہ اجتہادی معاملہ نہیں ہوتا، بلکہ اس کی بنیاد خالص شہادت و گواہی پر ہوتی ہے اور خالص شہادت و گواہی صرف معاصر ہی دے سکتا ہے، نیز معاصر کی شہادت وگواہی بھی اسی صورت میں معتبر ہوتی ہے، جب وہ خالص مشاہدے پر مبنی ہو، یعنی سنی سنائی بات نہ ہو۔ دنیا کی کوئی بھی عدالت سنی سنائی باتوں کو شہادت وگواہی نہیں مان سکتی اور اسلام میں بھی اس کی گنجایش نہیں۔ اس بارے میں کتاب وسنت کے نصوص بہت ہیں، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

رہی بات روایت کے لحاظ سے کسی پر جرح کی جو خاص محدثین کا مشغلہ ہے تو یہ اجتہادی معاملہ ہے اور محدثین کے یہاں اس اجتہاد کی بنیاد راوی کی مرویات ہوتی ہیں۔ یعنی ایک محدث جب کسی راوی پر جرح کرتا ہے تو اس کی روایات کو دیکھ کر جرح کرتا ہے۔ اگر اس کی روایات دیگر ثقہ لوگوں کی روایات سے موافق ہوتی ہیں تو محدث اس کے ثقہ ہونے کا فیصلہ کرتا ہے اور اگر اس کی روایات دیگر ثقہ لوگوں کے خلاف ہوں تو محدث اس کے ضعیف ہونے کا فیصلہ کرتا ہے اور اگر مخالفت راوی کے کذب کی طرف اشارہ کرے تو محدث ایسے راوی کو کذاب کہتا ہے اور اس معاملے میں جرح کی بنیاد راوی کی روایات ہوتی ہیں، اس لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ جرح کرنے والا محدث، جس پر جرح کر رہا ہو، اس کے دور کا ہو، کیوں کہ وہ راوی کی روایات دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے اور پہلے دور کے راوی کی روایات کو بعد کے دور والا محدث بھی دیکھ سکتا ہے، کیوں کہ بعد کے دور کے محدث تک اس کی روایات ایسی سندوں سے پہنچ سکتی ہیں، جو اس راوی تک صحیح ہوں۔

بلکہ اگر محدث جس پر جرح کر رہا ہے، اس کے دور کا ہی ہو تو بھی محدث اس کا چہرہ دیکھ کر جرح نہیں کرے گا، بلکہ اس کی روایات ہی دیکھ کر جرح کرے گا۔ یعنی جرح کے معاملے میں محدث جس چیز کو بنیاد بناتا ہے، وہ راوی کی روایات ہی ہوتی ہیں، لہٰذا یہاں پر جارح اور مجروح کے درمیان معاصرت اور عدمِ معاصرت کی بحث ہی فضول ہے، کیوں کہ جرح کرنے والا محدث مجروح کے دور کا

ہوگا تو بھی اس کی روایات ہی دیکھے گا اور اس کے دور کا نہیں ہوگا تو بھی اس کی روایات ہی دیکھے گا۔

یہی وجہ ہے کہ جب ایک محدث اپنے دور سے قبل کے کسی راوی پر ضعیف یا کذاب ہونے کی جرح کرتا ہے تو ہم اسے قبول کرتے ہیں اور یہ اعتراض نہیں کرتے کہ یہ محدث اس راوی کا معاصر نہیں ہے، جس پر وہ جرح کر رہا ہے۔

یاد رہے کہ بعض جارحین کی جرح کی بنیاد راوی کی روایات کے بجائے راوی کا کردار ہی ہوتا ہے، مثلاً کسی راوی کا شرابی ہونا، بدکار ہونا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اس صورت میں جرح کرنے والے محدث کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ جس پر جرح کر رہا ہے، اس کے دور کا ہو اور اپنے ذاتی مشاہدے کو بنیاد بنا رہا ہو یا اگر اس کے دور کا نہ ہو تو ایسی گواہی کو بنیاد بنائے، جو اس راوی کے کسی سچے معاصر نے دی ہو، جو اس محدث تک صحیح سند سے پہنچی ہو۔ بصورتِ دیگر اس محدث کی گواہی رد کر دی جائے گی، چناں چہ جرح و تعدیل سے شغف رکھنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ بعض محدثین کی طرف بعض رواۃ سے متعلق شراب نوشی یا گانے بجانے وغیرہ کی جرح ملتی ہے، لیکن اس جرح کو اس لیے رد کر دیا جاتا ہے، کیوں کہ جارح جس پر جرح کر رہا ہے، اس کا معاصر نہیں ہے اور اس کے پاس صحیح سند سے یہ بات نہیں پہنچی ہے۔ اس بارے میں ہم نے مزید تفصیل ''یزید بن معاویہ... جرح و تعدیل کے میزان میں'' کے عنوان کے تحت پیش کر دی ہے۔[1]

تحقیق اور تساہل:

الغرض یزید کی مذمت میں وارد ہونے والی جھوٹی روایات ہی کی بنا پر بعض اہلِ علم نے یزید کی مذمت کی ہے۔ اس لیے جب یہ روایات ثابت نہیں تو ان کی بنیاد پر اہلِ علم کے یہ اقوال بھی معتبر نہیں ہیں۔ ممکن ہے کوئی کہے کہ آج کے لوگ یہ تحقیق پیش کر رہے ہیں کہ یہ روایات ثابت نہیں تو کیا جن اہلِ علم نے اسے بنیاد بنایا ہے انھیں تحقیق کرنا نہیں آتا تھا؟

تو عرض ہے کہ ہم یہ ہرگز نہیں کہتے کہ ان اہلِ علم کو تحقیق کرنا نہیں آتا تھا یا ان کے اندر چھان بین کی صلاحیت نہیں تھی، ایسی کوئی بات نہیں، بلکہ بات دراصل یہ ہے کہ ان اہلِ علم نے ان روایات کی تحقیق کی ہی نہیں ہے، بلکہ ان سے متعلق تساہل سے کام لیا ہے اور اپنی علمی صلاحیت کو

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۷۴۸۔۷۵۵) دیکھیں۔

بروئے کار لاکر ان کی حقیقت معلوم ہی نہیں کی اور یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں، بالخصوص جبکہ یہ تاریخی روایات تھیں، بلکہ تاریخی روایات تو درکنار بعض اہلِ علم نے تو احکام و مسائل سے متعلق روایات کی تحقیق میں بھی تساہل سے کام لیا ہے، بلکہ سنن ترمذی میں امام ترمذی اور مستدرک میں امام حاکم رحمہ اللہ کی تحقیقِ احادیث کو پوری امت نے مبنی بر تساہل قرار دیا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ امام ترمذی یا امام حاکم رحمہا اللہ کو تحقیق کرنا نہیں آتا تھا، بلکہ بات یہ ہے کہ ان ائمہ حضرات نے تساہل سے کام لیا، یعنی اپنی علمی صلاحیت کو مکمل بروئے کار ہی نہیں لائے اور سرسری طور پر روایات کو دیکھ کر حکم لگا دیا۔

اب رہا یہ سوال کہ ان اہلِ علم نے تساہل سے کام کیوں لیا؟ ان روایات کی تحقیق کیوں نہیں کی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ تاریخی روایات تھیں، جن پر احکام ومسائل کی بنیاد نہیں ہے۔ اس لیے ان اہلِ علم نے ان پر زیادہ توجہ نہیں دی۔ دوم یہ کہ ان روایات کی تحقیق میں کافی وقت مطلوب تھا، کیوں کہ یہ کثیر تعداد میں تھیں اور ان اہلِ علم کے سامنے کرنے کے اور بھی بہت سے کام تھے، اس لیے ان اہلِ علم نے اپنی تحقیقی صلاحیت کو دوسرے کاموں میں صرف کرنے کو ترجیح دی اور ان تاریخی روایات پر سرسری نگاہ ڈالنے ہی کو کافی سمجھا۔

یہیں سے ان لوگوں کی غلط فہمی بھی دور ہوجانی چاہیے، جو اہلِ علم کے ان اقوال کو تحقیق کا نام دیتے اور کہتے ہیں کہ یزید کے بارے میں فلاں فلاں اہلِ علم کی یہ تحقیق ہے۔ حالاں کہ یہ اقوال اہلِ علم کی تحقیق ہرگز نہیں ہیں، خود ان اہلِ علم نے بھی کہیں یہ دعوی نہیں کیا ہے کہ جن روایات کی بنیاد پر وہ یہ باتیں کہہ رہے ہیں، وہ روایات ان کی نظر میں صحیح ہیں، بلکہ اس کے برعکس ان اہلِ علم نے اپنی عدمِ تحقیق کی طرف یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ یزید کے بارے میں سکوت کرنا چاہیے۔

عرض ہے کہ سکوت کا یہ موقف ہی اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ اس موقف کے حاملین نے یزید کی مذمت میں جو باتیں کہی ہیں، وہ ان کی تحقیق نہیں ہے، ورنہ اگر انھوں نے یزید کے معاملات کی تحقیق کی ہوتی تو سکوت کی بات قطعاً نہ کرتے، بلکہ بات یا تو مذمت کی ہوتی یا دفاع ومحبت کی۔

اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کرلیں کہ ان اہلِ علم سے ان روایات پر اعتماد میں تساہل نہیں ہوا، بلکہ انھوں نے پوری تحقیق کے بعد ہی ان روایات سے استدلال کیا ہے تو بھی یہ ضروری نہیں کہ پوری

طرح تحقیق کرنے کے بعد غلطی کا امکان نہ ہو۔ یہ اہلِ علم معصوم نہیں تھے، اس لیے پوری کوشش کے باوجود ان سے اجتہادی غلطی بھی ہوسکتی ہے اور اگر ان وضاحتوں کے بعد بھی کوئی اصرار کرے کہ ان سے غلطی نہیں ہوئی تو ایسے لوگوں سے ہمارا مطالبہ ہے کہ ان اہلِ علم نے یزید کی مذمت میں جو بھی بات کہی ہے، ان میں سے کسی ایک کی بھی صحیح دلیل پیش کر دیں اور دلیل نہ پیش کرسکیں تو تحقیق کے مقابلے میں بغیر دلیل کے کسی کی بات پر ایمان لے آنا یہ ''اندھی تقلید'' ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۸) نے کہا:

''لم يجز لأحد أن يحتج في مسألة فرعية بحديث حتى يبين ما به يثبت، فكيف يحتج في مسائل الأصول التي يقدح فيها خيار القرون و جماهير المسلمين و سادات أولياء الله المقربين بحيث لا يعلم المحتج به صدقه؟''[1]

''کسی شخص کے لیے کسی فروعی مسئلے میں بھی کسی حدیث سے استدلال اس وقت تک جائز نہیں ہے، جب تک کہ وہ اسے صحیح ثابت نہ کردے، پھر یہ کس طرح صحیح ہوسکتا ہے کہ ان اصولی مسائل میں جن سے خیر القرون، جمہور مسلمان اور اللہ تعالیٰ کے عظیم اولیا (صحابہ) پر حرف آتا ہے، ان روایات کو بطور حجت پیش کرنا جائز ہو، جن کا صدق ہی نامعلوم ہو؟''

قاضی ابوبکر بن العربی المالکی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۴۳) فرماتے ہیں:

''إنكم لا تقبلون علىٰ أنفسكم في دينار، بل في درهم، إلا عدلا بريئا من التهم، سليما من الشهوة، فكيف تقبلون في أحوال السلف وما جرىٰ بين الأوائل ممن ليس له مرتبة في الدين، فكيف في العدالة؟''[2]

''جب تم اپنے خلاف ایک دینار ودرہم تک کا دعوی اس وقت تک صحیح تسلیم نہیں کرتے، جب تک کہ مدعی عادل، تہمتوں سے پاک اور خواہشات نفسانی سے محفوظ نہ ہو تو پھر تم سلف کے احوال اور صحابہ کرام کے مابین ہونے والے واقعات کے متعلق ان لوگوں کی

[1] منهاج السنة النبوية (٧/ ٦١)

[2] العواصم من القواصم ط الأوقاف السعودية (ص: ٢٥٢)

روایت کس طرح قبول کر لیتے ہو، جن کی عدالت تو کجا سرے سے جن کا دین ہی میں کوئی مقام نہیں ہے؟''

① امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی ۲۴۱ھ):

یزید بن معاویہ سے متعلق امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی طرف یہ جھوٹ منسوب کر دیا گیا کہ آپ یزید پر لعنت کرنا جائز سمجھتے تھے، بلکہ لعنت کرتے بھی تھے، حالاں کہ امام احمد رحمہ اللہ سے ایسا کچھ بھی ثابت نہیں، اس سلسلے کی جو روایت پیش کی جاتی ہے، اس کا جائزہ پیشِ خدمت ہے:

امام ابو یعلیٰ بن الفراء (المتوفی: ۴۵۸ھ) نے کہا:

''رَأیتُ بِخط أَبِي حَفُص العَکبَرِی عَلٰی ظَهُرِ جُزء فِیُهِ فَصل: کتبَ إلَيَّ أَبُو الُقَاسِم فَرج بن السَوَادِي قَال: حَدَّثَنَا أَبُو عَلِي الحُسَیُن ابُن الُجُنُدِی قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو طَالِب العَکُبَرِي قَالَ: سَمِعُتُ أَبَا بَکرٍ مُحَمَّد بُن الُعَبَّاس قَالَ: سَمِعتُ صَالِحَ بُنَ أحمَد بُن حَنبَلَ یَقُولُ: قُلتُ لأبِی: إنَّ قَوماً یَنسِبُونَا إلٰی تَوالي یَزِیُد؟ فَقَالَ: یَا بَنِی وَهَلُ یَتولیَّ یَزِیُد أَحَدٌ یؤمِنُ بِاللّٰهِ؟! فَقُلتُ: فَلِمُ لا تَلُعنه؟ فقَال: وَمَتیٰ رَأیُتَنی أَلُعَنَ شَیُئاً؟ لِم لا تَلعَن منُ لَعنَهُ اللّٰه فِيُ کِتَابه؟ فَقُلُتُ: وَأَیُن لَعنَ اللّٰهُ یَزیُدَ فِيُ کِتَابِه فَقرَأ: ﴿فَهَلۡ عَسَیۡتُمۡ اِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ اَنۡ تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَتُقَطِّعُوۡۤا اَرۡحَامَکُمۡ ۝ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمۡ وَاَعۡمٰۤی اَبۡصَارَهُمۡ﴾ [محمد: ۲۲۔ ۲۳][1]

''امام صالح کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا کہ لوگ ہماری طرف منسوب کرتے ہیں کہ ہم یزید سے محبت کرتے ہیں؟ تو انھوں نے کہا: بیٹا! کیا کوئی ایسا شخص یزید سے محبت کر سکتا ہے، جو اللہ پر ایمان رکھتا ہو! تو میں نے کہا کہ پھر آپ اس پر لعنت کیوں نہیں کرتے؟ تو انھوں نے کہا: تم نے مجھے کسی پر لعنت کرتے ہوئے کب دیکھا ہے؟ پھر تم اس پر لعنت کیوں نہیں کرتے، جس پر اللہ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے؟ تو میں نے کہا: اللہ نے کہاں اپنی کتاب میں یزید پر لعنت کی ہے؟ تو

[1] المسائل العقدية من كتاب الروايتين والوجهين لأبي يعلى (ص: ٩٤) وأخرجه أيضاً ابن الجوزي في الرد علىٰ المتعصب العنيد (ص: ٢٨)

انھوں نے یہ آیت تلاوت کی: ﴿فَهَلۡ عَسَیۡتُمۡ اِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ اَنۡ تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَتُقَطِّعُوۡۤا اَرۡحَامَکُمۡ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمۡ وَاَعۡمٰۤی اَبۡصَارَهُمۡ﴾

''اور تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کر دو اور رشتے ناتے توڑ ڈالو، یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی پھٹکار ہے اور جن کی سماعت اور آنکھوں کی روشنی اس نے چھین لی ہے۔''

عرض ہے کہ یہ روایت سخت ضعیف ہے، کیوں کہ اس میں یکے بعد دیگر مسلسل چار رواۃ مجہول ہیں اور وہ یہ ہیں:

- ابو القاسم فرج بن السوادی۔
- ابو طالب العکبری۔
- ابوبکر محمد بن العباس۔
- ابو علی الحسین ابن الجندی۔

''کتاب الروایتین'' کے محقق کو بھی ان رواۃ کے تراجم نہیں ملے، البتہ محقق نے ابو القاسم فرج بن السوادی کے بارے میں یہ گمان ظاہر کیا ہے کہ یہ عبیداللہ بن عثمان الفرج ابو القاسم ہو سکتے ہیں، لیکن اس کی کوئی دلیل ذکر نہیں کی ہے۔

معلوم ہوا کہ اس کی سند سخت ضعیف و مردود ہے، کیوں کہ پے در پے چار رواۃ مجہول و نامعلوم ہیں، گویا آدھی سند ہی کالعدم ہے، اسی وجہ سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس روایت کو غیر ثابت کہنے کے ساتھ ساتھ منقطع بھی کہا ہے، چناں چہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وَنُقِلَتْ عَنْهُ رِوَايَةٌ فِي لَعْنَةِ يَزِيدَ وَأَنَّهُ قَالَ: أَلَا أَلْعَنُ مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ؟ وَاسْتَدَلَّ بِالْآيَةِ، لَكِنَّهَا رِوَايَةٌ مُنْقَطِعَةٌ، لَيْسَتْ ثَابِتَةً عَنْهُ، وَالْآيَةُ لَا تَدُلُّ عَلَى لَعْنِ الْمُعَيَّنِ.''[1]

''امام احمد رحمہ اللہ سے یزید پر لعنت کرنے سے متعلق ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: کیا میں اس پر لعنت نہ کروں جس پر اللہ نے لعنت کی ہے؟ پھر آیت سے استدلال کیا، لیکن یہ روایت منقطع اور غیر ثابت ہے، نیز آیت میں بھی فرد معین پر

[1] منهاج السنة النبوية (٤/ ٥٧٣)

لعنت کرنے کی دلیل نہیں ہے۔''

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس روایت کو منقطع کہا ہے، جب کہ اس روایت کی جو سند ہم نے اوپر نقل کی ہے، وہ مسلسل بالتحدیث ہے اور ابن الجوزی نے بھی یہ سند اسی طرح نقل کی ہے۔ دراصل ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لغوی معنی میں اس سند کو منقطع کہا ہے، کیوں کہ اس سند میں مسلسل چار رواۃ مجہول ہیں، گویا نصف سند ہی کالعدم ہے، یعنی منقطع ہے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے قبل بھی متقدمین سے ایسی مثال ملتی ہے کہ انھوں نے لغوی اعتبار سے کسی روایت کو منقطع قرار دیا، مثلاً امام علی بن المدینی رحمہ اللہ ایک روایت سے متعلق فرماتے ہیں:

''فَرَوَاهُ مَنْصُورٌ عَنْ خَيْثَمَةَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، وَ فِيُ إِسْنَاده انقطاع مِنْ قِبَلِ هَذَا الرَّجُلِ الَّذِى لَمْ يُسَمِّهِ خَيْثَمَةُ''[1]

''اسے منصور نے عن خیثمہ عن رجل عن عبد اللہ کے طریق سے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں انقطاع ہے، اس رجل کی وجہ سے جس کا نام خیثمہ نے نہیں لیا ہے۔''

الغرض مذکورہ قول کی سند میں مسلسل چار رواۃ مجہول ہیں، لہٰذا یہ قول امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ثابت ہی نہیں اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس قول سے بری ہیں۔ والحمد للہ. ہاں صرف اور صرف ایک قول صحیح سند کے ساتھ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے منقول ہے، جس میں امام موصوف نے یزید بن معاویہ پر جرح کی ہے، لیکن بعد میں اس سے بھی رجوع کر لیا۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

امام ابوبکر الخلال (المتوفی: ۳۱۱ھ) نے کہا:

''أخبرني محمد بن علي: قال ثنا مهنىٰ قال: سألت أحمد عن يزيد بن معاوية بن أبي سفيان؟ قال: هو فعل بالمدينة ما فعل! قلت: وما فعل؟ قال: قتل بالمدينة من أصحاب النبي وفعل! قلت: وما فعل؟ قال: نهبها! قلت: فيذكر عنه الحديث؟ قال: لا يذكر عنه الحديث، ولا ينبغي لأحد أن يكتب عنه حديثا. قلت لأحمد: ومن كان معه بالمدينة حين فعل ما فعل؟ قال: أهل الشام! قلت له: وأهل مصر؟ قال: لا. إنما كان أهل مصر

[1] العلل لابن المديني (ص:۱۰۱)

معهم في أمر عثمان رضی اللہ عنہ"[1]

''مہنا بن یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے یزید بن معاویہ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا: وہ وہی ہے، جس نے مدینے میں وہ کیا جو کیا۔ میں نے کہا: کیا کیا؟ تو انھوں نے کہا: مدینے میں متعدد صحابہ کو قتل کیا اور بھی بہت کچھ کیا۔ میں نے کہا: اور کیا کیا؟ تو انھوں نے کہا: مدینے میں لوٹا۔ میں نے کہا: تو کیا اس سے حدیث بیان کی جائے؟ انھوں نے کہا: اس سے حدیث بیان نہ کی جائے اور کسی کے لیے مناسب نہیں کہ اس سے حدیث لکھے۔ میں نے امام موصوف سے کہا: اس وقت مدینے میں اس کے ساتھ کون لوگ تھے، جب اس نے مدینے میں وہ کیا جو کیا؟ انھوں نے کہا: اہلِ شام تھے۔ میں نے کہا: اور اہلِ مصر؟ انھوں نے کہا: نہیں، مصر والے تو عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملے میں ان کے ساتھ تھے۔''

یہی وہ قول ہے جو امام احمد رحمہ اللہ سے بسند صحیح ثابت ہے اور معاصرین میں حافظ زبیر علی زئی نے بھی اس سے استدلال کیا ہے، لیکن آگے ہم بتلائیں گے کہ حافظ موصوف ہی کے اصول کی روشنی میں اس سے استدلال درست نہیں، کیوں کہ اس قول کی بنیاد ثابت نہیں، نیز امام احمد رحمہ اللہ نے اس سے رجوع بھی کر لیا ہے۔ دراصل اس روایت میں یزید پر جرح کے ساتھ ساتھ اس سے متعلق مدینے میں لوٹ مار کی بات بھی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نقل فرما رہے ہیں اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے یزید کا دور نہیں پایا ہے، لہٰذا روایت کا یہ حصہ منقطع السند اور غیر ثابت ہے، یعنی اس حصے کے اعتبار سے یہ روایت منقطع ہے اور اس روایت کو صحیح کہنے کا مطلب یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تک سلسلہ سند صحیح ہے، لیکن اس سے آگے عہد یزید رحمہ اللہ تک سلسلہ سند مذکور ہی نہیں، لہٰذا یہ روایت اس لحاظ سے منقطع ٹھہری۔

رہا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا اپنا موقف تو انھوں نے اپنے اس موقف کی دلیل میں کوئی صحیح تاریخی روایت نہیں پیش کی ہے، لہٰذا ان کا یہ موقف بے دلیل ہونے کی بنا پر غیر مسموع ہے۔ محدثین کو یہ حق تو حاصل ہے کہ اپنے زمانے سے قبل کے رواۃ پر حفظ و ضبط اور صدق و کذب کے لحاظ سے

[1] السنة للخلال (٣/ ٥٢٠) رقم الحديث (٨٤٥) قال المحقق: إسناده صحيح، وهو كذلك.

جرح کریں، کیوں کہ ان جروح کی بنیاد ان کی مرویات ہوتی ہیں، علمی تنقید بھی اسی زمرے میں آتی ہے، لیکن کسی بھی محدث کو یہ حق حاصل نہیں کہ اپنے سے قبل والے زمانے کے کسی شخص پر لوٹ مار کا الزام عائد کرے، کیوں کہ اس کا تعلق علمِ غیب سے ہے اور یہ چیز شخص مذکور کے عہد تک صحیح سند کے بغیر نہیں معلوم کی جاسکتی۔

لہٰذا ہم متاخرین کی زبانی متقدمین پر لوٹ مار کے ایسے الزامات کو قطعاً نہیں قبول کر سکتے، جس کی صحیح دلیل موجود نہ ہو۔ نیز امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے یزید پر روایت کے لحاظ سے یہاں جو جرح کی ہے، اس کی دلیل بھی اسی لوٹ مار والی بات کو بنایا ہے اور یزید رحمہ اللہ کا یہ کردار سرے سے ثابت ہی نہیں، لہٰذا غیر ثابت شدہ امور کی بنیاد پر کی گئی جرح بھی مردود ہے اور یزید رحمہ اللہ کی شخصیت بے داغ ہے۔ والحمد للّٰہ.

امام احمد رحمہ اللہ کو بھی اس بات کا احساس ہوا کہ اس جرح کی کوئی دلیل نہیں ہے، اسی لیے موصوف نے بعد میں اس سے رجوع کر لیا، لیکن رجوع کا ثبوت پیش کرنے سے قبل ہم یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ یزید سے متعلق امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے اس قول کو نقل کرنے والے مہنا بن یحییٰ ہیں اور انھوں نے ابو حنیفہ سے متعلق بھی امام احمد کی شدید جرح نقل کی ہے، چناں چہ امام خطیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أَخبَرَنِيُ ابُن رَزق، قَالَ: حَدَّثَنَا أَحُمَد بُنُ سلمَانَ الفَقِيُه الُمَعُرُوف بِالنَّجَادِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبُدُ اللّٰه بُن أَحُمَد بُن حَنُبَلَ، قَال: حَدَّثَنَا مهنی بن يَحُيٰى، قَالَ: سَمِعُتُ أَحُمَدَ بُنَ حَنبَلٍ، يَقُولُ: مَا قَوُلُ أَبِى حَنِيفَةَ وَالبعر عِندِى إلا سَوَاء" [1]

''امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: میرے نزدیک جانوروں کی گندگی اور ابو حنیفہ کا قول یکساں ہے۔''

عرض ہے کہ اگر یزید سے متعلق مہنا بن یحییٰ نے امام احمد رحمہ اللہ سے جو نقل کیا ہے وہ ثابت اور درست ہے تو پھر ابو حنیفہ سے متعلق بھی مہنا بن یحییٰ نے امام احمد رحمہ اللہ سے جو کچھ نقل کیا ہے وہ بھی ثابت اور درست تسلیم کیا جانا چاہیے۔ انصاف کا یہی تقاضا ہے!!

[1] تاریخ بغداد (٥١/ ٥٦٩) و إسناده صحيح.

ہمارا ماننا تو یہ ہے کہ ابو حنیفہ اور یزید دونوں سے متعلق امام احمد رحمہ اللہ سے مہنا بن یحییٰ نے جو نقل کیا وہ سب ثابت ہے، فرق یہ ہے کہ ابو حنیفہ سے متعلق امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے جو جرح کی ہے، اس سے آپ نے قطعاً رجوع نہ کیا، جبکہ یزید سے متعلق امام احمد رحمہ اللہ نے جو جرح کی تھی، اس سے نہ صرف رجوع کرلیا، بلکہ اس کے ساتھ یزید بن معاویہ کو خیرالقرون کی فضیلت کا حامل بتلایا۔

نیز یزید بن معاویہ سے متعلق امام احمد رحمہ اللہ نے جو جرح کی ہے، وہ بے بنیاد ہے، کیوں کہ اس جرح کا سبب اہلِ مدینہ پر یزید کے ظلم کو بتلایا گیا ہے اور یہ ثابت ہی نہیں کہ یزید بن معاویہ نے اہلِ مدینہ پر ظلم کیا ہو یا اپنی فوج کو حکم دیا ہو کہ اہلِ مدینہ پر ظلم کریں، لہٰذا جب جرح کی بنیاد غیر ثابت شدہ ہے تو جرح بھی مردود ہے۔ حافظ زبیر علی زئی لکھتے ہیں:

”حافظ ذہبی نے بھی عمرو بن یحییٰ کو ابن معین کی طرف منسوب غیر ثابت جرح کی وجہ سے ”دیوان الضعفاء والمتروکین“ (۲/ ۲۱۲) رقم (۹۲۲۳) وغیرہ میں ذکر کیا ہے اور اصل بنیاد منہدم ہونے کی وجہ سے یہ جرح بھی منہدم ہے۔“[1]

جو حضرات بھی امام احمد رحمہ اللہ کی اس جرح پر ایمان رکھتے ہیں، ان پر لازم ہے کہ اس جرح کی جو دلیل امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے پیش کی ہے، اسے بسند صحیح ثابت کریں، ورنہ چپ رہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یزید بن معاویہ کے ظالم ہونے کی بات ثابت ہی نہیں، اس لیے خود امام احمد رحمہ اللہ ہی نے اپنے اس تبصرے سے رجوع کرلیا ہے ملاحظہ ہوں امام احمد کے رجوع کی تفصیلات۔

دکتور محمد بن ہادی الشیبانی لکھتے ہیں:

”فِيْ عَقِيدَةِ أَحْمَد التِي كتبت عَنْهُ، وَذٰلِكَ قَبلَ ثَلاثَة أَيَّامٍ مِّنْ وَفَاتِه: وكَانَ يُمسِكُ عَنْ يَزِيدَ بْن مُعَاوِيَةَ، وَيكِلهُ إِلىٰ اللّٰهِ“[2]

”امام احمد رحمہ اللہ کی وفات سے تین دن قبل ان کے جو عقائد لکھے گئے، ان میں ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ یزید بن معاویہ کے بارے میں خاموشی اختیار کرتے تھے اور ان کا معاملہ اللہ پر چھوڑتے تھے۔“

یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اخیر میں یزید کے معاملے کو اللہ

[1] ماهنامه ”الحديث“ (شماره: ۹۵، ص: ۸۲)

[2] مواقف المعارضة في عهد يزيد بن معاوية (ص: ۷۲۲) بحواله طبقات الحنابلة (۲/ ۲۷۳)

کے سپرد کر دیا تھا، یعنی یزید بن معاویہ پر قتل یا لوٹ مار یا کسی بھی قسم کا الزام لگانے سے رجوع کر لیا تھا، لہٰذا ان کے جس قول میں یزید بن معاویہ پر ظلم یا لوٹ مار کا الزام ہے، اس قول سے امام احمد رحمہ اللہ رجوع کر چکے ہیں۔ صرف یہی نہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ نے اخیر میں یزید بن معاویہ کے بارے میں اپنی جرح سے رجوع کر لیا، بلکہ اسے خیر القرون کی فضیلت کا حامل بھی بتلایا ہے، چناں چہ امام ابوبکر الخلال (المتوفی: ۳۱۱ھ) نے کہا:

"أَخْبَرَنِي أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّد بْن مطرٍ وَزَكَرِيَّا بْن يَحْيٰى أَنَّ أَبَا طَالِبٍ حَدَّثَهُمْ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا عَبْدَاللّٰهِ مَن قَالَ: لَعنَ اللّٰه يَزِيْدَ بْن مُعَاوِيَةَ؟ قَالَ: لَا أتكَلَّمُ فِيْ هٰذَا. قُلتُ: مَا تَقُوْلُ؟ فَإِنَّ الَّذِى تكَلّم بِهِ رَجلٌ لَا بَأس بِهِ وَأَنَا صَائِر إِلٰى قَولِكَ فَقَالَ أَبُو عَبْدِاللّٰهِ؟ قَالَ النَّبِيﷺ لعنُ الْمُؤمِن كَقتْلِه، وَقَالَ: خَيْر النَّاسِ قَرنِى ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونهُمْ، وَقَدْ صَارَ يَزِيْد فِيهِمْ، وَقَالَ: مَن لَعنَتهٗ أَوْ سَببَته فَاجْعَلهَا لَهٗ رَحمَةً فَأَرىٰ الإمسَاكَ أَحَبُّ لِي"[1]

"ابو طالب عصمہ بن ابی عصمہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا کہ جو کہے کہ یزید بن معاویہ پر اللہ کی لعنت ہو، اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ کہا: میں اس بارے میں کلام نہیں کرتا۔ میں نے کہا: آپ کیا فرماتے ہیں، کیوں کہ جس نے یہ بات کہی ہے وہ معتبر آدمی ہے اور میں آپ کے قول کو اپناؤں گا! تو امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان ہے: مومن پر لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کی طرح ہے،[2] نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر ان کا زمانہ، جو اس کے بعد آئیں گے اور یزید اس دور کے لوگوں میں شامل ہے، نیز آپ نے یہ بھی فرمایا: میں نے جس پر لعنت کی یا برا بھلا کہا تو اے اللہ! اسے اس کے حق میں رحمت بنا دے، اس لیے خاموشی ہی میرے نزدیک بہتر ہے۔"

[1] السنة للخلال (٣/ ٥٢١) رقم (٨٤٦) قال المحقق: إسناده صحيح وهو كذلك.

[2] یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام احمد یزید کو مومن تسلیم کرتے تھے، اس لیے احمد رضا فاضل بریلوی کا یہ کہنا کہ "امام احمد یزید کو کافر جانتے تھے۔ (احکامِ شریعت: ۲/ ۸۸) غلط ہے۔ واضح رہے احمد رضا کا یزید کے بارے میں موقف یہ ہے کہ سکوت کرنا چاہیے اور انھوں نے ابو حنیفہ کی طرف بھی یہ موقف منسوب کیا ہے۔ (ایضا)

اس روایت سے صاف معلوم ہوا کہ امام احمد رحمہ اللہ یزید بن معاویہ کو مومن اور خیر القرون کی فضیلت کا مستحق سمجھتے تھے اور اس کے بارے اپنے سابق موقف سے رجوع فرما چکے تھے۔

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۹۷):

یزید کی مذمت میں ابن الجوزی رحمہ اللہ کا نام خصوصی طور پر لیا جاتا ہے، کیوں کہ موصوف نے یزید کی مذمت میں باقاعدہ کتاب بھی لکھ رکھی ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم ابن الجوزی کے موقف کا جائزہ لیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم قارئین کو یہ بتلا دیں کہ انھیں ابن الجوزی رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں کیا کیا کہا ہے، چناں چہ ابن الجوزی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۹۷) نے کہا:

”وبعد هَذَا فاتفق الكل عَلىٰ الطعن فِيهِ“[1]

”ابو حنیفہ پر طعن کرنے میں تمام اہلِ علم کا اتفاق ہے۔“

ابن الجوزی رحمہ اللہ ہی دوسرے مقام پر کہتے ہیں:

”فهذا من مشهور المسائل، والمتروك أضعافه، ولكونه خالف مثل هَذِهِ الأحاديث الصحاح سعوا بالألسن فِيُ حقه، فلم يبق معتبر من الأئمة إلا تكلم فِيهِ“[2]

”جن مسائل میں ابو حنیفہ نے صحیح احادیث کی مخالفت کی ہے، اس کی یہ صرف چند مثالیں ہیں، جنھیں میں نے ذکر کیا ہے اور جن مثالوں کو میں نے ذکر نہیں کیا ہے، وہ اس کے کئی گنا زیادہ ہیں اور چونکہ ابو حنیفہ اس جیسی صحیح احادیث کی مخالفت کرتے تھے، اسی لیے اہلِ علم نے ان کے خلاف لب کشائی کی، چناں چہ معتبر ائمہ میں سے کوئی بھی نہیں بچا، جس نے ابو حنیفہ پر طعن نہ کیا ہو۔“

سوال یہ ہے کہ یہی ابن جوزی رحمہ اللہ ابو حنیفہ کی مذمت میں جو کچھ کہہ رہے ہیں، کیا مخالفینِ یزید اس پر بھی ایمان لائیں گے؟!

---

[1] المنتظم لابن الجوزي (٨/ ١٣٢)

[2] المنتظم لابن الجوزي (٨/ ١٤٣)

ابن الجوزی اور یزید کی مذمت میں کتاب لکھنے کی وجہ:

اب آتے ہیں یزید کے متعلق ابن الجوزی کے موقف پر۔تو عرض ہے کہ شروع میں یزید پر لعن طعن سے متعلق ابن الجوزی کا موقف یہ تھا کہ سکوت کرنا چاہیے۔چناں چہ انھوں نے یزید پر لعن طعن سے متعلق ایک سوال کے جواب میں کہا:

"والسكوت أصلح"[1] یعنی اس بارے میں خاموشی ہی بہتر ہے۔

پھر سائل نے پوچھا کہ خاموشی بہتر ہے،لیکن کیا اس پر لعنت کرنا جائز ہے؟ تو ابن الجوزی نے کہا:

"قد أجازها العلماء الورعون، منهم أحمد بن حنبل"[2]

"پرہیز گار علما نے اسے جائز کہا ہے، انھیں میں سے احمد بن حنبل ہیں۔"

ابن الجوزی رحمہ اللہ کی بات امام عبدالمغیث بن زہیر علوی الحربی تک پہنچی، جو اس وقت کے بہت بڑے محدث اور امام تھے، چناں چہ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

"عبد المغيث بن زهير بن زهير بن علوي الحربي الشيخ، الإمام، المحدث، الزاهد الصالح، المتبع، بقية السلف، أبو العز بن أبي حرب البغدادي، الحربي. ولد: سنة خمس مائة. وعني بالآثار، وقرأ الكتب، ونسخ، وجمع، وصنف، مع الورع، والدين، والصدق، والتمسك بالسنن، والوقع في النفوس، والجلالة"[3]

"عبدالمغیث بن زہیر بن زہیر بن علوی الحربی، آپ شیخ، امام، محدث، زاہد، نیک، متبع، بقیۃ السلف، ابو العز بن ابی حرب البغدادی ہیں۔۵۰۰ ہجری میں آپ کی پیدایش ہوئی، آپ نے احادیث پر توجہ دی، کتابیں پڑھیں، انھیں لکھا، جمع کیا اور تصنیف کیا۔ان سب کے ساتھ آپ نیک، دیندار، سچے، متبعِ سنت اور دلوں میں قدر و منزلت والے تھے۔"

ایک دوسرے مقام پر امام ذہبی رحمہ اللہ انھیں پوری صراحت کے ساتھ ثقہ اور محدث و مفتی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

[1] الرد علىٰ المتعصب العنيد (ص: ٣٣)

[2] الرد علىٰ المتعصب العنيد (ص: ٣٤)

[3] سير أعلام النبلاء للذهبي (٢١/ ١٦٠)

"عبد المغيث بن زهير أبو العز الحربي محدث بغداد وصالحها، وأحد من عني بالأثر والسنة، سمع ابن الحصين وطبقته، وتوفي في المحرم عن ثلاث وثمانين سنة، وكان ثقة سنيا مفتيا صاحبَ طريقة حميدة"[1]

''عبدالمغیث بن زہیر ابو العز الحربی، آپ بغداد کے محدث اور نیک آدمی تھے، ان لوگوں میں سے ایک تھے، جنھوں نے حدیث وسنت کی طرف توجہ کی، ابن الحصین اور ان کے طبقے والوں سے انھوں نے روایت کیا اور محرم میں ۸۳ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ آپ ثقہ، سنی، مفتی اور بہترین راستے پر چلنے والے تھے۔''

چناں چہ عبد المغیث بن زہیر علوی الحربی رحمہ اللہ تک ابن الجوزی رحمہ اللہ کی بات پہنچی تو انھوں نے ابن الجوزی کی تردید کی اور یزید کے دفاع میں ایک کتابچہ لکھ دیا۔ پھر کیا تھا ابن الجوزی رحمہ اللہ غضبناک ہوگئے اور عبدالمغیث سے دشمنی[2] نکالنے کے لیے ان کی تردید میں ایک کتابچہ لکھ ڈالا اور اس کا نام رکھا: "الرد علىٰ المتعصب العنيد المانع من ذم يزيد"

معلوم ہوا کہ ابن الجوزی یزید پر لعن طعن سے متعلق سکوت کو پسند کرتے تھے اور یزید کی مذمت میں کتاب لکھنے کا ان کا کوئی ارادہ نہیں تھا، لیکن عبدالمغیث سے دشمنی نکالنے کے لیے موصوف نے یہ کتاب لکھ ڈالی، بلکہ یہی معاملہ عبدالمغیث کا بھی ہے، انھیں بھی یزید کے دفاع میں کتاب لکھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی، اگر ابن الجوزی نے یزید کے بارے میں جھوٹی باتیں بیان نہ کی ہوتیں، یاد رہے کہ ابن الجوزی نے امام احمد سے یزید پر لعنت کی جو بات نقل کی ہے، وہ سراسر غلط ہے۔

کیا امام عبدالمغیث کی کتاب میں موضوع روایات تھیں؟

بعض لوگ امام عبدالمغیث پر یہ جھوٹا الزام لگاتے ہیں کہ انھوں نے دفاعِ یزید میں تصنیف کردہ اپنی کتاب میں موضوع روایات سے استدلال کیا ہے، حالاں کہ یہ سفید جھوٹ ہے۔ جن لوگوں نے بھی یہ بات کہی ہے، غالبًا انھوں نے ابن الجوزی کے اس قول سے یہ نتیجہ نکالا ہوگا کہ ابن الجوزی نے کہا:

---

[1] العبر في خبر من غبر (٤/ ٢٤٩) آگے امام ذہبی نے امام عبدالمغیث کی کتاب پر نقد کیا ہے، جس پر تبصرہ آگے آرہا ہے۔ [2] دیکھیے: صفحہ (۷۹۰) کا حاشیہ (۱)

"إنه يحتج علىٰ أغراضه بأحاديث قد أسندها الكذابون، ولا يعرف الصادق من الكاذب"[1]

''یہ شخص اپنے مقاصد کے لیے ایسی احادیث سے استدلال کرتا ہے جسے جھوٹوں نے بیان کیا ہے اور یہ سچے اور جھوٹے میں فرق نہیں کر پاتا۔''

ممکن ہے بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہو کہ امام عبدالمغیث نے دفاعِ یزید والی کتاب میں بھی ایسا ہی کیا ہے۔ عرض ہے:

اولاً: امام عبدالمغیث کے حق میں ابن الجوزی کا مذکورہ بیان ہی قابلِ قبول نہیں ہے، کیوں کہ ابن الجوزی نے ان کے ساتھ دشمنی کر رکھی تھی۔ یاد رہے کہ امام ذہبی نے ایک مقام پر ابن الجوزی پر رد کرتے ہوئے کہا:

"هذا كلام من لا شم العلل"[2]

''یہ ایسے شخص کا کلام ہے، جس نے عللِ حدیث کی بو تک نہیں سونگھی ہے۔''

ثانیا: اگر یہ تسلیم بھی کر لیں کہ امام عبدالمغیث نے کہیں پر موضوع احادیث سے استدلال کیا تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ دفاعِ یزید والی کتاب میں بھی انھوں نے موضوع حدیث سے استدلال کیا ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۴۸ھ) نے کہا ہے:

"صنف جزء ا في فضايل يزيد، أتىٰ فيه بالموضوعات"[3]

''امام عبدالمغیث نے یزید کے فضائل میں ایک کتابچہ لکھا، جس میں موضوع روایات نقل کیں۔''

عرض ہے:

اولا: یہ کام تو خود امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی کیا ہے، چناں چہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد امام محمد کی فضیلت میں کتاب لکھی اور اس میں ہرطرح کی من گھڑت اور جھوٹی روایات کو درج

---

[1] الرد على المتعصب العنيد (ص: ٣٥)

[2] تنقيح التحقيق للذهبي (١/ ٥١)

[3] العبر في خبر من غبر (٤/ ٢٤٩)

کردیا، حتیٰ کہ اس کتاب کے محقق زاہد کوثری نے بھی حواشی میں بعض روایات کو موضوع اور من گھڑت قرار دیا۔

ثانیا: اگر دفاعِ یزید والی کتاب میں امام عبدالمغیث نے موضوع روایات پیش کی ہوتیں تو ابن الجوزی اس کتاب کی تردید کرتے ہوئے اپنی کتاب میں ان موضوع روایات کی نشان دہی ضرور کرتے اور ان پر جرح کرتے۔ لیکن یہ تلخ حقیقت ہے کہ ابن الجوزی نے عبدالمغیث کی کتاب پر رد کرتے ہوئے عبدالمغیث کی کتاب سے کل گیارہ اقتباسات نقل کیے ہیں، لیکن ان میں سے ایک بھی اقتباس ایسا نہیں، جس میں امام عبدالمغیث نے کسی موضوع روایت سے استدلال کیا ہے۔ ابن الجوزی نے صرف اور صرف دو اقتباس میں الزام لگایا ہے کہ یہاں پر امام عبدالمغیث نے کذاب راوی سے حجت پکڑی ہے، لیکن ان دونوں اقتباس میں بھی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

پہلا اقتباس:

پہلے اقتباس میں ابن الجوزی نے نقل کیا:

"قال: ما ذكرتموه عن أحمد من أنه أجاز لعنة يزيد، واحتج بقوله: ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ﴾ [محمد: ٢٢- ٢٣] بأنها نزلت في منافقي اليهود، فكيف يجعلها أحمد عامة في أهل التوحيد؟ قلنا: ما بلغ من أمرك أن تردَّ علىٰ أحمد، ثم جوابك علىٰ أحمد مردود من ثلاثة وجوه: أحدها: إن هذا إنما نقلته من تفسير مقاتل بن سليمان، ومقاتل كذاب بإجماع المحدثين..."[1]

"عبدالمغیث نے کہا کہ تم لوگ امام احمد سے جو یہ نقل کرتے ہو کہ انھوں نے یزید پر لعنت کو جائز کہا ہے اور اللہ کے اس قول سے استدلال کیا ہے: ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ﴾" اور تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل

[1] الرد علىٰ المتعصب العنيد (ص:٧١)

جائے تو تم زمین میں فساد برپا کردو اور رشتے ناطے توڑ ڈالو۔ یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی پھٹکار ہے اور جن کی سماعت اور آنکھوں کی روشنی چھین لی ہے۔'' یہ قول تو منافق یہودیوں کے بارے میں ہے، پھر امام احمد اسے عام مان کر اہلِ توحید کو بھی اس میں کیسے شامل کرسکتے ہیں؟ (ابن الجوزی نے کہا) ہم کہتے ہیں: تم اس قابل نہیں ہو کہ امام احمد کی تردید کرو، نیز امام احمد کے قول کا جو تم نے جواب دیا ہے، وہ تین وجوہ سے مردود ہے: ایک یہ کہ تم نے یہ بات مقاتل بن سلیمان کی تفسیر سے نقل کی ہے اور مقاتل باجماع محدثین کذاب ہے۔''

عرض ہے کہ سب سے پہلے یہ بات واضح ہو جائے کہ امام عبدالمغیث نے یہاں پر امام احمد کی تردید نہیں کی ہے، جیسا کہ ابن الجوزی نے ظاہر کیا ہے، بلکہ امام عبدالمغیث یہ قول امام احمد سے ثابت ہی نہیں مان رہے، جیسا کہ ان کے الفاظ سے ظاہر ہے، نیز آگے کا سیاق بھی اسی پر دلالت کرتا ہے، چناں چہ اس سے آگے امام عبدالمغیث کی عبارت نقل کرتے ہوئے ابن الجوزی لکھا:

''قال هذا الشيخ: كيف يُظنُّ بالإمام أحمد مع كونه يقول: كيف أقول ما لم يقل، إنه يذهب عليه قولنا هذا الصحابة ابن عمر وأنه بايع يزيد، أفتراه يستجيز أن يعدل عن ما فعل ابن عمر؟''[1]

''اس شیخ (عبدالمغیث) نے کہا: امام احمد رحمہ اللہ کے بارے میں یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے، جبکہ وہ خود کہتے ہیں کہ وہ صحابہ کے خلاف کوئی موقف اختیار نہیں کرتے اور صحابہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یزید کی بیعت کی ہے تو کیا تمھیں لگتا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہٹ کر کوئی بات کہیں گے؟''

اس کے بعد ابن الجوزی نے عبدالمغیث کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

''فقد روىٰ أبو طالب، قال: سألتُ أحمد بن حنبل عمَّن قال: لعن الله يزيد بن معاوية؟. فقال: لا نتكلم في هذا، الإمساك أحبُّ إليَّ''[2]

''چناں چہ ابو طالب نے کہا کہ میں نے امام احمد سے اس شخص کے بارے میں پوچھا،

---

[1] الرد على المتعصب العنيد (ص: ۷۳)

[2] الرد علىٰ المتعصب العنيد (ص: ۷۳) نیز اسی کتاب کا صفحہ (۷۸۲) دیکھیں۔

جس نے کہا: یزید پر اللہ کی لعنت ہو؟ تو امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: ہم اس بارے میں نہیں بول سکتے، میرے نزدیک خاموشی ہی بہتر ہے۔''

یہ پورا سیاق صاف طور سے دلالت کرتا ہے کہ امام عبدالمغیث رحمہ اللہ امام احمد سے لعنت کا قول ثابت ہی نہیں مان رہے، لیکن ابن الجوزی نے مغالطہ دیتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ عبدالمغیث نے امام احمد کے قول کی تردید کی ہے۔

اب رہی یہ بات کہ امام عبدالمغیث نے مقاتل بن سلیمان کذاب کی تفسیر سے استدلال کیا ہے تو یہ بھی ابن الجوزی کی غلط فہمی ہی ہے، کیوں کہ امام عبدالمغیث نے اپنے قول میں یہ ہرگز نہیں کہا ہے کہ انھوں نے مقاتل بن سلیمان کی تفسیر سے استدلال کیا ہے۔ ابن الجوزی کے نقل کردہ الفاظ میں ایسی کوئی بات نہیں ہے، بلکہ بات صرف یہ ہے کہ امام عبدالمغیث نے مذکورہ آیت کو یہود منافقوں سے متعلق مانا ہے۔ اب انھوں نے اس آیت کا یہ مطلب سمجھا ہے تو اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ انھوں نے مقاتل بن سلیمان کی تفسیر سے استدلال کیا ہے؟

یاد رہے کہ مقاتل بن سلیمان کی تفسیر میں ایسی کوئی روایت موجود نہیں، بلکہ اس مقام پر خود مقاتل بن سلیمان کا اپنا قول موجود ہے کہ مقاتل نے اس آیت کو یہود منافقین سے متعلق مانا ہے۔ چناں چہ مقاتل نے کہا: ''﴿فَهَلۡ عَسَيۡتُمۡ﴾ يعني: منافقي اليهود''[1]

''اللہ تعالیٰ نے کہا: تم سے یہ بعید نہیں۔ یعنی منافق یہود سے۔''

غور کریں یہاں مقاتل نے بھی کوئی روایت بیان نہیں کی ہے، بلکہ صرف اپنی تفسیر پیش کی ہے۔ اب اگر امام عبدالمغیث کی نظر میں بھی اس آیت میں خطاب یہود منافقین سے ہے تو اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ امام عبدالمغیث نے مقاتل کی بات سے حجت پکڑی ہے؟ یاد رہے کے آیت مذکورہ سے قبل واضح طور پر منافقین کا ذکر ہے، اس لیے کئی ایک نے یہاں پر خطاب منافقین سے مانا ہے۔ اب اگر امام عبدالمغیث نے یہ سمجھ لیا کہ یہود منافقین سے یہ خطاب ہے تو اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ وہ اس معاملے میں مقاتل کی تقلید کر رہے ہیں؟

بالفرض اگر یہ تسلیم بھی کر لیں کہ امام عبدالمغیث نے مقاتل کی تفسیر سے استدلال کیا ہے تو

---

[1] تفسیر مقاتل بن سلیمان (٤/ ٤٨)

بھی اس بات کو موضوع روایت سے استدلال کرنا نہیں کہیں گے، کیوں کہ یہ بات مقاتل کی کوئی روایت نہیں ہے، بلکہ مقاتل کی اپنی بات ہے اور یہ بات مقاتل سے ثابت ہے، کیوں کہ ان کی کتاب میں درج ہے۔

واضح رہے کہ ابن الجوزی نے یہاں پر عبدالمغیث کی دشمنی[1] میں سارا زور اس بات پر صرف کر دیا کہ اس آیت میں خطاب منافقین سے نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں سے ہے، چناں چہ ابن الجوزی نے عبدالمغیث پر رد کرتے ہوئے مزید کہا:

"إنا قد ذكرنا أن أحمد بن حنبل فسَّره بولاية المسلمين، فكيف (قدَّمتَ) كلام مقاتل الكذاب علىٰ كلام أحمد؟"[2]

"ہم نے یہ ذکر کیا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر مسلمانوں کی ولایت (حکومت) سے کی ہے تو تم نے مقاتل کذاب کی بات کو امام احمد رحمہ اللہ کی بات پر کیسے مقدم کر دیا۔"

عرض ہے کہ یہاں پر ابن الجوزی امام عبدالمغیث کی دشمنی[1] میں امام احمد کے قول کی حمایت کر رہے ہیں (حالاں کہ یہ قول امام احمد سے ثابت بھی نہیں ہے) لیکن خود ابن الجوزی ہی نے اپنی تفسیر میں کیا لکھا ہے؟ وہ بھی دیکھیں! ابن الجوزی نے اپنی تفسیر میں لکھا:

"قوله تعالى: ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ﴾ في المخاطَب بهذا أربعة أقوال: أحدها: المنافقون، **وهو الظاهر**، والثاني: منافقو اليهود، قاله مقاتل. والثالث: الخوارج، قاله بكر بن عبد الله المزني. والرابع: قريش..."[3]

اللہ تعالیٰ کا فرمان "تم سے کوئی بعید نہیں، اگر تمھیں حکومت مل جائے۔" یہاں مخاطب کون ہے، اس بارے میں چار اقوال ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ خطاب منافقین سے ہے اور یہی ظاہر ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے یہود منافقین مراد ہیں۔ یہ مقاتل کا قول ہے۔ تیسرا قول یہ کہ خوارج مراد ہیں، اسے بکر بن عبداللہ المزنی نے کہا ہے۔ چوتھا قول یہ کہ قریش سے خطاب ہے...."

---

[1] "دشمنی" کے لفظ پر زبیر علی زئی صاحب کے ایک شاگرد نے بہت شور مچایا حالانکہ امام ذہبی نے بھی لکھا: "وقَعَ بينهما عداوة لأجل يزيد" "ان دونوں (ابن الجوزی اور عبدالمغیث) کے بیچ یزید کی وجہ سے **دشمنی** پیدا ہوگئی۔" [تاریخ الإسلام: ۱۲/۶۱ ۷] نیز زبیر علی زئی صاحب نے ایک جگہ لکھا ہے: "امام ربیعہ نے امام ابوالزناد پر **ذاتی دشمنی** کی وجہ سے جرح کی تھی" [مقالات ۳/۴۹۴]

[2] الرد علىٰ المتعصب العنيد (ص: ۷۲) [3] زاد المسير في علم التفسير لابن الجوزي (۴/ ۱۲۰)

غور کریں کہ ابن الجوزی نے اپنی تفسیر میں اس آیت میں ظاہری خطاب منافقین ہی سے بتلایا ہے، یہاں موصوف کو امام احمد کے قول کی فکر نہیں ہوئی۔ نیز جب خود ابن الجوزی نے آیت میں منافقین سے خطاب مان لیا ہے تو اگر امام عبدالمغیث نے خطاب یہود منافقین سے مان لیا تو بھلا بتلائیے کہ ان دونوں میں کون سا جوہری فرق ہے؟ آخر ابن الجوزی نے جن منافقین کو مراد لیا ہے وہ بھی تو یہود ہوسکتے ہیں یا کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں؟ بہرصورت وہ منافقین تو ہیں اور امام عبدالمغیث کا اصل مقصود منافقین سے خطاب ہی کو بتلانا ہے۔

بہرحال اس اقتباس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ امام عبدالمغیث نے کسی موضوع روایت سے استدلال کیا ہے۔

دوسرا اقتباس:

دوسرا اقتباس جس میں ابن الجوزی نے امام عبدالمغیث پر کذاب سے حجت پکڑنے کا الزام لگایا ہے، اسے نقل کرتے ہوئے ابن الجوزی نے لکھا:

"قال هذا الشيخ: قد قال النبيﷺ في حق معاوية: اللهم اجعله هادياً (واهد به) .قال: ومن كان هادياً لا يجوز أن يُطعن عليه فيما اختار من ولاية يزيد"[1]

''اس شیخ (عبدالمغیث) نے کہا: اللہ کے نبی ﷺ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا: اللہ اسے ہادی بنا دے اور اس کے ذریعے سے ہدایت دے اور جو شخص ہادی ہو تو اس پر اس وجہ سے طعن نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنا دیا۔''

اس کے بعد ابن الجوزی نے اپنی سند سے اس روایت کے دو طریق ذکر کرنے کے بعد کہا:

"مدار الطريقين علىٰ محمد بن إسحاق بن حرب البلخي، وكان كذاباً"[2]

''ان دونوں طریق کا مدار محمد بن اسحاق بن حرب البلخی پر ہے اور یہ کذاب تھا۔''

پھر اس کا ایک اور طریق ذکر کے اس میں میں بھی ایک کذاب کی نشاندہی کی ہے۔[3]

---

[1] الرد علىٰ المتعصب العنيد (ص: ٧٥)

[2] الرد علىٰ المتعصب العنيد (ص: ٧٦)

[3] الرد على المتعصب العنيد (ص: ٧٧)

عرض ہے کہ امام ترمذی نے یہ روایت ایک اور طریق سے بھی نقل کی ہے، جس میں کوئی کذاب راوی نہیں ہے، چناں چہ امام ترمذی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۷۹) نے کہا:

"حدثنا محمد بن يحيىٰ قال: حدثنا أبو مسهر، عن سعيد بن عبد العزيز، عن ربيعة بن يزيد، عن عبد الرحمن بن أبي عميرة، وكان من أصحاب رسول الله ﷺ عن النبي ﷺ أنه قال لمعاوية: اللهم اجعله هاديا مهديا واهد به"[1]

''عبدالرحمٰن بن ابی عمیر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاویہ کے لیے دعا کی کہ اے اللہ اسے ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا اور اس کے ذریعے لوگوں کو ہدایت دے۔''

علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔[2] نیز حافظ زبیر علی زئی صاحب نے اسے صحیح کہا ہے۔[3]

غور کریں کہ امام عبدالمغیث نے ایک صحیح حدیث پیش کی، جو سنن ترمذی اور مسند احمد وغیرہ جیسی حدیث کی مشہور کتابوں میں صحیح سند سے موجود ہے، لیکن ابن الجوزی اپنی طرف سے اس حدیث کی ٹوٹی پھوٹی سند لا کر پھر اس پر جرح کر کے عبدالمغیث کو مطعون کر رہے ہیں کہ انھوں نے موضوع حدیث سے استدلال کیا ہے۔ سبحان الله.

الغرض یہ اس اقتباس میں بھی عبدالمغیث نے کسی موضوع حدیث سے استدلال نہیں کیا، بلکہ صحیح حدیث پیش کی ہے۔ ان دو اقتباسات کے علاوہ کسی بھی اقتباس میں ابن الجوزی نے ابن المغیث پر یہ الزام نہیں لگایا ہے کہ انھوں نے موضوع حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اس سے روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ عبدالمغیث پر محض یہ تہمت لگائی گئی ہے کہ انھوں نے یزید کے دفاع میں موضوع احادیث سے استدلال کیا ہے۔

---

[1] سنن الترمذي (٥/ ٦٨٧) رقم الحديث (٣٨٤٢)

[2] دیکھیں: سلسلة الأحاديث الصحيحة (٤/ ٦١٥) رقم الحديث (١٩٦٩)

[3] دیکھیں: فضائل صحابہ... صحیح روایات کی روشنی میں (ص: ٢٦)

الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے:

ابن الجوزی نے اپنی زندگی میں کئی لوگوں پر بے جا جرح کرتے ہوئے ان کی طرف بے بنیاد عیوب کی نسبت کی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ دوسروں کے اندر یہ عیوب نہ تھے، بلکہ بقول امام ذہبی خود ابن الجوزی ہی ان عیوب سے متصف تھے اور شاید وہ اپنے اوپر دوسروں کو بھی قیاس کرنے لگ جاتے تھے۔ چناں چہ ابن الجوزی نے ابو سعد سمعانی کی طرف بے بنیاد عیوب کی نسبت کی تو امام ذہبی نے امام سمعانی کا دفاع کیا اور الٹا ابن الجوزی ہی کو ان عیوب سے متصف بتایا، چناں چہ کہا:

”قلت: يا أبا الفرج، لا تنه عن خلق و تأتي مثله“[1]

”میں (امام ذہبی) کہتا ہوں: اے ابو الفرج (ابن الجوزی)! تو دوسروں کو ایسے کام سے مت روک جسے تو خود کرتا ہے۔“

یہاں بھی یہی معاملہ ہے، یعنی ابن الجوزی نے امام عبدالمغیث پر یہ عیب لگایا ہے کہ انھوں نے جھوٹی روایات سے استدلال کیا، حالاں کہ امام عبدالمغیث نے ایسا کچھ نہیں کیا، بلکہ اس کے برعکس خود ابن الجوزی ہی نے یہ کام کیا ہے، یعنی موصوف نے اس کتاب میں موضوع اور من گھڑت روایات سے استدلال کیا ہے، بلکہ بلامبالغہ یہ حقیقت ہے کہ اس کتاب میں ابن الجوزی نے یزید کی مذمت میں جو بھی روایات پیش کی ہیں، وہ سب کی سب موضوع اور من گھڑت ہیں، ان میں سے کوئی ایک بھی روایت صحیح نہیں ہے۔

کتاب کے شروع میں موصوف نے بعض گناہ گاروں سے متعلق لعنت کی عام احادیث پیش کی ہیں، جو صحیح ہیں، لیکن ان احادیث کا یزید سے تعلق تو دور کی بات کسی بھی خاص گناہ گار سے اس کا تعلق نہیں ہے، کیوں کہ ان میں بلاتعیین عمومی طور پر لعنت کی بات ہے۔ چناں چہ اس کتاب کے محقق (جو یزید کا پکا دشمن اور مخالف ہے) نے بھی ابن الجوزی کے اس طرزِ عمل پر تنقید کی اور حاشیے میں کہا ہے:

”الذي يبدو لي أنه لا يصح الاستدلال بهذه الأحاديث، لأن هذه الأحاديث تدل علىٰ جواز اللعن علىٰ صيغة العموم، فتقول: لعنة الله علىٰ الظالمين أو الكاذبين“[2]

---

[1] تاريخ الإسلام (١١/ ٩٩٢)

[2] الرد علىٰ المتعصب العنيد (ص: ٧٢، حاشيه ٢)

''مجھے جو معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ ان احادیث سے استدلال درست نہیں ہے، کیوں کہ یہ احادیث عمومی طور پر لعنت کے جواز پر دلالت کرتی ہیں، پس تم یہ کہہ سکتے ہو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو یا جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو۔''

ان عام احادیث کے علاوہ اس پوری کتاب میں ابن الجوزی نے جو بھی روایات پیش کی ہیں، سب موضوع اور من گھڑت ہیں اور یہ وہی روایات ہیں، جن کی حقیقت ہم نے اس کتاب میں مختلف مقامات پر واضح کر دی ہے۔ بلکہ ابن الجوزی نے تو کچھ من گھڑت روایات ایسی بھی نقل کی ہیں، جن کی سند میں موجود رواۃ پر کذاب اور جھوٹے ہونے کی جرح خود انھوں ہی نے نقل کی ہے۔

اس سلسلے میں ذیل میں ہم تین حوالے پیش کرتے ہیں:

پہلا حوالہ:

ابن الجوزی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۹۷) نے کہا:

''وذكر محمد بن سعد في الطبقات أن معاوية قال للحسين ولعبد الله بن عمر وعبد الرحمن بن أبي بكر وعبد الله بن الزبير: إني أتكلم بكلام فلا تردوا عليَّ شيئاً فأقتلكم، فخطبَ الناس وأظهر أنهم بايعوا ليزيد، فسكتَ القوم، ولم يقرّوا، ولم ينكروا خوفاً منه''[1]

یعنی محمد بن سعد نے طبقات میں ذکر کیا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسین، عبداللہ بن عمر، عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عبداللہ بن زبیر سے کہا: میں ایک بات کہنے جا رہا ہوں، تم لوگ میری کچھ بھی تردید نہ کرنا، ورنہ میں تمھیں قتل کر دوں گا۔ پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطاب کیا اور کہا کہ ان سب لوگوں نے یزید کی بیعت کر لی ہے۔ یہ سن کر یہ لوگ خاموش رہے، ان لوگوں نے نہ تو اقرار کیا اور نہ خوف کی وجہ سے انکار کیا۔

اب ذرا بتلائیے کہ اس روایت کے من گھڑت ہونے میں کسی شخص کو کوئی شک ہو سکتا ہے؟ کیا معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے عظیم صحابی سے اس بات کا امکان ہے کہ وہ ان بزرگ شخصیات کو قتل کی دھمکی دیں اور جھوٹ بولیں؟ نیز یہ حضرات بھی کیا اتنے بزدل تھے (نعوذ باللہ) کہ قتل کی دھمکی سے ڈر

[1] الرد علىٰ المتعصب العنيد (ص: ٤٥)

جاتے؟ صاف بات ہے کہ یہ روایت کسی کی بنائی ہوئی اور من گھڑت ہے اور طبقات ابن سعد میں یہ روایت واقدی کے طریق سے مروی ہے، جو کذاب ہے۔[1]

بلکہ خود ابن الجوزی نے بھی کہا:

"محمد بن عمر بن واقد أبو عبد الله الأسلمي الواقدي قاضي بغداد. قال أحمد بن حنبل: هو كذاب"[2]

"محمد بن عمر بن واقد ابوعبداللہ الاسلمی الواقدی قاضی بغداد، امام احمد بن حنبل نے کہا کہ یہ بہت بڑا جھوٹا ہے۔"

واقدی نے اسے ابن ابی سبرہ سے نقل کیا ہے اور یہ بھی کذاب ہے۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں محدثین کے اقوال کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے کہا:

"رموه بالوضع"[3] "محدثین نے اس پر حدیث گھڑنے کا الزام لگایا ہے۔"

بلکہ خود ابن الجوزی نے بھی کہا:

"عبد الله بن عبد الله بن محمد بن أبي سبرة بن أبي رهم أبو بكر. قال أحمد: كان يضع الحديث ويكذب"[4]

"عبداللہ بن عبداللہ بن محمد بن ابی سبرہ ابن ابی رہم ابوبکر، امام احمد نے کہا: یہ حدیث گھڑتا اور جھوٹ بولتا تھا۔"

ابن الجوزی نے یزید کی مذمت میں اس کا بھی خیال نہیں کیا کہ اس جھوٹی روایت سے یزید کی نہیں، بلکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت ہوتی ہے اور عجیب بات تو یہ ہے کہ ابن الجوزی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت میں جھوٹی اور من گھڑت روایت پیش کر رہے ہیں اور امام عبدالمغیث رحمہ اللہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ایک صحیح حدیث پیش کی تو ابن الجوزی نے بلاوجہ اسے جھوٹی اور من گھڑت قرار دے دیا، جیسا کہ ماقبل میں تفصیل پیش کی گئی ہے۔

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۳۱۵۔ ۳۱۶) دیکھیں۔

[2] الضعفاء والمتروكين لابن الجوزي (۳/ ۸۷)

[3] تقريب التهذيب، رقم (۷۹۷۳)

[4] الضعفاء والمتروكين لابن الجوزي (۲/ ۱۳۱)

دوسرا حوالہ:

ابن الجوزی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۹۷) نے کہا:

”قال ابن أبي الدنيا: وثنا عبد الرحمن بن صالح العتكي، قال: ثنا مهدي بن ميمون، عن حرام بن عثمان الأنصاري، عن سعيد بن ثابت، عن مرداس، عن أبيه، عن سعيد بن معاذ وعمرو بن سهل؛ أنهما حضرا عبيد الله بن زياد يضرب بقضيبه أنف الحسين وعينيه، ويطعن به في فيه، فقال له زيد بن أرقم: اِرفع قضيبك، إني رأيتُ رسول الله ﷺ واضعاً شفتيه علىٰ موضع قضيبك. فقال له: إنك شيخ قد خرفتَ وذهبَ عقلك“[1]

”سعید بن معاذ اور عمرو بن سہل بیان کرتے ہیں کہ یہ دونوں عبیداللہ بن زیاد کے پاس حاضر تھے، جب یہ حسین رضی اللہ عنہ کی ناک اور ان کی آنکھوں پر لکڑی سے مار رہا تھا اور منہ کرید رہا تھا تو زید بن ارقم نے کہا: اپنی لکڑی ہٹا لو، میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو اس جگہ پر اپنے ہونٹ رکھتے ہوئے دیکھا ہے، جہاں پر تم چھڑی رکھ رہے ہو تو عبیداللہ بن زیاد نے ان سے کہا: تو بڈھا ہو کر سٹھیا گیا ہے اور تیری عقل زائل ہوچکی ہے۔“

یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے، اس کے اندر ایک ”حرام“ راوی موجود ہے، جس کے متعلق امام شافعی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۰۴) نے کہا:

”الرواية عن حرام حرام“[2] **”حرام (بن عثمان) سے روایت کرنا حرام ہے۔“**

امام ابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۵۴ھ) نے کہا:

”كان غاليا في التشيع منكر الحديث“[3] **”یہ غالی قسم کا شیعہ اور منکر الحدیث تھا۔“**

بلکہ خود ابن الجوزی نے اس کی ایک روایت سے متعلق کہا:

”هذا حديث لا يصح والمتهم به حرام“[4]

---

[1] الرد علىٰ المتعصب العنيد (ص: ٤٠)

[2] تاريخ بغداد، مطبعة السعادة (٨/ ٢٧٨) و إسناده صحيح.

[3] المجروحين لابن حبان (١/ ٢٦٩)

[4] العلل المتناهية (٢/ ٧١٧)

''یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور اسے گھڑنے میں حرام بن عثمان متہم ہے۔''

ابن الجوزی پر حیرت ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب "العلل المتناهية'' میں خود ہی حرام کو حدیث گھڑنے والا بتایا، لیکن یزید کی مذمت میں تالیف کردہ کتاب میں یہی ابن الجوزی اسی متہم اور حدیث گھڑنے والے سے روایت بھی نقل کر رہے ہیں۔ فيا للعجب.

واضح رہے کہ صحیح روایات کی رو سے صرف یہ ثابت ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سر عبیداللہ بن زیاد کے پاس لایا گیا، اس نے آپ کا چہرہ دیکھا تو ایک لکڑی، جس سے وہ زمین کرید رہا تھا، اسی سے آپ کے چہرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ کی خوبصورتی کی تعریف کی۔[1]

تیسرا حوالہ:

ایک اور روایت دیکھیں جس کا من گھڑت ہونا سورج کی طرح عیاں ہے، لیکن ابن الجوزی نے اسے اپنی کتاب میں نقل کر دیا، چناں چہ ابن الجوزی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۹۷) نے کہا:

"أنبأ علي بن عبيد الله الزاغوني، قال: (أنبأ محمد بن أحمد الكاتب)، قال: أنبأ عبد الله بن أبي سعد الوراق، قال: ثنا محمد بن حميد، قال: ثنا محمد بن يحيىٰ الأحمري، قال: ثنا ليث، عن مجاهد، قال: جيء برأس الحسين بن علي، فوضع بين يدي يزيد بن معاوية فتمثل بهذين البيتين:... ليت أشياخی ببدر شهدوا... جزع الخزرج من وقع الأسل ...فأهلّوا واستهلوا فرحاً ... ثم قالوا لي بغيب (وفي نسخة هنيئا) لا تُشل"[2]

''مجاہد کہتے ہیں کہ جب حسین رضی اللہ عنہ کا سر لایا گیا اور یزید کے پاس رکھا گیا تو یزید نے بطور مثال یہ شعر پڑھا: کاش بدر میں ہلاک ہونے والے میرے بزرگان، نیزوں کی مار سے خزرج کی آہ و بکا دیکھتے اور خوشی سے چلا اُٹھتے اور مجھے مبارکباد دیتے اور کہتے تم سلامت رہو....''

غور کریں! اس روایت میں تو یزید کو کافر ثابت کیا گیا اور یہ کہا گیا ہے کہ اس نے واقعہ کربلا

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۳۷۴۔۳۹۶) دیکھیں۔

[2] الرد علىٰ المتعصب العنيد (ص: ٥٩)

میں اپنے ان رشتے داروں کے قتل کا بدلہ لیا، جو جنگ بدر میں قتل ہوئے تھے۔ اس روایت میں اتنی بھونڈی اور لایعنی بات ہونے کے باوجود بھی ابن الجوزی نے یہ نہیں سوچا کہ سند میں کذاب اور مجاہیل ہیں۔ چناں چہ اس کی سند میں محمد بن حمید رازی مشہور کذاب اور شیعہ ہے۔اس کے بارے میں تفصیل گزر چکی ہے۔[1] بلکہ خود ابن الجوزی نے بھی اس کذاب کے بارے میں دوسری جگہ لکھا ہے:

"محمد بن حميد بن حيان أبو عبد الله الرازي يروي عن ابن المبارك، كذبه أبو زرعة وابن وارة، وقال النسائي: ليس بثقة وقال ابن حبان: يتفرد عن الثقات بالمقلوبات، وقال صالح بن محمد الأسدي: ما رأيت أحذق بالكذب منه"[2]

"محمد بن حمید بن حیان ابوعبداللہ الرازی، یہ ابن المبارک سے روایت کرتا ہے۔ ابو زرعہ اور ابن وارہ (محمد بن مسلم بن وارہ) نے اسے کذاب کہا ہے اور نسائی نے کہا: یہ ثقہ نہیں ہے اور ابن حبان نے کہا: یہ ثقات سے الٹ پلٹ باتیں نقل کرتا ہے اور صالح بن محمد الاسدی نے کہا: میں نے اس سے بڑا کذاب اور جھوٹا دیکھا ہی نہیں۔"

قارئین کرام! غور کریں کہ جن رواۃ کے کذاب اور جھوٹے ہونے کی بات خود ابن الجوزی نقل کرتے ہیں، یزید کی مذمت میں انھیں کذابین کی روایات ابن الجوزی کی نظر میں قابلِ قبول ہو جاتی ہیں۔ ابن الجوزی کی اسی پالیسی کی طرف امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"والله عقيدته في السنة أحسن من عقيدتك، فإنك يوما أشعري، ويوما حنبلي، وتصانيفك تنبئ بذلك، فما رأينا الحنابلة راضين بعقيدتك ولا الشافعية، وقد رأيناك أخرجت عدة أحاديث في الموضوعات، ثم في مواضع أخر تحتج بها وتحسنها"[3]

"اللہ کی قسم! سنت کے معاملے میں ابو سعد کا عقیدہ تیرے عقیدے سے بہتر ہے، کیوں کہ تو کسی دن اشعری بن جاتا ہے اور کسی دن حنبلی۔ تیری تصانیف اسی بات پر غماز

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۴۰۶) دیکھیں۔

[2] الضعفاء والمتروكين لابن الجوزي (٣/ ٥٤)

[3] تاريخ الإسلام (١١/ ٩٩٣)

ہیں۔ ہم نے حنابلہ کو تیرے عقائد پر راضی نہیں دیکھا اور نہ شوافع کو اور ہم نے یہ بھی دیکھا کہ تو نے کئی احادیث کو موضوعات میں نقل کیا، پھر دیگر مواقع پر تو انھیں احادیث سے حجت پکڑتا اور انھیں حسن قرار دیتا ہے!!‘‘

الغرض صرف ان تین مثالوں سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ابن الجوزی نے یزید کی مذمت میں لکھی گئی اپنی اس کتاب میں کتنی ناانصافی کی ہے اور کس قدر جھوٹی باتیں نقل کی ہیں۔ اگر اس طرح کی جھوٹی باتوں پر یقین کیا جانے لگے تو بعض برائیاں جو ابن الجوزی یزید کے اندر دکھانا چاہتے ہیں، عین وہی برائیاں خود ابن الجوزی کے اندر بھی ماننی پڑے گی۔ چناں چہ ابن الجوزی نے اپنی اس کتاب میں یزید پر نماز چھوڑنے کا الزام لگایا ہے اور ایسا ہی ایک الزام ابن الجوزی کے نواسے نے خود ابن الجوزی پر لگایا ہے، چناں چہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے ”مرآۃ الزمان“ سے ابن الجوزی کے نواسے کا بیان نقل کرتے ہوئے کہا:

”قال سبطه أبو المظفر: سمعت جدي علىٰ المنبر يقول: بأصبعي هاتين كتبت ألفي مجلدة، وتاب علىٰ يدي مائة ألف، وأسلم علىٰ يدي عشرون ألفا، وكان يختم في الأسبوع، ولا يخرج من بيته إلا إلىٰ الجمعة أو المجلس .قلت: فما فعلت صلاة الجماعة؟“[1]

’’ابن الجوزی کے نواسے ابو المظفر نے کہا: میں نے اپنے نانا (ابن الجوزی) کو منبر پر کہتے ہوئے سنا: میں نے اپنی اس انگلی سے دو ہزار کتابیں لکھی ہیں اور میرے ہاتھ پر ایک ہزار لوگوں نے توبہ کی ہے اور میرے ہاتھ پر بیس ہزار لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ آپ ہر ہفتے میں قرآن ختم کرتے تھے اور اپنے گھر سے صرف جمعہ کے دن ہی نکلتے تھے یا مجلس کے لیے نکلتے تھے۔ میں (امام ذہبی) کہتا ہوں: پھر باجماعت نمازیں کیا ہوئیں؟‘‘

اب اگر ابن الجوزی کے اس نواسے کا بیان مان لیا جائے تو کیا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ابن الجوزی پنج وقتہ نماز باجماعت کے تارک تھے؟ اگر یہ گھر سے نہیں نکلتے تھے تو فرض نمازیں جو مسجد میں جماعت کے ساتھ فرض ہیں، ان کا کیا بنا؟ جیسا کہ امام ذہبی نے سوال اٹھایا ہے تو کیا یہ تسلیم کرلیا

[1] سير أعلام النبلاء للذهبي (٢١/ ٣٧٠) مرآة الزمان (٨/ ٤٨٢)

جائے کہ ابن الجوزی پنج وقتہ نماز باجماعت کے تارک تھے؟ ہم تو کہتے ہیں کہ یہ اسی طرح جھوٹا الزام ہے، جس طرح یزید پر جھوٹا الزام لگایا گیا ہے اور تعجب ہے کہ ابن الجوزی نے یزید دشمنی میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل کا بھی انکار کر دیا اور ان کی فضیلت میں وارد ایک صحیح حدیث کو بلا وجہ موضوع کہہ ڈالا اور دوسری طرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت میں ملنے والی جھوٹی روایات کی تصدیق کر دی، بلکہ ایک جگہ یہاں تک لکھ دیا:

"وكان معاوية يقول: لولا هواي في يزيد لأبصرتُ رشدي"[1]

"معاویہ کہا کرتے تھے کہ اگر یزید کے بارے میں میری خواہش نہ ہوتی تو میں رشد وہدایت کو دیکھ لیتا۔"

گویا ابن الجوزی کی نظر میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نعوذ باللہ بیٹے کی محبت میں گرفتار ہو کر رشد و ہدایت سے محروم ہو چکے تھے۔ دراصل ابن الجوزی کی نظر میں یزید برا ہے، اس لیے موصوف نہ صرف یزید کو مطعون کر رہے ہیں، بلکہ یزید کے ساتھ ساتھ ان کے والد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کر رہے ہیں، ان کی فضیلت کا انکار کر رہے ہیں اور ان کی مذمت میں آنے والی جھوٹی روایت کو بھی قبول کر رہے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر بالفرض یزید برا بھی ہے تو کیا اس کی وجہ سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ناانصافی کی جائے گی؟ کیا ان کے ثابت شدہ فضائل کا بھی انکار کر دیا جائے گا؟ ان کی مذمت میں ملنے والی ہر روایت کو آنکھ بند کر کے قبول کر لیا جائے گا اور یہ سب اس وجہ سے کیوں کہ یہ یزید کے والد ہیں؟

اگر یہی سوچ ہے کہ ایک شخص کے برے ہونے کی وجہ سے اس کی نسل کے لوگوں کو بھی مطعون کیا جائے تو ابن الجوزی کو چاہیے تھا کہ وہ خلیفہ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر بھی طعن کرتے، کیوں کہ ان کے بیٹے محمد بن ابی بکر نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں حصہ لیا تھا۔[2] بلکہ خود ابن الجوزی کو بھی مطعون کرنا چاہیے، کیوں کہ موصوف کا نسب اسی محمد بن ابی بکر سے ملتا ہے، جس نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں حصہ لیا تھا۔[3]

اگر کسی شخص کے برا ہونے سے اس سے اوپر کی نسل بھی بری ہو جاتی ہے تو پھر اس کی نچلی

[1] الرد علىٰ المتعصب العنيد (ص: ٤٦)

[2] تاريخ خليفه بن خياط (ص: ١٧٤) و إسناده صحيح.

[3] سير أعلام النبلاء للذهبي (٢١/ ٣٦٥)

نسل کو کیوں معاف کر دیا جائے؟ خلاصہ کلام یہ کہ ابن الجوزی نے یزید کی مذمت میں، اسی طرح ان کے والد اور عظیم صحابی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت میں جو کچھ بھی کہا ہے، ان سب کی بنیاد موضوع اور من گھڑت روایات ہیں، جن میں سے کچھ بھی ثابت نہیں۔

واضح رہے کہ ابن الجوزی نے یزید پر یہ بھی تہمت لگائی ہے کہ اس نے حسین رضی اللہ عنہ کا قتل کر کے جنگ بدر میں قتل ہونے والے اپنے کافر رشتہ داروں کا بدلہ لیا ہے، جب کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی پیش کردہ تفصیل کی روشنی میں یزید سے متعلق ابن الجوزی کا یہ موقف اہلِ سنت و الجماعت کا موقف نہیں ہے، بلکہ اہلِ سنت والجماعت سے خارج گمراہ رافضیوں کا موقف ہے۔[1]

لہٰذا جو لوگ ابن الجوزی کے موقف کو اہلِ سنت کا موقف بتلاتے ہیں، وہ خوفناک غلطی کے شکار ہیں۔ اس کے برعکس امام عبدالمغیث رحمہ اللہ نے یزید سے متعلق جو موقف پیش کیا ہے، وہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی پیش کردہ تفصیل کی روشنی میں اہلِ علم، اہلِ عقل اور اہلِ سنت والجماعت ہی کے ایک گروہ کا موقف ہے۔[2]

② شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۸):

یزید کی مذمت میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی بھی بعض عبارات بڑے زور شور سے پیش کی جاتی ہیں، حالاں کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یزید کی فضیلت بھی بیان کی اور ان کا دفاع بھی کیا، لیکن ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ان باتوں کو دیوار پر مار دیا جاتا ہے۔ جب کہ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جو بات با دلیل ہو، اسے لیا جائے اور جو بات بے دلیل ہو، اسے رد کر دیا جائے اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یزید کی جو فضیلت بیان کی ہے اور یزید کا جو دفاع کیا ہے وہ مدلل ہے، لہٰذا اسے ہی قبول کرنا چاہیے۔ ذیل میں ہم اس سلسلے میں کچھ عبارتیں پیش کرتے ہیں:

یزید کی فضیلت:

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸ھ) نے کہا:

”ولھٰذا كان الصحابة رضی اللہ عنہم يغزون مع يزيد وغيره، فإنه غزا القسطنطينية

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۸۰۸۔ ۸۰۹) دیکھیں۔

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۸۱۱۔۸۱۲) دیکھیں۔

في حياة أبيه معاوية رضي الله عنه وكان معهم في الجيش أبو أيوب الأنصاري رضي الله عنه وذلك الجيش أول جيش غزا القسطنطينية. وفي صحيح البخاري عن ابن عمر رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: أول جيش يغزو القسطنطينية مغفور لهم"[1]

''اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یزید وغیرہ کے ساتھ جہاد کرتے تھے۔ چناں چہ یزید نے اپنے والد معاویہ کی زندگی میں قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور اس کے ساتھ لشکر میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے اور یہ پہلا لشکر تھا، جس نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور صحیح بخاری میں ابن عمر (صحیح اُم حرام رضی اللہ عنہا) سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کا پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا، وہ سب کے سب مغفور (بخشے ہوئے) ہوں گے۔''

یزید کا دفاع:

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۸) نے کہا:

"إن القول في لعنة يزيد كالقول في لعنة أمثاله من الملوك و الخلفاء وغيرهم، ويزيد خير من غيره، خير من المختار بن أبي عبيد الثقفى أمير العراق، الذي أظهر الانتقام من قتلة الحسين؛ فإن هذا ادعى أن جبريل يأتيه، وخير من الحجاج بن يوسف؛ فإنه أظلم من يزيد باتفاق الناس"[2]

''یزید پر لعنت کا مسئلہ اسی طرح ہے، جیسے دیگر خلفا و بادشاہوں پر لعنت کی طرح ہے اور یزید دیگر بادشاہوں سے بہتر ہی ہے۔ یہ امیرِ عراق مختار بن ابو عبید ثقفی سے بہتر ہے، جس نے قاتلینِ حسین سے انتقام کا نعرہ بلند کیا تھا، کیوں کہ اس ثقفی نے یہ دعوی کرلیا کہ اس کے پاس جبرئیل آتے ہیں، اسی طرح یزید، حجاج بن یوسف سے بھی بہتر ہے، کیوں کہ حجاج بن یوسف، یزید سے بڑھ کر ظالم ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔''

واضح رہے کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یزید کو ظالم تسلیم نہیں کیا، بلکہ الزامی جواب دیا ہے، یعنی اگر یزید کی طرف منسوب ظلم کی باتیں تسلیم کرلی جائیں؛ تب بھی یہ حجاج بن یوسف سے بڑا ظالم نہیں ہے۔ نیز امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۸) نے کہا:

---

[1] منهاج السنة النبوية (٤/ ٥٤٤)

[2] منهاج السنة النبوية (٤/ ٥٦٧)

"لكن لم يقتل جميع الأشراف، ولا بلغ عدد القتلىٰ عشرة آلاف، ولا وصلت الدماء إلىٰ قبر النبيﷺ ولا إلىٰ الروضة ولا كان القتل في المسجد، وأما الكعبة فإن الله شرفها وعظمها وجعلها محرمة فلم يمكن الله أحدا من إهانتها لا قبل الإسلام ولا بعده، بل لما قصدها أهل الفيل عاقبهم الله العقوبة المشهورة، كما قال تعالى: ﴿**اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ**﴾ [الفيل:١ـ ٥]"[1]

''یزید بن معاویہ رحمہ اللہ نے نہ تو تمام اشراف کو قتل کیا نہ مقتولین کی تعداد ہزاروں تک پہنچی اور نہ قبر نبوی یا روضۂ اطہر کے پاس خونریزی ہوئی اور نہ مسجد نبوی میں کسی کو قتل کیا گیا، جہاں تک خانہ کعبہ کی بات ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے شروع ہی سے عزت وشرف بخشا ہے اور اسے حرمت کی جگہ قرار دیا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کسی کو یہ قدرت نہیں دی کہ وہ اس کی اہانت کرے، نہ تو اسلام سے پہلے اور نہ اسلام کے بعد ہی، بلکہ ہاتھی والوں نے جب اس کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسا عقاب نازل کیا جو ہر چہار جانب مشہور ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا تو نے نہ دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا ان کے مکر کو بے کار نہیں کر دیا؟ اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیے۔ جو انھیں مٹی اور پتھر کی کنکریاں مار رہے تھے۔ پس انھیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔''

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۸) نے آگے کہا:

"وأما ملوك المسلمين من بني أمية وبني العباس ونوابهم فلا ريب أن أحدا منهم لم يقصد إهانة الكعبة لا نائب يزيد ولا نائب عبد الملك الحجاج بن يوسف ولا غيرهما، بل كل المسلمين كانوا معظمين للكعبة، وإنما كان مقصودهم حصار ابن الزبير، والضرب بالمنجنيق

[1] منهاج السنة النبوية (٤/ ٥٧٦)

كان له لا للكعبة، ويزيد لم يهدم الكعبة ولم يقصد إحراقها لا هو ولا نوابه باتفاق المسلمين"[1]

''جہاں تک مسلم بادشاہوں بنو اُمیہ، بنو عباس اور ان کے نائبین کی بات ہے تو بلاشبہ ان میں سے کسی ایک نے بھی خانہ کعبہ کی اہانت کبھی نہ کی، نہ تو یزید کے نائب نے نہ عبدالملک کے نائب الحجاج بن یوسف نے اور نہ ان کے علاوہ کسی نے، بلکہ مسلمان تو ہمیشہ سے کعبہ کی تعظیم ہی کرتے آئے ہیں، ان میں سے بعض کا مقصود صرف یہ تھا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو گرفتار کیا جائے اور منجنیق[2] کا استعمال عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہی کی خاطر ہوا تھا نہ کہ خانہ کعبہ کی خاطر اور یزید نے ہرگز بیت اللہ کو منہدم (شہید) نہیں کیا اور نہ اسے جلانے کا ارادہ کیا، یقیناً نہ تو ایسا اقدام یزید نے کیا اور نہ اس کے نائبین نے کیا، اس بات پر تمام مسلمانوں کا اتفاق واجماع ہے۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے آخری جملے پر غور کریں! وہ اس بات پر اجماع نقل کر رہے ہیں کہ یزید نے نہ صرف یہ کہ خانہ کعبہ کو شہید نہیں کیا، بلکہ اس کا ارادہ تک نہ کیا۔ اب جو لوگ اس کے خلاف دعوی کریں، ان کی ذمے داری ہے کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے دور میں یا اس سے قبل اس بارے میں اختلاف ثابت کریں کہ یزید نے خانہ کعبہ کو جلایا یا نہیں؟ اگر یہ اختلاف ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے تو ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی یہ بات درست ہوگی کہ اس سلسلے میں یزید کی براءت پر اجماع ہے اور اجماعِ امت کبھی غلط نہیں ہوسکتا۔

نیز ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸ھ) نے کہا:

"ولا كان من المشهورين بالدين والصلاح وكان من شبان المسلمين؛ ولا كان كافرا ولا زنديقا؛ وتولىٰ بعد أبيه علىٰ كراهة من بعض المسلمين ورضا من بعضهم، وكان فيه شجاعة وكرم، ولم يكن مظهرا للفواحش، كما يحكي عنه خصومه، وجرت في إمارته أمور عظيمة: أحدها مقتل الحسين رضي الله عنه وهو لم يأمر بقتل الحسين ولا أظهر الفرح بقتله ؛ ولا نكت

[1] منهاج السنة النبوية (٤/ ٥٧٧) [2] دیکھیے اسی کتاب کا صفحہ (۴۹۸) حاشیہ (۱)

بالقضيب علىٰ ثناياه رضی اللہ عنہ ولا حمل رأس الحسين رضی اللہ عنہ إلىٰ الشام"[1]

''یزید دین داری اور نیکی میں مشہور نہیں تھا، بلکہ یہ عام مسلم نوجوانوں میں سے تھا۔ یہ کافر تھا نہ زندیق تھا، اپنے والد کے بعد اس نے حکومت سنبھالی بعض مسلمانوں کی کراہت اور بعض کی رضا مندی کے ساتھ۔ اس کے اندر بہادری اور کرم کی صفات تھیں۔ یہ فواحش کا اظہار کرنے والا نہیں تھا، جیسا کہ اس کے مخالفین بیان کرتے ہیں، اس کی حکومت میں بڑے بڑے حادثے ہوئے، ایک حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت، لیکن اس نے حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا اور نہ اس پر خوشی کا اظہار کیا اور نہ حسین رضی اللہ عنہ کے دانتوں پر چھڑی ماری اور نہ حسین رضی اللہ عنہ کا سر شام میں لایا گیا۔''

یاد رہے کہ یہاں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جو کہا ہے کہ یزید دینداری اور نیکی میں مشہور نہیں تھا، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ دیندار یا نیک تھا ہی نہیں۔ کسی چیز کی عدمِ شہرت عدمِ وجود پر دلالت نہیں کرتی۔ نیز یہ بات بھی ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی معلومات کی بنیاد پر کہی ہے، لیکن دلائل اس کے خلاف ہیں، صحابہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی گواہی نقل کی جا چکی ہے کہ انھوں نے یزید کو نیک کہا ہے، اسی طرح محمد بن حنفیہ کی شہادت بھی اس بابت ذکر ہو چکی ہے اور یزید کی ایک بہت بڑی نیکی غزوہ قسطنطنیہ کا اعتراف تو خود ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی کیا ہے اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جو یہ کہا ہے کہ یزید نے بعض مسلمانوں کی رضامندی اور بعض کی کراہت سے حکومت سنبھالی تو کراہت سے مراد یزید کی شخصیت سے کراہت نہیں ہے، بلکہ باپ کے بعد بیٹے کو خلیفہ بنائے جانے کے فیصلہ سے کراہت مراد ہے اور یہ فیصلے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر اجلہ صحابہ کرام ہی کا تھا۔[2]

نیز امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸ھ) نے کہا:

"ولما قدم أهلهم رضی اللہ عنہم علىٰ يزيد بن معاوية أكرمهم وسيرهم إلىٰ المدينة"[3]

''جب حسین رضی اللہ عنہ کے گھرانے والے یزید بن معاویہ کے پاس آئے تو یزید نے ان کا اکرام کیا اور انھیں مدینہ پہنچا دیا۔''

---

[1] مجموع الفتاوی (۳/ ۴۱۱)

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۳۰۳۔۳۰۱) دیکھیں۔

[3] مجموع الفتاوی (۳/ ۴۱۱) نیز اسی کتاب کا صفحہ (۷۳۰۔۷۳۱) دیکھیں۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک یزید سے متعلق معتدل قول:

یزید سے متعلق ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لوگوں کا جو موقف پیش کیا ہے، افسوس ہے کہ بعض لوگ اس کی غلط ترجمانی کرتے اور خود ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرف ایسا موقف منسوب کرتے ہیں، جو فی الحقیقت ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا موقف ہے ہی نہیں۔ ذیل میں ہم ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا اصل موقف پیش کرتے ہیں۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یزید سے متعلق لوگوں کا جو موقف نقل کیا ہے، سب سے پہلے اس کا خلاصہ ملاحظہ ہو۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یزید سے متعلق تمام لوگوں کے تین موقف بتائے ہیں:

① یزید کافر تھا، منافق بن کر مسلمانوں کے ساتھ تھا۔ (روافض)

② یزید صحابی اور ولایت بلکہ نبوت کے درجے پر فائز تھا۔ (اکراد)

③ یزید صحابی تھا نہ نبی، بلکہ ایک مسلمان شخص تھا۔ (اہلِ سنت والجماعت)

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے پہلے اور دوسرے موقف والوں (روافض اور اکراد) کو گمراہ اور اہلِ سنت و الجماعت سے خارج قرار دیا ہے اور تیسرے موقف کو اہلِ علم، اہلِ عقل اور اہلِ سنت و الجماعت کا موقف بتلایا ہے۔ پھر یزید سے متعلق اہلِ سنت کے بھی تین گروہ ذکر کیے ہیں:

اہلِ علم و اہلِ عقل اور اہلِ سنت والجماعت کا پہلا گروہ:

یزید ملعون ہے، محبت کے لائق نہیں۔ اس کی وجہ سے حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی اور واقعہ حرہ میں اس نے اہلِ مدینہ پر مظالم ڈھائے۔

اہلِ علم و اہلِ عقل اور اہلِ سنت والجماعت کا دوسرا گروہ:

یزید مغفور ہے، ہماری محبتوں کا مستحق ہے۔ قتلِ حسین میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں۔ واقعہ حرہ میں اصل خطا کار اہلِ مدینہ ہی تھے۔ یزید کی کارروائی کو زیادہ سے زیادہ اجتہادی خطا کہا جا سکتا ہے۔ اس کے اندر کئی نیکیاں اور اچھی و قابلِ تعریف صفات تھیں، بلکہ غزوہ قسطنطنیہ تو اس کی عظیم الشان نیکی ہے۔

اہلِ علم و اہلِ عقل اور اہلِ سنت والجماعت کا تیسرا گروہ:

یزید کے اندر نیکیاں اور برائیاں دونوں تھیں، اس نے قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کر کے عظیم الشان نیکی انجام دی، لیکن اہلِ مدینہ پر لشکر کشی کر کے سخت غلطی کی۔ تاہم یزید کو برا بھلا کہیں گے نہ اس

سے علی الاطلاق محبت کریں گے اور محبت نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے جو ظلم ہوئے، اسے پسند نہیں کریں گے، بلکہ براءت کا اظہار کریں گے۔ البتہ اس کی دیگر نیکیوں اور اعمالِ صالحہ کی ستایش کریں گے اور اس پہلو سے وہ ہماری محبتوں کا مستحق بھی ہے، تاہم اولیاء اللہ جیسی محبت اس سے نہیں کی جائے گی۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس آخری موقف کو معتدل قرار دیا ہے۔ اب ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے الفاظ دیکھتے ہیں:

"افترق الناس في يزيد بن معاوية بن أبي سفيان ثلاث فرق: طرفان ووسط .فأحد الطرفين قالوا: إنه كان كافرا منافقا، وأنه سعىٰ في قتل سبط رسول الله تشفيا من رسول اللهﷺ وانتقاما منه وأخذا بثأر جده عتبة وأخي جده شيبة وخاله الوليد بن عتبة وغيرهم ممن قتلهم أصحاب النبيﷺ بيد علي بن أبي طالب وغيره يوم بدر وغيرها ؛ وقالوا: تلك أحقاد بدرية وآثار جاهلية وأنشدوا عنه: ... لما بدت تلك الحمول وأشرفت تلك الرءوس علىٰ ربى جيرون... نعق الغراب فقلت: نح أو لا تنح فلقد قضيت من النبي ديوني، وقالوا: إنه تمثل بشعر ابن الزبعري الذي أنشده يوم أحد: ليت أشياخي ببدر شهدوا جزع الخزرج من وقع الأسل قد قتلنا الكثير من أشياخهم وعدلناه ببدر فاعتدل وأشياء من هذا النمط . وهذا القول سهل علىٰ الرافضة الذين يكفرون أبا بكر وعمر وعثمان ؛ فتكفير يزيد أسهل بكثير .

"والطرف الثاني يظنون أنه كان رجلا صالحا وإمام عدل، وأنه كان من الصحابة الذين ولدوا علىٰ عهد النبيﷺ وحمله علىٰ يديه، وبرك عليه، وربما فضله بعضهم علىٰ أبي بكر و عمر، وربما جعله بعضهم نبيا ويقولون عن "الشيخ عدي" أو حسن المقتول ـكذبا عليهـ إن سبعين وليا صرفت وجوههم عن القبلة لتوقفهم في يزيد . وهذا قول غالية العدوية و الأكراد ونحوهم من الضلال . فإن الشيخ عديا كان من

بني أمية، وكان رجلا صالحا عابدا فاضلا، ولم يحفظ عنه أنه دعاهم إلا إلىٰ السنة التى يقولها غيره كالشيخ أبي الفرج المقدسى فإن عقيدته موافقة لعقيدته ؛ لكن زادوا في السنة أشياء كذب وضلال من الأحاديث الموضوعة والتشبيه الباطل والغلو في الشيخ عدى وفى يزيد والغلو في ذم الرافضة بأنه لا تقبل لهم توبة وأشياء أخر . وكلا القولين ظاهر البطلان عند من له أدنىٰ عقل وعلم بالأمور وسير المتقدمين، ولهٰذا لا ينسب إلىٰ أحد من أهل العلم المعروفين بالسنة ولا إلى ذي عقل من العقلاء الذين لهم رأى وخبرة‘‘ [1]

’’یزید بن معاویہ کے سلسلے میں لوگوں کی تین جماعتیں ہیں۔ دو افراط وتفریط کی شکار ہیں اور ایک راہِ اعتدال پر ہے۔تفریط کی شکار جماعت کا موقف یہ ہے کہ یزید کافر اور منافق تھا، اس نے حسین رضی اللہ عنہ کا قتل کیا، تاکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بدلہ لے سکے اور اپنے رشتے دار عتبہ، شیبہ اور خالد وغیرہ، جو علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کے ہاتھوں جنگِ بدر وغیرہ میں قتل کیے گئے تھے، ان کے خون کا قصاص لے سکے۔ان لوگوں نے کہا کہ اس کے اندر بدر کا کینہ اور جاہلی آثار تھے، ان لوگوں نے یزید کی طرف یہ اشعار بھی منسوب کیے: جب یہ قیدی اور مقتولین نمودار ہوئے اور قریب آئے، یہ سر جب جیرون(باب دمشق) کی بلندی پر پہنچے، کوّے نے آواز لگائی تو میں نے کہا: تو نوحہ کر یا مت کر، میں نے نبی سے اپنا قرض وصول لیا ہے، (ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں) ان لوگوں نے یہ بھی کہا کہ یزید نے ان اشعار کو بطور مثال پڑھا جن اشعار کو ابن الزبعری نے اُحد کے موقع پر پڑھا تھا اور وہ اشعار یہ ہیں: کاش بدر میں قتل ہونے والے میرے آبا و اجداد دیکھتے، نیزوں کی مار پر خزرج کی آہ و بکا کو، ہم نے ان کے بڑے بڑے لوگوں میں سے بھی کئی کو قتل کر ڈالا اور جنگِ بدر میں قتل ہونے والوں کا بدلہ لے لیا ہے اور اب معاملہ برابر ہوگیا۔ (ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں) اور اس جیسی دیگر خرافات منسوب کی گئیں۔ یہ قول ان رافضہ کے لیے کوئی بہت بڑی بات نہیں ہے جو ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی

[1] مجموع الفتاوى (٤/ ٤٨٢)

تکفیر کرتے ہیں، ایسے میں یزید کی تکفیر کرنا تو ان کے لیے معمولی چیز ہے۔

”افراط کی شکار جماعت کا موقف یہ ہے کہ یزید بزرگ شخص اور عادل امام تھا۔ یہ ان صحابہ میں سے تھا، جن کی پیدایش اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں ہوئی، اللہ کے نبی ﷺ نے اسے اپنے ہاتھوں میں اٹھایا اور اس کے لیے برکت کی دعا کی، بلکہ بعض نے اسے ابوبکر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے بھی افضل بتایا، حتی کہ بعض نے اسے نبی بھی بنا دیا۔ یہ لوگ شیخ عدی اور حسن مقتول سے یہ جھوٹا قول نقل کرتے ہیں کہ ستر اولیا کے چہرے ان کی قبر میں قبلے سے پھیر دیے گئے، کیوں کہ وہ یزید کے بارے میں توقف کرتے تھے۔ یہ غالی عدویہ اور اکراد اور ان جیسے گمراہ لوگوں ہی کا قول ہے، کیوں کہ شیخ عدی بنو اُمیہ میں سے تھے اور یہ نیک، عبادت گزار اور فاضل تھے۔ ان کے بارے میں جو کچھ ملتا ہے، وہ یہی ہے کہ انھوں نے اسی طریقے کی طرف دعوت دی ہے، جو شیخ ابو الفرج مقدسی کا طریقہ تھا، کیوں کہ ان کا عقیدہ ان کے عقیدے کے موافق تھا، لیکن ان کے طریقے میں لوگوں نے موضوع احادیث، باطل تشبیہ، شیخ عدی اور یزید کے سلسلے میں غلو، روافض کے بارے میں اس حد تک غلو کہ اللہ ان کی توبہ قبول نہیں کرے گا اور اس جیسی دیگر چیزوں پر مشتمل جھوٹی اور گمراہ کن باتیں شامل کر دیں۔

”(یزید کے سلسلے میں) ان دونوں موقفوں کا باطل ہونا ہر اس شخص کے لیے ظاہر ہے، جس کے پاس ادنی عقل اور حالات اور متقدمین کی سیرتوں سے کچھ بھی واقفیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں موقفوں میں سے کوئی بھی موقف معروف اہلِ سنت اور سنجیدہ و پختہ اہلِ علم میں سے کسی کی طرف بھی منسوب نہیں ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یزید سے متعلق افراط وتفریط پر مبنی روافض اور اکراد کے دونوں قول ذکر کرنے کے بعد تیسرا موقف ذکر کرتے ہوئے کہا:

”والقول الثالث: أنه كان ملكا من ملوك المسلمين، له حسنات وسيئات، ولم يولد إلا في خلافة عثمان، ولم يكن كافرا؛ ولكن جرى بسببه ما جرى من مصرع الحسين وفعل ما فعل بأهل الحرة، ولم يكن صاحبا

ولا من أولياء الله الصالحين، وهذا قول عامة أهل العقل والعلم والسنة والجماعة"[1]

"یزید کے سلسلے میں تیسرا موقف یہ ہے کہ یہ مسلم بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا، اس کی نیکیاں بھی ہیں اور غلطیاں بھی، اس کی پیدائش عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئی، یہ کافر نہیں تھا، لیکن اس کی وجہ سے حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اور اس نے اہلِ حرہ کے ساتھ کیا جو کیا، یہ صحابی تھا نہ اللہ کے بزرگ اولیا میں سے تھا۔ یہی عام اہلِ عقل وعلم اور اہلِ سنت والجماعت کا موقف ہے۔"

بعض لوگ اس تیسرے قول کو علی الاطلاق ابن تیمیہ کا قول بتلاتے ہیں، حالاں کہ یہ غلط ہے، کیوں کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس تیسرے قول والوں کے بھی تین گروہ ہیں، جن میں ایک یزید سے محبت کرنے والا بھی ہے، یہ نہ تو قتلِ حسین میں یزید کو سبب وار مانتا ہے اور نہ واقعہ حرہ کی وجہ سے یزید کو مطعون کرتا ہے، نیز یزید کی اچھی اور قابلِ تعریف صفات کا بھی معترف ہے اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہاں تینوں گروہوں کے قول کو مجموعی طور پر نقل کیا ہے، جس سے تینوں گروہوں کی باتیں خلط ملط ہوگئی ہیں۔ لیکن اس کے فوراً بعد ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس تیسرے قول کے تینوں گروہوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

"ثم افترقوا ثلاث فرق: فرقة لعنته، وفرقة أحبته، وفرقة لا تسبه، ولا تحبه وهذا هو المنصوص عن الإمام أحمد، وعليه المقتصدون من أصحابه وغيرهم من جميع المسلمين"[2]

"پھر اس تیسرے قول میں بھی تین گروہ ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جو یزید پر لعنت کرتا ہے، دوسرا گروہ وہ ہے جو یزید سے محبت کرتا ہے اور تیسرا گروہ وہ ہے جو یزید کو برا کہتا ہے نہ اس سے محبت کرتا ہے۔ یہ قول امام احمد سے منقول ہے، حنابلہ اور دیگر تمام مسلمانوں میں معتدل لوگ اسی قول پر ہیں۔"

غور فرمائیں! یہاں پر تیسرے قول میں بھی تفصیل کی گئی ہے اور تیسرے قول میں ایک گروہ

---

[1] مجموع الفتاوى (٤/ ٤٨٣)

[2] مجموع الفتاوى (٤/ ٤٨٣)

ایسا بھی ہے، جو یزید سے محبت بھی کرتا ہے۔ نیز یہ گروہ قتلِ حسین میں یزید کو سبب وار نہیں مانتا اور نہ واقعہ حرہ کی وجہ سے یزید کو مطعون کرتا ہے۔ نیز یزید کی اچھی اور قابلِ تعریف صفات کا بھی یہ معترف ہے۔ چناں چہ دوسرے موقع پر ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸ھ) نے یزید سے محبت کرنے والے اس گروہ کے موقف کی مزید تفصیل پیش کرتے ہوئے کہا:

”وأما الذين سوغوا محبته أو أحبوه كالغزالي والدستي فلهم مأخذان: أحدهما: أنه مسلم، وليَ أمر الأمة علىٰ عهد الصحابة، وتابعه بقاياهم، وكانت فيه خصال محمودة، وكان متأولا فيما ينكر عليه من أمر الحرة وغيره، فيقولون: هو مجتهد مخطئ ويقولون: إن أهل الحرة هم نقضوا بيعته أولا، وأنكر ذلك عليهم ابن عمر وغيره، وأما قتل الحسين فلم يأمر به ولم يرض به، بل ظهر منه التألم لقتله، وذم من قتله، ولم يحمل الرأس إليه، وإنما حمل إلىٰ ابن زياد. والمأخذ الثاني: أنه قد ثبت في صحيح البخاري عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال: أول جيش يغزو القسطنطينية مغفور له، وأول جيش غزاها كان أميره يزيد“[1]

یعنی جن لوگوں نے یزید سے محبت کو درست کہا ہے یا یزید سے محبت کی ہے، جیسے امام غزالی اور علامہ دستی وغیرہم تو ان لوگوں نے اپنے موقف پر دو دلیلیں دی ہیں:

پہلی یہ کہ یزید نے صحابہ کے دور میں حکومت سنبھالی اور صحابہ نے اس کی پیروی کی اس کے اندر اچھی صفات تھیں اور حرہ وغیرہ کے جس معاملے کو لے کر یزید کو مطعون کیا جاتا ہے، اس معاملے میں یزید نے اجتہاد کیا تھا اور زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نے اجتہاد میں غلطی کی۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اہلِ مدینہ ہی نے بیعت توڑنے میں پہل کی اور ان کے اس عمل پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً عبداللہ بن عمر وغیرہ نے نکیر کی۔ جہاں تک قتلِ حسین رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے تو یزید نے نہ تو اس قتل کا حکم دیا اور نہ ہی اسے پسند کیا، بلکہ قتلِ حسین رضی اللہ عنہ پر اس کی طرف سے رنج وغم کا اظہار ہوا اور قاتلین کی اس نے مذمت کی ہے۔ نیز حسین رضی اللہ عنہ کا سر اس کے پاس نہیں لایا گیا تھا، بلکہ عبیداللہ بن زیاد کے پاس لایا گیا تھا۔

---

[1] مجموع الفتاوى (٤/ ٤٨٦)

''اس موقف والوں کی دوسری دلیل یہ ہے کہ صحیح بخاری کی حدیث کے مطابق اللہ کے نبی ﷺ نے اس لشکر کو مغفور لهم یعنی بخشا ہوا کہا ہے، جو قسطنطنیہ پر سب سے پہلے حملہ کرے گا اور جس لشکر نے قسطنطنیہ پر سب سے پہلے حملہ کیا؛ یزید اس کا امیر تھا۔''

اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ یزید سے محبت کرنے والے اور اس کا دفاع کرنے والے گروہ کو بھی ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اہلِ عقل و اہلِ علم اور اہلِ سنت والجماعت کہا ہے۔ پھر اُن موخر الذکر تین گروہوں میں سے معتدل گروہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے انھیں کہا ہے، جو نہ یزید کو برا کہتے ہیں اور نہ اس سے محبت کرتے ہیں، لیکن اس معتدل گروہ کے یہاں یزید سے محبت نہ کرنے کا جو مطلب ہے، وہ بھی ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے واضح کر دیا ہے، چناں چہ کہا:

''ولهٰذا كان المقتصدون من أئمة السلف يقولون في يزيد وأمثاله: إنا لا نسبهم **<u>ولا نحبهم أي لا نحب ما صدر منهم من ظلم،</u>** والشخص الواحد يجتمع فيه حسنات وسيئات وطاعات ومعاص وبر وفجور وشر فيثيبه الله علىٰ حسناته ويعاقبه علىٰ سيئاته إن شاء أو يغفر له، ويحب ما فعله من الخير ويبغض ما فعله من الشر''[1]

''ائمہ سلف میں سے معتدل لوگ یزید اور اس جیسے لوگوں کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ ہم انھیں برا کہیں گے **<u>نہ اُن سے محبت کریں گے، یعنی (محبت نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ) ان سے جو مظالم صادر ہوئے ہیں، ان سے محبت نہیں کریں گے۔</u>** ایک شخص کے اندر اچھائیاں اور برائیاں، طاعات اور معاصی، نیکی اور شر دونوں جمع ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے حسنات پر ثواب دے گا اور برائیوں پر اگر چاہے تو سزا دے اور چاہے تو معاف کر دے اور اس کے اعمالِ خیر سے محبت کرتا ہے اور اعمالِ شر کو ناپسند کرتا ہے۔''

یہاں پر ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے معتدل گروہ کے یہاں یزید سے محبت نہ کرنے کا یہ مطلب بتایا ہے کہ یزید سے جو ظلم ہوا، اس سے محبت نہیں کی جائے گی۔ یعنی سرے سے یزید کی شخصیت اور اس کے دیگر اعمالِ صالحہ سے محبت کا انکار نہیں ہے۔ یاد رہے کہ محبت نہ کرنے کے اس مفہوم کو ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس پورے گروہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تیسرا گروہ جو یزید کو

---

[1] مجموع الفتاوى (٤/ ٤٧٥)

برا نہ کہنے کے ساتھ ساتھ اس سے محبت نہ کرنے کی بات کرتا ہے، ان کی مراد یزید کی ذات سے محبت کا انکار نہیں، بلکہ یزید کے مظالم سے محبت کا انکار ہے، لیکن یزید سے محبت میں بھی اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ اس کی محبت کو اولیاء اللہ اور بزرگوں کی محبت کا درجہ نہیں دیا جائے گا، چناں چہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸ھ) نے کہا:

”يزيد عند علماء أئمة المسلمين ملك من الملوك، لا يحبونه محبة الصالحين وأولياء“[1]

”یزید ائمہ مسلمین کے نزدیک بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ ہے، اس سے اولیاء اللہ اور بزرگوں جیسی محبت نہیں کی جائے گی۔“

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا یہ قول جہاں اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کی نظر میں ائمہ مسلمین کے نزدیک یزید سے اولیا اللہ اور بزرگوں جیسی محبت نہیں کی جائے گی، وہیں یہ قول اس بات پر دلیل ہے کہ ائمہ مسلمین یزید سے مطلق محبت کا انکار نہیں کرتے، بلکہ یزید بھی اپنے مقام و مرتبے کے لحاظ مسلمانوں کی محبت کا مستحق ہے۔

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی نظر میں یزید سے متعلق اہلِ سنت و الجماعت کے تینوں گروہوں میں سے وہ گروہ معتدل ہے، جو یزید کے اندر نیکیاں اور برائیاں دونوں مانتا ہے۔ یزید کو برا بھلا نہیں کہتا اور نہ علی الاطلاق اس سے محبت کرتا ہے۔ یعنی محبت نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یزید سے جو مظالم ہوئے ہیں، ان کی ستایش نہیں کرتا اور نہ ان افعال کو محبوب سمجھتا ہے، البتہ یزید کی جو دیگر نیکیاں اور اعمالِ صالحہ ہیں، انھیں محبوب سمجھتا ہے اور اس پہلو سے یزید کو محبت کے قابل بھی سمجھتا ہے، تاہم اس سے اولیاء اللہ جیسی محبت نہیں کرتا، بلکہ یزید جس مقام و مرتبے کا ہے، اسی اعتبار سے اس سے محبت کا قائل ہے۔

واضح رہے کہ اہلِ سنت کے سہ گروہی جماعت کے اس گروہ نے یزید کی طرف بعض مظالم کی نسبت میں تساہل سے کام لیا ہے اور اس سلسلے میں وارد روایات کی چھان بین اور مکمل تحقیق کی ہی نہیں۔ ورنہ اگر یہ تحقیق کرتے تو یزید کی طرف بعض مظالم کی نسبت بھی نہ کرتے اور نتیجتاً یزید سے اس کی حیثیت کے اعتبار سے علی الاطلاق محبت کا موقف اپناتے، جیسا کہ اہلِ سنت کے سہ گروہی

---

[1] مجموع الفتاوى (٣/ ٤١٢)

جماعت ہی کے ایک دوسرے گروہ کی رائے ہے، جو یزید سے اس کے مقام کے اعتبار سے علی الاطلاق محبت کا قائل ہے، کیوں کہ اس کی نظر میں یزید کی طرف منسوب یہ مظالم ثابت ہی نہیں ہیں۔ اس گروہ میں سرفہرست امام غزالی اور علامہ دستی وغیرہم ہیں، جیسا کہ خود ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس گروہ میں ان کے نام پیش کیے ہیں۔ کما مضیٰ.

یاد رہے کہ کچھ لوگ جہالت یا انتہائی مکاری اور چالاکی سے یزید سے متعلق اہلِ سنت کے سہ گروہی جماعت سے یزید سے محبت اور اس کا دفاع کرنے والے گروہ، جن میں بقول ابن تیمیہ رحمہ اللہ امام غزالی اور علامہ دستی وغیرہ ہیں، کو اہلِ سنت میں شمار ہی نہیں کرتے، بلکہ اس گروہ کو لے جا کر اس گروہ سے ملا دیتے ہیں، جسے ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اکراد کہا ہے اور انھیں اہلِ سنت کے مخالف گروہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ دراصل ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یزید سے متعلق شروع میں جن تین جماعتوں کا ذکر کیا ہے، ان میں سے افراط و تفریط والی دونوں جماعتوں روافض اور اکراد کو ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اہلِ سنت میں شمار ہی نہیں کیا، بلکہ اہلِ سنت اس جماعت کو کہا ہے جو نہ تو یزید کو کافر کہتے ہیں اور نہ یزید کو صحابی یا نبی مانتے ہیں۔ اسی جماعت کو ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اہلِ علم، اہلِ عقل اور اہلِ سنت والجماعت کہا ہے۔

پھر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اہلِ سنت کی اس جماعت کے بھی تین گروہ بتلائے ہیں۔ پھر اسی میں اہلِ سنت کے اس گروہ کا ذکر کیا ہے، جو یزید سے محبت کرتے ہیں۔ یہ گروہ بھی ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک اہلِ علم، اہلِ عقل اور اہلِ سنت والجماعت ہے۔ ان لوگوں میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے امام غزالی اور علامہ دستی کا نام بھی پیش کیا ہے۔ کما مضیٰ.

ہمارے نزدیک اسی گروہ کا موقف راجح ہے، کیوں کہ یزید کی طرف منسوب جرائم اور مظالم ثابت ہی نہیں ہیں، اس لیے اس پہلو سے یزید کی تنقیص کا کوئی جواز نہیں ہے۔

یزید پر الزام:

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یزید کا بھرپور دفاع کرنے کے ساتھ ساتھ اس پر کچھ الزامات بھی لگائے ہیں، لیکن اس کی کوئی صحیح دلیل آپ نے پیش نہیں کی ہے۔

۱۔ چنانچہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸ھ) نے کہا:

"لكنه مع هذا لم يظهر منه إنكار قتله، والانتصار له والأخذ بثأره، كان هو الواجب عليه"[1]

لیکن اس کے باوجود اس سے حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کی مذمت ظاہر نہیں ہوئی، نہ اس نے حسین رضی اللہ عنہ کی مدد کی نہ قصاص لیا، جو اس پر واجب تھا۔"

عرض ہے کہ جہاں تک قتلِ حسین رضی اللہ عنہ کی مذمت نہ کرنے کی بات ہے تو خود ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہی نے دوسری جگہ یہ بھی نقل کیا ہے کہ یزید نے مذمت کی، چناں چہ کہا:

"ولم يكن يزيد أمرهم بقتله، ولا ظهر منه سرور بذلك، ورِضىً به، بل قال كلاما فيه ذم لهم"[2]

"یزید نے انھیں قتلِ حسین رضی اللہ عنہ کا حکم نہیں دیا تھا، نہ اس پر اس نے خوشی و رضا ظاہر کی بلکہ ایسی بات کہی، جس میں ان کی مذمت تھی۔"

گذشتہ سطور میں ہم صحیح سند سے یہ ثبوت پیش کر چکے ہیں کہ حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر یزید کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ شہادت کی خبر سن کر یزید رونے لگے، لیکن قاتلین کی مذمت نہ کرے؟

۲۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸ھ) نے کہا:

"وأمره إذا لم يطيعوه بعد ثلاث أن يدخلها بالسيف ويبيحها ثلاثا فصار عسكره في المدينة النبوية ثلاثا يقتلون وينهبون ويفتضون الفروج المحرمة"[3]

یزید نے مسلم بن عقبہ کو حکم دیا کہ اگر اہلِ مدینہ اس کی اطاعت نہ کریں تو تین دن مہلت دینے کے بعد بزور شمشیر مدینے میں داخل ہو جانا اور تین دن تک مدینے کو حلال کرنا، چناں چہ اس کی فوج تین دن تک مدینے میں قتل و غارت گری کرتی رہی اور لوٹ کھسوٹ مچاتی رہی اور عورتوں کے ساتھ بدکاری کرتی رہی۔"

---

[1] مجموع الفتاوى (٤/ ٤١١)

[2] مجموع الفتاوى (٤/ ٥٠٥)

[3] مجموع الفتاوى (٣/ ٤١٢)

عرض یہ ہے کہ ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔ شامی فوج کے ہاتھوں بعض لوگ ضرور قتل ہوئے، لیکن انھوں نے اہلِ مدینہ کا قتلِ عام نہیں کیا تھا، جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔[1] بلکہ خود ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی کہا:

"ولا بلغ عدد القتلیٰ عشرة آلاف"[2] ''اور نہ مقتولین کی تعداد دس ہزار تک پہنچی۔''

رہی یہ بات کہ یزید نے مدینے کو تین دن تک حلال کرنے کا حکم دیا تو اس تعلق سے بھی جتنی روایات ہیں، سب موضوع اور من گھڑت ہیں۔ اسی طرح شامی فوج کی جانب سے لوٹ کھسوٹ کی بھی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔[3] جہاں تک شامی فوج پر یہ الزام ہے کہ انھوں نے مدینے کی خواتین کی عزت لوٹی تو اس بارے میں بھی جو روایات ہیں، وہ سب موضوع اور من گھڑت ہیں۔[4]

الغرض یزید پر الزامات سے متعلق ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جو کچھ کہا ہے، اس کی آپ نے کوئی دلیل پیش کی ہے نہ اس کی کوئی دلیل موجود ہے۔ اس لیے آپ کی یہ باتیں بے دلیل ہونے کی بنا پر غیر مسموع ہیں۔ یہ باتیں آپ نے بعض ایسی روایات کی بنیاد پر کہی ہیں، جو موضوع اور من گھڑت ہیں اور اس طرح کی روایات کی بنیاد پر کسی کی بات بھی قبول نہیں کی جاسکتی، جیسا کہ خود امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہی نے کہا ہے:

"لم يجز لأحد أن يحتج في مسألة فرعية بحديث حتى يبين ما به يثبت فكيف يحتج في مسائل الأصول التى يقدح فيها خيار القرون و جماهير المسلمين و سادات أولياء الله المقربين بحيث لا يعلم المحتج به صدقه"[5]

''کسی شخص کے لیے کسی فروعی مسئلے میں بھی کسی حدیث سے استدلال اس وقت تک جائز نہیں ہے، جب تک وہ اسے صحیح ثابت نہ کردے، پھر یہ کس طرح صحیح ہوسکتا ہے کہ

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۴۳۲۔ ۴۴۹) دیکھیں۔

[2] منهاج السنة النبوية (٤/ ٥٧٥)

[3] اسی کتاب کا صفحہ (۴۴۵۔ ۴۵۸) دیکھیں۔

[4] اسی کتاب کا صفحہ (۴۶۱۔ ۴۶۵) دیکھیں۔

[5] منهاج السنة النبوية (٧/ ١٦١)

ان اصولی مسائل میں، جن سے خیر القرون، جمہور مسلمانوں اور اللہ تعالیٰ کے عظیم اولیا (صحابہ) پر حرف آتا ہے، ان روایات کو بطورِ حجت پیش کرنا جائز ہو، جن کا صدق ہی نامعلوم ہو۔''

یاد رہے کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بعض غیر ثابت روایات کی بنیاد پر علی رضی اللہ عنہ سے متعلق بھی کچھ اسی طرح کی باتیں کہی ہیں، مثلاً ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۸) نے کہا:

"وقد علم قدح كثير من الصحابة في علي"[1]

''یہ بات معلوم ہے کہ بہت سارے صحابہ نے علی رضی اللہ عنہ پر قدح کی ہے۔''

نیز ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۸) نے کہا:

"إن اللّٰه قد أخبر أنه سيجعل للذين آمنوا وعملوا الصالحات ودّاً، وهذا وعد منه صادق، ومعلوم أن اللّٰه قد جعل للصحابة مودّة في قلب كل مسلم، لا سيما الخلفاء رضي الله عنهم، لا سيما أبو بكر وعمر، فإن عامّة الصحابة والتابعين كانوا يودُّونهما، وكانوا خير القرون، ولم يكن كذلك عليّ، فإن كثيراً من الصحابة والتابعين كانوا يبغضونه ويسبونه ويقاتلونه"[2]

''اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں اور عمل صالح کرنے والوں کے لیے محبت پیدا کرے گا اور یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے تعلق سے ہر مسلمان کے دل میں محبت پیدا کی ہے، بالخصوص خلفاے راشدین اور ان میں بھی بالخصوص ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہم۔ کیوں کہ تمام صحابہ ان دونوں سے محبت کرتے تھے اور یہ لوگ خیر القرون کے تھے، لیکن علی رضی اللہ عنہ کا یہ معاملہ نہ تھا، کیوں کہ بہت سارے صحابہ و تابعین علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتے تھے، انھیں برا کہتے تھے اور ان سے قتال کرتے تھے۔''

نیز خود ایک جگہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے کردار سے متعلق لکھتے ہیں:

"فلعن علي وأصحابُه في قنوت الصلاة رجالا معينين من أهل الشام"[3]

---

[1] منهاج السنة النبوية (٧/ ١٤٧)

[2] الإمامة في ضوء الكتاب والسنة (١/ ٩٤)

[3] مجموع الفتاوى (٤/ ٤٨٥)

”علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے قنوت نازلہ میں اہلِ شام کے مخصوص افراد پر لعنت کی۔“

ان مخصوص افراد سے کوئی عام لوگ مراد نہیں ہیں، بلکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ کے بڑے بڑے لوگ مراد ہیں، جیسا کہ خود ایک دوسرے مقام پر علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وأما ما ذكره من لعن علي، فإن التلاعن وقع من الطائفتين، كما وقعت المحاربة، وكان هؤلاء يلعنون رءوس هؤلاء في دعائهم، وهؤلاء يلعنون رءوس هؤلاء في دعائهم“[1]

”رافضی نے جو علی رضی اللہ عنہ کے لعنت کرنے کی بات ذکر کی ہے تو لعنت کرنے کا یہ کام دونوں گروہوں کی جانب سے صادر ہوا، جیسا کہ لڑائی کا عمل دونوں گروہ کی طرف سے ہوا ہے، چناں چہ علی رضی اللہ عنہ کا گروہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ کے بڑے بڑے لوگوں پر لعنت کرتا تھا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کا گروہ بھی علی رضی اللہ عنہ کے گروہ کے بڑے بڑے لوگوں پر لعنت کرتا تھا۔“

عرض ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سے متعلق اس طرح کی باتیں بھی بعض غیر ثابت روایات ہی کی بنیاد پر ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے صادر ہوئی ہیں اور یہی معاملہ یزید کے ساتھ بھی ہوا۔ لہٰذا بے دلیل اور غیر ثابت روایات کی بنیاد پر ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کوئی بھی بات نہ تو علی رضی اللہ عنہ سے متعلق قابلِ قبول ہے اور نہ یزید بن معاویہ سے متعلق۔

۳۔ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۴۸):

یزید کی مذمت میں امام ذہبی رحمہ اللہ کا نام بھی بڑے زور وشور لیا جاتا ہے، حالاں کہ یہی امام ذہبی رحمہ اللہ اگر یزید کے حق میں کوئی بات کہتے ہیں تو ان کی بات بڑی بے دردی سے رد کردی جاتی ہے۔ یعنی قبول و رد کا پیمانہ پسند اور ناپسند ہوتا ہے۔ حالاں کہ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ امام ذہبی رحمہ اللہ کے جس قول پر دلیل موجود ہو، اسے لیا جائے اور جس پر دلیل موجود نہ ہو، اسے رد کر دیا جائے۔ ذیل میں ہم سب سے پہلے امام ذہبی کے وہ اقوال پیش کرتے ہیں، جنھیں یزید کے مخالفین رد کرتے ہیں:

یزید کی فضیلت:

ا۔ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۴۸) نے کہا:

[1] منهاج السنة النبوية (٤/ ٤٦٨)

"له علىٰ هناته حسنة، وهي غزو القسطنطينية، وكان أمير ذلك الجيش، وفيهم مثل أبي أيوب الأنصاري"[1]

''یزید کی کوتاہیوں کے باوجود اس کی ایک نیکی ہے اور وہ قسطنطنیہ پر حملہ ہے۔ یزید اس لشکر کا امیر تھا اور اس لشکر میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ جیسے لوگ تھے۔''

نوٹ:

ایک صاحب نے امام ذہبی کے الفاظ "له علىٰ هناته" کا ترجمہ یہ کیا: ''اور اس کے گھٹیا پن کے باوجود''۔ عرض ہے کہ یہی الفاظ امام ذہبی رحمہ اللہ نے یزید کے والد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق بھی کہے ہیں، چناں چہ فرمایا:

"كان خليقا للإمارة شريفا مهيبا شجاعا حليما جوادا كثير المحاسن، علىٰ هنات له، فالله يسامحه ويعفو عنه"[2]

''امیر معاویہ رضی اللہ عنہ امارت کے قابل تھے، شریف، بارعب، بہادر، بردبار، سخی اور بہت ساری خوبیوں والے تھے، اپنی بعض کوتاہیوں کے باوجود۔ اللہ ان سے درگزر کرے اور معاف فرمائے۔''

بلکہ تیسرے خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق بھی امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا:

"وقد كان قبل ذلك من عثمان هَنَاتٌ إلىٰ ابن مسعود، وأبي ذَرّ، وعمّار"[3]

''اس سے پہلے عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے ابن مسعود، ابو ذر اور عمار رضی اللہ عنہم کے حق میں کچھ کوتاہیاں ہوئیں۔''

عرض ہے کہ کیا ان مقامات پر بھی "هنات" کا ترجمہ ''گھٹیا پن'' سے کر کے کہا جائے کہ امیر معاویہ اور عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق امام ذہبی نے ایسا کہا ہے؟ نعوذ بالله من ذلك. بہرحال آگے بڑھتے ہیں۔

۲۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے غزوہ قسطنطنیہ میں یزید کے ساتھ حسین رضی اللہ عنہ کی بھی شرکت بتلائی ہے،

[1] سير أعلام النبلاء للذهبي (٤/ ٣٦)

[2] المقدمة الزهراء في إيضاح الإمامة الكبرى (ص: ٢٣)

[3] تاريخ الإسلام (٢/ ٢٥٢)

چناں چہ کہا:

”وقال ابن عساكر: وفد الحسين علىٰ معاوية، وغزا القسطنطينية مع يزيد“[1]

”ابن عساکر نے کہا: حسین رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور یزید کے ساتھ قسطنطنیہ میں جہاد کیا۔“

بعض لوگ یزید کی بیعت سے متعلق یہ اعتراض کرتے ہیں کہ بیعتِ یزید کے وقت ان سے افضل لوگ بھی موجود تھے، لیکن امام ذہبی رحمہ اللہ بیعتِ یزید سے پہلے ہی مفضول کی بیعت کے جواز پر اجماع نقل کرتے ہیں، چناں چہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا:

”وأصلح الله تعالىٰ بين الأمة بالسيد الحسن، وحقنت الدماء، وسكنت الدهماء، وانعقد الإجماع علىٰ مبايعة المفضول الكامل السياسة مع وجود الأفضل الأكمل، ولله الحمد“[2]

”اللہ تعالیٰ نے حسن رضی اللہ عنہ کے ذریعے امت میں صلح کرا دی اور خون ریزی اور لڑائیاں رک گئی اور ایسا مفضول جو سیاسی صلاحیت رکھتا ہو، اس سے افضل واکمل لوگوں کی موجودگی میں بھی اس سے بیعت پر اجماع ہو گیا ہے۔“

یزید کے بارے میں امام ذہبی کا موقف:

یزید کے بارے میں امام ذہبی رحمہ اللہ اپنا موقف پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ويزيد ممن لا نسبه ولا نحبه، وله نظراء من خلفاء الدولتين، وكذلك في ملوك النواحي، بل فيهم من هو شر منه“[3]

”یزید ایسے لوگوں میں سے ہے جنھیں نہ تو ہم برا کہتے اور نہ اس سے محبت کرتے ہیں، اموی اور عباسی خلفا میں اسی طرح اردگرد کے بادشاہوں میں اس جیسے کئی ایک ہیں، بلکہ ان میں کئی لوگ ایسے ہیں جو یزید سے کہیں زیادہ برے ہیں۔“

---

[1] تاريخ الإسلام (٢/ ٦٣٦)

[2] المقدمة الزهراء في إيضاح الإمامة الكبرىٰ (ص: ٢٨)

[3] سير أعلام النبلاء للذهبي (٤/ ٣٦)

اس آخری اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے یزید سے متعلق تاریخ میں ملنے والی باتوں کی مکمل جانچ پرکھ نہیں کی ہے اور ان باتوں کو وہ قطعی اور سچ نہیں مان رہے۔ اسی لیے فرمارہے ہیں کہ یزید کو نہ برا کہا جائے اور نہ اس سے محبت کی جائے۔ اگر امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس تاریخی مواد کی مکمل چھان بین کی ہوتی تو اس طرح سکوت کی بات نہ کرتے، بلکہ بات یا تو مذمت کی ہوتی یا محبت کی۔

یزید پر الزام:

اب رہی بات کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے یزید کی مذمت کی ہے، مثلاً:

”وكان ناصبيا، فظا، غليظا، جلفا، يتناول المسكر، ويفعل المنكر، افتتح دولته بمقتل الشهيد الحسين، واختتمها بواقعة الحرة، فمقته الناس، ولم يبارك في عمره“[1]

”وہ ناصبی، سخت، کھرا اور بدمزاج تھا، شراب پیتا تھا اور برے کام کرتا تھا۔اس نے اپنی حکومت کا آغاز حسین شہید رضی اللہ عنہ کے قتل سے کیا اور اختتام واقعہ حرہ پر کیا، اس لیے لوگ اس سے نفرت کرتے تھے اور اس کی عمر میں برکت نہیں ہوئی۔“

عرض ہے کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے یہاں پر یزید کو شراب پینے والا کہا ہے، جس سے اشارہ ملتا ہے کہ انھوں نے شراب نوشی والی روایت کی تحقیق نہیں کی ہے۔ اسی طرح اہلِ مدینہ پر حملے سے متعلق جو خرافات منقول ہیں، انھیں بھی امام ذہبی نے پیشِ نظر رکھا ہے اور اس کی بھی بذاتِ خود تحقیق نہیں کی۔ امام ذہبی کی کتاب کا مطالعہ کرنے والا معمولی طالب علم بھی اس حقیقت سے باخبر ہے کہ امام ذہبی رحمہ اللہ بسا اوقات بعض لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے اس کی مذمت میں وارد ہونے والی جھوٹی روایات کو بھی درج کر دیتے ہیں اور اسی کو بنیاد بنا کر تبصرہ بھی کر دیتے ہیں۔

اسی طرح بسا اوقات بعض کی تعریف پر آتے ہیں تو اس کی منقبت میں بھی جھوٹی روایات جمع کر دیتے ہیں اور اسی پر تبصرہ بھی دے دیتے ہیں، جیسے انھوں نے ابو حنیفہ اور ان کے شاگرد امام محمد کے بارے میں کیا ہے۔ یزید سے متعلق روایات اور یزید کے کردار سے متعلق امام ذہبی نے کوئی تحقیق

[1] سير أعلام النبلاء للذهبي (٤/ ٣٨)

نہیں کی ہے، اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ وہ یزید پر جرح کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں:

"ویزید ممن لا نسبه ولا نحبه، وله نظراء من خلفاء الدولتین، وکذلك في ملوك النواحي، بل فیهم من هو شر منه"[1]

''یعنی یزید ان لوگوں میں سے ہے، جسے ہم برا کہتے ہیں اور نہ اس سے محبت کرتے ہیں۔ بعد کے خلفا اور بادشاہوں میں اس طرح کے اور بھی کئی لوگ ہیں، بلکہ ان میں کئی لوگ ایسے ہیں جو یزید سے کہیں زیادہ برے ہیں۔''

امام ذہبی رحمہ اللہ کا اس جگہ سکوت والا موقف پیش کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے یزید سے متعلق منقول باتوں کی تحقیق نہیں کی ہے۔ بہرحال امام ذہبی رحمہ اللہ نے مذکورہ الفاظ میں یزید کی جو مذمت کی ہے، اس کی بنیاد شراب نوشی وغیرہ کی جھوٹی روایات ہی ہیں۔ اس لیے آپ کی یہ باتیں بے دلیل ہیں۔ نیز امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) نے کہا:

"مقدوح في عدالته لیس بأهل أن یروىٰ عنه. وقال أحمد بن حنبل: لا ینبغي أن یروىٰ عنه"[2]

''یہ عدالت کے اعتبار سے مقدوح ہے اور اس قابل نہیں کہ اس سے روایت لی جائے اور احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا: اس سے روایت کرنا مناسب نہیں۔''

عرض ہے کہ یہاں پر امام ذہبی کی جرح کی بنیاد امام احمد رحمہ اللہ کی جرح ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کی اس جرح پر مفصل بحث ہو چکی ہے۔[3]

الغرض یزید سے متعلق امام ذہبی رحمہ اللہ سے مذمت اور مدح دونوں طرح کی بات ملتی ہے اور ان دونوں باتوں میں انھیں باتوں کا انتخاب کرنا چاہیے، جس پر دلائل موجود ہوں۔

۴۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴ھ):

امام ابن کثیر کا نام بھی یزید کی مذمت میں بہت پیش کیا جاتا ہے حالاں کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی یزید کی مذمت کرنے کے ساتھ ساتھ یزید کی فضیلت بھی بیان کی ہے اور اس کا دفاع بھی کیا

[1] سیر أعلام النبلاء للذهبي (٤/ ٣٦)

[2] میزان الاعتدال للذهبي (٤/ ٤٤٠)

[3] اسی کتاب کا صفحہ (۷۷۸۔۷۸۳) دیکھیں۔

ہے، مگر امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی ان باتوں کو غلط کہہ دیا جاتا ہے، کیوں کہ انتخاب کا معیار دلائل نہیں، بلکہ پسند اور ناپسند ہے۔ ذیل میں ہم سب سے قبل امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی وہ عبارات پیش کرتے ہیں، جن میں یزید کی فضیلت اور اس کے دفاع کا بیان ہے۔

یزید کی فضیلت:

امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴ھ) نے کہا:

”وقد كان يزيد أول من غزىٰ مدينة قسطنطينية في سنة تسع وأربعين في قول يعقوب بن سفيان، وقال خليفة بن خياط: سنة خمسين، ثم حج بالناس في تلك السنة بعد مرجعه من هذه الغزوة من أرض الروم، وقد ثبت في الحديث أن رسول اللهﷺ قال: أول جيش يغزو مدينة قيصر مغفور لهم“[1]

”یزید ہی نے سب سے پہلے قسطنطنیہ کے شہر پر حملہ کیا۔ یہ حملہ یعقوب بن سفیان کے بقول ۴۹ میں ہوا اور خلیفہ بن خیاط کے بقول ۵۰ میں ہوا۔ پھر اس حملے سے لوٹنے کے بعد اسی سال لوگوں کا امیر بن کر اس نے حج کیا اور صحیح بخاری کی حدیث سے ثابت ہے کہ میری امت کا پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا، وہ سب کے سب مغفور (بخشے ہوئے) ہوں گے۔“

امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴) نے یزید کو امیر المومنین کے لقب سے ملقب کرتے ہوئے کہا:

”وهذه ترجمة يزيد بن معاوية، هو يزيد بن معاوية بن أبي سفيان بن صخر بن حرب بن أمية بن عبد شمس، أمير المؤمنين أبو خالد الأموي“[2]

”یہ یزید بن معاویہ کا تعارف ہے، یہ یزید بن معاویہ بن ابی سفیان بن صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس، امیر المومنین ابو خالد الاموی ہے۔“

[1] البداية والنهاية (٨/ ٢٢٩) مكتبة المعارف.

[2] البداية والنهاية (٨/ ٢٢٦) مكتبة المعارف.

یزید کا دفاع:

۱۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴ھ) نے کہا:

"وقد أورد ابن عساكر أحاديث في ذم يزيد بن معاوية كلها موضوعة، لا يصح شيئ منها"[1]

"ابن عساکر نے یزید کی مذمت میں کئی احادیث ذکر کی ہیں، جو سب کی سب موضوع اور من گھڑت ہیں، ان میں سے کچھ بھی صحیح نہیں۔"

۲۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴) نے کہا:

"وقد كان عبد الله بن عمر بن الخطاب وجماعات أهل بيت النبوة ممن لم ينقض العهد ولا بايع أحدا بعد بيعته ليزيد"[2]

"عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کی جماعتوں نے یزید کی بیعت نہیں توڑی اور نہ یزید کی بیعت کے بعد کسی اور سے بیعت کی۔"

۳۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴) نے کہا:

"وكذلك لم يخلع يزيدَ أحد من بني عبد المطلب، وقد سئل محمد بن الحنفية في ذلك فامتنع عن ذلك أشد الامتناع، وناظرهم وجادلهم في يزيد، ورد عليهم ما اتهموا يزيد به من شرب الخمر وتركِه بعضَ الصلوات"[3]

"اسی طرح بنوعبد المطلب میں سے بھی کسی نے یزید کی بیعت نہیں توڑی اور محمد بن حنفیہ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے سختی کے ساتھ بیعت توڑنے سے انکار کر دیا اور یزید کے سلسلے میں ان سے مناظرہ اور جدال کیا اور ان لوگوں نے یزید پر ترکِ صلاۃ اور شراب نوشی کی جو تہمت لگائی تھی، اس کی تردید کی۔"

یزید پر الزام:

۱۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴) نے کہا:

---

[1] البداية والنهاية (٨/ ٢٣١) مكتبة المعارف.

[2] البداية والنهاية (٨/ ٢٣٢) مكتبة المعارف.

[3] البداية والنهاية (٨/ ٢٣٨) مكتبة المعارف.

”ثم أباح مسلم بن عقبة ـالذي يقول فيه السلف: مسرف بن عقبة، قبحه الله من شيخ سوء ما أجهله ـ المدينة ثلاثة أيام، كما أمره يزيد، لا جزاه الله خيرا، وقتل خيرا خلقا من أشرافها وقرائها، وانتهب أموالا كثيرة منها ووقع شر وفساد عريض علىٰ ما ذكره غير واحد“[1]

”پھر مسلم بن عقبہ جسے سلف مسرف بن عقبہ کہتے ہیں، اللہ اس کا برا کرے، یہ برا اور نادان تھا، اس نے مدینے کو تین دن تک مباح کیا، جیسا کہ یزید نے اسے حکم دیا تھا، اللہ اسے اچھا بدلہ نہ دے اور اس نے مدینے کے معزز اور قراء حضرات کو قتل کیا اور وہاں سے بہت سارا مال لوٹا، بہت بڑا شر اور فساد برپا ہوا، جیسا کہ کئی ایک نے ذکر کیا ہے۔“

عرض ہے کہ اس الزام کی بنیاد ابن کثیر رحمہ اللہ نے خود یہ کہہ کر بیان کر دی کہ ”علیٰ ما ذکرہ غیر واحد“ (جیسا کہ کئی ایک نے ذکر کیا ہے) اور ہم نے اس کتاب میں پوری تفصیل سے ثابت کر دیا ہے کہ لوگوں کی ذکر کردہ یہ باتیں جھوٹی اور من گھڑت ہیں۔

۲۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴) نے کہا:

”وقيل: إن يزيد فرح بقتل الحسين أول ما بلغه، ثم ندم علىٰ ذلك فقال أبو عبيدة معمر بن المثنى: إن يونس بن حبيب الجرمي حدثه قال: لما قتل ابنُ زياد الحسينَ ومن معه، بعث برؤسهم إلىٰ يزيد فسر بقتله أولا، وحسنت بذلك منزلة ابن زياد عنده، ثم لم يلبث إلا قليلا حتىٰ ندم“[2]

”کہا گیا ہے کہ یزید کو جب شروع میں حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر پہنچی تو وہ خوش ہوا، پھر بعد میں نادم ہوا۔ چناں چہ ابو عبیدہ معمر بن مثنی نے کہا کہ یونس بن حبیب الجرمی نے ان سے بیان کیا کہ جب ابن زیاد نے حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا اور ان کے سروں کو یزید کے پاس بھیجا تو یزید شروع میں حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر خوش ہوا اور اس کی وجہ سے ابن زیاد کا مقام یزید کے نزدیک بڑھ گیا، پھر تھوڑے ہی عرصے بعد یزید نادم ہوا۔“

عرض ہے کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ الزام لگا کر اس کی سند بھی پیش کر دی ہے اور یہ سند

[1] البداية والنهاية (٨/ ٢٢٠) مكتبة المعارف.

[2] البداية والنهاية (٨/ ٢٣٢) مكتبة المعارف.

باطل ہے، کیوں کہ

اولاً: یونس بن حبیب جرمی کی توثیق ہمیں نہیں ملی۔

ثانیاً: یونس بن حبیب نے شہادتِ حسین کا زمانہ پایا ہی نہیں، کیوں کہ ان کی پیدایش ۸۰ یا ۹۰ ہجری میں ہوئی ہے۔[1] یعنی شہادتِ حسین کے ۲۰ یا ۳۰ سال بعد یہ پیدا ہوئے، لہٰذا اس بات کا اصل راوی مجہول ہے۔

ثالثاً: ابو عبیدہ سے اسے ابن جریر طبری نے نقل کیا، چناں چہ امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۷۱ھ) نے کہا:

"قرأت علىٰ أبي الوفاء حفاظ بن الحسن الغساني أنا عبد الوهاب الميداني أنا أبو سليمان بن زبر أنا عبد الله بن أحمد الفرغاني أنا محمد بن جرير الطبري قال: حدثت عن أبي عبيدة معمر بن المثنى أن يونس بن حبيب الجرمي حدثه قال: لما قتل عبيد الله بن زياد الحسين بن علي وبني أبيه، بعث برؤوسهم إلىٰ يزيد بن معاوية فسر بقتلهم أولا، وحسنت بذلك منزلة عبيد الله عنده، ثم لم يلبث إلا قليلا حتى ندم علىٰ قتل الحسين"[2]

"ابو عبیدہ معمر بن مثنی نے کہا کہ یونس بن حبیب الجرمی نے ان سے بیان کیا کہ جب ابن زیاد نے حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رشتے داروں کو قتل کیا اور ان کے سروں کو یزید کے پاس بھیجا تو یزید شروع میں ان کے قتل پر خوش ہوا اور اس کی وجہ سے ابن زیاد کا مقام یزید کے نزدیک بڑھ گیا، پھر تھوڑے ہی عرصے بعد یزید نادم ہوا۔"

ابن جریر نے "حُدِّثتُ عن أبي عبيدة" (مجھ سے ابو عبیدہ کے حوالے سے بیان کیا گیا) کہا ہے، یعنی اس شخص کا نام نہیں بتایا، جس کے واسطے سے انھوں نے ابو عبیدہ کی یہ روایت سنی ہے۔

ان علتوں کی بنا پر یہ روایت سخت ضعیف بلکہ باطل ہے۔ خود ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اس بات

---

[1] الوافي بالوفيات للصفدي (٢٩/ ١٧٧)

[2] تاريخ دمشق لابن عساكر (١٠/ ٩٤)

کو بالجزم کذابوں اور جھوٹے شیعوں کی من گھڑت بات کہا ہے①۔ پھر یہاں بھی اس بات کو ''قیل'' (کہا گیا) کے صیغے سے نقل کیا ہے، جو غیر ثابت ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

تنبیہ:

تاریخ طبری میں ہے:

''قال أبو جعفر: وحدثني أبو عبيدة معمر بن المثنىٰ أن يونس بن حبيب الجرمي حدثه، قال: لما قتل عبيدُ اللّٰه بن زياد الحسينَ بن علي وبني أبيه، بعث برؤوسهم إلىٰ يزيد بن معاوية، فسر بقتلهم أولا، وحسنت بذلك منزلة عبيد اللّٰه عنده، ثم لم يلبث إلا قليلا حتى ندم علىٰ قتل الحسين''②

عرض ہے کہ یہاں پر ابوجعفر یعنی ابن جریر اور ابوعبیدہ کے درمیان جو ''حدثني'' کا صیغہ ہے، وہ غلط ہے، کیوں کہ ابن جریر طبری (المولود: ۲۲۴ھ، المتوفی: ۳۱۰ھ) کی پیدائش ابوعبیدہ (المتوفی: ۲۰۸ھ) کی وفات کے ۱۶سال بعد ہوئی۔③

پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ابن جریر طبری، ابوعبیدہ سے ''حدثني'' کے صیغے سے روایت کریں؟ لہٰذا یہاں پر صحیح صیغہ ''حُدِّثتُ'' ہونا چاہیے، یعنی ان کے حوالے سے بیان کیا گیا، چناں چہ ابن جریر ہی کے طریق سے ابن عساکر نے بھی یہی روایت نقل کی ہے اور ان کی روایت میں ابن جریر اور ابوعبیدہ کے درمیان ''حُدِّثتُ'' ہی کا صیغہ ہے، جیسا کہ اوپر یہ روایت مع سند ومتن نقل کی گئی ہے۔

۳۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴) نے کہا:

''ولما خرج أهل المدينة عن طاعته، وخلعوه وولوا عليهم ابن مطيع وابن حنظلة، لم يذكروا عنه ـوهم أشد الناس عداوة لهـ إلا ما ذكروه عنه من شرب الخمر وإتيانه بعض القاذورات، لم يتهموه بزندقة، كما

① دیکھیں: التكميل في الجرح والتعديل لابن كثير (۲/ ۳۷۵)

② تاريخ الطبري (۵/ ۵۰۶)

③ تاريخ بغداد (۲/ ۱۶۶، مطبعة السعادة) تهذيب الكمال للمزي (۲۸/ ۳۲۰)

يقذفه بذلك بعض الروافض، بل قد كان فاسقا، والفاسق لا يجوز خلعه"[1]

''جب اہلِ مدینہ یزید کی اطاعت سے نکل گئے اور اس کی بیعت توڑ دی اور مدینہ پر ابن مطیع اور ان حنظلہ کو والی بنادیا تو ان لوگوں نے، جو یزید کے سب سے شدید دشمن تھے، صرف یزید کی شراب نوشی ہی کا ذکر کیا ہے اور اس پر زندیقیت کی تہمت نہیں لگائی ہے، جیسا کہ روافض اتہام لگاتے ہیں، بلکہ یہ فاسق تھا اور فاسق کی بیعت توڑنا جائز نہیں۔''

عرض ہے کہ یہاں پر ابن کثیر نے یزید کی برائیوں میں صرف شراب نوشی کو ذکر کیا ہے اور آگے اسی بنیاد پر اسے فاسق کہا ہے، لیکن دوسری جگہ ابن کثیر رحمہ اللہ ہی نے شراب نوشی والی بات کے متعلق یہ کہا کہ اس کی صحت اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ كما سيأتي. یعنی جس بنیاد پر یزید کو فاسق کہا تھا، اس بنیاد کی صحت ہی کو نامعلوم قرار دیا، لٰہذا نامعلوم باتوں کی بنا پر کسی پر لگائے گئے الزام کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

۴۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۷۴) نے کہا:

"كان فيه أيضا إقبال علىٰ الشهوات، وترك بعض الصلوات في بعض الأوقات، وإماتتها في غالب الأوقات"[2]

''یزید کے اندر شہوات کی رغبت اور بسا اوقات بعض نمازوں کے ترک اور اکثر اوقات اسے قائم نہ کرنے کی عادت تھی۔''

عرض ہے کہ ترکِ صلاۃ اور عدمِ اقامتِ صلاۃ والی بات انھیں روایات میں ہے، جن میں شراب پینے کی تہمت ہے اور یزید سے متعلق شراب پینے کی تہمت اور بعض دیگر برائیوں کا تذکرہ کرنے کے بعد خود ابن کثیر رحمہ اللہ نے صاف طور سے کہہ دیا:

"وذكروا عنه غير ذلك والله أعلم بصحة ذلك"[3]

''اس کے علاوہ اور بھی یزید کی کئی برائیاں لوگوں نے بیان کی ہیں اور ان کی صحت کے بارے میں اللہ ہی جانتا ہے۔''

---

[1] البداية والنهاية (٨/ ٢٥٥) مكتبة المعارف.

[2] البداية والنهاية (٨/ ٢٣٠) مكتبة المعارف.

[3] البداية والنهاية، مكتبة المعارف (٨/ ٢٣٦)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی اس وضاحت سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ انھوں نے یزید سے متعلق جتنے بھی الزامات کا تذکرہ کیا ہے، ان میں ان کے نزدیک کسی کی بھی صحت معلوم نہیں ہے۔ بلکہ محض تاریخی اعتبار سے موصوف نے ان کا تذکرہ کر دیا اور کہیں کہیں تبصرہ بھی کر دیا ہے، لیکن یہ محض تبصرہ ہی ہے، کوئی تحقیق نہیں ہے، کیوں کہ خود انھوں نے اس تبصرے کی بنیاد کو نامعلوم الصحہ کہا ہے، لہٰذا اس طرح کی باتوں اور تبصروں کو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی تحقیق قرار دینا خود ابن کثیر رحمہ اللہ کی طرف غلط نسبت ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص بضد ہے کہ ان باتوں کو ابن کثیر رحمہ اللہ کی تحقیق قرار دے تو اسے چاہیے کہ وہ یہ بھی مانے کہ ابن کثیر رحمہ اللہ کے نزدیک یزید کے شرابی ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے والد اور صحابی رسول امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی یزید کے اس جرم میں شریک تھے اور اسے شراب پینے سے روکنے کے بجائے رات میں اسے شراب پینے کی تاکید کرتے تھے۔ چناں چہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے نقل کیا:

وقال الطبراني: حدثنا محمد بن زكريا الغلابي ثنا ابن عائشة عن أبيه قال: كان يزيد في حداثته صاحبَ شراب يأخذ مأخذ الأحداث فأحس معاوية بذلك فأَحَبَّ أن يعظه في رفق، فقال: يا بني ما أقدرك علىٰ أن تصل إلىٰ حاجتك من غير تهتك يذهب بمروء تك وقدرك، ويشمت بك عدوك ويسيء بك صديقك، ثم قال: يا بني إني منشدك أبياتا فتأدب بها واحفظها فأنشده: اِنصب نهارا في طلاب العُلا. واصبر علىٰ هجر الحبيب القريب. حتىٰ إذا الليل أتىٰ بالدجا. واكتحلت بالغمض عين الرقيب. فباشر الليل بما تشتهي. فإنما الليل نهار الأريب. كم فاسق تحسبه ناسكا. قد باشر الليل بأمر عجيب. غطىٰ عليه الليل أستاره . فبات في أمن وعيش خصيب. ولذة الأحمق مكشوفة. يسعىٰ بها كل عدو مريب...

قلت: وهذا كما جاء في الحديث: من ابتلي بشيئ من هذه القاذورات فليستتر بستر الله عز و جل"[1]

---

[1] البداية والنهاية (٨/ ٢٢٨، مكتبة المعارف) و إسناده موضوع.

''حفص بن عائشہ سے مروی ہے کہ یزید بن معاویہ اپنی نوعمری میں شرابی تھا اور اس سے لونڈے پن کی حرکتیں سرزد ہوتی تھی تو معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کا پتا چلا تو انھوں نے چاہا کہ نرمی سے اس کی اصلاح کریں۔ چناں چہ انھوں نے کہا: اے بیٹے! تم اپنی خواہش کی تکمیل پر پوری طرح قادر ہو بغیر اس کے کہ تم برسرعام ایسی آوارگی کرو، جو تمھاری قدر ومنزلت کے لیے خطرہ بن جائے۔ پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: بیٹے! میں تمھیں چند اشعار سناتا ہوں، تم اس سے سیکھو اور اسے یاد کرلو۔ پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار کہے: جب رات کی تاریکی چھا جائے اور دشمن سوجائیں تو رات میں جو چاہوں کرو، کیوں کہ رات یہ چالاک لوگوں کے لیے دن ہے۔ کتنے فاسق ہیں، جنھیں تم عبادت گزار سمجھتے ہو، انھوں نے رات میں عجیب وغریب کام کیے اور رات نے ان کے کام پر پردہ ڈال دیا۔ پھر اُن لوگوں نے سکون اور رنگین عیش کے ساتھ رات گزاری اور بے وقوف کی لذات ظاہر ہو جاتی ہیں، جس کی تاک میں ہر چالاک دشمن رہتا ہے۔''

''میں (ابن کثیر) کہتا ہوں کہ یہ (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے شراب نوشی کے عمل کو چھپانے کی نصیحت) اس حدیث کے مطابق ہے، جس میں ہے کہ جو شخص بھی شراب نوشی میں مبتلا ہو تو اس پر پردہ ڈالے رہے، جس طرح اللہ نے پردہ ڈالا ہے۔''

غور کریں! اس روایت میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ خوفناک تہمت ہے کہ وہ یزید کو رات میں شراب پینے کی تاکید کرتے تھے اور روایت کے بعد ابن کثیر رحمہ اللہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس عمل کو یعنی یزید کے لیے رات میں شراب پینے کی نصیحت کو ایک حدیث کا مصداق قرار دیا ہے۔ لا حول ولا قوة إلا باللّٰه.

قارئین کرام! انصاف کریں، یہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی تحقیق ہے یا محض بے بنیاد تبصرہ! جو لوگ یزید کے بارے میں ابن کثیر رحمہ اللہ کے بے بنیاد تبصروں کو تحقیق قرار دیتے ہیں، انھیں چاہیے کہ وہ یہ بھی اعلان کرنا شروع کر دیں کہ ابن کثیر رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کو شراب پینے سے روکنے کے بجائے رات میں شراب پینے کی تاکید کرتے تھے۔

اگر یزید دشمنی کا یہی حال رہا تو بعید نہیں کہ دشمنانِ یزید کی اگلی ذریت امیر معاویہ کو بھی شرابی کہنے لگے، جیسا کہ سبائی درندے شروع سے کہتے چلے آ رہے ہیں۔ وإلیٰ اللہ المشتکیٰ.

موافق اقوال و تبصرے

① امام لیث بن سعد رحمہ اللہ (المتوفی ۱۷۵):

امام خلیفہ بن خیاط رحمہ اللہ (المتوفی ۲۴۰) نے کہا:

"قرئ علیٰ ابن بکیر، وأنا أسمع عن اللیث، قال: توفي أمیر المؤمنین یزید في سنة أربع و ستین"[1]

"(صحیح بخاری و مسلم کے راوی) یحییٰ بن عبد اللہ بن بکیر القرشی کے سامنے پڑھا گیا اور میں سن رہا تھا کہ انھوں نے امام لیث بن سعد رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ انھوں نے کہا: امیر المومنین یزید کی وفات سن ۶۴ ہجری میں ہوئی ہے۔"

امام ابوبکر ابن العربی (المتوفی ۵۴۳) رحمہ اللہ نے کہا:

"بل شهد العدل بعدالته، فروی یحییٰ بن بکیر، عن اللیث بن سعد، قال اللیث: "توفي أمیر المؤمنین یزید في تاریخ کذا "فسماه اللیث: "أمیر المؤمنین" بعد ذهاب ملکهم وانقراض دولتهم، ولولا کونه عنده کذلك ما قال إلا: توفي یزید"[2]

"بلکہ عادل لوگوں نے تو یزید کے عدل کی گواہی دی ہے۔ چناں چہ یحییٰ بن بکیر نے روایت کیا کہ امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے کہا: امیر المومنین یزید فلاں تاریخ میں فوت ہوئے تو یہاں پر امام لیث رحمہ اللہ نے یزید کو "امیر المومنین" کہا ہے اور وہ بھی ان کی حکومت اور ان کا دور ختم ہونے کے بعد۔ اگر اُن کے نزدیک یزید اس درجہ قابلِ احترام نہ ہوتا تو یہ صرف یوں کہتے کہ یزید فوت ہوئے۔"

---

[1] تاریخ خلیفة بن خیاط (ص: ۲۵۳) و إسناده صحیح علیٰ شرط الشیخین.

[2] العواصم من القواصم. ط: الأوقاف السعودیة (ص: ۲۲۸)

لطیفہ:

ایک صاحب نے محدثین کے بارے میں یہ کہہ دیا کہ انھوں نے یزید کی موت کا ذکر بھی احترام سے نہیں کیا اور بطور مثال حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا نام پیش کیا کہ انھوں نے یزید کے بارے میں کہا ''ہلاک ہوا'' جبکہ محدثین راویوں کی موت ذکر کرتے ہیں تو وفات کے لفظ سے ذکر کرتے ہیں۔

عرض ہے کہ اول تو تمام محدثین کے بارے میں اس بات کی نسبت غلط ہے، بلکہ خود ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی کئی مقامات پر یزید کی موت کا ذکر کیا تو لفظ ہلاک کے ساتھ نہیں کیا۔① حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی پیدائش سے چھے سو اسّی (۶۸۰) سال پہلے پیدا ہونے والے امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے یزید کی موت کا تذکرہ نہ صرف لفظِ وفات سے کیا ہے، بلکہ یزید کے نام کے ساتھ امیر المومنین بھی کہا ہے، جیسا کہ ابھی نقل کیا گیا۔

قارئین غور کریں! پہلی صدی ہجری میں پیدا ہونے والے امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے یزید بن معاویہ کی موت کا تذکرہ نہ صرف یہ کہ لفظ وفات سے کیا ہے، بلکہ ان کے نام کے ساتھ امیر المومنین بھی کہا ہے، لیکن پندرھویں صدی کے کچھ بدنصیب یہ دعوی کرتے ہیں کہ محدثین نے یزید کی موت کا تذکرہ بھی احترام سے نہیں کیا ہے۔ یاد رہے کہ امام لیث بن سعد رحمہ اللہ بہت بڑے امام اور بہت بڑے فقیہ تھے، بلکہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے انھیں امام مالک جیسا امام کہا ہے۔② امام ذہبی رحمہ اللہ جنھوں نے یزید کی مذمت بھی کی ہے، وہ بھی یزید کی موت کا تذکرہ لفظ وفات سے کرتے ہیں، چناں چہ فرماتے ہیں:

''توفي يزيد في نصف ربيع الأول، سنة أربع وستين''③

''یزید کی وفات نصف ربیع الاول سن ۶۴ ہجری میں ہوئی ہے۔''

اگر کسی محدث نے کسی کی وفات کو ہلاک کے لفظ سے ذکر کر دیا تو اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ اس نے موت کا ذکر احترام سے نہیں کیا ہے، چناں چہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے ایک مقام پر یزید کے والد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

① دیکھیں: فتح الباري لابن حجر (۱۳/ ۱۹۵)
② الكاشف للذهبي (۲/ ۱۵۱) رقم (۴۶۹۱)
③ سير أعلام النبلاء للذهبي (۴/ ۴۰)

"وكان يزيد ـلما هلك أبوهـ بناحية حمص"[1]

''اور یزید حمص میں تھا، جب اس کے والد (ہلاک) فوت ہوئے۔''

اب کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی موت کا ذکر احترام سے نہیں کیا ہے؟ ائمہ ومحدثین کو تو جانے دیں، اللہ رب العالمین نے قرآن مجید میں ایک عظیم پیغمبر یوسف علیہ السلام کی وفات کا ذکر بھی لفظ "هلك" کے ساتھ کیا ہے، چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ حَتّٰٓى إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ﴾ [المؤمن: ٣٤]

''اور اس سے پہلے تمھارے پاس (حضرت) یوسف دلیلیں لے کر آئے، پھر بھی تم ان کی لائی ہوئی (دلیل) میں شک وشبہہ ہی کرتے رہے، یہاں تک کہ جب وہ (ہلاک) فوت ہوئے تو کہنے لگے: ان کے بعد تو اللہ کسی رسول کو بھیجے گا ہی نہیں، اسی طرح اللہ گمراہ کرتا ہے ہر اس شخص کو جو حد سے بڑھ جانے والا شک وشبہہ کرنے والا ہو۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی وفات کا ذکر "هلك" کے لفظ سے کیا ہے۔ اب کیا اس کا یہ مطلب سمجھ لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی وفات کا ذکر احترام سے نہیں کیا ہے؟ نعوذ بالله من ذلك.

بہرحال اس طرح کے اعتراضات اتنے لغو اور لایعنی ہیں کہ اس قابل بھی نہیں کہ ان پر توجہ کی جائے، کیوں کہ علمی دنیا میں اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے، لیکن عوام کہیں دھوکا نہ کھا جائیں، اس لیے ہم نے اس کی وضاحت کر دی ہے۔

اسی طرح یزید پر ایک اور لایعنی اعتراض جسے آج کل کے نرے جاہل پیش کرتے، اس کی بھی علمی دنیا میں کوئی حیثیت نہیں، وہ یہ کہ یزید کی وفات کے بعد مسلمانوں نے یزید نام رکھنا ہی بند کر دیا تھا۔ عرض ہے کہ یہ دعوی بالکل ایسے ہی ہے، جیسے کوئی یہ کہے کہ یزید کی وفات کے بعد سورج نکلا ہی نہیں یا چاند بے نور ہوگیا۔ قارئین حدیث کی کوئی بھی کتاب اٹھا کر دیکھ لیں، سب میں

---

[1] سير أعلام النبلاء للذهبي (٤/ ٣٦)

احادیث کی کئی ایسی سندیں ملیں گی، جن میں یزید نام موجود ہے اور محدثین نے انھیں ثقہ بھی کہا ہے۔ بلکہ امت کا ایک طبقہ رمضان میں بیس رکعات تراویح پڑھتا ہے اور اس کے لیے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ایک مرفوع روایت پیش کی جاتی ہے، جس کی سند میں یزید بن ہارون موجود ہے۔[1]

اسی طرح بیس رکعات تراویح کے لیے عہد فاروقی کی ایک روایت نقل کی جاتی ہے، لیکن اس میں بھی یزید بن رومان نامی راوی موجود ہے۔[2] نیز بیس رکعات تراویح سے متعلق عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حکم بھی نقل کیا جاتا ہے، لیکن بدقسمتی سے اس میں بھی یزید بن خصیفہ موجود ہے۔[3]

یاد رہے کہ اسی روایت کو یزید کے ساتھ محمد بن یوسف بھی نقل کرتے ہیں اور انھوں نے گیارہ رکعات کی تعداد نقل کی ہے۔ یعنی اکیس رکعات کی تعدا ''یزید'' نامی راوی ہی بیان کر رہے ہیں، جو یزید بن معاویہ کے دور کے بعد کے تھے، جبکہ گیارہ کی رکعات کی تعداد ''محمد'' نامی راوی بیان کر رہے ہیں۔

اگر یزید کے مخالفین مذکورہ بات پر یقین رکھتے ہیں تو پھر ان کے اصول کے مطابق یزید نامی روای کوئی اچھا راوی نہیں ہوگا، اس لیے ان حضرات کو یزید بن خصیفہ کے بجائے محمد بن یوسف کی روایت کو ترجیح دینی چاہیے، ورنہ ایک طرف یزید نام سے بھی نفرت اور دوسری طرف محمدی سند کو نظر انداز کر کے یزیدی سند کو گلے لگا لینا، بہت حیرت انگیز ہے۔

② امام مہلب بن احمد اسدی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۳۵ھ):

امام مہلب بن احمد اسدی (المتوفی ۴۳۵ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''من هذا الحديث ثبتت خلافة يزيد، وفيه أنه من أهل الجنه، وفي هذا الحديث منقبة لمعاوية، لأنه أول من غزا البحر، ومنقبة لولده يزيد، لأنه أول من غزا مدينة قيصر''[4]

''اس حدیث سے یزید کی خلافت ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی پتا چلتا ہے کہ وہ جنتی ہے،

---

[1] دیکھیں: مصنف ابن أبي شيبة (٢/ ١٦٤) و إسناده موضوع.

[2] دیکھیں: موطأ مالك (١/ ١١٥) و إسناده منقطع.

[3] دیکھیں: مسند ابن الجعد (ص: ٤١٣) و إسناه ضعيف لشذوذ في المتن.

[4] قيد الشريد (ص: ٥٧) نیز دیکھیں: أيضا فتح الباري لابن حجر (٦/ ١٠٢)

نیز اس حدیث میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت ہے، کیوں کہ سب سے پہلے انھوں نے سمندری لڑائی لڑی اور ان کے لڑکے یزید کے لیے بھی منقبت ہے، کیوں کہ یزید ہی نے سب سے پہلے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کیا۔‘‘

امام مہلب رحمہ اللہ نے بخاری کی شرح لکھی تھی اور ظاہر ہے کہ ان کی یہ بات اسی کتاب کی ہے۔ بخاری کی شرح لکھنے والوں میں کئی اہلِ علم مثلاً ابن بطال، ابن حجر اور علامہ عینی نے امام مہلب کے اس قول کو جیش مغفور لہم کی تشریح میں نقل کیا ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ نے اس قول کے بعد بعض کا تعاقب بھی نقل کیا، جس کا جواب پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے۔[1] یاد رہے کہ امام مہلب رحمہ اللہ اہلِ سنت والجماعت کے بہت بڑے محدث اور امام تھے۔[2]

③ ابو حامد محمد بن محمد الغزالی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۰۵ھ):

امام ابن خلکان رحمہ اللہ (المتوفی: ......) فرماتے ہیں:

”سئل عمن صرح بلعن يزيد: هل يحكم بفسقه أم هل يكون ذلك مرخصاً فيه؟ وهل كان مريداً قتل الحسين رضی اللہ عنہ أم كان قصده الدفع؟ وهل يسوغ الترحم عليه أم السكوت عنه أفضل؟ ينعم بإزالة الاشتباه مثاباً، فأجاب: لا يجوز لعن المسلم أصلًا، ومن لعن مسلماً فهو الملعون، وقد قال رسول الله ﷺ: « المسلم ليس بلعانٍ » وكيف يجوز لعن المسلم ولا يجوز لعن البهائم؟ وقد ورد النهي عن ذلك، وحرمة المسلم أعظم من حرمة الكعبة بنص النبي ﷺ. ويزيد صح إسلامه، وما صح قتله الحسين رضی اللہ عنہ ولا أمره ولا رضاه بذلك، ومهما لم يصح ذلك منه لا يجوز أن يظن ذلك به، فإن إساء ة الظن بالمسلم أيضاً حرام، وقد قال تعالى: ﴿اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۶۲۲۔ ۶۲۵) دیکھیں۔

[2] ان کے حالات کے لیے دیکھیں: سير أعلام النبلاء للذهبي (١٧/ ٥٧٩) تاريخ الإسلام للذهبي ت: تدمري (٢٩/ ٤٢٢) جذوة المقتبس في ذكر ولاة الأندلس (ص: ٣٥٢) ترتيب المدارك و تقريب المسالك (٣٦/ ٨) الصلة في تاريخ أئمة الأندلس لابن بشكوال (ص: ٥٩٢)

وقال النبيﷺ: «إن اللّٰه حرم من المسلم دمه وماله وعرضه، وأن يظن به ظن السوء» ومن زعم أن يزيد أمر بقتل الحسينرضی اللہ عنہ أو رضي به فينبغي أن يعلم به غاية حماقة، فإن من قتل من الأكابر والوزراء والسلاطين في عصره لو أراد أن يعلم حقيقة من أمر بقتله، ومن الذي رضي به، ومن الذي كرهه، لم يقدر علىٰ ذلك، وإن كان قد قتل في جواره و زمانه، وهو يشاهده، فكيف لو كان في بلد بعيد وزمن قديم قد انقضى، فكيف يعلم ذلك فيما انقضى عليه قريب من أربعمائة سنة في مكان بعيد، وقد تطرق التعصب في الواقعة فكثرت فيها الأحاديث من الجوانب فهذا أمرٌ لا تعرف حقيقته أصلًا، وإذا لم يعرف وجب إحسان الظن بكل مسلم يمكن إحسان الظن به، ومع هذا فلو ثبت علىٰ مسلم أنه قتل مسلماً فمذهب الحق أنه ليس بكافر، والقتل ليس بكفر، بل هو معصية، وإذا مات القاتل فربما مات بعد التوبة، والكافر لو تاب من كفره لم تجز لعنته، فكيف من تاب عن قتل، وبم يعرف أن قاتل الحسينرضی اللہ عنہ، مات قبل التوبة؟ وهو الذي يقبل التوبة عن عباده، فإذاً لا يجوز لعن أحد ممن مات من المسلمين، ومن لعنه كان فاسقاً عاصياً لله تعالى، ولو جاز لعنه فسكت لم يكن عاصياً بالإجماع، بل لو لم يلعن إبليس طول عمره لا يقال له يوم القيامة: لم لم تلعن إبليس؟ ويقال للاعن: لم لعنت ومن أين عرفت أنه مطرود ملعون والملعون وهو المبعد من اللّٰه عز وجل، وذلك غيب لا يعرف إلى فيمن مات كافراً، فإن ذلك علم بالشرع، وأما الترحم عليه جائز، بل هو مستحب، بل هو داخل في قولنا في كل صلاة: اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات، فإنه كان مؤمناً، واللّٰه أعلم"[1]

"امام غزالی رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ اس شخص کے متعلق کیا حکم ہے، جو یزید پر لعنت

---

[1] وفيات الاعيان لابن خلكان (۲/ ۲۸۹، طبع بيروت)

کرتا ہے؟ کیا اس پر فسق کا حکم لگایا جاسکتا ہے؟ کیا اس پر لعنت کا جواز ہے؟ کیا یزید فی الواقع حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا یا اس کا مقصد صرف اپنی مدافعت تھا؟ اس کو "رحمة الله عليه" کہنا بہتر ہے یا اس سے سکوت افضل ہے؟''

''امام غزالی نے جواب دیا: مسلمان پر لعنت کرنے کا قطعاً کوئی جواز نہیں۔ جو شخص کسی مسلمان پر لعنت کرتا ہے، وہ خود ملعون ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''مسلمان لعنت کرنے والا نہیں ہوتا۔'' علاوہ ازیں ہمیں تو ہماری شریعت اسلامیہ نے بہائم (حیوانوں) تک پر لعنت کرنے سے روکا ہے تو پھر کسی مسلمان پر لعنت کرنا کس طرح جائز ہو جائے گا؟ جبکہ ایک مسلمان کی حرمت (عزت) حرمتِ کعبہ سے بھی زیادہ ہے، جیسا کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مذکور ہے۔

''یزید کا اسلام صحیح طور پر ثابت ہے، جہاں تک حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے واقعے کا تعلق ہے، سو اس بارے میں کوئی صحیح ثبوت موجود نہیں کہ یزید نے انھیں قتل کیا یا ان کے قتل کا حکم دیا یا اس پر رضامندی ظاہر کی۔ جب یزید کے متعلق یہ باتیں پایہ ثبوت ہی کو نہیں پہنچتیں تو پھر اس سے بدگمانی کیوں کر جائز ہوگی؟ جبکہ مسلمان کے متعلق بدگمانی کرنا بھی حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''تم خوامخواہ بدگمانی کرنے سے بچو کہ بعض دفعہ بدگمانی بھی گناہ کے دائرے میں آ جاتی ہے۔'' نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے خون، مال، عزت و آبرو اور اس کے ساتھ بدگمانی کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔''

''جس شخص کا خیال ہے کہ یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا یا ان کے قتل کو پسند کیا، وہ پرلے درجے کا احمق ہے۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ ایسا گمان کرنے والے کے دور میں کتنے ہی اکابر، وزرا اور سلاطین کو قتل کیا گیا، لیکن وہ اس بات کا پتا چلانے سے قاصر رہا کہ کن لوگوں نے ان کو قتل کیا اور کن لوگوں نے اس قتل کو پسند یا ناپسند کیا، دراں حالیکہ ان کے قتل اس کے بالکل قرب میں اور اس کے زمانے میں ہوئے اور اس نے ان کا خود مشاہدہ کیا۔ پھر اس قتل کے متعلق (یقینی اور حتمی طور پر) کیا کہا جاسکتا ہے جو

دور دراز کے علاقے میں ہوا اور جس پر چار سو سال (امام غزالی کے دور تک) کی مدت بھی گزر چکی ہے؟

''علاوہ ازیں اس سانحے پر تعصب و گروہ بندی کی دبیز تہیں چڑھ گئی ہیں اور روایتوں کے انبار لگا دیے گئے ہیں، جس کی بنا پر اصل حقیقت کا سراغ لگانا ناممکن ہے۔ جب واقعہ یہ ہے کہ حقیقت کی نقاب کشائی ممکن ہی نہیں تو ہر مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھنا ضروری ہے۔ پھر اہلِ حق (اہلِ سنت) کا مذہب تو یہ ہے کہ کسی مسلمان کے متعلق یہ ثابت بھی ہو جائے کہ اس نے کسی مسلمان کو قتل کیا ہے، تب بھی وہ قاتل مسلمان، کافر نہیں ہوگا، اس لیے کہ جرمِ قتل کفر نہیں، ایک معصیت (گناہ) ہے۔ پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ مسلمان قاتل مرنے سے پہلے پہلے اکثر توبہ کر ہی لیتا ہے اور شریعت کا حکم تو ہے کہ اگر کوئی کافر بھی کفر سے توبہ کر لے، اس پر بھی لعنت کی اجازت نہیں، پھر یہ لعنت ایسے مسلمان کے لیے کیوں کر جائز ہوگی، جس نے مرنے سے پہلے جرمِ قتل سے توبہ کر لی ہو؟

''آخر کسی کے پاس اس امر کی کیا دلیل ہے کہ حضرت حسین کے قاتل کو توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوئی اور وہ توبہ کیے بغیر ہی مر گیا ہے، جب کہ اللہ کا درِ توبہ ہر وقت وا ہے اور وہی اللہ ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ بہرحال کسی لحاظ سے بھی ایسے مسلمان پر لعنت کرنا جائز نہیں، جو مر چکا ہو، جو شخص کسی مرے ہوئے مسلمان پر لعنت کرے گا، وہ خود فاسق اور اللہ کا نافرمان ہے۔

''اگر (بالفرض) لعنت کرنا جائز بھی ہو، لیکن وہ لعنت کے بجائے سکوت اختیار کیے رکھے تو ایسا شخص بالاجماع گناہ گار نہ ہوگا، بلکہ اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں ایک مرتبہ بھی ابلیس پر لعنت نہیں بھیجتا تو قیامت کے روز اس سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تو نے ابلیس پر لعنت کیوں نہیں کی؟

''البتہ اگر کسی نے کسی مسلمان پر لعنت کی تو قیامت کے روز اس سے ضرور پوچھا جاسکتا ہے کہ تو نے اس پر لعنت کیوں کی تھی اور تجھے یہ کیوں کر معلوم ہوگیا تھا کہ وہ ملعون اور راندہ درگاہ ہے؟ جب کہ کسی کے کفر و ایمان کا مسئلہ امورِ غیب سے ہے، جسے اللہ کے

سوا کوئی نہیں جانتا۔ ہاں شریعت کے ذریعے ہمیں یہ ضرور معلوم ہوا ہے کہ جو شخص کفر کی حالت میں مرے، وہ ملعون ہے۔

''جہاں تک یزید کو ''رحمۃ اللہ علیہ'' یا ''رحمہ اللہ'' کہنے کا تعلق ہے تو یہ نہ صرف جائز، بلکہ مستحب (اچھا فعل) ہے، بلکہ وہ از خود ہماری ان دعاؤں میں شامل ہے، جو ہم تمام مسلمان کی مغفرت کے لیے کرتے ہیں: "اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات'' یا اللہ! تمام مومن مردوں اور عورتوں کو بخش دے، اس لیے کہ یزید بھی یقیناً مومن تھا۔''

④ امام ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۴۳):

امام ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۴۳ھ) نے کہا:

"فإن قيل. كان يزيد خمارًا. قلنا: لا يحل إلا بشاهدين، فمن شهد بذلك عليه؟ بل شهد العدل بعدالته. فروى يحيىٰ بن بكير، عن الليث بن سعد، قال الليث: "توفي أمير المؤمنين يزيد في تاريخ كذا "فسماه الليث: "أمير المؤمنين" بعد ذهاب ملكهم وانقراض دولتهم، ولولا كونه عنده كذلك ما قال إلا: توفي يزيد"[1]

''اگر کہا جائے کہ یزید شرابی تھا تو ہم کہتے ہیں کہ بغیر دو گواہوں کے یہ بات ثابت نہیں ہوسکتی تو کس نے اس بات کی گواہی دی ہے؟ بلکہ عادل نے تو یزید کے عدل کی گواہی دی ہے۔ چناں چہ یحییٰ بن بکیر نے روایت کیا کہ امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے کہا: امیر المومنین یزید فلاں تاریخ میں فوت ہوئے تو یہاں پر امام لیث رحمہ اللہ نے یزید کو ''امیر المومنین'' کہا ہے اور وہ بھی ان کی حکومت اور ان کا دور ختم ہونے کے بعد۔ اگر ان کے نزدیک یزید اس درجہ قابلِ احترام نہ ہوتا تو یہ صرف یوں کہتے کہ یزید فوت ہوئے۔''

یاد رہے کہ امام لیث بن سعد رحمہ اللہ کا یزید کی وفات ذکر کرتے وقت یزید کو امیر المومنین کے ساتھ ذکر کرنا صحیح بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح سند سے ثابت ہے۔[2]

---

[1] العواصم من القواصم (ص: ۲۲۸) ط: الأوقاف السعودية.

[2] اسی کتاب کا صفحہ (۸۳۱) دیکھیں۔

امام ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ نے اپنی اس کتاب "العواصم من القواصم" میں یزید کا بھرپور دفاع کیا ہے۔ تفصیل کے لیے اس کتاب کا مطالعہ کریں۔

واضح رہے کہ یہاں ہم نے جن ابن العربی کا قول پیش کیا ہے، وہ ابن العربی (معرفہ کے ساتھ) ہیں۔ ان کی وفات ۵۴۳ ہجری میں ہوئی ہے۔ یہ اہلِ سنت والجماعت کے بہت بڑے عالم وامام تھے۔ انھوں نے کئی بہترین اور مقبول کتابیں لکھیں، جن میں سے ایک "العواصم من القواصم" ہے۔ نیز احکامِ قرآن کی تفسیر میں انھیں کی کتاب ہے، جو دو جلدوں میں مطبوع ہے۔ اسی طرح سنن ترمذی کی شرح میں "عارضة الأحوذي في شرح سنن الترمذي" انھیں کی کتاب ہے، جو ۱۳ جلدوں میں مطبوع ہے۔[1]

جب کہ ابن عربی (نکرہ کے ساتھ) جو شخص مشہور ہے، وہ گمراہ صوفی تھا، اس کی وفات ۶۳۸ ہجری میں ہوئی ہے۔ "الفصوص" نامی کتاب اسی زندیق کی ہے۔ اس کتاب کے بارے میں امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ومن أردأ تواليفه كتاب الفصوص، فإن كان لا كفر فيه، فما في الدنيا كفر"[2]

"اس کی بدترین کتابوں میں سے الفصوص ہے، اگر اس کتاب میں کفر نہیں ہے تو پھر پوری دنیا میں کہیں بھی کفر کا وجود نہیں۔"

اس گمراہ صوفی کو کچھ اولیاء اللہ میں شمار کرتے ہیں اور یہی لوگ یزید کی مذمت میں امام ذہبی کے اقوال مزے لے لے کر پیش کرتے ہیں، لیکن امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس نام نہاد ولی کے بارے میں جو کچھ کہا ہے، کیا اسے بھی یہ لوگ ماننے کے لیے تیار ہیں؟[3]

⑤ امام عبد المغیث بن زہیر علوی رحمہ اللہ (۵۸۳ھ):

امام عبد المغیث نے یزید کے دفاع میں باقاعدہ کتاب بھی لکھی، جس میں انھوں نے اسی موقف کو اختیار کیا، جسے ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اہلِ علم و اہلِ عقل اور اہلِ سنت والجماعت کا دوسرا موقف

---

[1] ان کے بارے میں مزید معلومات کے لیے دیکھیں: سير أعلام النبلاء للذهبي (۲۰/ ۱۹۷)

[2] سير أعلام النبلاء للذهبي (۲۳/ ۴۸)

[3] ابن عربی گمراہ و زندیق کے بارے میں مزید معلومات کے لیے دیکھیں: سير أعلام النبلاء للذهبي (۲۳/ ۴۸)

بتلایا ہے اور جسے امام غزالی اور علامہ دستی وغیرہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

بعض لوگوں نے یہ تہمت لگائی ہے کہ امام عبدالمغیث نے اپنی اس کتاب میں جھوٹی روایات سے استدلال کیا ہے، لیکن یہ بات خلافِ حقیقت ہے، جس کی پوری تفصیل ہم پیش کر چکے ہیں۔ امام عبدالمغیث رحمہ اللہ بہت بڑے محدث اور ثقہ عالم دین اور فقیہ و مفتی تھے، ان کا تعارف گزر چکا ہے۔[1]

⑥ حافظ عبدالغنی المقدسی رحمہ اللہ (۶۰۰ ھ):

حافظ عبدالغنی المقدسی رحمہ اللہ (۶۰۰ ھ) فرماتے ہیں:

”خلافته صحيحة، وقال بعض العلماء: بايعه ستون من أصحاب النبي ﷺ، منهم ابن عمر“[2]

”یزید کی خلافت صحیح ہے اور بعض علما کے بقول ساٹھ صحابہ نے ان سے بیعت کی تھی، جن میں ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔“

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۷۸۴۔۷۸۵) دیکھیں۔

[2] ذیل طبقات الحنابلة (٢/ ٣٤)

خاتمہ

شیطان کو بھی گالی دینا جائز نہیں

عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «لَا تَسُبُّوا الشَّيْطَانَ، وَ تَعَوَّذُوا بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهِ»[1]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''شیطان کو گالی نہ دو، بلکہ اس کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔''

اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن شیطان کو بھی گالی دینے اور اس پر سب وشتم کرنے سے منع فرمایا ہے، لیکن افسوس ہے کہ بعض لوگ شیطان تو درکنار انسانوں کو بھی نہیں بخشتے، حتی کہ خیر القرون کے صحابہ اور ان کی اولادوں کی شان میں بھی انتہائی نازیبا الفاظ وکلمات استعمال کرتے ہیں، اس ضمن میں یزید بن معاویہ کی شخصیت بہت زیادہ بدنام ہے۔ لوگ ان کے نام یزید کے ساتھ پلید کا لاحقہ لگانا ضروری سمجھتے ہیں اور ان پر ہر طرح سے سب وشتم کے ساتھ ساتھ بہتان تراشیوں کی بھی حد کر دیتے ہیں۔

حالاں کہ یزید بن معاویہ کی شخصیت اول تو ان تمام الزامات سے بری ہے، جو باطل طور پر ان کی طرف منسوب ہیں۔ دوم اگر تسلیم بھی کرلیں کہ یزید بن معاویہ نے ان غلطیوں اور گناہوں کا ارتکاب کیا ہے، تب بھی کم از کم یہ ایک انسان تو ضرور ہیں اور ایک انسان کتنا بھی برا ہو جائے، شیطان سے تو بہتر ہی رہے گا، پھر مذکورہ حدیث میں جب شیطان پر بھی سب وشتم کی اجازت نہیں ہے تو آخر یزید بن معاویہ پر سب وشتم کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

دراصل اسلام میں سرے سے یہ جائز ہی نہیں کہ کسی کو گالی دی جائے۔ اسلام کی نظر میں

[1] المخلصيات، رقم الحديث (١٥٧٢) وصححه الألباني علىٰ شرط البخاري في الصحيحة، رقم الحديث (٢٤٢٢) وعنعنة الأعمش عن أبي صالح مقبولة إذا لم توجد قرائن الرد.

سب سے بڑا گناہ شرک ہے، لیکن اس کے باوجود اسلام میں نہ اہلِ شرک کو گالی دینے کی اجازت ہے نہ انھیں جن کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدۡوًۢا بِغَیۡرِ عِلۡمٍ کَذٰلِکَ زَیَّنَّا لِکُلِّ اُمَّۃٍ عَمَلَہُمۡ ثُمَّ اِلٰی رَبِّہِمۡ مَّرۡجِعُہُمۡ فَیُنَبِّئُہُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ﴾ [الأنعام: ١٠٨]

''اور گالی مت دو ان کو جن کی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، کیوں کہ پھر وہ براہِ جہل حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے۔ ہم نے اسی طرح ہر طریقے والوں کے لیے ان کا عمل مرغوب بنا رکھا ہے۔ پھر اپنے رب ہی کے پاس ان کو جانا ہے، سو وہ ان کو بتلا دے گا، جو کچھ بھی وہ کیا کرتے تھے۔''

غور کریں کہ وہ معبودان، جنھیں اللہ کے بالمقابل کھڑا کیا گیا ہے، جب ان پر سب وشتم کی اجازت اسلام میں نہیں ہے تو بھلا کسی اور پر سب وشتم کی اجازت اسلام کیسے دے سکتا ہے؟

صرف یہی نہیں کہ اسلام نے دوسروں پر سب وشتم سے منع کیا ہے، بلکہ اسلام نے کسی کو یہ بھی اجازت نہیں دی کہ وہ اپنے آپ پر سب وشتم کرے، حالاں کہ یہ انسان کا اپنا معاملہ ہے، جس میں کسی دوسرے کے لیے ایذا رسانی بھی نہیں ہے، چناں چہ حدیث ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: « لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ: خَبُثَتْ نَفْسِي، وَلَكِنْ لِيَقُلْ: لَقِسَتْ نَفْسِي »[1]

''اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ میرا نفس خبیث ہوگیا، بلکہ یوں کہے کہ میرا نفس سستی و کاہلی کا شکار ہوگیا۔''

معلوم ہوا کہ اسلام میں کسی پر بھی سب وشتم جائز نہیں ہے، حتی کہ انسانیت کے سب سے بڑے دشمن شیطان پر بھی سب وشتم کی اجازت نہیں ہے، لہٰذا جب شیطان جیسے ''عدو مبین'' پر بھی سب وشتم کرنا درست نہیں تو پھر یزید بن معاویہ پر سب وشتم کیسے درست ہوسکتا ہے؟ جو لوگ بھی ایسا کرتے ہیں، وہ اللہ کے نبی ﷺ کے حکم کی سراسر خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اللہ سب کو ہدایت دے۔ آمین یا رب العالمین.

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦١٧٩)

ضمیمہ:

حادثہ کربلا

حادثۂ کربلا اور تاریخی روایات

روایاتِ کربلا کی حقیقت:

حادثہ کربلا کا مرجع تاریخی روایات ہیں، جن کی جمع و تحقیق میں وہ اہتمام نہیں ہوا، جو احادیث کے باب میں ہوتا ہے، مزید برآں اکثر تاریخی روایات کے بیان کرنے والے ایسے رواۃ ہیں، جو ضعیف ہی نہیں، بلکہ کذاب اور شیعہ ہیں اور مورخین نے حادثۂ کربلا کے بیان میں بلا تفریق وتمحیص ان سب کی مرویات یکجا کر دی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”وَقَد صَنَّفَ جَمَاعَةٌ مِّنَ الْقُدَمَاءِ فِيْ مَقْتَلِ الْحُسَيْنِ تَصَانِيْفَ، فِيْهَا الْغِثُّ وَالسَّمِيْنُ، وَالصَّحِيْحُ وَالسَّقِيْمُ“[1]

”متقدمین نے شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ سے متعلق کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں رطب ویابس اور صحیح و غلط سب موجود ہے۔“

مولانا ابو الکلام آزاد لکھتے ہیں:

”اس وقت جس قدر بھی مقبول اور متداول ذخیرہ اس موضوع پر موجود ہے، وہ زیادہ تر نوحہ خوانی سے تعلق رکھتا ہے، جس کا مقصد زیادہ سے زیادہ گریہ و بکا کی حالت پیدا کر دینا ہے نہ کہ تاریخی حیثیت سے بیانِ واقعات۔“[2]

واضح رہے کہ تاریخی روایات سے متعلق جو ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ اس میں ہر طرح کے رطب ویابس اور سچ وجھوٹ کو بھر دیا گیا ہے تو یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ اگر ان تاریخی روایات کے لکھنے والے مورخین کے سامنے کہتے تو وہ کوئی صفائی دے سکتے، بلکہ ان مورخین نے تو خود اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ ان کی کتابوں میں ایسی روایات مل سکتی ہیں، جو نہ کسی طرح صحیح ہوسکتی ہیں نہ کسی

[1] الإصابة لابن حجر (٢/ ٨١)
[2] شہید اعظم (ص: ٦)

طرح سمجھ میں آ سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر تاریخِ طبری ہی کو لیں، جس میں حادثۂ کربلا کی سب سے زیادہ تفصیلات ہیں، ان کے متعلق خود امام طبری بیان کرتے ہیں:

"فَمَا یَکُنْ فِيْ کِتَابِيْ هٰذَا مِن خَبرٍ ذَکَرنَاهُ عَن بَعضِ المَاضِینَ مِمَّا یَستَنکِرهٗ قَارِئه، أوْ یَسْتَشنِعُه سَامِعُه، مِنْ أجلِ أَنَّه لَمْ یعْرِفُ لَهٗ وَجْهاً فِي الصِّحَةِ، وَلا مَعْنی فِيْ الْحقِیْقَةِ، فَلْیَعْلَمْ اَنَّهٗ لَمْ یؤتَ فِيْ ذٰلِك مِنْ قِبَلِنَا، وَإِنَّمَا أُتیٰ مِنْ قِبَلِ بَعْض نَاقلِیه إلَیْنَا، وَإِنا إِنَّمَا أَدَّیْنَا ذٰلِكَ عَلٰی نَحوِ مَا أدیٰ إِلَیْنَا"[1]

" ہماری اس کتاب میں جو بعض ایسی روایات ہیں جنھیں ہم نے پچھلے لوگوں سے نقل کیا ہے، جن میں ہماری کتاب پڑھنے والے یا سننے والے اس بنا پر نکارت و شناعت محسوس کریں گے کہ اس میں انھیں صحت کی کوئی وجہ اور معنی میں کوئی حقیقت نظر نہ آئے تو انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ ان کا اندراج ہم نے خود اپنی طرف سے نہیں کیا ہے، بلکہ اس کا منبع وہ ناقل ہیں جنھوں نے وہ روایات ہمیں بیان کیں۔ ہم نے محض وہ روایات اسی طرح بیان کر دیں، جس طرح ہم تک پہنچیں۔"

عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب مذکورہ وضاحت اور امام طبری کا مذکورہ بالا بیان درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"غور کیجیے! جب مورخ کا دامن اتنا وسیع ہو کہ موٹی اور دور سے نظر آنے والی اعجوبگی کے ساتھ بھی ایک روایت کو اس کے یہاں بے چوں چرا جگہ مل سکتی ہے تو پھر راویوں کی کون سی غلطی، مبالغہ آرائی یا غلط بیانی رہ جاتی ہے، جس کی توقع ہمیں اپنے ان مورخین کی کتابوں میں نہیں کرنی چاہیے؟ خاص کر کربلا جیسے واقعات، جن سے جذبات متعلق ہوتے ہیں، تعصّبات متعلق ہوتے ہیں اور مثبت و منفی مفادات بھی متعلق ہوتے ہیں۔"[2]

الغرض روایاتِ کربلا کی حقیقت یہ ہے کہ ان میں محدثانہ اصول نہیں برتے گئے، اس لیے اپنے مفاد کے لیے ان میں من مانی تحریفیں کی گئیں، نیز وافر مقدار میں فرضی واقعات بھی شامل کر لیے گئے ہیں، اس لیے ان کے مطالعے کے وقت انتہائی محتاط اور چوکس رہنے کی ضرورت ہے۔

---

[1] تاریخ الطبري (١/ ٨) نیز دیکھیں: کربلا اور اس کا پس منظر (ص: ٢٣)

[2] کربلا اور اس کا پسِ منظر (ص: ٢٣)

روایاتِ کربلا اور متضاد بیانات:

روایاتِ کربلا کی صرف یہی ایک خصوصیت نہیں ہے کہ ان کا اکثر حصہ من گھڑت اور غیر مستند ہے، بلکہ اس کے ساتھ ایک دوسری مصیبت یہ بھی ہے کہ ان میں واضح تضاد اور تعارض جگہ جگہ موجود ہے۔

جناب عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب فرماتے ہیں:

''متضاد روایتوں والے اس واقعے کی اصل حقیقت تو اللہ ہی جانتا ہے، ہمارا کہنا صرف اپنے مطالعے کے نتیجے کے طور پر ہے۔''[1]

حافظ صلاح الدین یوسف صاحب لکھتے ہیں:

''ایک تو تاریخ کی متضاد روایتوں نے واقعات کو بہت الجھا دیا ہے، دوسرے اس سیاسی نوعیت کے واقعے کو مذہبی رنگ دے دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے اس پر کھل کر گفتگو کرنا، بھڑوں کے چھتے کو چھیڑنے کے مترادف ہو گیا ہے۔ ہم تاریخی تضاد کے انبار سے اگر حقیقت کی چہرہ کشائی کریں تو یہ راستہ طویل بھی ہوگا اور پھر بھی شاید آپ کے لیے ناقابلِ قبول، کیوں کہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ تاریخی روایت کا ایک پہلو ہے، جبکہ روایات کا دوسرا پہلو اس کے برعکس ہے۔''[2]

جب بات ایسی ہے کہ روایاتِ کربلا میں دونوں پہلو کی روایات موجود ہیں۔ ایک پہلو تو وہ ہے، جس سے حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کی حمایت و تائید ثابت ہوتی ہے اور یزید اور ان کے ساتھیوں پر جرح ہوتی ہے اور دوسرا پہلو وہ ہے، جس سے حسین رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھیوں پر حرف آتا ہے اور یزید اور اُن کے ساتھیوں کی براءت ثابت ہوتی ہے تو آخر کیا وجہ ہے کہ ان میں سے کسی ایک ہی پہلو کو منتخب کر لیا جائے اور مخالفین پر سب و شتم شروع کر دیا جائے؟!

مولانا مودودی نے اپنی کتاب ''خلافت و ملوکیت'' میں اسی جانب داری کا مظاہرہ کیا ہے، جس کے جواب میں حافظ صلاح الدین یوسف صاحب نے بجا طور پر لکھا ہے:

''ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ تمام نکتہ سنجیاں محض انھیں روایات کو صحیح باور کرانے کے

---

[1] واقعہ کربلا (ص: ۲۸۸)

[2] رسوماتِ محرم الحرام (ص: ۴۹)

لیے کیوں ہیں، جو حضرت عثمان و حضرت معاویہ کو مجرم گردانتی ہیں؟ یہ نکتہ سنجیاں آخر اُن تاریخی روایات کی صحت کے لیے کیوں نہیں ہوسکتیں، جو حضرت علی و حسین رضی اللہ عنہما کے کردار کو بھی مجروح کرتی ہیں؟!"[1]

کربلا کی متضاد روایات کی بابت بھی لوگوں میں یہی بے انصافی عام ہے، چناں چہ ایسی تمام روایات قابلِ قبول سمجھ لی جاتی ہیں، جن میں حسین رضی اللہ عنہ کی حمایت اور یزید پر سب وشتم کی بات ہوتی ہے، جبکہ جن روایات میں حسین رضی اللہ عنہ پر جرح ہوتی ہے اور یزید کی طرف داری ہوتی ہے، وہ روایتیں مطلقاً رد کر دی جاتی ہیں۔

ہمارے نزدیک چاہے حسین رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہو یا یزید کا، ان میں سے کسی پر بھی اگر سب وشتم یا کسی طرح کی جرح والی روایت ملتی ہے تو وہ ہمارے نزدیک قطعاً قابلِ قبول نہیں، کیوں کہ ان روایات کی حقیقت ہم اوپر واضح کر چکے ہیں۔

روایاتِ کربلا سے متعلق معتدل موقف:

روایاتِ کربلا سے متعلق کوئی بھی موقف اپنانے سے پہلے درج ذیل تین باتیں پیشِ نظر رکھنی ضروری ہیں:

۱۔ روایاتِ کربلا میں ایسے لوگوں کے اعمال و اخلاق کا تذکرہ بھی آتا ہے، جن کا مسلمان ہونا متحقق ہے اور مسلمانوں کے آپسی حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی بے عزتی و کردارکشی نہ کرے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

"فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ، وَأَمْوَالَكُمْ، وَأَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا"[2]

''یقیناً تمھاری جانیں اور تمھارے مال اور تمھاری آبرو تمھارے درمیان اسی طرح حرام ہیں، جس طرح آج کے دن کی حرمت تمھارے اس مہینے اور اس شہر میں ہے۔''

۲۔ روایاتِ کربلا میں جن مسلمانوں کا تذکرہ آتا ہے، ان کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ

---

[1] خلافت و ملوکیت کی شرعی حیثیت (ص: ۱۶۳)

[2] صحيح البخاري (١/ ٢٤) رقم الحديث (٦٧)

جس دور کے ہیں، اس دور کے سلسلے میں رسول اکرم ﷺ نے خیر کی شہادت دی ہے۔
آپ ﷺ کا فرمان ہے:
((خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِيْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ))[1]
''سب سے بہتر میرے زمانے کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ جو اس کے بعد ہوں گے، پھر وہ لوگ جو اس کے بعد ہوں گے۔''

۳۔ روایاتِ کربلا میں ایسے صحابہ و تابعین کا تذکرہ بھی آتا ہے، جن کے فضائل و مناقب مسلم ہیں۔

جب بات ایسی ہے کہ روایاتِ کربلا ایسے لوگوں کے کردار سے بحث کرتی ہے، جن میں مسلمان ہیں، صحابہ و تابعین ہیں اور قرون مشہود لہا بالخیر کے لوگ ہیں تو ان روایات کے سلسلے میں انتہائی محتاط رہنا چاہیے، کیوں کہ یہ روایات اسنادی حیثیت سے اس معیار کی نہیں ہیں کہ ان پر آنکھیں بند کرکے بھروسا کر لیا جائے، خواہ ان کا بیان کچھ بھی ہو، بلکہ ان کی حقیقت و نوعیت کیا ہے؟ گذشتہ سطور میں ہم یہ حقیقت واضح کر چکے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۲۸ھ) کہتے ہیں:

"لَمْ يَجُزْ لِأَحَدٍ أَنْ يَّحْتَجَّ فِيْ مَسْأَلَةٍ فَرْعِيَّةٍ بِحَدِيثٍ حَتَّى يُبَيِّنَ مَا بِهِ يَثْبُتُ، فَكَيْفَ يَحْتَجُّ فِيْ مَسَائِلِ الْأُصُولِ، الَّتِي يَقْدَحُ فِيهَا فِيْ خِيَارِ الْقُرُونِ وَجَمَاهِيرِ الْمُسْلِمِينَ وَسَادَاتِ أَوْلِيَاءِ اللّٰهِ الْمُقَرَّبِينَ، بِحَيْثُ لَا يَعْلَمُ الْمُحْتَجُّ بِهِ صِدْقَهُ؟"[2]

''کسی شخص کے لیے کسی فرعی مسئلے میں بھی کسی حدیث سے استدلال اس وقت تک جائز نہیں ہے، جب تک وہ اسے صحیح ثابت نہ کر دے، پھر یہ کس طرح صحیح ہوسکتا ہے کہ ان اصولی مسائل میں جن سے خیر القرون، جمہور مسلمان اور اللہ تعالیٰ کے عظیم اولیا (صحابہ) پر حرف آتا ہے، ان روایات کو بطورِ حجت پیش کرنا جائز ہو، جن کا صدق ہی نامعلوم ہو؟!''

قاضی ابو بکر ابن العربی المالکی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۴۳ھ) فرماتے ہیں:

"إِنَّكُمْ لا تَقْبَلُوْنَ علىٰ أَنْفُسِكُمْ فِيْ دِيْنَارٍ، بَلْ فِيْ دِرْهَمٍ، إِلَّا عَدْلًا بَرِيْئاً مِّنَ التُّهَمِ، سَلِيْمًا مِنَ الشَّهْوَةِ، فَكَيْفَ تَقْبَلُوْنَ فِيْ أَحْوَالِ السَّلَفِ وَمَا

[1] صحيح البخاري (۳/ ۱۷۱) رقم الحديث (۲٦٥۲)
[2] منهاج السنة النبوية (۷/ ٦۱)

جَرىٰ بَيْنَ الْأَوَائِلِ مِمَّن لَيْسَ لَه مَرتَبَةً فِي الدِّيْنِ، فَكَيفَ فِيْ الْعَدَالَةِ!"[1]

"جب تم اپنے خلاف دینار و درہم تک کا دعویٰ اس وقت تک صحیح تسلیم نہیں کرتے، جب تک کہ مدعی عادل، تہمتوں سے پاک اور نفسانی خواہشات سے محفوظ نہ ہو تو پھر تم سلف کے احوال اور صحابہ کرام کے مابین ہونے والے واقعات کے متعلق ان لوگوں کی روایت کس طرح قبول کر لیتے ہو، جن کی عدالت تو کجا، سرے سے جن کا دین ہی میں کوئی مقام نہیں ہے؟!"

لہٰذا کربلا کی وہ روایات قطعاً قابلِ قبول نہیں ہیں، جو شانِ صحابیت اور تابعین کے بلند معیار پر پورا نہیں اترتیں، خواہ ان کا تعلق حسین رضی اللہ عنہ سے ہو یا یزید سے، علاوہ بریں کربلا کی روایات میں ایک مجموعہ روایات ایسا بھی ہے، جس سے نہ تو حسین رضی اللہ عنہ پر کوئی حرف آتا ہے اور نہ یزید ہی کی کردارکشی ہوتی ہے، بلکہ اس مجموعہ روایات کی رو سے وہ تمام تر الزامات لغو قرار پاتے ہیں، جو ایک دوسرے مجموعہ روایات کو بنیاد بنا کر حسین رضی اللہ عنہ یا یزید رحمہ اللہ پر عائد کیے جاتے ہیں۔

اگر روایاتِ کربلا کی حقیقت و نوعیت کو سمجھ کر اور صحابہ و تابعین اور سلف صالحین کی عظمت و فضیلت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے سنجیدگی سے غور کیا جائے تو ان روایات سے متعلق معتدل موقف یہی معلوم ہوتا ہے کہ تاریخی اعتبار سے ان کا صرف وہ حصہ قبول کیا جائے، جو شانِ صحابیت اور تابعین و اسلاف کے معیار پر پورا اترتا اور ان کے مجموعی طرزِ عمل سے مناسبت رکھتا ہو، قطع نظر اس بات کے کہ ان کا تعلق حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب سے ہے یا یزید رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب سے متعلق[2] ۔

حادثہ کربلا کی روداد

گذشتہ سطور میں روایاتِ کربلا سے متعلق جو موقف پیش کیا گیا ہے، اس روشنی میں حادثۂ کربلا کی روداد ملاحظہ ہو۔ اس حادثے کے واقعات کو ہم درج ذیل پانچ مرحلوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

- پہلا مرحلہ: قیام مدینہ۔
- دوسرا مرحلہ: قیام مکہ۔
- تیسرا مرحلہ: کوفہ روانگی۔

---

[1] العواصم من القواصم، ط: الأوقاف السعودية (ص: ٢٥٢)

[2] یاد رہے یہ موقف صرف ان تاریخی روایات سے متعلق ہے جو اصول حدیث کے معیار پر صحیح نہیں ہیں لیکن جو روایات سنداً صحیح وثابت ہوں وہ ہر حال میں مقبول ہوں گی۔ روداد کربلا میں بعض روایات سنداً صحیح وثابت بھی ہیں، ایسی روایات نقل کرنے کے بعد ہم نے ان کی صحت واضح کردی ہیں اور جو روایات سنداً صحیح نہیں ہیں وہاں ہم نے کوئی حکم نہیں لگایا ہے۔

- چوتھا مرحلہ: دمشق روانگی۔
- پانچواں مرحلہ: نزولِ کربلا اور وقوع حادثہ۔

پہلا مرحلہ: قیامِ مدینہ:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب یزید بن معاویہ خلیفہ بنے تو یزید کی خلافت اور ان کی بیعت کتاب وسنت کے موافق تھی، جیسا کہ صحیح بخاری کی درج ذیل حدیث سے پتا چلتا ہے:

"حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ قَالَ: لَمَّا خَلَعَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ، جَمَعَ ابْنُ عُمَرَ حَشَمَهُ وَوَلَدَهُ، فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَإِنَّا قَدْ بَايَعْنَا هَذَا الرَّجُلَ عَلىٰ بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ غَدْرًا أَعْظَمَ مِنْ أَنْ يُّبَايَعَ رَجُلٌ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، ثُمَّ يُنْصَبُ لَهُ الْقِتَالُ، وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِنْكُمْ خَلَعَهُ، وَلَا بَايَعَ فِي هَذَا الْأَمْرِ إِلَّا كَانَتِ الْفَيْصَلَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ"[1]

"نافع روایت کرتے ہیں کہ جب اہلِ مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے ساتھیوں اور بچوں کو اکٹھا کیا اور کہا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر عہد توڑنے والے کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور ہم اس (یزید) کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کے موافق کر چکے ہیں، میں نہیں جانتا کہ اس سے بڑھ کر کوئی بدعہدی ہوسکتی ہے کہ ایک شخص کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کے موافق ہو جائے، پھر اس سے جنگ کی جائے۔ تم میں سے جوشخص یزید کی بیعت توڑے گا اور اس کی اطاعت سے روگردانی کرے گا تو میرا اس سے کوئی رشتہ باقی نہیں رہے گا۔"

اس روایت سے درج ذیل باتیں ثابت ہوئیں:

ا۔ یزید کی بیعت وخلافت کتاب وسنت کے مطابق تھی۔

[1] صحيح البخاري (۱۸/ ۱۰) رقم الحديث (۷۱۱۱)

۲۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیعت توڑنے والوں پر اس حدیثِ رسول کو چسپاں کیا ہے، جس میں خلیفہ کی بیعت توڑنے کی وعید ہے۔

۳۔ تمام صحابہ بشمول حسین رضی اللہ عنہ اور تابعین یزید کی بیعت و خلافت سے متفق تھے، کیوں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بلا استثنا "وَإِنَّا قَدْ بَايَعْنَا" کہا ہے، اس عمومی بیان کے خلاف صرف عبداللہ بن ابی بکر اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما ہی سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ انھوں نے بیعت نہیں کی تھی۔ وہ بھی یزید کی شخصیت کی وجہ سے نہیں، بلکہ باپ کے بعد بیٹے کو خلیفہ بنانے کی وجہ سے، جیسا کہ گذشتہ صفحات اس کی تفصیل اور دلائل گزر چکے ہیں۔ نیز اُن میں سے اول الذکر، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور ہی میں وفات پا چکے تھے، اس لحاظ سے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی سے بھی عدمِ بیعت ثابت نہیں ہے اور پوری امت کے اتفاق کے بعد کسی ایک کے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں۔ جن روایتوں میں آتا ہے کہ ابن عمر، ابن عباس اور حسین رضی اللہ عنہم نے بیعت سے انکار کیا، وہ جھوٹی ہونے کے ساتھ ساتھ صحیح بخاری کی اس ثابت شدہ روایت کے خلاف ہے۔ لطف تو یہ ہے کہ جھوٹی روایت میں منکرین بیعت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بھی شامل کر دیا گیا، جبکہ صحیح بخاری کی روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما نہ صرف یہ کہ بیعت کا اقرار کر رہے ہیں بلکہ اسے کتاب و سنت کے موافق بھی بتلا رہے ہیں۔

۴۔ جن لوگوں نے یزید کی خلافت سے اختلاف کیا تھا، ان کا واقعہ شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کے بہت بعد کا تھا، گویا شہادتِ حسین سے قبل اور اس کے بعد ایک لمبے عرصے تک پوری امت مسلمہ بشمولِ حسین رضی اللہ عنہ کسی ایک شخص نے بھی یزید کے خلاف خروج کیا نہ ان کی بیعت توڑی۔

۵۔ شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کے بہت بعد جن لوگوں نے یزید سے اختلاف کیا، وہ لوگ بھی پہلے بیعت کر چکے تھے، کیوں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے انھیں عہد شکن قرار دیا ہے۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ یزید کی بیعت و خلافت کتاب و سنت کے موافق تھی اور پوری امت اس پر متفق تھی تو لازمی بات ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ بھی خلافتِ یزید کو خلیفہ تسلیم کرنے والوں میں سے تھے۔ یزید کے باقاعدہ خلیفہ بننے کے وقت حسین رضی اللہ عنہ مدینے میں مقیم تھے اور اس عرصے میں ان سے متعلق کوئی ایسی مستند روایت نہیں ملتی، جس سے مستفاد ہو کہ انھیں خلافتِ یزید پر کوئی اعتراض تھا۔

بلکہ بعض روایات بتلاتی ہیں کہ یزید کے باقاعدہ خلیفہ بننے کے بعد یزید کے اصحاب جب مدینے میں حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بیعت کی رسم پوری کرنے کے لیے پہنچے تو انھوں نے بالکل انکار نہیں کیا، بلکہ مجمع عام میں یہ رسم پوری کرنے کا وعدہ کیا، تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ حسین رضی اللہ عنہ بھی یزید کے مخالف نہیں ہیں، چناں چہ تاریخ طبری میں ہے:

”وَدَعَاهُ إلىٰ الْبَيْعَةِ، فَقَالَ حُسَيْنٌ: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، وَرَحِمَ اللّٰهُ مُعَاوِيَةَ، وَعَظَّم لَكَ الْاَجْرَ، أَمَّا مَا سَئَلتَنِي مِنَ الْبَيعَةِ فَاِن مِثْلِي لَا يُعْطِيُ بَيْعَته سِرًّا، وَّلَا ارَاكَ تَجتَرِئُ بِهَا مِنِّيْ سِرًّا دُونَ اَن نُّظْهِرُهَا عَلٰى رُؤُوسِ النَّاسِ عَلانِيَةً، قَالَ: أَجل. قَالَ: فَإِذَا خَرجتُ إِلَى النَّاسِ فَدَعَوتَهُمْ إِلَى الْبَيعَةِ دَعوتَنَا مَعَ النَّاسِ فَكَانَ امراً وَاحِداً، فَقَالَ لَه الوَلِيْدُ، وَكَانَ يحِبُّ الْعَافِيَة: فَانْصَرِفْ على اسْمِ اللّٰهِ حَتىّٰ تَأتِيَنَا مَع جَمَاعَةِ النَّاسِ“[1]

”ولید نے حسین رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر دی اور یزید کے لیے بیعت کی دعوت دی تو حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللہ معاویہ رضی اللہ عنہ پر رحم کرے اور تمھیں اجرِ عظیم سے نوازے۔ تم مجھ سے جو بیعت کا مطالبہ کر رہے ہو تو مجھ جیسے شخص کو خفیہ بیعت نہیں کرنی چاہیے اور میں سمجھتا ہوں کہ تم بھی یہاں کی گئی خفیہ بیعت کو کافی نہیں سمجھو گے، جب تک میں پورے مجمع کے سامنے اس کا اعلان نہ کر دوں۔ ولید نے کہا: جی ہاں! آپ نے درست فرمایا، اس پر حسین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب تمام لوگوں کو بلا کر بیعت لینا تو وہاں لوگوں کے ساتھ ہمیں بھی بلا لینا، پھر تمام لوگوں کے ساتھ ہماری بیعت بھی ہوجائے گی۔ ولید نے، جو عافیت پسند تھے، کہا: ٹھیک ہے، پھر آپ اللہ کا نام لے کر رخصت ہوں، اگلی بار تمام لوگوں کے ساتھ آپ آ جایئے گا۔“

حسین رضی اللہ عنہ نے بھرے مجمع میں بیعت کی خواہش اس لیے ظاہر کی، تاکہ یہ بات زیادہ سے زیادہ مشہور ہو جائے اور سب کو معلوم ہو جائے کہ حسین رضی اللہ عنہ یزید کے مخالف نہیں اور انھوں نے یزید کی بیعت کر لی ہے۔ دراصل حسین رضی اللہ عنہ سے سبائیوں نے مخالفت کی امیدیں لگا رکھی تھیں، اس لیے حسین رضی اللہ عنہ بھرے مجمع میں بیعت کرنا چاہتے تھے، تاکہ یہ بات عام ہوجائے۔

---

[1] تاريخ الطبري (٥/ ٣٣٩)

یاد رہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جب بیعت کی تو مسجد میں تمام لوگوں کے سامنے بیعت کی تھی۔[1] اسی طرح شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد لوگوں نے جب علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کی خواہش ظاہر کی تو اس وقت بھی آپ نے کہا:

"فَإِنَّ بَيْعَتِي لَا تَكُونُ سِرًّا، وَلٰكِنْ أَخْرُجُ إِلَى الْمَسْجِدِ فَمَنْ شَاءَ أَنْ يُّبَايِعَنِي بَايَعَنِي"[2]

"میری بیعت خفیہ نہیں ہوگی، بلکہ میں مسجد جاؤں گا اور وہاں جو میرے بیعت کرنا چاہے گا، بیعت کرلے گا۔"

علی رضی اللہ عنہ کے بعد حسن رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال تھا، انھوں نے بھی معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی اور بھرے مجمع میں ان سے بیعت کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ بیت کے افراد کھلے عام بیعت کرتے تھے، تاکہ ان کی بیعت پر ایک بڑی تعداد گواہ رہے اور کسی کو شکوک وشبہات پھیلانے کی گنجایش نہ ملے۔ اسی خاندانی اصول کے مطابق حسین رضی اللہ عنہ نے بھی بھرے مجمع میں بیعت کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

واضح رہے کہ ایک ہوتا ہے خلافت کو تسلیم کرنا اور بیعت پر رضا مند ہونا اور ایک ہوتا ہے بیعت کی رسم پوری کرنا۔ اطاعتِ امیر کے لیے پہلی چیز ہی کافی ہے اور دوسری چیز ایک رسمی ہے، جس کا مقصد اقرارِ بیعت کو سب کے علم میں لانا اور اس پر مہر لگانا ہوتا ہے۔ موخر الذکر روایت میں جو یہ مذکور ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ سے بیعت کا مطالبہ کیا گیا تو اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ انھوں نے خلافتِ یزید کو اب تک تسلیم نہیں کیا تھا، بلکہ خلافت تو تسلیم کیا تھا، لیکن بیعت کی رسم کا مطالبہ ہو رہا تھا، جس سے حسین رضی اللہ عنہ نے قطعاً انکار نہیں کیا، بلکہ مجمع عام میں اس رسم کو ادا کرنے کا اقرار کیا۔ بیعت اگر منظور ہو تو اس کی رسم کو ادا کرنے میں تاخیر کرنا کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ خود حسین رضی اللہ عنہ کے والد علی رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیں، صحیح بخاری ومسلم کی روایت کے مطابق انھوں نے خلیفہ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی رسم چھ ماہ بعد ادا کی۔[3]

---

[1] صحيح البخاري (٥/ ١٣٩) رقم الحديث (٤٢٤٠)

[2] فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل (٢/ ٥٧٣) وإسناده صحيح.

[3] دیکھیں: صحيح البخاري (٥/ ١٣٩) رقم الحديث (٤٢٤٠) صحيح مسلم (٣/ ١٣٨٠) رقم الحديث (١٧٥٩)
ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے شروع ہی میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی، جس کی بنا پر بعض اہلِ علم ←

صحیحین کی روایت سے معلوم ہوا کہ علی رضی اللہ عنہ نے چھے ماہ تک ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی رسم پوری نہیں کی تھی، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انھیں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت و بیعت سے انکار تھا۔ امام نووی رحمہ اللہ مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

''ہر ایک شخص کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ امیر کے پاس حاضر ہو کر اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ رکھے، بلکہ ضروری یہ ہے کہ جب اہلِ حل و عقد کی طرف سے کوئی امیر منتخب ہو جائے تو وہ اس کی اطاعت قبول کر لے اور اس کی مخالفت ظاہر کرے نہ اس کی نافرمانی کرے۔ یہی حال علی رضی اللہ عنہ کا اس مدت (چھے ماہ) میں بیعتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ (کی رسم ادا کرنے) سے قبل تھا، کیوں کہ علی رضی اللہ عنہ نے اس دوران میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مخالفت ظاہر کی نہ ان کی نافرمانی کی، بلکہ انھوں نے عذر کی بنا پر حاضری (بیعت کی رسم ادا کرنے) میں تاخیر کی۔''[1]

ہم کہتے ہیں کہ یہی معاملہ حسین رضی اللہ عنہ کا بھی ہے، انھوں نے بھی یزید کی مخالفت ظاہر نہیں کی، بلکہ مصلحت (جو ان حالات میں ایک عذر تھا) کے سبب بیعت میں تاخیر کی۔ بہرحال اگلے دن وعدے کے مطابق حسین رضی اللہ عنہ مدینے میں موجود رہے، لیکن حکام دوسری مصروفیات کے باعث ان کی بیعت کا انتظام نہیں کر سکے اور پھر اس کے بعد والی رات کو حسین رضی اللہ عنہ مکہ روانہ ہوگئے:

"فَتشَاغَلُوا عَن حُسَيُن بطلبِ عَبُد اللَّهِ يوُمهُم ذَلِكَ حَتَّى أمسُوا، ثُمَّ بعث الرجَال إِلىٰ حُسَيُن عِنُدَ المساء فَقَال: أَصُبِحُوا ثُمَّ تروُنَ وَنرىٰ، فَكفُّوا عَنُه تِلَكَ اللَّيلَة، وَلَم يُلِحُّوُاا عَلَيُه، فَخرَجَ حُسَيُن من تَحت ليُلَته"[2]

''حکام اگلے دن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں مصروف رہے، یہاں تک کہ شام ہوگئی، پھر شام کو انھوں نے بعض لوگوں کو حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تو آپ نے فرمایا: صبح

➜ کا خیال ہے کہ صحیحین میں جس بیعت کا ذکر ہے، وہ تجدیدِ بیعت ہے، کیوں کہ بعض لوگ شکوک و شبہات میں مبتلا ہوگئے تھے، جن کے ازالے کے لیے علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کی تجدید کی تھی، لیکن ہمارے مطالعے کی حد تک شروع میں بیعت والی روایت صحیح نہیں ہے، جس کی وضاحت کافی تفصیل طلب ہے۔ مزید برآں صحیحین کی روایت میں یہ بھی صراحت موجود ہے کہ اس سے قبل انھوں نے بیعت نہیں کی تھی۔

[1] شرح صحيح مسلم للنووي (١٢/ ٧٧)

[2] تاريخ الطبري (٥/ ٣٤١)

ہو جائے، پھر دیکھیں گے، چناں چہ یہ لوگ واپس ہوگئے اور حسین رضی اللہ عنہ سے کوئی اصرار نہیں کیا، پھر حسین رضی اللہ عنہ اسی رات مدینے سے نکل گئے۔''

ظاہر ہے اس میں حسین رضی اللہ عنہ کی کوئی کوتاہی نہیں ہے، وہ وعدے کے مطابق اگلے دن مدینے ہی میں موجود تھے، لیکن حکام سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی خواہش کے مطابق ان کی بیعت کا انتظام نہ کرسکے اور شام کو ان کے پاس ان کی شرائط کے خلاف پہنچے تو حسین رضی اللہ عنہ نے اس بار کوئی وعدہ نہیں کیا، بلکہ کہا کہ صبح ہو جانے دو پھر دیکھیں گے، لیکن اسی رات حسین رضی اللہ عنہ مکہ روانہ ہوگئے۔

دوسرا مرحلہ: قیامِ مکہ:

حسین رضی اللہ عنہ مکہ آ گئے۔ مکہ کس لیے آئے تھے؟ اس بارے میں ہم حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسنِ ظن ہی رکھیں گے کہ ان کی نیک ترجیحات ہی تھیں۔ یہ بات قطعاً نہیں تسلیم کی جاسکتی کہ بیعتِ یزید سے چھٹکارا حاصل کرنے کی غرض سے مکہ آئے تھے، کیوں کہ:

- انھوں نے بیعت پر رضامندی ظاہر کر دی تھی۔ صرف اتنی بات ہی بیعت کے لیے کافی ہے اور رسم بیعت ادا کرنے کی مزید تاکید کے لیے ہوتی ہے، جیسا کہ گذشتہ سطور میں صحیحین کے حوالے سے واضح کیا گیا، لہٰذا اصل مقصود پورا کرنے کے بعد رسمِ بیعت ادا کرنے سے فرار بے معنی چیز ہے۔
- وہ دو دن پہلے بیعت کا وعدہ کر چکے تھے اور ان سے وعدہ خلافی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔
- دوسرے دن مکمل طور پر وہ مدینے ہی میں مقیم رہے اور وعدہ بیعت کی تکمیل کے لیے تیار تھے، مگر ان کی بیعت کا انتظام حکام کی طرف سے نہیں ہوسکا، اس میں حسین رضی اللہ عنہ کا کوئی قصور نہیں۔
- اگر بیعت سے فرار کی نیت لے کر مکہ گئے تھے تو یہ غیر معقول بات تھی، کیوں کہ مکے میں بھی ان سے بیعت کا مطالبہ ہوتا۔

مولانا سید علی احمد عباسی لکھتے ہیں:

''رہا ان دونوں بزرگوں (حسین و ابن زبیر رضی اللہ عنہما) کا مکہ آنا تو ضروری نہیں ہے کہ امیر ولید کو دھوکا دے کر ہی ان کا آنا ہوا ہو۔ آدمی یوں ہی بھی تو مکہ آ سکتا ہے۔ امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات یکم رجب ۶۰ ہجری کو ہوئی تھی اور یہ مہینا عمرے کا ہوتا ہے،

لہٰذا قرین قیاس یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگوار پہلے ہی سے غالباً بہ نیتِ عمرہ آ گئے تھے۔"[1]

بہرحال جب حسین رضی اللہ عنہ بیعت کی رسم پوری کیے بغیر مکہ پہنچ گئے اور یہ بات اہلِ کوفہ (سبائیوں یہودیوں) کو معلوم ہوئی تو انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ حسین رضی اللہ عنہ یزید کی خلافت سے متفق نہیں ہیں، پھر انھوں نے سازش رچائی کہ حسین رضی اللہ عنہ کا استعمال کر کے مسلمانوں کے درمیان خونریزی کی جائے اور جمل وصفین کی تاریخ دہرائی جائے، اس کی خاطر انھوں نے حسین رضی اللہ عنہ کی طرف خطوط بھیجنا شروع کر دیے۔ حسین رضی اللہ عنہ اہلِ کوفہ کی یہ سازش بہت پہلے ہی بھانپ گئے تھے کہ یہ کوفی انھیں خلیفہ بنانے کے لیے ہرگز نہیں بلا رہے ہیں، بلکہ ان کا اصل مقصود امتِ مسلمہ کے بیچ فتنہ و فساد اور قتل و غارت گری عام کرنا ہے اور وہ چاہتے یہ ہیں کہ اپنے اس مقصد کے لیے حسین رضی اللہ عنہ کا استعمال کریں اور جب مقصود پورا ہو جائے تو انھیں بھی قتل کر دیں گے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں:

"كَانَ أَهْلُ الْكُوفَةِ يَكْتُبُون إِلَيه، يَدْعُونَهُ إِلىٰ الْخُرُوجِ إِلَيْهِمْ فِيْ خِلَافَةِ مُعَاوِيَةَ، كُلُّ ذٰلك يأبىٰ عليهم، فقدِم منهم قَوْمٌ إلىٰ مُحَمَّدِ بن الْحَنَفِيَّةِ يَطْلُبُونَ إِلَيْهِ أَنْ يَّخْرُجَ مَعَهُمْ فَأَبىٰ، وَجَاءَ إلىٰ الحسين يَعْرِضُ عليه أَمْرَهم، **فَقَالَ لَهُ الْحُسَيْنُ: إِنَّ الْقَوْمَ إِنَّمَا يُرِيدُونَ أَنْ يَّأْكُلُوا بِنَا، وَيَسْتَطِيْلُوْا بِنَا، وَيَسْتَنْبِطُوْا دِمَاءَ النَّاسِ وَدِمَاءَنَا،** فَأَقَامَ حُسَيْنٌ عَلَى مَا هُوَ عَلَيْهِ مِنَ الْهُمُومِ، مَرَّةً يُرِيدُ أَنْ يَّسِيرَ إِلَيْهِمْ، وَمَرَّةً يَجْمعُ الْإِقَامَةَ عَنْهُم"[2]

"معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے دور میں اہلِ کوفہ حسین رضی اللہ عنہ کی طرف خطوط بھیجتے اور انھیں اپنے پاس آنے کی مسلسل دعوت دیتے تھے، لیکن حسین رضی اللہ عنہ ہر بار انکار کرتے رہے، پھر کچھ کوفی حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی محمد بن حنفیہ کے پاس آئے اور مطالبہ کیا کہ وہ ان کے ساتھ چلیں، لیکن انھوں نے بھی صاف انکار کر دیا اور حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے آ کر ان کی اس پیشکش کے بارے میں بتلایا تو **حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ کوفی لوگ درحقیقت ہمیں اپنے مفاد**

---

[1] حضرت معاویہ کی سیاسی زندگی (ص: ۳۱۳)

[2] البداية والنهاية (٨/ ١٧٤ ط إحياء التراث) البداية والنهاية (٨/ ١٦١ مكتبة المعارف) البداية والنهاية (٨/ ١٦١ ط الفكر)

<u>کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں، نیز وہ ہمارا استعمال کرکے سرکشی اور امت مسلمہ کے بیچ خونریزی پھیلانا اور خود ہمارا بھی خون بہانا چاہتے ہیں۔</u> یہ سب دیکھ کر حسین رضی اللہ عنہ فکرمند ہوگئے کبھی سوچتے کہ (اس فتنے کو ختم کرنے کے لیے) ان کے پاس جا (کر کچھ کرنا) چاہیے اور کبھی سوچتے کہ جہاں ہیں وہیں رہنا چاہیے۔''

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ اہلِ کوفہ کی دعوت کے پیچھے ان کی چھپی ہوئی سازش کو بہت اچھی طرح سمجھ چکے تھے، اسی طرح مکہ مکرمہ سے روانہ ہونے کے بعد ایک مقام پر پہنچے تو حسین رضی اللہ عنہ نے صاف طور سے کہہ دیا کہ ان کے خطوط اس بات کی غمازی کر رہے ہیں کہ یہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰ھ) نے کہا:

''أخبرنا موسىٰ بن إسماعيل قال: حدثنا جعفر بن سليمان عن يزيد الرشك قال: حدثني من شافه الحسين قال: رأيت أبنية مضروبة بفلاة من الأرض فقلت: لمن هذه؟ قالوا: هذه لحسين. قال: فأَتيته فإذا شيخ يقرأ القرآن. قال: والدموعُ تسيلُ علىٰ خديه ولحيته، قال: قلت: بأبي وأمي يا ابن رسول الله! ما أنزلَك هذه البلادَ والفلاةَ التي ليس بها أحد؟ قال: <u>**هذه كتب أهل الكوفة إِلَيَّ وَلَا أراهم إلا قاتلِيِّ،**</u> فإذا فعلوا ذلك لم يدعوا لله حرمة إلا انتهكوها فيسلط الله عليهم من يذلهم حتى يكونوا أذل من فرم الأمة، يعنى مقنعتها''[1]

''یزید بن ابی یزید ضبعی فرماتے ہیں کہ مجھے اس شخص نے بتایا، جس نے براہِ راست حسین رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی کہ میں نے بے آب وگیاہ میدان میں چند خیمے دیکھے تو میں نے لوگوں سے پوچھا: یہ کس کے خیمے ہیں؟ لوگوں نے کہا: یہ حسین رضی اللہ عنہ ہیں۔ کہتے ہیں کہ پھر میں حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو دیکھا کہ آپ قرآن پڑھ رہے ہیں اور آنسو آپ کے رخساروں اور ڈاڑھی پر بہہ رہے ہیں۔ میں نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان اے نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو اس بے آب وگیاہ میدان میں کیا چیز لے آئی ہے؟ <u>حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ میرے نام اہلِ کوفہ کے خطوط ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ مجھے</u>

---

[1] الطبقات الكبرى ـ متمم الصحابة ـ الطبقة الخامسة (١/ ٤٥٨) رجاله ثقات ما عدا الرجل المبهم.

قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر انھوں نے ایسا کر ڈالا تو اللہ کی قسم! وہ اللہ کی تمام حرمات کو پامال کر ڈالیں گے، پھر اللہ ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کرے گا، جو انھیں ذلیل کر دیں گے، یہاں تک کہ یہ لوگ لونڈی کے حقیر کپڑوں سے بھی بدتر ہو جائیں گے۔''

یہی بات ایک شیعہ مصنف نے بھی نقل کیا ہے، ملاحظہ ہو:

''إِنَّ هٰؤُلاءِ أَخَافُونِيُ، وَهٰذِهِ کتبُ أَهْلِ الْکُوفَة، وَهُمْ قَاتِلِيَّ''[1]

''یہ لوگ مجھے خوفزدہ کر رہے ہیں۔ یہ اہلِ کوفہ کے خطوط ہیں اور وہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔''

معلوم ہوا کہ حسین رضی اللہ عنہ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ اہلِ کوفہ ان کے ساتھ کبھی وفاداری نہیں کر سکتے، بلکہ اہلِ کوفہ کا مقصد آپ کو استعمال کر کے مسلمانوں کا خون بہانا اور بالآخر انھیں بھی قتل کرنا ہے، ان حالات میں یہ ناممکن ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ خلیفہ بننے کی نیت سے کوفہ جائیں اور سب کچھ جاننے کے باوجود ان غدار کوفیوں پر اعتماد کر لیں۔ کوئی معمولی سے معمولی شخص بھی ان حالات میں ایسا فیصلہ نہیں کر سکتا۔

لہٰذا درست بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ جانے کا ارادہ محض اس لیے کیا تھا، تاکہ اہلِ کوفہ کی بغاوت ختم کرنے کے لیے اپنی خدمات پیش کر سکیں، کیوں کہ حالات بتا رہے تھے کہ کوفی ان کے قتل کے درپے ہیں، مزید برآں اللہ کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کی پیشین گوئی بھی کر دی تھی، لہٰذا حسین رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ جب میرا خون بہایا جانا یقینی ہے تو بہتر ہوگا کہ مکے میں میرا خون نہ بہے اور وہ بھی اس طرح کہ میری شہادت صرف اخروی سعادت میں محصور ہو جائے اور اس کے ساتھ ساتھ امت کے لیے بھی نفع بخش نہ ہو، اس لیے بہتر یہی ہے کہ ان کی شہادت کسی اور مقام پر ہو، نیز ان کی شہادت ان کے لیے اخروی اجر و ثواب کا باعث ہونے کے ساتھ ساتھ امت کے حق میں بھی مفید ثابت ہو۔ پھر اس صورتِ حال میں حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے کل تین راستے تھے:

۱۔ جہاں پر ہیں وہیں اقامت پذیر رہیں اور مستقبل کے حالات اللہ کے سپرد کر دیں۔

۲۔ کسی سرحد پر جا کر مجاہدین کے ساتھ جہاد کرتے اور شہادت پاتے، اس طرح مکے کی سرزمین میں ان کا خون نہ بہتا، نیز ان کی شہادت سے امت کا بھی بھلا ہوتا۔

---

[1] مقتل الحسین للمقرم (ص: ۱۷۵)

۳۔ کوفہ جا کر وہیں اقامت اختیار کر لیں اور اہلِ کوفہ پر کنٹرول حاصل کریں اور انھیں سمجھا بجھا کر یا کسی بھی ممکنہ صورت پر عمل کر کے انھیں اسلامی حکومت کے تابع رکھیں، جیسا کہ ان کے بڑے بھائی حسن رضی اللہ عنہ نے کیا تھا، اگر چہ اس نیک اقدام کی وجہ سے دشمنانِ اسلام انھیں شہید کر ڈالیں، جس طرح ان کے بڑے بھائی حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔ ایسی صورت میں بھی مکے کی مقدس سرزمین پر ان کا خون نہ بہے گا، نیز اُن کی شہادت ان کے حق میں اخروی مقام و مرتبے کے ساتھ ساتھ امت کے حق میں بھی مفید ثابت ہوگی۔ چناں چہ حسین رضی اللہ عنہ نے آخری صورت کو ترجیح دی اور یہی فیصلہ کیا کہ مکے میں اپنا خون نہیں بہنے دیں، بلکہ مکے سے باہر شہادت پائیں گے اور اپنی شہادت کو ذخیرہ آخرت بنانے کے ساتھ ساتھ اُمت کے حق میں بھی مفید ثابت کریں گے، اسی مقصد کے تحت حسین رضی اللہ عنہ نے مکے سے روانگی کا فیصلہ کیا۔

یہ اقدام اگرچہ مخلصانہ تھا، لیکن بہت ہی پر خطر تھا، اس لیے بعض خیر خواہوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ مکہ نہ چھوڑیں، لیکن حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اگر میں مکہ نہ چھوڑوں گا تو یہیں پر میرا خون بہا دیا جائے گا، اس لیے بہتر ہے کہ اس مقدس سرزمین پر میرا خون نہ بہے۔

امام طبرانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۶۰ھ) نے کہا:

”حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بن مَيْسَرَةَ، عَنْ طَاوُسٍ، قَالَ:قَالَ ابْنُ عَبَّاس:اسْتَأْذَنَنِي حُسَيْنٌ فِي الْخُرُوجِ، فَقُلْت: لَوْ لَا أَنْ يُزْرِىَ ذَلِكَ بِي أَوْ بِكَ لَشَبَّكْتُ بِيَدِيْ فِيْ رَأْسِكَ، قَالَ: فَكَانَ الَّذِى رَدَّ عَلَيَّ، أَنْ قَالَ: ”لَأَنْ أُقْتَلَ بِمَكَانِ كَذَا وَكَذَا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يُسْتَحَلَّ بِي حَرَمُ اللَّهِ وَرَسُولِه“، قَال: فَذَلِكَ الَّذِي سَلىٰ بنفُسِي عَنْهُ“[1]

”عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حسین رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کوفہ روانگی کی اجازت طلب کی تو میں نے کہا: اگر میری اور آپ کی شان کے خلاف نہ ہوتا تو میں آپ کو مضبوطی سے پکڑ کر رکھتا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس پر حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں فلاں فلاں مقام پر قتل کر دیا جاؤں، یہ میرے نزدیک اس بات سے زیادہ

[1] المعجم الكبير للطبراني (۳/ ۱۹۹) وإسناده صحيح.

بہتر ہے کہ میری وجہ سے مکے کی حرمت پامال ہو۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہ بات کہہ کر حسین رضی اللہ عنہ نے مجھے مطمئن کر دیا۔''

الغرض مذکورہ ارادے کے تحت حسین رضی اللہ عنہ نے مکے سے نکلنے کا فیصلہ کر لیا، یعنی مشن یہ تھا کہ اہلِ کوفہ پر کنٹرول حاصل کر کے انھیں کسی طرح حکومتِ وقت کے ماتحت کر دیں، تاکہ جو اتحاد و اتفاق صلحِ حسن رضی اللہ عنہ سے پیدا ہوا تھا، اس کی تجدید ہو جائے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہہ لیں کہ اہلِ کوفہ حسین رضی اللہ عنہ کو بلا کر صفین کی تاریخ دہرانا چاہتے تھے اور حسین رضی اللہ عنہ اپنے بڑے بھائی حسن رضی اللہ عنہ کی تاریخ دہرانے کے خواہش مند تھے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک خط سے حسین رضی اللہ عنہ کا یہی موقف صراحتاً معلوم ہوتا ہے۔ چناں چہ جب حسین رضی اللہ عنہ نے اہلِ کوفہ کے متواتر خطوط ملنے کے بعد کوفہ جانے کا ارادہ کر لیا تو یہ بات کسی طرح یزید کو معلوم ہوگئی۔ یزید نے فوراً ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ حسین رضی اللہ عنہ کو سمجھائیں۔ امام ابن سعد نے متعدد سندوں سے نقل کیا ہے:

''وَكَتَبَ يَزِيْدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ إِلَىٰ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ يُخْبِرُهُ بِخُرُوْجِ الْحُسَيْنِ إِلٰى مَكَّةَ، وَنَحسِبُهُ جَاءَه رِجَالٌ مِّنْ أَهْلِ هٰذَا الْمَشرِق، فَمَنَّوْهُ الخِلَافَةَ، وَعِنْدَكَ مِنْهُم خِبْرَة وَتَجرِبَة، فإِنْ كَانَ فَعَلَ فَقَدْ قطعَ وَاشج الْقَرَابَة، وَأَنْتَ كَبِيْرُ أَهْل بَيتِكَ وَالمَنظُورُ إِلَيْهِ، فَاكفه عَن السَّعيِ فِيْ الْفِرقَةِ''[1]

''یزید بن معاویہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ حسین رضی اللہ عنہ مکہ جا چکے ہیں، ان کے پاس اس مشرق (کوفہ) سے کچھ لوگ آ کر انھیں خلافت کی امیدیں دلا رہے ہیں، آپ اہلِ کوفہ سے اچھی طرح واقف ہیں اور پورا تجربہ رکھتے ہیں، اس لیے سوچ لیں کہ اگر حسین رضی اللہ عنہ ایسا کر گئے تو اس سے ساری قرابت داریاں خاک میں مل جائیں گی۔ آپ اپنے گھر کے سب سے بڑے اور منظورِ نظر شخص ہیں، لہٰذا آپ حسین رضی اللہ عنہ کو تفرقہ ڈالنے کی کوششوں سے روکیں۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواباً یزید کو لکھا اور انھیں آگاہ کیا کہ حسین رضی اللہ عنہ کا خروج آپ کے خلاف نہیں ہے، وہ کوفہ جا کر ایسا کوئی کام نہیں کریں گے، جو آپ کو ناپسند ہو:

---

[1] الطبقات الكبرىٰ (١/ ٤٥٠) تاريخ مدينة دمشق (١٤/ ٢١٠) بغية الطلب في تاريخ حلب (٦/ ٢٦١١) البداية والنهاية (٨/ ١٦٤) تهذيب الكمال للمزي (٦/ ٤٢٠) سير أعلام النبلاء للذهبي (٣/ ٣٠٤)

"فَكَتَبَ إِلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ بنِ عَبَّاسٍ: **إِنِّي أَرْجُو أَنْ لَّا يَكُونَ خُرُوجُ الْحُسَين لأمْرٍ تَكْرَهُهُ،** وَلسْتُ أَدَعُ النَّصِيحَةَ لَه فِيمَا يَجْمَع اللّٰهُ بِه الألفةَ وَيُطْفِئُ بِه النَّائِرَةَ"[1]

''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جواباً یزید کو لکھا کہ **مجھے پوری امید ہے کہ (کوفہ کی طرف) حسین رضی اللہ عنہ کسی ایسے مقصد کی خاطر نہیں نکل رہے، جو آپ کو ناپسند ہو** اور میں انھیں پوری طرح ایسی چیزوں کی نصیحتیں کردوں گا، جن سے ان شاء اللہ اتحاد و اتفاق قائم ہوگا اور فتنے کی آگ بجھ جائے گی۔''

اسی طرح کربلا سے حسین رضی اللہ عنہ نے عبیداللہ بن زیاد کے پاس ایک خط لکھا اور یہ خط پڑھ کر عبیداللہ بن زیاد نے بھی حسین رضی اللہ عنہ کے اسی موقف کی وضاحت کی:

"فَلَمَّا قَرأَ عُبَيْدُ اللَّهِ الكِتَابَ قَالَ: هَذَا كِتَابُ رجُلٍ نَاصِحٍ لِأَمِيرِه، مُشفِقٍ عَلَى قَومِه، نَعم قَدْ قَبِلْتُ"[2]

''عبیداللہ بن زیاد، حسین رضی اللہ عنہ کا خط پڑھ کر پکار اٹھا کہ **یہ تو ایسے شخص کا خط ہے، جو اپنے خلیفہ کا خیر خواہ ہے اور اپنی قوم پر شفیق ہے۔** مجھے حسین رضی اللہ عنہ کی بات منظور ہے۔''

بعض لوگوں نے خود حسین رضی اللہ عنہ کے خروج کا مقصد انھیں کے الفاظ میں یوں نقل کیا ہے:

"وَإِنِّيْ لَمْ أَخْرُجْ أَشَراً، وَلَا بَطَراً، وَلَا مُفْسِداً، وَلَا ظَالِماً، وَإِنَّمَا خَرجْتُ لِطلبِ الْإِصْلاحِ فِيْ أُمَّةِ جَدِّيْ، أُرِيدُ أَنْ آمرَ بِالْمَعرُوفِ، وَأَنْهىٰ عَنِ الْمُنْكرِ"[3]

''میرا خروج کسی سرکشی یا تکبر کی بنا پر ہے نہ میں فساد یا ظلم برپا کرنا چاہتا ہوں، بلکہ میں تو صرف اس لیے نکلا ہوں، تاکہ اپنے نانا کی امت میں اصلاح کا کام کروں، میرا مقصد محض بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہے۔''

مولانا یار خان لکھتے ہیں:

---

[1] الطبقات الكبرىٰ (١/ ٤٥٠) تاريخ مدينة دمشق (١٤/ ٢١٠) بغية الطلب في تاريخ حلب (٦/ ٢٦١١) البداية والنهاية (٨/ ١٦٤) تهذيب الكمال للمزي (٦/ ٤٢٠) سير أعلام النبلاء للذهبي (٣/ ٣٠٤)

[2] تاريخ الطبري (٥/ ٤١٤)

[3] مقتل الحسين للخوارزمي (١/ ١٨٩) و عام کتب شیعہ.

''امام جب شیعہ تھے تو شیعوں نے قتل کیوں کیا؟ معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ برعکس ہے۔ امام، امام اہلِ سنت تھے، ان کا مذہب وہی تھا جو باقی عرب کا تھا، اسی وجہ سے کوفہ کے شیعوں نے دھوکا دے کر امام کو بلایا اور قتل کیا۔ امام کو معلوم تھا کہ وہ شیعہ ہیں، مگر ان کی اصلاح کی خاطر چلے گئے۔''[1]

محمد مبشر نذیر صاحب لکھتے ہیں:

''اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے ان مخلص رشتے داروں کی بات کیوں نہ مانی اور اہلِ کوفہ کے باغیوں پر اعتبار کر کے وہاں کیوں چلے گئے؟ اوپر بیان کردہ خط کو پڑھنے سے اس کی جو وجہ سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ آپ کا بغاوت برپا کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا، بلکہ آپ ان باغیوں کو کنٹرول کر کے حکومتِ وقت کے معاملات کی اصلاح کرنا چاہتے تھے۔ حکومت کے رویے سے بھی یہی ظاہر تھا کہ یہ لوگ حضرت حسین کا احترام کر رہے تھے۔''[2]

الغرض حسین رضی اللہ عنہ خلیفہ بننے کی نیت سے کوفہ نہیں جا رہے تھے، بلکہ ان کا مقصد اہلِ کوفہ کی شر انگیزی پر قابو پانا اور اُمت کے مابین متوقع خونریزی کو روکنا تھا۔ اہلِ کوفہ چاہتے تھے کہ وہ ابن سبا کی تاریخ دہرا کر امت مسلمہ میں تباہی پھیلائیں، جبکہ حسین رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ حسن رضی اللہ عنہ کی تاریخ دہرا کر امت کو متحد اور عالمِ اسلام میں امن و امان قائم کیا جائے۔ بہرحال اہلِ کوفہ کی سازشوں کو ناکام بنانے ہی کی خاطر حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ جانے کا ارادہ کر لیا، مگر یہ کام آسان نہیں تھا۔ اہلِ کوفہ مستقل تو کیا، چند دنوں کے لیے بھی حسین رضی اللہ عنہ کے کنٹرول میں آسکتے تھے نہ ان کی کسی ہدایت پر عمل پیرا ہوسکتے تھے، اس لیے متعدد خیر خواہان نے انھیں کوفہ نہ جانے ہی کا مشورہ دیا اور حسین رضی اللہ عنہ نے بھی ان مشوروں میں وزن محسوس کیا، اس لیے کوفہ کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے مسلم بن عقیل کو وہاں بھیجا:

''ثُمَّ دَعَا الْحُسَيْنُ مُسْلِمَ بْنَ عَقِيلٍ فَسَيَّرَهُ نَحْوَ الْكُوفَةِ، وَأَمَرَهُ بِتَقْوَىٰ اللَّهِ وَكِتْمَانِ أَمْرِهِ''[3]

---

[1] حضرت حسین کے قاتل خود شیعہ تھے۔ (ص: ۱۷)

[2] عہدِ صحابہ اور جدید ذہن کے شبہات (ص: ۴۵۴)

[3] تاريخ الطبري (٥/ ٣٥٤) الكامل في التاريخ (٣/ ١٣٤)

’’پھر حسین رضی اللہ عنہ نے مسلم بن عقیل کو بلایا، پھر انھیں کوفہ کی جانب روانہ کیا اور تقوی اور اپنے معاملے کو راز میں رکھنے کا حکم دیا۔‘‘

مسلم بن عقیل وہاں پہنچے تو ابتدا میں ان کی خوب مقبولیت ہوئی اور انھوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیج دیا کہ کوفہ آ جائیں، حالات آپ کے موافق ہیں۔ یہ پیغام ملتے ہی حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ اُدھر حسین رضی اللہ عنہ کوفے کی طرف روانہ ہوئے اور اِدھر کوفہ میں مسلم بن عقیل کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی ظاہر کرنے والے ان کے ساتھ جمع ہوتے رہے اور حکومتِ وقت کے خلاف سازش اور مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کا منصوبہ بنانے لگے۔ اس وقت کوفہ کے امیر صحابیِ رسول نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ تھے۔ ایک شخص نے انھیں اہلِ کوفہ کی اس خوفناک سرگرمی سے آگاہ کیا تو انھوں نے اہلِ کوفہ کو نصیحت کی:

’’وَانْتَشَرَ خَبَرُهُمْ حَتَّى بَلَغَ أَمِيرَ الْكُوفَةِ النُّعْمَانَ بْنَ بشير، خَبَّرَهُ رَجُلٌ بِذَلِكَ، فَجَعَلَ يَضْرِبُ عَنْ ذَلِكَ صَفْحًا، وَلَا يَعْبَأُ بِهِ، وَلَكِنَّهُ خَطَبَ النَّاسَ، وَنَهَاهُمْ عَنِ الِاخْتِلَافِ وَالْفِتْنَةِ، وَأَمَرَهُمْ بِالِائْتِلَافِ وَالسُّنَّةِ، وَقَالَ: إِنِّي لَا أُقَاتِلُ مَنْ لَا يُقَاتِلُنِي، وَلَا أَثِبُ عَلىٰ مَنْ لَا يَثِبُ عَلَيَّ، وَلَا آخُذُكُمْ بِالظِّنَّةِ، وَلَكِنْ وَاللَّهِ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَئِنْ فَارَقْتُمْ إِمَامَكُمْ، وَنَكَثْتُمْ بَيْعَتَهُ لَأُقَاتِلَنَّكُمْ مَا دَامَ فِي يَدِي مِنْ سَيْفِي قَائِمَتُهُ‘‘[1]

’’ان لوگوں کی خبر عام ہوگئی، یہاں تک امیرِ کوفہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ تک پہنچی، ان تک ایک شخص نے یہ خبر پہنچائی تھی، لیکن انھوں نے اسے نظر انداز کیا اور اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ البتہ اہلِ کوفہ کو خطاب کیا، انھیں اختلاف اور فتنہ انگیزی سے روکا اور اتحاد و اتفاق اور سنت کی پیروی کا حکم دیا اور کہا: جو شخص مجھ سے قتال نہیں کرے گا، میں بھی اس سے قتال نہیں کروں گا اور جو شخص مجھ پر حملہ نہیں کرے گا، میں بھی اس پر حملہ نہیں کروں گا، نیز محض شبہے کی بنیاد پر میں کسی کے خلاف کارروائی نہیں کروں گا، لیکن اس اللہ کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے! اگر تم لوگ اپنے امام (یزید بن معاویہ)

[1] البداية والنهاية (٨/ ١٥٢) مكتبة المعارف.

سے برگشتہ ہوگئے اور اُن کی بیعت توڑ دی تو جب تک میرے ہاتھوں میں تلوار رہے گی، میں تم سے قتال کرتا رہوں گا۔"

لیکن اس تقریر کا اہلِ کوفہ پر کوئی اثر دکھائی نہ دیا اور ان کی فتنہ انگیز سرگرمیاں جاری رہی تو بعض لوگوں نے اس پوری صورتِ حال سے یزید کو خط لکھ کر باخبر کر دیا۔ یزید کو جب پتا چلا کہ اہلِ کوفہ اس قدر بڑے پیمانے پر فتنہ وفساد کا ارادہ رکھتے ہیں اور محض نصیحتوں سے قابو میں آنے والے نہیں معلوم ہوتے تو یزید نے ممکنہ فتنے کی سرکوبی کے لیے بعض لوگوں کے مشورے پر کوفہ کی امارت عبیداللہ بن زیاد کے سپرد کر دی:

فَكَتَبَ ذلك الرجلُ إلىٰ يزيدَ، يُعْلِمُهُ بِذَلِكَ، وَكَتَبَ إِلَى يَزِيدَ عُمَارَةُ بْنُ عقبة و عمر بن سعد بن أبي وقاص فبث يَزِيدُ فَعَزَلَ النُّعْمَانَ عَنِ الْكُوفَةِ، وَضَمَّهَا إِلَى عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ زِيَادٍ مَعَ الْبَصْرَةِ، وَذَلِكَ بِإِشَارَةِ سَرْجُونَ مَوْلَىٰ يَزِيدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ"[1]

"پھر اس شخص نے یزید کو اس پوری صورت حال کے بارے میں لکھا، نیز عمارہ بن عقبہ اور عمر بن سعد بن ابی وقاص نے بھی یزید کو ان حالات کے بارے میں لکھا تو یزید نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو کوفہ سے معزول کر دیا اور عبیداللہ بن زیاد کو بصرہ کے ساتھ کوفے کی امارت بھی سونپ دی۔ یزید نے یہ فیصلہ اپنے آزاد کردہ غلام سرجون کے مشورے پر کیا تھا۔"

عبیداللہ بن زیاد کی آمد کی خبر سنتے ہی مسلم بن عقیل کی نصرت وحمایت کا جھوٹا دعوی کرنے والے اپنی اوقات پر آ گئے۔ مسلم بن عقیل کی مدد کرنا تو دور کی بات، ان میں سے کسی کو یہ بھی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ مسلم بن عقیل کو اپنے گھر میں ٹھہرا سکیں، چناں چہ مسلم بن عقیل در در کی ٹھوکریں کھاتے ہوئے ناخواندہ مہمان کی طرح ہانی بن عروہ کے گھر پہنچے اور ان کی مرضی کے بغیر ان کے یہاں مقیم ہوگئے:

"حَتَّى انتهى إِلىٰ دارِ هانيٍ بن عروة المرادي، فدخل بابَه، وأرسل إِلَيْهِ أن اخرج، فخرج إِلَيْهِ هَانِئٌ، فكره هاني مكانه حين رآه، فَقَالَ لَهُ مسلم: أتيتُك لِتُجِيرَنِيْ وَتُضِيفَنِيْ، فَقَالَ: رَحِمَكَ اللّٰهُ! لَقَدْ كَلَّفْتَنِيْ

---

[1] البداية والنهاية (٨/ ١٥٢) مكتبة المعارف.

شططا، ولولا دخولك داري وثقتك لأحببتُ ولسألتُك أن تخرج عني‘‘[1]

’’مسلم بن عقیل ہانی بن عروہ مرادی کے گھر پہنچے تو ان کے دروازے میں داخل ہوگئے اور انھیں باہر بلایا۔ ہانی باہر آئے تو مسلم بن عقیل کو سامنے پا کر کراہت محسوس کی۔ مسلم نے ان سے کہا: میں آپ کے پاس آیا ہوں، تاکہ آپ مجھے پناہ دیں اور مہمان بنالیں۔ ہانی نے کہا: اللہ آپ پر رحم کرے! آپ نے مجھے مشکل میں ڈال دیا ہے۔ اگر آپ میرے گھر میں داخل نہ ہوئے ہوتے اور آپ کا اعتماد نہ ہوتا تو میں چاہتا اور آپ سے گزارش کرتا کہ آپ یہاں سے چلے جائیں۔‘‘

بہرحال ہانی نے نہ چاہتے ہوئے بھی انھیں اپنے گھر ٹھہرا لیا اور جب عبیداللہ بن زیاد کوفہ پہنچ کر حالات کو قابو میں کرنے کی کوشش کرنے لگا تو مسلم بن عقیل کے نام نہاد اعوان وانصار نے عبیداللہ بن زیاد کے قتل کا منصوبہ بنایا اور اس کام کے لیے مسلم بن عقیل ہی کو مجبور کیا کہ وہ عبیداللہ بن زیاد کو قتل کریں:

’’وَقَدْ تَحَوَّلَ مُسْلِمُ بْنُ عَقِيلٍ إِلىٰ دار هانيءِ بن حميد بن عروة المرادي، ثم إِلىٰ دَارِ شَرِيكِ بْنِ الْأَعْوَرِ، وَكَانَ مِنَ الْأُمَرَاءِ الْأَكَابِرِ، وَبَلَغَهُ أَنَّ عُبَيْدَ اللَّهِ يُرِيدُ عِيَادَتَه، فَبَعَثَ إِلَى هَانِيءٍ يَقُولُ لَه: اِبْعَثْ مُسْلِمَ بْنَ عَقِيلٍ حَتّٰى يَكُونَ فِيْ دَارِي لِيَقْتُلَ عُبَيْدَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ يَعُودُنِى، فَبَعَثَهُ إِلَيْهِ، فَقَالَ لَهُ شَرِيك: كُنْ أَنْتَ فِيْ الْخِبَاءِ، فَإِذَا جَلَسَ عُبَيْدُ اللَّهِ فَإِنِّي أَطْلُبُ الْمَاءَ، وَهِيَ إِشَارَتِيْ إِلَيْكَ، فَاخْرُجْ فَاقْتُلْهُ، فَلَمَّا جَاءَ عُبَيْدُ اللَّهِ جَلَسَ عَلىٰ فِرَاشِ شَرِيكٍ، وَعِنْدَهُ هَانِيءُ بْنُ عُرْوَةَ، وَقَامَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ غُلَامٌ، يُقَالُ لَهُ: مِهْرَانُ، فَتَحَدَّثَ عِنْدَهُ ساعة، ثمَّ قال شريك: اِسْقُوني، فَتَجَبَّنَ مُسْلِمٌ عَنْ قَتْلِهِ‘‘[2]

’’مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ کے گھر منتقل ہوگئے۔ پھر (ابن زیاد کو قتل کرنے کے لیے بلوائے جانے پر) شریک بن اعور کے گھر آئے، جو اکابرین امرا میں سے تھا۔ دراصل شریک کو معلوم ہوا کہ عبیداللہ بن زیاد اس کی عیادت کرنا چاہتا ہے تو شریک نے ہانی بن عروہ

[1] تاريخ الطبري (٥/ ٣٦٢)

[2] البداية والنهاية (٨/ ١٥٣) مكتبة المعارف.

(جہاں مسلم بن عقیل ناخواندہ مہمان بن کر ٹھہرے ہوئے تھے) کے پاس پیغام بھیجا، جس میں کہا کہ مسلم بن عقیل کو میرے گھر بھیج دو، تا کہ جب عبیداللہ بن زیاد میرے گھر پہنچے تو مسلم بن عقیل اسے قتل کر دیں۔ چناں چہ ہانی بن عروہ نے مسلم بن عقیل کو شریک کے گھر بھیج دیا تو شریک نے مسلم بن عقیل سے کہا: تم گھر میں چھپ جاؤ، جب عبیداللہ بن زیاد یہاں بیٹھے گا تو میں پانی طلب کروں گا۔ یہ تمھاری طرف میرا اشارہ ہوگا، یہ سنتے ہی تم باہر نکل کر عبیداللہ بن زیاد کو قتل کر دینا۔ چناں چہ جب عبیداللہ بن زیاد آیا تو شریک کے بستر پر بیٹھا۔ ہانی بن عروہ بھی اس کے پاس موجود تھا اور (ابن زیاد کا) مہران نامی غلام ان کے سامنے کھڑا تھا۔ پھر عبیداللہ بن زیاد نے تھوڑی دیر شریک سے گفتگو کی، اس کے بعد شریک نے کہا: مجھے پانی پلاؤ! لیکن مسلم بن عقیل نے عبیداللہ بن زیاد کو قتل کرنے سے بزدلی دکھائی۔‘‘

شریک بار بار پانی مانگ کر مسلم بن عقیل کو اشارہ دیتا رہا، یہ صورت حال دیکھ کر مہران نامی غلام نے سازش کی بو سونگھ لی اور عبیداللہ بن زیاد کو اشارہ کر دیا:

’’فَفَهِمَ مِهْرَانُ الْغَدْرَ فَغَمَزَ مَوْلَاهُ فَنَهَضَ سَرِيعًا وَخَرَجَ، فَقَالَ شَرِيكٌ: أَيُّهَا الْأَمِيرُ، إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُوصِيَ إليك، فقال: سَأَعُودُ! فخرج به مولاه فَأَرْكَبَه وَطَرَدَ به -أي سَاقَ به- وجعل يقول له مولاه: إِنَّ الْقَوْمَ أَرَادُوا قَتْلَكَ! فَقَالَ: وَيْحَكَ إِنِّي بِهِمْ لَرَفِيقٌ، فَمَا بَالُهُمْ؟!‘‘[1]

’’مہران نے غداری بھانپ لی اور اپنے آقا عبیداللہ بن زیاد کو اشارہ کیا تو وہ جلدی سے اٹھا اور باہر نکل گیا۔ شریک نے کہا: اے امیر محترم! میں ایک وصیت کرنا چاہتا ہوں۔ عبیداللہ بن زیاد نے کہا: میں بعد میں آتا ہوں۔ پھر غلام اپنے آقا کو لے کر نکل گیا تو اسے سوار کر کے وہاں سے روانہ ہوگیا اور اپنے آقا سے کہنے لگا: ان لوگوں نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا تھا۔ عبیداللہ بن زیاد نے کہا: تو ہلاک ہو! میں تو ان کے ساتھ نرمی سے پیش آرہا ہوں، پھر انھیں کیا ہوگیا ہے؟‘‘

---

[1] البداية والنهاية (٨/ ١٥٣) مكتبة المعارف

معلوم ہوا کہ عبیداللہ بن زیاد نے بھی شروع شروع میں نرمی وشفقت ہی سے معاملات سلجھانے کی کوشش کی، حتی کہ کوفہ کے اکابرین کو اپنے پاس بلانے کے بجائے خود اُن کے پاس جا کر بات چیت کرنی چاہی، لیکن پہلے مرحلے ہی میں اہلِ کوفہ نے غداری کا ثبوت دیا، حتی کہ عبیداللہ بن زیاد کی جان کے پیچھے پڑ گئے۔ اس سے بآسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ عبیداللہ بن زیاد کی نرمی وشفقت کے جواب میں اس کے قتل کی منصوبہ بندی عبیداللہ بن زیاد کے لیے قطعا ناقابلِ برداشت ہوگی اور ظاہر ہے کہ وہ اپنے دشمنوں، اپنے خون کے پیاسوں اور اسلامی خلافت کے خلاف سازش کرنے والوں کو کسی بھی صورت کامیاب نہیں ہونے دے گا۔

چناں چہ جوں ہی پتا چلا کہ اس کے قتل کا ارادہ کرنے والے مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ کے گھر مقیم تھے تو فوراً عبیداللہ بن زیاد نے ہانی بن عروہ کو حراست میں لے لیا اور اس سے پوچھ تاچھ کی، اس نے شروع میں مسلم بن عقیل سے لاعلمی ظاہر کی، لیکن تھوڑی دیر بعد اقرار کر لیا کہ مسلم بن عقیل اس کے گھر تھے، مگر اس نے انھیں بلایا نہیں تھا، بلکہ وہ خود ہی اس کے گھر آ ٹھہرے تھے، چناں چہ ہانی بن عروہ نے کہا:

"أَصْلَحَ اللّٰهُ الْأَمِيرَ! وَاللّٰهِ مَا دَعَوْتُهُ إِلىٰ مَنْزِلِيْ، وَلَكِنَّهُ جَاءَ فَطَرَحَ نَفْسَهُ عَلَيَّ"[1]

"اللہ امیر محترم (عبیداللہ بن زیاد) کا بھلا کرے! اللہ کی قسم! میں نے مسلم بن عقیل کو اپنے گھر نہیں بلایا، بلکہ انھوں نے خود آ کر اپنے آپ کو مجھ پر ڈال دیا ہے۔"

اس کے بعد عبیداللہ بن زیاد نے ہانی بن عروہ سے مسلم بن عقیل کا پتا پوچھا تو ہانی بن عروہ نے بتانے سے انکار کیا، جس پر عبیداللہ بن زیاد نے اس کی پٹائی کی اور اسے قید کر دیا:

"فَأَمَرَ بِهٖ فَحُبِسَ فِيْ جَانِبِ الْقَصْرِ"[2]

"پھر عبیداللہ بن زیاد کے حکم سے ہانی کو قصر کے ایک گوشے میں قید کر دیا گیا۔"

کذابوں اور جھوٹوں نے مار پیٹ اور قید کی خبر کو قتل کی خبر بنا دیا اور یہ شور کر دیا کہ عبیداللہ بن زیاد نے ہانی بن عروہ کو قتل کر دیا ہے۔ یہ سن کر ہانی بن عروہ کی قوم والے آ کر عبیداللہ بن زیاد

---

[1] البداية والنهاية (٨/ ١٥٤) مكتبة المعارف.

[2] تاريخ الطبري (٥/ ٣٤٩) البداية والنهاية (٨/ ١٥٤) مكتبة المعارف.

کے قصر کے دروازے پر جمع ہوگئے:

''وَجَاءَ قَوْمُهُ مِنْ بَنِي مَذْحِجٍ مَعَ عَمْرِو بْنِ الْحَجَّاجِ فَوَقَفُوا عَلٰى بَابِ الْقَصْرِ يَظُنُّونَ أَنَّه قَدْ قُتِلَ، فَسَمِعَ عُبَيْدُ اللَّهِ لَهُمْ جَلَبَةً، فَقَالَ لِشُرَيْحٍ الْقَاضِي وَهُوَ عِنْدَهُ: أُخْرُجْ إِلَيْهِمْ فَقُلْ لَهُمْ: إِنَّ الْأَمِيرَ لَمْ يَحْبِسْهُ إِلَّا لِيَسْأَلَهُ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ عَقِيلٍ، فَقَالَ لَهُم: إِنْ صَاحِبَكُمْ حَيٌّ، وَقَدْ ضَرَبَهُ سُلْطَانُنَا ضَرْبًا لَمْ يَبْلُغْ نَفْسَهُ، فَانْصَرِفُوا وَلَا تُحِلُّوا بِأَنْفُسِكُمْ وَلَا بِصَاحِبِكُمْ، فَتَفَرَّقُوا إِلَى مَنَازِلِهِمْ''[1]

''ہانی بن عروہ کی قوم والے بنو مذحج، عمرو بن الحجاج کے ساتھ آئے اور قصر کے دروازے پر کھڑے ہوگئے۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ ہانی بن عروہ قتل کر دیے گئے ہیں۔ عبیداللہ بن زیاد نے ان کا شور اور ہنگامہ سنا تو قاضی شریح سے، جو اس کے پاس ہی تھے، کہا: آپ ان کی طرف جائیں اور ان سے کہیں کہ امیر (عبیداللہ بن زیاد) نے ہانی بن عروہ کو مسلم بن عقیل سے متعلق صرف پوچھ تاچھ کے لیے حراست میں لیا ہے۔ چناں چہ قاضی شریح نے ان سے کہا: تمھارا ساتھی زندہ ہے، ہمارے امیر نے اسے مارا ہے، لیکن اس کی جان نہیں لی ہے۔ اس لیے تم واپس ہو جاؤ اور اپنے ساتھی کی اور اپنی جانیں مت گنواؤ۔ پھر وہ لوگ اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔''

یہ لوگ اس وقت تو چلے گئے، لیکن پھر کوفے کے فتنہ پرداز اور سازشی درندے چپ نہیں بیٹھے، بلکہ انھوں نے اپنے ہم خیال لوگوں کو بلا بلا کر ایک لشکر تیار کر لیا اور مسلم بن عقیل کو اس کا امیر مقرر کر دیا، پھر آگے بڑھ کر دارالامارہ (گورنر ہاؤس) کا محاصرہ کر لیا اور اس پر حملہ کر دیا:

''فَبَادَرَ عُبَيْدُ اللّٰهِ فَدَخَلَ الْقَصْرَ وَمَنْ مَعَهٗ وَأَغْلَقُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَلَمَّا انْتَهٰى مُسْلِمٌ إِلٰى بَابِ الْقَصْرِ، وَقَفَ بِجَيْشِهٖ هُنَاكَ''[2]

''عبیداللہ بن زیاد اور اس کے ساتھی فوراً قصر کے اندر داخل ہوگئے اور قصر کا دروازہ حملہ آوروں پر بند کر دیا۔ جب مسلم بن عقیل قصر کے دروازے پر پہنچے تو اپنے لشکر کو وہیں ٹھہرا دیا۔''

---

[1] البداية والنهاية (٨/ ١٥٤) مكتبة المعارف.

[2] البداية والنهاية (٨/ ١٥٤) مكتبة المعارف.

عبیداللہ بن زیاد نے اس بار بھی ان حملہ آوروں کو سمجھانے بجھانے کی کوشش کی اور ایک بار پھر قصر میں موجود کوفہ کے اشراف سے کہا کہ اہلِ کوفہ کو سمجھائیں کہ دارالامارہ پر حملہ کرنے سے باز رہیں:

"فَأَشْرَفَ أُمَرَاءُ الْقَبَائِلِ الَّذِينَ عِنْدَ عُبَيْدِ اللَّهِ فِيُ الْقَصْرِ، فَأَشَارُوا إِلٰى قَوْمِهِمُ الَّذِينَ مَعَ مُسْلِمٍ بِالْاِنْصِرَافِ"[1]

"عبیداللہ بن زیاد کے پاس قصر میں قبائل کے جو اُمرا تھے، انھوں نے مسلم بن عقیل کے ساتھ موجود اپنی قوم والوں کو سمجھایا کہ وہ واپس چلیں جائیں۔"

سمجھانے بجھانے سے کئی لوگ باز آ گئے اور اپنے گھر واپس چلے گئے، مگر کچھ مسلم بن عقیل کو لے کر ڈٹے رہے، جن پر قصر کی دیواروں سے جوابی حملہ کیا گیا۔ احمد بن داود الدینوری (۲۸۲ھ) لکھتے ہیں:

"فتقدموا جميعا حتى أحاطوا بالقصر، واتبعهم هو في بقية الناس، وتحصن عبيد الله بن زياد في القصر مع من حضر مجلسه في ذلك اليوم من أشراف أهل الكوفه والأعوان والشرط، وكانوا مقدار مائتي رجل، فقاموا على سور القصر يرمون القوم بالمدر والنشاب، ويمنعونهم من الدنو من القصر، فلم يزالوا بذلك حتى أمسوا"[2]

"ان تمام کوفیوں نے پیش قدمی کی، یہاں تک عبیداللہ بن زیاد کے قصر (گورنر ہاؤس) کا محاصرہ کر لیا۔ مسلم بن عقیل بھی بقیہ لوگوں کے ساتھ ان کے پاس پہنچے۔ عبیداللہ بن زیاد قصر میں اُن لوگوں کے ساتھ محصور ہو گیا، جو اس دن اس کی مجلس میں حاضر تھے۔ یہ کوفے کے اشراف و اکابر اور پولیس کے لوگ تھے۔ ان کی تعداد دو سو کے قریب تھی۔ یہ لوگ قصر کی دیواروں پر کھڑے ہو گئے اور کوفی حملہ آوروں پر نیزے اور بھالے برسانے لگے اور انھیں قصر کے قریب آنے سے روکنے لگے۔ شام تک یہ لڑائی جاری رہی۔"

بالآخر مسلم بن عقیل کا لشکر پسپا ہوا اور ایک ایک کر کے سارے کوفی بھاگنے لگے اور مسلم بن عقیل کو تنہا چھوڑ دیا، پھر مسلم بن عقیل کو بھی فرار ہونا پڑا۔ اہلِ کوفہ نے انھیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا، جس کے نتیجے میں وہ گرفتار کر لیے گئے اور عبیداللہ بن زیاد کے قتل کی سازش میں شرکت، دار الامارة

[1] البداية والنهاية (٨/ ١٥٤) مكتبة المعارف.

[2] الأخبار الطوال (ص٢٣٨)

(گورنر ہاؤس) پر لشکر کشی اور متعدد سپاہیوں پر قاتلانہ حملے کے جرم میں انھیں قتل کر دیا گیا۔

حسین رضی اللہ عنہ نے انھیں اس کام کے لیے کوفہ نہیں بھیجا تھا اور جو کام انھیں سونپا تھا، اسے بھی راز میں رکھنے کا حکم دیا تھا، لیکن افسوس کہ کوفیوں نے اپنے ناپاک ارادوں کے لیے ان کا استعمال کیا، انھیں عبیداللہ بن زیاد کے قتل پر اُکسایا، قصرِ حکومت پر لشکر کشی اور سپاہیوں پر حملہ کروایا، پھر انھوں نے ہی انھیں گرفتار کیا اور عبیداللہ بن زیاد کے حکم سے انھیں قتل بھی کیا، اسی لیے مسلم بن عقیل نے قتل ہونے سے قبل کہا:

"اللهم احكم بيننا وبين قوم كذبونا وغرونا وخذلونا وقتلونا"[1]

''اے اللہ! ہمارے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ کر دے، جنھوں نے ہمیں جھٹلایا، ہمیں دھوکا دیا، ہمیں رسوا کیا اور ہمیں قتل کیا۔''

بعض روایات کے مطابق قتل سے قبل مسلم بن عقیل نے حسین رضی اللہ عنہ تک یہ پیغام پہنچانے کی وصیت کی کہ وہ کوفہ نہ آئیں اور مکہ واپس ہو جائیں۔ لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی، کیوں کہ مسلم بن عقیل کے پہلے پیغام کے بعد حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کے لیے روانہ ہو چکے تھے۔

تیسرا مرحلہ: کوفہ روانگی:

مسلم بن عقیل کا پیغام ملنے کے بعد حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کے لیے روانہ ہوگئے، لیکن راستے ہی میں معلوم ہوا کہ مسلم بن عقیل قتل کر دیے گئے ہیں اور ان کے ساتھ اہلِ کوفہ نے غداری کی ہے تو یہ خبر پاتے ہی حسین رضی اللہ عنہ نے واپسی کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن وہ کوفی جو آپ کو لینے کے لیے آئے تھے اور آپ کے ساتھ تھے، انھوں نے ایک طرف تو مسلم بن عقیل کے بھائیوں کو انتقام کا نعرہ دیا تو وہ کہنے لگے:

"لَا وَاللَّهِ لَا نبرَحُ حَتّٰى نُدرِكَ ثَأرَنَا، أَوْ نَذُوْقَ مَا ذَاقَ أَخُونَا"[2]

''ہم ہرگز واپس نہ ہوں گے، یہاں تک کہ ہم انتقام لے لیں یا ہمارا بھی وہی انجام ہو، جو ہمارے بھائی کا ہوا۔''

پھر دوسری طرف ان کوفیوں نے حسین رضی اللہ عنہ سے کہا:

[1] تاریخ الطبري (٥/ ٣٧٨)

[2] تاریخ الطبري (٥/ ٣٩٧)

”إِنَّكَ وَاللَّهِ! مَا أَنْتَ مِثل مُسلِم بُن عَقيل، وَلَو قَدِمتَ الْكُوفَة لَكَانَ النَّاسُ إِلَيكَ أَسرَع“[1]

”یقیناً آپ مسلم بن عقیل کی طرح نہیں ہیں (وہ لوگ نہیں جانتے تھے) لیکن آپ اگر کوفہ پہنچ جائیں تو لوگ آپ کی اطاعت کے لیے ٹوٹ پڑیں گے۔“

کوفیوں کی مکاریوں کی وجہ سے حسین رضی اللہ عنہ چاہنے کے باوجود واپس نہ ہوسکے اور بادل نخواستہ اپنا سفر جاری رکھا۔ اس موڑ پر پہنچ کر حسین رضی اللہ عنہ اپنے تمام ارادے منسوخ کر دیتے ہیں، ان کا جو بھی موقف تھا، یہاں آنے کے بعد بدل جاتا ہے، اس کے بعد آگے جو کچھ ہوا، وہ حسین رضی اللہ عنہ کے اس موقف سے ہٹ کر تھا، جو انھوں نے مکے میں اختیار کیا تھا، بہرحال حسین رضی اللہ عنہ مستقبل کے حالات سے بے خبر آگے بڑھتے رہے۔ جب کوفہ کے قریب پہنچے تو آپ کو بعض اعرابیوں سے معلوم ہوا کہ کوفہ کے حالات بہت ہی نازک ہیں، وہاں جانا مناسب نہیں، اس لیے آپ نے یہاں سے دمشق کا رخ کیا، جہاں یزید بن معاویہ موجود تھے:

”إِنَّ ابنَ زِيَادٍ أَمَرَ بِأَخذِ مَا بَينَ وَاقصَة إِلٰى طَرِيقِ الشَّأمِ إِلٰى طَرِيقِ البَصرَةِ فَلا يَدعونَ أحداً يَلِجُ وَلَا أحداً يَخرُجُ فَأقبَلَ الْحُسَيْنُ وَلَا يشعرُ بِشَيئٍ حَتّٰى لَقِى الْأَعرَابَ فَسأَلَهُم، فَقَالُوا: لَا وَاللّٰهِ! مَا نَدرِیْ غَيرَ أَنا لَا نَستَطِيعُ أَن نَّلِجَ وَلَا نخرجَ. قَالَ: فَانطَلَقَ يَسِيرُ نَحو طَرِيق الشَّامِ نَحو يَزِيد“[2]

”عبیداللہ بن زیاد نے حکم دیا کہ واقصہ اور شام و بصرہ کے درمیان پہرہ لگا دیا جائے اور کسی کو بھی آنے جانے سے روک دیا جائے، چناں چہ حسین رضی اللہ عنہ آگے بڑھتے رہے اور ان حالات سے بے خبر تھے، یہاں تک کہ آپ کی ملاقات چند اعرابیوں سے ہوئی، آپ نے ان سے پوچھ تاچھ کی تو انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہمیں اس کے سوا کچھ نہیں معلوم کہ ہم نہ تو کوفہ جا سکتے ہیں اور نہ وہاں سے نکل سکتے ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ سننے کے بعد حسین رضی اللہ عنہ شام (دمشق) کی طرف روانہ ہوگئے، جہاں یزید بن معاویہ موجود تھے۔“

---

[1] تاريخ الطبري (٥/ ٣٩٨)

[2] تاريخ الأمم والرسل والملوك للطبري (٣/ ٢٩٩) وإسناده صحيح.

چوتھا مرحلہ: دمشق روانگی:

قافلہ حسین دمشق کی طرف روانہ ہوا تو آگے چل کر حر بن یزید سے مڈھ بھیڑ ہوگئی، جو انھیں کی تلاش میں نکلا تھا۔ حسین رضی اللہ عنہ نے حر بن یزید کو بتایا کہ اہلِ کوفہ ہی نے مجھے خطوط دے کر بلوایا، میں ازخود نہیں آیا ہوں تو حر بن یزید نے کہا:

"إِنَّا وَاللّٰهِ! مَا نَدرِيُ مَا هٰذه الُكُتبُ الَّتِيُ تَذكُرُ!"[1]

حر بن یزید نے حسین رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ کی قسم! ہمیں کچھ خبر نہیں، آپ کن خطوط کا تذکرہ کر رہے ہیں؟!''

"فَقَالَ الُحُسَيُن: يَا عُقُبَةَ بُنِ سَمعَانَ، أخُرِج الُخرجَين اللَّذِينَ فِيهِمَا كُتُبُهُمُ إلىَّ، فَأخُرَجَ خرجيُن مَمُلُوئَيُنِ صُحُفاً، فَنشرهَا بَيُنَ أيُدِيهِمُ"[2]

حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: عقبہ بن سمعان! ان دو بوریوں کو نکالو، جن میں اہلِ کوفہ کے میرے نام خطوط ہیں تو انھوں نے خطوط سے بھری اُن دونوں بوریوں کو نکالا اور خطوط حر بن یزید وغیرہ کے سامنے پھیلا دیے۔''

حر بن یزید نے اصرار کیا کہ حسین رضی اللہ عنہ دمشق نہ جا کر اس کے ہمراہ عبیداللہ بن زیاد کے پاس کوفہ چلیں، لیکن حسین رضی اللہ عنہ دمشق جانے ہی پر مصر رہے اور آگے بڑھتے رہے۔ جب کربلا کے مقام پر پہنچے تو عبیداللہ بن زیاد کی طرف سے بھیجے گئے عمر بن سعد اور اس کے ماتحت سپاہیوں سے مڈھ بھیڑ ہوئی۔ عمر بن سعد نے ان سب کو روک لیا۔

پانچواں مرحلہ: نزولِ کربلا اور وقوعِ حادثہ:

یہاں پر حسین رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے تین پیشکشیں رکھیں:

"فَقَالَ الُحُسَيُنُ: يَا عُمَرُ! اِخُترُ مِنِّي إحُدىٰ ثَلاثٍ: تترُكُنِيُ أَرُجِعُ كَمَا جِئتُ، وَإن أَبيتَ هٰذِهِ فَسَيِّرنِيُ إلىٰ التُّرُكِ أُقَاتِلهُمُ حَتىّٰ أمُوتَ، وَإنُ أَبيتَ هٰذِهِ **فَابُعَث بِي** إلٰى يَزِيُد (وعند الطبري: يزيد أمير المؤمنين) لِأَضَعَ

---

[1] تاريخ الطبري (٣/ ٣٠٦)

[2] تاريخ الطبري (٥/ ٤٠٢)

يَدِي فِيْ يَدِهٖ، وَأرسَلَ إِلٰى ابْنِ زِيَاد بِذٰلِك"[1]

''حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عمر بن سعد! میری تین باتوں میں سے کوئی ایک قبول کر لو: ① مجھے چھوڑ دو، تاکہ میں جہاں سے آیا ہوں، وہیں واپس چلا جاؤں۔ ② اگر یہ منظور نہیں تو مجھے سرحد پر بھیج دو، میں دشمنوں کے ساتھ جہاد کروں گا، یہاں تک کہ شہید ہو جاؤں۔ ③ اگر یہ بھی منظور نہیں تو مجھے یزید (طبری میں ہے: امیر المومنین یزید) کے پاس بھیج دیں (جانے دیں نہیں، بلکہ ''بھیج دیں'' یعنی چند سپاہیوں کی حفاظت میں بھیج دیں) تاکہ میں اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں رکھ دوں۔ عمر بن سعد رحمہ اللہ نے حسین رضی اللہ عنہ کی یہ تینوں تجاویز لکھ کر عبیداللہ بن زیاد کے پاس روانہ کر دیں۔''

عبیداللہ بن زیاد نے جب اسے پڑھا تو فوراً بول اُٹھا:

"هٰذَا كِتَابُ رَجُلٍ نَاصِحٍ لِأَمِيْرِه مُشْفِق عَلٰى قَومِه، نَعَمْ قَدْ قَبِلتُ"[2]

''یہ ایسے شخص کا خط ہے، جو امیر المومنین کا خیر خواہ اور امتِ مسلمہ پر مہربان ہے۔ ٹھیک ہے میں نے ان کی بات قبول کی۔''[3]

یعنی ابن زیاد نے تیسری بات کی منظوری دے دی کہ انھیں بہ حفاظت یزید کے پاس بھیج دیا جائے، کیوں کہ بعض روایات کے مطابق حسین رضی اللہ عنہ نے اللہ کا واسطہ دے کر اس کا مطالبہ کیا تھا۔ (كما سيأتي بسند صحيح) نیز یزید کے پاس جا کر حسین رضی اللہ عنہ یزید کی براہِ راست بیعت بھی کر لیتے اور تمام حالات سے انھیں باخبر بھی کر دیتے۔

کوفیوں نے جب دیکھا کہ ابن زیاد نے آپ کو دمشق جانے کی اجازت دے دی ہے، آپ دمشق یزید کے پاس جا رہے ہیں اور ظاہر ہے یزید تمام معاملات سے آگاہ ہوں گے، پھر اُن تمام لوگوں کے لیے خطرہ ہو سکتا ہے، جنھوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو خلافت کی دعوت دی تھی اور خفیہ طور پر

---

[1] المحاسن والمساوئ للبيهقي (ص: ٢٨) تاريخ الطبري (٣/ ٣١٣)

[2] تاريخ الطبري (٣/ ٣١٣)

[3] اس کے آگے سبائیوں نے اس روایت میں یہ آمیزش کی ہے کہ عبیداللہ بن زیاد کے اس فیصلے کے بعد شمر بن ذی الجوشن نے اسے بہکایا، جس کے بعد عبیداللہ بن زیاد نے اپنا فیصلہ بدل دیا۔ یقیناً یہ افترا اس روایت میں سبائی پیوندکاری ہے۔ اس کی مزید وضاحت آگے آ رہی ہے۔

یزید بن معاویہ کے خلاف بغاوت کی سازش رچی تھی، اس لیے ان کوفیوں نے سوچا کسی طرح حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کے پاس جانے سے روک دیا جائے اور ان کے پاس موجود ہمارے باغیانہ خطوط یزید تک نہ پہنچنے پائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ کوفی حسینی قافلے میں تو شامل تھے، اس کے ساتھ ساتھ اپنی سابقہ چالوں کے مطابق لازمی طور پر ان میں کچھ فوجی دستہ میں بھی شامل تھے، چناں چہ ان لوگوں نے موقع پا کر یہاں پر بھی وہی کیا، جو جنگِ جمل کے موقع پر کر چکے تھے، یعنی ایک سازش کے تحت حسین رضی اللہ عنہ ہی کے قافلے پر حملہ کر دیا، فوجی دستے کے جو دیگر مخلصین تھے، وہ فوراً الگ ہوگئے اور حسینی قافلے کے بچاؤ میں لگ گئے۔ بعض روایات میں ان مخلصین کی تعداد تیس بتلائی جاتی ہے، جن میں حر بن یزید سرفہرست تھا۔ چناں چہ حر بن یزید نے جب دیکھا کہ فوجی دستے کے لوگ بھی حسینی قافلے پر حملہ آور ہیں تو وہ فوراً حسینی قافلے کے بچاؤ میں لگ گیا اور حملہ آوروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

”يَا أَهْلَ الْكُوفَة! لأمكم الْهبل أدعَوتُم الْحُسَينَ إِلَيكُمْ حَتّٰى إِذَا أَتَاكُمْ أَسلمتُمُوهُ زعَمتُم أَنَّكُم قَاتلُوا أَنفسكُمْ دُونَه ثُمَّ عَدوتُم عَلَيهِ لِتقتُلُوهُ“[1]

”اے اہلِ کوفہ! تمھارا برا ہو، تم حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلاتے ہو اور جب وہ تمھارے پاس آتے ہیں تو تم انھیں بے یارومددگار چھوڑ دیتے ہو، تم نے خیال کیا کہ تم ان کی حفاظت میں اپنی جانیں لڑاؤ گے، پھر تم نے انھیں قتل کرنے کے لیے ان پر حملہ کر دیا۔“

حر بن یزید نے یہ جملے فوجی دستے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اس سے معلوم ہوا کہ فوجی دستے میں بھی کچھ سبائی کوفی چھپے ہوئے تھے اور موقع پا کر انھوں نے قافلہ حسین رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا اور یہ انھیں لوگوں میں سے تھے، جنھوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر بلوایا تھا، جیسا کہ حر بن یزید نے کہا۔ یاد رہے کہ حسین رضی اللہ عنہ حر بن یزید کو ان کوفیوں کے خطوط دکھا چکے تھے، جنھوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی۔ خود حسین رضی اللہ عنہ کہا:

”اللَّهُمَّ احكم بيننا و بين قوم دعونا لينصرونا فقتلونا“[2]

”اے اللہ! ہمارے اور ان کے بیچ فیصلہ کر دے، جنھوں نے ہمیں بلایا، تا کہ ہمارے ساتھ تعاون کریں گے، لیکن یہی ہمیں قتل کر رہے ہیں۔“

[1] البداية والنهاية (٨/ ١٨٠)

[2] تاريخ الطبري (٥/ ٣٨٩)

محمد مبشر نذیر صاحب لکھتے ہیں:

''اس روایت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعض الفاظ ایسے بیان ہوئے ہیں، جن سے کچھ اشارہ ملتا ہے کہ اس جنگ کو چھیڑنے کے ذمے دار کون لوگ تھے۔ دورانِ جنگ آپ نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی: ''اے اللہ! ہمارا اور ان لوگوں کا تو انصاف فرما، جنھوں نے ہمیں اس لیے بلایا کہ ہماری مدد کریں گے اور اب ہم لوگوں کو قتل کر رہے ہیں۔'' یہ ایسے الفاظ ہیں جن کے مصداق نہ تو عمر بن سعد ہو سکتے ہیں اور نہ ابن زیاد اور اس کے ساتھی، کیوں کہ ان لوگوں نے تو آپ کو کوئی خط نہ لکھا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سرکاری فوج میں وہ لوگ موجود تھے، جنھوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خطوط لکھ کر کوفہ بلایا تھا۔ اب انھی لوگوں نے آپ پر حملہ کر کے آپ اور آپ کے ساتھیوں کو شہید کرنا شروع کر دیا تھا۔''[1]

معلوم ہوا کہ جن کوفیوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو بلوایا تھا، انھیں کوفیوں نے حسین رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا اور انھیں شہید کر دیا۔ عمر بن سعد رحمہ اللہ بھی حسین رضی اللہ عنہ کا تحفظ کرنے والوں ہی میں سے تھے، بلکہ وہ تو شہادتِ حسین پر زار و قطار رو رہے تھے:

''وَقَدْ دَنا عُمَرُ بْنُ سَعْدٍ من حُسَيْن، فَقَالَتْ: يَا عُمَر بن سَعْدٍ، أَيُقْتَلُ أَبُو عَبْد اللَّهِ وأنت تَنْظُر إِلَيْهِ! قَالَ: فَكَأَنِّي أَنْظُر إِلىٰ دُمُوُع عمرَ، وَهِيَ تسيلُ علىٰ خَدَّيه وَلِحْيَته''[2]

''عمر بن سعد رحمہ اللہ حسین رضی اللہ عنہ کے قریب ہوئے تو انھیں دیکھ کر حسین رضی اللہ عنہ کی بیٹی زینب نے کہا: اے عمر بن سعد! کیا حسین رضی اللہ عنہ قتل کر دیے جائیں گے اور آپ دیکھتے رہیں گے؟ راوی کہتے ہیں کہ میں عمر بن سعد کے آنسوؤں کو دیکھ رہا تھا، جو ان کے گالوں اور ڈاڑھی پر بہے جا رہے تھے۔''

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن سعد، حسین رضی اللہ عنہ کے بچاؤ کی کوشش کر رہے تھے، لیکن کامیاب نہ ہو سکے اور شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ پر زار و قطار رو رہے تھے۔ الغرض جب کربلا میں

[1] عہدِ صحابہ اور جدید ذہن کے شبہات (ص: ۴۶۰)

[2] تاريخ الطبري (٥/ ٤٥٢)

حسین رضی اللہ عنہ کے دمشق جانے اور یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا فیصلہ ہوگیا تو سبائی کوفی جو حسینی قافلے میں بھی شامل تھے اور ابن زیاد کی فوج میں بھی داخل تھے، انھوں نے اپنے لیے خطرہ محسوس کیا کہ اگر ایسا ہوا اور حسین رضی اللہ عنہ یزید سے مل گئے تو پھر ہماری خیر نہیں ہوگی، اس لیے انھوں نے ہنگامہ کھڑا کر کے حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کے پاس دمشق جانے سے نہ صرف روک دیا، بلکہ حسین رضی اللہ عنہ کے قافلے پر حملہ کر دیا اور ان کے جو باغیانہ خطوط حسین رضی اللہ عنہ کے خیمے میں تھے، اسے آگ لگا دی اور حسین رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کر ڈالا اور پھر بھاگ کھڑے ہوئے۔ یاد رہے کہ قافلہ حسین رضی اللہ عنہ پر حملہ کرنے والے تمام کے تمام کوفی ہی تھے، اس بات کا اعتراف اہلِ تشیع نے بھی کیا ہے، چنانچہ مسعودی شیعی لکھتا ہے:

"وَكَانَ جَمِيعُ منْ حَضَرَ مَقْتَلَ حُسَيْنٍ مِنَ الْعَسَاكِرِ وَحَارَبَهُ وَتَوَلّٰى قَتلَه مِنْ اَهلِ الْكُوفَةِ خَاصَّةً، لَمْ يَحْضُرْهُمْ شَامِيٌّ"[1]

"وہ تمام لوگ جنھوں نے حسین رضی اللہ عنہ سے قتال میں حصہ لیا اور ان کے خلاف جنگ کی اور انھیں قتل کیا، یہ سب کے سب خالص اہلِ کوفہ میں سے تھے۔ شام کا کوئی بھی شخص ان کے ساتھ موجود نہ تھا۔"

ملا باقر مجلسی شیعی لکھتا ہے:

"وَتَوَلّٰى قتله مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ خَاصَّةً، لَمْ يَحْضُرْهُمْ شَامِيٌّ"[2]

"حسین رضی اللہ عنہ کو خالص کوفیوں نے قتل کیا ہے، ان میں کوئی بھی شامی موجود نہیں تھا۔"

ہنگامہ ختم ہونے کے بعد عمر بن سعد، حسین رضی اللہ عنہ کے اہلِ خانہ کو لے کر کوفہ لوٹے اور جب کوفہ کے قریب یہ قافلہ پہنچا تو کوفے کی خواتین باہر نکل نکل کر رو رہی تھیں۔ یہ منظر دیکھ کر زین العابدین یعنی علی بن الحسین نے کہا کہ اگر یہ رو رہی ہیں تو ہمیں قتل کس نے کیا ہے:

"لَمَّا دَخَلَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَينِ الْكُوفَةَ رَأى نِسَاءِهَا يَبْكِيْنَ وَيَصْرُخْنَ فَقَالَ: هٰؤلَاءِ يَبْكِيْنَ عَلَينَا فَمَنْ قَتَلَنَا؟ أَيْ مَنْ قَتلنَا غَيْرُهُم!"[3]

"جب علی بن الحسین کوفہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ کوفہ کی عورتیں رو رہی ہیں اور چیخ

[1] مروج الذهب للمسعودي (٣/ ٧١)

[2] بحار الأنوار (١٠/ ٢٣١)

[3] تاريخ اليعقوبي (١/ ٢٣٥)

رہی ہیں، یہ دیکھ کر علی بن الحسین نے کہا: اگر یہ ہم پر رو رہی ہیں تو پھر ہمیں قتل کس نے کیا ہے؟''

یہی بات حسین رضی اللہ عنہ کی بیٹی سکینہ رضی اللہ عنہا نے اس وقت کہی تھی، جب ان ہی کوفیوں نے ان کے شوہر کو شہید کیا اور یہ کوفہ سے جا رہی تھیں:

''وَلَمَّا أَرَادَتْ سُكَيْنَةُ بِنْتُ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُمُ الرَّحِيلَ مِنَ الْكُوفَةِ إِلىٰ الْمَدِينَةِ بَعدَ قَتْلِ زَوجِهَا الْمُصعَب، حَفَّ بِهَا أَهْلُ الْكُوفَةِ، وَقَالُوا: أَحْسَنَ اللّٰهُ صَحَابَتَكِ يَا ابنَةَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ! فَقَالَتْ: لَا جَزَاكُمُ اللّٰه خَيراً مِّنْ قَومٍ، وَلَا أَحسنَ الْخِلافَة عَلَيْكُمْ، قَتَلْتُمْ أَبِيْ، وَجَدِّيْ، وَأَخِيْ، وَعَمِّيْ، وَزَوجِيْ، أَيتَمتُمُونِي صَغِيرةً، وأَيَّمتُمُونِي كَبِيرَةً!''[1]

جب سکینہ بنت الحسین اپنے شوہر مصعب کے قتل کے بعد کوفہ سے مدینہ جانے لگیں تو اہلِ کوفہ نے انھیں گھیر لیا اور کہا: اے اللہ کے رسول کی بیٹی! اللہ تمھارا بھلا کرے تو سکینہ بنت حسین نے کہا: اللہ تمھارا بھلا نہ کرے! تم نے میرے والد (حسین رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا، تم نے میرے دادا (علی رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا، تم نے میرے بھائی کو قتل کیا، تم نے میرے چچا (حسن رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا اور تم ہی نے میرے شوہر کو قتل کیا، جب میں بچی تھی تو تم نے مجھے یتیم بنا دیا اور جب میں بڑی ہوئی تو تم نے مجھے بیوہ بنا دیا۔''

''عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوشَبٍ قَالَ: سَمِعْتُ أُمَّ سَلَمَةَ تَقُولُ، حِينَ جَاءَ نَعيُ الْحُسَين بْن عَلِيٍ: لَعنَتْ أَهْلَ الْعِراقِ وَقَالَتْ: قَتلُوهُ قَتلَهُمُ اللّٰهُ، غَرَّوهُ وَذَلوهُ، لَعنَهُمُ اللّٰه''[2]

''شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ جب حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی تو میں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو سنا، انھوں نے عراقیوں (کوفیوں) پر لعنت کی اور کہا: انھوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، اللہ انھیں تباہ و برباد کرے، انھوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو دھوکا دیا اور انھیں ذلیل کیا، اللہ کی ان پر لعنت ہو۔''

---

[1] العقد الفريد (٧/ ٢٧٧)

[2] فضائل الصحابة (٢/ ٧٨٢) و إسناده حسن.

”عَنِ ابْنِ أَبِي نُعُمٍ، قَالَ: كُنْتُ شَاهِدًا لِابْنِ عُمَرَ، وَسَأَلَهُ رَجُلٌ عَنْ دَمِ الْبَعُوضِ، فَقَالَ: مِمَّنْ أَنْتَ؟ فَقَالَ: مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ، قَالَ: اُنْظُرُوا إِلَىٰ هٰذَا، يَسْأَلُنِي عَنْ دَمِ الْبَعُوضِ، وَقَدْ قَتَلُوا ابْنَ النَّبِيِّ ﷺ، وَسَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا“[1]

”ابو نعیم نے بیان کیا کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں موجود تھا کہ ان سے ایک شخص نے (حالتِ احرام میں) مچھر مارنے کے متعلق پوچھا (کہ اس کا کیا کفارہ ہوگا؟) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دریافت فرمایا: تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ اس نے بتایا کہ عراق کا ہوں۔ فرمایا: اس شخص کو دیکھو، مچھر کی جان لینے کے تاوان کا مسئلہ پوچھتا ہے، حالانکہ اس کے ملک والوں نے رسول اللہ ﷺ کے نواسے کو قتل کر ڈالا اور میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے کہ یہ دونوں (حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما) دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔“

خلاصہ روداد

پہلا مرحلہ: قیامِ مدینہ:

یزید کے خلیفہ بننے کے بعد حسین رضی اللہ عنہ مدینے میں تھے۔ آپ سے بیعتِ یزید کا مطالبہ کیا گیا تو آپ نے اگلے دن مجمع عام میں بیعت کرنے کی خواہش ظاہر کی، تاکہ یہ بات سب کے علم میں آجائے، لیکن اگلے دن حکام آپ کے پاس نہ پہنچ سکے، پھر اس کے بعد حسین رضی اللہ عنہ عمرہ وغیرہ کی غرض سے مکہ روانہ ہوگئے۔

دوسرا مرحلہ: قیامِ مکہ:

مکہ میں حسین رضی اللہ عنہ پہنچے اور کوفیوں نے سنا کہ حسین رضی اللہ عنہ نے ابھی تک بیعت نہیں کی ہے تو ان کوفیوں نے حسین رضی اللہ عنہ کا استعمال کرکے ایک بار پھر اُمت میں خون ریزی کا پروگرام بنایا اور اس کی خاطر حسین رضی اللہ عنہ کو خطوط لکھے کہ آپ ہمارے پاس آجائیں، ہم آپ ہی کو خلیفہ مانیں گے۔

[1] صحيح البخاري (٧/ ٨)

حسین رضی اللہ عنہ نے یہ صورتِ حال دیکھ کر خطرے کی بو سونگھ لی اور فیصلہ کیا کہ اہلِ کوفہ جس برے اقدام کا ارادہ رکھتے ہیں، انھیں اس اقدام سے روکنا چاہیے اور ان کی اصلاح کرنی چاہیے، تاکہ امت میں اتحاد و اتفاق باقی رہے اور کسی قسم کا فتنہ رونما نہ ہو، اس غرض سے آپ نے کوفہ جانے کا ارادہ کیا۔ آپ کی نیت اگرچہ نیک اور مخلصانہ تھی، مگر اہلِ کوفہ کو کنٹرول کرنا آسان کام نہیں تھا، اسی لیے خیرخواہوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ کوفہ نہ جائیں۔ آپ نے بھی ان مشوروں میں وزن محسوس کیا اور کوفہ کی صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا۔ مسلم بن عقیل کوفہ پہنچے تو شروع شروع میں اہلِ کوفہ نے ان کا پرجوش استقبال کیا۔ یہ دیکھ کر مسلم بن عقیل نے حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھ دیا کہ آپ آ سکتے ہیں۔ خط ملتے ہی حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کے لیے روانہ ہو گئے۔

تیسرا مرحلہ: کوفہ روانگی:

آپ کوفہ روانہ ہوئے اور ادھر اہلِ کوفہ نے مسلم بن عقیل پر دباؤ ڈال کر اُن سے عبیداللہ بن زیاد کو قتل کروانا چاہا، لیکن کامیاب نہ ہوئے، پھر اہلِ کوفہ نے مسلم بن عقیل کی امارت میں ایک لشکر تیار کیا اور گورنر ہاؤس پر حملہ کر دیا اور عین وقت پر مسلم بن عقیل کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے، پھر مسلم بن عقیل گرفتار ہو کر قتل کر دیے گئے۔ حسین رضی اللہ عنہ راستے ہی میں تھے کہ انھیں اس قتل کی خبر ملی۔ یہ خبر ملتے ہی آپ نے واپسی کا فیصلہ کیا، لیکن جو کوفی آپ کو مکہ سے لینے کے لیے آئے تھے، انھوں نے ایک طرف تو مسلم بن عقیل کے بھائیوں کو انتقام کا نعرہ دیا اور دوسری طرف حسین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ مسلم بن عقیل کی طرح نہیں ہیں، آپ کا مقام و مرتبہ کچھ اور ہے، آپ چلیں، آپ کے ساتھ خیر کا سلوک ہوگا۔ مجبوراً حسین رضی اللہ عنہ کو سفر جاری رکھنا پڑا۔

کوفہ کے قریب پہنچے تو بعض اعرابیوں سے معلوم ہوا کہ کوفہ کے حالات انتہائی نازک ہیں اور وہاں جانا بہت خطرناک ہے۔ یہ سن کر حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی راہ چھوڑ کر سیدھا دمشق جانے کی ٹھان لی، جہاں یزید بن معاویہ موجود تھے۔

چوتھا مرحلہ: دمشق روانگی:

دمشق کی طرف حسین رضی اللہ عنہ کا قافلہ روانہ ہو گیا، تھوڑی دور چلنے کے بعد حر بن یزید راستے میں ملا

تو اس نے اصرار کیا کہ حسین رضی اللہ عنہ اس کے ہمراہ کوفہ چلیں، لیکن حسین رضی اللہ عنہ نے تسلیم نہیں کیا اور شام کی جانب سفر جاری رکھا۔ آگے کربلا کے مقام پر پہنچے تو عمر بن سعد اور اس کے سپاہیوں سے مڈبھیڑ ہوگئی۔

پانچواں مرحلہ: نزولِ کربلا اور وقوعِ حادثہ:

عمر بن سعد کے سامنے حسین رضی اللہ عنہ نے اللہ کا واسطہ دے کر کہا کہ مجھے یزید کے پاس جانے دو۔ عمر بن سعد اس پر بہت خوش ہوئے، انھوں نے ان کی یہ بات منظور کر لی اور عبیداللہ بن زیاد سے اس کی اجازت بھی لے لی۔

کوفی سبائیوں نے جب یہ دیکھا کہ حسین رضی اللہ عنہ یزید کے پاس بیعت کے لیے جا رہے ہیں اور اُن کے خطوط بھی ان کے پاس موجود ہیں تو انھوں نے ہنگامہ برپا کر کے حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

خود ساختہ کہانیاں:

اوپر حادثہ کربلا کی جو تفصیلات پیش کی گئی ہیں، اس کی روشنی میں یہ حقیقت طشت از بام ہو جاتی ہے کہ یہ سب کچھ سبائیوں اور کوفیوں کی سازش کا نتیجہ تھا۔ یاد رہے کہ سبائی یہودیوں نے صرف اسی پر بس نہیں کیا کہ اس اَلم ناک حادثے کو جنم دیا، بلکہ اس حادثے سے متعلق جو تفصیلات وضع کی گئی ہیں اور جو لمبے چوڑے قصے اور کہانیاں بیان ہوئی ہیں، اسی طرح بے گناہ اور ابریا لوگوں پر جو الزامات تراشے گئے ہیں، یہ سب کچھ انھیں سبائی یہودیوں ہی کی کارستانیاں ہیں۔

- حادثے سے قبل اور میدانِ کربلا میں حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقا کی طرف لمبی چوڑی تقریریں منسوب کی گئی ہیں، جن کا نہ تو کوئی موقع تھا اور نہ کوئی وقت ہی۔
- لڑائی سے قبل مبارزانہ جنگ کے بے سروپا قصے مشہور کیے گئے، جن میں اصحابِ حسین رضی اللہ عنہ کی غیر معمولی بہادری کا ایسا تذکرہ ہے، جس کا وقوع حقیقت کی دنیا میں بالکل محال اور ناممکن ہے۔
- صبح سے لے کر سہ پہر بلکہ اس سے بھی لمبی مدت تک گھمسان کی جنگ کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور اس میں حسین اور ان کے رفقا کی بہادری کے ایسے بے مثال کارنامے بیان ہوئے ہیں، جو یکسر خود ساختہ ہیں۔
- قافلہ حسین پر ظلم و بربریت اور بے رحمی کی انتہا دکھلائی گی ہے کہ انھیں مغلوب کرنے کے لیے ان پر پانی کی بندش لگا دی گئی، حالاں کہ یہ ایک افسانہ بلکہ خالص پروپیگنڈہ ہے۔

دراصل یہ ساری کہانیاں میدانِ کربلا کی نہیں، بلکہ کربلا کے بعد کی تصنیف کردہ ہیں، جو محض جھوٹ اور کذب بیانی کے علاوہ کچھ نہیں۔ عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب فرماتے ہیں:

''کربلا کے میدان کا واقعہ بہت سادہ اور بہت مختصر ہے۔ جتنے قصے اور کہانیاں اس سلسلے میں بیان کی جاتی ہیں، جب ان کی جانچ اس وقت اور ماحول کے امکانات ومواقع، روایتوں کے تقابل، انسانی فطرت اور حضرت سیدنا حسین اور ان کے اہلِ بیت کے دینی شعور کی روشنی میں کی جاتی ہے تو یہ تمام کے تمام قصے ایک ایسی من گھڑت داستان بن کے رہ جاتے ہیں، جسے بس ابن سبا یہودی کے شیطانی منصوبے کے مطابق ہی گھڑا جاسکتا ہے۔''[1]

یہ ساری کہانیاں صرف خود ساختہ ہی نہیں، بلکہ ان میں اسلام کے نام پر حسین اور اہلِ بیت کی تذلیل وتوہین کا سامان بھی موجود ہے۔ عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب فرماتے ہیں:

''کربلا کی لمبی چوڑی کہانیاں علاوہ اس کے کہ موقع ومحل کے حالات ان کے وقوع کے لیے گنجایش نہیں دکھاتے اور علاوہ اس کے کہ ان قصوں کی سندیں نہایت بے وقعت ہیں، یہ قصے متعدد پہلوؤں سے خانوادہ نبوت پر داغ بنتے ہیں۔ حضرت حسین کا اپنے آپ کو اپنی زبان سے مقدس اور مقبول بارگاہِ حق بتانا، جس کی کوئی گنجایش رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات میں سے نہیں ہے۔ اپنے دشمنوں کو بد دعائیں دینا، جو ان کے نانا کی سنت نہیں ہے اور مردوں کا میدانِ جنگ میں شیوہ نہیں۔ سیدہ زینت بنت خاتونِ جنت کا بین و بکا کرتے ہوئے بار بار میدانِ جنگ میں آنا اور لاشوں سے لپٹ کر رونا چلانا، پھر حسین کے لیے عمر بن سعد سے رحم کی اپیل کرنا (!) بھلا یہ باتیں کہیں خانوادہ نبوت کی خواتین کو زیب دیتی ہیں اور خاتون بھی علی مرتضی جیسے شیر مرد کی بیٹی؟ یہ روایتیں اگر قابلِ اعتبار ہوسکتی ہیں تو صرف ان لوگوں کے لیے جنھیں خانوادہ نبوت کی محبت کے نام پر ان کی مظلومیت کے ماتم کی دکان کھولنی ہے، خواہ مظلومیت کی اس داستان کو رنگین کرنے کے لیے ان تمام چیزوں کا اپنے ہی ہاتھوں سے خون کرنا پڑے، جو اس خانوادے کا اور کسی بھی خانوادے کا شرف اور اس کی عزت ہوں۔''[2]

---

[1] واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر (ص: ۲۸۵۔ ۲۸۶)

[2] واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر (ص: ۲۳۸)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''یہ ساری کہانیاں، جن میں سے کتنی ہی ایسی ہیں جو دراصل حسین کی شان کو داغ لگاتی ہیں، صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس سبائی ذہن کے ماتحت گھڑی گئی ہیں، جو برابر فرزندانِ اسلام کی متاعِ دین ودانش لوٹ لینے کی جدوجہد میں لگا ہوا تھا۔''[1]

الغرض یہ ساری کہانیاں اور یہ تمام قصے و افسانے خالص کذب و افترا اور مبالغہ آرائی پر مبنی ہیں، یہ عقلاً اور نقلاً کسی لحاظ سے بھی قابلِ قبول نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے رودادِ کربلا کے بیان میں انھیں بالکل جگہ نہیں دی۔

حادثہ کربلا کی روایات اور الزام تراشیاں:

حادثہ کربلا کی جو داستان ہمارے یہاں عام طور پر مشہور ہے اس میں بہت سی شخصیات پر بے بنیاد الزامات عائد کیے جاتے ہیں۔ مثلاً:

① یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ:

حادثہ کربلا کو لے کر جس شخصیت پر سب سے زیادہ کیچڑ اُچھالا گیا ہے، وہ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں، ان الزامات سے متعلق مفصل گفتگو اور حقیقی صورتِ حال اس کتاب میں مذکور ہے۔

② حسین رضی اللہ عنہ:

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پر الزام یہ ہے کہ وہ یزید کے خلاف نکلے تھے، پھر بعض اسے جہاد سے تعبیر کرتے ہیں اور بعض اسے طلبِ امارت کہہ کر اجتہادی خطا قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ دونوں باتیں محلِ نظر ہیں اور ان سے بلا وجہ حسین رضی اللہ عنہ پر الزام عائد ہوتا ہے۔ حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کیوں گئے تھے؟ یہ اسلامی تاریخ کا ایک معما ہے، کیوں کہ حسین رضی اللہ عنہ نے کبھی کھل کر اپنی زبان سے یہ کہا ہی نہیں کہ کوفہ جانے سے ان کا مقصود کیا ہے؟

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

''رہا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا موقف؟ تو حقیقت یہ ہے کہ بعد کی حاشیہ آرائیوں اور فلسفہ طرازیوں سے صرفِ نظر کرکے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ

[1] واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر (ص: ۲۳۱)

نے واضح الفاظ میں اپنے موقف کی کبھی وضاحت ہی نہیں فرمائی کہ وہ کیا چاہتے تھے اور ان کے ذہن میں کیا تجویز تھی؟ یزید کے خلیفہ بن جانے کے بعد جب گورنرِ مدینہ ولید بن عتبہ نے انھیں یزید کی بیعت کی دعوت دی تو انھوں نے فرمایا کہ میں خفیہ بیعت نہیں کرسکتا، اجتماعِ عام میں بیعت کروں گا:

"أما ما سألتني من البيعة فإن مثلي لا يعطي بيعته سراً، ولا أراك تجتزئ بها مني سراً دون أن نظهرها علىٰ رؤوس الناس علانية" (تاريخ الطبري: ١/ ٢٥١)

''گورنر نے انھیں مزید مہلت دے دی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ یہ مہلت پا کر مدینے سے مکہ تشریف لے گئے (!)۔ مکہ پہنچ کر بھی انھوں نے کوئی وضاحت نہیں کی، البتہ وہاں سے کوفہ جانے کی تیاریاں شروع کر دیں جس کی خبر پا کر ہمدرد اور بہی خواہ، جن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ متعدد صحابی بھی تھے، انھیں کوفہ جانے سے روکتے رہے، لیکن وہ کوفہ جانے پر ہی مصر رہے، حتی کہ ایک موقع پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قریبی رشتے دار عبداللہ بن جعفر گورنرِ مکہ عمرو بن سعید کے پاس آئے اور ان سے استدعا کی کہ آپ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام ایک چٹھی لکھ دیں، جس میں واضح الفاظ میں انھیں امان دیے جانے اور ان سے حسنِ سلوک کرنے کا ذکر ہو، تاکہ حسین رضی اللہ عنہ واپس آ جائیں اور کوفہ نہ جائیں۔ گورنرِ مکہ نے کہا کہ آپ جو چاہیں لکھ کر لے آئیں، میں اس پر اپنی مہر لگا دوں گا۔ چناں چہ وہ اپنے الفاظ میں ایک امان نامہ لکھ لائے، جس پر گورنرِ مکہ نے اپنی مہر لگا دی۔ عبداللہ بن جعفر نے پھر درخواست کی کہ یہ چٹھی بھی آپ خود اپنے ہی بھائی کے ہاتھ حضرت حسین تک پہنچائیں، تاکہ حسین پوری طرح مطمئن ہوجائیں کہ ساری جدوجہد گورنرِ مکہ کی طرف سے ہو رہی ہے۔ گورنرِ مکہ نے ان کی یہ بات بھی قبول کر لی اور اپنے بھائی کو بھی عبداللہ بن جعفر کے ساتھ روانہ کر دیا۔ یہ دونوں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جا کر ملے، لیکن حضرت حسین نے معذرت کر دی اور کوفہ جانے پر ہی اصرار کیا اور یہاں بھی اپنے موقف کی وضاحت نہیں کی، بلکہ صاف لفظوں میں کہا کہ میں کوفہ جس

مقصد کے لیے جا رہا ہوں، وہ صرف مجھے معلوم ہے اور وہ میں بیان نہیں کروں گا۔‘‘

(تاريخ الطبري: ٤/ ٢٩١- ٢٩٢)

’’خود شیعہ مورخ ابن طقطقی بھی لکھتا ہے کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ مکہ سے کوفہ روانہ ہوئے تو انھیں مسلم کے حال کا کوئی علم نہیں تھا۔ جب کوفے کے قریب پہنچ گئے تو انھیں مسلم کے قتل کا علم ہوا۔ وہاں انھیں لوگ ملے اور انھوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ جانے سے روکا اور انھیں ڈرایا، لیکن حسین رضی اللہ عنہ واپس ہونے پر آمادہ نہیں ہوئے اور کوفہ جانے کا عزم جاری رکھا، ایک ایسے مقصد کے لیے جسے وہ خود ہی جانتے تھے:

”فلم يرجع وصمم على الوصول إلى الكوفة لأمر هو أعلم به من الناس“

(الفخری، ص: ٨٥، طبع مصر)‘‘[1]

محمد مبشر نذیر صاحب لکھتے ہیں:

’’یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اگر کوفہ کی طرف جا رہے تھے تو آپ کا پلان کیا تھا؟ بالفرض اگر اہلِ کوفہ آپ کے ساتھ عہد شکنی نہ کرتے تو کیا واقعات پیش آتے؟ **تاریخ کی کتب میں ہمیں آپ کے اپنے الفاظ میں آپ کے ارادے کی تفصیلات نہیں ملتی ہیں۔** یہ بعض تجزیہ نگاروں کی محض قیاس آرائی ہی ہے کہ آپ کوفہ کی حکومت سنبھال کر اہلِ شام کے ساتھ جنگ کرتے۔‘‘[2]

معلوم ہوا کہ حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی زبان سے کبھی اپنے موقف کی کھلے عام وضاحت ہی نہیں کی، اسی لیے بعض لوگوں نے اسے جہاد سمجھ لیا اور بعض نے خروج، لیکن ہماری نظر میں جہاد اور خروج؛ یہ دونوں ہی باتیں محلِ نظر ہیں، کیوں کہ ان دونوں سے حسین رضی اللہ عنہ پر الزام عائد ہوتا ہے اور کسی ادنیٰ مسلمان پر بھی کوئی الزام عائد کرنے کے لیے ٹھوس ثبوت درکار ہے۔

ہمارے نزدیک اس سلسلے میں سب سے مناسب بات یہ ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا کوفہ جانا نہ تو جہاد کے لیے تھا اور نہ طلب خلافت کے لیے، بلکہ آپ کا مقصد اُمت میں اصلاح کا کام کرنا تھا،

[1] رسومات محرم الحرام اور سانحہ کربلا (ص: ٣٦- ٣٧)

[2] عہدِ صحابہ اور جدید ذہن کے شبہات (ص: ٤٥٨)

جیسا کہ ہم حادثہ کربلا کی روداد میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتلا چکے ہیں کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سفر پُرامن مقاصد کے لیے تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کوفہ جا کر اہلِ کوفہ میں اصلاح کا کام کرنا چاہتے تھے۔ کوفی چاہتے تھے کہ صفین کی تاریخ دہرائیں، لیکن حسین رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ حسن رضی اللہ عنہ کی تاریخ دہرائیں، یعنی اُمت میں اتحاد و اتفاق قائم کرنے اور فتنہ ختم کرنے کی کوشش کریں، جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی وصیت تھی۔ ایک بار پھر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ بیان ملاحظہ ہو:

''فَكَتَبَ إِلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ بنِ عَبَّاسٍ: إِنِّي أَرْجُو أَنْ لَّا يَكُونَ خُرُوجُ الْحُسَين لأَمْرٍ تَكْرَهُه، وَلَسْت أَدَعُ النَّصِيحَةَ لَه فِيمَا يجْمَع اللّٰه بِه الأُلفَة وَيُطْفِيءُ بِه النَّائِرة''[1]

''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جواباً یزید کو لکھا کہ مجھے پوری امید ہے کہ (کوفہ کی طرف) حسین رضی اللہ عنہ کسی ایسے مقصد کی خاطر نہیں نکل رہے، جو آپ کو ناپسند ہو اور میں انھیں پوری طرح ایسی چیزوں کی نصیحتیں کر دوں گا، جن سے ان شاء اللہ اتحاد و اتفاق قائم ہوگا اور فتنے کی آگ بجھ جائے گی۔''

محمد مبشر نذیر صاحب لکھتے ہیں:

''اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے ان مخلص رشتے داروں کی بات کیوں نہ مانی اور اہلِ کوفہ کے باغیوں پر اعتبار کر کے وہاں کیوں چلے گئے؟ اوپر بیان کردہ خط کو پڑھنے سے اس کی جو وجہ سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ **آپ کا بغاوت برپا کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا، بلکہ آپ ان باغیوں کو کنٹرول کر کے حکومتِ وقت کے معاملات کی اصلاح کرنا چاہتے تھے۔ حکومت کے رویے سے بھی ظاہر یہی تھا کہ یہ لوگ حضرت حسین کا احترام کر رہے تھے۔**''[2]

لیکن حادثہ کربلا کی جو کہانی ہمارے یہاں مشہور ہے، اس رو سے حسین رضی اللہ عنہ پر دو الزام عائد ہوتے ہیں، ایک یہ کہ حسین رضی اللہ عنہ حکومتِ وقت کے خلاف جہاد کرنے کی غرض سے نکلے تھے، لیکن

---

[1] الطبقات الكبرىٰ (١/ ٤٥٠) تاريخ مدينة دمشق (١٤/ ٢١٠) بغية الطلب في تاريخ حلب (٦/ ٢٦١١) البداية والنهاية (٨/ ١٦٤) تهذيب الكمال للمزي (٦/ ٤٢٠) سير أعلام النبلاء للذهبي (٣/ ٣٠٤)

[2] عہدِ صحابہ اور جدید ذہن کے شبہات (ص: ۴۵۴)

چونکہ حکومتِ وقت میں ایسی کوئی خامی نہیں تھی کہ اس کے خلاف جہاد واجب ہوتا، اس لیے یہ بات حسین رضی اللہ عنہ پر الزام ہی ہے۔ بعض دوسرے لوگ حسین رضی اللہ عنہ کے عمل کو جہاد کا نام تو نہیں دیتے، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اہلِ کوفہ نے حسین رضی اللہ عنہ کو خط دے کر بلایا تھا، تا کہ ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کریں، پھر یہ خطوط دیکھ کر حسین رضی اللہ عنہ خلیفہ بننے کی غرض سے کوفہ گئے تھے، اس موقف میں اگرچہ حسین رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل کو جہاد سے تعبیر نہیں کیا گیا، لیکن بہرحال حسین رضی اللہ عنہ پر یہ الزام تو عائد ہوتا ہے کہ انھوں نے حکومتِ وقت کے خلاف خروج کیا۔ اسلام کی اصطلاح میں اس عمل کو بغاوت کہا جاتا ہے، لیکن چونکہ حسین رضی اللہ عنہ جیسی عظیم شخصیت سے اس عمل کا صدور ہوا تھا، اس لیے یہاں بغاوت کے بجائے خروج کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ سے اجتہادی غلطی ہوئی۔

عرض ہے کہ یہ دونوں باتیں سرے سے ثابت ہی نہیں، اس کی تفصیل ملاحظہ ہو:

باطل حکومت کے خلاف جہاد:

بعض حضرات کا خیال ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ یزید کو ظالم وجابر حاکم سمجھتے تھے اور اس کے خلاف جہاد کرنا ضروری سمجھتے تھے، اس لیے آپ نے دینی فریضہ سمجھتے ہوئے یزید کے خلاف جہاد کا علم بلند کیا اور شہادت سے سرفراز ہوئے۔

عرض ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا اقدام، جہاد کی نیت سے قطعاً نہیں تھا، اس کے درج ذیل دلائل ہیں:

پہلی دلیل:

حسین رضی اللہ عنہ جب اس سفر کے لیے نکلے تو صحابہ میں سے کسی نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا۔

دوسری دلیل:

نہ صرف یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کا ساتھ نہیں دیا، بلکہ اس کے برعکس آپ کو اس اقدام سے منع کیا۔ اگر یہ جہاد ہوتا تو صحابہ کرام کبھی حسین رضی اللہ عنہ کو اس عظیم کام سے منع نہیں کرسکتے تھے۔

تیسری دلیل:

حسین رضی اللہ عنہ اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ، جن میں بچے بھی شامل تھے، سفرِ کوفہ پر نکلے۔ اگر یہ جہاد ہوتا تو آپ رضی اللہ عنہ اپنے اہلِ خانہ کو ساتھ نہ لیتے۔

چوتھی دلیل:

راستے میں مسلم بن عقیل کی خبر سن کر واپسی کا ارادہ کیا۔ اگر جہاد کی نیت سے نکلے ہوتے تو واپسی کا گمان تک نہ کرتے، کیوں کہ جہاد سے واپس ہونا کبیرہ گناہ ہے۔

پانچویں دلیل:

جب کوفی فوج نے آپ کو حراست میں لیا تو اس وقت آپ نے ایک پیشکش یہ بھی کی کہ میں جہاں سے آیا ہوں، مجھے وہاں واپس جانے دیا جائے۔ اگر جہاد کے مقصد سے آئے ہوتے تو واپسی کی بات نہ کرتے، کیوں کہ جہاد سے واپس ہونا کبیرہ گناہ ہے۔

چھٹی دلیل:

کوفی فوج کی حراست میں آپ نے دوسری پیشکش یہ کی کہ مجھے کسی سرحد پر جہاد کے لیے بھیج دیا جائے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ اگر خود حالتِ جہاد ہی میں تھے تو پھر اور کس جہاد کی آرزو کر رہے تھے؟!

ساتویں دلیل:

کوفی فوج کی حراست میں آپ نے تیسری پیشکش یہ کی کہ انھیں امیر المومنین یزید کے پاس جانے دیا جائے، تاکہ وہ یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں۔ اگر آپ جہاد کی نیت سے آئے ہوتے تو یزید کو امیر المومنین نہ کہتے اور اس سے بیعت کی بات خواب و خیال میں بھی نہ سوچتے۔

حکومتِ وقت کے خلاف خروج:

دوسری طرف کہا جاتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ اہلِ کوفہ کے خطوط سے دھوکا کھا گئے، چناں چہ یزید کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور باقاعدہ خلیفہ بننے کی غرض سے کوفہ روانہ ہوئے۔

عرض ہے کہ یہ الزام بھی کوئی معمولی الزام نہیں ہے اور چونکہ کسی بھی صحیح روایت سے حسین رضی اللہ عنہ کا یہ موقف ثابت نہیں ہوتا، اس لیے حسین رضی اللہ عنہ پر خروج کا الزام بھی قابلِ قبول نہیں ہے، نیز درج ذیل دلائل بھی بتلاتے ہیں کہ حسین رضی اللہ عنہ سے خلیفہ وقت کے خلاف خروج کا عمل بھی صادر نہیں ہوسکتا۔

پہلی دلیل:

حسین رضی اللہ عنہ کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ اہلِ کوفہ انھیں خطوط دے کر خلافت کے لیے نہیں بلا رہے، بلکہ امت مسلمہ کے درمیان خونریزی پھیلانے کے لیے آپ کا استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ چناں چہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں:

کَانَ أَهْلُ الْكُوفَةِ يَكْتُبُون إليه يَدْعُونَهُ إِلىٰ الْخُرُوجِ إِلَيْهِمْ فِيْ خِلَافَةِ مُعَاوِيَةَ، كُلُّ ذلك يأبىٰ عليهم، فقدم منهم قومٌ إلىٰ مُحمدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ يَطْلُبُونَ إِلَيْهِ أَنْ يَّخْرُجَ مَعَهُمْ فَأَبَىٰ، وجاء إلىٰ الْحُسَيْنِ يَعرِضُ عليه أمرَهم، فقال له الحسينُ: **إِنَّ الْقَوْمَ إِنَّمَا يُرِيدُونَ أَنْ يَّأْكُلُوا بِنَا، وَيَسْتَطِيْلُوْا بنا، وَيَسْتَنْبِطُوْا دماء الناس ودماءنا،** فَأَقَامَ حُسَيْنٌ عَلىٰ مَا هُوَ عَلَيْهِ مِنَ الْهُمُومِ، مَرَّةً يُرِيدُ أَنْ يَّسِيرَ إِلَيْهِمْ، وَمَرَّةً يَجْمَعُ الإقامةَ عنهم"[1]

''معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے دور میں اہلِ کوفہ حسین رضی اللہ عنہ کی طرف خطوط بھیجتے تھے اور انھیں اپنے پاس آنے کی مسلسل دعوت دیتے، لیکن حسین رضی اللہ عنہ ہر بار انکار کرتے رہے، پھر کچھ کوفی حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی محمد بن حنفیہ کے پاس آئے اور مطالبہ کیا کہ وہ ان کے ساتھ چلیں، لیکن انھوں نے بھی صاف انکار کر دیا اور حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے آ کر ان کی اس پیش کش کے بارے میں بتلایا تو حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: **یہ کوفی لوگ درحقیقت ہمیں اپنے مفاد کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں، نیز وہ ہمارا استعمال کر کے سرکشی اور اُمت مسلمہ کے درمیان خونریزی پھیلانا اور خود ہمارا بھی خون بہانا چاہتے ہیں۔** یہ سب دیکھ کر حسین رضی اللہ عنہ فکرمند ہو گئے۔ کبھی سوچتے کہ (اس فتنے کو ختم کرنے کے لیے) ان کے پاس جا (کر کچھ کرنا) چاہیے اور کبھی سوچتے کہ جہاں ہیں وہیں رہنا چاہیے۔''

حسین رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ اہلِ کوفہ کی دعوت کے پیچھے ان کی چھپی ہوئی سازش کو بہت اچھی طرح سمجھ چکے تھے، ان حالات میں یہ ناممکن ہے کہ خلافت کی اُمید لے کر آپ کوفہ جائیں۔

---

[1] البداية و النهاية (٨/ ١٧٤)

دوسری دلیل:

جب حسین رضی اللہ عنہ کوفہ جانے کی تیاری کر رہے تھے تو یہ خبر یزید کو بھی معلوم ہوئی تو یزید نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ جانے سے روکیں تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواباً یزید کو لکھا اور انھیں آگاہ کیا کہ حسین رضی اللہ عنہ کا خروج آپ کے خلاف نہیں ہے اور وہ کوفہ جا کر ایسا کوئی کام نہیں کریں، جو آپ کو ناپسند ہو اور میں انھیں ایسے کام کی وصیت کروں گا، جس سے اُمت میں اتحاد قائم ہو اور فتنے کی آگ بجھ جائے۔[1]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ جواب اس بارے میں بالکل صریح ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کوفہ یزید کی مخالفت میں نہیں گئے تھے۔

تیسری دلیل:

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وكذلك الحسن كان دائما يشير علىٰ أبيه وأخيه بترك القتال، ولما صار الأمر إليه ترك القتال، وأصلح الله به بين الطائفتين المقتتلتين، و علي رضي الله عنه في آخر الأمر تبين له أن المصلحة في ترك القتال أعظم منها في فعله"[2]

''حسن رضی اللہ عنہ ہمیشہ اپنے والد اور بھائی کو ترکِ قتال کا مشورہ دیتے رہے اور جب معاملہ ان کے ہاتھ میں آیا تو اللہ نے ان کے ذریعے مسلمانوں کی باہم لڑائی کرنے والے دو عظیم جماعتوں میں صلح کرا دی اور علی رضی اللہ عنہ پر بھی بعد میں یہ حقیقت واضح ہو گئی تھی کہ قتال کرنے کی بہ نسبت ترکِ قتال ہی زیادہ بہتر تھا۔''

غور کریں کہ حسن رضی اللہ عنہ کے جس مشورے کو ان کے والد محترم علی رضی اللہ عنہ صحیح تسلیم کر چکے تھے، مزید واقعات نے اس کی تصدیق بھی کر دی تھی تو کیوں کر ممکن ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ اپنے خاندان کی نصیحتوں کو بالائے طاق رکھ دیں؟!

---

[1] الطبقات الكبرىٰ (١/ ٤٥٠) تاريخ مدينة دمشق (١٤/ ٢١٠) بغية الطلب في تاريخ حلب (٦/ ٢٦١١) البداية والنهاية (٨/ ١٦٤) تهذيب الكمال للمزي (٦/ ٤٢٠) سير أعلام النبلاء للذهبي (٣/ ٣٠٤)

[2] منهاج السنة النبوية (٤/ ٥٣٥)

چوتھی دلیل:

حسین رضی اللہ عنہ کے والد علی رضی اللہ عنہ جب تک زندہ رہے، مسلمان آپس میں لڑتے رہے، لیکن جب علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حسن رضی اللہ عنہ خلافت سے دست بردار ہوگئے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو اس سے پورے عالمِ اسلام میں امن و امان قائم ہوگیا۔ اب جو امن بڑی مشکل سے قائم ہوا تھا اور حسن رضی اللہ عنہ نے جس کے لیے عظیم قربانی پیش کی تھی، کیوں کر ممکن ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ تمام تجربات و مشاہدات سے آنکھیں بند کر لیں اور ایسا اقدام کریں، جس سے دوبارہ امت میں جنگ و جدال شروع ہو جائے؟!

پانچویں دلیل:

صحیح سند سے ثابت ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کربلا میں یزید کے پاس جانے کی خواہش کر رہے تھے، بلکہ اللہ کا واسطہ دے کر مطالبہ کر رہے تھے کہ انھیں یزید کے پاس جانے دیا جائے۔

امام احمد بن یحییٰ البلاذری (المتوفی: ۲۷۹ھ) نے کہا:

"حدثنا سعدويه، حدثنا عباد بُن العوام، حَدَّثَنِي حصين، حَدَّثَنِي هلال بن إساف قال: أمر ابن زياد فأخذ مَا بين واقصة إِلىٰ طريق الشَّام إِلىٰ طريق الْبَصْرَة، فلا يترك أحد يَلِجُ وَلا يخرج، فانطلق الْحُسَيْن يسير نحو طريق الشَّام، يُريد يزيد بُن مُعَاوِيَة فتلقته الخيول فنزل كربلاء، وَكَانَ فيمن بعث إِلَيْهِ عمر بن سعد بن أبي وقاص، وشمر بن ذي الجوشن، وحصين بُن نمير، فناشدهم الْحُسَيْن أن يُّسيروه إِلىٰ يزيد فيضع يدَه فِيْ يده"[1]

"عبیداللہ بن زیاد نے حکم دیا کہ واقصہ اور شام و بصرہ کے درمیان پہرہ لگا دیا جائے اور کسی کو بھی آنے جانے سے روک دیا جائے، چناں چہ حسین رضی اللہ عنہ یزید بن معاویہ سے ملنے کے لیے شام کی طرف چل پڑے، پھر راستے میں گھوڑ سواروں نے انھیں روک لیا اور وہ

---

[1] أنساب الأشراف للبلاذري (٣/ ١٧٣) و إسناده صحيح على شرط مسلم. سعدويه هو سعيد بن سليمان الضبي. تاريخ الطبري (٣/ ٢٩٩) وإسناده صحيح.

کربلا میں رُک گئے، ان گھوڑ سواروں میں عمر بن سعد بن ابی وقاص، شمر بن ذی الجوشن اور حصین بن نمیر تھے۔ حسین رضی اللہ عنہ نے ان سے التجا کی کہ انھیں یزید بن معاویہ کے پاس لے چلیں، تاکہ وہ یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں۔''

غور طلب بات یہ ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ یزید کے پاس کیوں جانا چاہتے تھے؟ اگر آپ یزید کی مخالفت میں مکے سے نکلے تھے تو آخر کیوں یزید کے پاس جانا چاہتے تھے؟! یزید کی بیعت کے لیے یزید کے پاس جانا ضروری تو نہ تھا، یزید سے دور رہ کر بھی تو یزید کی بیعت ہوسکتی تھے، جیسا کہ دیگر علاقے کے لوگوں نے کیا، پھر بھی آپ نے یزید کے پاس جانے کی کیوں کوشش کی؟

یہ صرف اور صرف اس لیے تھا، تاکہ یزید سے براہِ راست بیعت ہو جانے کے بعد کسی کو شکوک و شبہات پھیلانے کا موقع نہ ملے، نیز اہلِ کوفہ کی سازش سے بھی یزید کو باخبر کر دیا جائے، اسی لیے حسین رضی اللہ عنہ اہلِ کوفہ کے خطوط ساتھ لیے جا رہے تھے۔ اگر حسین رضی اللہ عنہ یزید کے خلاف نکلے ہوتے تو حکومت کے ساتھ اس درجہ تعاون کی فکر نہ کرتے۔

الغرض حسین رضی اللہ عنہ پر لگائے گئے یہ دونوں الزامات بے بنیاد ہیں اور صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ نے پر امن مقاصد ہی کے لیے کوفہ کا سفر اختیار کیا تھا۔

③ عبیداللہ بن زیاد:

کہا جاتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ نے جب یزید کے پاس جانے کی خواہش ظاہر کی تو ابن زیاد نے یہ شرط لگا دی کہ حسین رضی اللہ عنہ پہلے میری بیعت کریں، پھر یزید کے پاس جانے کی اجازت ملے گی، اس پر حسین رضی اللہ عنہ تیار نہ ہوئے، جس پر لڑائی چھڑ گئی اور نتیجے میں یہ حادثہ پیش آیا۔

اس بات کو بیان کرنے والا ابو مخنف ہے، جو کذاب اور رافضی ہے اور اسی کذاب نے پہلے یہ بیان کیا کہ عبیداللہ بن زیاد نے جب حسین رضی اللہ عنہ کے مطالبے پڑھے تو اس نے منظور کر لیا اور یزید کے پاس جانے کی اجازت دے دی، چناں چہ یہ نقل کرتا ہے:

''فلما قرأَ عُبَيْدُ اللَّهِ الكتابَ قَالَ: هَذَا كتاب رجلٍ ناصحٍ لأميره، مشفقٍ عَلىٰ قومه، نعم قَدْ قبلتُ''[1]

---

[1] تاريخ الطبري (٥/ ٤١٤)

''عبیداللہ بن زیاد، حسین رضی اللہ عنہ کا خط پڑھ کر پکار اُٹھا کہ یہ تو ایسے شخص کا خط ہے، جو اپنے خلیفہ کا خیر خواہ اور اپنی قوم پر شفیق ہے، مجھے حسین رضی اللہ عنہ کی بات منظور ہے۔''

اس کے بعد ابو مخنف کہتا ہے کہ عبیداللہ بن زیاد کی منظوری کے بعد شمر بن ذی الجوشن نے اسے بہکایا، جس کے بعد ابن زیاد نے یہ فیصلہ بدل دیا۔

عرض ہے کہ عبیداللہ بن زیاد ایک مدبر حکمران تھا۔ وہ کوئی بچہ تو نہیں تھا کہ شمر کے بہکانے سے بہک جائے، نیز شمر بن ذی الجوشن حسین رضی اللہ عنہ کا رشتے دار ہے اور جنگِ صفین میں یہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔[1] پھر کیوں کر ممکن ہے کہ اس قرابت اور رشتے داری کے باوجود شمر بن ذی الجوشن نے حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف ابن زیاد کو بھڑکایا ہو؟ مزید یہ کہ شمر بن ذی الجوشن اور حسین رضی اللہ عنہ کے بیچ کسی دشمنی کا کوئی ادنیٰ سراغ بھی کتبِ تاریخ میں نہیں ملتا، حتی کہ کسی موضوع روایت میں بھی نہیں، پھر کیا وجہ تھی کہ شمر بن ذی الجوشن حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف ابن زیاد کو بہکائے؟

صاف معلوم ہوتا کہ سچائی صرف اتنی ہے کہ عبیداللہ بن زیاد نے منظوری دے دی تھی اور حسین رضی اللہ عنہ شام کی طرف یزید کے پاس روانہ ہونے والے تھے، لیکن کوفی سبائیوں نے رکاوٹ کھڑی کر دی اور حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر ڈالا۔ اب اس جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے ابو مخنف کذاب نے یہ جھوٹ گھڑا کہ شمر بن ذی الجوشن کے کہنے پر ابن زیاد نے اپنی بات بدل دی، تاکہ الزام اہلِ کوفہ پر نہ آئے۔

یاد رہے کہ سچ میں جھوٹ کو اس باریکی سے ملانا کہ بات کچھ سے کچھ ہو جائے، کذابوں اور کوفیوں نے یہ کام صرف تاریخی روایات ہی کے ساتھ نہیں کیا، بلکہ احادیث میں بھی انھوں نے ایسی ہی پیوندکاری کی ہے، چناں چہ مشہور صحیح حدیث ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شام اور یمن کے لیے دعا کی، پھر جب عراق کے لیے بھی دعا کی درخواست کی گئی تو فرمایا: وہاں تو فتنے ہوں گے۔ صحیح روایت یہیں پر ختم ہو جاتی ہے، لیکن جھوٹے راویوں نے اس صحیح روایت میں یہ اضافہ بھی کر دیا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ فرمان کے بعد ایک شخص رونے لگا تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا تم عراق سے ہو؟ تو اس نے کہا: ہاں، اس کے بعد اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''إن أبي إبراهيم عليه السلام هم أن يدعو عليهم فأوحىٰ الله تعالى إليه: لا

[1] سفينة النجاة لعباس القمى (٤/ ٤٩٢)

تفعل، فإني جعلتُ خزائن علمي فيهم، وأسكنتُ الرحمةَ قلوبَهم"[1]

''بے شک میرے والد ابراہیم علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ اہلِ عراق پر بد دعا کریں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی جانب وحی کی کہ آپ ایسا نہ کریں، کیوں کہ میں نے اپنے علم کے خزانے اہلِ عراق میں رکھے ہیں اور ان کے دلوں میں اپنی رحمت ڈال دی ہے۔''

غور فرمائیں! ایک صحیح حدیث میں اس پیوند کاری سے بات کیا سے کیا ہوگئی؟ جب وہ لوگ حدیث میں اس طرح کی پیوند کاری کر سکتے ہیں تو تاریخ میں ان کے لیے کیا مشکل ہے؟!

الغرض عقلاً اور نقلاً کسی طرح بھی یہ بات قابلِ قبول نہیں ہوسکتی، اگرچہ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے بھی اس چیز کو بلا تعاقب ذکر کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''عمر بن سعد نے یہ مطالبے (حسین کی سہ رخی پیشکش) ابن زیاد کو لکھ کر بھیج دیے، تاکہ وہ ان کی منظوری دے دے، لیکن اس نے سخت رویہ اختیار کیا اور کہا کہ وہ پہلے یہاں میری بیعت کریں، تب میں انھیں یزید کے پاس جانے کی اجازت دوں گا۔ حضرت حسین کی طبع غیور نے اس بات کو پسند نہیں کیا اور فرمایا: ''لا یکون ذلك أبدا'' ایسا کبھی نہیں ہوسکتا، اس کے نتیجے میں وہ جنگ شروع ہوگئی۔''[2]

حالانکہ ابن زیاد کی طرف منسوب یہ سخت گیر رویہ یکسر غلط اور غیر ثابت شدہ ہے اور بات صرف ابن زیاد ہی کی نہیں، بلکہ اس چیز کو تسلیم کر لینے سے خود حسین رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر بھی داغ لگتا ہے کہ انھوں نے خواہ مخواہ ضد کی، بلکہ یہی ضد اس حادثے کا سبب قرار پاتی ہے، جیسا کہ خود حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے مذکورہ چیز نقل کرنے کے بعد اس بات کا احساس کیا ہے، چناں چہ لکھتے ہیں:

''حضرت حسین کا ابن زیاد کے انتظامی حکم کے مقابلے میں اپنی عزتِ نفس اور وقار کو عزیز تر رکھنا، حالانکہ اگر وہ موقع کی نزاکت اور حالات کی خطرناکی کے پیشِ نظر تھوڑی سی لچک اختیار کر لیتے تو شاید اس اَلمیے سے بچنا ممکن ہو جاتا۔''[3]

غور کیجیے! وہ حسین رضی اللہ عنہ جو کوفے کے پُرخطر حالات جان کر واپسی پر آمادہ ہوگئے اور کربلا

---

[1] تاریخ بغداد (۱/ ۵۲)

[2] رسوماتِ محرم الحرام (ص: ۱۰۸)

[3] رسوماتِ محرم الحرام (ص: ۱۰۹)

میں صاف کہہ دیا کہ میں یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینے کے لیے تیار ہوں، آخر اُن کے بارے میں یہ کیسے یقین کر لیں کہ انھوں نے محض اپنی ضد اور اَنا کی خاطر خود اپنی اور اپنے اہل و عیال اور دیگر مسلمین کی خون ریزی کا سامان مہیا کر دیا ہو؟!

یہ بات حسین رضی اللہ عنہ کے مجموعی طرزِ عمل سے قطعاً مناسبت نہیں رکھتی اور نہ سنداً لائقِ اعتبار ہے، اس لیے یہ ہرگز قابلِ قبول نہیں ہوسکتی، لہٰذا نہ تو حسین رضی اللہ عنہ نے ایسی کوئی ضد کی اور نہ ابن زیاد نے ان کے ساتھ ایسا کوئی سخت گیر رویہ اختیار کیا، بلکہ قرینِ قیاس یہی ہے کہ ابن زیاد نے حسین رضی اللہ عنہ کی شرط مان لی تھی، جیسا کہ ابو مخنف نے اعتراف کیا ہے، لیکن ابو مخنف نے بعد میں عدمِ منظوری کی بات اپنی طرف سے وضع کر لی۔

❀❀❀❀

استدراک

کیا صحابی رسول عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے بیعت یزید کی مخالفت کی؟

امام أبویعلی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۰۷) نے کہا:

حدثنا الحسن بن عمر بن شقيق بن أسماء الجرمى، حدثنا جعفر، عن هشام، عن محمد بن سيرين قال: لما أراد معاوية أن يستخلف يزيد بعث إلى عامل المدينة أن أفد إلى من شاء ، قال :فوفد إليه عمرو بن حزم الأنصارى، فاستأذن، فجاء حاجب معاوية يستأذن، فقال :هذا عمرو قد جاء يستأذن، فقال: ما جاء بهم إلى؟ فقال: يا أمير المؤمنين، جاء يطلب معروفك، فقال معاوية: إن كنت صادقا فليكتب ما شاء فأعطه ما سألك، ولا أراه، قال: فخرج إليه الحاجب، فقال: ما حاجتك؟ اكتب ما شئت ، فقال :سبحان الله أجيء إلى باب أمير المؤمنين , فأحجب عنه؟ أحب أن ألقاه، فأكلمه، فقال معاوية للحاجب :عده يوم كذا وكذا إذا صلى الغداة فليجء، قال: فلما صلى معاوية الغداة أمر بسرير، فجعل فى إيوان له، ثم أخرج الناس عنه، فلم يكن عنده أحد إلا كرسى وضع لعمرو، فجاء عمرو، فاستأذن، فأذن له، فسلم عليه، ثم جلس على الكرسى، فقال له معاوية:حاجتك، قال: فحمد الله وأثنى عليه، ثم قال:لعمرى لقد أصبح يزيد بن معاوية واسط الحسب فى قريش، غنيا عن المال، غنيا إلا عن كل خير، وإنى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:" إن الله لم يسترع عبدا رعية إلا وهو سائله عنها يوم القيامة :كيف صنع فيها"وإنى أذكرك الله يا معاوية فى أمة محمد صلى الله عليه وسلم بمن تستخلف عليها، قال: فأخذ معاوية ربوة ونفس فى غداة قر حتى عرق وجعل يمسح العرق عن وجهه ثلاثا، ثم أفاق، فحمد الله، وأثنى عليه، ثم قال: أما بعد ,فإنك امرؤ ناصح، قلت برأيك ,بالغ ما بلغ، وإنه لم يبق إلا ابنى وأبناؤهم، وابنى أحق من أبنائهم، حاجتك، قال: ما لى حاجة، قال:ثم قال له أخوه: إنما جئنا من

المدينة نضرب أكبادها من أجل كلمات قال: ما جئت إلا لكلمات، قال: فأمر لهم بجوائزهم، قال: وخرج لعمرو، مثله

محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ : جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو ولی عہد بنانے کا ارادہ کیا تو مدینہ کے عامل کو پیغام بھیجا کہ جسے مناسب سمجھو میرے پاس بھیج دو ۔تو عامل مدینہ نے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو بھیجا، چناں چہ وہ آئے اور اجازت طلب کی تو معاویہ رضی اللہ عنہ کا دربان اجازت لینے کے لئے آیا اور کہا: یہاں عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ اجازت طلب کررہے ہیں ۔ تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: انہیں یہاں کیا چیز لے آئی ہے ؟دربان نے کہا: امیرالمؤمنین !وہ آپ کی نوازش چاہتے ہیں۔معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تم سچ کہہ رہے تو وہ جو چاہیں لکھ دیں اور تم انہیں وہ سب دے دو جو وہ مانگیں ،لیکن میں ان سے مل نہیں سکتا۔پھر دربان ان کے پاس آیا اور کہا: آپ کیا چاہتے ہیں ؟جو بھی چاہئے لکھ دیں۔عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے کہا: سبحان اللہ !میں امیرالمؤمنین کے دروازے تک آجاؤں اوران سے ملاقات نہ ہوسکے؟میں ان سے مل کر بات کرنا چاہتا ہوں۔یہ سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دربان سے کہا:انہیں فلاں دن کا ٹائم دے دو جب وہ فجر کی نماز سے فارغ ہوں تو آجائیں ۔ پھر جب معاویہ رضی اللہ عنہ فجر کی نماز سے فارغ ہوئے تو ایک کرسی منگوائی اور اسے اپنے ایوان میں رکھوادیا اور تمام لوگوں کو وہاں سے رخصت کردیا، پھر وہاں صرف وہی کرسی بچی جو عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے لئے رکھی گئی تھی ۔چناں چہ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ آئے اور اجازت طلب کی ،انہیں اجازت دی گئی۔انہوں نے سلام کیا اور کرسی پر بیٹھ گئے ۔معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:اپنی حاجت بیان کریں۔عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالی کی حمدوثنا کی پھر کہا: بے شک یزید قریش میں اچھے خاندان والا بن چکا ہے اور مال ودولت اوراس جیسی چیزوں سے بھی بے نیاز ہوگیا ہے۔البتہ ہر بھلائی کا وہ بھی حق دار ہے۔میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ :''اللہ نے اپنے جس بندے کو بھی نگہبانی دیا ہے قیامت کے دن اس بارے میں اس سے سوال کرے گا کہ اس نے اس سلسلے میں کیا کام کیا؟'' اور اے معاویہ !امت محمدیہ کے لئے آپ جسے ولی عہد بنائیں گے اس بابت میں تمہیں اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔یہ سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سانس چڑھنے لگی حالانکہ موسم سرما کی صبح کا وقت تھا، یہاں تک کہ وہ پسینہ پسینہ ہوگئے پھر انہوں نے تین بار اپنے چہرے سے پسینہ پوچھا اور اپنی حالت پر قابو پایا پھر اللہ کی حمدوثنا کے بعد فرمایا: آپ نصیحت کرنے والے شخص ہیں آپ نے اپنی رائے سے کہا ہے خواہ کتنی ہی بڑی بات کہی ہے ۔اب صرف

میرے بیٹے اور دیگراصحاب کے بیٹے بچے ہیں اور میرا بیٹا دیگر اصحاب کے بیٹوں سے زیادہ حقدار ہے،آپ اپنی حاجت بیان کیجئے۔عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے کہا: میری کوئی حاجت نہیں ہے۔پھرعمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے ان کے بھائی نے کہا: کیا ہم مدینہ سے چندکلمات کہنے کی خاطر سفر کی مشقتیں جھیل کر آئے ہیں؟انہوں نے کہا: میں تو ان کلمات ہی کے لئے آیاہوں ۔پھرمعاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں انعامات دینے کاحکم صادرکردیا اورعمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے لئے بھی ویسے انعامات دئے گئے ۔ ①

یہ روایت قطعا ثابت نہیں ہے امام ابن عساکر رحمہ اللہ نے اسے غیرصحیح قراردیا ہے کماسیاتی اور ہماری نظر میں صحابی کے ذکر کے ساتھ یہ روایت باطل ومن گھڑت ہے ۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے رجال کوثقہ کہا ہے ②

عرض ہے کہ یہ بات عام طالب علموں کو بھی معلوم ہے کہ محض رجال سند کے ثقہ ہونے سے سند صحیح نہیں ہوجاتی ہے کیونکہ اس کے باوجود بھی سند میں ارسال وانقطاع وتدلیس اوردیگرعلل کاامکان باقی رہتاہے بلکہ خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک حدیث سے متعلق کہا:

”**لا يلزم من كون رجاله ثقات أن يكون صحيحا**“

”اس کے رجال کے ثقہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ صحیح ہے“ ③

نیز ابن الجوزی کے اقوال یزید کے خلاف بہت زورشور سے پیش کئے جاتے ہیں وہ بھی کہتے ہیں:

”**وقد يكون الإسناد كله ثقات ويكون الحديث موضوعا ...**“

”کبھی کبھی کسی سند کے سارے رجال ثقہ ہوتے ہیں پھر بھی حدیث موضوع ہوتی ہے۔۔۔) ④

اسی طرح بعض حضرات کا یہ کہنا کہ امام ہیثمی رحمہ اللہ نے اس روایت کے بارے میں”**ورجاله رجال الصحيح**“ ⑤

(اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں) کہا ہے یہ بھی بے سود ہے کیونکہ اس جملہ سے بھی حدیث

① مسند أبی یعلی الموصلی ت:حسین سلیم اسد :(۱۲۱/۱۳ رقم ۷۱۷٤)

② الإصابة فی تمییز الصحابة:(٥۱۲/٤)

③ تلخیص الحبیر لابن حجر، ط قرطبة:(٤٥/۳)

④ الموضوعات لابن الجوزی :(۱۹۹/۱)

⑤ (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد:۲٤۹/۷)

کی تصحیح لازم نہیں آتی ہے۔کیونکہ یہاں بھی ارسال وانقطاع جیسی دیگرعلتوں کا امکان باقی رہتاہے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قول المحدث فی حدیث ما ”رجاله رجال الصحیح“أو ”رجاله ثقات“ونحو ذلک لا یفید تصحیح إسناده، خلافا لما یظن البعض،،

محدث کا کسی حدیث کے بارے میں”رجاله رجال الصحیح“ (اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں) یا ”رجاله ثقات“(اس کے رجال ثقہ ہیں) یاجیسی بات کہنا اس حدیث کی سند کے لئے تصحیح کا فائدہ نہیں دیتاہے جیسا کہ بعض لوگ سمجھ بیٹھتے ہیں۔(1)

دراصل اس طرح کے جملوں سے صرف سند کے رجال کی توثیق ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود بھی سند میں دیگرعلتوں کا امکان باقی رہتا ہے اورزیرنظر روایت میں بھی معاملہ یہی ہے کہ رجال تو ثقہ ہیں لیکن دوسری علت موجود ہے جوسند کے صحیح ہونے سے مانع ہے۔

درحقیقت اس روایت کوبیان کرنے والے محمدبن سیرین رحمہ اللہ ہیں ۔اوریہ ارسال کرنے میں کافی مشہور ہیں ، بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے انہوں نے ارسال کیا ہے ۔جیسا کہ کتب مراسیل میں تفصیل دیکھی جاسکتی ہے ۔(2)

یعنی ایسے صحابہ کے حوالے سے یہ روایات بیان کرنے کے عادی تھے جن سے یہ کبھی ملے نہ تھے گرچہ ان کا دور پایا تھا۔بلکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کی بات بھی بیان کردیتے تھے ۔(3)

جبکہ آپ کو یہ دورملا ہی نہ تھا کیونکہ آپ تابعی ہیں۔

ایسی صورت میں یہ اگر کوئی ایسی کہانی بیان کریں جس کے بارے میں یہ ثابت ہوجائے کہ یہ ان کا اپنا مشاہدہ نہیں بلکہ یہ کہانی انہوں نے کسی غیرثقہ سے سن رکھی ہے تو دریں صورت ان کابیان معتبرنہ ہوگا۔اورزیرنظر روایت میں بیان کردہ قصہ محمدبن سیرین نے کسی غیرثقہ سے ہی سنا ہے جیسا

---

(1) الصحیحه:(۱/ ۲۱٤ تحت الرقم ٤ ۱۰)

(2) جامع التحصیل للعلائی ص۲٤٦،المراسیل لابن أبی حاتم الرازی ص:۳۲،تحفة التحصیل فی ذکر رواة المراسیل ۲۷۷

(3) المراسیل لأبی داود: (ص ۲٦۱)

کہ اس دلیل آگے آرہی ہے۔

لیکن اس سے قبل یہ بات بھی قابل غور ہے کہ روایت میں مذکور قصہ شام کے علاقہ کا ہے اور محمد بن سیرین بصرہ کے رہنے والے تھے۔اور امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے علاقہ کے اس اختلاف کی بنیاد پر ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے محمد بن سیرین رحمہ اللہ کے سماع کو محل نظر قرار دیا ہے چنانچہ:

امام ابن أبی حاتم رحمہ اللہ (المتوفی ۳۲۷) نے کہا:

سئل أبی عن ابن سیرین سمع من أبی الدرداء قال قد أدرکه ولا أظنه سمع منه ذاک بالشام وهذا بالبصرة

میرے والد سے پوچھا گیا کہ کیا محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے سنا ہے ؟ تو آپ نے کہا: محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا دور تو پایا ہے لیکن مجھے نہیں لگتا کہ ان سے سنا ہے کیونکہ ابوالدرداء شام میں ہوتے تھے اور محمد بن سیرین رحمہ اللہ بصرہ کے رہنے والے تھے۔[1]

بنابریں جب یہ واقعہ بھی شام کے علاقہ کا ہے اور محمد بن سیرین رحمہ اللہ بصرہ کے رہنے والے ہیں تو یہیں پر یہ شبہہ پیدا ہوگیا کہ یہ واقعہ ان کا اپنا مشاہدہ ہو یہ بہت بعید ہے۔اب رہ جاتا ہے یہ احتمال کی محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے یہ واقعہ خود عمرو بن حازم رضی اللہ عنہ سے سنا ہو، تو عرض ہے کہ اس روایت میں انہوں نے ایسی کوئی صراحت نہیں کی ہے بلکہ ان سے بذریعہ ''عن'' روایت کی بھی وضاحت نہیں کی ہے،اور ان کے اساتذہ میں عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کا نام نہیں ملتاہے اور نہ ہی عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے تلامذہ میں محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا نام ملتاہے۔لہذا اس واقعہ کے اصل شاہد اور محمد بن سیرین رحمہ اللہ کے مابین انقطاع ہے۔

اور محمد بن سیرین رحمہ اللہ چونکہ بکثرت ارسال کرنے میں معروف ہیں اس لئے یہ بھی نہیں معلوم کہ محمد بن سیرین رحمہ اللہ اور اس واقعہ کے اصل راوی کے بیچ کتنے لوگوں کا واسطہ ہے۔

اس علت کے ساتھ ساتھ اس روایت کے متن پر غور کیجئے تو اس کا متن بھی اس کے بطلان کی طرف اشارہ کرتاہے چنانچہ اس واقعہ کے شروع میں کہاجاتاہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عامل مدینہ کو حکم دیا کہ مدینہ سے کسی کو ہمارے پاس بھیجو،اس فرمان پر عمل کرتے ہوئے عامل مدینہ نے عمرو بن

[1] المراسیل لابن أبی حاتم :ص(۱۸۷)

حزم الانصاری رضی اللہ عنہ کو بھیجا ۔لیکن اس واقعہ میں آگے چل ذکر ہوتا ہے کہ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ جب اجازت طلب کررہے ہیں تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے ملنے سے بھی انکار رہے ہیں ! یہ کیسا عجوبہ ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خود کسی کو بلوائیں اورپھر خود ہی ان سے ملنے بھی انکار کردیں ۔اور اس انکار پر عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ عاجزانہ درخواست تو کرتے ہیں لیکن یہ نہیں کہتے کہ جب ان کو ملاقات نہیں کرنی تھی تو مدینہ سے ہمیں کیوں طلب کیا؟ علاوہ بریں عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے اصرار پر جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے ملاقات کرتے ہیں تو پوچھتے ہیں تمہاری کیا حاجت ہے؟ اب یہ معمہ کوئی سمجھائے گا کہ خود ہی طلب کیا ہے اور خود ہی پوچھ رہے ہیں تمہاری کیا حاجت ہے؟ واقعہ کے اخیر میں دیکھئے کہ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے بھائی کی جوگفتگو ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ مدینہ سے شام سرکاری فرمان کے تحت نہیں بلکہ اپنی ذاتی مرضی سے آئے تھے ۔اور یہ چیز اسی روایت کے شروع کے حصہ سے متصادم ہے۔

اب اس بات کی صریح دلیل ملاحظہ کیجئے کہ محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے یہ پوری کہانی کسی غیر ثقہ سے سنی ہے جس نے ایک صحیح واقعہ کو بدل کرایک جھوٹا واقعہ بنادیا ہے۔ چنانچہ امام ابن عساکر رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ یہ اصل واقعہ نقل کیا ہے جو صحابی رسول عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کا نہیں بلکہ ان کے بیٹے محمد بن عمرو بن حزم رحمہ اللہ کا ہے جو صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں ۔اورصحیح سند سے ثابت شدہ یہ واقعہ درج بالا واقعہ سے کافی مختلف ہے۔اسی لئے امام ابن عساکر رحمہ اللہ نے درج بالا واقعہ کو غیر صحیح قرار دیتے ہوئے اصل واقعہ پیش کیا ہے چنانچہ کہا:

ووفد على معاوية هو وأخوه عمارة بن عمرو وقيل إن القادم أبوه وعمه عمارة بن حزم ولم يصح ذلك

اورمحمد بن عمرو اور ان کے بھائی عمارہ بن عمرو، معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آنے والے محمد بن عمرو کے والد (عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ) اوران کے چچا عمارہ بن حزم تھے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ [1]

[1] تاریخ دمشق لابن عساکر:(۵/۵۵)

اس کے بعد امام ابن عسا کرنے اصل واقعہ پیش کرتے ہوئے کہا:

أخبرنا أبو بكر محمد بن شجاع أنبأنا أبو عمرو بن مندة أنبأنا الحسن بن محمد بن أحمد أنبأنا أبو الحسن اللنبانى ثنا أبو بكر بن أبى الدنيا حدثنى أبو جعفر العكلى ثنا إسماعيل بن إبراهيم عن ابن عون حدثنى عمر بن كثير بن أفلح قال خرج محمد بن عمرو ابن حزم وأخوه عمارة بن حزم فقدما على معاوية فرآهما ذات يوم فقال متى قدمتما قالا منذ كذا وكذا قال أفلا تلقيانى بحاجتكما قالا وددنا قال فميعادكما غدا بالغداة فلما أصبحا جعل محمد يتهيأ للغدو ويقول عمارة اذكر كذا أذكر كذا قال فحضرا الباب فأذن لهما ومعاوية جالس على كرسى فتشهد محمد ثم قال أما بعد فإنه والله ما فى الأرض اليوم نفس هى أعز على من نفسك سوى نفسى وما فى الأرض اليوم نفس أحب إلى رشدا من نفسك سوى نفسى وإن يزيد بن معاوية قد أصبح غنيا إلا عن كل خير أصبح واسط الحسب فى قريش وأصبح غنيا فى المال وأن الله سائل كل راع عن رعيته وأنك مسؤول عن رعيتك فانظر عباد الله من تولى أمرهم ثم استغفر فلقد رأيت معاوية أخذه بهر وإنا لفى يوم شات ثم تنفس ثم تشهد ثم قال أما بعد فإنك امرؤ ناصح وإنما قلت برأيك والله ما كان عليك إلا ذلك وإنما بقى ابنى وأبناؤهم فابنى أحق من أبنائهم ارتفعا راشدين فلما خرجا أقبل عمارة على أخيه فقال فما ضربنا أكباد الإبل من المدينة إلا لهذا أفى يزيد بن معاوية ما كنت تستقبله بشىء أشد مما استقبلته به فلما أكثر عليه قال حسبك أكل هذا ليظنك أنك ستعطى قال فتركنا كذا وكذا لا يلتفت إلينا ثم أرسل إلينا أن ارفعا حوائجكما قال فرفعنا حوائجنا وأعطانا ما شاء لنا[1] وزادنا

عمر بن کثیر بن افلح کہتے ہیں کہ محمد بن عمرو بن حزم اور ان کے بھائی عمارۃ (بن عمرو) بن

[1] لعل الصواب "ما شئنا" كما يدل عليه السياق

حزم نکلے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے یہاں آئے ۔ایک دن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا تو کہا: تم لوگ کب آئے؟ تو انہوں نے کہا فلاں وقت، تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم لوگ اپنی حاجت لیکر مجھ سے کیوں نہیں ملے؟ انہوں نے کہا: ہمارا ارادہ ہے۔امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر کل تم لوگ آجاؤ۔ چنانچہ جب صبح ہوئی تو محمد بن عمرو جانے کی تیاری میں لگ گئے اور عمارہ سے کہنے لگے ۔فلاں فلاں بات یادرکھو۔ پھر یہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دروازے پر آئے اور انہیں اجازت مل گئی ۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر محمد بن عمرو نے حمد وصلاۃ کے بعد کہا: اللہ کی قسم ! آج روئے زمین پر آپ سے زیادہ قیمتی میرے نزدیک کوئی نہیں سوائے میرے نفس کے۔اور رشد وصواب کے اعتبار سے بھی میرے نزدیک آپ سے زیادہ محبوب کوئی نہیں سوائے میرے نفس کے۔بے شک یزید ہر کار خیر کے علاوہ ساری چیزوں سے بے نیاز ہوگیا ہے، وہ قریش میں اچھے خاندان والا بن چکا ہے، اور مال ودولت کی بھی اس کے پاس کمی نہیں ۔اللہ ہر نگہبان سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کرے گا۔اور آپ سے بھی آپ کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا، لہذا غور فرمالیں کہ اللہ کے بندوں کے لئے کسے ولی عہد منتخب کریں گے۔ پھر انہوں نے استغفار کیا۔راوی کہتے ہیں میں نے دیکھا معاویہ رضی اللہ عنہ ہانپنے لگے جب کہ ہم ٹھنڈی کے دن میں تھے ۔پھر انہوں نے سانس لی اور حمد وصلاۃ کے بعد کہا: بے شک تم نصیحت کرنے والے شخص ہو، تم نے اپنی رائے پیش کی ہے ۔اللہ کی قسم تمہیں اس کا پورا حق ہے۔لیکن اب میرا بیٹا اور دیگر اصحاب کے بیٹے ہی بچے ہیں اور میرا بیٹا ان کے بالمقابل زیادہ حقدار ہے۔آپ دونوں آرام سے جاسکتے ہیں ۔ پھر جب دونوں نکلے تو عمارہ اپنے بھائی کے پیچھے پڑ گئے اور کہنے لگے: کیا ہم مدینہ سے سفر کی مشقت اٹھا کر اسی لئے آئے تھے؟ کیا یزید بن معاویہ کے بارے میں بات کرنی مقصود تھی؟ جس تشدد کے ساتھ تم نے ان سے ملاقات کی ہے اس سے زیادہ تشدد کا مظاہرہ تم کر بھی نہیں سکتے ۔جب ان کے بھائی بہت زیادہ بولنے لگے تو انہوں نے کہا: اب رہنے دیں ! کیا یہ سب اس لئے کہہ رہے ہو تا کہ یہ سمجھا جائے کہ تمہیں کچھ مل جائے گا؟ یہ کہتے ہیں کہ پھر ہمیں چھوڑ دیا گیا اور ہماری طرف کوئی توجہ نہیں ہو رہی تھی

خلیفہ بنانا چاہتے ہیں تو اسے اس کی ضرورت نہیں البتہ اس سے خیر کا کام لینا چاہتے ہیں تو یہ الگ معاملہ ہے۔ظاہر ہے کہ اس کلام میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نیت پر شک تھا اس لئے فطری طور پر انہیں شدید برا لگا جس کے آثار ان کے چہرے پر پسینے کی شکل میں دکھائی دئے لیکن اس کے باوجود بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے صبر وضبط سے کام لیا اور محمد بن عمرو کی بات کو نصیحت ہی پر محمول کیا اس سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حلم وبردباری ،صبر وضبط اور قوت برداشت کا پتہ چلتا ہے۔

بہرحال چونکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقصد یزید سے خیر کا کام لینا ہی تھا اس لئے انہوں نے جوابا کہا کہ اب آئندہ خلافت کا بار سنبھالنے کے لئے صرف میرا بیٹا اور دیگر اصحاب کے بیٹے ہی بچے ہیں اوراس معاملہ میں میرا بیٹا ان سب میں زیادہ موزوں ہے۔ظاہر ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ موازنہ فضل وشرف میں نہیں کیا تھا بلکہ امور خلافت سے متعلق اہلیت میں کیا تھا۔

یہ ہے اس واقعہ کی حقیقت ،اوراس میں محمد بن عمرو نے یزید کی کوئی مذمت نہیں کی ہے بلکہ امیر معاویہ کو اخلاص کی نصیحت کی ہے جس پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف کی وضاحت کردی ۔

صحابی رسول عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ثابت نہ ہونے کے سبب ہمارا یہ موقف اپنی جگہ برقرار ہے کہ صرف دو صغار صحابہ کے علاوہ صحابہ میں کسی نے بھی بیعت یزید کی مخالفت نہیں کی۔ دیکھیے اسی کتاب کا صفحہ ۳۱۳۔

خلیفہ بنانا چاہتے تو اسے اس کی ضرورت نہیں البتہ اس سے خیر کا کام لینا چاہتے ہیں تو یہ الگ معاملہ ہے۔ظاہر ہے کہ اس کلام میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نیت پرشک تھا اس لئے فطری طور پر انہیں شدید برا لگا جس کے آثار ان کے چہرے پر پسینے کی شکل میں دکھائی دیۓ لیکن اس کے باوجود بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے صبر وضبط سے کام لیا اور محمد بن عمرو کی بات کو نصیحت ہی پر محمول کیا اس سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حلم و بردباری ،صبر وضبط اور قوت برداشت کا پتہ چلتا ہے۔

بہرحال چونکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقصد یزید سے خیر کا کام لینا ہی تھا اس لئے انہوں جوابا کہا کہ اب آئندہ خلافت کا بارسنبھالنے کے لئے صرف میرا بیٹا اور دیگر اصحاب کے بیٹے ہی بچے ہیں اوراس معاملہ میں میرا بیٹا ان سب میں زیادہ موزوں ہے۔ظاہر ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ موازنہ فضل وشرف میں نہیں کیا تھا بلکہ امور خلافت سے متعلق اہلیت میں کیا تھا۔

یہ ہے اس واقعہ کی حقیقت ،اوراس میں محمد بن عمرو نے یزید کی کوئی مذمت نہیں کی ہے بلکہ امیر معاویہ کو اخلاص کی نصیحت کی ہے جس پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف کی وضاحت کردی ۔

صحابی رسول عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ثابت نہ ہونے کے سبب ہمارا یہ موقف اپنی جگہ برقرار ہے کہ صرف دو صغار صحابہ کے علاوہ صحابہ میں کسی نے بھی بیعت یزید کی مخالفت نہیں کی۔ دیکھیے اسی کتاب کا صفحہ ۳۱۳۔

عبیداللہ بن زیاد اور رأس حسین رضی اللہ عنہ

اسی کتاب کے صفحہ (۳۷۴) سے عبیداللہ بن زیاد اور رأس حسین رضی اللہ عنہ سے متعلق بحث شروع ہوتی ہے جوکئی صفحات تک جاتی ہے۔ یہاں ہم نے یہ بتایا کہ عبید اللہ بن زیاد نے حسین رضی اللہ عنہ کے سر کے ساتھ کوئی بے حرمتی نہیں ہے۔اسی ضمن میں ترمذی کی ایک حدیث ہے:

حدثنا خلاد بن أسلم البغدادی قال:حدثنا النضر بن شمیل قال:أخبرنا هشام بن حسان، عن حفصة بنت سیرین، قالت:حدثنی أنس بن مالك، قال:كنت عند ابن زیاد فجیء برأس الحسین فجعل یقول بقضیب فی أنفه ویقول:ما رأیت مثل هذا حسنا، لم یذکر؟ قال:قلت:أما إنه كان من أشبههم برسول الله صلى الله عليه وسلم[1]

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں عبیداللہ بن زیاد کے پاس تھا کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سر لایا گیا تو وہ ان کی ناک کی طرف اشارہ کرکے کہنے لگا میں نے اس جیسا خوبصورت کسی کونہیں دیکھا ، کیوں ان کا ذکر کیا جاتا ہے؟ تو میں نے کہا: یقیناً اہل بیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔

یہی حدیث صحیح بخاری وغیرہ میں بھی ہے ۔ اس حدیث کے ابتدائی حصہ میں حسین رضی اللہ عنہ کے سر کے ساتھ ابن زیاد کا جوعمل منقول ہے اس سے بعض لوگوں نے گستاخی کا مفہوم سمجھ لیا ہے لیکن پھر اسی حدیث کے اگلے حصہ میں یہ موجود ہے کہ عبیداللہ بن زیاد حسین رضی اللہ عنہ کی خوبصورتی کی تعریف کررہاہے۔

صاف ظاہر ہے کہ یہ بہت بڑا اشکال ہے کہ جب ابن زیاد ، حسین رضی اللہ عنہ کے سر کے ساتھ گستاخی کررہاہے تو پھر اس نے حسین رضی اللہ عنہ کی خوبصورتی کی تعریف کیسے کردی ؟

اس اشکال کو رفع کرنے کے لئے یہ حل نکالا گیا کہ خوبصورتی کی تعریف والے جملے کو مذاق اور استہزاء پر محمول کردیا گیا تاکہ ماقبل میں گستاخی کا جو سیاق ہے اسی کے مطابق یہ بات بھی ہوجائے چنانچہ ملاعلی قاری رحمہ اللہ بعض سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] سنن الترمذی ت شاکر رقم (۳۷۷۸)

”هذا لا يلائم السياق إلا أن يحمل على الاستهزاء “[1]

”ابن زیاد کا حسین رضی اللہ عنہ کی خوبصورتی کی تعریف کرنا (ماقبل کے) سیاق کے ساتھ میل نہیں کھاتا الا یہ کہ اس تعریف والی بات کو استہزاء پر محمول کیا جائے“

علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ نے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا:

”يعني ما رأيت حسنا مثل حسن هذا يتهكم به“ [2]

”یعنی ابن زیاد نے استہزاء کرتے ہوئے یہ کہا کہ میں نے ایسی خوبصورتی نہیں دیکھی“

قارئین کرام! ملاحظہ فرمایا آپ نے!

روایت کے اندر صاف موجود ہے کہ ابن زیاد نے حسین رضی اللہ عنہ کی خوبصورتی کی تعریف کی لیکن اس صاف اور صریح بات کو بھی محض اس لئے بدنیتی اور استہزاء پر محمول کیا جارہا ہے تاکہ ماقبل کے سیاق میں جو گستاخی کی بات ہے اس کے موافق یہ بات بھی ہوجائے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ سیاق کے موافق بنانے کے لئے دوسری بات ہی کی تاویل کیوں کی گئی؟ جب کہ دوسری بات واضح اور بالکل صریح ہے؟ آخر ایسا کیوں نہیں کیا گیا کہ پہلی بات ہی کے صحیح معنی ومفہوم کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی تاکہ یہ آگے موجود دوسری صاف اور صریح بات سے نہ ٹکرائے؟

اصل حقیقت یہ ہے کہ اس روایت میں موجود پہلی بات کا غلط معنی ومفہوم لے لیا گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ معنی ومفہوم روایت کے اگلے حصہ سے ٹکرا گیا۔ اب اس ٹکراو کو دور کرنے کے لئے مزید ستم یہ گیا گیا ہے روایت کے اگلے حصہ کا معنی ومفہوم بھی بدل دیا گیا۔

قارئین کتاب کے اندر محولہ مقام[3] کا مراجعہ فرمائیں وہاں ہم نے پوری تفصیل دے دی ہے کہ اس روایت کے پہلے جملے میں بھی گستاخی والی کوئی بات نہیں ہے۔ اس لئے روایت کے اگلے حصہ کو توڑ مروڑ کر کسی اور معنی پر محمول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

---

[1] مرقاة المفاتيح للملا القارى (٣٩٨٥/٩)

[2] تحفة الأحوذی (١٩٢/١٠)

[3] اسی کتاب کا صفحہ (۳۷۷ تا ۳۸۳) دیکھیں۔

”لم یذکر؟“ کا مفہوم

ترمذی کی روایت میں ابن زیاد کی طرف سے خوبصورتی کی تعریف والے جملے کے بعد یہ بھی ہے کہ ” لم یذکر؟“(ان کا ذکر کیوں کیا جاتا ہے؟) پورا جملہ یہ ہے:

”ما رأیت مثل ھذا حسنا، لم یذکر؟“[1]

’’میں نے اس جیسی خوبصورتی نہیں دیکھی ، پھر ان کا ذکر کیوں کیا جاتا ہے؟‘‘

لیکن اس ’’ذکر‘‘ کے ساتھ ذکرِ خیر یا ذکرِ شر کی صراحت نہیں ہے ، لیکن چونکہ یہ بات خوبصورتی کی تعریف کرنے کے بعد کہی گئی ہے اس لئے اس کا مطلب یہی ہوگا کہ ابن زیاد ان کے ذکرِ شر پرنکیر کرتے ہوئے سوال اٹھا رہا ہے؟ اسی لئے ہم نے اس کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا:

’’میں نے اس جیسی خوبصورتی نہیں دیکھی پھر کیوں آپ کی برائی کی جاتی ہے‘‘

اس پر بعض لوگوں نے تحفۃ الاحوذی سے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا قول نقل کیا کہ انہوں نے کہا:

”وقوله (لم یذکر) معناه لماذا یذکر فی الناس بالحسن ولیس له حسن انتھی“[2]

’’شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں ”لم یذکر “ کا معنی یہ ہے کہ لوگوں میں ان کی خوبصورتی کا چرچا کیوں ہوتا ہے جبکہ ان کے پاس خوبصورتی نہیں ہے‘‘

عرض ہے کہ شاہ صاحب نے یہ معنی اس لئے کیا ہے کیونکہ انہوں نے خوبصورتی کی تعریف والی بات کو استہزاء پرمحمول کیا ہے جیسا کہ اوپر نقل کیا گیا ہے ۔لیکن ہم عرض کرچکے ہیں کہ خوبصورتی والی بات کو استہزاء پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے ”لم یذکر“ کا وہ معنی بھی صحیح نہیں ہے جو انہوں نے کیا ہے۔

علاوہ بریں اس بات پرغور کیا جائے کہ کسی خوبصورت شخص کی عدم موجودگی میں کوئی یہ بات

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۹۰۸) دیکھیں۔
[2] تحفة الأحوذی (۱۰/۱۹۲)

کہے کہ وہ بدصورت ہے تو اس کا امکان تو نظر آتا ہے۔ لیکن حسین رضی اللہ عنہ کا خوبصورت چہرہ سامنے موجود ہو پھر بھی کوئی بدصورتی کی بات کہے تو یہ ایسے ہی ہے جیسے دن کے اجالے میں کوئی سورج کا انکار کردے۔

"لم یذکر؟" یا "ثم تذکر"

اس روایت کے ایک طریق میں "لم یذکر؟" کی جگہ "ثم تذکر" ہے دیکھئے: ترتیب الأمالی الخمیسیۃ للشجری (۲۵۲/۱)

لیکن اس سند کے سارے رواۃ کے حالات مجھے نہیں مل سکے۔ اگر یہ روایت ثابت ہوجائے تو اس کے مطابق مفہوم یہ ہوگا کہ عبیداللہ بن زیاد، حسین رضی اللہ عنہ کا سر دیکھ کر رنج وغم سے سوچ اور فکر میں ڈوب گیا جیسا کہ "جعل ینکت" کی تشریح میں وضاحت کی جاچکی ہے [1] اوراسی عالم میں اس نے کہا کہ میں نے اس جیسی خوبصورتی نہیں دیکھی پھر جب وہ اس سوچ وفکر سے باہر ہوا تو راوی نے اسی حالت کو" ثم تذکر" سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن ہم عرض کرچکے ہیں اس روایت کے تمام راویوں کے حالات ہم کونہیں مل سکے۔

❋❀❁✪❁❀❋

---

[1] اسی کتاب کا صفحہ (۳۷۷ تا ۳۸۳) دیکھیں۔

تاثرات: شیخ جلال الدین قاسمی حفظہ اللہ

راقم ھذہ السطور نے آج سے کچھ عرصہ قبل شہر بنگلور میں واقعہ کربلا کا حقیقی پس منظر کے عنوان پر ایک تحقیقی خطاب پیش کیا تھا ،جس کا حقیقت سے دلچسپی رکھنے والے حلقوں میں بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا گیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد شیخ زبیر علی زئی اور ان کے ہمنوا اشخاص کے یزید کے بارے میں میرے رجحان کے متضاد بیانات منصۂ شہود پر نمایاں ہوئے، جو مسلسل میری ذہنی کشمکش کا باعث بنے رہے اور اضطراب کا کابوس میرے دل و دماغ پر مُستولی رہا،تا آنکہ شیخ کفایت اللہ سنابلی حفظہ اللہ کی معرکۃ الآراء تصنیف ''یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ'' عزیزم ندیم برہانپوری کے توسط سے مجھ تک پہونچی ۔یہ دیکھ کر بیحد مسرت اور خوشگوار حیرت کا احساس ہوا کہ کتاب میں موجود مستند اور معتبر دلائل پر مبنی نتائج میرے رجحان سے ہم آہنگ تھے۔

اس کتاب میں واقعہ کربلا کا محدثانہ اور مجتہدانہ جائزہ لیا گیا ہے،استادی ونبوغ اس کتاب کے جملے جملے سے مترشح ہے۔صحت وسقم اور حق و باطل کے درمیان خطِ امتیاز کھینچنا، خصوصاً اس وقت جب دُودِ باطل کے کثیف مرغولے آئینۂ حق کے چہرۂ با صفا پر کدورت کا دبیز نقاب ڈال چکے ہوں اور حق اصحابِ عقل وتمیز کی جذباتیب اورغفلت سے عقدۂ بے اعتباری کے شکنجے میں جکڑ ہوا ہو، ایک انتہائی مشکل امر ہے۔

مصنف نے میانہ روی کی روش اور منافقت و دو رُوئی کے درمیان بھی فرق کو بڑے عالمانہ اور دلچسپ انداز میں ظاہر کردیا ہے ۔واقعۂ کربلا کے باب میں مصنف نے قریۂ ظن وتخمین سے کشور ِیقین تک ،اورصحرائے وہم سے گلگشتِ حقیقت تک ،ایک متلاشیٔ حق کو سفر کرانے میں بڑی جانفشانی اورعرق ریزی سے کام لیا ہے، اور اس فریضے سے وہ بوجوہ احسن عہدہ برآ ہوئے ہیں۔کمال یہ ہے کہ ان کے نوکِ قلم نے نخچیرِ باطل کے لئے ناخنِ ضیغم کی شکل اختیار کرلی ہے۔انہوں نے ہر معترض کے اعتراض کا جواب اسی کے لب و لہجے میں دیا ہے ۔مثلاً شیخ زبیر علی زئی فن اسماء الرجال پر اچھی نظر رکھتے ہیں اور انہوں نے یزید پر اعتراضات اسی فن کے تناظر میں کیا ہے تو شیخ کفایت اللہ نے ان کے اعتراضات پرفن اسماء الرجال کی روشنی ہی میں خطِ بطلان کھینچا ہے۔

کتاب کو پڑھتے وقت ایسا مُتَصَوّر ہوتا ہے کہ ہر جگہ مضرابِ تحقیق رواں اور زمزمۂ تدقیق دواں ہے۔ بحث وتمحیص اور تحلیل وتجزیہ کا یہ انداز دیکھ کر پڑھنے والے کے وجدان پر حیرت کا عالم طاری ہو جاتا ہے اور وہ مصنف کی وسعتِ مطالعہ اور غیر معمولی قوتِ مشاہدہ کی داد دئے بغیر نہیں رہ پاتا۔ اس واقعے کے کسی بھی پہلو سے وہ سرسری انداز سے نہیں گزرے ہیں اور کسی بھی نقطے کو تشنۂ تکمیل نہیں چھوڑا ہے۔ اس واقعہ کے متعلق کج فکر مخالفین کی تمام الزام تراشیوں، اور کذب بیانیوں پر ان کے قلمِ ساطور نَمَط کی ہنگامہ خیزی دیدنی ہے۔

اس کتاب کو پڑھ کر ذہن و دماغ کو وہی لطف ملتا ہے جو موسم بہار کو دیکھ کر دیدہ و دل کو ملتا ہے۔ کتاب کی ہر ہر سطر تارِ دماغ کو چھیڑ کر اس میں ایک اہتزازی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ اس تحقیق کی چمک دمک کے سامنے نَفَسِ صُبح کو غُبارِ شرمندگی میں پیچ و تاب ہی کھاتے بنتی ہے۔ تحریر کی متانت، رزانت اور استحکام کے سامنے رگِ یاقوت بھی نہ ٹھہر سکے۔ اس کتاب کو ایسے گُلِ نازک ادا سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جس کے لب و رخسار کو نسیمِ مشکِ ختن بار بار چوم رہی ہو۔

یہ کتاب بنیادی حوالے کی حیثیت رکھتی ہے **اور میری نگاہ میں اس موضوع پر اس سے زیادہ محقَّق و مبسوط اور عمدہ کتاب پوری دنیا میں موجود نہیں ہے،** جس کے لئے مصنفِ کتاب تحسین و آفریں کے مستحق ہیں۔ یہ کتاب اس لائق ہے کہ علمی حلقوں میں اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا جائے اور ہر لائبریری کی زینت بنائی جائے۔

حافظ جلال الدین القاسمی (مالیگاؤں)

ایم اے میسور یونیورسٹی

۱۲/ستمبر/۲۰۱۵ء